آسان تفسیر قرآن مجید

حصہ دوم

نام کتاب : آسان تفسیر قرآن مجید
مؤلف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صفحات : ۱۰۰۲
سن اشاعت : ۱۴۳۸ھ، ۲۰۱۶ء
تعداد اشاعت : ایک ہزار (۱۰۰۰)
کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم سبیلی جالوی، فون نمبر : 9959897621 91+
(العالم اُردو کمپیوٹرس، بیت العلم، کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد)

المعهد العالي الإسلامي حيدرآباد انڈیا

ناشر
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی

ملنے کے پتے

- المعہد العالی الاسلامی، تعلیم آباد، حیدرآباد۔
- بیت الحمد، قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد۔
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور (یوپی)۔
- دکن ٹریڈرس، نزد مغلپورہ پانی کی ٹنکی، حیدرآباد۔
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدرآباد۔

آسان تفسیر

قرآن مجید

آسان وسلیس اُردو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح، جس میں مستند احادیث کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کو واضح کیا گیا ہے، انبیاء اور ان کی اقوام سے متعلق واقعات کے ذیل میں دعوتی نکات اور سبق آموز پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، قرآن مجید سے مستنبط ہونے والے شرعی احکام اور خاص کر جدید مسائل پر توجہ دی گئی ہے، اہل مغرب کی جانب سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے اور عصر حاضر کے غیر اسلامی اور نادرست افکار ونظریات کے بارے میں قرآن مجید کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔

حصہ دوم

(سورۂ مریم —— سورۂ ناس)

از

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ﴿۹﴾ (الإسراء:۹)

یقیناً یہ قرآن سب سے سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے اور ان ایمان والوں کو جو اچھے عمل کرتے ہیں، بڑے اجر کی خوشخبری سناتا ہے۔

فہرست مضامین

○ ○ ○

حرفِ اولیں

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ آسان تفسیر کی دوسری جلد (سورۂ مریم — سورۂ ناس) پریس میں جارہی ہے، بحمد اللہ عوام وخواص کے درمیان اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، خدا کرے کہ رب کائنات کی بارگاہ میں قبول ہو جائے کہ ایک غلام کے لئے اس سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا مالک اس کی پیش کی ہوئی متاعِ حقیر کو قبول فرمالے، اس کی جلد اول کے تین ایڈیشن ہندوستان سے اور متعدد ایڈیشن پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں، ہندی کے علاوہ جنوبی ہند کے علاقہ تلنگانہ و آندھرا پردیش کی زبان تلگو اور مہاراشٹر کی زبان مراٹھی میں بھی ترجمہ جاری ہے اور بنگلہ دیش میں بنگلہ ترجمہ کا کام شروع ہو چکا ہے۔

جلد اول کی اشاعت کے بعد اس کے نسخے مختلف بزرگوں کی خدمت میں روانہ کئے گئے، انھوں نے بڑے حوصلہ افزاء تاثرات لکھ کر بھیجے، جو اس حقیر کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں، اس دوسری جلد کے شروع میں ان کو شامل کر دیا گیا ہے؛ البتہ جو تحریریں طویل تھیں، ان میں سے اقتباسات لے لئے گئے ہیں اور اصل عبارت میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، یہ حقیر اپنے ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا شکر گذار ہے، **فجزاھم اللہ خیر الجزاء**۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو اس کے لئے نیز اس کے والدین اور اساتذۂ ومشائخ کے لئے صدقۂ جاریہ بنادے۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم۔

۲۵؍شوال ۱۴۳۷ھ — **خالد سیف اللہ رحمانی**

۳۱؍جولائی ۲۰۱۶ء — (بیت الحمد، شاہین نگر، حیدرآباد)

○ ○ ○

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين ، وعلى آله وصحبه أجمعين ، وبعد !

ایک زبان سے دوسری زبان میں اہم معانی کو ان کے عین مطابق منتقل کرنا مشکل ہی نہیں ؛ بلکہ ناممکن کے قریب ہے، البتہ عام اور آسان معانی کو منتقل کرنا بڑی حد تک ممکن ہے ؛ لیکن معانی میں اگر کیفیت اور گہرائی ہو تو ان کا حق ادا کرنا آسان نہیں ہوتا اور معاملہ جب کلامِ الٰہی کا ہو تو بڑی ذمہ داری کی اور مشکل بات ہوتی ہے۔

لیکن قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے اور اللہ رب العزت کے حکموں اور ہدایتوں کو سمجھنے کے لئے اس کے معانی سے واقف ہونا ضروری ہے ؛ لہٰذا زبان اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھنے والے اور پختہ استعداد لوگوں کی طرف سے طالب ہدایت لوگوں کے لئے ترجمہ کا کام انجام دیا گیا ہے کہ عربی نہ جاننے والے لوگوں تک ہدایت الٰہی کے اُمور ضروری حد تک پہنچائے جاسکیں ؛ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی صاحبؒ کے وقت سے اُردو زبان میں عربی نہ جاننے والوں کے لئے قرآن مجید کے ترجمہ کا سلسلہ شروع ہوا اور متعدد جید علماء نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق یہ خدمت انجام دی، پھر اُردو زبان بننے کے بعد اُردو میں یہ کام بتدریج علماء کی کوششوں کا میدان بنا، اُردو زبان میں جیسے جیسے ترقی ہوئی، اس کے مختلف انداز اور ادائیگی معانی میں ترقی ہوئی اور اُردو نے خاص طور پر عربی زبان سے فائدہ بھی بہت اُٹھایا ؛ لہٰذا اس میں عربی زبان کے معانی کی منتقلی بہتر ہوئی اور قرآن مجید کے متعدد معتبر ترجمے تیار ہوئے۔

موجودہ وقت میں بھی کئی جید الاستعداد علماء نے ترجمے تیار کئے ہیں، جن میں تشریحی نوٹ کے ذریعہ ایسے معانی کو واضح کیا گیا ہے، جو محض ترجمہ سے سمجھ میں نہیں آسکتے ، ان میں ایک بہتر ترجمہ اور شرح عزیز مکرم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (زیدت حسناتہ) کا ہے، جنھوں نے جامعہ رحمانی مونگیر اور دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علم کرکے علومِ اسلامیہ کی تشریح اور اشاعت میں مشغولیت رہتے ہوئے قرآن وحدیث اور فقہ کے معانی کو بہتر طریقہ سے سمجھا اور اس کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے، فقہ میں خاص طور سے ان کا بہت اچھا اور نمایاں کام ہے اور فقہ کا فن غور وتحقیق کا نام ہے ؛ لہٰذا قرآن مجید کے احکام ومعانی کو سمجھنے اور پیش کرنے میں بھی ان کی محنت لائق تحسین اور قابل استفادہ ہے۔

قرآن مجید کے مضامین کی ترجمانی کی اہمیت کے سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کے مفصل مقدمہ میں اس ذمہ داری کا ذکر کیا ہے، مشکلات کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں اور اپنے ترجمہ قرآن میں زیادہ سے زیادہ اس کا لحاظ کیا ہے، انھوں نے قرآن مجید کے مختلف معجزانہ پہلوؤں کو بھی ذکر کیا ہے، جن سے قرآن مجید کی عظمت اور اعجاز کی وضاحت ہوتی ہے؛ غرض کہ ان کا ترجمۂ قرآن کا یہ کام مفید اور لائق قدر ہے اور اُمید ہے کہ اس سے استفادہ کرنے والوں کو ان شاء اللہ قرآن فہمی میں خاصی مدد ملے گی، میں عزیز مکرم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی علمی قابلیت اور بصیرت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اُمید کرتا ہوں کہ ان کا یہ کام تشریح معانی قرآن کے سلسلہ میں ایک اچھا اور مفید اضافہ ہوگا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

۲۶؍شوال ۱۴۳۶ھ، ۱۲؍اگست ۲۰۱۵ء (ناظم: ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

○ ○ ○

تفسیر کی خصوصیات

عصر حاضر کے اُسلوب اور طریق کار کی بھرپور رعایت

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ، اما بعد !

قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر ہر زمانے اور ہر زبان میں بیسیوں لکھی گئی ہیں اور کسی کو بھی یہ دعویٰ نہ ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کا حق ادا کردیا؛ اس لئے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے، جو بذاتِ خود ایک عظیم الشان زندۂ جاوید معجزہ ہے اور کوئی اس کے بے مثال اُسلوبِ بیان اور بے پناہ تاثیر کو کسی انسانی زبان میں منتقل کردے، بالکل ناممکن ہے۔

زیر نظر ترجمہ وتفسیر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہم کے قلم سے ہے، موصوف کا شمار عصر حاضر کے ممتاز فقیہ اور کثیر التصانیف علماء میں ہے، اِن کی فقہی بصیرت سے اہل علم بخوبی واقف ہیں، عصر حاضر کے نت نئے اور پیچیدہ مسائل کے حل میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

سرسری مطالعہ سے اس ترجمہ وتفسیر کی چند خصوصیات نظر آئیں :

(۱) پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی صاحبِ فکر شخصیت کے قلم سے ہے، جو جدید ذہن کی دُکھتی ہوئی رَگوں سے بخوبی واقف ہیں، یہی وجہ ہے کہ جن مقامات پر تشکیک زدہ دماغ میں طرح طرح کے اعتراضات وشبہات کلبلایا کرتے ہیں، وہاں سے وہ اپنے قاری کو بڑی سلامتی کے ساتھ گزار لے گئے ہیں، اعتراضات کے دُور کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے اعتراض قائم کیا جائے، اس کے بعد اس کا جواب دیا جائے، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بات ایسے اچھے اُسلوب اور دل آویز انداز میں کہہ دی جائے کہ اعتراض وشبہ ذہن میں پیدا ہی نہ ہو، موصوف نے تقریباً تمام مقامات پر اِس دوسرے طریقے کو اختیار فرمایا ہے، تشکیک زدہ دماغوں کے لئے یہ دوسرا طریقہ سلامتی والا ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ادیانِ باطلہ، غلط نظریات اور افکارِ باطلہ کے حاملین کا نام لئے بغیر مثبت لب ولہجے میں اطمینان بخش طریقہ پر ان کی تردید کی گئی ہے، تردید کا یہ اُسلوب نبوی طریقے سے ہم آہنگ ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی خامی پر تنبیہ کرنے یا کسی عمل پر آمادہ کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار فرماتے، جو اصلاح حال کے لئے دل آویز اور بے حد موثر ہے، اِس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ اشعر کے لوگوں کو دینی احکام کی تبلیغ پر اُبھارنے اور بادیہ نشینوں کو دینی اُمور سیکھنے میں کوتاہی کرنے پر ایک بلیغ خطبہ دیا تھا، جس کا ایک شہ پارہ یہ ہے :

ما بال أقوام لا يفقهون جيرانهم ؟ ولا يعلمونهم ؟ ولا يفطنونهم ؟ ولا يأمرونهم ؟ ولا ينهونهم ؟ وما بال أقوام لا يتعلمون من جيرانهم ؟ ولا يتفقهون ؟ ولا يتفطنون ؟ والله ليعلمن قوم جيرانهم ، ويفقهونهم ، ويفطنونهم ، ويأمرونهم ، وينهونهم ، وليتعلمن قوم من جيرانهم ، ويتفقهون ، ويفطنون ، أو لأعاجلنهم العقوبة في الدنيا ۔ (الترغیب والترھیب، والحافظ الھیثمی فی مجمع الزوائد)

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ بیش تر مقامات پر مآخذ کی نشان دہی فرمادی ہے، بعض جگہوں پر عربی عبارتوں کے مختصر اقتباسات بھی ساتھ ساتھ تحریر کر دیئے ہیں، اس سے اہل علم کو اصل مراجع بڑی آسانی سے ہاتھ لگ گئے، نیز علمی امانت ودیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تحریر حوالہ جات سے مرصع ہو۔

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کی جو آیات احکام سے متعلق نہیں ہیں؛ بلکہ تذکیر یا اعتقادات وغیرہ سے متعلق ہیں، یا کسی واقعے کے ذیل میں کسی برائی کی اصلاح کی طرف معمولی اشارہ کیا گیا ہے، ایسی آیات اور جگہوں (یعنی غیر مظان حصہ) سے فقہی احکام ومستنبط کردہ مسائل کا اس تفسیر میں بڑا ذخیرہ ہے، جو موصوف کی غیر معمولی فقہی بصیرت کا بولتا ثبوت ہے؛ اس لئے یہ تفسیر اہل افتا اور فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دینے والے حضرات کے لئے بھی گوہر نایاب ہے؛ بلکہ احقر کی رائے ہے کہ تفسیر کا یہ حصہ مزید وضاحت کے بعد مستقل شائع کیا جائے تو اہل علم وفتویٰ کے لئے استفادہ میں سہولت ہوگی۔

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ تفسیر میں تحقیق اور اعتدال کا وصف نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ مختصر اور جامع ہے، دورِ حاضر میں ایسی مختصر اور جامع تفسیر کی خاص ضرورت ہے۔

(٦) چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ دورِ حاضر کے اُسلوب اور لب ولہجے کے مطابق ہے، ہر زمانے کی ایک زبان ہوتی ہے، جس کو قدرتی عوامل، دنیاوی اسباب اور تکوینی وجوہات کی وجہ سے قبولیتِ عامہ حاصل ہوتی ہے، اُس اسلوب اور زبان میں اگر کوئی بات کہی جائے تو افادہ اور استفادہ کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہر زمانہ میں بات پیش کرنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا ہے، بات کو چاہے جتنا دل نشیں، مدلل اور جامع انداز میں پیش کیا جائے؛ مگر اُس زمانے کے طریقے اور اُس دور کی نفسیات کی رعایت نہ کی جائے، تو اسے وہ اثر پذیری نہیں ملتی جو مقصود ومطلوب ہوتی ہے، زیر نظر تفسیر میں عصر حاضر کے اُسلوب اور طریقے کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔

تحریر ختم کرتے ہوئے صاحب تفسیر کے ایک خواب اور تعبیر پر نکتہ پیش کر کے قارئین کو محظوظ کرنا چاہتا ہوں :

موصوف نے صفحہ نمبر: ۱۳ پر اپنا ایک خواب تحریر فرمایا ہے، جس میں خواب میں گڑ کا بڑا ڈھیلا حضرت قاری

امیر حسن صاحبؒ کو پیش کرنا، پھر اُن کا اپنے دست بابرکت میں لے کر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو پیش کرنا تحریر فرمایا ہے، اس پر اُردو کا محاورہ اور مثل یاد آ گئی کہ: ''گڑ نہ دے تو گڑ سی بات کہے'' یعنی کوئی اچھا کام نہ کر سکو تو نرمی اور خوش کلامی سے بول کر ہی مخاطب کو خوش کر دو، موصوف نے تو ماشاء اللہ عصر حاضر کی اہم ضرورت پورا کر کے بہترین کام بھی کیا ہے اور اُسلوب بیان سے قارئین کو خوش بھی کر دیا، گویا گڑ بھی اور گڑ سی بات بھی، سونے پر سہاگہ!

دل سے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ وتفسیر سے بیش از بیش اُمت کو استفادے کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے، جن نیک مقاصد کے پیش نظر یہ لکھی گئی ہے، ان میں بے حد کامیابی نصیب فرمائے اور ہماری زندگی کا ہر لمحہ اُس کے مبارک کلام میں غور وتدبر اور اس کے تذکرے سے معطر رہے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری

۲۱/ ذو الحجہ ۱۴۳۶ھ (مفتی وشیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات)

○ ○ ○

بیش قیمت علمی تحفہ

اُردو زبان کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ پر مبنی نہیں ہوگا کہ عربی کے بعد اسلامی علوم وفنون کا بیش بہا ذخیرہ اسی زبان کی گود میں ہے، اگر ہم قرآن کریم کے اُردو ترجمہ وتفسیر پر نظر ڈالیں تو اس کا ایک طویل سلسلہ ہے اور ہر زمانہ میں موجود بالغ نظر علماء نے اس جانب توجہ دی ہے، اُردو ترجمہ وتفسیر کے اس گلستان میں مختلف طرح کے علمی وتحقیقی بیل بوٹے نظر آتے ہیں اور ہر تفسیر ایک الگ مخصوص انداز میں نظر آتی ہے، جو کسی خاص پس منظر میں وجود میں آئی ہے۔

زیر نظر تفسیر ''آسان تفسیر قرآن مجید'' برصغیر کے ممتاز فقیہ، محدث اور داعی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کی نئی عظیم الشان کاوش ہے، مولانا موصوف عرصۂ دراز تک اسلامی علوم وفنون کی درس وتدریس سے وابستہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تقریر وتحریر کا ایک انوکھا انداز عطا کیا ہے، آپ کی تحریریں زبان وادب اور شائستگی وشگفتگی کا نمونہ ہوتی ہیں، آپ نے اپنے چند محبین کی خواہش واصرار پر قرآن کریم کی یہ بیش بہا خدمت انجام دی ہے، جو یقیناً اُردو داں حضرات کے لئے ایک قیمتی علمی تحفہ ہے۔

مولانا محترم نے اپنے اس تفسیری نوٹ میں مستند علمی مراجع سے استفادہ، اسلام مخالف غلط فہمیوں کا جواب، فقہی مسائل کا خوش اُسلوبی سے بیان، نئے اور جدید مسائل کی طرف اشارہ، افکار باطلہ کی تردید اور دعوت قرآنی کی مکمل وضاحت کا خاص طور پر خیال رکھا ہے، خصوصاً قرآن کریم کے دعوتی پہلوؤں، قرآنی آیات سے مستنبط ہونے والے دعوتی اُمور کی طرف خصوصیت سے توجہ مبذول کرائی ہے۔

یہ تفسیر اپنے اندر بہت سی خصوصیات کی حامل ہے، جو اہل علم کو اثناء مطالعہ نظر آئیں گی، ابھی سر دست کچھ چیزوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے :

(۱) کسی آیت سے مستنبط مسائل کا ترتیب وار بیان، جیسا کہ آیت مداینت کے ذکر کے بعد مولانا موصوف نے کیا ہے۔

(۲) قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کے فضائل کے بیان کا بھی اہتمام برتا گیا ہے۔

(۳) مولانا موصوف نے کہیں کہیں پیش رو علماء کی تفسیر تقابلی انداز میں بھی پیش کی ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ:

’’فإن ذلک من عزم الأمور‘‘ کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ، مولانا عبد الماجد دریا بادی اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کی تفسیریں ذکر کی ہیں، جو یقیناً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مولانا موصوف نے اپنی اس تفسیر میں سلف کے علوم کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا ہے۔

(۴) مغربی مصنفین کے باطل آراء وافکار پر بھی مولانا موصوف اپنی اس تفسیر میں جا بجا رد کرتے ہیں؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام ’’آزر‘‘ کے سلسلہ میں آپ نے بہت ہی علمی و تحقیقی ترجمانی کی ہے۔

(۵) نئے فقہی مسائل سے بھی مولانا موصوف نے اپنے فقہی ذوق کے بنا پر اس تفسیر میں اعتناء برتا ہے؛ چنانچہ آیت قرآنی: ’’ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ إلا بالحق‘‘ کی تفسیر میں برتھ کنٹرول اور اس سے متعلق احکام پر ایک گونہ وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔

(۶) مولانا موصوف اپنی اس تفسیر میں اسلام کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا جواب دینے سے کہیں چوکتے نہیں ہیں، مثلاً: ایک جگہ عیسائیوں کے اس کھوکھلے دعویٰ کی کہ ان کے یہاں جہاد کا تصور نہیں، کی قلعی کھولی ہے اور تفصیل سے ان کی کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔ (دیکھئے: صفحہ نمبر: ۶۰۸)

(۷) واقعہ نگاری اور کسی قصہ کو تسلسل و سلیقگی کے ساتھ بیان کرنا موصوف کی تحریر کی ایک اہم خصوصیت ہے؛ چنانچہ سورۂ یوسف میں آیت نمبر: ۵۸ سے ۸۶ اور سورۂ کہف کی آیت نمبر: ۶۰ تک کی تفسیر میں آپ نے جس روانی اور خوش اُسلوبی سے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی داستان بیان کی ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ (دیکھئے: صفحہ نمبر: ۷۱۱-۷۱۵، ۸۶۱)

(۸) قرآنی قصص سے مستنبط عبرت و موعظت کے حامل سبق آموز پہلوؤں کی طرف رہنمائی بھی مولانا موصوف جا بجا کرتے رہے ہیں؛ چنانچہ اسی سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے جو عبرت و موعظت کے پہلو آپ نے مرتب انداز میں بیان کئے ہیں، ان کی تعداد پندرہ کے قریب ہے۔

(۹) مختلف تفسیری اقوال میں مولانا موصوف نے خاص طور پر ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی تفسیری آراء سے استفادہ کیا ہے اور اسے دوسرے اقوال پر ترجیح دی ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’کالمھل یشوی الوجوہ‘‘ میں مہل کا اور ’’وکان لہ ثمر فقال لصاحبہ‘‘ میں ’’ثمر‘‘ کا ترجمہ آپ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی رائے کے مطابق کیا ہے۔ (دیکھئے: صفحہ نمبر: ۸۵۴-۸۵۵)

(۱۰) ہر سورہ کی ابتداء میں ایک مختصر توضیحی نوٹ کے ذکر کرنے کا مولانا موصوف نے اہتمام کیا ہے، اُردو تفاسیر میں یہ ایک ابداعی عمل ہے، جس سے قارئین کو اس سورت کے مختصر تعارف سے واقف ہونے کا موقع ملتا ہے۔

اس مختصر سی تحریر میں اس تفسیر کی خصوصیات کو جمع کرنا مقصود نہیں ؛ بلکہ چند چیزوں کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوا کہ قارئین کے سامنے اس تفسیر کے کچھ امتیازی پہلو آجائیں۔

اخیر میں ، میں اس عظیم کاوش پر مولانا مدظلہ کو خصوصی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی دوسری کتابوں کی طرح ؛ بلکہ ان سے زیادہ کتاب الٰہی کی اس خدمت کو شرف قبولیت بخشے اور اہل علم کو اس بیش قیمتی علمی تحفہ سے استفادہ کی توفیق دے۔

حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری

(قاضی شریعت دار القضاء: امارت شرعیہ بہار، اُڑیسہ وجھارکھنڈ)

○ ○ ○

عوام وخواص دونوں کیلئے مفید

اُردو زبان میں منتقل ہونے والے قرآنی علوم ومعارف اگرچہ اپنے اپنے دور کے ممتاز وخداترس علماء نے رائج الوقت زبان میں لکھے تھے، جسے اس دور کے لوگوں نے ہاتھ در ہاتھ لیا اور خوب استفادہ کیا، مگر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ زبان کا انداز اور ادب کا معیار بدل گیا، الفاظ بدلے، تعبیرات بدلیں، لب ولہجہ بدلا، ادائیگی بدلی اور دیکھتے ہی دیکھتے نوبت باینجا رسید کہ کسی زمانے کی فصیح وبلیغ کتاب اُردو کو سمجھنا بعد والوں کے لئے دشوار ہوگیا اور وہ کتابیں جو اپنے زمانے میں گنجینۂ علوم ومعارف مانی گئی تھیں، لسانی قدامت کے سبب لوگوں کی بے توجہی کا شکار ہوگئیں، علماء کرام نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ان ہی علوم ومعارف کو مع اضافات جدید وحواشی مفید جدید اُردو کے قالب میں ڈھال کر لوگوں کو دوبارہ قرآن کریم سے جوڑ دیا، یہی سلسلہ وقفہ وقفہ سے اب تک جاری ہے اور اُمید ہے کہ دن بہ دن بدلنے والے احوال، جدید تقاضے، مخالفین کے نئے نئے شبہات واعتراضات اور آئے دن ہونے والی لسانی تبدیلیوں کے سبب جب تک دنیا کی نبض میں دھڑکن باقی رہے گی، نبض شناس علماء کرام مرض کی تشخیص کرکے طریقۂ علاج بدلتے رہیں گے، زیر نظر کتاب ''آسان تفسیر قرآن مجید'' بھی اسی متبرک سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہے۔

''آسان تفسیر قرآن مجید'' کے مؤلف اپنے آپ میں ایک انجمن ہیں، قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے لئے علماء اُصولِ تفسیر نے جو اُصول وضوابط یا قیود وشرائط ذکر فرمائی ہیں، الحمد للہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم میں باحسن وجوہ پائی جاتی ہیں، علم حدیث سے آپ کو گہرا شغف ہے، دیگر حدیث کی کتابوں کے ساتھ بخاری شریف کی تدریس طویل عرصہ سے آپ کے ذمہ رہی ہے؛ جو فی زمانناخدمت حدیث کی اعلیٰ سند اور مستقل شرف ہے، علم الفقہ میں آپ برصغیر کے علاوہ عرب علماء کرام کے بھی معتمد ہیں؛ بلکہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا مرکز ثقل اب آپ ہی کی ذات گرامی ہے، علوم عربیت کی کل کتابیں آپ نے برسہابرس پڑھائی ہیں؛ بلکہ بعض کے آپ شارح ہیں، مضمون نگاری میں آپ صاحب طرز انشاء پرداز ہیں، خشک سے خشک مضمون کو اس قدر شیریں بناکر پیش کرتے ہیں کہ سب کو بآسانی ہضم ہوجاتا ہے اور سخت بات اتنے پیارے انداز میں لکھتے ہیں کہ خود صاحب واقعہ قبول کرلینے میں دریغ نہیں کرتا، تحریر میں حوالہ کا اہتمام آپ کا امتیاز ہے، تحقیق کا حق ادا کرتے ہیں، بہت ساری باتیں پہلی بار آپ ہی کی تحریروں میں پڑھنے کو ملتی ہیں اور بہت سی وہ باتیں جو لوگوں میں ادھوری رائج ہوجاتی ہیں، آپ کی تحریر میں وہ مکمل ہوتی ہیں، حسن ابتداء آپ کی تحریر کا

اوجِ کمال ہے، براعت استہلال کی رعایت آپ کی تحریر میں جتنی زیادہ ہوتی ہے، بہت کم دوسری تحریروں میں نظر آتی ہے، قضاء اور اُمورِ قضاء کا آپ گہرا تجربہ رکھتے ہیں؛ بلکہ کئی قضاۃ کے آپ رہبر ورہنما ہیں، ہندوستان کے کئی اہم اداروں کے رکن رکین اور بالخصوص مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے بھاری بھرکم ادارے کے کلیدی عہدے پر فائز رہ کر کلیدی اُمور انجام دیتے ہیں، کئی علمی وتحقیقی کتابوں کے مصنف، فتاویٰ کے مؤلف اور سینکڑوں مفید مضامین کے مرتب ہیں، کرنٹ ایشو پر اُمت کی فوری رہبری آپ کا خاص مزاج ہے، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے روح رواں اور اس کے اختصاص کے شعبوں کے ذریعہ اُمت اسلامیہ ہندیہ کی خدمت میں کئی محدثین، مفسرین، فقہاء، قضاۃ اور دعاۃ کا نذرانہ پیش کرنے والے ہیں، المختصر اللہ تعالیٰ نے ہمارے فاضل دوست میں گوناگوں خصوصیات اور نوع بنوع صفات جمع فرمادی ہیں: ’’ولیس علی اللہ بمستنکر أن یجمع العالم فی واحد‘‘ تفسیر کے لئے ضروری علوم، فنی مہارت، طویل تجربہ اور احوال سے واقف ایسے شخص کو حق تھا کہ اپنے مخصوص انداز میں اُمت مسلمہ کی خدمت میں قرآن کریم کی تفسیر پیش کرتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا داعیہ پیدا فرمایا اور اوقات، عمر، صحت اور فکر وقویٰ میں برکت دے کر بعافیت تمام اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت عامہ عنایت فرمائے اور اسے قرآن فہمی کا مؤثر ذریعہ بنائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ہم نے تفسیر کا اکثر حصہ پڑھا، دوران مطالعہ تفسیر کے بارے میں جو رائے خود بخود ذہن ودماغ میں قائم ہوئی، وہ بلا کسی کمی بیشی اور تصنع وتکلف کے پیش خدمت ہے:

- سلف صالحین کی تفاسیر پر مکمل اعتماد کیا گیا ہے، اس سے سرمو انحراف؛ لگتا ہے کہ مصنف کے مزاج ومذاق کے خلاف ہے۔
- اسرائیلی روایات ’’جو اسلاف کی تفاسیر میں بھی در آئی ہیں‘‘ سے یا تو بچ کر نکل گئے ہیں، یا ’’یہاں بہت ساری اسرائیلی روایات کا ذکر آتا ہے، جو قابل اعتبار نہیں‘‘ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئے ہیں۔
- معجزات وغیرہ کے معاملے میں جہاں بعض اُردو مفسرین نے غیر شرعی موقف اختیار کیا ہے، آپ نے سلف صالحین والا واضح عقیدہ سمجھایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے نبی کے ہاتھوں خلاف عادت بات ظاہر فرمادیں تو اللہ کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے اس میں کوئی استبعاد یا تردد نہیں ہونا چاہئے۔
- بعض طول طویل بحثوں کو آسان بنا کر چند جملوں یا سطروں میں کوزے میں دریا کی طرح بہت ہی خوبی اور خوش اُسلوبی سے پیش کردیا ہے، بجائے بحث کے بحث کا لب لباب یا خلاصہ پیش کردینا کثرت مطالعہ اور طویل تجربہ کے بغیر ممکن نہیں۔

○ اندازالبیلا، عوام وخواص دونوں کے لئے مفید، نہ صرف خواص کا انداز کہ عوام کے پلے نہ پڑے اور نہ صرف عوامی باتیں کہ خواص ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کریں۔

○ عصری تعلیم یافتہ، نومسلمین اور قرآن فہمی کے خواہش مند غیر مسلمین کے ہاتھوں میں بلاتردد دیئے جانے کے قابل تفسیر، جو آسان انداز، کم وقت اور بلا اکتاہٹ روح قرآن تک پہنچادے۔

○ علم وادب کا بہترین سنگم، ماہر ادیب بھی پڑھے تو زبان کی حلاوت کی گواہی دے۔

○ سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ علوم خمسہ جو قرآن کریم میں بطور خاص ذکر ہوئے ہیں، ان کی تفسیر وتشریح میں آپ کے قلم کی جولانی اور فکر کا ارتقا قابل دید ہوتا ہے، ہم ذیل میں آیات احکام اور جدل وتذکیر کے کچھ حواشی بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، جس سے مولانا کے ذوق اور تفسیری خدمت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، ہم ہر ہر عنوان کے حواشی الگ الگ لکھنا چاہتے تھے، مگر طوالت کے ڈر اور قارئین کی سمجھ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک ساتھ ذکر کردیتے ہیں :

● ''رب العالمین'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: اللہ کو 'رب العالمین' کہہ کر اس طرف اشارہ ہے کہ تمام عالَم ہر لمحہ خدا کی ربوبیت کا محتاج ہے، ایسا نہیں کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کرکے چھوڑ دیا ہو، اب از خود پورا نظام کائنات چل رہا ہو اور کائنات خدا کی محتاج نہ رہی ہو، جیسا کہ بعض فلاسفہ اور ملحدین کا نقطۂ نظر تھا، اسی غلط خیال کی تردید کے لئے قرآن مجید نے اللہ کی شان ربوبیت کا بار بار ذکر کیا ہے۔

● ''الٓمٓ'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے، سلف صالحین کی عام طور پر یہ رائے ہے کہ اس کی صحیح مراد سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں، گویا ان حروف کے ذریعہ اصحابِ عقل ودانش کا امتحان ہے، نادان کا امتحان یہ ہوتا ہے کہ اس کو تحقیق وجستجو کا حکم دیا جائے اور دانا کا امتحان یہ ہے کہ اس کے فکر وتدبر کے لئے سرحدیں مقرر کردی جائیں کہ ان سے آگے قدم نہیں رکھنا ہے، انسانی عقل کہیں رکنا نہیں چاہتی، چاند پر قدم رکھ دیا تو مریخ پر قدم ڈالنا چاہتی ہے، مریخ زیر قدم آجائے تو سورج کو اپنا اسیر بنانا چاہتی ہے؛ چنانچہ ان ''حروف مقطعات'' کا مقصود عقل انسانی کا امتحان ہے کہ خدا کے منشاء کے مطابق وہ اس کی کھوج میں پڑنے سے باز رہے۔

● ''وإن منها لما يهبط من خشية الله'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: رہ گیا پتھروں کا اللہ سے ڈرنا تو یہ کچھ باعث تعجب نہیں، ''نباتات'' میں تو احساس پائے جانے کو آج کی سائنس نے دریافت کرلیا ہے، عجب نہیں کہ آئندہ جمادات میں بھی احساسات کے پائے جانے کو خود انسان دریافت کرلے۔

● ''يود احدهم لو يعمر الف سنة'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ ایک حقیقت ہے کہ یہودیوں میں موت کا غیر معمولی خوف پایا جاتا ہے، اگر چند یہودی بھی مارے جائیں تو پوری قوم بے چین ہو اُٹھتی ہے اور ان کے حوصلہ پست ہونے لگتے ہیں۔

● ''حافظوا علی الصلوٰة والصلاة الوسطیٰ'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نمازیں پانچ ہیں؛ کیوں کہ ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کا عطف ''صلوٰت'' پر ہے، عربی قواعد کی رو سے یہ بات ضروری ہے کہ ''صلوٰۃ وسطیٰ'' صلوات میں شامل نہ ہو؛ کیوں کہ عطف مغایرت یعنی دونوں کے الگ الگ ہونے کو ظاہر کرتا ہے، ''صلوات'' کا اطلاق جمع ہونے کی وجہ سے کم سے کم تین پر ہوگا؛ لیکن اگر اس سے تین نمازیں مراد ہوں تو ''صلوٰۃ وسطیٰ'' چوتھی نماز ہوگی اور چار نمازوں میں کوئی نماز بیچ کی نماز نہیں ہوسکتی، بیچ کی نماز اسی وقت ہوسکتی ہے جب طاق عدد ہو؛ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ''صلوات'' سے چار نمازیں اور ''صلوٰۃ وسطیٰ'' سے پانچویں نماز مراد ہے؛ لہٰذا پانچ نمازوں کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے، منکرین حدیث جو اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' کہتے ہیں، پانچ نمازوں کے قائل نہیں، تین کے قائل ہیں، وہ دراصل حدیث ہی کے نہیں، قرآن کے بھی منکر ہیں۔

● ''یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: معروف کے اصل معنی مشہور اور جانی پہچانی بات کے ہیں، یعنی وہ بات جو عام رواج اور چلن کی وجہ سے جانی پہچانی ہوئی ہو، منکر کا لفظ اس کے مقابلہ میں ہے، یعنی ایسی بات جو خلافِ عادت اور اَن پہچانی ہو، بھلائی کو ''معروف'' سے اور برائی کو ''منکر'' سے تعبیر کرکے قرآن مجید نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ نیکیوں کا سماج میں عام چلن ہونا چاہئے اور برائیوں کا وقوع اس طرح ہو کہ گویا خلاف عادت اور خلاف معمول ایک بات پیش آگئی ہے۔

● ''وضربت علیھم المسکنة'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہودیوں کی ذلت ونکبت اور پستی کی جو پیشین گوئی قرآن مجید نے کی ہے، وہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے، جس پر کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں، گذشتہ ادوار میں رومن حکومت نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ تو اپنی جگہ، ماضی قریب میں بھی جرمنی اور چیکوسلواکیہ وغیرہ میں ان کے ساتھ جیسے جیسے انسانیت سوز سلوک روا رکھے گئے اور جگہ جگہ ان کا قتل عام ہوا، وہ گویا کل کی بات ہے۔

● ''من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ ایسا وجد انگیز ترغیبی کلام ہے کہ نہ دینے والے ہاتھ بھی دینے کو بے قرار ہوجائیں اور بخیل شخص بھی اس کو سن کر اپنے قلب کو کشادہ پائے؛ لیکن ''مردِ ناداں پر کلامِ نرم ونازک بے اثر'' کے مصداق یہودیوں نے اسے اُلٹے تمسخر کا ذریعہ بنالیا۔

● ''یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ اسلام کا ایک انقلابی نظریہ ہے کہ جیسے خدا ایک ہے، ویسے ہی پوری انسانیت ایک ہی باپ سے پیدا ہوئی ہے، یہ وہ عقیدہ ہے جو انسانیت کی طبقاتی تقسیم اور رنگ ونسل کی بنیاد پر اونچ نیچ کے تصور کا قلع قمع کرتی ہے، ہندو مذہب میں یہ تصور تھا کہ کچھ لوگ خدا کے منھ سے، کچھ لوگ اس کے بازوؤں سے، کچھ لوگ اس کی رانوں سے اور کچھ لوگ اس کے پاؤں سے

پیدا ہوئے ہیں؛ اس لئے پیدائشی طور پر انسانیت کا ایک طبقہ معزز اور دوسرا ذلیل ہے، اس طرح کی طبقاتی تقسیم کم وبیش اکثر مذاہب اور نظام ہائے حیات میں موجود رہی ہے؛ لیکن قرآن کہتا ہے کہ تمام انسان کی پیدائش انسان اول سے ہوئی ہے؛ اس لئے وہ سب بحیثیت انسان برابر ہیں، محض رنگ ونسل اور علاقہ وزبان کی بنیاد پر ان میں تفریق کی گنجائش نہیں۔

● ''وخلق منها زوجها'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام ہی سے ان کا جوڑا حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، اس میں ایک بلیغ حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عورت مرد کا ایک حصہ اور اس کی تکمیل ہے، آج عورتوں کی آزادی کے نام سے جو تحریکیں چل رہی ہیں، انھوں نے مردوں اور عورتوں کو دو فریق بنادیا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے فریق کے تئیں مخاصمت کا جذبہ زیادہ رکھتا ہے محبت کا کم، قرآن مجید نے یہ تصور دیا کہ عورتوں کو اپنا حصہ اور جزء تصور کریں اور ظاہر ہے کہ اپنے جزء کے تئیں محبت اور ایثار کا جذبہ ہوا کرتا ہے، نہ کہ مقابلہ اور مخاصمت کا۔

● ''ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: قرآن کے اس دعویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوگا، جب دوسری مذہبی کتابوں کا قرآن سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے کہ کس قدر تضادات کا مجموعہ ہیں، مثلاً مذہبی کتابوں میں قرآن سے قریب ترین کتاب بائبل ہے، اس میں ڈھیر سارا اختلاف ہے، (دیکھئے: اظہار الحق: ۱/ ۲۴۲) اسی طرح ان لوگوں کے کلام میں تضادات دیکھئے جو نبوت کے جھوٹے دعویدار اور ایک باطل مذہب کے مؤسس وبانی ہیں، مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی۔

● ''کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: جدید میڈیکل تحقیق یہ ہے کہ انسان کے جسم کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس کو محسوس کرنے کی صلاحیت اصل میں جسم کے چمڑوں میں ہوتی ہے نہ کہ گوشت میں، اس پس منظر میں قرآن کریم کی یہ آیت ایمان کو تازہ کرتی ہے کہ یہاں عذاب کو چکھنے اور تکلیف کو محسوس کرنے کی نسبت چمڑوں ہی کی طرف کی گئی ہے؛ اگرچہ قرآن کا اصل موضوع انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہے؛ لیکن جہاں کہیں اس نے کائنات کی کسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، حیرت انگیز طور پر وہ اس کے مطابق ہے، جہاں سائنسداں علم وتحقیق کا طویل سفر طے کر کے پہنچے ہیں۔

● ''ان اتٰکم عذاب اللہ أو اتتکم الساعة أغیر اللہ تدعون إن کنتم صادقین'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: انسان کی نفسیات یہ ہے کہ وہ خوشی کے وقت اور عام حالات میں خدا کو فراموش کردیتا ہے؛ لیکن جب کوئی مصیبت کا وقت آتا ہے تو پھر خدا کو یاد کرتا ہے اور اس سے دُعا اور التجا کرتا ہے، ایمان سے محروم لوگوں کی تو یہ کیفیت ہے ہی، یہاں تک کہ کئی ایسے لوگ جو خدا کا انکار کرتے تھے اور آخرت کا مذاق اُڑاتے تھے، دیکھا گیا کہ اخیر عمر میں تسبیح ومصلیٰ کی طرف ان کا ضمیر متوجہ ہوا، خود مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ اپنی زندگی میں خوشی ومسرت کے لمحات کو اپنی مرضی

اور خواہش کے مطابق گذارتے ہیں اور جب کسی مصیبت کا وقت آتا ہے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

● ''وامطرنا علیھم مطراً'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ داستانِ عبرت بتاتی ہے کہ یہ خلافِ فطرت فعل کس قدر مذموم اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والا ہے؛ مگر افسوس کہ مغرب کی جاہلیت جدیدہ آج بھی اس برائی کو جواز عطا کر رہی ہے اور قانونی طور پر مرد کے مرد سے اور عورت کے عورت سے نکاح کو درست ٹھہرا رہی ہے، یہ دراصل حدیث کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہے کہ قیامت کے قریب ایسا ہوگا کہ مرد مرد سے اور عورت عورت سے اپنی خواہشات پوری کرنے لگیں گے۔

● ''خذو زینتکم عند کل مسجد'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں بہتر لباس پہننے کی کوشش کرنی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ دنیوی تقریبات میں تو عمدہ لباس استعمال کریں اور نماز میں معمولی، یہ نماز کی بے توقیری ہے، اسی لئے بلا عذر ''مبتذل'' یعنی ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جس کا پہننا شائستگی کے خلاف سمجھا جاتا ہو۔

● ''ادعو ربکم تضرعاً و خفیة'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: آج کل ہندو پاک کی مسجدوں میں نمازوں کے بعد زور زور سے دُعا کرنے کا جو رواج ہو گیا ہے، یہ مسنون طریقہ کے خلاف ہے اور اس میں دُعا کی حقیقی روح پیدا نہیں ہوتی؛ بلکہ رسمی طور پر امام دُعا کے کچھ مقررہ الفاظ پڑھتا ہے اور مقتدی حضرات اس پر ''آمین'' کہتے جاتے ہیں۔

● ''ولا تقربوا الفواحش ماظھر منھا وما بطن'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: آج مغربی معاشرہ میں فحش فلمیں، کلب، ساحلی تفریح گاہیں اس کی واضح مثال ہیں اور چھپ کر کی جانے والی بے حیائی میں جہاں 'زنا' شامل ہے، وہیں موجودہ دور میں انٹرنیٹ کی فحش ویب سائٹیں اور مخرب اخلاق سیڈیاں سب شامل ہیں۔

● ''وقطعناھم فی الارض أمما'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: اس میں یہودیوں کے بارے میں دو پیشین گوئیاں ہیں، ایک یہ کہ ان پر ہمیشہ ایسے لوگ مسلط رہیں گے، جو انھیں تکلیف دیں گے، دوسرے یہ کہ ان کی آبادیاں منتشر رہیں گی، انھیں ایک جگہ اکٹھا ہو کر رہنا نصیب نہیں ہوگا؛ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کا ایک وقفہ اس سے مستثنیٰ ہے، جس میں تمام یہود فلسطین میں جمع ہو جائیں گے اور انھیں غیر معمولی طاقت حاصل ہو جائے گی، اسی حالت میں دجال کا ظہور ہوگا، جو پورے علاقہ پر زور زبردستی سے قابض ہو جائے گا، بالآخر حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے اور یہودیوں کا نام ونشان مٹ جائے گا، اس وقت حکومت اسرائیل دراصل اسی تاریخی وقفہ کا حصہ ہے؛ اس لئے مملکت اسرائیل کا وجود قرآن وحدیث کی پیشین گوئی کے خلاف نہیں۔

● ''ما کان صلاتھم عند البیت الا بکاء وتصدیة'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ عجیب بات ہے کہ

ہر زمانہ میں اکثر مشرک اور دین حق سے ہٹی ہوئی قوموں کا طریقۂ عبادت یہی رہا ہے، گانا بجانا، اُچھلنا کودنا، رنگ پھینکنا، آتش بازیاں کرنا، اگر مسلمان مذہب کے نام پر اس طرح کے رسمی کام کریں تو کافروں سے مشابہت کی وجہ سے یہ بھی سخت گناہ ہے اور یہ بھی اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے، افسوس کہ مسلمانوں نے بھی غیر مسلموں کو دیکھا دیکھی قوالی، گانا، بجانا، سبز رنگ پھینکنا، قمقموں اور روشنیوں سے گھروں اور بازاروں کو آراستہ کرنا وغیرہ شروع کر دیا ہے، یہ دین کے نام پر بے دینی اور نیکی کے جذبہ سے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ''آسان تفسیر قرآن مجید'' کا ہر ہر صفحہ اس قسم کی دلچسپ، نادر، مفید اور باتحقیق باتوں سے معمور ہے، میں عوام کے ساتھ طلبۂ کرام اور علماءِ عظام کو اس تفسیر کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں، انشاء اللہ اس کا مطالعہ علمی، فکری، قلبی، ذہنی وسعت کا سبب ہوگا اور قرآن کریم سے والہانہ محبت میں اضافہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر میں، صحت میں، اوقات میں، کاموں میں برکت عطا فرمائے اور اُمت پر ان کا سایۂ عاطفت عافیت کے ساتھ دراز فرمائے اور اللہ تعالیٰ جلد از جلد مکمل تفسیر طبع ہوکر منظر عام پر آنے کے اسباب پیدا فرمائیں، میں حضرت مولانا کو اپنی طرف سے ایسی کامیاب کاوش پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ یہ مبارک کاوش صاحب کلام کی رضا، محبت، قرب اور اُخروی نجات کا سبب بنے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی

(ناظم: جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات)

○ ○ ○

تاثرات

ایک مستند تفسیر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ، اما بعد !

عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں میں ترقی یافتہ ہے اور ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ سب سے زیادہ مختصر کلمات والی زبان ہے، جس مضمون ومفہوم کو دیگر زبانوں میں طویل عبارتوں میں ادا کیا جاتا ہے، عربی زبان اس کو مختصر الفاظ وکلمات میں ادا کردیتی ہے، اس کی بہت سی وجوہات ہیں، ان کے من جملہ اس میں ایجاز بالحذف ہے؛ چنانچہ اس میں محذوف جملوں اور کلمات کی کثرت ہے، جس کو سیاق وسباق اور مقتضائے کلام سے سمجھ لیا جاتا ہے، سیاق وسباق اور مقتضائے کلام کی رعایت کے بغیر کوئی شخص اپنے طور پر محذوفات کو متعین کرے اور اس کی روشنی میں قرآنی آیات کا ترجمہ کردے تو یہ ترجمہ درست نہیں ہوگا اور یہ تفسیر غلط ہوگی، اس کا نام تفسیر بالرائے ہے۔

حضرات صحابہ ؓ کو صحیح عربی زبان کا ملکہ اور ذوق سلیم حاصل تھا، نیز وہ وحی کے مزاج شناس اور رسول اللہ ﷺ کے فیض یافتہ تھے اور اسباب نزول سے ان کو براہ راست واقفیت تھی؛ اس لئے قرآن مجید کا صحیح فہم ان کو فطری طور پر حاصل تھا، ان کو سیاق وسباق اور مقتضائے کلام، نیز اصطلاحات سے واقفیت کی ضرورت نہیں تھی، ان کی قرآن فہمی بعد کے لوگوں کے فہم قرآن کے لئے معیار کا درجہ رکھتی ہے، اسی طرح تابعین نے صحابہ کی ہم نشینی اور کسبِ فیض کے ذریعہ قرآن مجید کو سمجھا اور بعد کے لوگوں کے لئے مشعل راہ بن گئے اور بحمد اللہ ان کے بعد بھی نسل در نسل ہر عہد میں قرآن مجید کی تشریح وتفسیر کا سلسلہ جاری رہا۔

جب عجمی علاقے اسلام کے زیر نگیں آئے تو شروع میں وہاں کے نومسلموں نے نہ صرف خود عربی زبان سیکھی ؛ بلکہ انھوں نے عربی زبان ہی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنالیا ، ایران وعراق ہو ، یا مصر وشام ، یہ وہ علاقے تھے جہاں کے باشندوں کی مادری زبان عربی نہیں تھی؛ لیکن انھوں نے پوری طرح عربی زبان کو اختیار کرلیا؛ لیکن بعد کو جب اسلام مختلف عجمی علاقوں میں پہنچا تو یہ کیفیت پیدا نہیں ہوسکی، لوگوں نے اپنی زبان سے تعلق باقی رکھتے ہوئے اسلام کی خدمت کی اور قرآن مجید کا ترجمہ کیا، اس ترجمہ کو درحقیقت ترجمانی ہی کا نام دیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید کو اس کی اعجازی کیفیت

اوراس کی متاثر کرنے کی صلاحیت کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جا سکتا؛ اس لئے غیر عربی زبان میں قرآن مجید کا جو بھی ترجمہ ہوگا، وہ ترجمانی ہی ہوگی، اسی لئے ہمارے بزرگوں نے قرآن مجید کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے اوراس کی تشریح وتفسیر لکھی ہے، یہ سلسلہ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فرزندان سے شروع ہوا اور آج بھی جاری ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُردو زبان کا اپنا اُسلوب ہے، جو عربی زبان سے مختلف ہے، عربی زبان میں کسی بات کو فعل مجہول کے ذریعہ تعبیر کیا جاتا ہے، اسی تعبیر کے لئے اُردو میں فعل معروف استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح موصوف صفت اور مضاف مضاف الیہ میں عربی اور اُردو کی ترتیب الگ الگ ہوتی ہے، کبھی ایک مفہوم کو عربی زبان میں ماضی مطلق سے ادا کرنے میں بلاغت ہوتی ہے؛ لیکن اُردو میں اس کو ماضی قریب یا ماضی بعید کے صیغہ سے بیان کیا جاتا ہے، غرض کہ اُردو زبان کا اپنا ایک اُسلوب ہے اور جب قرآن کا اُردو میں ترجمہ کیا جائے تو اس میں اس اُسلوب کی رعایت ضروری ہوگی۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا علمی مقام محتاجِ بیان نہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کو تفسیر قرآن اور جلالین کے درس کا طویل تجربہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دشوار مضامین کو بھی آسان زبان میں پیش کرنے اور خشک موضوعات کو بھی دلچسپ اور خوبصورت اُسلوب میں بیان کرنے کا ملکہ عطا کیا ہے؛ چنانچہ انھوں نے اپنے مطالعہ کی وسعت، فقہی ذوق، تفسیر قرآن کی تدریس کے تجربات اور زبان وبیان کی مہارت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اور سلف صالحین جن کی قرآن فہمی معیار ہے، کی تشریحات کے دائرہ میں رہتے ہوئے ترجمہ وتفسیر کی یہ خدمت انجام دی ہے، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ نے بھی اپنے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ یہ ترجمہ اور تفسیر سلف کے ترجمہ اور تفسیر کے مطابق ہے، حضرت مولانا جیسی شخصیت کا یہ بیان بجائے خود اس کتاب کے مستند ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو اسی نہج پر اس ترجمہ وتفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، قبول فرمائے اور قارئین کے لئے نافع بنائے۔

حضرت مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

(استاذ حدیث وصدر شعبہ تخصص فی الحدیث دار العلوم دیو بند)

❍ ❍ ❍

جملہ تفاسیر متداولہ سے مستفاد

علماءِ اُمت نے ابتداءِ اسلام ہی سے قرآن کریم کے ساتھ جو اعتناء برتا ہے، اس کا انکار کرنا روشن سورج کے وجود کے انکار کے مرادف ہے، ہر زمانے اور ہر ماحول میں اس کتاب عزیز کے بحر ناپیدا کنار کے موتی حاصل کرنے کی کوشش میں قرآن کریم سے شغف رکھنے والے علماء ومفسرین، حفاظ ومحدثین، عوام وخواص اور جملہ طبقات اُمت نے اس کے فرائد و درر سے اپنا دامن بھرا ہے اور اس کی لامحدود معنویت کو سمجھنے، لفظ ومعنی کے اعتبار سے اس کے اعجاز کو جاننے اور انسانی طاقت سے باہر ہونے کا پورا ادراک کیا ہے۔

یہیں سے تفسیر بالرائے اور تفسیر بالماثور کا سلسلہ قائم ہوا اور عصر عباسی میں دیگر علوم وفنون کے تراجم کی طرف اہل عرب متوجہ ہوئے اور ہر طرف قرآن کریم کے ترجمے اور اس کی تفسیر وتوضیح عربی زبان کے سوا دیگر زبانوں میں بھی کرنے کی طرف لوگوں کی توجہات مبذول ہوئیں؛ چنانچہ علماء نحو ولغت، علماء فقہ وبصیرت، علماء تاریخ وتہذیب، علماء تصوف وطریقت ہر ایک نے قرآن کو اپنے خیال ورجحان اور اپنے مسلک ومذہب کے مطابق سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔

اگرچہ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کا اصل طریقہ یہی ہے کہ یہ عمل عربی زبان میں ہی ہو اور کلام عرب کے حوالہ سے صحیح عربی زبان میں قرآن کریم کا پیغام، اس کے احکام اور اوامر ونواہی لوگوں تک پہنچائے جائیں؛ لیکن پوری انسانیت تک قرآن مجید کا پیغام پہنچانے کے لئے مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ضروری ہے؛ اس لئے قرآن کریم کے تراجم بے شمار ہیں اور غالباً ہر زبان میں لوگوں نے اس کا ترجمہ کرنے اور تفسیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے، مشرقی زبانوں کے علاوہ مغربی زبانوں میں بھی قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا ہے؛ چنانچہ انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے والے حضرات میں ایس، ایم عبدالحمید صاحب کا ترجمہ نہایت آسان زبان میں ۱۸۶۲ء میں ڈھاکہ سے "Divine Quran" کے نام سے شائع ہوا، اور الٰہ آباد سے ۱۹۱۱ء میں مرزا ابوالفضل صاحب کا انگریزی ترجمہ "The Quran Arabic Text And English Translation" کے نام سے شائع ہوا اور ۱۹۱۴ء میں مولانا عبدالماجد دریابادی صاحبؒ کا انگریزی ترجمہ قرآن لاہور سے شائع ہوا اور مولانا مودودی صاحب اور یوسف علی کا مشہور ترجمہ اور دیگر مترجمین کا ترجمۂ قرآن کریم انگریزی زبان میں مشہور اور متداول ہے۔

اس وقت ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک جہاں اُردو زبان وادب کا رواج ہے، وہاں اُردوداں

طبقے کو قرآن کریم کے ترجمے وتفسیر اور کسی حد تک تشریح احکام ومعانی کی بھی ضرورت ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس سے انس اور مناسبت پیدا کرنا علمائے اُمت کے نزدیک ایک ناقابل تاخیر عمل ہے۔

اسی ضرورت واحساس کی بنا پر اس ملک کے فقیہ الامت، عالم جلیل قاضی شریعت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، رکن مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ، ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد اور سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے قرآن کریم کے اُردو ترجمہ اور مختصر تفسیر وتحشیہ کا کام نہایت اعلیٰ پیمانے پر اور جملہ تفاسیر متداولہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجام دیا ہے اور اُمت ہندیہ کے علماء ومفسرین کے تراجم وحواشی کا مطالعہ کرنے کے بعد (آسان تفسیر قرآن مجید) کے نام سے یہ تحفۂ سنیہ اُمت کے اُردو داں طبقے کے لئے پیش کرکے نہ صرف اس طبقہ پر احسان کیا ہے؛ بلکہ اُمت کے عوام وخواص ہر طبقے کے لئے اس میں ایک ایسی لذت وچاشنی رکھی ہے، جس کی لذت سے آشنا ہونے کی تمنا انشاء اللہ سب کے دل میں ہوگی۔

اس خدمت جلیلہ کو انشاء اللہ تعالیٰ قبول عام حاصل ہوگا اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے کلام کی خدمت اس کی رضا اور آخرت میں مغفرت کے حصول کا بنیادی ذریعہ اور عالم بشری میں سعادت وعزت کا سرچشمہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون وستردون
الی عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون۔

حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

۲۰ رذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ، ۵ رستمبر ۲۰۱۵ء (مدیر: البعث الاسلامی ومہتمم: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

○ ○ ○

بعض بڑی تفاسیر پر بھی بھاری

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، امام بعد !

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ مقدس کتابوں میں آخری کتاب ہے اور صحف سماویہ میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے انفرادی شان کی حامل کتابِ الٰہی ہے، یہ اپنے نزول کے وقت سے لے کر دنیا کے باقی رہنے تک خیر کے تمام معاملات میں ہماری رہنما ہے، ہماری دینی تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ ہے، ہماری ایمانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے اور ایسا ضابطۂ حیات ہے،جس میں زندگی کے ہمہ جہت مسائل اور انسانی زندگی کے تقاضوں اور ضرورتوں کا احاطہ کیا گیا ہے،اس کا ایک ایک لفظ ہمارے لئے مینارۂ نور اور مشعل راہ ہے؛ اسی لئے اس کی تشریح وتوضیح اور تراجم وتفاسیر میں علماء محققین ،مترجمین ومفسرین کرام نے اپنی عمریں تمام کی ہیں اور اپنی زندگی کے مبارک دن ورات ایک کر کے حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق احکام الٰہی کو اُمت تک پہنچانے کی مبارک اور کامیاب سعی فرمائی ہے، فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

عصر حاضر میں قرآن کریم کے خلاف مختلف حلقوں سے ایسی تحریکات کا سلسلہ بدستور جاری ہے، جن سے اس کتاب مقدس کے بارے میں غلط فہمیاں اور غیر اسلامی افکار ونظریات کم علم مسلمانوں میں پیدا ہوں اور باطل خیالات اور غلط عقائد، مغربی پروپیگنڈوں سے متاثر مسلمانوں میں منتقل کئے جائیں، اس لئے اس زمانے میں سخت ضرورت ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ وتشریح میں زمانے کے تقاضوں اور ضرورتوں کا مکمل خیال رکھا جائے ،شرعی مسائل اور خاص کر جدید مسائل پر توجہ دی جائے ، دوسرے مذاہب کی جانب سے کئے جانے والے اعتراضات اور ان کے باطل خیالات کا رد کیا جائے اور غیر اسلامی افکار ونظریات کے بارے میں قرآن کریم کے موقف کو وضاحت سے بیان کیا جائے۔

فاضل گرامی قدر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ عصر حاضر کے ممتاز ترین علماء اور فضلاء میں سے ہیں، اپنی علمی ، دینی اور تحقیقی تصنیفات کی وجہ سے طبقۂ علماء میں اعتماد واستناد کا درجہ رکھتے ہیں، آپ نے ابھی حال میں مندرجہ بالا عصری تقاضوں کے پیش نظر قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کی قابل قدر ایسی وقیع خدمت انجام دی ہے جو اپنے محققانہ اُسلوب کی وجہ سے بعض بڑی تفاسیر پر بھاری ہے،جس کی شہادت آپ کے بعض جلیل القدر اساتذۂ کرام نے بھی اپنی قیمتی تحریر میں بطور تقریظ مرحمت فرمائی ہے: ’’فهنيئاً له وكثر الله فينا أمثالهم ‘‘۔

دل سے دُعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس عظیم الشان خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے اور عوام وخواص کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری

(ناظم: مظاہر علوم سہارنپور، یوپی)

۲۳؍ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ

امتیازی شناخت کا حامل اور مثالی کام

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اپنے ڈھیر سارے علمی و تالیفی اور فکری و انتظامی کاموں کی وجہ سے برصغیر میں جو اعتبار و وقار رکھتے ہیں، وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں، وہ معاصر علماء دیوبند میں امتیازی و انفرادی شان کے حامل ہیں، اللہ نے اُن کے علم اور وقت میں بے پناہ برکت دی ہے، وہ علمی، فکری، فقہی، اجتماعی موضوعات پر تسلسل کے ساتھ بے تکان لکھتے رہتے ہیں، وہ برصغیر کے مقبول و محبوب اہل قلم ہیں، ان کے قارئین جدید و قدیم دونوں طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، وہ علمی گہرائی و گیرائی اور فقہی بصیرت کے ساتھ ساتھ خوبصورت، چاشنی سے بھرپور، ادبی و لسانی خصوصیات سے لبریز قلم کے دھنی ہیں۔

کچھ دنوں پہلے قرآن پاک کا اُردو ترجمہ اور اُس کی آسان اُردو تفسیر اُن کے قلم سے شائع ہوئی ہے، از راہِ کرم موصوف نے اس راقم کو بھی اُس کی شائع شدہ پہلی جلد کا ایک نسخہ بڑے اہتمام سے بھجوایا، جو سورۂ کہف کے ختم تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے، راقم نے کتاب کے ابتدائیہ بہ عنوان: ''اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے، قرآن مجید- تعارف واحکام، تفسیر قرآن- عہد بہ عہد، اور تفسیر قرآن - اُصول وقواعد'' کے علاوہ ترجمۂ قرآن اور تفسیر پر بھی جستہ جستہ نظر ڈالی۔

حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان کی خوبیوں نیز اُصول و روایاتِ تفسیر کی مکمل رعایت کے اعتبار سے ان کا یہ کام نہ صرف مثالی ہے؛ بلکہ ان کی علمی وسعت، تحریری احتیاط اور اُردو زبان کے اکابر مترجمین و مفسرین کے نقش قدم کی پیروی کا بہترین نمونہ ہے، توقع ہے کہ اِس جدید ترین ترجمے اور حالاتِ حاضرہ کے تقاضے سے ہم آہنگ مختصر و آسان تفسیر سے وہ خلا انشاء اللہ پُر ہو جائے گا، جو اس موضوع سے اشتغال رکھنے والوں کو عرصے سے محسوس ہو رہا تھا۔

زمانے اور حالات کے تقاضے کے مطابق نیا اُردو ترجمہ و تفسیر، اِس زمانے میں کئی اہل علم و قلم نے کیا ہے؛ لیکن حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا کام ان کے علم و مطالعے کے امتیاز کی وجہ سے امتیازی شناخت کا حامل ہے اور رہے گا، مولانا موصوف نے اپنے کام کی خصوصیات و امتیازات کو قدرے تفصیل سے اپنے مذکور الصدر ابتدائیہ میں ذکر کر دیا ہے، نیز نئے اُردو ترجمے و تفسیر کے میدان میں انجام پذیر ہونے والے دیگر اہل قلم کے چند اہم کاموں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے اِس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی اور امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے موقع و محل کے اعتبار سے قرآنی الفاظ و تعبیرات کو (عظیم القدر سابقہ مترجمین سے گہرائی سے استفادے کی روشنی میں اور اُردو پر اپنے عبور

کے طفیل میں) اُردو کے ایسے الفاظ وتعبیرات میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے، جن سے بہت سے شبہات واعتراضات کا ازخود اِزالہ ہوجاتا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اِس کام کو نقش دوام بنائے، دنیا وآخرت کی ساری سعادتوں سے انھیں نوازے اور قارئین کو اِس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق کے ساتھ ساتھ اُنھیں سعادت نصیب مترجم ومفسر اور ان کے والدین واساتذہ ومحبین کے لئے دُعائے مسلسل کی توفیق سے بھی نوازے۔

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی

۱۲/ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، ۲۷/ستمبر ۲۰۱۵ء (استاذ ادب عربی: دارالعلوم دیوبند، مدیر: ماہنامہ الداعی)

○ ○ ○

ادیب الفقہاء
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
کا ترجمہ وتفسیر قرآن مجید — ایک تاثر

ایک عرصہ سے اُردو تراجم قرآنی اور اُردو تفاسیر میں بالخصوص اہل سنت کے اس حلقہ میں جو دیوبندی فکر کا حامل ہے ، ایک خلا محسوس ہو رہا تھا ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ کی طرف منسوب تحت اللفظ ترجمہ سے مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کے تراجم وتفسیری حواشی تک کئی دہائیوں سے یہ خلا محسوس کیا جا رہا تھا کہ قرآن پاک کی آیات کریمہ کے جس سلیس اور رواں ترجمہ کی آج ضرورت ہے ، وہ پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی ، تفہیم القرآن نے اس ضرورت کو پورا کیا تھا اور مولانا محمد جونا گڑھی کا ترجمہ بھی رواں اور سلیس ہے ، اس نے بھی ایک حد تک اس ضرورت کو پُر کیا تھا ؛ لیکن اسے بھی رواج حاصل نہیں ہوا ، مولانا امین احسن اصلاحی کی شہرت علمی حلقوں میں تفسیری حواشی کی وجہ سے ہے ، وہ اہل علم کے تحقیقی مطالعہ کے موضوع بن کر رہ گئے ، معارف القرآن مدرسی حلقہ اور عوام الناس کے لئے ایک اچھی تفسیر ہے ؛ لیکن بہت مفصل ہے اور عصری ترتیب کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی ، مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کے ادب وزبان کے شہرہ نے اُمید پیدا کی تھی کہ ادبی ترجمہ خاصے کی چیز ہوگی ؛ لیکن دربار تھانوی سے وابستگی نے روایت کا بڑی حد تک پابند کر دیا ، ان کی تفسیر کثرت سے عربی حوالوں کی وجہ سے علماء اور طلبہ کے حلقوں میں زیادہ محدود رہی ، بائبل ، قدیم تاریخ اور جدید انسائیکلو پیڈیائی تحقیقات کے حوالوں نے اس باب میں اس کو تخصص کی کتاب بنا دیا ، ہر قاری کو نہ اس کا ذوق ہے نہ اس کی ضرورت ۔

ایسی صورت حال میں ایک عصری رواں اور سلیس ترجمہ اور مختصر تفسیر کی ضرورت ویسی ہی باقی تھی ، جیسی ان مذکورہ بالا کتابوں کی اشاعت سے پہلے ان کے دور میں باقی تھی ، اس ضرورت کا احساس مولانا تقی عثمانی صاحب کو ہوا اور انھوں نے ایک آسان ترجمہ اور مختصر تفسیر عصری ترتیب کے ساتھ پیش فرمادی ، وہ ان کے والد معظم ومحترم حضرت مولانا محمد شفیعؒ کی تفسیر معارف القرآن کا گویا ایک تازہ ، کامیاب اور مختصر ایڈیشن ہے ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ایک عرصہ سے — جو دو تین دہائیوں پر مشتمل ہے — فقہ اسلامی کی خدمات انجام دے

رہے ہیں، ان کو دور طالب علمی سے ہی اس کا صاف ستھرا ذوق ملا اور ان کے تخصص اور بحث وتحقیق کا یہ میدان ان کی کامیابیوں کے عَلَم بلند کرتا رہا، انھوں نے علماء اور دانشورانِ قوم سے بجا طور پر خراجِ عقیدت حاصل کیا۔

برصغیر میں اہل فقہ وافتاء کی کمی نہیں، پختہ کار، مشہور اور محقق فقہاء کرام سے لے کر مدارسِ دینیہ کے شعبہ جات افتاء سے فارغ ہونے والے سینکڑوں اور ہزاروں متخصص فقہ وافتاء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ایک نادرۂ روزگار شخصیت کے مالک تھے، انھوں نے فقہ وافتاء کے خشک وجامد موضوع کو ایک تحریکی موضوع بنادیا، انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس کا رشتہ عصری مسائل سے جوڑ دیا؛ بلکہ امام اعظمؒ کی فقہی کونسل کی یاد تازہ کردی اور اجتماعی اجتہاد کی ایسی طرح ڈال دی، جس نے اجتہاد کے بند دروازوں کے اکثر قفل کھول دیئے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی فقہی ٹیم کے ''ابویوسف'' اور ''محمد بن حسن'' مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی شخصیت میں جلوہ گر ہوئے، اگر حلول واتحاد کے فکر کی گنجائش ہوتی تو کہا جاتا کہ دونوں کی روحیں ان کے پیکر فقہی میں حلول کرگئیں، مولانا اگر روایتی مفتی وفقیہ ہوتے تو وہ کسی مدرسہ کے دارالافتاء کے صدر مفتی ہوتے اور ظاہر ہے کہ پھر وہ مدرسہ کی چہار دیواری سے کسی کسی استفتاء کے ذریعہ ہی باہر نکلتے اور وہ بھی صرف مستفتی کے حلقہ تک۔

لیکن مولانا ادیب وانشاء پرداز بھی ٹھہرے اور مفکر ودانشور بھی بن کر اُبھرے، انھوں نے فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کی غواصی کی، عصری مسائل کو مطالعہ اور غور وخوض کا موضوع بنایا، فکر اسلامی کو اس کے بنیادی ماخذ سے اخذ کیا اور دورِ جدید کے مفکروں کی تحریروں کے آئینہ میں بھی خوب دیکھا، سمجھا، یہاں تک کہ اس کے کامیاب ترجمان بن گئے، انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک کو قدیم فقہی بحثوں اور جدید قانونی مباحثات ومکالمات کا ایک حسین سنگم بنانے میں نمایاں حصہ لیا، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کے بعد جہاں انھوں نے فقہ اکیڈمی کی قیادت وادارت کا حق ادا کیا، وہیں انھوں نے بورڈ کے اس سنگم پر اپنی مہارت کے جوہر دکھائے، فقیہوں اور وکیلوں کو ایک اسٹیج سے کامیاب طریقہ پر خطاب کیا اور انسانی قوانین پر ربانی قوانین کی برتری اور بالاتری کو خوب خوب ثابت کردکھایا۔

ان کی فقاہت اور فتاویٰ کی مہارت کی روشنی میں قرآن کی ترجمانی اور اس کی تفسیر کے ہفت خواں کو پار کرلینا ان کے لئے مشکل نہ تھا، متوقع تھا کہ وہ قرآن کی ایک فقہی تفسیر تیار کردیتے، کہا جاتا ہے کہ قرآن کی پانچ سو آیاتِ احکام ہیں، وہ اس تفسیر کا خاص موضوع ہوتیں، قرآن پاک کی تفسیر، روایات وآثار کے ذریعہ، فقہی مباحث کے ساتھ، ادبی وبلاغی نکتوں کے بیان کے لئے متکلمانہ بحثوں کو چھیڑتے ہوئے اور صوفیانہ رموز واشارات کی زبان میں ہوتی رہی ہے، ایک اور نمونہ عصری مسائل کے حل کے ساتھ سامنے آجاتا اور فقہی تفاسیر میں ایک اضافہ ہوجاتا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بجا طور پر ''ادیب الفقہاء'' ہیں، ان کا ذہن فقہی سانچوں میں ڈھلا ہوا ہے؛ لیکن

زبان سلسبیل سے دُھلی ہوئی ہے، قلم شراب طہور کی ریزش کرتا ہے، عقل و منطق جدید فکری مطالعہ سے قدیم وجدید کی سنگم بن گئی ہے، ان میں مفکرانہ سوچ اور داعیانہ تڑپ بہم آمیز ہو گئی ہیں، ان کے کارنامے فقہی اور فکری، تعلیمی، تربیتی، تدریسی اور خطابی میدان میں بار بار رقم ہو چکے ہیں۔

یہ محض توفیق الٰہی ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی ان تمام نعمتوں کو لے کر دربار ذی الجلال والاکرام میں عاجزانہ حاضر ہو گئے اور کیل کانٹوں کے ساتھ اور نوک و پلک درست کرنے والے تمام آلات کے ساتھ معانی قرآن کی مصوری ونقاشی کے کام میں لگ گئے اور بڑی کامیابی کے ساتھ اس کے مرقعے تیار کر کے برصغیر کے اُردو خوانوں اور اُردو دانوں کے ''سمع وبصر وفواد'' کی دانش وبینش وتدبر کا سامان فراہم کر دیا۔

مولانا کا ترجمہ قرآن بڑا اسلیس، شستہ اور شیریں ہے، تفسیری حواشی جچے تلے، چیدہ چیدہ، قاری کے مسئلوں کا جواب اور مشکلوں کا حل، ہدایات ربانی کی روشنی میں پیش کرتے چلے جاتے ہیں، توفیق دست گرفتہ نظر آتی ہے، تائید ربانی سایہ فگن دکھائی دیتی ہے، کسی کی دُعاؤں کا فیض ہے اور خلوص کی قبولیت کی دلیل ہے اور رب کریم کے ترجمانوں کی فہرست میں شمولیت کا اعلان ہے، دُعا ہے کہ رب رحمٰن رحیم اس کے فوائد کو عام اور اس سے اپنی حجت تمام کر دے۔ آمین

حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی
(استاذ حدیث وتفسیر: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۲۱ر شوال ۱۴۳۶ھ، ۷ر اگست ۲۰۱۵ء

○ ○ ○

بہت قابل قدر اور لائق توجہ

کلام اللہ کی تفسیر اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی تشریح بہت ہی نازک اور بہت ہی ذمہ دارانہ عمل ہے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ جن اصحابِ قلم اور اہل علم نے اپنے اکابر، مشائخ اور اسلاف سے ہٹ کر دین کی ان دونوں بنیادوں کی تحقیق وتوضیح اپنے علم اور قلم کے زور پر کی، انھوں نے اُمت محمدیہ کو ضلالت اور گمراہی کے غار میں دھکیل دیا ہے، اور تفسیر بالرائے کے فتنوں میں اُمت کو اُلجھادیا ہے، ہندوستان کی تاریخ میں کم از کم ابوالفضل، فیضی سے لے کر آخر آخر تک کے مدعیانِ علم وفہم نے اس مسئلہ پر جیسی جیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، وہ تاریخ پر نگاہ رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہیں؛ لیکن اُمت محمدیہ مرحومہ پر اللہ جل شانہ کا یہ کس قدر فضل وکرم اور انعام واحسان ہے کہ اس نے ہر دور میں اُمت محمدیہ کو ایسے ممتاز اور باکمال علماء بھی مرحمت فرمائے ہیں کہ جو ہر ضلالت اور ہر کجروی کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ علماء راسخین اور علماء ربانیین اِس دور میں بھی قرآن وسنت اور دین وشریعت کی قابل اعتماد اور لائق اعتبار خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں حضرت والا کا نام بھی ایک ایسا مستند اور معتبر نام ہے کہ جس پر اُمت کے عوام وخواص پورے طور پر اعتماد کرتے ہیں،

اللہ جل شانہ حضرت والا کی مرتب کردہ اس تفسیر کو سابقین اولین مفسرین کے درجہ پر رکھ کر بے حد قبول فرمائے، اُمت کے لئے نافع اور مفید بنائے اور ان میں قرآن فہمی کا صحیح شعور اور پختہ ذوق آپ کی اس تفسیر کے ذریعہ پیدا فرمائے اور آپ کی عمر میں صحت کے ساتھ برکت عطا فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

جناب والا نے ترجمہ میں جو اُمور ملحوظ رکھے ہیں، وہ یقیناً بہت قابل قدر اور لائق توجہ ہیں، اللہ جل شانہ ان تشریحات وتوضیحات کے ذریعہ نیز ترجمہ میں یہود ونصاریٰ کے جن تخیلات اور مزعومات کا آپ نے رد فرمایا ہے، ان کے ذریعہ، ان معاندین اسلام کی غلط فہمیوں؛ بلکہ سازشوں اور تدبیروں کا بھرپور دفعیہ فرمائے۔ (آمین)

(از: مکتوب گرامی)

حضرت مولانا سید شاہد علی حسینی

(امین عام: جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی)

۱۰/ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، ۲۵/ستمبر ۲۰۱۵ء

قابل تحسین خدمت

الحمد للہ رب العالمین ، الذی قال فی کتابہ المجید : ’’ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر‘‘ والصلوٰۃ والسلام علی من أوتی الکتب والحکمۃ ، اما بعد !

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ہندوستان کے صاحبِ نظر عالم دین، ماہر فقیہ اور کہنہ مشق صاحب قلم ہیں ،آپ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور آپ کے علمی وفکری مقالات ہندوستان کے مختلف اخباروں میں شائع ہوتے ہی رہتے ہیں، فقہی ذوق اور تحقیقی مزاج آپ کا خاص وصف ہے، جو آپ کو اپنے چچا مرحوم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے رواثت میں ملا ہے، فی الوقت مولانا کی تصنیف ’’آسان تفسیر قرآن مجید‘‘ میرے پیش نظر ہے، میں نے اس کو پڑھا، یہ تفسیر بہت آسان وسلیس زبان میں ہے۔

برصغیر میں یوں تو متعدد علماء کرام نے قرآن کریم کی تفسیریں لکھی ہیں؛لیکن جو مقبولیت تفسیر عثمانی اور معارف القرآن کو حاصل ہوئی ، وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکی ، یہ دونوں تفسیریں بھی آسان زبان میں عوام کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے لکھی گئی تھیں اور ان کی افادیت جس طریقے سے کل قائم تھی ،آج بھی قائم ہے، ویسے اہل علم کے لئے اُردو زبان میں ’بیان القرآن‘ سے زیادہ اہم کوئی تفسیر نہیں ، زبان چوں کہ زمانے کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتی ہے ؛ اس لئے انھیں تفسیروں کے طرز پر مزید سہل انداز میں حال ہی میں دو اور تفسیریں منظر عام پر آئی ہیں، ایک : حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی ’’آسان ترجمہ قرآن‘‘ اور دوسری: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی یہ ’’آسان تفسیر قرآن مجید‘‘ —— اس تفسیر میں مولانا نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت عمدہ تشریحات پیش کی ہیں اور آیتوں کی تفسیر میں احادیث ، صحابہ کے اقوال اور اکابر علماء کی آراء کو ضروری حوالوں کے ساتھ تحریر کیا ہے، ساتھ ہی وہ آیات جن کا تعلق فقہی مسائل سے ہیں، ان کے تحت شرعی احکام بھی تشفی بخش وضاحت کے ساتھ لکھ دیئے ہیں، یہ وہ چند خصوصیات ہیں جو دیگر تفسیروں سے اس تفسیر کو ممتاز کرتی ہیں، باری تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مولانا کی اس قابل تحسین خدمت کو قبول فرما کر ان کے لئے اسے ذخیرۂ آخرت اور عوام وخواص کے لئے نافع بنائے ۔آمین

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری

۲۴/ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ

اُردو کے تفسیری لٹریچر میں گرانقدر اضافہ

ہر زبان میں کچھ عرصہ کے بعد تبدیلیاں ہوجاتی ہیں، کچھ الفاظ اور محاورے متروک ہوجاتے ہیں، دوسرے الفاظ اور محاورات ان کی جگہ لے لیتے ہیں، تعبیرات بدل جاتی ہیں، بعض اوقات بعض الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں، اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفے سے قدیم تراجم قرآنی کا جائزہ اور نئے ترجمے ناگزیر ہوجاتے ہیں؛ اسی لئے شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی ''موضح القرآن'' (جو اُردو زبان میں ایک مثالی اور معیاری ترجمہ شمار ہوتا تھا) کے ہوتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے نئے ترجمۂ قرآن کی ضرورت محسوس کی اور ترجمہ شیخ الہند حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کے ساتھ اشاعت پذیر ہوا، اسی طرح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''بیان القرآن'' کے نام سے ترجمہ قرآن اور تفسیر لکھی، ان بزرگوں کے بعد اُردو زبان میں قرآن کے تراجم وتفاسیر کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، اِدھر کچھ عرصہ سے کچھ ایسے افراد اور گروہوں نے اُردو زبان میں قرآن کے ترجمے اور تفسیر کے میدان میں اپنی سرگرمی دکھائی، جنھیں ہم منکرین حدیث کے زمرے میں شمار کر سکتے ہیں، انھوں نے احادیث وآثار کے تفسیری ذخیرے کو بالکل نظرانداز کر کے من مانے طرز پر ترجمہ وتفسیر کا طریقہ اختیار کیا اور نوجوانوں کا ایک سادہ لوح، کم علم طبقہ ان کے اُسلوبِ بیان اور ادبیت سے مسحور ہوکر ان کا اسیر ہونے لگا، قرآن کے حوالے سے مختلف افکارِ باطلہ کی ترویج کی جانے لگی، حالات وضرورت کا احساس کر کے اِدھر دس پندرہ سال میں علماء حق کی طرف سے پھر اس میدان میں متعدد تصنیفی کوششیں ہوئی ہیں اور قرآن کریم کے عام فہم، سلیس ترجمے اور مختصر وآسان تفسیریں منظرعام پر آئی ہیں۔

اس سلسلے کی سب سے ممتاز اور کامیاب کوشش حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا آسان ترجمہ وتفسیر ''توضیح القرآن'' ہے، جو حد درجہ مقبول ہوچکا ہے، اس کے متعدد خوبصورت ایڈیشن ہندوپاک میں شائع ہوکر دین دار اہل ذوق کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں، ادارہ نشر القرآن گورکھپور نے اس کا ہندی ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

دوسری اہم ترین کوشش ہندوستان کے مشہور عالم وفقیہ اور مصنف حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (بانی: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) کی ہے، پندرہ پاروں کی اشاعت ہوچکی ہے، باقی کام بھی مکمل ہے اور پورے قرآن کا ترجمہ وتفسیر ایک ہی جلد میں شائع کرنے کی تیاری ہے۔

مولانا موصوف برصغیر ہندوپاک کی مشہور شخصیت ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سکریٹری اور آل انڈیا

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری ہیں، پوری عمر علوم اسلامیہ کی درس وتدریس میں گذری ہے، ان کا خصوصی موضوع فقہ اسلامی ہے؛ لیکن دوسرے علوم (تفسیر، حدیث، کلام وغیرہ) پر بھی گہری نظر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات اور کاموں میں برکت رکھی ہے، قلم رواں اور سیال ہے، زمانہ کے حالات اور تقاضوں سے بخوبی واقف ہیں، ان کی آسان اُردو تفسیر ان کے اعمالِ حسنہ میں گرانقدر اضافہ ہے۔

مجھے اس ترجمہ وتفسیر کو جستہ جستہ پڑھنے کا موقع ملا، جہاں جہاں نظر ڈالی، دل مطمئن اور مسرور رہوا، انشاء اللہ قرآن کریم کی یہ خدمت اُردو کے تفسیری لٹریچر میں گرانقدر اضافہ ثابت ہوگی، استناد واعتبار کے لئے خود مؤلف کا نام کافی ہے، زیادہ علمی بحثوں میں جانے کے بجائے کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کی دعوت واسپرٹ کو معیاری وسلیس اُردو میں ڈھال دیا جائے اور قرآن واسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک وشبہات کے جو کانٹے نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دل ودماغ میں چبھتے ہیں، انھیں نکالا جائے، بقدرِ ضرورت فقہی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور کیوں نہ ہوتا کہ یہ تو مؤلف کا خصوصی موضوع ہے!

مترجم نے ترجمۂ قرآن میں جن اُمور کی رعایت کی ہے، ان کی تفصیل اپنے مقدمہ میں بیان کردی ہے، آغاز میں قرآن اور قرآنیات کے بارے میں مؤلف کا تقریباً سو صفحات کا مقدمہ خاصے کی چیز ہے اور ''بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر'' کا مصداق ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ یہ آسان ترجمہ وتفسیر مسلمانوں اور سارے انسانوں کے لئے نافع ثابت ہو اور مؤلف کے لئے بہترین ذخیرۂ آخرت بنے۔

حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

(استاذ حدیث وفقہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۱۱؍ربیع الاول ۱۴۳۷ھ، ۲۳؍دسمبر ۲۰۱۵ء

○ ○ ○

سلف صالحین کی تحقیق سے سرِمو انحراف نہیں

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد !

اُردو زبان برصغیر کے اکثر مسلمانوں کی زبان ہونے کے لحاظ سے اس بات کی مستحق تھی کہ اس میں بھی قرآن کے تراجم وتفاسیر کا اہتمام کیا جائے؛ چنانچہ اس زبان میں بھی بہت پہلے ہی سے الحمد للہ معتد بہ اور اچھا خاصا کام اس سلسلے میں ہوا اور متعدد حضرات علماء نے قرآن کریم کے اُردو زبان میں ترجمے کئے اور کئی ایک تفاسیر بھی لکھی گئیں، حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ، مولانا فتح محمد جالندھریؒ، مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ وغیرہ، حضرات مترجمین ومفسرین نے اپنے اپنے وقت میں اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کام کو انجام دیا اور تراجم وتفاسیر قرآن کا قابل قدر ایک عظیم سرمایہ وجود پذیر ہوا، جس نے اُردو دانوں کے لئے قرآنی علوم واسرار اور ربانی حقائق ومعارف سے آگہی پانے کی راہ ہموار کی۔

مگر یہ معلوم ہے کہ زمانے کی پیش رفت ہمیشہ زندگی کے بہت سے دنیوی ودینی مسائل پر اثر انداز ہوتی رہی ہے، لوگوں کی زبان وبیان پر، ان کے مزاجوں وطبیعتوں پر، ان کی نفسیات ورجحانات پر اور ان کی تہذیب وتمدن پر، ان کے طرز فکر ونظر پر، جس کے ساتھ ساتھ نئے نئے تقاضے اُبھرتے رہے ہیں، اس اُصول کا اثر تراجم قرآن وتفاسیر قرآن پر بھی پڑتا ہے؛ چنانچہ موجودہ دور کے اہل علم واہل دانش کے اندر یہ اس وقت احساس شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے ترجمے وتفسیر کی خدمت بھی دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق انجام دینے کی ضرورت باقی ہے۔

اسی نئے تقاضے کے تحت موجودہ دور میں بھی اس سلسلے میں علماء کرام کی جانب سے پیش رفت ہوتی نظر آرہی ہے اور متعدد تراجم وتفسیر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی جارہی ہیں، جیسے حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے ''ہدایت القرآن'' کے نام سے ترجمہ وتفسیر کا کام انجام دیا ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے 'توضیح القرآن' کے نام سے ترجمہ وتفسیر کی ہے، حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی بھی ایک ترجمہ اور مختصر حواشی لکھے ہیں، حضرت مولانا سید سلمان ندوی صاحب نے ''آخری وحی'' کے نام سے یہی خدمت انجام دی ہے۔

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ''آسان تفسیر قرآن مجید'' ہے، جو عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت فیوضہم کی شبانہ روز محنتوں وعرق ریزیوں کا ثمرہ ونتیجہ اور آپ کی علمی وفقہی بصیرت اور قرآنی علوم واسرار سے گہری واقفیت کا آئینہ دار ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت عوام وخواص دونوں طبقات میں معروف ومشہور ہے اور آپ کی فقہی وعلمی تصانیف اور دینی وملی خدمات کا ایک عظیم وطویل سلسلہ ہے، جس نے آپ کی شخصیت کو ہر طبقے میں قابل اعتماد ولائق احترام بنا دیا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں خصوصیات وکمالات سے نوازا ہے، جس کے نتیجہ میں آپ میں علمی صلاحیت، فقہی بصیرت، تصنیفی وتالیفی کمال، تقریر وبیان کی خوبی، ملک وملت کی خدمت کا ذوق، دعوتی وتبلیغی مہم جوئی، جیسے اوصاف جمیلہ جمع نظر آتے ہیں۔

آپ کے لئے اس نئے ترجمے وتفسیر کا محرک کیا بنا؟ اس کا ذکر آپ نے اپنے مقدمے میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے کہ :

> ہمارے بزرگوں کے جو ترجمے موجود ہیں، وہ نہایت عمدہ اور بصیرت افروز ہیں؛ لیکن عربی زبان کے علاوہ تمام زبانوں میں ادب کے معیارات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں اور محاورات واصطلاحات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس میں اُردو زبان بھی شامل ہے؛ اس لئے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ بعض اُردو تراجم کے الفاظ مشکل ہیں یا ان میں زبان وبیان کی خوبصورتی نہیں ہے؛ حالاں کہ یہ ترجمہ کی خامی نہیں ہوتی؛ بلکہ وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ زبان میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا اثر ہے؛ لہٰذا لوگوں کی سہولت کے لئے ضروری ہے کہ جیسے جیسے زبان اور اس کے ادب میں تبدیلی آئے، قرآن مجید کے ایسے ترجمے کئے جائیں، جن میں اس عہد کی رعایت ہو، یہی اس کاوش کا اصل محرک ہے۔

حضرت مولانا نے اس ترجمے وتفسیر میں جہاں اس بات کا لحاظ کیا ہے کہ وہ آسان زبان وسہل پیرایے میں ہو اور عوام الناس کے لئے بھی قابل فہم ہو، وہیں اس کا بھی بھرپور اہتمام کیا ہے کہ زبان وبیان کی چاشنی بھی باقی رہے اور یہ بھی کہ الفاظ قرآنی کے دائرے میں رہتے ہوئے بامحاورہ ترجمہ کیا جائے اور اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی کی انھوں نے پیروی کی ہے۔

نیز آپ نے ترجمے میں ترجمے کی نزاکتوں کا بڑا لحاظ کیا ہے اور عربی زبان کی باریکیوں پر گہری نظر رکھتے ہوئے

اس طرح ترجمہ کیا ہے کہ منشاء ربانی کے سمجھنے میں عوام کو دقت بھی نہ پیش آئے ،مگر قواعد عربیہ سے ترجمہ ہٹنے نہ پائے اور آزاد ترجمانی کا عیب اس میں نہ پیدا ہو۔

ان اُمور کے ساتھ اس کا بھی بہت اہتمام کیا گیا ہے کہ جدید افکار ونظریات اور ارتقاء پذیر تہذیب وتمدن اور نئے ازموں اور فلسفوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے شبہات واشکالات کے دفعیہ وازالہ کی راہ ہموار کی جائے اور وہ بھی اس طرح کہ کسی لفظ یا جملے کو اصل ترجمے کا سابقہ یا لاحقہ بناتے ہوئے ایسا معنی ومفہوم متعین کیا جائے کہ پڑھنے والا پڑھتے ہوئے اولاً تو کسی اشکال کا شکار ہی نہ ہو اور اگر کوئی اشکال ذہن میں ہو تو خود بخود رفع ہوتا جائے۔

اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان تمام تر التزامات واہتمامات کے ساتھ ساتھ کوشش کی گئی ہے کہ سلف صالحین کی تفسیر وتحقیق اور ان کے مسلک سے سرِ موانحراف نہ کیا جائے۔

بہرحال یہ ترجمہ وتفسیر میں سمجھتا ہوں کہ اس دور کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے،جس میں ایک جانب سلف کے نظریات وخیالات اور ان کی تفاسیر وتاویلات کی عکاسی نظر آتی ہے تو دوسری جانب زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق جدید ذہنوں کی تسکین کا بھی بھرپور سامان دکھائی دیتا ہے۔

میں حضرت مولانا کی خدمت میں اس موقع پر مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم الشان خدمت کی توفیق عطا فرمائی اور اس کے لئے قبول فرمایا اور ساتھ ہی دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایان شان جزاء عطا کرے اور اس خدمت جلیلہ کو شرف قبول بخشے۔آمین

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی

(مہتمم: جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

۱۶؍محرم ۱۴۳۶ھ، ۲۹؍اکتوبر ۲۰۱۵ء

بھرپور اور کامیاب کوشش

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسوله الكريم ،
وعلى آله واصحابه اجمعين ، اما بعد !

اللہ سبحانہ تعالیٰ رب العالمین ہے، اس کی ربوبیت دنیوی واُخروی اور ظاہری وباطنی اعتبار سے بالکل کامل ومکمل ہے، اس نے اپنے بندوں کے لئے جس طرح حیات جسمانی کی بقاء وترقی کے اسباب پیدا فرمائے، اسی طرح ہر زمانہ میں اپنے نبیوں اور رسولوں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کے ذریعہ، ان کی روحانی واخلاقی اصلاح اور دینی ضروریات کی تکمیل بھی فرمائی، وہ جس طرح اپنے بندوں کی جسمانی زندگی اور مادی تقاضوں کی تکمیل کے لئے اپنی شان رزاقیت وربوبیت کے مطابق انتظامات فرماتا رہا ہے، اسی طرح اپنے لطف وکرم سے اپنے بندوں کی روحانی غذا کے لئے ہر دور میں آسمانی وحی نازل فرماتا رہا ہے۔

اور جب انسانیت اپنے درجۂ کمال کو پہنچ گئی یا پہنچنے والی تھی اور دنیا اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ایک قوم واُمت بننے والی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر پر، جو رحمۃ للعالمین ہیں، اپنی آخری وحی اور کتاب بصورت قرآن نازل فرمائی، جو بالکل کامل ومکمل اور سارے عالمین کے لئے ان کی رب العالمینی کا کامل مظہر ہے، اب یہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے اور ساری انسانیت کے لئے اور قیامت تک آنے والی تمام اقوام وملل کے لئے بس یہی راہ ہدایت ہے، اس میں انسانی ترقی اور زمانوں وعلاقوں کے فرق سے نہ کسی تبدیلی کا امکان ہے، نہ کمی بیشی کا؛ اسی لئے اصل وحی کے عربی زبان میں ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے الفاظ ومعانی کی بقا کا ایسا انتظام فرمادیا کہ دنیا کی ہر وہ زبان جس کا انسانوں سے تعلق ہو، غیب سے قرآن کے معانی ومطالب کو اس زبان میں منتقل کیا جاتا رہا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جب ان کی علمی زبان فارسی رہی، قرآن مجید کے تراجم فارسی میں ہوتے رہے اور جب عام زبان فارسی کے بجائے اُردو ہوگئی تو اُردو کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ترجمانی کے شرف سے نوازدیا، اُردو زبان میں بھی ہر تھوڑے عرصہ کے بعد قدیم وجدید کا فرق، علاقائی اور محاوراتی الفاظ کا فرق ہوتے رہنے سے ہر دور کی اُردو میں قرآن کے تراجم کی ضرورت ہوئی، تو اللہ کے غیبی نظام کے تحت اس ضرورت کی بھی تکمیل کا انتظام ہوتا رہا۔

زبان کے فرق کے علاوہ ہر دور کی اپنی فکری وعلمی ضروریات ہوتی ہیں، قرآن کی ایک شاندار خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر زمانے میں اس کی ترجمانی ودعوت کے لئے جس فکری ریاض اور علمی خدمت کی ضرورت ہوئی، علماء دین کو اس کی پوری

توفیق ملی ، اس کے علاوہ عوام کی ضرورت کا تقاضہ یہ بھی تھا کہ مفصل تفسیروں کے ساتھ مختصر تفسیر اور آسان ترجمے کا بھی انتظام کیا جائے ، ادھر چند سالوں میں کئی علماء کو اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کی سعادت بخشی ہے، ان ہی علماء کرام میں ہمارے محترم ممتاز عالم وفقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ بھی ہیں، ان کی سنجیدہ شخصیت کو ہند و بیرون ہند تمام ہی علمی حلقوں میں بڑے احترام وعزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہےاور وہ واقعی اس کے اہل بھی ہیں۔

عصر حاضر تیز رفتار تبدیلیوں اور مغربی تہذیب وفکر کے عالمی انتشار کی وجہ سے قرآن اور دین کی ترجمانی کے سلسلے میں ہمارے اس دور کے نئے تقاضے ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مولانا مدظلہ نے بھی قرآن مجید اور اس کی آسان تفسیر کا کام کیا اور ترجمے کی سہولت ،صحت اور قرآنی اشارات کی رعایت کے علاوہ اس دور کی فکری خصوصیتوں اور ذہنی اشکالات ومسائل کی بھی اس طرح رعایت کی ہے کہ ذہن کو ایمان واذعان نصیب ہو اور دل تأثر کی کیفیت محسوس کرے، میں نے مختلف جگہوں سے ترجمہ دیکھا،قرآن کا حق تو کیا کوئی بندہ ادا کرسکتا ہے؛البتہ ترجمہ میں جن علمی اور دینی باتوں کی ضرورت ہے، اس تفسیر میں موجودہ اُردو زبان کے اُسلوب میں اس کو پوری کرنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

وذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ۔

حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی

۲۱؍شوال ۱۴۳۶ھ، ۷؍اگست ۲۰۱۵ء (صدر کلیۃ الشریعہ: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

معتبر تفاسیر قرآنی کا عطر

قرآن کریم کے نزول کے ساتھ دین قیم ''اسلام'' کومکمل کر کے نبی رحمت للعالمین پر ختم نبوت کا بھی حکیم وخبیر رب نے اعلان فرما دیا اور اب اس عالمینی نبی رحمت ﷺ کی اُمت کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ اس عالمینی پیغام اور رب العالمین کے کلام کو پوری انسانیت تک نبی کی نیابت میں، ان کی زبانوں میں، ان کی عقلی سطح اور شعور کے مطابق ان تک پہنچائیں، اس کے لئے ہمارے علماء کے سرخیل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر آج تک علماء مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کرتے رہے ہیں، خود ہندوستان کی زبان اُردو میں کتنے تراجم قرآن مجید کے ہو چکے ہیں اور بہت بڑا تفسیری سرمایہ ہماری زبان میں بھی ہمارے پاس دستیاب ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب علمی سطح بہت پست ہو چکی ہے، ہمتیں بالکل جواب دے گئی ہیں اور طبیعتیں اختصار پسند ہو گئی ہیں، ضرورت تھی کہ قرآن کو اس کے اصل موضوع کتاب ہدایت بنا کر بہت آسان اور عام فہم زبان میں اس کا ترجمہ اور زمانہ کی علمی اور فکری سطح کے لحاظ سے مختصر تفسیر اُردو میں لکھی جائے، جس کا ترجمہ ملک کی مختلف زبانوں میں کیا جا سکے۔

قرآن مجید سے تعلق رکھنے والوں اور اس سے آسانی کے ساتھ استفادہ کرنے والوں کو مبارک ہو کہ برصغیر کے ایک دردمند داعی وفقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہم نے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود موضوع کی اہمیت اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ آسان ترجمہ اور تفسیری ہدیہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ کو عطا کیا ہے۔

عالم اسلام کے معتدل اور تبشیر فی الدعوۃ اور تیسیر فی الفقہ کے حامل علماء خصوصاً برصغیر کے پندرہویں صدی کے علماء اور فقہاء کا تذکرہ جب بھی تاریخ میں کیا جائے گا، ملت کے اس دردمند عالم دین فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا تذکرہ اس میں ضرور شامل کیا جائے گا، مولانا محترم کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر اور قرآنی علوم سے استفادہ کے لئے جن عمیق علوم کی ضرورت ہے، مولانا ان کے مقام تحقیق پر فائز ہیں، اس کے ساتھ موجودہ عصری تعلیم یافتہ طبقہ کی ذہنیت، علمی، فکری اور لسانی سطح سے نہ صرف ان کو واقفیت ہے؛ بلکہ ذہنی سطح پر ان سے پورا ربط ہے اور قرآن کے اصل موضوع ہدایت انسانی کا دردان پر سوار ہے۔

اس طرح ان کا یہ ترجمہ اور تفسیر انسانیت کے لئے ایک عظیم تحفہ ہے، اس تفسیر کی جملہ خصوصیات میں ہم جیسے عامی کے لئے سب سے زیادہ اہم خصوصیت یہ ہے کہ فن تفسیر کے اکثر نامور محققین کے علوم سے تفاسیر قرآنی کا عطر کشید کر کے مولانا محترم نے ہم جیسے عامی کی دسترس تک پہنچا دیا ہے اور نئی نسل اور سائنسی ذہنیت رکھنے والے جدید ذہن کی بھرپور رعایت بھی اس میں کی گئی ہے۔

رب کریم پوری اُمت کی طرف سے مولانا محترم کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کو کم از کم ملک کی سب زبانوں میں ترجمہ ہو کر ہر خاص وعام کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی

(ناظم: جامعہ شاہ ولی اللہ پھلت، ضلع مظفر نگر)

۲۱ محرم ۱۴۳۷ھ، ۴ نومبر ۲۰۱۵ء

وقت کی ضرورت کے مطابق

برصغیر میں تراجم قرآن مجید کے بانی اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ ہیں اور بقول حضرت شیخ الہندؒ: ''اگر یہ مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدت ضرورت کے وقت میں ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا، علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لئے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتا اور ان دقتوں کے بعد بھی ایسا ترجمہ نہ کرسکتے جیسا کہ اب کرسکتے ہیں، پھر بھی اللہ کا کوئی بندہ ایسا ہوتا تو ہوتا کہ کمال علم وتدین کے ساتھ اس مشقت کو گوارا کرکے اس خدمت کو کماینبغی انجام دینے کے لئے موفق ہوتا: ''فجزاهم الله عنا وعن جميع المسلمين أحسن الجزاء وأفضل الجزاء والحمد لله''۔ (مقدمہ موضح الفرقان)

دورِ حاضر میں عموماً دو قسم کے تراجم دستیاب ہیں، ایک: تحت اللفظ ترجمہ، اور دوسرے: بامحاورہ ترجمہ، اول کی بنیاد شاہ رفیع الدینؒ نے ڈالی اور ثانی کے بانی شاہ عبدالقادرؒ ہیں اور ظاہر ہے کہ ترجمہ سے اصل فائدہ اور اہم غرض یہ وابستہ ہے کہ قرآن مجید کا سمجھنا آسان ہوجائے، یہ غرض جس قدر بامحاورہ ترجمہ سے حاصل ہوسکتی ہے، تحت لفظی ترجمہ سے کسی طرح ممکن نہیں، شاہ عبدالقادرؒ نے بامحاورہ ترجمہ کرنے کی یہی غرض بیان کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اکابر میں جس کسی نے اس میدان میں قدم رکھا، انھوں نے شاہ صاحبؒ ہی کا اتباع کیا اور بامحاورہ ترجمہ اختیار کیا، معتبر مترجمین میں حضرت شیخ الہندؒ وحضرت تھانویؒ سے لے کر موجودہ دور میں مفتی تقی عثمانی مدظلہ تک سب ہی نے حضرت ممدوح ہی کے نقش پا کا اتباع کیا ہے۔

لیکن ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں'' بھی ایک مسلم حقیقت ہے؛ چنانچہ عموماً دو تین اُمور ازسرنو تراجم سابقہ میں تجدید کے محرک بنتے ہیں، بعض کلمات ومحاورات کا متروک یا قریب بہ متروک ہوجانا، سہولت پسند طبائع کے لئے اختصار عبارت کا فہم میں مخل ہونا اور جدید افکار ونظریات سے متاثر افراد کے لئے تشفی کا سامان نہ ہونا، ایسے ہی کچھ اُمور مولانا رحمانی زید مجدہ کے لئے اس ترجمہ کا محرک بنے، جس کا تفصیلی تذکرہ مولانا نے مقدمہ میں کیا ہے، آپ نے ترجمہ میں کن اُمور کی رعایت فرمائی ہے اور حواشی میں کیا باتیں ملحوظ رکھی ہیں؟ ان سب کا تفصیلی بیان آپ کی تقدیم میں موجود ہے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا یہ تعارف واقعہ کے عین مطابق ہے اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے، یہ ترجمہ وحواشی اس کا کامل مصداق ہے۔

محترم مترجم کی طرف اس کا انتساب ہی استناد کے لئے کافی ہے، فاضل گرامی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، اسلامک فقہ اکیڈمی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے جو عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ قابل رشک اور مدارسِ اسلامیہ کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں، فقہی بصیرت میں تو امتیازی شان کے حامل ہیں ہی، اس آسان تفسیر نے ثابت کردیا کہ معلم قرآن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے آپ کو قرآن فہمی کا خصوصی ذوق بھی بخشا گیا ہے۔

دُعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد اسے پایۂ تکمیل کو پہنچائے، اُمت کے لئے نافع بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی عبداللہ مظاہری

(بانی وناظم: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات) ۳/محرم ۱۴۳۷ھ، ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۵ء

○ ○ ○

سُورَةُ مَرْيَمَ

- سورہ نمبر : (۱۹)
- رکوع : (۶)
- آیتیں : (۹۸)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

قرآن مجید میں جن پاکباز خواتین کا ذکر خاص طور پر آیا ہے، ان میں ایک حضرت مریم علیہا السلام ہیں، یوں تو حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ کئی سورتوں میں آیا ہے؛ لیکن اس سورت میں نسبتاً تفصیل کے ساتھ آپ کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، اس لئے اس کا نام سورۂ مریم ہے۔

سورۂ مریم اس اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ دنیائے انسانیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے بیٹے ہونے کا جو تصور گھڑ لیا گیا، یہ سورت مدلل طور پر اس کا رد کرتی ہے، اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے علاوہ بوڑھاپے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ حضرت سارہ کے ماں بننے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے؛ کیوں کہ کنواری عورت کا ماں بننا بھی خلافِ عادت ہے اور عمر رسیدہ بانجھ عورت کا ماں بننا بھی، اس سورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کی رفاقت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر آیا ہے اور زیادہ تر توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١ ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ اِنِّيۡ
وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّيۡ وَ اشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّ لَمۡ اَكُنۡ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤ وَ اِنِّيۡ خِفۡتُ
الۡمَوَالِيَ مِنۡ وَّرَآءِيۡ وَ كَانَتِ امۡرَاَتِيۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِيۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيۡ وَ يَرِثُ مِنۡ
اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ وَ اجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ کاف، ہا، یا، عین، صاد، ﴿۱﴾ ۝١ یہ آپ کے پروردگار کے اپنے بندہ زکریا پر مہربانی فرمانے کا ذکر ہے ۝٢ جب کہ انھوں نے اپنے رب سے چپکے چپکے دُعاء کی ﴿۲﴾ ۝٣ انھوں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، سر کے بال سفید ہو گئے ہیں اور اے میرے پروردگار! آپ سے درخواست کر کے میں (کبھی بھی) محروم نہیں رہا ۝٤ مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ رہتا ہے (کہ وہ حق کے راستے سے ہٹ جائیں) اور میری بیوی بھی بانجھ ہے؛ لہٰذا مجھ کو اپنی طرف سے ایک ایسا وارث عطا فرما دیجئے ۝٥ جو میرا جانشین اور یعقوب کے خاندان کا وارث ہو ﴿۳﴾ اور اے میرے پروردگار! اُس کو ایک پسندیدہ شخص بنا دیجئے۔ ۝٦

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات ہیں، سورۂ بقرہ کی آیت نمبر: ۱ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

﴿۲﴾ اس سے معلوم ہوا کہ، زور سے دُعا مانگنے کے مقابلہ میں آہستہ دُعا مانگنا افضل ہے، آگے آیت نمبر: ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ دُعا نماز کی حالت میں کی گئی تھی، اس کا اشارہ سورۂ آلِ عمران آیت نمبر: ۳۹ میں بھی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خاص طور پر نماز میں آہستہ دُعا کرنا افضل ہے؛ اسی لئے فقہاءِ احناف نماز میں آہستہ 'آمین' کہنے کے قائل ہیں۔

﴿۳﴾ یہاں وراثت سے دینی اور علمی وراثت مراد ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کے وارث علماء ہیں، انبیاء درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑتے؛ بلکہ وہ اپنی میراث میں علم کو چھوڑ کر جاتے ہیں: ''إن العلماء ورثة الأنبياء ، و إن الأنبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهماً ورثوا العلم'' (ابوداود: کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۴۳، ترمذی: کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، حدیث نمبر: ۲۶۸۲) نیز آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا: ہم کوئی مالی وراثت چھوڑ کر نہیں جائیں گے، ہمارا پورا کا پورا ترکہ صدقہ ہوگا: ''لا نورث ، ما تركنا صدقة'' (بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۳۹۹۸) اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے یہ بات تمام انبیاء کے بارے میں ارشاد فرمائی کہ انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی: ''نحن معشر الأنبياء لا نورث'' (نسائی فی الکبریٰ، باب ذکر مواریث الانبیاء، حدیث نمبر: ۶۳۰۹) اس لئے اللہ کے رسول حضرت زکریا علیہ السلام کے متروکہ میں میراث کیسے جاری ہوسکتی ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کا منشا یہ تھا کہ ہماری قوم کے دینِ حق کے راستہ سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے مجھے ایسا فرزند عطا فرمایئے، جو دین کی تعلیم و اشاعت کے اعتبار سے میرا وارث ہو، اس تفصیل سے یہ بات بھی ←

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسۡمُهٗ يَحۡيٰى ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا ۝۷ قَالَ رَبِّ اَنّٰى
يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا وَّقَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ
رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔـا ۝۹ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ
اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ
اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱

(اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! ہم تجھ کو ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہوگا، ہم نے اِس سے پہلے اس نام کا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا ﴿۱﴾ ۝۷ زکریا نے کہا: میرے پروردگار! مجھے کس طرح بیٹا ہوگا، جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں؟ ۝۸ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: ایسا ہی ہو کر رہے گا، آپ کے پروردگار نے فرمایا: یہ میرے لئے معمولی بات ہے، میں نے ہی تو تم کو پہلے پیدا کیا ہے؛ حالاں کہ (اس وقت) تم کچھ بھی نہیں تھے ۝۹ زکریا نے کہا: میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے، ارشاد ہوا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم مسلسل تین (دن و) رات تندرست ہونے کے باوجود بات چیت نہ کرسکو گے ﴿۲﴾ ۝۱۰ پھر زکریا حجرے سے اپنی قوم کے سامنے آئے اور انھیں اشارہ کیا کہ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ ﴿۳﴾ ۝۱۱

← واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فدک کی زمین تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ نعوذ باللہ ان کی طرف سے ناانصافی کا عمل نہیں تھا؛ بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی —— حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دُعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کی دُعا کی جاسکتی ہے اور یہ دُعا تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے منافی نہیں ہے۔

﴿۱﴾ ''سمی'' کے معنی ''ہم نام'' کے ہیں، یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے اس نام کے کوئی اور صاحب پیدا نہیں ہوئے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری رحمہ اللہ اور زیادہ تر اہل علم کی یہی رائے ہے اور یہی راجح ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ ''سمی'' کے معنی ''مثال'' اور ''نظیر'' کے ہیں، یعنی ہم بعض خصوصیات میں ان کو بے نظیر بنا کر پیدا کر رہے ہیں، اس رائے کو اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مفاتیح الغیب: ۱۰/۴۰۶)

﴿۲﴾ یعنی گفتگو نہ کرنا بطور ایک نشانی کے ہوگا نہ کہ کسی بیماری کی وجہ سے۔

﴿۳﴾ حضرت زکریا علیہ السلام کا اشارہ سے تسبیح کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اشارہ بھی گفتگو کے قائم مقام ہوتا ہے، اور جن اُمور کو زبان سے انجام دیا جاتا ہے، بوقت ضرورت اشارہ کے ذریعہ بھی ان کو انجام دیا جاسکتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پچھلی اُمتوں میں امام کے نماز پڑھانے کی جگہ مقتدیوں سے اونچی ہوا کرتی تھی؛ کیوں کہ ''محراب'' عربی زبان میں اس اونچی جگہ کو کہتے ہیں جو زمین کے اوپر بنائی جاتی ہے؛ (لسان العرب: ۳/۱۰۲) لیکن اس اُمت کے لئے یہ حکم باقی نہیں رہا اور امام کے مقتدیوں سے اونچائی پر کھڑے ہونے کو منع فرمایا گیا؛ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص لوگوں کی ←

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾ وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً ؕ وَ کَانَ
تَقِیًّا ﴿۱۳﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیۡہِ وَ لَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿۱۴﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ
وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا ﴿۱۵﴾ وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مَرۡیَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَہۡلِہَا مَکَانًا شَرۡقِیًّا ﴿۱۶﴾
فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِہِمۡ حِجَابًا ۟ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتۡ اِنِّیۡۤ
اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ ٭ۖ لِاَہَبَ لَکِ غُلٰمًا
زَکِیًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتۡ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ وَّ لَمۡ اَکُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ
رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ ۚ وَ لِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ رَحۡمَۃً مِّنَّا ۚ وَ کَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا ﴿۲۱﴾

ع ۱۵ — وقف لازم — الربع

(اللہ کا حکم ہوا:) اے یحییٰ! مضبوطی کے ساتھ کتاب تھام لو اور ہم نے بچپن ہی میں اس کو حکمت و دانائی سے نواز دیا تھا ﴿۱۲﴾ نیز اپنی طرف سے رحم دلی اور پاکیزگی عطا کردی تھی، وہ بڑا ہی پرہیزگار ﴿۱۳﴾ اور اپنے والدین کا فرمانبردار تھا، سرکش اور نافرمان نہیں تھا، ﴿۱۴﴾ سلامتی ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا، جس دن اس کی موت ہوگی اور جس دن وہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾ اس کتاب میں مریم کا حال بھی بیان کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوکر ایک ایسے مکان میں چلی گئی جو مشرق کی طرف واقع تھا ﴿۱۶﴾ پھر اس نے ان لوگوں کے سامنے ایک پردہ ڈال دیا، اس کے بعد ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتے (روح الامین) کو بھیجا؛ چنانچہ وہ اس کے سامنے ایک صحت مند آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا ﴿۱۷﴾ مریم نے کہا: اگر تجھے اللہ کا ڈر ہے تو میں تجھ سے اس ذات کی پناہ مانگتی ہوں، جو بے حد مہربان ہے، ﴿۱۸﴾ فرشتہ نے کہا: میں تیرے رب کی طرف سے ہی بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں؛ تاکہ تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کردوں ﴿۱۹﴾ مریم نے کہا: نہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ میں بدچلن ہوں، مجھے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے؟ ﴿۲۰﴾ فرشتہ نے کہا: یوں ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے ایک معمولی بات ہے، ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس کو لوگوں کے لئے ایک نشانی اور اپنی طرف سے باعث رحمت بنادیں اور یہ بات (اللہ کی طرف سے) طئے پاچکی ہے۔ ﴿۲۱﴾

← امامت کرے تو مقتدیوں کی جگہ سے بلند جگہ نہ کھڑا ہو: ''إذا أم الرجل القوم فلا یقم فی مکان أرفع من مقامهم''۔ (ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب الامام یقوم مکانا ارفع من القوم، حدیث نمبر: ۵۹۸)

﴿۱﴾ حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ سورۃ آلِ عمران آیت نمبر: ۳۷، ۳۸ میں آچکا ہے اور وہاں واقعہ کی تفصیلات گذر چکی ہیں۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ
يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ
رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ
وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا
فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا
فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ
قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ
نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا
بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ
اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

چنانچہ مریم کو حمل ٹھہر گیا، پھر وہ اسے لے کر دور جگہ پر چلی گئی ﴿۲۲﴾ پھر دردِ زہ نے اسے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا، وہ کہنے لگی: کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری بن چکی ہوتی ﴿۲۳﴾ فرشتے نے اس کو اس کے نیچے سے آواز دی: ''غم نہ کرو، تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے، ﴿۲۴﴾ اپنی طرف کھجور کے تنے کو ہلاؤ، اس سے تم پر پکی ہوئی کھجوریں گریں گی، ﴿۲۵﴾ اب کھاؤ، پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر کسی آدمی کو دیکھو تو (اشارہ سے) کہہ دو کہ میں نے خدائے رحمٰن کے لئے روزہ کی منت مان رکھی ہے؛ اس لئے میں آج کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی'' ﴿۲۶﴾ پھر مریم اسے گود میں اُٹھائے ہوئے اپنی قوم میں لے کر آئی، لوگ کہنے لگے: اے مریم! تم نے بہت غلط حرکت کی ہے ﴿۲۷﴾ اے ہارون کی بہن! نہ تیرے والد بُرے آدمی تھے اور نہ تیری والدہ بدکار تھیں ﴿۲۸﴾ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا (کہ ان ہی سے بات کرلو)، لوگ کہنے لگے: ہم لوگ گود کے بچے سے کیسے بات کریں؟ ﴿۲۹﴾ بچہ بول اُٹھا: ''یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ﴿۳۰﴾ اور جہاں کہیں بھی رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے، نیز جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی ہے ﴿۳۱﴾ اس بات کی بھی کہ میں اپنی والدہ کا فرمانبردار رہوں، اور مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا ﴿۳۲﴾ مجھ پر سلامتی ہو، اس دن بھی جس دن میں پیدا ہوا، اس دن بھی جس دن میری موت واقع ہوگی اور اس روز بھی جب میں زندہ اُٹھایا جاؤں گا''۔ ﴿۳۳﴾

ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَـقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۳۵﴾ؕ

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم (اور ان کے بارے میں) سچی بات، جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ بیٹا بنائیں، اس کی ذات (اس سے) پاک ہے، اللہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتے ہیں تو فرماتے ہیں: ہوجا، بس وہ چیز ہوجاتی ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۵﴾

﴿۱﴾ حضرت مریم علیہا السلام کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر سورۂ آلِ عمران آیت نمبر: ۳۵ تا ۴۷ میں آچکا ہے، یہاں آیت نمبر: ۱۶ تا ۳۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعہ کو نسبتاً زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس میں متعدد اہم باتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے :

پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ ان کی رہائش کی جگہ اور جہاں دوسرے لوگ موجود تھے، ان کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کی رہائش ایسی جگہ ہونی چاہئے، جو غیر محرم مردوں سے دور ہو اور وہ پردہ کے اہتمام کے ساتھ رہ سکیں۔

دوسرے : اللہ کا فرشتہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آگیا، اس سے معلوم ہوا کہ پردہ کے جو احکام ہیں، وہ اصل میں انسانوں کے سامنے ہیں، انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات سے پردہ کے لازمی احکام نہیں ہیں، ہاں یہ بہتر بات ہے کہ انسان تنہائی میں بھی بے لباس نہ ہوجائے۔

تیسرے : حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر کسی مرد کے تعلق کے حمل ٹھہر گیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ولادت کا عمومی نظام یہ ہے کہ ایک مرد و عورت کے تعلق کے ذریعہ بچہ پیدا ہو؛ لیکن صرف ماں یا صرف باپ کے ذریعہ بھی بچہ کی پیدائش ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش تنہا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تنہا حضرت مریم علیہا السلام سے ہوئی؛ لہٰذا موجودہ دور میں کلوننگ کے ذریعہ صرف مرد یا صرف عورت سے جو بچہ کی پیدائش ممکن ہوگئی ہے، وہ قرآن مجید کے بیان کئے ہوئے نظامِ تخلیق کو غلط ثابت نہیں کرتا، ہاں یہ اور بات ہے کہ چوں کہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے عام نظامِ تخلیق سے مختلف ہے اور اللہ تعالیٰ نے تخلیقی نظام میں تغیر و تبدیلی کو شیطانی فعل قرار دیا ہے، (النساء:۱۱۹) اس لئے انسانی کلوننگ جائز نہیں ہے۔

چوتھے : حضرت مریم علیہا السلام ولادت کے وقت لوگوں سے دور چلی گئیں، بائبل کے بیان کے مطابق یہ جگہ "بیت اللحم" کی پہاڑی تھی (لوقا: ۲:۱-۲) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ولادت کے مرحلہ میں عورتوں کو ایسی جگہ رکھا جانا چاہئے جو مکمل پردہ کی ہو، خواہ کوئی کمرہ ہو یا ایسی کھلی جگہ جہاں دور دور تک دوسرے لوگ نہ ہوں۔

پانچویں : حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کھانے کی ترغیب دی گئی، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ایسی خواتین کے لئے کھجور ایک مفید غذا ہے؛ کیوں کہ اس میں غذائیت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور کھانے کے ساتھ پانی کا بھی انتظام کیا گیا، اس سے ←

← معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کھانا دیا جائے تو اس کے ساتھ پانی بھی دیا جائے؛ کیوں کہ کھانے کے بعد پانی پینا انسان کی فطرت ہے۔

چھٹی : قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے موت کی دُعا کی کہ میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی؛ حالاں کہ موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر شوہر کے ماں بننے کی وجہ سے بدنامی کا اندیشہ تھا اور تہمت کے مواقع سے بچنا ایک شرعی حکم ہے؛ لہٰذا موت کی تمنا ایک دینی مقصد کے تحت تھی اور موت کی تمنا کرنے کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ اس کا سبب دنیا کا رنج وغم ہو۔

ساتویں : حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں کے سوال کا جواب نہیں دیا اور کہا کہ میں روزہ سے ہوں، یہ اس لئے کہ بعض گذشتہ شریعتوں میں روزوں میں جیسے کھانے پینے کی ممانعت تھی، اسی طرح گفتگو کی بھی ممانعت تھی؛ لیکن اس اُمت میں یہ حکم نہیں رہا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص روزہ میں گفتگو کرنا بھی ترک کردے تو یہ درست نہیں؛ اسی لئے آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ کوئی شخص بات نہ کرنے کا تہیہ کرلے اور فقہاء نے اس کو گناہ قرار دیا ہے؛ کیوں کہ بعض دفعہ بات کرنا واجب بھی ہوجاتا ہے، (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۲۴۷، باب فی النذور)، نیز شریعت میں جس بات کا حکم نہ ہو، اس کو اپنے اوپر مسلط کرلینا بدعت اور دین میں اضافہ ہے، جس سے آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، کتاب الصلح، حدیث نمبر: ۲۵۵)

آٹھویں : حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا کہ مجھے نبی بنایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ کو نبوت عطا کردی گئی تھی، یہ مستقبل کے اعتبار سے ہے کہ انھیں آئندہ نبی بنایا جائے گا؛ چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی، (تفسیر خازن: ۱/۲۵۱) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی جن ہدایات کا ذکر فرمایا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ میں اپنی والدہ کا فرمانبردار رہوں، اس طرح قرآن نے اس غلطی کا ازالہ کردیا جس کا ذکر بائبل میں ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں تھا، (متیٰ: ۱۲: ۴۶-۵۰، مرقس: ۳: ۳۱-۳۵، لوقا: ۸: ۱۹-۲۱) اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت ہارون کی بہن قرار دیا گیا، تو اس سے مراد وہ ہارون نہیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے؛ بلکہ عام طور پر پیغمبروں کے نام پر لوگ اپنے بچوں کے نام رکھتے تھے، حضرت مریم علیہا السلام کے بھائی کا بھی ان کے والد نے اسی نسبت سے ہارون نام رکھا تھا، خود حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ المریم: ۳۱۵۵)

﴿۲﴾ ہر ایک کی شان اس کے لحاظ سے ہوتی ہے، جیسے مرد کی شان یہ ہے کہ وہ شوہر ہو، اگر کسی مرد کو کہا جائے کہ وہ فلاں کی بیوی ہے تو یہ یقیناً اس کی توہین ہوگی؛ لیکن مرد کو شوہر کہا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ بعض جہتوں سے یہ اس کے لئے باعث افتخار ہے، یہی حال بیٹا بنانے کا بھی ہے، انسان کے لئے بیٹے کا باپ ہونا ایک قابل تعریف بات ہے اور لوگ اس کو بطور فخر کے ذکر کرتے ہیں؛ لیکن کسی مخلوق کو خدا کی اولاد ظاہر کرنا یہ خدا کی شان کے خلاف ہے، خدا کے اور اس کی مخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے، وہ یہ ہے کہ خدا مالک ہے اور بندہ اس کی ملکیت، خدا خالق ہے اور بندہ اس کی مخلوق؛ اس لئے کسی مخلوق کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی قرار دینا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے اور گستاخی ہے۔

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝۳۶ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ
بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝۳۷ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ یَوْمَ
یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۳۸ وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ وقف لازم
وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۳۹ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَیْهَا وَ اِلَیْنَا
یُرْجَعُوْنَ ۝۴۰ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ؕ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝۴۱ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ ع ۴ ۲۵ ۵
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا ۝۴۲ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ
مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۝۴۳ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ
لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۝۴۴ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ۝۴۵

اور (عیسیٰ نے کہا تھا:) اللہ ہی میرے اور تمہارے پروردگار ہیں؛ لہٰذا اسی کی عبادت کیا کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ۝۳۶ پھر بھی مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے تو جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے ایک سخت دن کی حاضری کے وقت تباہی و بربادی ہوگی ۝۳۷ جس دن وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے، خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے؛ لیکن یہ ظالم آج کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ۝۳۸ (اے رسول!) ان کو حسرت و پشیمانی کے اس دن سے ڈرایئے جب فیصلہ کردیا جائے گا، صورتِ حال یہ ہے کہ (آج) وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہیں، ۝۳۹ یقیناً تمام روئے زمین اور جو کچھ زمین پر ہے، صرف ہم ہی ان کے مالک رہ جائیں گے ﴿۱﴾ اور ہماری ہی طرف یہ سب لوٹائے جائیں گے ۝۴۰ اور کتاب میں ابراہیم کا بھی ذکر کیجئے، وہ ایک سچے انسان اور نبی تھے ۝۴۱ جب انھوں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! آپ ایسی چیز کی پوجا کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتا ہے؟ ۝۴۲ ابا جان! میرے پاس ایسا علم آیا ہے، جو آپ کے پاس نہیں آیا؛ اس لئے آپ میرے راستے پر چلئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا ۝۴۳ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، یقیناً شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے ۝۴۴ اے ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آپکڑے، پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ ۝۴۵

﴿۱﴾ یوں تو یہ دنیا بھی پوری کی پوری اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے؛ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اسباب کا واسطہ رکھا ہے، انسان جس چیز کو استعمال کرتا ہے، وہ اس کا مالک سمجھا جاتا ہے؛ لیکن جب عالم آخرت کا آغاز ہوگا تو اسباب ختم ہوجائیں گے اور ہر چیز براہ راست اللہ کی ملکیت میں ہوگی؛ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم ہی ان کے مالک ہوجائیں گے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَ اهۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ
سَلٰمٌ عَلَیۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیۡ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعۡتَزِلُكُمۡ وَ مَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ
اللّٰهِ وَ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ
دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا
وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع ۳ ۶

تو ابراہیم کے باپ نے جواب دیا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تم کو پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہوجا! ﴿۱﴾ ﴿۴۶﴾ ابراہیم نے کہا: آپ کو سلام! میں اپنے رب سے درخواست کروں گا کہ آپ کو معاف کردیں، بے شک وہ مجھ پر بڑے مہربان ہیں ﴿۴۷﴾ میں آپ کو بھی چھوڑتا ہوں اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی آپ عبادت کرتے ہیں ان کو بھی، اور میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا رہوں گا، اُمید ہے کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کر کے محروم نہیں ہوں گا ﴿۴۸﴾ پھر جب ابراہیم نے ان لوگوں سے اور وہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کیا کرتے تھے، اُن سے کنارہ کرلیا تو ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب عطا کئے اور (اِن دونوں میں سے) ہر ایک کو نبی بنایا ﴿۴۹﴾ نیز ہم نے ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کے ذکرِ خیر کو بلند کیا۔ ﴿۲﴾ ﴿۵۰﴾

﴿۱﴾ ''ملیا'' کے معنی ''طویل مدت'' کے بھی ہیں، اسی لئے قرآن مجید کے اُردو ترجموں میں زیادہ تر ''مدت دراز'' کا ترجمہ کیا گیا ہے؛ لیکن ''ملیا'' کے معنی ''ہمیشہ'' (اَبداً) کے بھی آتے ہیں، (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۵۲) اور یہ ترجمہ یہاں زیادہ موزوں محسوس ہوتا ہے؛ کیوں کہ ایک تو ڈانٹ ڈپٹ کے موقع پر یہی کہا جاتا ہے کہ تو ہمیشہ کے لئے ہم سے دور ہوجا، دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمل بھی یہی رہا کہ جب انھوں نے عراق سے ہجرت فرمائی تو پھر یہاں ان کی واپسی نہیں ہوئی، گویا انھوں نے ہمیشہ کے لئے اپنے والد سے دوری اختیار کرلی۔

﴿۲﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے جس حصہ کو یہاں نقل کیا گیا ہے، اس میں کئی سبق آموز پہلو ہیں :

اول یہ کہ والدین چاہے کافر ہوں، ان کے ساتھ بہتر سلوک ہونا چاہئے، بہتر سلوک ہی کا ایک حصہ یہ ہے کہ ان کو حکمت کے ساتھ گناہ سے بچنے اور نیک عمل کی طرف آنے کے دعوت دی جائے۔

دوسرے : والدین اور اپنے بڑوں کو اگر کسی برائی پر ٹوکا جائے تو اس میں بھی ان کے احترام اور لب ولہجہ میں نرمی کا پورا خیال رکھنا چاہئے؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو جس نرم لب ولہجہ میں بت پرستی سے روکنے کی کوشش کی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد کی گفتگو سے واضح ہے؛ حالاں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے لب ولہجہ میں ذرا بھی نرمی نہیں؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آخری گفتگو تک اپنے والد کے احترام کو ملحوظ رکھا اور اخیر میں فرمایا کہ میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔

تیسرے : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ میں آپ کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں گا؛ ←

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مُوۡسٰۤی ۫ اِنَّہٗ کَانَ مُخۡلَصًا وَّکَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَیۡنٰہُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ وَوَہَبۡنَا لَہٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾

اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے، وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے ﴿۵۱﴾ ہم نے طور کی داہنی طرف سے آواز دی اور راز کی باتیں کہنے کے لئے نزدیک بلالیا ﴿۵۲﴾ اور ہم نے اپنی رحمت سے موسیٰ کو ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا فرمایا (تاکہ رسالت کے کام میں وہ ان کی مدد کریں)۔﴿۱﴾ ﴿۵۳﴾

← حالاں کہ غیر مسلم کے لئے مغفرت کی دُعا کرنا جائز نہیں؛ لیکن غور کیا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا اس ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی؛ کیوں کہ جب کسی شخص کا انتقال کفر کی حالت میں ہو جائے تو اس کے لئے دُعاءِ مغفرت نہیں کی جاسکتی؛ لیکن اگر وہ زندہ ہو تو اس کے لئے اس معنی میں دُعاءِ مغفرت کی جاسکتی ہے کہ اے اللہ! اسے ہدایت عطا فرما دیجئے؛ تاکہ اس کے گناہ معاف ہوجائیں، گویا یہ صرف مغفرت کی دُعا نہیں ہے؛ بلکہ ہدایت کی دُعا بھی ہے؛ اسی لئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کے والد ہدایت سے محروم ہی رہیں گے تو آپ نے اپنی براءت کا اظہار فرمادیا: ''فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗۤ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنۡہُ''۔ (التوبۃ: ۱۱۴)

چوتھے : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کافر والد کو سلام کیا، اس سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل کی جاسکتی ہے، مشہور فقیہ سفیان ابن عیینہ رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، (التفسیر المنیر: ۱۶/ ۱۱۲) لیکن زیادہ تر اہل علم کے نزدیک غیر مسلموں کو سلام میں پہل کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے: ''لا تبدؤا الیہود والنصاریٰ بالسلام'' (مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن ابتداء، حدیث نمبر: ۲۱۶۷) لہٰذا ممکن ہے کہ پہلی شریعتوں میں سلام کی اجازت رہی ہو، یا سلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد کفر سے سلامتی ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کفر و گمراہی سے سلامتی و نجات عطا فرمائیں اور غیر مسلموں کے لئے اس کی دُعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔

پانچویں : جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ایمان لانے سے انکار کردیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی فرد یا گروہ کو حق کی دعوت دی جائے اور وہ اسے قبول نہیں کرے تو دینی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے کنارہ کشی اختیار کی جاسکتی ہے، اس کی دلیل حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ بھی ہے جن کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بائیکاٹ کا حکم دیا، (بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۱۵۶) لیکن اگر بے تعلقی برتنے کا سبب دنیوی رنجش ہو تو اولاً تو اس سے مطلقاً بچنا چاہئے؛ لیکن اگر ایسا نہ کرسکے تو زیادہ سے زیادہ تین دنوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو نہ کرنے کی اجازت دی ہے، (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الھجر فوق ثلاث، حدیث نمبر: ۲۵۶۱) اس سے زیادہ مدت کے لئے ترک تعلق اور ترک گفتگو جائز نہیں۔

﴿۱﴾ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، گذشتہ سورتوں میں تفصیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، نیز قومِ فرعون اور بنی اسرائیل کو ان کے دعوت دینے کا ذکر آچکا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ
بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ
صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ
ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۬ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۬ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا
وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدۃ

السجدۃ ۵

اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے کہ وہ وعدہ کے بڑے پکے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے۔ ﴿۵۴﴾ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے نزدیک بڑے پسندیدہ شخص تھے ﴿۱﴾ ﴿۵۵﴾ کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجئے، وہ بھی بہت سچے انسان اور پیغمبر تھے ﴿۵۶﴾ ہم نے ان کو بلند رتبہ عطا کیا تھا ﴿۲﴾ ﴿۵۷﴾ یہ وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جو آدم کی نسل سے اور اُن لوگوں کی نسل سے ہیں، جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا، نیز ابراہیم و اسرائیل کی نسل سے ہیں ﴿۳﴾ اور یہ اُن لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت عطا فرمائی اور منتخب کرلیا، جب ان پر خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں، تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے تھے۔ ﴿۴﴾ ﴿۵۸﴾

﴿۱﴾ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند ہیں، ان کو مکہ میں قبیلہ جُرہُم کی طرف نبی بنایا گیا تھا، (قرطبی: ۱۱/۱۱۹) یہاں ان کے بنیادی اوصاف کو بتایا گیا ہے کہ وعدہ کے پکے تھے، اس سے وعدہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو جلیل القدر پیغمبر کے خصوصی وصف کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، دوسرے اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ علماء اور داعیانِ دین کو اپنے بال بچوں کی اصلاح و تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اس بستی کو انسانوں سے بسانے کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی تھے اور پہلے پیغمبر بھی، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کے نبی بنائے جانے کا ذکر ملتا ہے، حضرت شیث علیہ السلام کے بعد جن کو نبوت سے نوازا گیا، وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، سیرت کی کتابوں کی بعض روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام کے پوتے ہیں، یہ انسانیت کا ابتدائی دور تھا اور تمدن بالکل ابتدائی حالت میں تھا، اس لئے انبیاء لوگوں کو صنعت و حرفت بھی سکھاتے تھے؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں، جنھوں نے کپڑے سِلنے شروع کئے، سِلے ہوئے کپڑے پہنے، اس سے پہلے لوگ چمڑے کا لباس پہنتے تھے اور علم نجوم اور علم حساب کو ایجاد فرمایا، (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۱۷، تفسیر رازی: ۱۰/۴۸۰) ’’ورفعناہ مکانا علیا‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ ان کو بلند درجہ عطا فرمایا گیا، (تفسیر رازی، حوالہ سابق) علماء ہند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے، (بیان القرآن: ۲/۴۴۳، ط: مکتبہ تھانوی، دیوبند) بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے جسمانی طور پر آسمان تک اُٹھایا جانا مراد ہے، اس سلسلہ میں بعض روایات بھی نقل کی جاتی ہیں، مگر وہ معتبر نہیں ہیں، قرآن مجید میں یا کسی معتبر حدیث میں اس کی صراحت نہیں آئی ہے۔ واللہ اعلم

←

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ اِلَّا
مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَ لَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ
عَدۡنِ ِۨالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا
اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿٦٢﴾

پھر ان کے بعد ان کی جگہ کچھ ناخلف لوگ آگئے، جنھوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو وہ جلد ہی گمراہی (کی سزا) پائیں گے ﴿٥٩﴾ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کرلی، ایمان لے آئے اور اچھے عمل کئے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی ﴿٦٠﴾ یعنی ایسے باغات میں جو ہمیشہ رہنے والے ہیں، جس کا خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے، یقیناً اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ﴿٦١﴾ وہاں وہ سلام کے سوا کوئی فضول بات نہیں سنیں گے اور وہاں صبح و شام اُن کو اُن کی روزی ملتی رہے گی۔ ﴿١﴾ ﴿٦٢﴾

← ﴿٣﴾ اِن پیغمبروں میں سے حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام بن نوح کی نسل سے تھے، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے اور اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہوئے، اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

﴿٤﴾ غرض کہ یہ انبیاء کرام بھی اپنے بلند و بالا مرتبہ کے باوجود اللہ کے بندے ہی تھے اور ان کے اندر بندگی کی شان پوری طرح رچی بسی تھی؛ اس لئے ان کے بارے میں یہ خیال نہ ہو کہ ان کو خدائی کے کچھ اختیارات حاصل تھے، یا اللہ نے ان کو اپنی خدائی میں شریک کرلیا تھا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن مجید پڑھتے ہوئے ایک مسلمان کو رونا آنا چاہئے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کیفیت تھی، نیز صحابہ اور سلف صالحین کے بارے میں بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور سنتے ہوئے ان پر غیر معمولی رقت طاری ہو جاتی تھی۔

﴿١﴾ انسان کو جن چیزوں سے تکلیف پہنچتی ہے یا پہنچائی جاتی ہے، ان میں سے ایک زبان بھی ہے، تو جنت میں نہ کوئی ایسی بات ہوگی جو بے فائدہ اور بے کار ہو اور نہ کوئی ایسی بات جو تکلیف دہ ہو؛ بلکہ ایسی بات ہوگی، جو انسان کو پسند آئے اور اس کو خوش کردے، ایسی ہی باتوں میں سلام ہے کہ ''سلام'' میں ہر طرح کا خیر اور بھلائی کی دُعا شامل ہے، (تفسیر قرطبی: ١١/١٢٩) —— جنت میں نہ دن ہوگا نہ رات ہوگی، ہر وقت نور چھایا رہے گا؛ اس لئے یہ دنیا میں بولے جانے والے محاورہ کے لحاظ سے ہے کہ ہر وقت ان کو رزق حاصل رہے گی، جیسے کہا جاتا ہے کہ تم کو صبح و شام یاد کرتا ہوں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبح کے بعد پھر شام ہی میں یاد کرتا ہوں؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر وقت یاد کرتا رہتا ہوں: ''ای رزقهم غير منقطع''۔ (تفسیر قرطبی: ١١/١٢٧)

تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا
بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَ مَا خَلۡفَنَا وَ مَا بَيۡنَ ذٰلِكَ ۚ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ
وَمَا بَيۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَ اصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَ يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا ع ١٥
مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَ لَا يَذۡكُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ وَ لَمۡ يَكُ شَيۡـًٔا ﴿٦٧﴾
فَوَرَبِّكَ لَنَحۡشُرَنَّهُمۡ وَ الشَّيٰطِيۡنَ ثُمَّ لَنُحۡضِرَنَّهُمۡ حَوۡلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ
مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو مالک بنائیں گے، جو نافرمانی سے بچنے والے ہوں گے ﴿٦٣﴾
اور (اے رسول!) ہم (فرشتے) آپ کے پروردگار کے حکم ہی سے اُترتے ہیں، جو کچھ ہمارے آگے ہے، جو کچھ
ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور آپ کے پروردگار بھولنے والے نہیں
ہیں ﴿۱﴾ ﴿٦٤﴾ آسمان و زمین میں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، سب کے رب وہی ہیں؛ لہٰذا ان ہی کی عبادت کیا
کرو اور اُن کی عبادت پر ثابت قدم رہو، اُن کے ہم پایہ کیا کوئی اور ذات تمہارے علم میں ہے؟ ﴿۲﴾ ﴿٦٥﴾ انسان کہتا
ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ ﴿٦٦﴾ کیا اسے یاد نہیں ہے کہ پہلے بھی تو ہم نے ہی اسے
پیدا کیا تھا، جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا؟ ﴿٦٧﴾ تو آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ضرور اُن کو بھی جمع کریں گے اور شیطانوں
کو بھی، پھر اُن کو اس طرح دوزخ کے گرد حاضر کریں گے کہ وہ گھٹنے کے بل گرے ہوئے ہوں گے ﴿٦٨﴾ پھر ہم ہر گروہ
میں سے ان لوگوں کو چھانٹ لیں گے، جو خدائے رحمٰن کے مقابلہ زیادہ سرکشی کیا کرتے تھے۔ ﴿٦٩﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے خواہش کی کہ وہ آپ کے پاس اللہ کا کلام لے کر زیادہ آیا کریں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ مریم، حدیث نمبر: ۴۷۳۱، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۰۴۳) —— گویا پیغمبر بنائے جانے کے بعد بھی جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، فرشتہ اس کی خواہش پر اس کے پاس نہیں آ سکتا —— شیعہ حضرات کا ایک عقیدہ وہ ہے، جس کو ''بَدَاء'' کہا جاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے بعض کام بھول پر مبنی ہوتے ہیں، یہ صراحت کہ اللہ بھولنے والے نہیں ہیں، کھلے طور پر اس فاسد عقیدہ کو غلط ٹھہراتی ہے۔

﴿۲﴾ ''سمیا'' کے معنی مثل اور نظیر کے بھی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے جیسا اور ہم پایہ کوئی اور نہیں ہے، دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی اس کا ''ہم نام'' نہیں ہے؛ چنانچہ واقعہ ہے کہ کسی مخلوق کا، یا جن باطل معبودوں کی دوسرے لوگ پوجا کرتے ہیں، ان میں سے کسی کا نام ''اللہ'' نہیں سنا گیا۔

ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِيۡنَ هُمۡ اَوۡلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ
حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ خَيۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ
نَدِيًّا ﴿٧٣﴾

ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں، جو جہنم میں جھونکے جانے کے لائق ہیں ﴿٧٠﴾ اور تم میں سے کوئی نہیں، جس کا
دوزخ پر گذر نہ ہو، یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے ﴿٧١﴾ پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، ہم ان لوگوں کو بچالیں گے
اور ظالموں کو اسی میں اَوندھا گِرا ہوا چھوڑ دیں گے ﴿١﴾ ﴿٧٢﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو
ایمان نہ لانے والے ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام بہتر ہے اور کس کی مجلس
زیادہ شاندار ہے؟ ﴿٧٣﴾

﴿١﴾ ان آیات میں چار اہم باتیں ذکر کی گئی ہیں، اول یہ کہ کسی چیز کو سابق نمونہ کے بغیر پہلی بار وجود میں لانا دشوار ہوتا ہے، اگر پہلے سے ایک نمونہ موجود ہو تو دوبارہ اس کی تیاری دشوار نہیں ہوتی، تو جب اللہ تعالیٰ نے کسی نمونہ کے بغیر پہلی بار انسان کو پیدا فرمادیا، تو اب اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اس لئے قیامت میں انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، دوسرے: اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں تمام انسانوں کو اور شیاطین کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے، سب کے سب دوزخ کے گرد گھٹنے کے بَل جھکے ہوئے ہوں گے اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا، یہ گویا تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال کا اظہار ہوگا؛ البتہ یہ فرق ہوگا کہ ایمان سے محروم لوگ شیطانوں کے ساتھ زنجیر میں باندھے گئے ہوں گے، مسلمان جب ان کی ذلت ورسوائی کا تماشہ دیکھیں گے، تو جنت کی قدر ان کے دل میں اور بڑھ جائے گی، تیسرے: یوں تو تمام ہی ایمان سے محروم لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے؛ لیکن ہر اُمت میں جو سرکش اور سردار قسم کے گمراہ لوگ گذرے ہیں، ان کو پہلے دوزخ میں داخل کیا جائے گا؛ تاکہ ان کی پیروی کرنے والے اپنے دھوکہ باز اور گمراہ سرداروں کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں ''ناس'' (انسان) سے صرف وہ لوگ مراد ہیں، جو مسلمان نہیں ہوئے کہ وہ شیطان کے ساتھ جمع کئے جائیں گے، چوتھے: فرمایا گیا ہے کہ پہلے مرحلہ میں تم میں سے ہر شخص دوزخ میں داخل ہوگا، گویا مسلمان ہو یا کافر، سب کو دوزخ میں داخل ہونا ہے؛ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہر نیک وبد کو پہلے دوزخ میں داخل کیا جائے گا؛ البتہ مسلمانوں پر دوزخ ٹھنڈی اور تکلیف سے محفوظ (بردوسلام) ہو جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی آگ ہوگئی تھی، (الانبیاء:٦٩) اہل جنت جب دوزخ کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر جنت میں داخل ہوں گے تو جنت کی نعمتوں کا لطف دوبالا ہو جائے گا اور ان کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں رہے گا —— دوسری رائے یہ ہے کہ قرآن مجید میں ''ورود'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے اصل معنی گذرنے کے ہیں نہ کہ داخل ہونے کے، اس لئے اس سے مراد ''پُل صراط'' پر سے گذرنا ہے، جو دوزخ کے اوپر ہوگا اور جس پر سے گذر کر لوگ جنت میں داخل ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ (تفسیر قرطبی: ١١/١٣٦)

وَ کَمۡ اَهۡلَکۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءۡیًا ﴿٧٤﴾ قُلۡ مَنۡ کَانَ فِی الضَّلٰلَةِ
فَلۡیَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ط
فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضۡعَفُ جُنۡدًا ﴿٧٥﴾ وَ یَزِیۡدُ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا هُدًی ط
وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیۡرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا
وَقَالَ لَاُوۡتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ﴿٧٨﴾ کَلَّا ط
سَنَکۡتُبُ مَا یَقُوۡلُ وَ نَمُدُّ لَهُ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾

(وہ یادرکھیں کہ) ہم ان سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، جوساز وسامان اورشان وشوکت میں اِن سے بھی بڑھ کر تھے ﴿٧٤﴾ آپ کہہ دیجئے: جولوگ گمراہی میں ہیں، خدائے مہربان اُن کوڈھیل دیئے جارہے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے، جس کا اُن سے وعدہ کیا جارہا ہے، خواہ (دنیا ہی میں) اللہ کے عذاب کو یا قیامت کو، تو اس وقت ان کو معلوم ہوجائے گا کہ کس کا حال برااور کس کالشکر کمزور ہے؟ ﴿١﴾ ﴿٧٥﴾ اور جولوگ سیدھے راستے پر چلتے ہیں، اللہ ان کواور زیادہ سیدھا راستہ دکھاتے جاتے ہیں ﴿٢﴾ اور نیکیاں جو باقی رہ جانے والی ہیں، وہی آپ کے پروردگار کے نزدیک اجروثواب اورانجام کے اعتبار سے بہتر ہیں ﴿٧٦﴾ (اے رسول!) بھلا آپ نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکارکیا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال واولاد سے نوازا جائے گا؟ ﴿٧٧﴾ کیا اسے غیب کی خبر ہے، یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟؟ ﴿٧٨﴾ ہرگز نہیں، وہ جو کچھ بکواس کررہا ہے، ہم اسے لکھ لیں گے اوراس کے عذاب میں اضافہ کرتے جائیں گے۔ ﴿٧٩﴾

﴿١﴾ یعنی آخرت میں جونعمتیں دی جائیں گی، وہ تو یقیناً انعام کے طور پر ہوں گی؛ لیکن دنیا میں انسان کو جواسباب آسائش دیئے گئے ہیں، اُن کا اللہ کی طرف سے انعام ہونا ضروری نہیں، اُن کا بہ طور امتحان وآزمائش کے بھی دیا جانا ممکن ہے: اس لئے اگر کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کے راستہ پر ہو، پھر بھی اس کو عیش وعشرت کے ساز وسامان میسر ہوں، تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کو مہلت اورڈھیل دی جارہی ہے اوراس کے گلے میں پھندا کسا جارہا ہے، اب خواہ دنیا میں اللہ کا عذاب آجائے یا آخرت میں۔

﴿٢﴾ غرض کہ ایک گناہ کے بعد انسان کو دوسرے گناہ کی رغبت ہوتی ہے اور انسان گناہوں میں پھنستا چلا جاتا ہے، یہی حال نیکیوں کا ہے، جب انسان ایک نیک عمل کا پابند ہوتا ہے، تو پھر دوسرے نیک عمل کی بھی توفیق میسر ہوجاتی ہے؛ چنانچہ یہ بات دن ورات دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک شخص بے نمازی تھا، اللہ نے اس کو نمازی بنادیا، اب وہ آہستہ آہستہ روزے بھی رکھنے لگتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے، حج کی بھی فکر کرتا ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں احکام شریعت کی پابندی کرنے لگتا ہے، یہی ہے ہدایت میں ترقی اوراضافہ۔

وَّ نَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ۝۸۰ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۝۸۱ كَلَّا ؕ
سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ۝۸۲ اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ عَلَى ع۵/۱۷/۸
الۡكٰفِرِيۡنَ تَؤُزُّهُمۡ اَزًّا ۝۸۳ فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمۡ عَدًّا ۝۸۴ يَوۡمَ نَحۡشُرُ
الۡمُتَّقِيۡنَ اِلَى الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ۝۸۵ وَّنَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرۡدًا ۝۸۶ وقف لازم

اور وہ جس چیز کا ذکر کررہا ہے (یعنی مال واولاد، تو مرنے کے بعد) ہم ہی اس کے مالک ہوجائیں گے اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا ﴿۱﴾ ۝۸۰ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لئے ہیں؛ تاکہ وہ اُن کے مددگار ہوں ۝۸۱ ہرگز نہیں، وہ تو ان کی عبادت کا انکار کردیں گے اور ان کے مخالف بن جائیں گے ﴿۲﴾ ۝۸۲ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اُن کو (حق کے خلاف) اُکساتے رہتے ہیں؟ ۝۸۳ لہٰذا آپ اُن کے بارے میں جلدی نہ کریں، ہم تو اُن کی گنتی پوری کررہے ہیں ﴿۳﴾ ۝۸۴ جس دن ہم خدائے رحمٰن کے سامنے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو مہمانوں کی طرح پیش کریں گے ۝۸۵ اور گنہگاروں کو پیاسے جانوروں کی طرح دوزخ کی طرف ہانک کرلے جائیں گے۔ ﴿۴﴾ ۝۸۶

﴿۱﴾ حضرت خباب رضی اللہ عنہ زیورات کے کاریگر تھے، انھوں نے عاص بن وائل کے لئے زمانۂ جاہلیت میں سونے کا زیور بنایا تھا، جس کی مزدوری باقی تھی، اور وہ ادا کرنے میں ٹال مٹول کررہا تھا، ایک بار انھوں نے سختی کی تو کہنے لگا: تم محمد (ﷺ) کے دین سے واپس ہوجاؤ، تب ہم تمہارا دَین ادا کریں گے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو ہو نہیں سکتا، اگر تم مرجاؤ، پھر زندہ کئے جاؤ، تب بھی دینِ حق کو نہیں چھوڑ سکتا، عاص مذاق اُڑاتے ہوئے کہنے لگا: اچھا، تو میں دوبارہ زندہ بھی کیا جاؤں گا؟ تو اس وقت بھی مجھے مال واولاد حاصل رہیں گے، جبھی اپنا قرض وصول کرلینا، اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں کہ اس طرح کا دعویٰ کرنے کا حق اسی کو ہے جو یا تو غیب کی باتوں کو جانتا ہو، یا اس نے اللہ سے اس کا وعدہ لے رکھا ہو۔ (بخاری، کتاب الخصومات، حدیث نمبر: ۲۲۹۳)

﴿۲﴾ یعنی مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جن بتوں کی پوجا کررہے ہیں، وہ ان کے معاون ومددگار اور اللہ کے یہاں ان کے سفارشی بن جائیں گے، مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں وہ جن کی عبادت کیا کرتے تھے، آخرت میں وہی ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کا یہ فعل ان کی اپنی خواہش سے تھا؛ اس لئے ان کو اور عذاب دیا جائے، یہ بعض انبیاء اور فرشتے تو کہیں گے ہی، جن کو لوگوں نے خدا یا خدا کی اولاد بنالیا تھا، وہ بھی کہیں گے، اور ساتھ ساتھ بتوں کو بھی زبان دے دی جائے گی اور وہ بھی اللہ سے یہی درخواست کریں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۴۸)

﴿۳﴾ یعنی ان کے بارے میں عذاب کی دُعا نہ فرمائے، وہ تو خود ہی اپنے آپ کو آخرت کے عذاب کا مستحق بنارہے ہیں اور گویا ان کی اُلٹی گنتی شروع ہوچکی ہے۔

←

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ
وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ
الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾
وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ
الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

وقف لازم

(اس دن) ان لوگوں کو سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں ہوگا، سوائے ان کے جنھوں نے خدائے رحمٰن سے اجازت
حاصل کر لی ہو ﴿١﴾ ﴿٨٧﴾ اور وہ (کفر کرنے والے) کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے بیٹا بنا لیا ہے ﴿٨٨﴾ (اے کفر کرنے والو!)
تم نے یہ ایسی بے ہودہ بات کہی ہے ﴿٨٩﴾ کہ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہوجائے اور پہاڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑیں ﴿٩٠﴾ کہ ان لوگوں نے خدا کی طرف بیٹے کی نسبت کی ﴿٩١﴾ یہ بات خدا کے شایانِ شان
نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے ﴿٩٢﴾ آسمان اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، سبھی خدا کے سامنے غلام بن کر حاضر ہوں گی ﴿٢﴾ ﴿٩٣﴾
اللہ نے اُن کو گھیر رکھا اور شمار کر رکھا ہے ﴿٣﴾ ﴿٩٤﴾ اور یہ سب قیامت کے دن تنہا تنہا خدا کے سامنے حاضر ہوں گے ﴿٤﴾ ﴿٩٥﴾
جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے، خدائے رحمٰن ان کے لئے (دلوں میں) محبت پیدا کر دیں گے۔ ﴿٥﴾ ﴿٩٦﴾

← ﴿٤﴾ ''وِرْدٌ'' پیاسے جانوروں اور پرندوں کے اس غول کو کہتے ہیں، جو اپنی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی جگہ پر جمع ہوجاتے ہیں
''الجماعة التى ترد الماء من طير وإبل'' (قرطبی: ١١/١٥٣) اسی لئے ترجمہ کیا گیا ہے: ''پیاسے جانوروں کی طرح''۔

﴿١﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''عہد'' سے مراد ہے کلمہ ''لا إلٰہ الا اللہ'' (قرطبی: ١١/١٥٤) یعنی مسلمانوں ہی میں
سے صالح اور نیک لوگوں کو سفارش کی اجازت ہوگی، ان باطل معبودوں کو نہیں، جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے ہیں۔

﴿٢﴾ یعنی خدا اور انسان کے درمیان والد اور اولاد کا رشتہ نہیں ہے؛ بلکہ مالک اور مملوک کا رشتہ ہے، اللہ مالک ہیں اور انسان
اور دنیا کی تمام چیزیں اس کی ملکیت۔

﴿٣﴾ یعنی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے، اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''مُحْصی'' ہے، یعنی: وہ ہستی جس کے پاس
تمام چیزوں کی گنتی ہے۔

﴿٤﴾ یعنی ان کے ساتھ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

﴿٥﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں،
تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آواز دیتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ان سے محبت کرو، پھر آسمان میں اس کی منادی ←

فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا
قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿٩٨﴾ ع ٦ ١٦ ٩

النصف

(اے رسول!) اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان میں (اُتار کر) آسان کر دیا ہے؛ تاکہ آپ اِس کے ذریعہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں اور اس قوم کو (خدا کے عذاب سے) ڈرائیں، جو بڑی جھگڑالو ہے ﴿٩٧﴾ ان سے پہلے بھی ہم بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا تم ان میں سے کسی کی آہٹ بھی پاتے ہو یا ان میں سے کسی کی بھنک بھی سنتے ہو؟؟ ﴿٩٨﴾

← کرادی جاتی ہے، پھر یہ محبت اہل زمین کے دلوں میں اُتاری جاتی ہے، اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے، (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب اذا أحب اللہ عبدا أحبہ الی عبادہ، حدیث نمبر: ٦٨٧٩) —— اس مضمون کی روایت متعدد صحابہ سے منقول ہے؛ چنانچہ یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جو لوگ شریعت پر عمل کرتے اور سنتوں کی پیروی کرتے ہیں، اچھے لوگوں میں ان کی محبت وعقیدت رَچ بَس جاتی ہے۔

سُورَةُ طٰهٰ

- سورہ نمبر : (۲۰)
- رکوع : (۸)
- آیتیں : (۱۳۵)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

رسول اللہ ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام طٰہٰ بھی تھا؛ چنانچہ اس سورہ میں آپ ﷺ کو اسی نام سے مخاطب کیا گیا ہے اور اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ طٰہٰ ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین کو بہت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، فرعون سے ان کا مباحثہ، قومِ فرعون کی ہلاکت، سامری کی گوسالہ پرستی کے تفصیلی تذکرہ کے علاوہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ بھی آیا ہے، مشرکین مکہ کے اس نامعقول مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے اس پر رد فرمایا گیا ہے کہ آسمان سے کوئی دسترخوان اُتار دیجئے، تب ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کریں گے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

طٰهٰ ۝۱ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝۲ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۝۳ تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ
الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ۝۴ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ۝۵ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی
الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا وَ مَا تَحۡتَ الثَّرٰی ۝۶ وَ اِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ
وَاَخۡفٰی ۝۷ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۝۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ طا، ہا، ۝۱ ہم نے آپ پر یہ قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں اُتارا ہے ﴿۱﴾ ۝۲ بلکہ (یہ) صرف ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے، جو اللہ سے ڈرتے ہیں ۝۳ اس کو اسی ذات کی طرف سے اُتارا گیا ہے، جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے، ۝۴ جو بے حد مہربان ہے اور عرش پر قائم ہے ﴿۲﴾ ۝۵ آسمانوں میں، زمین میں، آسمان اور زمین کے درمیان، نیز کرۂ زمین کے نیچے جو کچھ ہے، سب اسی کا ہے ۝۶ اور اگر آپ بلند آواز میں بات کہیں (تو یہ ضروری نہیں)؛ کیوں کہ اللہ تو آہستہ کہی جانے والی بات اور پوشیدہ سے پوشیدہ بات سے بھی واقف ہیں، ﴿۳﴾ ۝۷ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے بہترین نام ہیں۔ ﴿۴﴾ ۝۸

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ دو پہلوؤں سے قرآن مجید کی خاطر مشقت اُٹھاتے تھے، ایک تو آپ ﷺ کے دل میں ہر وقت یہ کڑھن ہوتی تھی کہ اہل مکہ اس کتاب الٰہی پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ جس کی صراحت ایک اور موقع پر آئی ہے: ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا'' (الکہف:۶) تو آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ کا کام اللہ کے بندوں تک اللہ کی کتاب کو پہنچا دینا ہے اور بس، آپ ﷺ ان کے کفر اور انکار کرنے کی وجہ سے بے چین و بے قرار نہ ہوں، جو ذہنی و قلبی مشقت کا باعث ہے، دوسرے: آپ ﷺ رات کے وقت نماز میں اتنی طویل قراءت فرماتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، یہ بھی ایک جسمانی مشقت ہے، تو اشارہ فرمایا گیا کہ اس میں اعتدال سے کام لیں اور اپنے آپ ﷺ کو اتنی مشقت میں نہ ڈالیں۔ (قرطبی: ۱۱/۱۶۸)

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کے عرش پر قائم ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کا ذکر سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۵۴ کے تحت آچکا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی ذکر اور دُعا کا زور سے کرنا ضروری نہیں؛ کیوں کہ جس ذات کو سنانا مقصود ہے، وہ نہ صرف آہستہ کہی ہوئی بات کو سنتا ہے؛ بلکہ جو بات دل میں چھپی ہوتی ہے، اس کو بھی سنتا ہے، قرآن مجید میں یہاں دو الفاظ آئے ہیں، ایک: سر، دوسرے: اخفی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''سِر'' سے مراد وہ بات ہے، جو دوسرے سے کہی جائے مگر آہستہ، اور ''اخفی'' سے مراد وہ باتیں ہیں، جو دل میں ہوں، ان کو کسی سے نقل نہ کیا گیا ہو، نہ زور سے، نہ آہستہ، (قرطبی: ۱۱/۱۷۰) —— آیت میں اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ عام حالات میں آہستہ دُعاء اور ذکر و تسبیح کرنا افضل ہے۔

﴿۴﴾ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۸۰ میں اللہ تعالیٰ کے بہترین ناموں (اسماء حسنیٰ) کا ذکر آچکا ہے۔

وقف لازم وَ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۟﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ
اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ
فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ
اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا
لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ معلوم ہوا ﴿۹﴾ کہ جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: ٹھہر جاؤ، مجھے آگ نظر آتی ہے، ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے پاس اس کا کوئی شعلہ لے آؤں، یا آگ کے پاس سے مجھے صحیح راستہ معلوم ہو جائے ﴿۱﴾ ﴿۱۰﴾ جب موسیٰ وہاں پہنچے تو انھیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! ﴿۱۱﴾ یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں، تم اپنے جوتے اُتارلو؛ اس لئے کہ تم ''طُوَیٰ'' (نام کی) ایک مقدس وادی میں ہو، ﴿۲﴾ ﴿۱۲﴾ اور میں نے تم کو (اپنی پیغمبری کے لئے) چن لیا ہے؛ لہٰذا جو وحی کی جارہی ہے، اس کو غور سے سنو: ﴿۱۳﴾ ''بے شک میں ہی تمہارا خدا ہوں، میرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں؛ لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز ادا کیا کرو ﴿۱۴﴾ یقیناً قیامت آنے والی ہے؛ تاکہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے دیا جائے، (البتہ) میں چاہتا ہوں کہ اسے چھپائے رکھوں۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ یہ مدین سے مصر کی طرف کا سفر تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ بھٹک گئے تھے، اور یہ سردی کا زمانہ تھا؛ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کا کوئی شعلہ لانا چاہا؛ تاکہ ان کے متعلقین آگ تاپ سکیں، قرآن مجید میں دوسرے موقع پر اس کی صراحت موجود ہے: چوں کہ اندھیری رات تھی اور راستہ کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا؛ اس لئے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی، جو راستہ بتاسکے؛ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ کیا، کہ جب آگ سلگی ہوئی ہے تو ضرور وہاں کوئی شخص موجود ہوگا اور اس سے راستہ معلوم کرلیا جائے گا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقدر تھی کہ یہی آگ ان کے لئے دنیا کے راستہ کے بجائے دین حق کے راستہ کی نشاندھی کا ذریعہ بن جائے اور آپ علیہ السلام نبوت سے نوازے جائیں۔

﴿۲﴾ یہ جوتا اُتارنے کا حکم اس مبارک مقام کے احترام کے طور پر تھا، تورات میں اس کی صراحت ہے، (دیکھئے: خروج: ۳:۵) یہی بات علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور زیادہ تر مفسرین نے لکھی ہے، (ابن کثیر: ۵/۲۷۶) اس سے معلوم ہوا کہ مسجد یا قابل احترام مقامات پر جوتے پہن کر نہیں جانا چاہئے، اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ جوتے پہن کر مسجد میں جانا یا نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے اور ادب کے خلاف ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نعلین میں بھی نماز پڑھی ہے؛ لیکن یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلافِ مستحب اُمور کو بھی جواز اور گنجائش بتانے کے لئے کیا کرتے تھے۔

﴿۳﴾ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ فرمایا ہے: ''می خواہم کہ پنہاں دارم وقت آنہا'' اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرۡدٰى ﴿١٦﴾ وَ مَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ
يٰمُوۡسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيۡ وَ لِيَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ
اُخۡرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلۡقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ ۥ وقفه
سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ﴿٢١﴾ وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً
اُخۡرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰى ﴿٢٣﴾

جولوگ اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، کہیں تم کو اس (کے یقین) سے ہٹا نہ دیں، ورنہ تم ہلاک ہوجاؤ گے''﴿۱﴾ ﴿١٦﴾ اور اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ﴿١٧﴾ موسیٰ نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اس کے ذریعہ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے دوسرے فائدے بھی ہیں﴿۲﴾ ﴿١٨﴾ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! لاٹھی ڈال دو، ﴿١٩﴾ موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی تو اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی، ﴿٢٠﴾ اللہ نے فرمایا: ''اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم پھر اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے، ﴿٢١﴾ اور اپنے ہاتھ کو اپنے بغل سے لگاؤ تو تمہارا ہاتھ کسی عیب کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا، (یہ) دوسری نشانی ہے ﴿٢٢﴾ تاکہ ہم تم کو اپنی کچھ بڑی بڑی نشانیاں دِکھا دیں۔ ﴿٢٣﴾

﴿۱﴾ بظاہر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہے؛ لیکن اصل مخاطب آپ کی قوم ہے، اس میں عام اہل ایمان کے لئے زبردست تنبیہ ہے کہ جب اللہ کے پیغمبر کو کہا جارہا ہے کہ ایمان سے محروم لوگوں کی صحبت اور ان کی پیروی تم کو ہلاکت میں ڈال دے گی تو عام لوگوں کا کیا شمار ہے؟

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ عصا (لاٹھی) کے یوں تو بہت سے فائدے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عصا کا استعمال پیغمبروں کی سنت بھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا استعمال کرنا تو خود قرآن مجید میں آ گیا اور رسول اللہ ﷺ کے عصا استعمال کرنے کا ذکر بہت سی احادیث میں ہے، (ابوداود، کتاب الادب، باب فی قیام الرجل للرجل، حدیث نمبر: ۵۲۳۲) یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ سوال کیا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ یہ لاٹھی ہے؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کے فوائد پر بھی روشنی ڈالی، شاید اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ دیر تک ہم کلامی کا شرف حاصل رہے، نماز بھی اللہ تعالیٰ سے مناجات اور ہم کلامی کا ایک عمل ہے؛ اس لئے اگر آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو طویل کرنا مستحب ہے، نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص سے کوئی دینی یا دنیوی بات دریافت کی جائے اور وہ اصل سوال کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ کچھ مفید باتوں کا اضافہ کردے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

ع ۱۴ ۱۰
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ﴿۲۵﴾ وَ يَسِّرْ لِىْٓ اَمْرِىْ ﴿۲۶﴾ وَ احْلُلْ
عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ﴿۲۸﴾ وَ اجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِىْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِى ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ
بِهٖٓ اَزْرِىْ ﴿۳۱﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِىْٓ اَمْرِىْ ﴿۳۲﴾ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾

(اے موسیٰ!) فرعون کے پاس جاؤ؛ کیوں کہ وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے'' ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے درخواست کی: میرے پروردگار!
میرے (اِس کام کے) لئے میرا سینہ کھول دیجئے، ﴿۲۵﴾ میرے لئے میرے اس کام کو آسان فرما دیجئے، ﴿۲۶﴾ اور میری
زبان سے گرہ بھی کھول دیجئے، ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ میری بات کو سمجھ سکیں ﴿۲۸﴾ اور میرے لئے میرے ہی خاندان میں سے ایک
مددگار مقرر کردیجئے، ﴿۲۹﴾ یعنی میرے بھائی ہارون کو ﴿۳۰﴾ اس کے ذریعہ میری طاقت بڑھا دیجئے، ﴿۳۱﴾ اور اس کو بھی میرا
شریک کار بنا دیجئے ﴿۱﴾ ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم دونوں آپ کی خوب پاکی بیان کریں ﴿۳۳﴾ اور کثرت سے آپ کا ذکر کیا کریں۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۴﴾

﴿۱﴾ غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، یا تو یہ بیماری انھیں طبعی طور پر تھی یا بعد میں پیدا ہوگئی تھی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بچپن میں فرعون کی گود میں تھے، انھوں نے فرعون کو تھپڑ مارا اور داڑھی کے بال نوچ لئے، جیسا کہ عام طور پر بچے کیا کرتے ہیں، بس فرعون کا غصہ بھڑک اُٹھا، اس نے اپنی بیوی آسیہ سے کہا کہ اس کو ذبح کردیا جائے؛ لیکن آسیہ نے التجا کی کہ وہ اِس ارادہ سے باز آجائے؛ کیوں کہ بچوں میں اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ چیزوں کے درمیان فرق کرسکیں، پھر اس کے ثبوت کے طور پر آسیہ نے دو طشت رکھے، ایک میں آگ کے شعلے اور دوسرے میں جواہرات، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ تھاما اور آگ پر رکھ دیا، آپ نے ایک انگارہ اُٹھایا اور منھ میں رکھ لیا؛ تاکہ یہ بات ثابت ہوجائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے منھ پر تھپیر مارنا بے شعوری کی وجہ سے تھا؛ چنانچہ فرعون اپنے ارادے سے باز آگیا اور اسی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکنت ہوگئی، (قرطبی:۱۱/۱۹۲) بہر حال اس ارشاد میں کئی باتیں قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ اللہ اپنے دین کے کام کے لئے جیسے کسی بادشاہ اور سلطان کے محتاج نہیں، اسی طرح بلند پایہ مقرر اور خطیب کے بھی محتاج نہیں، اور جب چاہتے ہیں تو ایک ایسے شخص سے اسلام کی سربلندی کا کام لے لیتے ہیں، جس کو لکنت ہو، دوسرے: جب کوئی شخص اسلام کی دعوت پیش کرے تو ضروری ہے کہ پہلے خود اس کو اس کا پورا یقین اور شرح صدر ہو، تیسرے: داعی دعوت دیتے ہوئے اپنے علم پر اور اپنی زبان و بیان کی صلاحیت پر بھروسہ نہ کرے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرے کہ وہ اس کے کام کو آسان فرما دے، چوتھے: کسی قوم کو اس زبان میں دعوت دینی چاہیے اور زبان و بیان میں وہ تعبیر اختیار کرنی چاہیے جس کو مخاطب سمجھ سکے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا ایک شخص کے دینی کام کرنے کے مقابلہ اگر اس میں کچھ ہم مزاج لوگوں کی شرکت ہوجائے تو کام آسان ہوجاتا ہے اور اس کے بہتر نتائج سامنے آتے ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کام میں حضرت ہارون علیہ السلام کی رفاقت کی درخواست کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ اگر دین یا دنیا کے کسی اہم کام میں کوئی مناسب ساتھی اور شریک کار مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور حمد و تسبیح کرنی چاہیے۔

اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا۝۳۵ قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى۝۳۶ وَ لَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً
اُخۡرٰٓى۝۳۷ اِذۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰٓى۝۳۸ اَنِ اقۡذِفِيۡهِ فِى التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ
فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّىۡ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ
عَلٰى عَيۡنِىۡ۝۳۹ اِذۡ تَمۡشِىۡۤ اُخۡتُكَ فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى مَنۡ يَّكۡفُلُهٗ ؕ فَرَجَعۡنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىۡ
تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَ لَا تَحۡزَنَ ؕ وَ قَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّيۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا ۚ فَلَبِثۡتَ
سِنِيۡنَ فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ ۙ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوۡسٰى۝۴۰

وقف لازم

یقیناً آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں، ۝۳۵ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! تیری درخواست قبول کرلی گئی ۝۳۶ اور ہم تم پر ایک دفعہ اور بھی احسان کرچکے ہیں ۝۳۷ جب ہم نے تمہاری ماں کے دل میں وہ بات ڈال دی تھی، جس کا ذکر کیا جارہا ہے ۝۳۸ کہ تم اس بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو؛ تاکہ دریا اس کو ساحل پر پھینک دے، اور اس کو ایک ایسا شخص لے لے جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی، اور میں نے اپنی طرف سے تم کو محبوبیت عطا کردی تھی؛ «۱» تاکہ میرے سامنے تیری پرورش ہو ۝۳۹ (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب تیری بہن جارہی تھی، وہ کہہ رہی تھی: کیا میں تم کو ایک ایسے شخص کا پتہ بتادوں، جو اس کی (اچھی طرح) پرورش کردے، اس طرح ہم نے تم کو تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا؛ تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو «۲» اور (ہاں) تم نے ایک شخص کو قتل بھی تو کردیا تھا، پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی «۳» اور تم کو خوب آزمالیا؛ چنانچہ تم کئی سال مدیَن والوں کے ساتھ رہے، پھر اے موسیٰ! تم اللہ کے فیصلہ کے مطابق واپس آگئے۔ «۴» ۝۴۰

«۱» حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن وجمال عطا فرمایا تھا کہ جو آپ علیہ السلام کو دیکھتا، گرویدہ ہوجاتا، پھر بچپن کی معصومیت اس کے علاوہ تھی، اس کا ذکر بائبل میں بھی متعدد مواقع پر آیا ہے، (دیکھئے: خروج: ۲:۲، عبرانیون: ۱۱: ۲۳، اعمال: ۷: ۲۱) لیکن یہ محبوبیت صرف ظاہری خوبصورتی سے پیدا نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ اس وقت ہوتی ہے، جب اللہ اپنے کسی بندے کی محبت دوسرے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندوں کے قلوب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، (مسلم، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۶۹۲۱) اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو لوگوں کے بیچ خاص کر صالحین کے درمیان محبوبیت عطا فرما دے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے۔

«۲» واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں علم نجوم اپنے عروج پر تھا اور بڑے بڑے لوگ یہاں تک کہ حکومتیں بھی ان سے مشورے لیا کرتی تھیں؛ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو فرعون تھا، اس کو کاہنوں نے بتایا کہ عنقریب اسرائیلیوں میں ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون اور اس کی حکومت کا خاتمہ کردے گا، پھر کیا تھا، فرعون نے فرمان جاری کردیا کہ اسرائیلیوں کے یہاں ←

وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِیۡ ﴿۴۱﴾ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰیٰتِیۡ وَلَا تَنِیَا فِیۡ ذِكۡرِیۡ ﴿۴۲﴾ اِذۡهَبَاۤ اِلٰی
فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی ﴿۴۴﴾

اور میں نے تم کو اپنی (نبوت) کے لئے منتخب کرلیا ہے، ﴿۴۱﴾ تم اور تمہارے بھائی (دونوں) میری ان نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور مجھے یاد کرنے میں سستی نہ کرنا ﴿۴۲﴾ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ؛ کیوں کہ وہ سرکش ہوگیا ہے، ﴿۴۳﴾ تم اس سے نرم لب ولہجہ میں بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرلے، یا اس میں (اللہ کا) خوف پیدا ہوجائے۔ ﴿۱﴾ ﴿۴۴﴾

← جو بھی بیٹا پیدا ہو، اس کو قتل کردیا جائے، نہ جانے کتنے بچے تہہ تیغ کردیئے گئے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر دامن گیر ہوئی اور اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ لکڑی کے ایک صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیں، جو فرعون کے محل کے نیچے سے گزرتا تھا اور جس کا بہاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھر سے اُس کے محل کی طرف تھا؛ چنانچہ توقع کے مطابق صندوق محل میں پہنچا اور کھولا گیا، ایک تو فرعون کو کوئی بیٹا نہیں تھا، دوسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت خود بہت پرکشش اور ایک نومولود بچہ کی معصومیت اس کے علاوہ؛ چنانچہ فرعون کی بیوی نے طے کرلیا کہ وہ اس کی پرورش کرے گی اور کسی طرح فرعون کو بھی راضی کرلیا، ادھر اللہ کی طرف سے ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ پکڑتے ہی نہیں تھے، پیچھے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور ہی دور سے چلتے ہوئے فرعون کے دربار میں پہنچ گئیں اور اندازہ نہیں ہونے دیا کہ وہ اس بچے کی بہن ہیں، انھوں نے دربار میں پہنچ کر مشورہ دیا کہ اگر آپ کہیں تو میں اس بچے کے لئے ایک دائی لے کر آتی ہوں، فرعون کے لوگوں نے ان کی پیشکش قبول کرلی؛ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو لے کر گئیں، فرعون نے بچہ کو ان کے حوالہ کردیا اور بائبل کے بیان کے مطابق یہ بھی کہا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ میں تم کو تنخواہ دوں گا، (خروج: ۲:۷-۹) اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف قتل سے بچایا؛ بلکہ اپنی ہی ماں کی آغوش میں پہنچا دیا اور پرورش و پرداخت کا بھی شاہی انتظام ہوگیا، جب اللہ کسی کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو دشمن کی گود میں بھی وہ محفوظ رہتا ہے اور جب اللہ کی حفاظت اُٹھ جاتی ہے تو آدمی اپنے گھر کے محفوظ کمرے میں ہوتب بھی بچ نہیں پاتا۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ایک قبطی کا قتل ہوگیا تھا، اسی کے نتیجہ میں آپ کو چھپ کر مدین ہجرت کرنی پڑی، سورۂ قصص، آیت نمبر: ۱۵ میں تفصیل سے اس کا ذکر آیا ہے۔

﴿۴﴾ ''علی قدر'' کے معنی ''وقت مقررہ پر'' بھی ہوسکتا ہے، اکثر اُردو مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ''تقدیر الٰہی'' سے ترجمہ کیا ہے — مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین تشریف لے گئے، وہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا اور دس سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ وہاں گذارنے کے بعد واپسی کا جو وقت اللہ کی طرف سے مقدر تھا، اس وقت آپ مصر کی طرف واپس ہوگئے۔

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ دعوتِ دین کے کام میں ہمیشہ مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنا چاہئے اور دعوت دینے والے کے لب ولہجہ کو نرم ہونا چاہئے؛ تاکہ مخاطب میں سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کا جذبہ پیدا ہو، ضد پیدا نہ ہوجائے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ
وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ
جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ
عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ
خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا
يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع ۲ ۱۱

موسیٰ اور ہارون نے کہا: ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے، یا سرکشی کرنے لگے، ﴿۴۵﴾ اللہ نے فرمایا: تم دونوں ڈرو نہیں، یقین جانو کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں (سب کچھ) سن بھی رہا ہوں، دیکھ بھی رہا ہوں ﴿۴۶﴾ لہٰذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو: ”ہم لوگ تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں؛ لہٰذا بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور ان کو مت ستاؤ، ہم تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر آئے ہیں اور جو شخص راہِ ہدایت کی پیروی کرے، اس پر سلامتی ہو ﴿۴۷﴾ یقیناً ہم پر وحی کی گئی ہے کہ جو (اس کو) جھٹلائے گا اور منھ پھیر لے گا، اسی پر عذاب ہوگا“ ﴿۴۸﴾ فرعون نے کہا: موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ ﴿۴۹﴾ موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب صورت عطا کی، پھر (اس کی بناوٹ کے مناسب) رہنمائی فرمائی ﴿۵۰﴾ فرعون نے کہا: پھر گذرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ ﴿۵۱﴾ موسیٰ نے کہا: ”اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، میرا پروردگار نہ غلطی کرسکتا ہے اور نہ بھول سکتا ہے ﴿۱﴾ ﴿۵۲﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش (یعنی قابل رہائش) بنادیا، تمہارے لئے اس میں راستے بنادیئے، نیز آسمان سے پانی اُتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ طرح طرح کے مختلف پودے نکالے ﴿۵۳﴾ (اور تمہیں آسانی دی ہے کہ) خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ، یقیناً اس میں عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۵۴﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست جواب دینے اور گذرے ہوئے لوگوں کو دوزخی قرار دینے سے اجتناب کیا؛ کیوں کہ انسان کو اپنے آباء واجداد سے جذباتی تعلق ہوتا ہے، صاف اور صریح جواب دینے کی صورت میں ان کے اندر مخالفانہ سوچ پیدا ہوسکتی تھی اور فرعون یہی چاہتا تھا، اس میں یہ سبق ہے کہ اگر داعی کو کسی سوال کا سیدھا جواب دینے میں نقصان کا اندیشہ ہو اور اس کا جواب ضروری نہ ہو تو جواب کو ٹال جانا چاہئے۔

←

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴿۵۵﴾ وَ لَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا
كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاۡتِيَنَّكَ
بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَ لَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾
قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَ اَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ
اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدۡ خَابَ
مَنِ افۡتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ
يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَ يَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجۡمِعُوۡا
كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿۶۴﴾

زمین ہی سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی میں تم کو واپس لے جائیں گے اور اسی سے پھر دوسری بار تم کو نکال لیں گے'' ﴿۵۵﴾
اور ہم نے فرعون کو وہ تمام نشانیاں دیکھا دیں، پھر بھی وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا رہا ﴿۵۶﴾ فرعون نے کہا: ''اے موسیٰ!
کیا تم ہم کو اپنے جادو کے ذریعہ ہماری سرزمین سے نکال باہر کرنے کے لئے آئے ہو؟ ﴿۵۷﴾ تو ہم بھی تمہارے
مقابلہ میں ضرور ایسا ہی جادو لا کر رہیں گے؛ لہٰذا ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ہموار میدان (میں جمع ہونے) کا
ایک وقت طے کرلو، جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں اور نہ تم'' ﴿۵۸﴾ موسیٰ نے کہا: (ہماری طرف سے) وہ دن طے
ہے، جس میں میلہ لگتا ہے اور یہ بھی کہ لوگ دن چڑھتے جمع ہوجائیں، ﴿۵۹﴾ چنانچہ فرعون راضی ہوگیا، اس نے اپنی
ساری تدبیریں اکٹھی کرلیں، پھر (مقابلہ کے دن میدان میں) آپہنچا ﴿۶۰﴾ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا: ''افسوس ہے
تم پر، تم اللہ پر جھوٹ نہ گھڑو کہ کہیں اللہ تم کو عذاب میں تباہ و برباد کردیں، جو جھوٹ گھڑے گا، وہ نامراد ہو کر رہے
گا'' ﴿۶۱﴾ پھر یہ جادوگر اپنے کام میں آپس میں ہی اختلاف کرنے لگے اور انھوں نے چھپ کر (کچھ) باتیں کیں ﴿۶۲﴾
ان لوگوں نے (آپس میں) کہا: ''یہ دونوں جادوگر ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری
سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے مثالی مذہب کو مٹا کر رکھ دیں ﴿۶۳﴾ لہٰذا تم لوگ اپنی تدبیریں پکی کرلو، پھر
(مقابلہ کے لئے) صف باندھ کر آؤ، جو غالب رہا، آج اسی کی جیت ہوگی''۔ ﴿۶۴﴾

← ﴿۲﴾ زمین کو اللہ نے نرم بنایا ہے، اس لئے اس میں مکان کی تعمیر بھی آسان ہے، آسانی سے سڑکیں بھی بنائی جاسکتی ہیں، ٹرین کی پٹریاں بچھائی جاسکتی ہے، ہوائی جہاز کے لئے رَن وے بنائے جاسکتے ہیں، نرم ہونے کی وجہ سے پانی کو جذب کرسکتی ہے، اس سے کاشتکاری ہوتی ہے اور انسان کو اور جانوروں کو اپنی اپنی ضرورت کے مطابق غذا حاصل ہوتی ہے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ
وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ﴿٦٧﴾
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿٦٨﴾ وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا
كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ
هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ
السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫
وَ لَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰی ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ
فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿٧٢﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ
لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿٧٣﴾

الثلثة

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو آپ (اپنی لاٹھی) ڈالیں، یا پہلے ہم (اپنی رسیاں) ڈالتے ہیں؟ ﴿٦٥﴾ موسیٰ نے کہا: بلکہ (پہلے) تم ہی ڈالو؛ چنانچہ اچانک یوں ہوا کہ ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ کو محسوس ہونے لگا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں، ﴿٦٦﴾ پس، موسیٰ دل ہی دل میں ڈرنے لگے، ﴿٦٧﴾ ہم نے کہا: ”(اے موسیٰ!) ڈرومت، یقیناً تم ہی غالب رہو گے ﴿٦٨﴾ اور تمہارے دائیں ہاتھ میں جو (لاٹھی) ہے، اسے ڈال دو تو وہ ان کے سارے کرتبوں کو نگل جائے گی، ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے، وہ محض جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی چلا جائے، وہ کامیاب نہیں ہوگا“ ﴿٦٩﴾ پس، (ایسا ہی ہوا اور) جادوگر یہ کہتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے، ﴿٧٠﴾ فرعون نے کہا: ”اچھا، تم ہمارے اجازت دینے سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے، (اصل میں) وہی تمہارا گرو ہے، جس نے تم لوگوں کو جادو سکھایا ہے؛ اس لئے میں ضرور تم لوگوں کے ہاتھ پاؤں اُلٹے کاٹ دوں گا، کھجور کے تنوں پر تم کو سولی چڑھادوں گا، تم کو معلوم ہوجائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب سخت اور دیر پا ہے؟“ ﴿٧١﴾ جادوگروں نے کہا: ”ہمارے پاس جو واضح معجزے آچکے ہیں، ہم ان کے مقابلہ اور اس خدا کے مقابلہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہرگز تم کو ترجیح نہیں دیں گے، پس تم کو جو کچھ کرنا ہے کرلو، تم صرف اس دنیا ہی میں تو حکم چلا سکتے ہو؟ ﴿٧٢﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے؛ تاکہ اللہ ہمارے گناہوں کو اور تم نے جو ہم کو مجبور کر کے جادو کرایا ہے، اس کو معاف کردیں، اللہ بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں“۔ ﴿٧٣﴾

اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا
قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا
الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى ۙ اَنۡ اَسۡرِ ع ۲۲ ۱۲
بِعِبَادِىۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتۡبَعَهُمۡ
فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾
يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ قَدۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ عَدُوِّكُمۡ وَوٰعَدۡنٰكُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنَ وَنَزَّلۡنَا
عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَلَا تَطۡغَوۡا فِيۡهِ فَيَحِلَّ عَلَيۡكُمۡ
غَضَبِىۡ ۚ وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّىۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۸۳﴾

(اے لوگو!) جو اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر حاضر ہوگا، یقیناً اس کے لئے دوزخ ہے، نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ (صحیح طور پر) جئے گا ﴿۷۴﴾ اور جو لوگ اپنے رب کے پاس مسلمان ہو کر آئیں گے اور انھوں نے نیک عمل کیا ہوگا، ان کے لئے بلند درجے ہیں ﴿۷۵﴾ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہا کریں گے، یہی اس شخص کا بدلہ ہے، جو پاکیزہ زندگی گذارے ﴿۷۶﴾ ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کے لئے (لاٹھی مار کر) سمندر میں خشک راستہ بنا دو، نہ تم کو کسی کے پیچھا کرنے کا خوف ہو اور نہ (ڈوب جانے کا) ڈر، ﴿۷۷﴾ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا؛ چنانچہ دریا نے ان کو پوری طرح دبوچ لیا ﴿۷۸﴾ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور صحیح راہ نہ دیکھائی ﴿۱﴾ ﴿۷۹﴾ اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات عطا کی اور تم سے (تورات کے لئے) طور کے دائیں طرف آنے کا وعدہ لیا، نیز تم پر ''من'' اور ''سلویٰ'' اُتارا، ﴿۸۰﴾ ہم نے تم کو جو پاکیزہ روزی عطا کی ہے، اس میں سے کھاؤ اور اس میں زیادتی نہ کرو، ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب ہو جائے، وہ ہلاک و برباد ہو کر رہے گا، ﴿۸۱﴾ البتہ جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر ہدایت کے راستہ پر قائم رہے، میں اس سے درگذر کرنے والا ہوں ﴿۸۲﴾ (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! تمہارے اپنی قوم سے پہلے چلے آنے کا کیا سبب ہوا؟ ﴿۸۳﴾

﴿۱﴾ حالاں کہ قوم کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری تھی کہ خود بھی ہدایت کے راستہ پر آجاتا اور اپنی قوم کو بھی اس کی تلقین کرتا۔

قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ وَ عَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ
بَعۡدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوۡسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ
يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ؕ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ
مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ ﴿٨٦﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا وَ لٰكِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا
مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلۡقَى السَّامِرِىُّ ۙ﴿٨٧﴾ فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ
خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَ اِلٰهُ مُوۡسٰى ۬ فَنَسِىَ ؕ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ وَّ لَا
يَمۡلِكُ لَهُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا ﴿٨٩﴾ وَ لَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ ع ١٣ ١٣
وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ وَ اَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ ﴿٩٠﴾

موسیٰ نے عرض کیا: وہ میرے پیچھے ہی تو ہیں! اور میرے پروردگار! میں نے آپ کی طرف (آنے میں) اس لئے جلدی کی کہ آپ خوش ہوجائیں، ﴿۱﴾ ﴿٨٤﴾ اللہ نے فرمایا: تمہارے (نکلنے کے) بعد ہم نے تمہاری قوم کو ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو گمراہ کردیا ہے؛ ﴿٨٥﴾ چنانچہ موسیٰ سخت غم وغصہ کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور کہنے لگے: ”اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ تو کیا تم پر کوئی لمبی مدت گذر گئی تھی یا تم چاہتے تھے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہوجائے؛ اس لئے تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟؟“ ﴿٨٦﴾ انھوں نے جواب دیا: ”ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی؛ لیکن ہم پر اس قوم (یعنی قبطیوں) کے زیورات کا جو بوجھ لدا ہوا تھا، ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا، ﴿٨٧﴾ پھر اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنا ڈالا، یعنی ایک جسم جس کی آواز گائے کی سی تھی، پھر لوگ کہنے لگے: یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی؛ لیکن موسیٰ بھول گئے ہیں“ ﴿٨٨﴾ کیا انھیں یہ نظر نہیں آرہا تھا کہ یہ (بچھڑا) تو نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا اور نہ ان کو نقصان یا نفع پہنچا سکتا تھا ﴿٨٩﴾ (اس کے علاوہ) اس سے پہلے ان سے ہارون کہہ چکے تھے: اے میرے لوگو! یقیناً تم لوگ اس (بچھڑے) کے ذریعہ آزمائے جارہے ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمہارا پروردگار وہی ہے جو بے حد مہربان ہے (نہ کہ یہ بچھڑا)؛ لہٰذا تم میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ ﴿٩٠﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا اشتیاق اور خوشنودی حاصل کرنے کا بے پناہ جذبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلدی جلدی بارگاہ الٰہی میں لے گیا، دوسری طرف اپنی قوم سے اس لئے اطمینان تھا کہ ان کے درمیان حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ کر گئے تھے، اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلد بازی یا اُمت کی فکر سے لاپرواہی کی کوئی بات نہیں تھی۔

قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ عٰكِفِيۡنَ حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا مُوۡسٰى ۝۹۱ قَالَ يٰهٰرُوۡنُ مَا مَنَعَكَ اِذۡ
رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا ۝۹۲ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِىۡ ۝۹۳ قَالَ يَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡيَتِىۡ وَ لَا
بِرَاۡسِىۡ ۚ اِنِّىۡ خَشِيۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَيۡنَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَ لَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِىۡ ۝۹۴ قَالَ فَمَا
خَطۡبُكَ يٰسَامِرِىُّ ۝۹۵ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ
فَنَبَذۡتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِىۡ نَفۡسِىۡ ۝۹۶ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِى الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا
مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا ؕ
لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِى الۡيَمِّ نَسۡفًا ۝۹۷

لوگوں نے کہا: جب تک موسیٰ ہماری طرف واپس نہ آجائیں، ہم تو اسی پر جمے رہیں گے ۝۹۱ موسیٰ نے کہا: اے ہارون! جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ گمراہ ہوگئے ہیں تو تم کو میرے پیچھے آنے سے کس چیز نے باز رکھا؟ ۝۹۲ کیا تم بھی میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے لگے؟؟ ۝۹۳ ہارون نے کہا: اے میرے ماں شریک بھائی! میری داڑھی اور سر (کے بال) نہ پکڑو ﴿۱﴾، مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا، ۝۹۴ موسیٰ نے کہا: اے سامری! تم نے ایسا کیوں کیا؟ ۝۹۵ سامری نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھ لی تھی، جو دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آئی تھی؛ چنانچہ میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتہ کے نقش قدم سے ایک مٹھی اُٹھالی پھر اس کو اس (سونے کے بنائے ہوئے بچھڑے) میں ڈال دیا، میرے نفس نے مجھے اسی طرح اُکسایا ﴿۲﴾ ۝۹۶ موسیٰ نے کہا: ''تم جاؤ تمہارے لئے زندگی بھر یہ حال رہے گا کہ تم کہو گے: لا مساس (کوئی چھوئے نہیں) ﴿۳﴾ اور تمہارے لئے ایک وقت مقرر ہے، جو تم سے ٹلے گا نہیں، اور اپنے اس خدا (یعنی بچھڑے کے انجام) کو تو دیکھو جس پر تم جمے ہوئے تھے، ہم اسے جلا دیں گے، پھر اسے ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔ ۝۹۷

﴿۱﴾ ماں محبت کا پیکر ہوتی ہے؛ اس لئے خاص طور پر حضرت ہارون علیہ السلام نے ماں کے رشتہ کا حوالہ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ داڑھی اور سر کے بال پکڑنا جوشِ حق کے غلبہ کی وجہ سے تھا نہ کہ ایذاء رسانی اور اہانت کے لئے، اس سے معلوم ہوا کہ جہاں ممکن ہو اور خلافِ مصلحت نہ ہو، وہاں شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ذمہ دار کی طرف سے غلطی پر تنبیہ کے لئے جسمانی سرزنش بھی کی جاسکتی ہے۔

﴿۲﴾ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سامری نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا سُم جہاں پڑتا ہے، وہاں سبزہ اُگ آتا ہے، اس نے محسوس کیا کہ اس میں زندگی پیدا کرنے کی کچھ تاثیر ہے؛ چنانچہ اس نے وہاں سے مٹی اُٹھالی، اسے اس مصنوعی بچھڑے میں ڈال دیا اور اس کے اثر سے اس میں آواز پیدا ہوگئی۔ (قرطبی: ۱۱/ ۲۳۹)

←

اِنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ‌ؕ وَسِعَ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ
اَنۡۢـبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ‌ ۚ وَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ۖ‌ۚ ﴿۹۹﴾ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ
الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ۙ‏ ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهِ‌ ؕ وَسَآءَ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا ۙ‏ ﴿۱۰۱﴾ يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ‌
وَنَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ۖ‌ۚ ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا‏ ﴿۱۰۳﴾ نَحۡنُ
اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ اِذۡ يَقُوۡلُ اَمۡثَلُهُمۡ طَرِيۡقَةً اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا يَوۡمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵/۵ ۱۴

یقیناً تمہارا معبود وہی اللہ ہے جن کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوا ہے'' ﴿۱﴾ ﴿۹۸﴾ (اے رسول!) اسی طرح ہم آپ پر گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو خاص اپنی طرف سے نصیحت کی کتاب عطا کی ہے، ﴿۹۹﴾ جو لوگ اس سے منھ پھیریں گے ، وہ قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوں گے، ﴿۱۰۰﴾ وہ ہمیشہ اسی (کے عذاب) میں رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے لئے کیا ہی بدترین بوجھ ہوگا ، ﴿۱۰۱﴾ جس دن صور پھونکا جائے گا اور جس دن ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں (مارے ڈر کے) نیلی ہو چکی ہوں گی، ﴿۱۰۲﴾ وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے: تم تو بس دس (دن دنیا میں) رہے ہوگے ﴿۱۰۳﴾ وہ لوگ جو کچھ کہیں گے، ہم اس سے خوب واقف ہیں، ان میں جو سب سے بہتر اندازہ لگانے والا ہوگا، وہ کہے گا: تم (دنیا میں) صرف ایک دن ٹھہرے ہوگے۔ ﴿۱۰۴﴾

← ﴿۳﴾ یعنی سامری کی یہ کیفیت ہوگئی کہ وہ کہتا: نہ میں کسی کو چھوؤں گا اور نہ کوئی شخص مجھے چھوئے؛ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم فرمادیا کہ وہ اس سے کوئی تعلق نہ رکھیں، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اسی سے یہ بات اخذ کی ہے کہ گمراہ لوگ اور اہل بدعت کا بائیکاٹ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی بناء پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اوران کے رفقاء کا بائیکاٹ فرمایا تھا، (قرطبی:۲۴۱/۱۱) —— سامری میں یہ کیفیت پیدا ہوجانا کہ کوئی اسے چھوئے نہیں؛ گویا بائیکاٹ کی ایک قدرتی شکل تھی؛ تاکہ وہ تمام دوسرے لوگوں سے کٹ کر رہ جائے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں لوگوں سے الگ رہنے کی ایک نفسیاتی کیفیت پیدا ہوگئی ہو اور یہ کوئی اور بیماری بھی ہوسکتی ہے؛ چنانچہ لاکھوں لوگوں میں ایک آدھ شخص کو یہ بیماری پیدا ہوتی ہے، کہ اس کے جسم میں کرنٹ بننے لگتا ہے، اگر وہ کسی کو چھولے یا کوئی اسے چھولے تو فوراً اس دوسرے شخص کو جھٹکا لگتا ہے، اس حقیر نے خود ایک ایسے مریض کو دیکھا ہے، جس پر کچھ دنوں یہ کیفیت طاری رہی۔ واللہ اعلم

﴿۱﴾ اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور ردعمل کے طور پر مسلمانوں کے دینی شعائر، جان و مال اور عزت وآبرو کو خطرہ نہ ہو، تو کفر اور گناہ کے آثار کو مٹا دینا بہتر ہے؛ کیوں کہ اس کی موجودگی بعض دفعہ اس گناہ کی طرف خاموش دعوت بن جاتی ہے —— حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، قوم فرعون کو دعوت اور سامری کا واقعہ وغیرہ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۰۳ تا ۱۵۵ میں گزر چکا ہے۔

وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا ۝١٠٥ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا ۝١٠٦ لَّا تَرٰى
فِيۡهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمۡتًا ۝١٠٧ يَوۡمَئِذٍ يَّتَّبِعُوۡنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ خَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ
لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا ۝١٠٨ يَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ
وَرَضِىَ لَهٗ قَوۡلًا ۝١٠٩ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ وَ لَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا ۝١١٠ وَ عَنَتِ
الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَىِّ الۡقَيُّوۡمِ ؕ وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا ۝١١١ وَ مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ
مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّ لَا هَضۡمًا ۝١١٢ وَ كَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفۡنَا فِيۡهِ مِنَ
الۡوَعِيۡدِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ اَوۡ يُحۡدِثُ لَهُمۡ ذِكۡرًا ۝١١٣

اورلوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے: میرے پروردگار اس کو ریزہ ریزہ کر کے
اُڑا دیں گے ۝١٠٥ پھر زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دیں گے ۝١٠٦ جس میں تم کو کوئی نشیب وفراز نظر نہیں
آئے گا ﴿۱﴾ ۝١٠٧ اس دن لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے دوڑے چلے آئیں گے، کوئی ٹیڑھا پن نہ دِکھا سکے گا،
اور خدا کے سامنے (جو نہایت مہربان ہیں) تمام آوازیں دب کر رہ جائیں گی، تم سوائے پاؤں کی آہٹ کے کوئی
اور آواز نہ سنو گے، ۝١٠٨ اس دن اس کے سوا کسی کی سفارش بھی کام نہیں آئے گی، جس کو خود بے حد مہربان خدا نے
سفارش کی اجازت دی ہو اور اللہ اس کی بات سننا پسند کریں، ۝١٠٩ اللہ لوگوں کے اگلے پچھلے تمام حالات کو جانتے ہیں
اور انسانوں کا علم اللہ (کی ذات وصفات) کا احاطہ نہیں کر سکتا ۝١١٠ (اس دن) تمام چہرے اس ذات کے سامنے جھکے
ہوں گے، جو ہمیشہ زندہ رہنے والی اور کائنات کی تدبیر کرنے والی ہے اور جو گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوگا، وہ
ناکام و نامراد ہو کر رہے گا ۝١١١ اور جس نے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ نیک عمل کیا تو اس کے لئے نہ ناانصافی کا
کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ حق تلفی کا، ۝١١٢ اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں مختلف
طریقوں پر وعیدیں ذکر کی ہیں؛ تاکہ وہ لوگ نافرمانی سے بچیں، یا یہ اُن کے لئے نصیحت کا ذریعہ بن جائے۔ ﴿۲﴾ ۝١١٣

﴿۱﴾ اہل مکہ آپ سے پوچھا کرتے تھے کہ میدانِ حشر کیسے قائم ہوگا اور زمین میں جو بڑے بڑے پہاڑ ہیں وہ کیسے چٹیل میدان بن جائیں گے؟ اسی کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیں گے۔

(تفسیر رازی: ۲۲/۱۰۰، تفسیر خازن: ۳/ ۲۱۲)

﴿۲﴾ یعنی عربوں کے لئے یہ بات کس قدر اعزاز کا باعث ہے کہ یہ آخری کتاب ان کی زبان میں نازل کی گئی؛ تاکہ اولین مخاطب ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلے وہ خود نصیحت حاصل کریں، پھر اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنیں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰٓى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۫ وَقُلۡ رَّبِّ
زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ لَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾ وَ اِذۡ قُلۡنَا
لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ
وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوۡعَ فِيۡهَا وَ لَا تَعۡرٰى ﴿۱۱۸﴾
وَاَنَّكَ لَا تَظۡمَؤُا فِيۡهَا وَ لَا تَضۡحٰى ﴿۱۱۹﴾

ع ۶ / ۱۱ / ۱۵

پس اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے، جو (کائنات کا) حقیقی بادشاہ ہے اور (اے رسول!) آپ پر اُتاری جانے والی وحی کے پوری ہونے سے پہلے، پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے اور دُعا کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے ﴿۱﴾ ﴿۱۱۴﴾ اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے (ایک بات کا) عہد لیا تھا، مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں ارادہ پر جماؤ نہیں پایا ﴿۱۱۵﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب سجدہ میں گر پڑے، صرف ابلیس نے انکار کیا ﴿۱۱۶﴾ تو ہم نے کہا: اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکال نہ دے، پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ ﴿۱۱۷﴾ (یہاں) تم کو یہ سہولت ہے کہ نہ تم اس میں بھوکے ہوگے اور نہ ننگے، ﴿۱۱۸﴾ اور نہ تم کو اس میں پیاس لگے گی اور نہ دُھوپ۔ ﴿۱۱۹﴾

﴿۱﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ جلدی جلدی زبان کو حرکت دیتے اور پڑھنے کی کوشش کرتے، آپ ﷺ کو اندیشہ ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام واپس ہو جائیں، اس سے آپ ﷺ کو مشقت ہوتی؛ اسی لئے آپ ﷺ پر شفقت کرتے ہوئے حکم فرمایا گیا کہ قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں؛ جب تک وحی مکمل نہ ہو جائے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی واپسی نہیں ہوگی، (بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۂ قیامہ، حدیث نمبر: ۴۶۴۵) اس سے ایک سبق تو یہ ملا کہ ہر مسلمان کے اندر قرآن مجید کو سیکھنے اور حاصل کرنے کا بے حد شوق ہونا چاہئے اور اس کے لئے فکر و کوشش کرنی چاہئے، دوسرا سبق یہ ملا کہ قرآن مجید کو پڑھنے اور پڑھانے میں بہت عجلت نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور پڑھانا چاہئے؛ تاکہ صحیح طور پر پڑھنے اور پڑھانے کا عمل انجام پا سکے —— رسول اللہ ﷺ کو اس میں خاص دُعا بھی سکھائی گئی کہ میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے، اس سے علم کی اہمیت اور اس کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو عمل میں اضافہ کی دُعائیں نہیں سکھائی گئیں، مگر علم میں اضافہ کی دُعا سکھائی گئی، تو معلوم ہوا کہ اسلام میں علم کو خصوصی فضیلت حاصل ہے، اس میں یہ بھی سبق ہے کہ جو لوگ علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ان کو خاص طور پر اس دُعا کا اہتمام کرنا چاہئے، نیز انسان علم کے کسی بھی مقام پر پہنچ جائے، اس کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس کا علم نامکمل ہے اور وہ مزید علم کا محتاج ہے، علم اسے تکبر میں مبتلا نہ کر دے؛ بلکہ اس میں تواضع اور جھکاؤ ہو۔

فَوَسۡوَسَ اِلَیۡہِ الشَّیۡطٰنُ قَالَ یٰۤاٰدَمُ ہَلۡ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الۡخُلۡدِ وَ مُلۡکٍ لَّا یَبۡلٰی ﴿۱۲۰﴾ فَاَکَلَا
مِنۡہَا فَبَدَتۡ لَہُمَا سَوۡاٰتُہُمَا وَ طَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡہِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّۃِ ۫ وَ عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ
فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجۡتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیۡہِ وَ ہَدٰی ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اہۡبِطَا مِنۡہَا جَمِیۡعًۢا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ
عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی ۬ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ ہُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشۡقٰی ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنۡ
اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا وَّ نَحۡشُرُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اَعۡمٰی ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ
حَشَرۡتَنِیۡۤ اَعۡمٰی وَ قَدۡ کُنۡتُ بَصِیۡرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتۡکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیۡتَہَا ۚ وَ کَذٰلِکَ
الۡیَوۡمَ تُنۡسٰی ﴿۱۲۶﴾ وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَ لَمۡ یُؤۡمِنۡۢ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ
اَشَدُّ وَ اَبۡقٰی ﴿۱۲۷﴾

پھر شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈال ہی دیا، اس نے کہا: اے آدم! کیا میں تم کو وہ درخت نہ بتادوں، جس سے ہمیشہ کی زندگی اور لازوال بادشاہت حاصل ہوتی ہے؛ ﴿۱۲۰﴾ چنانچہ آدم وحوا نے اس درخت میں سے کھالیا، پھر فوراً ہی ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے، آدم نے اپنے پروردگار کے فرمان پر عمل نہیں کیا؛ اس لئے وہ صحیح راستے سے ہٹ گئے ﴿۱۲۱﴾ پھر ان کے پروردگار نے ان کو (نبی بنائے جانے کے لئے) چن لیا؛ چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت سے نواز دیا، ﴿۱۲۲﴾ اللہ نے فرمایا: ''تم دونوں یہاں سے اُتر جاؤ، تم (یعنی انسان اور شیطان) ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، پھر میری طرف سے تمہارے (اور تمہاری اولاد کے) پاس (جب بھی) کوئی ہدایت آئے گی تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف سے دوچار ہوگا، ﴿۱۲۳﴾ اور جو میری نصیحت سے بے رُخی برتے گا تو اس کے لئے تنگی و پریشانی والی زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اُٹھائیں گے ﴿۱﴾ ﴿۱۲۴﴾ وہ فریاد کرے گا: میرے پروردگار! میری آنکھیں تو درست تھیں، آپ نے مجھے اندھا کرکے کیوں اُٹھایا؟ ﴿۱۲۵﴾ اللہ فرمائیں گے: اسی طرح تمہارے پاس ہمارے احکام آئے تھے، تو تم نے ان کو بھلا دیا تھا، اسی طرح آج تم کو بھلایا جاتا ہے، ﴿۱۲۶﴾ جو لوگ زیادتی کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے، انھیں ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب نہایت سخت اور دیر تک رہنے والا ہے''۔ ﴿۱۲۷﴾

﴿۱﴾ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر: ۳۰ تا ۳۸ اور مختلف دوسری آیات میں آیا ہے۔

اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَلَوۡ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَـكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ؕ﴿۱۲۹﴾ فَاصۡبِرۡ ع ۱۳ / ۱۶
عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآئِ
الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا
مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّ اَبۡقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ
بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـئَلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿۱۳۲﴾

کیاان کی ہدایت کے لئے یہ بات کافی نہ ہوسکی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے، جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے رہتے ہیں، یقیناً اس میں عقل والوں کے لئے عبرت کی باتیں ہیں، ﴿۱۲۸﴾ اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا اور ایک مدت مقرر نہ ہوگئی ہوتی تو (عذاب نے ان کو) دبوچ لیا ہوتا ﴿۱۲۹﴾ لہٰذا آپ ان کی بات پر صبر کیجئے اور سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے حمد وثنا کے ساتھ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیجئے، نیز رات کے کچھ اوقات اور دن کے کناروں میں بھی تسبیح پڑھا کیجئے؛ تاکہ آپ کو خوشی حاصل ہو ﴿۱﴾ ﴿۱۳۰﴾ ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دنیوی زندگی کی چمک دمک دے رکھی ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ ہم ان کو آزمائیں، آپ اس کی طرف اپنی نگاہیں اُٹھا کر بھی نہ دیکھئے اور آپ کے رب کی عطا فرمائی ہوئی روزی ہی بہتر اور دیر پا ہے، ﴿۱۳۱﴾ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے، ہم آپ سے روزی طلب نہیں کرتے؛ (بلکہ) ہم ہی آپ کو روزی عطا فرماتے ہیں ﴿۲﴾ اور بہترین انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ ﴿۱۳۲﴾

﴿۱﴾ اس آیت میں تسبیح پڑھنے سے مراد نماز ادا کرنا ہے؛ کیوں کہ نماز کا خلاصہ حمد و تسبیح ہی ہے، غور کریں تو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک جتنے اذکار واوراد ہیں، سب میں یا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی گئی ہے یا اس کی پاکی بیان کی گئی ہے، سورج نکلنے سے پہلے (قبل طلوع الشمس) کی تسبیح سے مراد نماز فجر ہے، آفتاب ڈوبنے سے پہلے (قبل غروبها) سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں، رات کے اوقات میں (من أناء الليل) تسبیح سے مراد مغرب وعشاء کی نمازیں ہیں، اور پھر دن کے کناروں (اطراف النهار) میں تسبیح سے فجر اور عصر یا فجر اور مغرب کی خصوصی تاکید ہے، (الدر المنثور: ۵/۶۱۱) اس طرح اس آیت میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔

﴿۲﴾ نماز کا حکم ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق دینے کا جو ذکر فرمایا جا رہا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسبِ معاش کو نماز میں رکاوٹ نہ بننے دیں؛ کیوں کہ جب اللہ روزی دینے والے ہیں اور ان ہی کی طرف سے نماز کا حکم ہے تو اللہ تعالیٰ کی یہ عبادت تمہاری روزی میں رکاوٹ وکمی کا باعث نہیں بنے گی۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَ لَوْ اَنَّاۤ
اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ
قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ
السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع ۸/۱۷

وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے؟ کیا ان کے پاس وہ واضح نشانی نہیں آئی جو پہلی کتابوں میں تھی، ﴿۱۳۳﴾ اگر ہم ان کو اس (رسول کے آنے) سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر ڈالتے تو یہ ضرور کہتے: اے ہمارے رب! ہمارے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کے احکام کی پیروی کرتے؟ ﴿۱۳۴﴾ آپ فرما دیجئے: سب انتظار کر رہے ہیں؛ لہٰذا تم بھی (کچھ دنوں) انتظار کر لو، تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون لوگ سیدھے راستے والے اور ہدایت پانے والے ہیں۔ ﴿۱۳۵﴾

سُورَةُ الأَنْبِيَاءِ

- سورہ نمبر : (۲۱)
- رکوع : (۷)
- آیتیں : (۱۱۲)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورت میں تفصیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے کارِ دعوت سے متعلق واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ حضرت نوح، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت زکریا علیہم السلام اور خود پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوتی مکالمات اور قوم کی طرف سے پیش آنے والے واقعات کا اختصار کے ساتھ ذکر آیا ہے، نیز حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام سورہ انبیاء ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ یہ قرآن مجید کی نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے: ''هن من العتاق الاول'' (صحیح البخاری، باب تالیف القرآن: ۴۹۹۴، هن من العتاق الاول) حضرت عامر ابن ربیعہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج ایک ایسی سورہ نازل ہوئی ہے، جس نے مجھے دنیا سے بے رغبت کردیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/۹۱، الدر المنثور: ۵/۶۱۵)

چوں کہ یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ اس لئے اس میں زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت اور گذشتہ انبیاء کی دعوتوں کا ذکر آیا ہے اور شرک کرنے والے اپنے کفر وشرک کے لئے جن باتوں کو بہانہ بنایا کرتے تھے، ان کا رد کیا گیا ہے، اس سورہ کے اخیر میں اس بات کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے لئے سراپا رحمت ہیں۔

○ ○ ○

الجزء ۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ
مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖ
هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ
فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۴ بَلْ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ
هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ لوگوں کے حساب کا وقت قریب آچکا ہے، تب بھی لوگ بے توجہی کے ساتھ منھ پھیرے ہی ہوئے ہیں، ۝۱ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے جب بھی نصیحت کی کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے اس طرح سنتے ہیں ۝۲ کہ ان کے دل غافل ہوتے ہیں، ﴿۱﴾ اور یہ ظالم چپکے چپکے کان میں کہتے ہیں کہ یہ تو محض تمہارے ہی جیسا آدمی ہے، پھر بھی تم سمجھتے بوجھتے جادوگر کے پاس (اس کی بات سننے کو) آجاتے ہو، ﴿۲﴾ ۝۳ پیغمبر نے کہا: میرے پروردگار آسمان وزمین میں ہونے والی تمام باتوں کو جانتے ہیں اور خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں ۝۴ یہی نہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ یہ کچھ بے جوڑ خواب ہیں؛ بلکہ کہتے ہیں کہ اس کو (محمد نے) خود گھڑ لیا ہے؛ بلکہ وہ شاعر ہے ﴿۳﴾ (ورنہ) ہمارے پاس کوئی نشانی تو لے کر آتے، جیسا کہ پچھلے پیغمبروں کو (معجزات کے ساتھ) بھیجا گیا تھا۔ ۝۵

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ جب دین کی کوئی بات کی جائے تو اس طرح سننا ضروری ہے کہ انسان ظاہری طور پر بھی اس کی طرف متوجہ ہو اور وہ اپنے دل ودماغ کو بھی حاضر رکھنے کی کوشش کرے، نیز دینی مجلسوں میں خطاب کرنے والے کی بات سننے کی بجائے آپس میں باتیں نہ کرے۔

﴿۲﴾ جب کوئی کہنے والا دین کی بات کہے تو یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ وہ بھی میری ہی طرح کا انسان ہے، مال ودولت کے اعتبار سے بھی ہم ہی جیسا یا ہم سے کمتر ہے؛ بلکہ اس کے اخلاق کو دیکھنا اور اس کی باتوں پر غور کرنا چاہئے۔

﴿۳﴾ یہاں قرآن مجید پر اہل مکہ کے تین اعتراضات نقل کئے گئے ہیں: اول یہ کہ یہ کچھ منتشر خواب اور پراگندہ خیالات ہیں، جو نعوذ باللہ آپ کے ذہن میں بس گئے ہیں اور آپ انھیں کو دہراتے رہتے ہیں، دوسرے: یہ آپ کی اپنی تصنیف ہے، جھوٹ موٹ اللہ کی طرف اس کی نسبت کردی گئی ہے، تیسرے: یہ محض شاعرانہ کلام ہے اور اشعار میں زیادہ تر خیالی باتیں ہوتی ہیں اور لوگوں کو متاثر کرتی ہیں، قرآن مجید نے ان تینوں اعتراضات کو نقل کر کے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ جیسے قرآن مجید قیامت تک باقی رہنے ←

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷

(اللہ فرماتے ہیں:) ان سے پہلے بھی بعض بستیوں کے لوگ ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا، پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ «۱» ۝۶ ہم آپ سے پہلے بھی کچھ مردوں ہی کو پیغمبر بناتے رہے ہیں، جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے، اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو «۲» ۝۷

← والا ہے، اسی طرح ایسے بے جا اعتراضات کرنے والے لوگ بھی ہمیشہ آتے رہیں گے؛ چنانچہ آج بھی مغربی مصنفین اور یہودی وعیسائی اور آریہ معترضین یہی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کچھ منتشر مضامین ہیں، جو نعوذ باللہ ذہنی مریض ہونے کی بنا پر آپ کے دماغ میں آیا کرتے تھے، یہ بات تو تقریباً تمام دشمنانِ حق کی زبان وقلم پر ہے کہ قرآن مجید آسمانی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ یہ آپ کی اپنی تصنیف ہے، جس کو آپ نے تورات وانجیل کا دیکھا دیکھی اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے اور یہ بات بھی ان کی طرف سے کہی جاتی ہے کہ قرآن کا اُسلوب بیان وہی ہے جو زمانۂ جاہلیت کے شاعروں کا تھا، اس میں کوئی نئی چیز نہیں، ان سب بے جا اعتراضات کا ایک ہی جواب قرآن نے دیا ہے، جو قیامت تک شک کے کانٹوں کو دل سے نکالنے کے لئے کافی ہے اور وہ یہ کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو اس جیسی ایک سورہ یا دس آیات یا کم سے کم ایک ہی آیت لا کر دکھا دو، (البقرة: ۲۳، ہود: ۱۳، طور: ۳۴) مگر اُس چیلنج کا جواب نہ اُس دور میں دیا جاسکا، جب قرآن نازل ہورہا تھا، نہ آج کسی میں اس چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ قیامت تک کوئی اس کا جواب پیش کرسکے گا۔

«۱» یعنی اللہ کے لئے معجزات بھیجنا کوئی دشوار بات نہیں؛ لیکن ایک تو اس بات کا یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ معجزات کو دیکھ کر ایمان لے ہی آئیں گے؛ کیوں کہ کتنی ہی اُمتیں ایسی گزری ہیں کہ ان کو ان کی طلب کے مطابق معجزے دیئے گئے، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے، دوسرے: جب مطلوبہ معجزہ دیا جاتا ہے اور پھر بھی وہ قوم ایمان نہیں لاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے، تو یہی معاملہ ایمان سے انکار کی صورت میں ان کے ساتھ بھی ہوگا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اِس قوم کو باقی رکھا جائے گا اور اِن کے اور اِن کی نسلوں میں سے ایمان لانے والوں کے ذریعہ ہدایت کی روشنی پوری انسانیت تک پہنچائی جائے؛ اس لئے ان کو وہ معجزہ نہیں دیا جارہا ہے، جس کا یہ مطالبہ کیا کرتے ہیں۔

«۲» معلوم ہوا کہ نبوت ہمیشہ مردوں کو دی گئی ہے نہ کہ عورتوں کو؛ کیوں کہ نبی کو انسانوں کے ساتھ میل جول کی ضرورت پیش آتی ہے اور دعوتِ حق کے مخالفین کی طرف سے طرح طرح کی تکلیفوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اس کی صلاحیت مردوں ہی میں ہے —— اس آیت میں 'ذکر' سے آسمانی کتاب مراد ہے، (قرطبی: ۱۱/۲۷۲) یعنی جن لوگوں کے پاس تورات وانجیل ہے، ان سے معلوم کرلو کہ پہلے جو انبیاء گزرے ہیں، وہ بھی انسان ہی تھے، انسانی ضرورتیں ان سے بھی متعلق تھیں اور وہ بھی عام انسانوں ہی کی طرح طبعی حالات سے دوچار ہوتے تھے۔

وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ
فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ط
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا ع ۱
اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ
اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ
تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا
بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں دیئے تھے، جو کھانا نہ کھائیں اور جو ہمیشہ باقی رہے ہوں ﴿۸﴾ پھر ہم نے ان لوگوں سے جو وعدہ کیا تھا، اس کو سچا کر دکھایا کہ ان کو اور اُن لوگوں کو جن کو ہم بچانا چاہتے تھے بچا لیا، اور حد سے گذر جانے والوں کو ہلاک کر دیا، ﴿۹﴾ ہم نے اب تمہاری طرف ایک ایسی کتاب اُتاری ہے، جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، کیا تم سمجھ بوجھ نہیں رکھتے؟ ﴿۱۰﴾ اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو پیس ڈالا ہے، جو نافرمان تھیں اور ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو آباد کر دیا، ﴿۱۱﴾ پھر جب ان لوگوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ محسوس کی تو لگے وہاں سے بھاگنے، ﴿۱۲﴾ (اللہ نے فرمایا) بھاگو مت، اپنے گھروں میں اور اسی جگہ لوٹ جاؤ، جہاں تم نے موج مستی کی تھی؛ تاکہ تم سے باز پرس کی جائے، ﴿۱۳﴾ انھوں نے کہا: ہائے ہماری ہلاکت و بربادی، یقیناً ہم لوگ ہی زیادتی کرنے والے تھے ﴿۱۴﴾ ان کی یہی فریاد اور آہ و واویلا جاری رہی، یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایسا تباہ کر دیا، جیسے کٹی ہوئی کھیتی یا بجھی ہوئی آگ ہو ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشہ کے لئے پیدا نہیں کیا ہے ﴿۱۶﴾ اگر ہم کچھ کھلونے بنانا چاہتے تو ہم اس کو اپنے ہی پاس سے بنا لیتے، اگر ہم کو ایسا کرنا ہی ہوتا۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ غرض کہ جب عذاب کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس وقت نہ آدمی بھاگ سکتا ہے اور نہ اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے —— بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یمن کی ایک قوم ہے جو ''اہل حَضُور'' کہلاتی تھی، ان کے پاس ''شعیب بن ذی مَہدَم'' کو بھیجا گیا تھا، یمن میں ہی ان کی قبر موجود ہے، یہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام نہیں ہیں، جن کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا تھا، اِس قوم نے اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا، بتایا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کئی سو سال بعد کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کا ہے۔ (قرطبی: ۱۱/ ۲۷۴)

﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی کھیل تماشہ ہی کرانا مقصود ہوتا تو اس کے لئے اتنی بڑی دنیا بسانے اور انسان جیسی مخلوق کی اس میں پرورش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ تعالیٰ آسمان ہی پر ایسی کوئی چیز کر لیتے: '' قال ابن جريج : من اهل السماء لا من أهل الأرض ''۔ (قرطبی: ۱۱/ ۲۷۹)

بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَى الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَـكُمُ الۡوَيۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾
وَلَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَلَا
يَسۡتَحۡسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوۡنَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفۡتُرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡۤا اٰلِهَةً مِّنَ الۡاَرۡضِ
هُمۡ يُنۡشِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا
يَصِفُوۡنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسۡـئَلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـئَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلۡ هَاتُوۡا
بُرۡهَانَكُمۡ ۚ هٰذَا ذِكۡرُ مَنۡ مَّعِىَ وَذِكۡرُ مَنۡ قَبۡلِىۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَقَّ فَهُمۡ
مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾

بلکہ ہم توحق کو باطل پر دے مارتے ہیں کہ وہ اس کا سر توڑ ڈالے؛ یہاں تک کہ وہ مٹ جاتا ہے ﴿۱﴾ اور جو کچھ تم
(حق کے خلاف) گھڑتے ہو، اس کی وجہ سے تمہاری ہی ہلاکت و بربادی ہے ﴿۱۸﴾ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو
کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے، اور جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ اللہ کی بندگی سے سرکشی کرتے ہیں اور نہ کاہلی وسستی
برتتے ہیں، ﴿۱۹﴾ وہ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، وہ (اس سے) تھکتے نہیں ہیں، ﴿۲۰﴾ کیا اِن لوگوں
نے زمین میں کچھ خدا بنالئے ہیں، جو کسی کو زندگی عطا کرتے ہیں؟ ﴿۲۱﴾ اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور بھی معبود
ہوتے تو اِن دونوں کا نظام درہم برہم ہوجاتا، پس عرش کے مالک اللہ اُن باتوں سے پاک ہیں، جو یہ بنایا کرتے
ہیں ﴿۲﴾ ﴿۲۲﴾ خدا سے اس کے کسی فعل کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی؛ البتہ اِن سب سے پوچھ ہوگی ﴿۲۳﴾ کیا
ان لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ اور معبود بنالئے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے: تم لوگ اپنی دلیل تو لاؤ، یہ (قرآن) جو
میرے ساتھ والوں کے لئے نصیحت ہے، اور (دوسری کتابیں) جو مجھ سے پہلے والوں کے لئے نصیحت تھیں،
(موجود ہیں، ان سے دلیل پیش کرو)؛ لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر لوگ حق بات کا یقین نہیں کرتے؛
اسی لئے منھ پھیرے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ عام طور پر جو چیز پھینکی جاتی ہے، وہ مقدار کے اعتبار سے چھوٹی ہوتی ہے، اور جس چیز پر اس کو پھینکا جائے، وہ بڑی ہوتی ہے، عجب نہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ بہت سی دفعہ حق پر قائم رہنے والوں کی تعداد کم ہوگی اور باطل پرستوں کی اکثریت؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس اقلیت کو اکثریت پر غلبہ عطا فرمائیں گے؛ لہٰذا مسلمانوں کو کبھی بھی اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے گھبرانا نہیں چاہئے، انجام کار ظاہری طور پر بھی ان شاء اللہ ان ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔

﴿۲﴾ جب ایک ملک اور ایک ادارہ کے دو سربراہ نہیں ہوسکتے، اور اگر بالفرض ہوجائیں تو ایسے اختلافات کھڑے ہوں گے کہ وہ ←

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَ قَالُوا
اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ
یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ
مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ
كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا ع ۲ ۱۹ ۲
فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

آپ سے پہلے بھی ہم نے جو رسول بھیجے ان کو بھی ہم یہی حکم بھیجتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ؛ لہٰذا میری ہی عبادت کیا کرو ﴿۱﴾ ﴿۲۵﴾ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے (فرشتوں کو) اولاد بنالیا ہے، اللہ کی ذات اس سے پاک ہے؛ بلکہ وہ تو (خدا کے) معزز بندے ہیں، ﴿۲۶﴾ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کرسکتے، اور وہ اللہ ہی کے حکم پر عمل کرتے رہتے ہیں، ﴿۲۷﴾ اللہ کو ان کے اگلے پچھلے سب حالات معلوم ہیں، اور وہ کسی کی سفارش تک نہیں کرسکتے، سوائے اس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو، اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے سہمے رہتے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۲۸﴾ اور اگر (بالفرض) ان میں سے بھی کوئی کہے کہ اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں، تو ہم اس کو بھی دوزخ کی سزا دیں گے، ہم اسی طرح زیادتی کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں، ﴿۲۹﴾ کیا کفر کرنے والوں کو معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے، ہم نے ان کو الگ کردیا ﴿۳﴾ اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی ہے، پھر بھی کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ﴿۳۰﴾

← تباہ و برباد ہوکر رہ جائے گا، تو اتنا بڑا نظامِ کائنات جس کی ہر چیز ایک دوسرے سے مربوط ہے، دو دوسربراہوں کے زیر انتظام کیسے چل سکتا ہے؟ اور اگر واقعی دو خدا ہوتے تو کمزور اور عاجز انسانوں کی جنگ سے اندازہ کیجئے کہ ان خداؤں کی جنگ کس قدر بھیانک ہوتی اور کس طرح کائنات کا نظام تہہ و بالا ہوکر رہ جاتا، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ضرور کوئی ہستی ہے جو کائنات کی تدبیر کررہی ہے؛ لیکن وہ تن تنہا ہے، کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے۔

﴿۱﴾ یعنی دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور اس دین حق کی بنیاد ہمیشہ سے توحید پر رہی ہے کہ اللہ کی ذات ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے، ایسا مذہب جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو، نہ کبھی اللہ کی طرف سے بھیجا گیا اور نہ وہ کبھی انسان کو ہدایت کے راستہ پر قائم رکھ سکتا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی فرشتے بھی اللہ کے بندے ہیں، خدائی میں شامل ہونا تو کجا وہ تو بلا اجازت سفارش بھی نہیں کرسکتے۔

﴿۳﴾ یعنی آسمان و زمین دونوں ملے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں الگ الگ کرکے مختلف دنیاؤں کی شکل عطا فرمائی، ←

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ
یَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ
خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ
قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ
وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنادیئے ہیں کہ زمین ان کو لے کر ڈولنے نہ پائے ، اور زمین میں کشادہ راستے رکھ دیئے ہیں ؛ تاکہ لوگ منزل تک پہنچ سکیں ، ﴿۳۱﴾ نیز آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا ہے ، اس کے باوجود وہ اِس کی نشانیوں سے منھ پھیرے ہوئے ہیں ﴿۳۲﴾ وہی خدا ہے جس نے رات و دن اور سورج و چاند پیدا کئے ، سب کے سب ایک دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۳۳﴾ (اے رسول !) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی انسان کے لئے ہمیشہ زندہ رہنے کا فیصلہ نہیں کیا تو اگر آپ مرجائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے ؟ ﴿۳۴﴾ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے ، ہم تکلیف اور آرام کے ذریعہ تم کو اچھی طرح آزمائیں گے اور تم ہماری ہی طرف واپس لائے جاؤ گے ۔ ﴿۳۵﴾

← حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے : ''كان شيئاً واحداً ملتزقتين فصل الله بينهما بالهواء '' (قرطبی : ۱۱/۲۷۳) عجیب بات ہے کہ موجودہ سائنس کی تحقیق بھی یہی ہے کہ کائنات پر ایک ایسا وقت گزرا ہے ، جب تمام سیارے ایک بڑے گولے کی شکل میں تھے ، ان کے درمیان فضا کا فاصلہ نہیں تھا ، پھر ایک دھماکہ کے ذریعہ گولہ پھٹ گیا اور مختلف الگ الگ سیارے وجود میں آ گئے ، ڈیڑھ ہزار سال پہلے خدا کے بتائے بغیر کیوں کر اس حقیقت کو جانا جا سکتا تھا ، کیا یہ قرآن مجید کے اللہ کی طرف سے ہونے کی دلیل نہیں ہے ؟

﴿۱﴾ قرآن مجید میں بار بار اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے اللہ کی نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے ، یہاں بھی پانی کا ذکر کیا گیا ہے ، جو ہر جاندار شئے کے لئے ایک لازمی چیز ہے ، اس کے بغیر زندگی برقرار نہیں رہ سکتی ، پہاڑ کا ذکر فرمایا گیا ، جو زمین میں توازن قائم رکھے ہوئے ہیں ، زمین کی نرمی کی وجہ سے اس میں راستے بننے کی صلاحیت کا ذکر فرمایا گیا ، یہاں غالباً آسمان سے مراد فضاء ہے ؛ کیوں کہ آسمان میں سطح زمین سے بلند تمام چیزیں شامل ہیں ، یہ فضا اوپر سے آنے والی بہت سی ایسی چیزوں کو تحلیل کر دیتی ہے ، جو زمین کے مناسبِ حال نہیں ، سورج اور چاند کا ذکر فرمایا گیا ، جو اپنی اپنی رہ گذر میں تیرتے رہتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ، کیا یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کے بغیر ہو سکتا ہے جو نظامِ کائنات کی تدبیر کر رہی ہے ؟ اور وہی ہستی خدا کی ذات ہے ۔

وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیۡ یَذۡکُرُ اٰلِهَتَکُمۡ ۚ وَ هُمۡ
بِذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ هُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا
تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۳۷﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾ لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا
حِیۡنَ لَا یَکُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ وَ لَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ بَلۡ
تَاۡتِیۡهِمۡ بَغۡتَةً فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ
بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۴۱﴾ قُلۡ مَنۡ ع ۳/۱۲/۳
یَّکۡلَؤُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ ؕ بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اور جب کفر کرنے والے آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کا صرف یہی کام ہوتا ہے کہ آپ کی ہنسی اُڑائیں (چنانچہ کہتے ہیں:) یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر کرتا ہے؛ حالاں کہ یہ خود بے حد رحم کرنے والے (خدا) کا ذکر کرنے سے انکار کرتے رہتے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۳۶﴾ انسان کی فطرت میں جلد بازی رکھی گئی ہے، اب میں جلد ہی تم کو اپنی نشانیاں دِکھائے دیتا ہوں؛ اس لئے جلدی نہ مچاؤ ﴿۳۷﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۳۸﴾ کاش! یہ ایمان نہ لانے والے اس وقت کو جان لیتے، جب وہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو ہٹا سکیں گے، نہ اپنی پیٹھوں سے ﴿۲﴾ اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی ﴿۳۹﴾ بلکہ ان پر اچانک ہی یہ آگ آپہنچے گی، اور ان کے ہوش وحواس گم کر کے رکھ دے گی، نہ وہ اس کو ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿۳﴾ ﴿۴۰﴾ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا گیا، پھر ان مذاق اُڑانے والوں کو اسی چیز نے آگھیرا، جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے ﴿۴۱﴾ آپ کہہ دیجئے: کون ہے جو رات اور دن میں بے حد مہربان (خدائے) کے مقابلے میں تمہاری حفاظت کرے؟ کوئی نہیں؛ (لیکن پھر بھی) وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے منھ پھیرے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ یعنی آپ جو بتوں کے معبود ہونے کا انکار کرتے ہیں، وہ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں؛ حالاں کہ ان کا خود یہ حال ہے کہ جس ذات کی رحمت کے سائے میں وہ زندگی گزار رہے ہیں، خود اس کا انکار کرتے رہتے ہیں۔

﴿۲﴾ چہرہ جل جائے تو انسان دیکھنے میں بھدا اور بدشکل ہو جاتا ہے، جس سے دیکھنے میں تکلیف پہنچتی ہے، پیٹھ کا حصہ نسبتاً زیادہ حساس ہوتا ہے، سردی اور گرمی کی شدت پیٹھ پر فوری محسوس کی جاتی ہے اور اس سے جسمانی تکلیف کا احساس بڑھ جاتا ہے، غالباً اسی لئے چہروں کا اور پیٹھوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿۳﴾ یہ اچانک آدھمکنے والی چیز قیامت بھی ہوسکتی ہے اور دوزخ کی آگ بھی، یعنی ان سب کا آنا تو وقت مقررہ ہی پر ہوگا؛ لیکن چوں کہ ان کو وقت معلوم نہیں ہوگا؛ اس لئے وہ محسوس کریں گے کہ اچانک ان پر عذاب آگیا ہے، اور جو چیز اچانک آجاتی ہے، وہ اور زیادہ ہوش وحواس کو متاثر کردیتی ہے۔

اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا ؕ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَ اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَا هُمۡ مِّنَّا
یُصۡحَبُوۡنَ ﴿۴۳﴾ بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمۡ حَتّٰی طَالَ عَلَیۡهِمُ الۡعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِی
الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۴۴﴾ قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُکُمۡ بِالۡوَحۡیِ ۫ۖ وَ لَا یَسۡمَعُ
الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنۡذَرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ نَفۡحَةٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوۡلُنَّ یٰوَیۡلَنَاۤ
اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡـًٔا ؕ وَ اِنۡ
كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَیۡنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰی بِنَا حٰسِبِیۡنَ ﴿۴۷﴾

یا ہمارے سوا اُن کے کچھ اور معبود ہیں جو اُن کو بچالیں گے؟ وہ تو خود بھی اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے ﴿۴۳﴾ بلکہ (ان کی سرکشی کی وجہ یہ ہے کہ) ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو عیش وعشرت کا سامان عطا کیا، یہاں تک کہ (اسی حال میں) ان کو طویل عمر حاصل ہوئی، ﴿۱﴾ پھر کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے آرہے ہیں؟ ﴿۲﴾ بھلا پھر کیا وہ لوگ غالب آجائیں گے؟ ﴿۴۴﴾ آپ کہہ دیجئے: میں تم کو حکم الٰہی کے مطابق ہی (اللہ کے عذاب سے) ڈراتا ہوں؛ لیکن جو بہرے ہیں، جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو وہ پکار سنتے ہی نہیں ہیں، ﴿۴۵﴾ اور اگر ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے تو ضرور کہنے لگیں گے: ''ہائے ہماری ہلاکت و بربادی! یقیناً ہم ہی خطا کار تھے'' ﴿۴۶﴾ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے، پھر کسی کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں کی جائے گی، اگر (کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر ہوگا تو ہم اسے بھی لے آئیں گے اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۴۷﴾

﴿۱﴾ یعنی عام طور پر انسان کی سرکشی کا سبب یہی ہوتا ہے کہ جب وہ مسلسل عیش وعشرت کی زندگی گزارتا ہے اور طویل زمانہ تک اسی حال میں رہتا ہے تو وہ خدا کی پکڑ سے لاپرواہ ہوجاتا ہے اور اس میں اپنی بڑائی کا خیال انگڑائی لینے لگتا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ جس کو دنیا میں اسبابِ عیش سے نوازیں اس کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہ کہیں زندگی کا یہ آرام اللہ کی یاد کے لئے پردہ تو نہیں بنتا جارہا ہے؟

﴿۲﴾ زمین کو اس کے کناروں سے گھٹانے کا مطلب عام طور پر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہونے کی وجہ سے دشمنوں کے زیر قبضہ زمین کم ہوتی جارہی ہے، (قرطبی: ۱۱/ ۲۹۲) لیکن موجودہ سائنسی انکشافات کے لحاظ سے اس کا ایک اور مفہوم بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین کی خشکی کا علاقہ مسلسل سکڑ رہا ہے، اور گلیشیئر کے پگھلنے کی وجہ سے سمندر کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے، غرض کہ اللہ کی طاقت اور اس کے غلبہ کا حال یہ ہے کہ اتنی مضبوط اور لمبی چوڑی زمین بھی اس کے تصرف سے باہر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

﴿۳﴾ یہ ترازو کیسی ہوگی اور اس کے تولنے کا طریقہ کیا ہوگا، اس پر انسان کو وزن کیا جائے گا یا اس کے نامۂ اعمال کو، یا انسان کے ←

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِیَآءً وَّ ذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ هٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ
ع ۴ مُنْکِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ ربع
وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰکِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے موسیٰ و ہارون کو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب (تورات)، ایک روشنی اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے نصیحت کی چیز عطا فرمائی تھی ﴿۴۸﴾ جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور قیامت کا بھی ڈر رکھتے ہیں ﴿۴۹﴾ اور یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے ہی نازل کیا ہے، تو کیا پھر بھی تم اس کا انکار کرتے ہو؟ ﴿۱﴾ ﴿۵۰﴾ اور ہم نے (موسیٰ سے) پہلے ابراہیم کو دانائی عطا کی تھی اور ہم ان (کی صلاحیت) سے خوب واقف تھے ﴿۵۱﴾ (ان کا) وہ وقت یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیاں ہیں، جن سے تم چمٹے ہوئے ہو؟ ﴿۵۲﴾

← عمل کو کسی جسم کی شکل دے دی جائے گی اور اس کو تولا جائے گا؟ یہ سب بحثیں اہل علم نے کی ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اعمال کے وزن کئے جانے ہی کا انکار کر دیا ہے؛ کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ وزن تو ایسی ہی چیز کا ہو سکتا ہے، جس میں جسامت ہو یعنی اس میں لمبائی، چوڑائی اور گہرائی ہو؛ لیکن موجودہ دور میں ایسے اعتراضات کا نہ کوئی موقع باقی رہا اور نہ ایسی بحثوں کی ضرورت رہی؛ کیوں کہ آج تو گرمی اور ٹھنڈک کو تولنے، انسان کے بخار کو تولنے، اس کے بلڈ پریشر کو ناپنے اور اس کے خون میں موجود شوگر کی مقدار کو جاننے کے ایسے ترازو ایجاد ہو چکے ہیں، جو لمحوں میں اپنا کام کر دیتے ہیں، تو قادرِ مطلق کے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ انسان کے عمل کو تولنے کے لئے کوئی ترازو رکھ دے، جو لمحوں میں عمل کو تول دے اور کوئی چھوٹا سے چھوٹا عمل بھی اس سے باہر نہ جائے؟

﴿۱﴾ اللہ کی طرف سے جو بھی آسمانی کتاب اُتاری جاتی رہی ہے، اس کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ حق اور باطل کے درمیان فرق قائم ہو جائے اور درست اور نادرست کے درمیان کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، اس کے ذریعہ ہدایت کی روشنی پھیلتی ہے اور وہ لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان ہوتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ دعوت ونصیحت دوطرفہ عمل ہے، نصیحت کرنے والا نصیحت کرنے کا اہل ہو اور جس کو نصیحت کی جا رہی ہے وہ اس کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو؛ اس لئے تورات سے فائدہ ان ہی لوگوں نے اُٹھایا، جن میں یہ صلاحیت تھی، اور قرآن جیسی بابرکت کتاب سے بھی وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکیں گے، جن میں یہ صفت ہو، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور نبوت تھا، اس میں حق اور باطل کے لئے تورات کی حیثیت کسوٹی کی تھی؛ لیکن چوں کہ وہ کتاب منسوخ ہو چکی اور وہ انسانی ملاوٹوں کی وجہ سے اپنی اصل حالت پر باقی نہیں رہی؛ اس لئے اب حق اور باطل کو پرکھنے کے لئے اس کو کسوٹی کا درجہ حاصل نہیں رہا، اب یہ مقام اللہ تعالیٰ نے آخری کتاب قرآن مجید کو دیا ہے۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾
قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖؗ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ
تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ
فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾
قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤی
اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا
هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

ان لوگوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے، ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو اور تمہارے آباء واجداد بھی کھلی ہوئی گمراہی میں تھے، ﴿۵۴﴾ ان لوگوں نے کہا: تم ہم سے سچ سچ بات کررہے ہو یا مذاق کررہے ہو؟ ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: نہیں، تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے، جس نے اِن کو پیدا کیا ہے اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں ﴿۵۶﴾ (ابراہیم نے اپنے دل میں کہا:) خدا کی قسم! جب تم چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا ﴿۵۷﴾ چنانچہ ابراہیم نے بڑے بت کو چھوڑ کر تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا؛ تاکہ وہ لوگ ان کی طرف رُجوع کریں ﴿۵۸﴾ لوگ کہنے لگے: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ یقیناً وہ شخص زیادتی کرنے والوں میں سے ہے ﴿۵۹﴾ کچھ لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو — جس کا نام ابراہیم ہے — سنا ہے کہ وہ ان بتوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر کیا کرتا ہے ﴿۶۰﴾ وہ کہنے لگے: اس کو لوگوں کے سامنے حاضر کرو، شاید وہ (اس کے بارے میں) گواہی دیں ﴿۱﴾ ﴿۶۱﴾ لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ﴿۶۲﴾ ابراہیم نے کہا: کہیں یہ حرکت اُن کے اِس بڑے نے کی ہو؟ تو اگر وہ بولتے ہوں تو ان ہی سے پوچھ لو ﴿۶۳﴾ پھر ان لوگوں نے دل ہی دل میں سوچا اور کہنے لگے: حقیقت یہ ہے کہ تم ہی لوگ غلطی پر ہو ﴿۶۴﴾ پھر مارے شرم کے اپنے سر جھکا لئے (اور کہنے لگے:) تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ﴿۶۵﴾

﴿۱﴾ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ'' کا یہی ترجمہ کیا ہے: ''تا باشد ایشاں گواہی دہند''۔

قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُكُمۡ شَیۡـًٔا وَّ لَا یَضُرُّكُمۡ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمۡ وَ لِمَا
تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ وَ انۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ
فٰعِلِیۡنَ ﴿۶۸﴾ قُلۡنَا یٰنَارُ كُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ ﴿۶۹﴾ وَ اَرَادُوۡا بِهٖ كَیۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ
الۡاَخۡسَرِیۡنَ ﴿۷۰﴾

ابراہیم نے کہا: کیا اللہ کے مقابلہ تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو، جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان ﴿۶۶﴾ تُف ہے تم پر
اوران چیزوں پر، جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کیا کرتے ہو، کیا تم کو عقل نہیں ہے؟ ﴿۶۷﴾ لوگ کہنے لگے: اگر تم کچھ کر سکتے
ہو تو ابراہیم کو جلا دو اور اپنے معبودوں کا بدلہ لے لو؛ ﴿۶۸﴾ (چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا تو) ہم نے کہا: اے آگ!
تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور آرام دِہ ہوجا ﴿۶۹﴾ ان لوگوں نے ابراہیم کے خلاف سازش کرنی چاہی تو ہم نے ان ہی کو
ناکام بنادیا۔ ﴿۱﴾ ﴿۷۰﴾

﴿۱﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ صرف نبی تھے؛ بلکہ ابوالانبیاء (نبیوں کے باپ) تھے، آپ کے بعد جو پیغمبر آئے، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، وہ سب آپ ہی کے نسل سے تھے، بنی اسرائیل میں آنے والے تمام پیغمبر آپ کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم اور دعوت کا امتیازی پہلو عقیدۂ توحید پر زور دینا اور مختلف دلائل سے اس کو ثابت کرنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات ابراہیم علیہ السلام سے خصوصی مناسبت تھی، آپ نے درود شریف میں ''محمد'' اور ''آل محمد'' کی طرح ''ابراہیم'' اور ''آل ابراہیم'' کو بھی شامل فرمایا، آپ نے اپنے ایک صاحبزادہ کا نام ابراہیم رکھا، جب بیت المقدس قبلہ تھا، تو آپ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کئے ہوئے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنادیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی یہ آرزو پوری کی گئی، حج اور قربانی دو عبادتیں وہ ہیں جو تمام تر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی یادگار ہیں، قرآن مجید میں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اُسوہ و نمونہ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اُسوہ ٹھہرایا گیا ہے۔ (ممتحنہ: ۴)

اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید کی مکی و مدنی سورتوں میں بکثرت آیا ہے، مجموعی طور پر ۲۵ ر سورتوں اور ۶۳ ر آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش جنوبی عراق کے علاقہ میں بابل کے قریب ''کوثی'' نامی جگہ میں ہوئی، جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور یہی بات عام طور پر علماء اسلام نے لکھی ہے، بائبل میں اس جگہ کا نام ''اُور'' ذکر کیا گیا ہے، آپ کے والد ماجد کا نام آزر تھا جیسا کہ قرآن مجید کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے، تورات میں آپ کا نام ''تارخ'' بتایا گیا ہے، اسی لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اصل نام تارخ تھا اور آزر لقب، آزر وہاں کی زبان میں بڑے پجاری کو کہا جاتا تھا؛ چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بُت تراش بھی تھے اور بُت پرست قوم کے مذہبی پیشوا بھی، اس لئے آزر کہلائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیدائشی شہر میں ہی آپ نے دعوت توحید کا آغاز کیا، یہیں نمرود سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ←

← مناظرہ ہوا، یہیں وہ واقعہ پیش آیا جس کا سورہ انبیاء کی اِن آیات میں ذکر ہے کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور اللہ کی طرف سے آپ کی حفاظت ہوئی، جب اس آزمائش سے نجات ملی تو آپ نے اس وقت کے وسیع وعریض ملک شام کے شہر حران، یا حاران ہجرت کر گئے، جو اِس وقت جنوبی ترکی میں واقع ہے، پھر یہاں سے آپ نے اپنی اہلیہ سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی کے ساتھ شام کے شہر حلب کی طرف اور بعد کو حلب سے فلسطین کی طرف ہجرت کی اور مصر سے بھی آپ کا گذر ہوا، یہیں حضرت ہاجرہ آپ کے نکاح میں آئیں، جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کی دسویں پشت میں تھے؛ لیکن محققین کے نزدیک بائبل کا یہ بیان قابل قبول نہیں ہے؛ کیوں کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کم سے کم تین ہزار سال کے فاصلہ کا اندازہ کیا گیا ہے، اور توریت میں اس سلسلہ نسب میں آنے والے افراد کی جو عمریں لکھی گئی ہیں، وہ ۹۰۰/ سال سے بھی کم ہوتی ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات فلسطین کے شہر ''الخلیل'' —— جسے عبرانی اور انگریزی میں 'حبرون' کہتے ہیں —— میں ہوئی اور یہیں آپ مدفون ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے مختلف واقعات قرآن کی مختلف سورتوں میں ذکر کئے گئے ہیں، یہاں جس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مختلف طریقوں پر لوگوں کو شرک کا غلط ہونا اور توحید کا حق ہونا سمجھاتے تھے، اس کے لئے عقل وفطرت سے دلیلیں پیش کرتے تھے؛ چنانچہ ایک دن جو قوم کے مذہبی تہوار کا دن تھا اور جس میں لوگ تہوار منانے کے لئے شہر سے باہر نکل جایا کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر ہی میں مقیم رہے اور جب لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی تقریب میں چلنے کو کہا، تو آپ نے انکار کر دیا اور معذرت کی کہ میں بیمار ہوں: ''انی سقیم ——'' ہوسکتا ہے کہ آپ جسمانی طور پر بیمار رہے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شرک وبت پرستی کو دیکھ کر آپ کو غیر معمولی رنج وقلق ہوتا تھا، اس کی وجہ سے دل پر جو کیفیت گذرتی تھی، اس کو آپ نے بیماری سے تعبیر کیا ہو؛ کیوں کہ ذہنی تناؤ اور دل کی بے سکونی بھی ایک بیماری ہے اور موجودہ دور میں باضابطہ ماہرین نفسیات کے ذریعہ اس کا علاج کرایا جاتا ہے، جب سارے لوگ شہر سے باہر نکل گئے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ یہ اس بات کو ثابت کرنے کا بہترین موقع ہے کہ ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیاں خدا نہیں ہوسکتیں؛ چنانچہ آپ بت خانہ میں تشریف لے گئے، تمام بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور بڑے بت کے کاندھے پر کدال رکھ دی، لوگ واپس ہوتے ہی بُت خانہ میں پہنچے، وہاں جب یہ منظر دیکھا تو انھیں بے حد غصہ آیا اور اس بات کی تفتیش شروع ہوگئی کہ آخر ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ ایک تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تہوار میں جانے سے گریز کرنا شبہ کے لئے کافی تھا، دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام موقع بہ موقع بُت پرستی کی مذمت کرتے ہی رہتے تھے، اس لئے لوگوں کو یقین ہوگیا کہ آپ ہی نے یہ حرکت کی ہے؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام طلب کئے گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عمل سے انکار نہیں کیا؛ بلکہ بُت پرستی کی نامعقولیت کو واضح کرنے کے لئے سوالیہ انداز میں پوچھا کہ کہیں یہ حرکت اس بڑے بُت نے تو نہیں کی ہے؟ ان ہی سے پوچھ لو، مقصد یہ تھا کہ بُت پرستی کا غلط اور باطل ہونا اچھی طرح واضح ہوجائے، یہ مقصد سیدھی سادی گفتگو سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مقدمہ حکومت وقت کے سامنے پیش ہوا، اس زمانہ میں مذہب سے پھر جانے والوں کی سزا آگ میں زندہ جلا دیا جانا تھا؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے معمولی آگ میں جلانے کی سزا کو کافی نہیں سمجھا گیا؛ اس لئے خاص اہتمام سے لکڑیاں جمع کی گئیں اور بڑے پیمانہ پر ←

وَنَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ
نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ
الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسی سرزمین میں بھیج کر بچالیا، جس میں ہم نے تمام دنیا والوں کے لئے برکت رکھی ہے ﴿۱﴾ ﴿۷۱﴾ ہم نے ان کو انعام کے طور پر اسحاق و یعقوب عطا کیا، نیز ان سب کو نیک و صالح ﴿۲﴾ ﴿۷۲﴾ اور پیشوا بنایا، جو ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کو اچھے کام کرنے، نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری ہی بندگی کیا کرتے تھے۔ ﴿۷۳﴾

← آگ سلگا کر آپ کو اس میں پھینک دیا گیا، جس خدا کے حکم سے آگ جلتی اور جلاتی ہے، اسی خدا نے آگ کو حکم دیا کہ تم ابراہیم کے لئے ٹھنڈی ہوجا اور ایسی ٹھنڈک بھی نہ ہو جو اس کی سلامتی اور حفاظت کے لئے خطرہ بن جائے؛ بلکہ ایک خوشگوار ٹھنڈک پہنچانے والی شئے بن جا، بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام صحت و سلامتی کے ساتھ بڑے پیمانہ پر بھڑکائی ہوئی اِس آگ سے باہر نکل آئے —— اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو بیمار کہنا، یا لوگوں سے سوال کرنا کہ شاید بڑے بُت نے چھوٹے بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا ہو، جھوٹ نہیں تھا، اور اس میں کوئی غلط بیانی نہیں ہے؛ کیوں کہ انبیاء کرام معصوم ہیں اور ان سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا، رہ گیا بعض حدیثوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان باتوں کو کذب (جھوٹ) قرار دینا، (بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۱۷۹) تو عربی زبان میں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ظاہری مشابہت کے بنیاد پر کسی بات کو اسی لفظ سے تعبیر کردیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ارشادات اگرچہ جھوٹ نہیں تھے؛ لیکن چوں کہ بظاہر جھوٹ کی طرح لگتے تھے: اس لئے اس کو جھوٹ سے تعبیر کردیا گیا ہے، (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تفصیلی واقعہ کے لئے اہل ذوق مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ کی فاضلانہ تالیف 'قصص القرآن' سے استفادہ کرسکتے ہیں)۔

﴿۱﴾ یعنی سرزمین شام، جہاں بکثرت انبیاء آئے اور وہاں مدفون ہوئے، واضح ہو کہ جب قرآن مجید نازل ہورہا تھا، اس وقت موجودہ فلسطین بھی شام ہی کا ایک حصہ تھا، ساتھ ہی ساتھ یہاں دنیاوی برکتیں بھی ہیں کہ شام کے قریب ہی خطۂ عرب کا وہ صحراء ہے، جہاں کہیں کہیں کھجور کے باغات کو چھوڑ کر نہ کوئی درخت اُگتا ہے نہ پھل پھول ہوتے ہیں، اور موسم کی شدت بھی سخت تکلیف دہ ہوتی ہے، اس کے قریب ہی سرزمین شام واقع ہے جو سرسبز و شاداب بھی ہے اور خوشگوار آب و ہوا کا حامل بھی۔

﴿۲﴾ غرض کہ صالح اولاد بھی اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائی، یہ بات بظاہر عجیب لگتی ہے کہ ایسے بلند پایہ پیغمبروں کے بارے میں یہ بات کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ہم نے ان کو نیک اور صالح بنایا؟ لیکن اس کی ضرورت اس وقت واضح ہوجاتی ہے، جب بائبل کا مطالعہ کیا جائے کہ اس میں حضرت یعقوب علیہ السلام یہاں تک کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نہایت ناشائستہ الزامات لگائے گئے ہیں۔

وَ لُوۡطًا اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا وَّ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡیَةِ الَّتِیۡ کَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا
قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِیۡنَ ﴿۷۴﴾ وَ اَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ ع ۵ ۴۵ ۵
قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ
کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ اِذۡ
یَحۡکُمٰنِ فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡهِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ ۚ وَ کُنَّا لِحُکۡمِهِمۡ شٰهِدِیۡنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمۡنٰهَا
سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ کُلًّا اٰتَیۡنَا حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ۫ وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ یُسَبِّحۡنَ وَ الطَّیۡرَ ؕ وَ کُنَّا
فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۹﴾

اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم سے نوازا اور اس بستی سے نجات دی، جس کے رہنے والے نہایت گندے کام کرتے تھے، یقیناً وہ بہت بدکار، بُرے اور نافرمان لوگ تھے ﴿۷۴﴾ اور اس کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کرلیا، یقیناً وہ بڑے نیک لوگوں میں تھے ﴿۱﴾ ﴿۷۵﴾ اور (اے رسول!) نوح کا تذکرہ کیجئے، جب (ابراہیم سے) پہلے اس نے (اپنی قوم کے لئے بد) دُعا کی تو ہم نے اس کی دُعا قبول کرلی؛ چنانچہ ہم نے ان کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو بھاری مصیبت سے بچالیا ﴿۷۶﴾ اور ہم نے اس کی ان لوگوں کے مقابلے میں مدد کی، جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا، یقیناً وہ بدترین لوگ تھے، پھر ہم نے اُن سبھوں کو غرق کردیا ﴿۲﴾ ﴿۷۷﴾ اور داؤد و سلیمان کا تذکرہ کیجئے: جب وہ دونوں کھیتی کے بارے میں اِس بات کا فیصلہ کررہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات کے وقت کھیتی کو روند دیا تھا اور ہم خود ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے ﴿۷۸﴾ پھر ہم نے سلیمان کو صحیح فیصلہ سمجھا دیا اور دونوں ہی کو ہم نے حکمت اور علم سے نوازا تھا ﴿۳﴾ نیز ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے تابع کردیا تھا، جو تسبیح کیا کرتے تھے اور یہ سب کچھ ہم نے ہی کیا تھا۔ ﴿۷۹﴾

﴿۱﴾ قوم لوط کا، ان کی برائی کا اور ان پر عذاب کا ذکر سورۂ اعراف آیت نمبر: ۸۰ میں آچکا ہے، قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت کی بیماری تو ان میں تھی ہی، اس کے علاوہ اور بھی گندے کام کیا کرتے تھے، مفسرین نے ان کا ذکر کیا ہے اور خود بائبل میں بھی ان کا ذکر ہے ـــــ یہاں بھی حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ کرکے خاص طور پر ان کی صالحیت اور نیکوکاری کا ذکر فرمایا گیا؛ کیوں کہ بائبل میں حضرت لوط علیہ السلام پر بعض بڑے ہی قبیح الزامات لگائے گئے ہیں، ان کا ذکر کرنے سے بھی ایک صاحبِ ایمان کا دل لرز جاتا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر: ۵۹ اور بعد کی آیات میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت کو چر گئیں، مسئلہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پہنچا، ←

← حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ کھیتی کے نقصان کے بدلہ میں بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں، دونوں فریق جب باہر نکلے تو وہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام موجود تھے، انھوں نے فیصلہ کی تفصیل سنی اور سن کر فرمایا کہ اس کے بجائے ایسا فیصلہ بھی ہوسکتا تھا، جو دونوں فریق کے لئے مناسب ہوتا، پھر وہ فریقین کو لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: اگر ایسا ہو کہ بکریاں کھیت والے کے حوالہ کردی جائیں اور کھیت بکری والے کے حوالہ، کھیت والا بکریوں کے دودھ سے استفادہ کرے اور بکری والا کھیتیاں لگائے، یہاں تک کہ جب کھیتی اس درجہ کو پہنچ جائے جس درجہ کی کھیتی کو بکریاں چر گئی تھیں تو کھیت والے کو اس کا کھیت واپس کردیا جائے اور بکری والے کو اس کی بکریاں، حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ فیصلہ پسند آیا اور انھوں نے اپنے پہلے فیصلہ کو بدل کر اس تجویز کے مطابق فیصلہ نافذ فرمایا، دراصل حضرت داؤد علیہ السلام نے غالباً اس بات کو ملحوظ رکھا کہ کھیتی کا جو نقصان ہوا ہے، وہ ان بکریوں کی قیمت کے برابر ہے؛ اس لئے انھوں نے کھیت والے کو بکریاں دینے کا حکم صادر فرمایا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ایسی متبادل صورت پیش کی جس میں نقصان کی تلافی بھی ہوجائے اور دونوں کی چیز ان کی ملکیت میں باقی رہ جائے، فیصلے دونوں ہی درست تھے؛ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی معاملہ فہمی کا ایک اور واقعہ حدیث میں بھی آیا ہے، جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ دو عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ تھیں، ایک کے بچہ کو بھیڑیا لے گیا، اب دونوں کہنے لگیں کہ بھیڑیا جس بچے کو لے گیا ہے، وہ اس کا نہیں اور جو موجود ہے وہ اس کا ہے، معاملہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پہنچا، انھوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ کیا، غالباً ثبوت وشہادت نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے کبر سنی کو ترجیح دی، جب یہ خواتین باہر نکلیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا: ایسا کرو کہ تم لوگ ایک چاقو لے آؤ، میں اس بچہ کو درمیان سے دو ٹکڑے کردیتا ہوں، دونوں آدھا آدھا لے لو، بڑی تو تیار ہوگئی؛ لیکن چھوٹی نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا کہ اسی کو بچہ دے دو، حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ حقیقی ماں کی ممتا ہے؛ چنانچہ یہی فیصلہ نافذ کیا گیا، (بخاری، کتاب الفرائض، باب إذا ادعت المرأۃ ابناً، حدیث نمبر: ۶۳۸۷) جو قرینہ کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔

قرآن مجید کی اس آیت اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بھی اجتہاد کی اجازت تھی؛ کیوں کہ حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا فیصلہ ان کے اجتہاد ہی پر مبنی تھا؛ البتہ انبیاء کے اجتہاد میں کوئی لغزش ہوجائے تو اللہ کی طرف سے ان کو متنبہ کردیا جاتا ہے، خواہ وحی کے ذریعہ کیا جائے یا کسی اور شخص کے ذریعہ، جیسا کہ اس واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مطلع فرمایا گیا، دوسرے: اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں کی تعریف کی، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر کوئی قاضی حق تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور وہ اس سلسلہ میں پوری کوشش کرے؛ لیکن پھر بھی اس سے چوک ہوجائے تو وہ اجر کا مستحق ہے اور قابل ستائش ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر قاضی حق تک پہنچنے کی بھرپور کوشش یعنی اجتہاد کرے تو اگر وہ درست رائے تک پہنچ گیا تو اس کے لئے دُہرا اجر ہے اور اگر غلطی ہوگئی تب بھی اس کے لئے ایک اجر ہے، (مسلم عن عمرو بن العاص: کتاب الاقضیۃ، باب اجر الحاکم، حدیث نمبر: ۱۷۱۶) تیسرے: اس سے معلوم ہوا کہ اگر قاضی فیصلہ کرچکا ہو؛ لیکن فیصلہ نافذ کرنے سے پہلے وہ محسوس کرے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے اور وہ اس سے رُجوع کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، چوتھے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ جن باتوں کو فیصلہ کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے، ←

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ
الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾
وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور ہم نے اس کو تمہارے لئے زرہ کی صنعت سکھائی تھی ، جو تم کو لڑائی میں ایک دوسرے سے محفوظ رکھے ، تو کیا تم (اب بھی) شکر گزار ہو گے؟ ﴿۸۰﴾ نیز تیز ہوا کو بھی سلیمان کے تابع کر دیا تھا، جو اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی ، جہاں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں ﴿۸۱﴾ اور بعض شیاطین سلیمان کے لئے غوطے لگایا کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کیا کرتے تھے، اور ہم ہی نے ان کو تھام رکھا تھا۔ ﴿۱﴾ ﴿۸۲﴾

← ان میں ایک بنیاد مضبوط قرینہ بھی ہے، پانچویں: ایک قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی کھیتی کو کسی اور شخص کا جانور چر جائے تو شریعت محمدی میں اس کے لئے کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسی طرح کا ایک معاملہ آیا کہ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ایک شخص کے باغ میں گھس گئی اور نقصان پہنچا دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت ، باغ والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے باغ کی حفاظت کریں اور رات کے وقت مویشی والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو باندھ کر رکھیں؛ لہٰذا اگر رات میں کسی کا جانور دوسرے کی کھیتی کو چر جائے تو اس کی تلافی کرنا جانور کے مالک کی ذمہ داری ہوگی ، (مؤطا امام مالک عن حرام بن سعد بن محیصة ، کتاب الاقضیة ، حدیث نمبر: ۴۳۵) چنانچہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی یہی رائے ہے کہ دن میں ہونے والے نقصان کی ذمہ داری جانور کے مالک پر ہوگی ، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جانور جو نقصان پہنچائے ، اس کا کوئی تاوان نہیں ؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''العجماء جرحها جبار'' (بخاری، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۵۱۴) یعنی جانور کسی کو جو جسمانی نقصان پہنچائے ، اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا؛ اسی لئے ان کے نزدیک حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی روایت کا حکم ابتدائی دور کا تھا، جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ (قرطبی: ۱۱/ ۳۱۵)

﴿۱﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے بعض ان خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو اللہ کی طرف سے دیئے گئے تھے، ان میں ایک یہ ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے تو آپ کے ساتھ ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی تسبیح کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے نغمے گاتے تھے، بائبل میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، (زبور: ۱۴۸: ۹-۱۳) دوسرے: آپ کو لوہے کو نرم کرنے اور اس سے زرہ بنانے کا فن عطا کیا گیا تھا، گویا آپ فن زرہ سازی کے موجد ہیں، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ صنعت و حرفت ایک اچھی چیز ہے اور اس کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنانا چاہئے؛ چنانچہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کاشتکار تھے، حضرت نوح علیہ السلام کارپینٹر کا کام کرتے تھے، حضرت لقمان علیہ السلام کپڑے سِلا کرتے تھے، طالوت چمڑوں کی صفائی کا کام کیا کرتے تھے، (قرطبی: ۱۱/ ۳۲۱) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن کو پسند فرماتے ہیں، جو صنعت وحرفت سے آگاہ ہو: ''إن الله يحب المؤمن المحترف'' (طبرانی فی الکبیر: ۱۲/ ۳۰۸، حدیث نمبر: ۱۳۲۰۰) اس لئے مسلمانوں کو صنعت وحرفت کی جانب خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ ←

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ایوب کا تذکرہ کیجئے، جب اس نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہ مجھ پر سخت تکلیف آپڑی ہے اور آپ تمام مہربانی کرنے والوں سے بڑھ کر مہربان ہیں ﴿۸۳﴾ تو ہم نے ان کی فریاد سن لی، پھر ان کی تکلیف دور کردی، اور ہم نے ان کو گھر والے بھی دیئے اور ان کے ساتھ ان ہی کے برابر اور لوگ بھی، جو ہماری طرف سے خصوصی فضل وکرم تھا، اور اس لئے کہ یہ عبادت گذار لوگوں کے لئے سبق ہو جائے۔ ﴿۱﴾ ﴿۸۴﴾

← حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا پر تصرف کی طاقت دی گئی تھی، وہ جس طرف ہوا کو چلنے کا حکم دیتے، وہ اس طرف چلا کرتی تھی، اسی طرح جنات پر بھی ان کو قابو دیا گیا تھا، یہاں تک کہ وہ ان کے حکم سے سمندر میں ڈبکی لگا کر موتیاں نکالا کرتے تھے؛ لیکن بہر حال یہ سب کچھ حضرت داؤد علیہ السلام یا حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنی طاقت نہیں تھی؛ بلکہ اللہ ہی کے حکم سے انھیں یہ طاقت حاصل تھی، جس کو قرآن نے یہاں وضاحت سے بیان کر دیا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء کے معجزات ان کے نبی ہونے کی دلیل ہیں نہ کہ ان کے خدا ہونے کی۔

﴿۱﴾ حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے صاحبزادہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بھائی ''عیص'' کی اولاد میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پانچویں پشت میں تھے، یہ فلسطین کے قریب ''عوض'' نامی جگہ کے رہنے والے تھے، بائبل میں تفصیل سے ان کا واقعہ آیا ہے؛ بلکہ ان کے نام سے مستقل ایک صحیفہ بائبل میں شامل ہے، یہ ابتداءً بہت صاحب ثروت لوگوں میں تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شیطان نے آزمائشوں میں مبتلا کر دیا، کھیتیاں جل گئیں، مویشی مر گئے، مکان دب گیا، جس میں بچوں کی موت واقع ہوگئی، نوکر چاکر دشمنوں کے ہاتھ مارے گئے، پھوڑوں کی بیماری کچھ اس طرح مسلط ہوگئی کہ سر سے پاؤں تک زخم ہی زخم نظر آتے تھے اور ان زخموں سے کیڑے نکلتے تھے؛ یہاں تک کہ لوگوں نے آبادی سے باہر نکال دیا؛ لیکن اللہ کے اس صابر بندے نے کبھی اُف نہ کیا اور صبر کی تصویر بنے رہے، پھر آخر اللہ کے حضور اپنی مصیبت کی فریاد کی اور اللہ نے اس شان سے یہ دُعا قبول فرمائی کہ آل و اولاد اور مال و دولت پہلے سے بھی بڑھ کر عنایت فرمائی اور عمر بھی خوب دی، حکم خداوندی کے تحت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا، جس سے گرم پانی کا چشمہ جاری ہوگیا، حضرت ایوب علیہ السلام نے اس میں غسل کیا اور آناً فاناً ساری بیماری جاتی رہی، (قرطبی: ۱۱/۳۲۶)، تورات کے صحیفہ ایوب میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے، جس پر پورا پورا بھروسہ تو نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آزمائش کی یہ مدت بھی سال دو سال کی نہ تھی بلکہ اچھی خاصی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق اٹھارہ سال تھی، (قرطبی: ۱۱/۳۲۷) —— مصیبت و آزمائش کے اس دور میں بیوی نے وفاداری کا حق ادا کیا اور ایک لغزش کی وجہ سے وفادار بیوی بھی آزمائش کا شکار ہوئیں، جس کا ذکر سورۂ صٓ، آیت نمبر: ۴۴ میں آیا ہے۔

←

وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا بھی تذکرہ کیجئے، یہ سب ہی ثابت قدم رہنے والے تھے ﴿۸۵﴾ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا تھا، یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے تھے ﴿۱﴾ ﴿۸۶﴾ اور مچھلی والے (یونس) کا ذکر کیجئے کہ وہ خفا ہوکر چل دیئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ ہم ان کی پکڑ نہیں کریں گے، پھر وہ تاریکیوں ہی میں فریاد کرنے لگے: آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یقیناً میں قصوروار ہوں۔ ﴿۸۷﴾

← حضرت ایوب علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی تکلیف کی فریاد کی، یہ کوئی شکایت نہیں تھی کہ اسے بے صبری سمجھا جائے؛ بلکہ یہ ایک دُعا تھی اور دُعا تو بندگی اور عبدیت کا مظہر ہوتی ہے؛ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فاستجبنا له'' (ہم نے ان کی دُعا قبول کرلی) حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام کردیا گیا ہے؛ لہٰذا قبر میں زمین انبیاء کے جسم کو نہیں کھا سکتی، (دیکھئے: المنتقی شرح الموطا، جامع الجنائز: ۳۱/۲، فیض القدیر للمناوی: ۸۷/۲) کیوں کہ مٹی کے نہ کھانے کا تعلق وفات کے بعد سے ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان کے جسم مٹی نہ ہوجائیں گے اور حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیماری کا ہے اور بیماری سے انبیاء بھی دوچار ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿۱﴾ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام دو مشہور پیغمبر ہیں، جن کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے، اس آیت میں ان دونوں کے ساتھ ساتھ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، بعض حضرات نے ان کو نبی قرار دیا ہے؛ لیکن زیادہ تر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ نبی نہیں تھے؛ بلکہ ایک صالح اور برگزیدہ شخص تھے، اور اس پر بھی قریب قریب اتفاق ہے کہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی گناہوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور کوئی گناہ ایسا نہیں تھا کہ جس کا ارتکاب نہیں کیا ہو، ایک بار ایسا ہوا کہ ایک عورت ان کے پاس آئی، انھوں نے اس کو اس شرط پر ساٹھ دینار دیئے کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کریں گے، پھر جب وہ اس فعل کے لئے اس طرح بیٹھے جیسے ایک مرد ایک عورت کے مقابلہ میں بیٹھتا ہے تو عورت رونے اور لرزنے لگی، ذوالکفل نے سبب پوچھا اور کہا کہ کیا میں نے تم کو اس پر مجبور کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں؛ لیکن میں نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی اور مجھ سے میری مجبوری اس فعل کا ارتکاب کروا رہی ہے، ذوالکفل یہ سن کر اُٹھ گئے اور اسے واپس کردیا اور قسم کھائی کہ اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے، اتفاق سے اسی دن ان کا انتقال ہوگیا اور صبح میں ان کے دروازہ پر یہ تحریر لکھی ہوئی ملی: ''إن الله قد غفر لذی الكفل'' (بے شک اللہ نے ذوالکفل کو معاف کردیا ہے) امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اسی کو حسن یعنی ایک درجہ میں معتبر مانا ہے، (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق، حدیث نمبر: ۲۴۹۶) اسی لئے مفسرین کا خیال ہے کہ ذوالکفل اصل نام نہیں ہے؛ بلکہ ان بزرگ شخصیت کا لقب ہے، جس کے معنی ہیں: ''دُہرا اجر پانے والا''۔ (خلاصہ از تفسیر قرطبی: ۳۲۷/۱۱، ۳۲۸)

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـنۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۸﴾ وَ زَكَرِیَّاۤ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ
رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿۸۹﴾ۚۖ

چنانچہ ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دے دی، اسی طرح ہم ایمان والوں کو بچالیا کرتے ہیں «۱» ﴿۸۸﴾ اور زکریا کو بھی یاد کرو، جب اس نے اپنے رب سے فریاد کی : اے میرے رب ! مجھے لاوارث نہ چھوڑیئے اور آپ ہی سب سے بہتر وارث ہیں۔ ﴿۸۹﴾

«۱» ''نون'' کے معنی مچھلی کے ہیں، ''ذوالنون'' کے معنی ہوں گے مچھلی والے، یہ حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے؛ کیوں کہ ان کو مچھلی نے نگل لیا تھا، ان کا واقعہ یوں ہے کہ وہ عراق کے شہر ''نینوا'' میں نبی بنا کر بھیجے گئے، انھوں نے قوم کو ایمان کی طرف دعوت دی؛ لیکن قوم کی طرف سے سرکشی اور انکار کا سلسلہ جاری رہا، آخر انھوں نے ان کے لئے بددُعا کی اور انھیں خبر دے دی کہ اللہ کی طرف سے ان پر عذاب بھیجا جائے گا، پھر عذاب کے آثار بھی ظاہر ہونے لگے، عام طور پر جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پیغمبر اور ان کے صالح رفقاء کو وہاں سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوتا ہے، اس خیال سے حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے نکل پڑے، اِدھر صورت حال یہ پیش آئی کہ جب عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے تو پوری قوم نے مل کر دُعا کی اور اللہ کے حضور خوب آہ وزاری کی، بالآخر یہ عذاب ان سے ٹل گیا، اِدھر حضرت یونس علیہ السلام نے دریائی راستہ سے کسی طرف جانا چاہا اور کشتی میں سوار ہوئے؛ لیکن ہوا یہ کہ کشتی ڈولنے اور ہچکولے کھانے لگی، کشتی چلانے والے نے کہا کہ شاید کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے اور اسی کی نحوست سے ایسا ہو رہا ہے، اسے کشتی سے کود جانا چاہئے؛ تا کہ اور لوگوں کی جان بچے، حضرت یونس علیہ السلام کو فوراً خیال ہوا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے تھا، میں اس سے پہلے ہی نکل آیا، یہ میری خطا ہے، کہنے لگے کہ میں ہی وہ بھاگا ہوا غلام ہوں؛ چنانچہ دریا میں کود گئے اور اللہ کے حکم سے ایک مچھلی نے انھیں نگل لیا، پھر چوں کہ یہ سب کچھ حکم الٰہی کے تحت ہوا تھا، اس لئے مچھلی کے پیٹ میں زندہ وسلامت رہے اور وہیں اللہ کے حضور گریہ وزاری کرنے لگے کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں خطا کار ہوں، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے ساحل پر انھیں اُگل دیا اور حضرت یونس علیہ السلام صحیح سالم اور محفوظ زمین پر واپس آگئے، اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس میں حضرت یونس علیہ السلام کی کوئی کوتاہی نہیں تھی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے بغیر نکل جانا ان کی ایک اجتہادی لغزش تھی، جو عام لوگوں کے حق میں قابل گرفت بھی نہیں ہوتی؛ لیکن انبیاء کے مرتبہ ومقام کے لحاظ سے اتنی سی بات پر بھی ان کی گرفت ہو جاتی ہے، اس آیت میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام خفا ہو کر چل دیئے، اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی قوم کے مسلسل انکار اور کفر پر اصرار کی وجہ سے خفا ہو کر چلے گئے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خفا ہو کر چلے گئے، بھلا کوئی پیغمبر خدا سے بھی خفا ہو سکتا ہے؟ آیت میں جو تاریکیوں کا ذکر آیا ہے کہ انھوں نے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ سے دُعاء والتجا کی، یہ اس لئے کہ اس میں کئی تاریکیاں جمع ہو گئی تھیں، مچھلی کے پیٹ کی، پانی کے اندر کی اور رات کے وقت کی، (اس واقعہ کی بعض تفصیل سورۂ یونس میں آچکی ہے اور بعض سورۂ صافات میں آگے آئے گی)۔

←

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبۡنَا لَهٗ یَحۡیٰی وَاَصۡلَحۡنَا لَهٗ زَوۡجَهٗ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ
وَیَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ کَانُوۡا لَنَا خٰشِعِیۡنَ ﴿۹۰﴾ وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا
مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَ ابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ۖ وَّ اَنَا رَبُّکُمۡ
فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾

چنانچہ ہم نے ان کی دُعا قبول کرلی، ان کو یحییٰ سے نوازا اوران کے لئے ان کی بیوی کوبھی اچھا کردیا،﴿۱﴾ یہ سب اچھے کاموں کی طرف لپکتے تھے، اُمیداورخوف کے ساتھ ہم کو پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے رہتے تھے ﴿۹۰﴾ اوراس خاتون کا بھی ذکر کیجئے ،جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی ، ہم نے اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونک دی اور ہم نے اس کواوراس کے بیٹے کوتمام دنیاوالوں کے لئے نشانی بنادیا﴿۲﴾ ﴿۹۱﴾ (اے لوگو!) یہ تمہارادین ہے،ایک ہی دین،﴿۳﴾ (جس کو لے کرتمام انبیاء آتے رہے ہیں)اور میں ہی تم لوگوں کا رب ہوں؛لہٰذا میری ہی عبادت کیا کرو۔﴿۹۲﴾

← اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ کے سامنے جھکا رہنا چاہئے ،اوراپنے گناہوں کے اعتراف میں اس کو ذرا بھی تامل نہ ہونا چاہئے ،حضرت یونس علیہ السلام اپنے عمل کی توجیہ کرسکتے تھے اوراپنا عذر پیش کرسکتے تھے؛لیکن انھوں نے یہ سب کچھ نہیں کیااوراللہ کے سامنے اپنی غلطی کے اعتراف کے ساتھ اپنی درخواست پیش کرنے لگے —— حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان کسی ضرورت کے لئے ان الفاظ (لا إله ، إلا انت سبحانک ، إنی کنت من الظالمین) سے دُعا کرے گا، اس کی دُعا قبول کی جائے گی ، (ترمذی، باب جامع الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۰۵) خود قرآن مجید میں اس دُعا پر اللہ تعالیٰ کی قبولیت اورحضرت یونس علیہ السلام کو غم سے نجات عطا کرنے کا جوذکرآیاہے، اس میں بھی اس بات کا اشارہ موجود ہے۔

﴿۱﴾ یعنی ان کی بیوی کا بانجھ پن دور کردیا —— حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ سورۂ آل عمران، آیت نمبر: ۳۷-۳۹ میں گزرچکا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت مریم علیہا السلام کے فرزند سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، اوراپنی روح پھونکنے سے مراد یہ ہے کہ عام لوگوں کی پیدائش ماں باپ کے واسطہ سے ہوتی ہے؛لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے واسطے کے بغیر پیدا ہوئے اوراللہ نے خصوصی طور پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کوروح پھونکنے کے لئے مقرر فرمایا، یہ واقعہ سورۂ آل عمران، آیت نمبر: ۴۵-۴۸ میں گزرچکا ہے۔

﴿۳﴾ اُمت ان لوگوں کے مجموعہ کو بھی کہتے ہیں جوکسی ایک فکر وعقیدہ کے حامل ہوں؛لیکن یہاں اس سے دین مراد ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۱/۳۳۸) مطلب یہ ہے کہ دین حق ہمیشہ سے ایک ہی رہاہے اورتمام پیغمبروں نے اسی کی دعوت دی ہے۔

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ ع ۶ ۱۸
فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾
حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ
الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ
هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ
وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(لیکن) لوگوں نے آپس میں اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے؛ (مگر) سب ہماری ہی طرف واپس آئیں گے، ﴿۹۳﴾
پس جو نیک عمل کرے اور وہ مسلمان بھی ہو تو اس کی کوشش اکارت نہ ہوگی اور ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۹۴﴾
اور جس بستی (کے رہنے والوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے، ان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) لوٹ کر آئیں ﴿۹۵﴾
یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے چلے آئیں گے ﴿۲﴾ ﴿۹۶﴾ نیز سچا
وعدہ قریب آجائے گا تو ان لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، جنھوں نے کفر کیا، (وہ کہیں گے:) ہائے
ہماری ہلاکت! ہم تو اس سے غفلت میں تھے؛ بلکہ ہم ہی قصوروار تھے ﴿۹۷﴾ (اے ایمان نہ لانے والو!) یقیناً تم
لوگ اور اللہ کے سوا وہ تمام چیزیں جن کی تم پوجا کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہیں، تم کو اسی میں داخل ہونا ہے ﴿۹۸﴾
اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جھونکے جاتے اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ ہمیش پڑے رہیں گے، ﴿۹۹﴾
اس میں ان لوگوں کا شور وغل ہوگا اور وہ اس میں کچھ بھی نہیں سن پائیں گے، ﴿۱۰۰﴾ جن کے لئے ہماری طرف سے بہتر
انجام کا فیصلہ ہو چکا ہے (یعنی: ایمان والے)، وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، ﴿۱۰۱﴾ وہ (جنت میں جانے کے بعد)
اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں میں رہیں گے۔ ﴿۱۰۲﴾

﴿۱﴾ یعنی بظاہر کتنا بھی اچھا عمل ہو، اگر ایمان نہیں ہے تو آخرت میں اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔

﴿۲﴾ یاجوج ماجوج کا ذکر سورۂ کہف آیت نمبر: ۹۴ کے تحت آچکا ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ ہر بلندی وپستی میں پھیل جائیں گے اور پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ ؕ کَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ
اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ
الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ
اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُکُمْ
عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ
وَیَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ان کو (قیامت کی) بڑی گھبراہٹ بھی پریشانی میں نہ ڈالے گی، اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) ان کا استقبال کریں گے: یہی تمہارا وہ دن ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ﴿۱۰۳﴾ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے کاغذات کو فائل میں لپیٹ دیا جاتا ہے، جیسے ہم نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، ہم (اس کو) کر کے رہیں گے ﴿۱۰۴﴾ اور ہم ''ذکر'' (یعنی: لوح محفوظ) میں لکھنے کے بعد ''زبور'' (یعنی آسمانی کتابوں) میں بھی لکھ چکے ہیں کہ میرے نیک بندے ہی (جنت کی) زمین کے وارث ہوں گے، ﴿۱﴾ ﴿۱۰۵﴾ یقیناً اس میں عبادت کرنے والوں کے لئے ایک بڑا پیغام ہے ﴿۱۰۶﴾ اور (اے رسول!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے، ﴿۱۰۷﴾ آپ کہہ دیجئے! میرے پاس تو صرف یہی وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا صرف ایک ہی خدا ہے، تو کیا تم تسلیم کرتے ہو؟ ﴿۱۰۸﴾ پھر اگر وہ منھ پھیر لیں تو کہہ دیجئے: میں نے تم کو واضح طور پر باخبر کر دیا ہے، اور مجھے نہیں معلوم کہ جس چیز (یعنی قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ نزدیک ہے یا دُور؟ ﴿۱۰۹﴾ یقیناً اللہ بلند آواز میں کہی ہوئی بات کو بھی جانتے ہیں، اور جس بات کو تم چھپاتے ہو، اسے بھی جانتے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۱۰﴾

﴿۱﴾ اگرچہ ''ذکر، زبور اور ارض'' (زمین) سے کیا مراد ہے؟ اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے؛ لیکن راجح وہی ہے جس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ، زبور سے مراد آسمانی کتابیں اور زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۳۴۹)

﴿۲﴾ یعنی شرک و گمراہی کی جو باتیں تم کھلے عام کرتے ہو، وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں اور جو مشرکانہ افعال چھپ کر کرتے ہو، وہ بھی اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

وَ اِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّہٗ فِتۡنَۃٌ لَّکُمۡ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ
الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۹

النصف

اور مجھے نہیں معلوم (کہ وعدۂ الٰہی کب پورا ہوگا؟) ممکن ہے اس میں تمہاری آزمائش اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچانا (اللہ تعالیٰ کا مقصد) ہو ﴿۱۱۱﴾ (آخر) پیغمبر کہہ پڑے: اے میرے رب! حق کا فیصلہ فرما دیجئے، اور ہمارے پروردگار نہایت مہربان ہیں، تم جو باتیں گھڑتے ہو، ہم اس پر اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ ﴿۱۱۲﴾

سُورَةُ الحَجّ

- سورہ نمبر : (۲۲)
- رکوع : (۱۰)
- آیتیں : (۷۸)
- نوعیت : مدنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ کی تعمیر مکمل کرلی تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ حج کا اعلان کردو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو ان تمام لوگوں تک پہنچادیا، جن کے لئے حج مقدر ہے؛ اسی سورہ میں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورہ کا نام ''سورۂ حج'' ہے۔

اس سورہ میں خاص طور پر قیامت کے احوال، دوبارہ زندہ کئے جانے کے دلائل اور جنت و دوزخ کی کیفیات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، نیز حج کے شعائر، حج کی فرضیت، قربانی اور جہاد فرض کئے جانے کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ کو اہل مکہ کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی تھی، اس پر آپ ﷺ کی دلداری کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں وقدرتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اخیر میں نماز، زکوٰۃ اور جہاد کا ذکر فرماتے ہوئے دین کے اس بنیادی اُصول کو واضح کیا گیا ہے کہ اس دین وشریعت کی بنیاد ناقابل برداشت مشقت وحرج پر نہیں ہے؛ بلکہ سہولت ووسعت پر ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ
مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ
بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ
السَّعِيْرِ ۝۴ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي
الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى
الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، یقیناً
قیامت کا زلزلہ ایک زبردست واقعہ ہوگا، ۝۱ جس دن تم دیکھو گے کہ تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچے کو
بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہوجائے گا اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ نشے میں (بدحواس) ہیں؛ حالاں کہ
وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے؛ لیکن اللہ کا عذاب ہی بہت سخت ہوگا ۝۲ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے
سلسلہ میں علم وواقفیت کے بغیر جھگڑے کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرنے لگتے ہیں ۝۳ جس کے حق
میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کو دوست بنائے گا، وہ اس کو گمراہ کردے گا اور بھڑکتی ہوئی دوزخ کے عذاب کی طرف
لے جائے گا ۝۴ اے لوگو! اگر تم کو دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں شک وشبہ ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم
لوگوں کو مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پھر بوٹی سے جو پوری ہوتی ہے اور (بعض)
ادھوری (رہ جاتی ہے)؛ تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت کو) اچھی طرح واضح کردیں، اور ہم جس (حمل) کو
چاہتے ہیں، رحم میں ایک متعین مدت تک ٹھہرائے رہتے ہیں، پھر تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں، پھر اس وقت تک تم
میں سے بعض کو (زندہ رکھتے ہیں) جب تم اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض کو (اس سے پہلے ہی) موت
دے دی جاتی ہے اور بعض وہ ہیں جو زیادہ نکمی عمر (یعنی انتہائی بوڑھاپے) تک پہنچائے جاتے ہیں؛ تاکہ وہ جس چیز کو سمجھ
چکے تھے، بعد میں (اس کو) نہ سمجھ پائیں، ﴿۱﴾ اور (یہ بات بھی قابل غور ہے) کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ سوکھی ہوئی ہے،
پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو تروتازہ ہوجاتی ہے، پھولتی ہے اور قسم قسم کے خوشنما پودے اُگاتی ہے۔ ۝۵

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ
لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا
خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹

یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ ہی برحق ہیں، وہی بے جانوں میں جان ڈالتے ہیں اور وہی ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۱﴾ ۝۶ نیز یقیناً قیامت آنے والی ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں اور (جب آئے گی تو) ضرور اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے، جو قبروں میں ہیں، ۝۷ اور بعض لوگ وہ ہیں جو بلا علم، بلا دلیل اور بغیر کسی روشن (آسمانی) کتاب کے تکبر کرتے ہوئے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں؛ تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستے سے ہٹا دیں، دنیا میں اس کے لئے رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ ﴿۲﴾ ۝۸ ۝۹

← ﴿۱﴾ یعنی انسان کو دوبارہ پیدا کئے جانے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ ہی نے اس کو پہلے بھی پیدا کیا ہے اور اس طرح پیدا کیا ہے کہ اسے مختلف مرحلوں سے گزارا گیا ہے، پہلا مرحلہ اس کے مٹی ہونے کا ہے، یعنی انسان کا وجود زمین سے نکلنے والے مختلف اجزاء سے تیار ہوتا ہے، جیسے: مٹی، لوہا، چونا، نمک اور شکر وغیرہ، یہ اجزاء ماں باپ کے جسم میں بکھری ہوئی شکل میں موجود ہوتے ہیں، یا اس سے مراد انسان اول یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و پیدائش ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست مٹی ہی کو ذریعہ بنایا تھا، پھر اس کے بعد وہ نطفہ کی شکل اختیار کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق چالیس دنوں تک وہ اسی حالت میں عورت کے رحم میں رہتا ہے، پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے اور چالیس دن اس کیفیت میں رہتا ہے، اگلے چالیس دن میں گوشت بن جاتا ہے، اگر ایک مکمل انسان کی تخلیق مقصود نہیں ہوتی ہے تو اس گوشت پر شکل وصورت نہیں بنتی اور روح نہیں پیدا ہوتی ہے، اللہ کے حکم سے وہ ساقط ہو جاتا ہے اور اللہ کو پیدا کرنا منظور ہوتا ہے تو حمل کی مدت پوری ہوتی ہے، پھر انسان ایک کمزور بچے کی شکل میں پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ بھرپور جوانی تک پہنچ جاتا ہے، پھر بعضوں کا انتقال جوانی، ادھیڑ عمر یا ایسے بوڑھاپے میں ہوتا ہے، جب عقل و ہوش میں کوئی فرق نہیں آتا اور بعض دفعہ اللہ کی طرف سے بوڑھاپے کی ایسی عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے، جب انسان کی عقل وفہم میں خلل آجاتا ہے اور بالآخر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، دنیوی زندگی کے ان تمام مرحلوں کے بعد اب ایک آخری مرحلہ یہ ہے کہ قیامت میں اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو جو خدا انسان کو پیدا کرنے اور ان تمام مرحلوں سے گزارنے پر قادر ہے، وہ اس آخری مرحلہ کو کیوں انجام نہیں دے سکتا؟
—— اس آیت میں انسانی تخلیق کے جو مراحل بیان کئے گئے ہیں، موجودہ دور کی سائنسی تحقیق اس سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے، آیت میں جس ''ارذل عمر'' یعنی عقل و ہوش گم کردینے والے بوڑھاپے کا ذکر آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پناہ چاہی ہے، آپ نے اپنی دُعا میں فرمایا: ''أعوذ بک من أن أرد إلیٰ أرذل العمر''۔ (سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، حدیث نمبر: ۵۴۴۵)

﴿۱﴾ یعنی جیسے اللہ مردہ زمین کو بارش کے ذریعہ زندہ کردیتے ہیں اور جو زمین گھاس اُگانے کے بھی لائق نہیں رہتی، اس سے قسم قسم کے پودے اُگا دیتے ہیں، کیا اس کے لئے یہ بات کچھ دشوار ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ زندہ کردے؟ ←

ع ۸
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝۱۰ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى
حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ اۨطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ اۨنۡقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ ۚ خَسِرَ
الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ۝۱۱ يَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَ مَا لَا
يَنۡفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ ۝۱۲ يَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ ؕ لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰى
وَلَبِئۡسَ الۡعَشِيۡرُ ۝۱۳ اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ
تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ۝۱۴

(ان سے کہا جائے گا:) یہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور یقیناً اللہ بندوں کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں کرتے ۝۱۰ اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ جیسے وہ کنارے پر کھڑے ہوں، پھر اگر کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہے تو اس پر مطمئن ہوجاتے ہیں، اور کوئی آزمائش آتی ہے تو اُلٹے منھ پھر جاتے ہیں، دنیا بھی گئی اور آخرت بھی، یہی تو کھلا ہوا نقصان ہے!《۱》 ۝۱۱ اور وہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتا ہے، جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ فائدہ، یہی تو آخری درجہ کی گمراہی ہے، ۝۱۲ وہ اس کی عبادت کرتا ہے، جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، کیا ہی برا ہے ایسا آقا، اور کیا ہی برا ہے ایسا ساتھی! ۝۱۳ جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، بے شک اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ۝۱۴

← 《۲》 بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے، جو قرآن مجید کے بارے میں اعتراضات کیا کرتا تھا اور فرشتوں کو اللہ کے بیٹے قرار دیتا تھا، (قرطبی: ۱۲/ ۱۵) لیکن اس طرح کے لوگ ہر دور میں پیدا ہوتے رہیں گے، جو اسلام کے بارے میں صحیح واقفیت سے محروم ہوں گے اور کسی معقول دلیل یا الہامی کتاب کے حوالوں کے بغیر اسلام کو نشانہ بنائیں گے، موجودہ دور میں مغربی دنیا کے معترضین کی بھی کم و بیش یہی صورت حال ہے۔

《۱》 ہمیشہ جب دعوتِ حق شروع ہوتی ہے تو تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک: وہ جو اس پر لبیک کہتے ہیں اور اِس کے معاون و مددگار بنتے ہیں، دوسرے: وہ مخالفین جو کھل کر اس کی مخالفت کرتے ہیں، تیسرے: وہ طبقہ ہوتا ہے جو دیوار کی بلی بن کر صورت حال کو دیکھتا رہتا ہے، اگر مسلمانوں کو کوئی مادی فائدہ حاصل ہوگیا تو ان کی طرف آجاتا ہے اور اگر نقصان ہوگیا تو کفر کی طرف واپس ہوجاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں منافقین کی یہی صورت حال تھی، ان میں بعض یہودی تھے، بعض مشرک اور بعض دیہات کے رہنے والے لوگ، مفسرین نے ایسا مزاج رکھنے والے مختلف افراد اور گروہوں کا نام لیا ہے، مگر ان سب میں مشترک بات یہی ہے کہ وہ وقتی فائدہ کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے؛ لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ
لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ
يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٔيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ
وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖۗ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ
وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ
يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾

السجدۃ ۲

جس کو یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی دنیا وآخرت میں مدد نہیں کریں گے، اس کو چاہئے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے، پھر (وحی کا رابطہ) کاٹ ڈالے، اور دیکھے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس چیز (یعنی وحی) کو ختم کرسکتی ہے، جو اس شخص کے غیظ وغضب کا باعث ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾ اور قرآن کو ہم نے اسی طرح اُتارا ہے، جو واضح دلیلوں پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتے ہیں، ہدایت سے نوازتے ہیں، ﴿۱۶﴾ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں، یہودیوں، صابیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ضرور فیصلہ فرمادیں گے، یقیناً ہر چیز اللہ کے سامنے ہی ہے، ﴿۱۷﴾ (اے لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے، وہ اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے آدمی اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، ﴿۲﴾ اور بہت سے لوگ وہ ہیں، جو عذاب کے مستحق ہوچکے ہیں، اللہ جس کو ذلیل کردیں، اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا، یقیناً اللہ جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں۔ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی مدد فرمایا کرتے ہیں، تو اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہ ہو تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کسی طرح آسمان پر پہنچ جائے اور اللہ اور اس کے رسول کے درمیان وحی کا جو رابطہ ہے اس کو ختم کردے؛ کیوں کہ جب وحی کا رابطہ ختم ہوجائے گا اور رسول اللہ ﷺ سے نبوت چھین لی جائے گی، تبھی اللہ کی مدد آپ سے ختم ہوسکے گی اور ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں، اس کی ایک اور تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ''سماء'' سے چھت مراد ہے، کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی کامیابی اور اللہ کی طرف سے آپ کی مدد گوارا نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ چھت سے رسی لٹکا کر پھانسی لے لے، یہی ایک شکل ہے کہ جس سے اس کا غصہ ختم ہوسکتا ہے، کہ جب زندگی ہی باقی نہیں رہے گی تو غصہ کیوں کر باقی رہے گا؟ (قرطبی: ۱۱/۳۱)

﴿۲﴾ یعنی دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو پورا کرنے میں لگی ہیں، کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ سورج نہیں نکلا ہو یا اس نے روشنی دینے سے انکار کردیا ہو، یا سمندر نے اپنے بہاؤ کو روک لیا ہو، دنیا کی ساری چیزیں ہر وقت اللہ کے احکام کی پابند رہتی ہیں ←

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ
مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۟﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ۟﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ
حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ
ع ۲/۱۲ الْحَرِیْقِ ۟﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۲۳﴾

یہ (ایمان والے اور ایمان نہ لانے والے) دو فریق ہیں، جنھوں نے اپنے پروردگار کے سلسلے میں آپس میں اختلاف کیا تو جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ہے، ان کو آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا، ﴿۱۹﴾ اس گرم پانی سے ان کے پیٹ کی چیزیں اور کھالیں سب گل جائیں گی، ﴿۲۰﴾ اور ان کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، ﴿۲۱﴾ جب جب وہ گھٹن کی وجہ سے اس سے نکلنا چاہیں گے تو اسی میں واپس دھکیل دیئے جائیں گے اور (ان سے کہا جائے گا:) جلتی آگ کا مزا چکھتے رہو! ﴿۲۲﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ایسے باغوں میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۳﴾

← اور وہ پیدائشی و تکوینی طور پر اس پر قائم ہیں، صرف انسان ہی کا ایک گروہ ہے، جو سرکشی اور نافرمانی کرنے لگتا ہے اور اللہ کے احکام کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔

﴿۱﴾ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں (حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم) اور مشرکین مکہ (عتبہ، شیبہ اور ولید) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو غزوہ بدر میں ایک دوسرے کے مدمقابل آئے اور یہ تینوں مشرکین مارے گئے (تفسیر خازن: ۳/ ۲۵۲) لیکن ظاہر ہے کہ اگرچہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی ہے؛ لیکن اس سے مراد ہر دور میں پائے جانے والے مسلمان اور دشمنانِ اسلام ہیں کہ ایمان نہ لانے والے دوزخ میں داخل کئے جائیں گے؛ وہاں ان کے جسم کے ظاہری حصہ پر بھی عذاب ہوگا کہ ان کو آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے اور اندرونی حصہ پر بھی ہوگا کہ ان پر ایسا گرم پانی ڈالا جائے گا کہ آنتیں تک گل جائیں گی اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس عذاب سے باہر نکل نہیں سکیں گے، اس کے مقابلہ اہل جنت کو اچھی پوشاک بھی ملے گی اور اچھی خوراک بھی، خوبصورت ماحول بھی، زیب و زینت کی جو چیزیں دنیا میں ان کے لئے حرام تھیں، وہاں ان کے لئے حلال ہوجائیں گی، دنیا میں مردوں کو سونا یا زیور پہننے اور ریشم کا لباس پہننے کی ممانعت تھی؛ لیکن وہاں انھیں سونے کے کنگن، موتی کے زیورات اور ریشم کے لباس پہنائے جائیں گے۔

وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَ هُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۣ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ
وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ ۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ
الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

ع ۳ / ۱۰

اور (یہ اس لئے کہ) وہ درست بات (یعنی دین اسلام) تک پہنچ گئے تھے اور اس ہستی کا راستہ پا لیا تھا، جو قابل تعریف ہے، ﴿۲۴﴾ یقیناً جو لوگ کفر پر اڑے ہوتے ہیں اور اللہ کے راستے سے نیز مسجد حرام سے روکتے ہیں —— جس کو ہم نے تمام لوگوں کے لئے بنایا ہے کہ اس (کی حدود) میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا (دونوں اس میں) برابر ہے —— اور جو اس میں ناحق زیادتی کرنا چاہے گا، ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۲۵﴾ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور ہدایت کی) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے بچے ہی رہنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں نیز قیام، رُکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفر کے علاوہ اہل مکہ کے دو اور گناہوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی اسلام سے روکتے ہیں، دوسرے: مسجد حرام میں آنے اور حج وعمرہ کرنے سے باز رکھتے ہیں، یہاں مسجد حرام سے اکثر اہل علم کے نزدیک پورا حرم شریف مراد ہے؛ کیوں کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کے موقع سے مسجد حرام کو آنے سے نہیں روکا؛ بلکہ جہاں حرم کی حد شروع ہوتی ہے، وہیں سے روک دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۳۲) اہل مکہ اس زعم میں لوگوں کو مسجد حرام کے طواف سے روک دیتے تھے کہ وہ مکہ کے رہنے والے ہیں، اس لئے وہی اس کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ حرم شریف پر سب کا برابر کا حق ہے، خواہ وہ حرم کے اندر رہتا ہو یا باہر سے آتا ہو، یہاں تک کہ ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ حرم کی سرزمین پوری کی پوری تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہے؛ چنانچہ عہد نبوی سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک اہل مکہ اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھتے تھے اور ہر آنے والے کو حق ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی گھر میں آکر قیام کرلیں، (حوالۂ سابق) —— یہ بات کہ ''حرم میں ناحق زیادتی کرنا چاہے گا'' —— سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ دوسری جگہوں میں تو گناہ کے ارادے سے گناہ نہیں ہوتا؛ جب تک کہ وہ اس ارادے کو عملی شکل نہ دے دے؛ لیکن حرم شریف میں گناہ کے ارادے پر بھی گناہ ہوگا اور انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۳۵)

﴿۲﴾ کعبۃ اللہ کو پہلی بار حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، طوفان نوح اور طویل مدت گزر جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کی بنیادیں مٹ گئیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس کی پرانی ←

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ﴿۲۷﴾
لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَ یَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِیۡمَةِ
الۡاَنۡعَامِ ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لۡیَقۡضُوۡا تَفَثَهُمۡ وَلۡیُوۡفُوۡا
نُذُوۡرَهُمۡ وَ لۡیَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ ﴿۲۹﴾

اور لوگوں میں حج کا اعلان بھی کردو، تمہارے پاس لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر دور دراز راستے سے پہنچیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۲۷﴾
تاکہ وہ اپنے فائدہ کی جگہوں کو پہنچیں اور اللہ نے انھیں جو چوپائے دیئے ہیں، مقررہ دنوں میں ان پر اللہ کا نام لیں
(یعنی قربانی کے ایام میں ان کی قربانی کریں)؛ لہٰذا اس میں سے تم بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ، ﴿۲۸﴾
(قربانی کے بعد) ان لوگوں کو چاہئے کہ (حالت احرام میں ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے) اپنے میل وکچیل
دور کرلیں، اپنی منتیں پوری کریں اور اس قدیم گھر (کعبۃ اللہ) کا طواف کریں۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۹﴾

← بنیادوں کو واضح فرمادیا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسجدیں ان ہی کاموں کے لئے مخصوص ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر کئے جاتے ہیں، مسجدوں میں دنیوی کام نہیں کئے جاسکتے۔

﴿۱﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کا حکم فرمایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ ارشاد ہوا: اعلان کرنا تمہارا کام ہے اور آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوقُبیس کی پہاڑی پر چڑھے اور آواز لگائی، اے لوگو! اللہ نے تم کو اس گھر کے حج کا حکم دیا ہے؛ تاکہ وہ تمہیں اس کے ذریعہ جنت میں پہنچائے اور دوزخ کے عذاب سے نجات عطا فرمائے؛ لہٰذا تم لوگ حج کیا کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان تمام لوگوں تک یہ آواز پہنچادی، جو آئندہ پیدا ہونے والے تھے، انھوں نے جواب میں کہا: ''لبیک اللّٰھم لبیک'' تو جتنی روحوں نے جواب دیا اور جتنی بار جواب دیا، وہ سارے لوگ اتنی ہی بار حج کی سعادت حاصل کریں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۳۸) ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے، جو پیدل آئیں گے، اور وہ لوگ بھی ہوں گے، جو دور دراز سے پہنچیں گے، ''ضامر'' ایسی دُبلی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو طویل سفر نے تھکا دیا ہو، یہاں اونٹنی سے سواری کی طرف اشارہ ہے، یعنی لوگ دور دراز کے علاقے سے حج وعمرہ کے لئے حرم شریف کا سفر کیا کریں گے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ حج کے افعال سواری پر بھی انجام دیئے جاسکتے ہیں اور پیدل بھی؛ البتہ جو شخص کسی بڑی مشقت کے بغیر پیدل چل سکتا ہو، اس کے لئے پیدل حج کرنا افضل ہے؛ لیکن طواف اور سعی اس سے مستثنیٰ ہے، جو شخص پیدل طواف اور سعی کرسکتا ہے، اس کے لئے پیدل ہی طواف وسعی کرنا واجب ہے، بلا عذر وھیل چیئر یا کسی اور سواری پر طواف یا سعی کرنا درست نہیں، اگر بلا عذر سواری یا وھیل چیئر پر طواف وسعی کی تو لوٹانا ہوگا یا دم واجب ہوگا۔ (محیط برہانی: ۴/۴۴۰)

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۲۸، ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام کا ذکر فرمادیا ہے، اول یہ کہ جو لوگ حج کے لئے آئے ہوں، وہ اپنے ←

← فائدے کی جگہ کو پہنچیں، یہاں فائدہ سے دینی فائدہ مراد ہے اور فائدہ کی جگہوں سے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات مراد ہیں؛ کیوں کہ ان مقامات پر حاضر ہونا اور دُعاء و استغفار کا اہتمام کرنا دینی و اُخروی اعتبار سے بڑے ہی فائدے کی بات ہے، اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی شخص ضمنی طور پر ان مقامات میں تجارت کرلے تو دنیوی فائدہ بھی حاصل ہوجاتا ہے، جس کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے موقع پر اس کا ذکر فرمایا ہے ''لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ'' (البقرۃ: ۱۹۸) اس پہلو سے یہاں دینی اور دنیوی دونوں فائدے مراد ہوسکتے ہیں، بعض مفسرین اسی کے قائل ہیں، دوسرا حکم قربانی کا ہے کہ اللہ نے جو چوپائے عطا فرمائے ہیں، حج کے موقع سے ان کی قربانی کی جائے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کردیا گیا کہ قربانی چوپائے جانوروں کی ہی جائز ہے، تیسرے: یہ قربانی مقررہ دنوں میں ہونی چاہئے، وہ مقررہ دن ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ ہیں جیسا کہ حضرت علی اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے (مؤطا امام مالک، باب الضحیۃ، عما فی بطن المرأۃ، حدیث نمبر: ۱۲) چوتھے: ذبیحہ کی طرح قربانی کے جانور کو بھی ذبح کرتے ہوئے اس پر اللہ کا نام لینا ضروری ہے، پانچویں: قربانی کے گوشت کا مصرف یہ ہے کہ اس میں سے خود بھی کھائے اور غریب و محتاج لوگوں کو بھی کھلائے، حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ خود کھائے، رشتہ داروں اور مالداروں، دوست واحباب کو کھلائے اور غریبوں کو کھلائے، (مسلم، باب بیان ما کان النہی عن أکل الخ، حدیث نمبر: ۱۹۷۱) اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کئے جائیں، ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے، ایک احباب اور رشتہ داروں کے لئے، ایک غریبوں کے لئے؛ لیکن یہ لازمی حکم نہیں ہے، ضرورت اور حالات کے لحاظ سے حصے گھٹائے اور بڑھائے بھی جاسکتے ہیں، (الجوہرۃ النیرۃ: ۲/ ۱۹۰) البتہ یہ حکم بقرعید کی قربانی اور حج تمتع اور حج قران کرنے والوں پر واجب ہونے والی قربانی کا ہے، اگر حج میں کوئی غلطی ہوگئی اور اس کی وجہ سے جنایت کی قربانی کرنی پڑے تو اس کا پورا کا پورا گوشت صدقہ کردینا پڑے گا، (ہدایہ اولین: ۲۸) چھٹا حکم یہ معلوم ہوا کہ قربانی کے بعد حج کرنے والا میل کچیل کو صاف کرسکتا ہے، یعنی بال منڈوالے یا کٹالے، وہ ناخن وغیرہ بھی کاٹ سکتا ہے، خوشبو کا استعمال بھی کرسکتا ہے، غرض کہ احرام کی وجہ سے جن باتوں کی ممانعت تھی، سوائے میاں بیوی کے تعلق کے، اب وہ ختم ہوگئی، ساتواں حکم منت سے متعلق ہے، نذر یعنی منت سے مراد یہ ہے کہ جو چیز انسان پر واجب نہیں ہے، اس کو اپنے اوپر واجب کرلے اور اس بات کو وہ اپنی زبان سے کہے، جو چیز پہلے سے واجب ہے، وہ نذر ماننے سے واجب نہیں ہوتی، نذر صرف دل کا فعل نہیں؛ بلکہ زبان کا فعل ہے؛ اس لئے جب تک زبان سے منت نہ مانی جائے، منت نہیں ہوگی، اگر انسان کسی گناہ کی منت مان لے تو واجب ہے کہ منت کو پورا نہ کرے؛ البتہ ایسی صورت میں قسم کا کفارہ ادا کرلے، اگر کسی ایسی چیز کی نذر مانے جو ثواب اور نیکی یا مباح اور جائز ہو تو منت کو پورا کرنا واجب ہے، اگر پورا نہ کرپائے تو قسم کا کفارہ ادا کرے، یعنی دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کے کپڑے بنادے، اور اگر ان دونوں کی گنجائش نہ ہو تو تین روزے رکھے، (مجمع الانہر: ۱/ ۵۴۱) یہاں منت کا خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا گیا کہ بہت سے لوگ قربانی کی نذر مانا کرتے ہیں اور بعض دفعہ خاص طور پر حرم شریف میں قربانی کی نذر مانی جاتی ہے، اگر اس طرح کی نذر مانی گئی ہو تو اسے بھی پورا کرنا چاہئے؛ البتہ نذر کی قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا پورا گوشت غرباء پر صدقہ کردیا جائے (شامی: ۹/ ۳۹۶) آٹھواں حکم طواف کا ذکر کیا گیا، اس سے مراد طواف زیارت ہے، جو حج کے دو ارکان میں سے ایک ہے، جس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوسکتا، طواف زیارت کے بعد ہی حاجی کے لئے میاں بیوی کا تعلق حلال ہوتا ہے۔ (محیط برہانی: ۳/ ۴۰۸)

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى
عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ
مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ
الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۫ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ بات تو ہو چکی، اور (اب سنو کہ) جو شخص ان چیزوں کا احترام کرے گا، جس کو اللہ نے قابل احترام بنایا ہے، تو یہ اس کے پروردگار کے نزدیک اسی کے حق میں بہتر ہوگا، ﴿۱﴾ اور تمہارے لئے ان چوپایوں کے علاوہ جن کو پڑھ کر تمہیں سنایا گیا ہے، سارے چوپائے حلال کئے گئے ہیں، ﴿۲﴾ لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے بچتے رہو، ﴿۳۰﴾ اس طور پر کہ اللہ ہی کی طرف یکسو رہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اس کو پرندے اُچک لیں یا ہوا اس کو دور دراز جگہ لے جا کر پٹک دے، ﴿۳۱﴾ ﴿۳﴾ یہ سن چکے اور (اب سن لو کہ) جو شخص اللہ کی نسبت رکھنے والی یادگاروں کا ادب کرتا ہے، تو یہ (ادب) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں اللہ کا ڈر ہے۔ ﴿۴﴾ ﴿۳۲﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، وہ سب قابل احترام احکام میں شامل ہیں، اور ان کے احترام کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان ان پر عمل کیا کرے۔

﴿۲﴾ ''اَنعام'' یعنی چوپایوں سے مراد اونٹ، گائے، بیل اور بکرے، مینڈھے وغیرہ ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۵۴) —— ان حلال جانوروں کی بھی بعض صورتیں حرام ہیں، جن کا ذکر سورۂ مائدہ آیت نمبر: ۳ میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ اگر کوئی شخص زمین میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ دوڑ بھاگ کر سکتا ہے اور کسی کی مدد حاصل کر سکتا ہے، اگر سمندر میں ایسی صورت حال سے دوچار ہو تب بھی وہ تیر کر کام چلا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی گزرنے والی کشتی اس کے کام آجائے؛ لیکن اگر کوئی شخص فضا کی بلندیوں سے زمین کی طرف پھینک دیا جائے تو وہ بالکل بے بس ہو کر رہ جائے گا، اور اسے کوئی سہارا اور مددگار ہاتھ نہ آئے گا، تو جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، آخرت میں ایسے ہی بے سہارا اور بے یار و مددگار ہو کر رہ جائے گا۔

﴿۴﴾ عربی زبان میں ''شعیرۃ'' کے معنی یادگار اور علامت کے ہیں، اس کی جمع شعائر ہے، اللہ کے شعائر سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری متعلق ہو؛ چنانچہ کعبۃ اللہ، حرم شریف، اذان، رمضان المبارک، قرآن مجید اور مسجدیں وغیرہ اس میں شامل ہیں، ان کا احترام یہ ہے کہ ان سے متعلق شریعت کے جو احکام ہیں، ان پر عمل کیا جائے، ان کی بے احترامی و بے ادبی کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اگر وہ عملی کوتاہی میں بھی مبتلا ہو تو کم سے کم شرعی احکام کی بے احترامی اور بے توقیری سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا ع ٤/٨ ١١
مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ
اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ
اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ
شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا
فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾

ان چوپایوں سے ایک مقررہ مدت تک فائدے حاصل کرنا درست ہے، پھر ان کی قربانی کرنے کی جگہ قدیم گھر
(یعنی کعبۃ اللہ) کے قریب ہے، ﴿١﴾ ﴿٣٣﴾ اور ہر اُمت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کر دی ہے؛ تا کہ وہ اللہ کے دیئے
ہوئے چوپایوں پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیا کریں ﴿٢﴾ ؛ لہٰذا تم لوگوں کا خدا ایک ہی خدا ہے، اسی کی
فرمانبرداری کرو اور (اے رسول! احکام خداوندی کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے، ﴿٣٤﴾ جن
کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں اور جو مصیبتیں آتی ہیں، ان پر صبر کرتے ہیں،
نماز قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں، ﴿٣٥﴾ اور قربانی
کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر (یعنی احکام الٰہی کو ظاہر کرنے والی یادگاروں) میں شامل
کر دیا ہے، اس میں تمہاری بھلائی ہے؛ چنانچہ کھڑا کر کے تم ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب وہ کروٹ کے بَل گر پڑیں
تو ان میں سے کھاؤ اور نہ مانگنے والوں کو بھی کھلاؤ اور مانگنے والوں کو بھی، اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے
بس میں کر دیا ہے؛ تا کہ تم احسان مانو۔ ﴿٣﴾ ﴿٣٦﴾

﴿١﴾ یعنی چوپایوں سے بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہو، ان پر سواری کی جاسکتی ہے، ان کا دودھ پیا جاسکتا ہے؛ لیکن جب انھیں قربانی کے لئے متعین کر لیا جائے اور حاجی اسے حرم شریف کی طرف لے کر چلے تو اب اس سے فائدہ اُٹھانا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ بہت مجبوری ہو، ایسی ہی صورت میں اس جانور پر سواری کی جاسکتی ہے، مقررہ مدت تک فائدہ اُٹھانے سے یہی مراد ہے، آگے فرمایا گیا کہ چوں کہ اسے حج کی قربانی کے لئے لے جایا جا رہا ہے تو ضروری ہے کہ اب اسے حرم شریف تک لے جایا جائے اور اس کی قربانی کی جائے، حدودِ حرم سے باہر اس کی قربانی جائز نہیں، (ہدایہ اولین: ٢٨١) 'بیت عتیق' کے معنی پرانے گھر کے ہیں، یہ اصل میں ''کعبۃ اللہ'' کا نام ہے؛ کیوں کہ دنیا میں بننے والا پہلا گھر یہی ہے اور پرانے گھر کے قریب سے پورا حرم شریف مراد ہے، حرم کی حدود میں کہیں بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ (بدائع الصنائع: ٢/ ٢٠٠)

﴿٢﴾ معلوم ہوا کہ قربانی کے احکام پچھلی اُمتوں کو بھی دیئے گئے تھے؛ چنانچہ بائبل میں قربانی کے بہت سے واقعات آئے ہیں؛ ←

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ
لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾

ع ۵ ۱۲ الثلٰثۃ

اللہ کو ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا ؛ لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے ، ﴿۱﴾ اسی طرح اللہ نے ان چوپایوں کو تمہارے بس میں کردیا ہے ؛ تاکہ اللہ نے تم کو جو توفیق عطا فرمائی ، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو اور آپ نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنادیجئے ، ﴿۲﴾ ﴿۳۷﴾ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ ایمان والوں سے (دشمنوں کو) ہٹادیں گے ، ﴿۱﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ کسی دھوکے باز اور ناشکرے کو پسند نہیں فرماتے ، ﴿۳۸﴾ (اے مسلمانو!) ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے ، جن سے جنگ کی جارہی تھی ؛ کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہیں ۔ ﴿۳۹﴾

← بلکہ بہت سے ایسے مذاہب جو پوری طرح شرک کی آلائش میں لت پت ہیں ، جیسے ہندو دھرم ، ان کے یہاں بھی قربانی کا تصور موجود ہے ؛ البتہ فرق یہ ہے کہ قربانی ہونی چاہئے تھی خدائے واحد کے لئے جیسا کہ اُمت مسلمہ کا عمل ہے ؛ لیکن دنیا کی اکثر قوموں نے قربانی کے اس عمل میں شرک کی ملاوٹ پیدا کردی ۔

﴿۳﴾ اس آیت میں چار احکام ذکر کئے گئے ہیں ، اول یہ کہ قربانی کے جانور بھی دین حق کی علامتی چیزوں میں شامل ہیں ، جن کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی پہچان ہوتی ہے ، دوسرے : اونٹ کی قربانی کا طریقہ بتایا گیا کہ ان کو کھڑا کرکے ذبح کیا جائے ، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اونٹ تین پاؤں کے سہارے کھڑا رہتا ہے اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے ، اس طرح جوں ہی شہ رگ پر وار کیا جاتا ہے ، وہ پہلو کے بل گر جاتا ہے ، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب جانور ذبح ہوجائے اور پوری طرح اس کی جان نکل جائے ، تبھی اس میں سے کھایا جائے ، جان نکلنے سے پہلے نہیں ، قربانی کا گوشت صرف خود ہی نہ کھالیا جائے ؛ بلکہ محتاجوں تک بھی پہنچانا چاہئے ، خواہ وہ ایسا محتاج ہو کہ خودداری سے کام لے اور سوال نہ کرے ، یا ایسا شخص ہو جو ہاتھ پھیلاتا ہو ، بہر حال قربانی کی روح یہی ہے کہ اس میں فقراء کا خاص طور پر حصہ رکھا جائے ۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں چیزوں کی اہمیت نہیں ؛ بلکہ انسان کے اندر شکر و بندگی کے جو جذبات ہوں ، ان کی اہمیت ہے ۔

﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ تم سے زیادہ طاقتور اور ڈیل ڈول والے جانوروں کا تمہارے قابو میں رہنا اور پھر اللہ کے راستہ میں ان کی قربانی کی توفیق میسر ہونا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے ۔

﴿۳﴾ یعنی اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اہل مکہ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچا رہے ہیں اور انھوں نے ایمان والوں کو حرم شریف جانے اور عمرہ کرنے سے روک رکھا ہے ؛ لیکن جلد ہی وہ وقت آئے گا ، جب ان کا زور ٹوٹ جائے گا ، اور ان کی طاقت پاش پاش ہوجائے گی ؛ چنانچہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوگیا اور جلد ہی پورے جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگیا ۔

الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا ؕ وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۴۰﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ناحق صرف اس وجہ سے ان کے گھروں سے نکال دیا گیا کہ وہ کہا کرتے تھے: اللہ ہی ہمارے رب ہیں، ﴿۱﴾ اگر اللہ تعالیٰ ایک کے ذریعہ دوسرے کا زور نہ گھٹواتے تو خانقاہیں، کلیسائیں، عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں، جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، ﴿۲﴾ اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ بھی ضرور اس کی مدد فرمائیں گے، بے شک اللہ بڑی قوت والے اور بڑے غلبہ والے ہیں۔ ﴿۴۰﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر الثعلبی: ۱۲۶/۴) جس میں ایک طرف مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی کہ عنقریب دشمنانِ اسلام کا زور ٹوٹ جائے گا اور دوسری طرف مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی اور اس کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ مسلمان مظلوم ہیں اور انھیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کا حکم اس لئے نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے، جیسا کہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے؛ بلکہ اس لئے ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوموں کی مدد کی جائے؛ اسی لئے اہل مکہ کی مسلمانوں سے جتنی جنگیں ہوئیں، وہ سب مدینہ کے قریب ہوئیں، جن میں اہل مکہ نے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کیا اور جارحیت کا ثبوت دیا، اگر مسلمانوں کی طرف سے زیادتی اور جارحیت پیش آئی ہوتی تو جنگیں مکہ کی سرحد پر ہوتیں نہ کہ مدینہ کی سرحد پر، فتح مکہ کے موقع سے ضرور مسلمانوں نے فوج کشی کی ؛ لیکن یہ اس لئے کہ اہل مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عین حرم شریف میں مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ پر مظالم ڈھائے، اور حرم کے احترام تک کا خیال نہ رکھا، جو عربوں کی روایت میں شامل تھا، اور پھر رسول اللہ ﷺ نے صلح کی جو مقبول اور منصفانہ تجویز رکھی کہ قاتلوں کو سزا دی جائے یا مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے، اسے بھی ٹھکرا دیا؛ اس لئے ان کے اس ظالمانہ طرز عمل کی سزا دینے اور مظلوموں کو انصاف دلانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو فوج کشی کرنی پڑی اور مسلمانوں نے بے حد تحمل سے کام لیتے ہوئے اور قتل وخونریزی سے بچتے ہوئے اس مہم کو انجام دیا۔

﴿۲﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت بیان کی ہے کہ ظالموں کو بے قابو ہونے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نظام قائم ہے کہ ایک طاقتور فرد یا گروہ کو دوسرے فرد یا گروہ کے ذریعہ زیر کیا جاتا رہتا ہے: کیوں کہ اگر ایک شخص ظالم و جابر ہونے کے باوجود مسلسل اقتدار پر قائم رہے تو وہ اتنا خودسر ہو جاتا ہے کہ عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو سے تو کھیلتا ہی ہے، ان مقدس مقامات کو بھی نہیں بخشتا ہے، جن کو اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ کسی گروہ کو مسلسل طاقتور نہیں رکھتے ہیں —— اس آیت میں چار طرح کی عبادت گاہوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک: صوامع، یعنی عیسائیوں کی خانقاہیں، جن میں دنیا سے کنارہ کش دُرویش قسم کے لوگ رہا کرتے تھے، دوسرے: بیع، جو ''بیعة'' کی جمع ہے، یعنی عیسائیوں کے چرچ، تیسرے: صلوات، ←

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا
عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱ وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ
وَّ ثَمُوْدُ ۝۴۲ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ۝۴۳ وَّ اَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ
لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ۝۴۴ فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ
فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ ۝۴۵

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ⟨۱⟩ ۝۴۱ اور (اے رسول!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس سے پہلے قوم نوح اور قوم عاد و ثمود بھی تو (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، ۝۴۲ اسی طرح ابراہیم اور لوط کی قوم نے بھی جھٹلایا تھا ۝۴۳ نیز مدین والوں نے بھی یہی کیا اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا تھا؛ چنانچہ میں نے انکار کرنے والوں کو (پہلے) مہلت دی، پھر ان کو پکڑ لیا تو (دیکھو) میرے انکار (کا نتیجہ) کیسا ہوا؟ ۝۴۴ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کے رہنے والے گناہگار تھے، ہم نے ان کو تباہ و برباد کر ڈالا، وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں، بہت سے بے کار کنوئیں اور شاندار محل (یوں ہی) پڑے ہیں۔ ۝۴۵

← یعنی یہودیوں کے گرجے، چوتھے: مساجد، یعنی مسلمانوں کی مسجدیں، قرآن مجید نے ان چاروں قسم کی عبادت گاہوں کو منہدم کرنے کی مذمت کی، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں تمام ہی مذاہب کی عبادت گاہیں اور مقدس مقامات قابل احترام ہیں، ان کی بے توقیری سے بچنا چاہئے، ایک تو اس لئے کہ ان میں کسی نہ کسی درجہ میں خدا کا نام لیا جاتا ہے، جس کا یہاں قرآن نے ذکر کیا ہے، دوسرے: اس لئے کہ ان سے بہت سے لوگوں کے قلبی جذبات وابستہ ہوتے ہیں، اور کسی بھی انسان کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچانا اور اس کے جذبات کو مجروح کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، اس سے ان غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کی قلعی کھل جاتی ہے کہ مسلمان دوسری قوموں کے مقدس مقامات کا احترام نہیں کرتے اور ان پر زبردستی قابض ہو جاتے ہیں، اگر مسلمانوں کا یہی شیوہ ہوتا تو آج عالم اسلام میں صدیوں پرانی غیر مسلم عبادت گاہیں موجود نہ ہوتیں۔

⟨۱⟩ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی نظر میں حکومت مقصود نہیں؛ بلکہ حکومت ایک ذریعہ ہے، مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت، نیکیوں کا فروغ اور برائیوں کا سد باب ہے، موجودہ دور میں بعض اہل علم نے دین کے تصور کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ عبادتیں ذریعہ ہیں اور حکومت مقصود، یہ درست نہیں ہے، اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ صرف مسلمانوں کے اقتدار پر آجانے اور حکومت کے سربراہ بن جانے سے اسلامی حکومت کے نصب العین کی تکمیل نہیں ہوتی؛ بلکہ اسلامی حکومت وہ ہے جو خدا سے لوگوں کے تعلق کو مضبوط کرے، نیکیوں کی حوصلہ افزائی کرے اور برائیوں کو روکے؛ اسی لئے آج دنیا کے اکثر مسلم ممالک کی حکومتوں کو مسلم حکومت تو کہا جا سکتا ہے، اسلامی حکومت نہیں کہا جا سکتا۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا
لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾ وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ
وَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ ؕ وَ اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ
قَرۡیَةٍ اَمۡلَیۡتُ لَهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذۡتُهَا ۚ وَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۴۸﴾ قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا ع ۶ ۱۳
لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۵۰﴾

کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں؟ کہ ان کے دل ایسے ہوجاتے جو (حق کو) سمجھ سکتے، اور کان ایسے ہوجاتے جو (حق کو) سن سکتے، تو حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں؛ لیکن وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں، جو سینوں میں ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۴۶﴾ اور وہ آپ سے عذاب مانگنے میں جلد بازی کررہے ہیں؛ حالاں کہ اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتے، ﴿۲﴾ آپ کے رب کے پاس ایک دن تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، ﴿۳﴾ ﴿۴۷﴾ اور کتنی ہی بستیاں ہیں، جن کو میں نے ڈھیل دی، ان کے باشندے نافرمانی کرتے رہے، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، اور میری ہی طرف (ہر ایک کو) لوٹ کر آنا ہوگا ﴿۴﴾ ﴿۴۸﴾ آپ کہہ دیجئے: اے لوگو! میں تو تم کو وضاحت کے ساتھ ڈرانے والا ہوں، ﴿۴۹﴾ تو جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، ان کے لئے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔ ﴿۵۰﴾

﴿۱﴾ یعنی اگر اہل مکہ عذاب سے دوچار ہونے والی اِن قوموں کا حال دل کی آنکھوں سے دیکھتے اور سبق حاصل کرنے کے جذبہ سے ان کا مشاہدہ کرتے تو یقیناً ان کو فائدہ پہنچتا؛ لیکن مشکل یہی ہے کہ ان میں حق کے طلب کا جذبہ اور سچائی کو پانے کی آرزو ہی باقی نہیں رہی۔

﴿۲﴾ یعنی اپنے مقررہ وقت پر اللہ کا عذاب آکر رہے گا، خواہ دنیا میں اسلام کے غلبہ اور مخالفین کی شکست و ناکامی کی شکل میں ہو، یا آخرت میں، جس کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔

﴿۳﴾ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ آخرت کا ایک دن واقعی دنیا کے دن کے مقابلہ ایک ہزار دن کے برابر ہوگا، جیسے وہاں کے درخت، وہاں کے پھل پھول، وہاں کے انسان اور وہاں کی ہولناک آگ اور اذیت پہنچانے والے جانور دنیا کے مقابلہ کہیں بڑے ہوں گے، اسی طرح دن بھی بڑا ہوگا، پھر ایک اور موقع پر فرمایا گیا کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، (معارج: ۴) تو ہوسکتا ہے کہ کچھ دن ایک ہزار سال کے برابر ہوں اور کچھ دن پچاس ہزار سال کے برابر —— دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے ایک دن ایک ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا اور گناہوں کے اعتبار سے بعض لوگوں پر یہ کیفیت اور بھی شدید ہوگی، تو انھیں پچاس ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۷۸) غرض کہ یہ لوگ عذاب کی جلدی مچارہے ہیں؛ لیکن جب عذاب آجائے گا تو ٹالے نہیں ٹلے گا اور گزارے نہیں گزرے گا۔

﴿۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا نظام یہی ہے کہ کسی گروہ کو سزا دینے سے پہلے اس کے ساتھ ڈھیل کا معاملہ کرتے ہیں اور جب نافرمانی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کو پکڑ لیا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي
الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾
وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ
حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے، وہی دوزخ والے ہیں،《۱》﴿۵۱﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جو رسول اور نبی بھیجے، تو ان کو بھی یہ بات پیش آئی کہ جب انھوں نے کچھ پڑھا تو شیطان نے (کافروں کے دل میں) کوئی شبہ ڈال دیا، پس اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا دیتے ہیں، پھر اپنی آیتوں کو پختہ فرما دیتے ہیں، اللہ خوب علم والے اور بڑی حکمت والے ہیں ﴿۵۲﴾ (یہ اس لئے) تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دیں، جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں، یقیناً یہ نافرمان (حق کی) مخالفت میں دور جا پڑے ہیں،《۲》﴿۵۳﴾ اور (شیطانی شبہات کو دور کرنا) اس لئے ہوتا ہے کہ جن کو سمجھ عطا کی گئی ہے، وہ جان لیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق بات ہے، پھر وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے سامنے جھک جائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو صحیح راستہ دکھاتے ہیں ﴿۵۴﴾ اور جو لوگ کفر پر جم گئے ہیں، ہمیشہ اس کے بارے میں شک میں ہی گرفتار رہیں گے، یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آجائے، یا ان پر ایک منحوس دن کا عذاب آجائے۔ ﴿۵۵﴾

《۱》 نیچا دکھانے سے مراد ہے: اسلام کی مخالفت اور اسلامی تعلیمات کو تنقید اور طنز و تضحیک کا نشانہ بنانا، جیسا کہ آج کل اہل مغرب کر رہے ہیں۔

《۲》 یعنی جیسے تیز اور شوخ ہوائیں چراغ کو بجھانے پر تلی رہتی ہیں، اسی طرح شیطان کا مستقل عمل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات کے کانٹے بوتا رہتا ہے اور گمراہ کرتا رہتا ہے، یہ بات ہر نبی اور ہر آسمانی کتاب کے ساتھ پیش آئی ہے، اور قرآن مجید کے ساتھ بھی پیش آتی رہے گی؛ کیوں کہ جو درخت پھل دار ہوتے ہیں، اسی پر پتھر پھینکے جاتے ہیں، آج اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس صورت حال کو بآسانی دیکھا جا سکتا ہے —— اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بعض ایسی روایتیں نقل کی ہیں، جو فنی اعتبار سے بالکل نامعتبر ہیں اور ان کو بنیاد بنا کر اہل یورپ نے جھوٹ اور دھوکہ کی ایک پوری عمارت کھڑی کر دی ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ ع ۹ ۱۴
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾
لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا
عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ
فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

اس دن اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی، اللہ ان کے درمیان فیصلہ کریں گے تو جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، وہ
نعمت بھرے باغات میں ہوں گے ﴿۵۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا، اُن کے لئے رسوا کن
عذاب ہوگا ﴿۵۷﴾ جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر شہید کردیئے گئے یا مرگئے تو اللہ ضرور ان کو
بہترین روزی عطا فرمائیں گے اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والے ہیں، ﴿۵۸﴾ اللہ ان کو ایسی جگہ داخل کریں گے،
جو اُن کو پسند ہوگی اور یقیناً اللہ خوب جاننے والے اور بہت بردبار ہیں ﴿۵۹﴾ یہ تو سن چکے اور (سنو کہ) جو شخص (بدلہ میں)
اتنی ہی تکلیف پہنچائے، جتنی اس کو پہنچائی گئی تھی، پھر اس پر کوئی زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد
فرمائیں گے، ﴿۱﴾ یقیناً اللہ خوب درگزر کرنے والے اور معاف کرنے والے ہیں ﴿۶۰﴾ یہ (مسلمانوں کو غالب کردینا اللہ
کے قادر ہونے کی وجہ سے ہے) کہ اللہ تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتے ہیں ﴿۲﴾ اور اس لئے کہ
اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں۔ ﴿۶۱﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے ایک دستہ کو روانہ فرمایا، مشرکین سے اس وقت ان کا آمنا سامنا ہوا جب کہ حرام مہینہ شروع ہو چکا تھا، جس میں جنگ کی ممانعت تھی اور مشرکین مکہ بھی اس کو تسلیم کرتے تھے، مگر خود اپنے عقیدہ کے خلاف جب انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے ان کی خوشامد کی کہ یہ حرام مہینہ ہے، اس میں جنگ کرنا نہ ہمارے یہاں جائز ہے نہ تمہارے یہاں؛ اس لئے اس وقت جنگ نہ کرو، مگر مشرکین نہ مانے، مجبوراً مسلمانوں کو بھی جنگ کرنی پڑی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی، اسی کا ذکر ہے کہ حرام مہینہ میں جنگ کرکے اصل زیادتی تو مشرکین نے کی، مسلمانوں نے تو صرف برابری کا بدلہ لیا، اسی لئے وہ قصوروار نہیں ہیں، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد بھی ہوئی، (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۲۹۲) —— اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ بدلہ لینے کا اُصول یہی ہے کہ کسی شخص کے ساتھ جتنی زیادتی کی گئی ہو، وہ بھی اسی کے بقدر بدلہ لے سکتا ہے، جب بدلہ لینے والے نے بدلہ لے لیا تو اب برابر کا معاملہ ہوگیا، اب اگر اس کے بعد بدلہ لینے والے پر زیادتی کی جائے تو اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہوگی۔

﴿۲﴾ یعنی کبھی رات کو بڑھا دیتے ہیں اور دن کو گھٹا دیتے ہیں اور کبھی دن کے اوقات بڑھا دیتے ہیں اور رات کے اوقات کم کردیتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ هُوَ الۡبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ
الۡكَبِيۡرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمۡ تَرَ ع ۸ ۱۵
اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ وَالۡفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ
تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاكُمۡ ثُمَّ
يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا هُمۡ نَاسِكُوۡهُ
فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الۡاَمۡرِ وَادۡعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۶۷﴾

نیز یہ اس لئے بھی ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہیں اور اللہ کے سوا وہ جن کی عبادت کررہے ہیں، وہ سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ بلند و برتر اور سب سے بڑے ہیں ﴿۶۲﴾ آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی اُتارا ہے، جس سے زمین ہری بھری ہوجاتی ہے، یقیناً اللہ بہت مہربان اور نہایت باخبر ہیں، ﴿۶۳﴾ آسمان میں جو کچھ ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے اور اللہ ہی بے نیاز اور قابل تعریف ہیں، ﴿۶۴﴾ آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو ــــ جو اسی کے حکم سے سمندر میں چلتی رہتی ہے ــــ مسخر کردیا ہے، اور آسمان کو تھام رکھا ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے، سوائے اس کے کہ اللہ ہی کا ایسا حکم ہوجائے، ﴿۱﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں ﴿۶۵﴾ وہی خدا ہے جس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے، ﴿۶۶﴾ ہم نے ہر اُمت کے لئے ذبح کرنے کا ایک طریقہ مقرر کردیا ہے، جس کے مطابق وہ ذبح کیا کرتے تھے؛ لہٰذا اس معاملہ میں ان کو آپ سے جھگڑنا نہیں چاہئے اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہئے، یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۶۷﴾

﴿۱﴾ آسمان سے وہ سیارے بھی مراد ہوسکتے ہیں، جو فضا میں تیر رہے ہیں، اگر سیاروں کی قوت کشش ختم ہوجائے، جس کے ذریعہ ایک دوسرے کے درمیان فاصلے قائم ہیں اور کوئی سیارہ زمین پر آگرے تو لمحوں میں یہ پوری زمین تہس نہس ہوکر رہ جائے۔

﴿۲﴾ اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو جانور آپ سے آپ مرجائے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو براہ راست مار دیا ہو، اس کو نہیں کھاتے ہو، اور جس جانور کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہو، اس کو کھایا کرتے ہو، یہاں اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ ہر شریعت میں کچھ احکام متعین کئے گئے ہیں، ان ہی احکام میں سے ذبح کا حکم بھی ہے، تو یہ بات مناسب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اس سلسلہ میں جھگڑا جائے، (تفسیر قرطبی: ۱۲؍۹۳) موت تو ہر جاندار کی اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے، خواہ مردار ہو یا شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہو، اس کی اہمیت نہیں ہے، اہمیت اس بات کی ہے کہ اگر تمہارا عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہے تو درست ہے اور اللہ کے حکم کے خلاف ہو تو ناقابل قبول ہے۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝۶۸ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝۶۹ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ
كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۝۷۰ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا
لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۝۷۱ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ
وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ
اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝۷۲ يٰۤاَيُّهَا ع ۹ ۸ ۱۲
النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ
اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۝۷۳

اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجئے: تم جو کچھ کر رہے ہو، اللہ اس کو خوب جانتے ہیں، ۝۶۸ تم جن چیزوں کے سلسلہ میں اختلاف کر رہے ہو، اللہ ہی قیامت کے دن ان کے بارے میں تمہارے درمیان فیصلہ فرمادیں گے، ﴿۱﴾ ۝۶۹ کیا تم کو نہیں معلوم کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے، اللہ ان سب سے واقف ہیں؟ یہ سب ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے اور یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے، ۝۷۰ اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں، جن (کے معبود ہونے) کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری ہے اور نہ خود ان کو اس بارے میں کوئی علم ہے، اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ۝۷۱ اور جب ان پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں —— جو خوب واضح ہیں —— تو آپ کفر کرنے والوں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھیں گے، گویا وہ ان لوگوں پر جھپٹ پڑیں گے، جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کر رہے ہیں، آپ فرمادیجئے: کیا میں تم کو اس سے بھی تکلیف دہ چیز نہ بتادوں؟ دوزخ، جس کا اللہ نے ایمان نہ لانے والوں سے وعدہ فرما رکھا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، ﴿۲﴾ ۝۷۲ اے لوگو! (تمہارے لئے) مثال بیان کی جاتی ہے، اس کو غور سے سنو، اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو، وہ اگر سارے کے سارے مل جائیں، تب بھی وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے، کتنا عاجز ہے طالب اور کتنا عاجز ہے مطلوب! ﴿۳﴾ ۝۷۳

﴿۱﴾ اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معقول دلیل کے بغیر ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خواہ مخواہ بحث کرے تو بحث میں اُلجھنے کی بجائے اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ ہی اس کا فیصلہ فرمادیں گے۔

﴿۲﴾ یعنی ضد اور عناد کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کو اچھی بات بھی ناگوار محسوس ہوتی ہے۔

←

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ
النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ السجدۃ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ
مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾

السجدۃ عند الشافعی

ع ۱۰ / ۱۷

اللہ تعالیٰ کی جیسی تعظیم کرنی چاہئے تھی، ان لوگوں نے نہیں کی، یقیناً اللہ بڑے طاقتور اور سب پر غالب ہیں ﴿۷۴﴾ اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرتے ہیں، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۷۵﴾ وہ ان کے آئندہ اور موجودہ حالات سے خوب واقف ہیں، اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے، ﴿۷۶﴾ اے ایمان والو! رُکوع اور سجدہ کرو، اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کیا کرو؛ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، ﴿۱﴾ ﴿۷۷﴾ نیز اللہ کے راستے میں ایسی محنت کرو جیسی محنت کرنی چاہئے، ﴿۲﴾ اللہ نے تم کو (دین کی خدمت کے لئے) چن لیا ہے اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، ﴿۳﴾ اپنے باپ ابراہیم کے دین کی پیروی کرتے رہو، اللہ نے پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تمہارا نام ''مسلم'' رکھا ہے؛ ﴿۴﴾ تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر؛ ﴿۵﴾ لہٰذا نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، اللہ ہی تمہارے کارساز ہیں اور کتنے بہتر کارساز اور کیا ہی بہتر مددگار ہیں۔ ﴿۷۸﴾

← ﴿۳﴾ یعنی جو لوگ بتوں کو پوجتے ہیں، وہ بھی عاجز ہیں کہ عقل سے محروم ہیں، اور آخرت میں بھی وہ عاجز رہیں گے کہ ان کا کوئی سہارا نہ ہوگا، اور خود یہ بت بھی عاجز ہیں، ایسے عاجز کہ ایک مکھی بھی نہیں ہٹا سکتے۔

﴿۱﴾ بعض فقہاء کے نزدیک یہ آیت بھی آیاتِ سجدہ میں سے ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے؛ لیکن از راہ احتیاط کر لینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ دین کے راستہ میں مجاہدہ، دین کے تمام شعبوں کو شامل ہے، عالم احکام شریعت کے اخذ واستنباط میں محنت کرے، مجاہد میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دے، داعی دعوتِ دین کے راستہ میں جدوجہد کرے، معلم اسلامی علوم کی تدریس میں اپنی صلاحیتوں کو لگائے، عام مسلمان دین کے تمام احکام پر عمل کرنے کے لئے مشقتوں کو برداشت کریں، یہ ساری صورتیں یہاں مجاہدہ میں شامل ہیں: ←

← ''هو إشارة إلى امتثال جميع ما أمر الله به والانتهاء عن كل ما نهى الله عنه''۔(تفسیر قرطبی:۱۲/۹۹)

﴿۳﴾ اس آیت میں شریعت کے مزاج کو بتایا گیا ہے کہ اس شریعت کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے سہولتیں ہیں، اس میں ناقابل برداشت مشقت اور تکلیف دہ تنگی سے انسان کو بچایا گیا ہے؛ چنانچہ فقہاء نے اس سے بہت سے فقہی قاعدے اخذ کئے ہیں اور ان پر احکام شرعیہ کو منطبق کیا ہے۔

﴿۴﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو دُعا فرمائی تھی، اس میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ میری ذریت میں سے ایک مسلم گروہ کو پیدا فرما: ''وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ'' (البقرة:۱۲۸)، یہی نام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے لئے بھی منتخب فرمایا، مسلمانوں کو یہودیوں یا عیسائیوں کی طرح کسی پیشوا کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا؛ بلکہ 'مسلم' جیسا معنی خیز نام دیا گیا، یعنی اللہ کے وہ بندے جو اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکانے والے ہیں۔

﴿۵﴾ یہاں شہادت و گواہی سے اللہ کے دین کی گواہی اور اس کی تبلیغ و اشاعت مراد ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اِس اُمت پر دعوت کا فریضہ ادا فرمادیا ہے اور اس اُمت کو پوری انسانیت پر فریضۂ دعوت ادا کرنا ہے: ''ناس'' (لوگوں) کا لفظ عام طور پر قرآن مجید میں غیر مسلم بھائیوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص طور پر غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے پر متوجہ کیا گیا ہے۔

سُورَةُ المؤمنون

- سورہ نمبر : (۲۳)
- رکوع : (۶)
- آیتیں : (۱۱۸)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے بالکل شروع میں ''مومنون'' یعنی اہل ایمان کی سات صفات ذکر کی گئی ہیں، جن کو اختیار کرنے میں ان کی کامیابی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں جنت الفردوس ہے، اسی لئے اس کا نام ''سورۃ المومنون'' ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ پر دس ایسی آیتیں نازل کی گئی ہیں کہ جو اُن پر عمل کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، پھر آپ نے اس سورہ کی دس ابتدائی آیتیں تلاوت فرمائیں: ''لقد أنزل علی عشر آیات من أقامهن دخل الجنة'' (ترمذی، باب ومن سورۃ المومنون، حدیث نمبر: ۳۱۷۳) کچھ صحابہ نے حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو اُم المومنین نے فرمایا: قرآن مجید ہی آپ ﷺ کا اخلاق ہے، پھر اس سورہ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں اور فرمایا کہ حضور ﷺ کا اخلاق بھی یہی تھا۔ (صحیح مسلم، باب جامع صلاۃ اللیل، حدیث نمبر: ۱۳۹)

مکی سورتوں میں عام طور پر اسلام کے بنیادی عقائد پر گفتگو کی گئی ہے، اس سورہ میں بھی زیادہ تر یہی مضامین آئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا، اللہ کی طرف سے پیغمبروں کا بھیجا جانا، قیامت میں انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا، اس ضمن میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم وغیرہ کے بعض واقعات عبرت وموعظت کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں، احکامِ شریعت کے اس بنیادی اُصول کا بھی تذکرہ فرمایا گیا ہے کہ انسان کی قوت وطاقت کے لحاظ سے ہی احکام دیئے جاتے ہیں، دعوت کا یہ اُصول بھی بتایا گیا ہے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دیا جائے؛ بلکہ بہتر طریقہ پر جواب دیا جانا چاہئے اور سورہ کے اخیر میں قیامت کے بعض احوال ذکر کئے گئے ہیں۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الجزء ۱۸

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا
عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى
صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

وقف لازم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ وہ ایمان والے کامیاب ہوگئے ۝۱ جو
اپنی نماز میں عاجزی اختیار کرتے ہیں ۝۲ بے فائدہ باتوں سے دور رہتے ہیں ۝۳ جو زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں ۝۴ جو
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ۝۵ سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے کہ (اس میں) ان پر کوئی ملامت
نہیں ۝۶ ہاں، جو (اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے) ان دو کے علاوہ کے طلب گار ہوں تو وہ حد سے گذر جانے
والے ہیں، ۝۷ جو اپنی امانتوں کا اور وعدوں کا لحاظ رکھتے ہیں ۝۸ اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ۝۹ ایسے
ہی لوگ میراث پانے والے ہیں ۝۱۰ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے۔ ﴿۱﴾ ۝۱۱

﴿۱﴾ اس سورہ کی ابتدائی آیات میں اسلام کی تمام بنیادی تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص ان دس آیتوں پر عمل کا اہتمام کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، ''أنزل عليّ عشر آيات من أقامهن دخل الجنة'' (ترمذی، باب ومن سورۃ المومنون، حدیث نمبر: ۳۱۷۳) اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اسی سورہ کی آیت نمبر: ۱ سے آیت نمبر: ۹ تک تلاوت فرمائی، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۱۰۴) یعنی یہی آیات آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کی پاک زندگی کا خلاصہ ہیں، ان میں پہلا حکم خشوع کا ہے، خشوع کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے، یعنی دل کا پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول ہونا، اور جب دل میں یہ کیفیت ہو تو انسان کے اعضاء سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاحب کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اگر اس کے قلب میں خشوع کی کیفیت ہوتی تو اس کا جسم بھی پُرسکون رہتا: ''لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه'' (مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی مس الحیۃ فی الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۷۸۷) خشوع چوں کہ ایسی چیز نہیں ہے جس کو برقرار رکھنے پر انسان کو پوری قدرت حاصل ہو؛ اس لئے یہ نماز کے ارکان میں سے تو نہیں ہے کہ جس کے چھوٹ جانے سے نماز درست نہیں ہو؛ لیکن نماز کے قبول ہونے میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

←

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ ﴿۱۳﴾

← دوسرا وصف بیان کیا گیا کہ وہ لَغو باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھتا ہو، لغو سے مراد ہے بے فائدہ کام، اس میں گناہ بھی شامل ہے، وہ باتیں بھی شامل ہیں، جو انسان کو اس کے فرائض سے غافل کر دینے والی ہیں، وہ باتیں بھی جو بے فائدہ ہوں اور ایسے کام بھی جو بے محل ہوں، بعض اوقات ایک کام اپنی اصل کے اعتبار سے درست ہوتا ہے؛ لیکن اگر وقت کی رعایت کئے بغیر اس کام کو کیا جائے تو اُلٹے نقصان پہنچتا ہے، ایسے موقع پر اس کام کو چھوڑ نا لغو سے اعراض کرنے میں شامل ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کعبۃ اللہ کی عمارت کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے تھے؛ لیکن خواہش کے باوجود آپ ﷺ نے اس لئے نہیں کیا کہ اندیشہ تھا کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں ابھی نئے نئے مسلمان ہونے کی وجہ سے غلط فہمی اور بدگمانی پیدا ہوسکتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سی دفعہ اس پہلو کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے اُمت میں انتشار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ اہتمام کے ساتھ زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں، زکوٰۃ بندوں کے ساتھ مالی حسن سلوک کا عنوان ہے، گویا یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ غریب انسانوں کی مالی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرتا ہے، عصمت وعفت کی حفاظت کا تعلق مرد وعورت کے مخصوص فعل ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ انسان کے خیالات، اس کی آنکھیں، اس کی زبان اور اس کے ہاتھ جو اس کو گناہ تک لے جانے میں معاون بنتے ہیں، عفت وعصمت کی حفاظت میں یہ سب شامل ہیں؛ البتہ شوہر و بیوی کا تعلق اور مالک اور اس کی کنیز (جس کا اسلام سے پہلے رواج تھا، اور اسلام نے اس کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا) کا تعلق پاک دامنی کے خلاف نہیں ہے، اگر چہ کہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے مخاطب مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں؛ لیکن یہاں مردوں کا ذکر کیا گیا ہے؛ کیوں کہ عورت کی طرف ایسی بات کی نسبت حیا کے خلاف ہے؛ اس لئے قرآن مجید میں عام طور پر مردوں کو مخاطب بنا کر یہ حکم دیا گیا ہے۔

پانچواں اور چھٹا وصف یہ ہے کہ ایمان والے امانتوں اور وعدوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں، امانت میں خیانت نہیں کرتے اور نہ وعدہ خلافی کرتے ہیں، امانت کا تعلق صرف مال ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ ذمہ داریوں سے بھی ہے، جیسے دفتروں میں جو اوقات کار متعین ہیں، وہ امانت ہے، اس میں کمی کرنا امانت میں خیانت ہے، وعدہ میں وہ وعدہ بھی شامل ہے، جو معاملات میں دونوں فریق کی جانب سے ہو، جیسے نکاح، ملازمت، خرید وفروخت اور دوسرے مالی معاملات جن میں دوطرفہ وعدہ ہوتا ہے، اور وہ وعدے بھی شامل ہیں جو ایک طرفہ طور پر کیا کرتے ہیں، جیسے کسی کے ساتھ حسن سلوک کا یا قرض وغیرہ دینے کا وعدہ۔

ساتواں وصف یہ ہے کہ وہ نمازوں کی پابندی رکھتے ہیں، یعنی ہر نماز کو نہ صرف ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں؛ بلکہ اس کو اس کے مستحب وقت میں پڑھتے ہیں اور اس کے ارکان یعنی قیام رُکوع، سجدہ وغیرہ کو مسنون طریقہ پر انجام دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے لئے جنت الفردوس کا وعدہ فرمایا ہے، جو ان صفات کے حامل ہیں۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ
لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝۱۴ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ
لَمَيِّتُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝۱۶ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَاۗىِٕقَ ڰ وَمَا
كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝۱۷ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ڰ وَاِنَّا
عَلٰي ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝۱۸ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا
فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۱۹ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۗءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ
لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝۲۰

وقف لازم

پھر نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا، پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا، پھر گوشت کی بوٹی میں سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اس کو ایک نئی صورت میں اُٹھا کر کھڑا کر دیا تو بڑی ہی بابرکت ہے اللہ کی ذات، جو سب سے بہتر بنانے والے ہیں، ۝۱۴ پھر اس کے بعد ضرور تم لوگوں پر موت بھی آئے گی ۝۱۵ پھر قیامت کے دن تم سب دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے ﴿۱﴾ ۝۱۶ ہم نے تمہارے اوپر (آسمانوں کی شکل میں فرشتوں کے لئے) سات راستے بنا دیئے ہیں اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں ۝۱۷ ہم ہی نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی برسایا، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کو بالکل ختم کر دینے پر بھی قادر ہیں ۝۱۸ پھر ہم نے تمہارے لئے اس سے کھجوروں اور انگوروں کے باغات اُگا دیئے، اِن باغوں میں تمہارے لئے (اور بھی) بہت سے پھل ہوتے ہیں اور ان ہی میں سے تم (رکھ کر) کھاتے بھی ہو ۝۱۹ اور وہ درخت (یعنی زیتون) بھی پیدا کیا، جو طورِ سینا ﴿۲﴾ سے نکلتا ہے (اور) تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اُگتا ہے۔ ۝۲۰

﴿۱﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت میں انسان کے دوبارہ پیدا کئے جانے تک کے سارے مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے کہ پہلے انسان — حضرت آدم علیہ السلام — مٹی کے منتخب اجزاء سے پیدا کئے گئے، پھر دوسرے انسانوں کی پیدائش کی صورت یہ ہوئی کہ نطفہ مرد کے جسم سے عورت کے جسم میں منتقل ہوا اور جس کو تخلیق کے لئے استعمال کرنا مقدر تھا، اسے عورت کے رحم میں محفوظ کر لیا گیا، پھر اسے جما ہوا خون اور خون سے گوشت بنا دیا گیا، گوشت جیسی نرم چیز سے ہڈیاں بن گئیں اور ان پر گوشت چڑھا دیا گیا، پھر اس میں روح پھونک دی گئی، یہاں تک کہ ایک اچھا خاصا انسان بن گیا، ان مرحلوں کے بعد تو وہ دنیا میں آیا؛ لیکن یہیں اس کا سفر مکمل نہیں ہوا، اس پر موت بھی آنی ہے اور اسے دوبارہ زندہ بھی کیا جائے گا تو جو خدا ماں کے پیٹ میں انسان کو ان مرحلوں سے گذار سکتا ہے، وہ کیا موت دے کر دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟

﴿۲﴾ یعنی سینا میں موجود طور پہاڑ، جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ ع ۲۲
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾
قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا
جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ
الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور یقیناً تمہارے لئے چوپایوں میں بھی غور وفکر کا موقع ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ میں کی چیز (یعنی دودھ) پلاتے ہیں، تمہارے لئے چوپایوں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں، نیز تم ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو ﴿۲۱﴾ اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار بھی کئے جاتے ہو، ﴿۱﴾ ﴿۲۲﴾ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم (اللہ کی نافرمانی سے) نہیں ڈرتے؟ ﴿۲۳﴾ نوح کی قوم میں سے وہ سردار جو کفر پر جمے ہوئے تھے، کہنے لگے: ''یہ تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہے، یہ چاہتا ہے کہ تم پر بڑا بن بیٹھے، اور اگر اللہ (پیغمبر بھیجنا) چاہتے تو فرشتوں کو اُتار دیتے، ہم نے اپنے پچھلے باپ داداؤں میں کبھی ایسا نہیں سنا ﴿۲۴﴾ بات صرف یہ ہے کہ اس شخص کو جنون ہو گیا ہے؛ اس لئے کچھ عرصہ (اس کے انجام کا) انتظار کرلو'' ﴿۲۵﴾ نوح نے کہا: اے میرے رب! آپ میری مدد کیجئے؛ کیوں کہ ان لوگوں نے مجھ کو جھٹلا دیا ہے ﴿۲۶﴾ چنانچہ ہم نے اس کو حکم دیا کہ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بنائیے، جب ہمارا حکم (یعنی عذاب) آجائے اور تنور اُبلنے لگے تو اس کشتی میں ہر چیز کا جوڑا یعنی دو دو (نر اور مادہ) داخل کر دیجئے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی (سوار کر لیجئے)، سوائے اس کے جس کے بارے میں پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے (سفارش کی) بات تک نہ کیجئے گا، یقیناً وہ سب کے سب غرق کر دیئے جائیں گے۔ ﴿۲۷﴾

﴿۱﴾ انسان کے حیرت انگیز تخلیقی نظام کو بیان کرنے کے بعد ان نعمتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا، جن کا تعلق نباتات سے ہے اور کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ خاص طور پر زیتون کا بھی ذکر کیا گیا، جس میں تیل بھی ہوتا ہے اور وہ سالن کے کام بھی آتا ہے، زمینی پیداوار کے بعد جانوروں کا ذکر فرمایا گیا، جس کی ایک حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ نجاستوں اور گندگیوں کے درمیان اس کے جسم میں دودھ پیدا ہوتا ہے، جو انسان کے لئے نہایت مفید غذا ہے، اسی طرح سواریوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، غرض کہ اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی کی ذات عبادت کے لائق ہے۔

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ ۲ ع ۱۰ ۲
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ
اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر چڑھ جائیں تو کہئے : اللہ کا شکر ہے، جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی ﴿۲۸﴾ اور یہ بھی کہئے : میرے پروردگار! مجھ کو برکت (یعنی امن وسلامتی) کے ساتھ اُتاریئے اور آپ ہی سب سے بہتر اُتارنے والے ہیں ﴿۲۹﴾ یقیناً اس واقعہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (اپنے بندوں کو) آزمایا بھی کرتے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۳۰﴾ ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں (عاد وثمود) کو پیدا کیا ﴿۳۱﴾ پھر ان میں بھی ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، (جس نے دعوت دی) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۳۲﴾ اور ان کی قوم کے سردار جو کفر پر جمے ہوئے تھے، آخرت کی ملاقات کو جھٹلا دیا تھا؛ حالاں کہ ہم نے ان کو دنیوی زندگی کا عیش وآرام بھی دے رکھا تھا، وہ کہنے لگے : (''لوگو!) یہ تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، جو تم کھاتے ہو، وہی یہ کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو، وہی یہ پیتے ہیں، ﴿۳۳﴾ اور تم اپنے ہی جیسے آدمی کی بات پر چلنے لگو گے تو تم نقصان اُٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۴﴾

﴿۱﴾ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سورۂ اعراف: ۵۹ کے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

﴿۲﴾ جو لوگ حقیقت پسند نہیں ہوتے ہیں ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ ان ہی جیسا انسان کس طرح ان کے مقابلہ ایسا بلند وبرتر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پیغمبری کے لئے منتخب کرلیں؛ حالاں کہ نبی ہونے میں خود نبی کی محنت وکاوش کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ کسی کو بڑا بنادیں اور کسی کو چھوٹا، خود انسان دن رات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ ایک شخص ایسا خوبصورت ہے کہ چاند اور گلاب سے مثال دی جاتی ہے اور ایک شخص ایسا بدصورت ہے کہ انسان اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا، ایک انسان کو زبان وبیان کی ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے کہ گویا اس کی زبان سے پھول جھڑتا ہے، اور ایک شخص ایسا بدزبان ہوتا ہے کہ گویا اس کی زبان میں ببول کے کانٹے بودیئے گئے ہوں، جب مختلف پہلوؤں سے ایک انسان دوسرے انسان کے درمیان اتنا فرق ہوسکتا ہے تو اگر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری سے نواز دیں اور دوسروں کو اس سے محروم رکھیں تو اس میں باعث تعجب کیا ہے؟

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ
لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ
اِلَّا رَجُلُ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا
كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ
غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ
مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا
كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ
اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا
وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے، مٹی اور ہڈی ہوجاؤ گے تو تم دوبارہ (زندہ کرکے) نکالے
جاؤ گے؟ ﴿۳۵﴾ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، نا قابلِ یقین ہے بالکل نا قابلِ یقین! ﴿۳۶﴾ زندگی تو صرف دنیوی
زندگی ہے، (یہیں) ہم مرتے ہیں اور پیدا ہوتے ہیں، ہم ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، ﴿۳۷﴾ اِس شخص کا
معاملہ اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ رکھا ہے اور ہم تو ہرگز اس پر ایمان نہیں لائیں گے" ﴿۳۸﴾
پیغمبر نے دُعا کی: اے میرے رب! ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے؛ اس لئے میری مدد فرمایئے! ﴿۳۹﴾ اللہ نے فرمایا:
یہ لوگ جلد ہی (اپنے کئے پر) پچھتاتے رہ جائیں گے ﴿۴۰﴾ چنانچہ اس سچے وعدہ کے مطابق چیخ نے ان کو آ پکڑا، پھر
ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا، پس ظالموں پر اللہ کی مار ہو، ﴿۱﴾ ﴿۴۱﴾ پھر ان کے بعد ہم نے کچھ دوسری اُمتوں
کو پیدا کیا، ﴿۴۲﴾ کوئی اُمت نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ پیچھے ہوسکتی تھی؛ (بلکہ مقررہ وقت پر ہی
ہلاک کی گئی) ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے ایک کے بعد ایک پیغمبر بھیجے، جب بھی کسی اُمت کے پیغمبر اس کے پاس آتے تو وہ ان
کو جھٹلاتے، پھر ہم بھی ایک کے بعد ایک کو ہلاک کرتے گئے، اور ان کو (بھولی بسری) کہانیاں بنا کر رکھ دیا، پس
خدا کی پھٹکار ہو، ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لائے ﴿۴۴﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں
اور کھلی ہوئی دلیل لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا تو وہ تکبر کرنے لگے اور وہ لوگ تھے ہی بڑے
متکبر! ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾

﴿۱﴾ قومِ عاد کا ذکر سورۂ اعراف، آیت: ۶۵ کے حاشیہ میں اور قومِ ثمود کا ذکر سورۂ اعراف، آیت: ۷۳ کے تحت گذر چکا ہے۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ
الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ
اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا ع ۳ ۱۸ ۳
صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾
فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ
حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾

تو ان لوگوں نے کہا: کیا ہم اپنے ہی جیسے ایسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، جن کی قوم ہماری غلام ہے ﴿۴۷﴾ غرض، ان لوگوں نے اِن کو بھی جھٹلا دیا، یہاں تک کہ وہ بھی ہلاک کئے گئے ﴿۴۸﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی؛ تاکہ وہ لوگ (بنی اسرائیل) ہدایت کے راستہ پر آجائیں «۱» ﴿۴۹﴾ نیز ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک بڑی نشانی بنا دیا تھا اور ان کو ایک ایسے ٹیلے پر پناہ دی تھی، جو ٹھہرنے کی مناسب جگہ تھی اور جہاں پانی کا چشمہ جاری تھا، «۲» ﴿۵۰﴾ (اللہ نے فرمایا:) اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، تم جو کچھ عمل کرتے ہو، میں اس سے خوب واقف ہوں، «۳» ﴿۵۱﴾ بے شک یہی تمہارا دین ہے، ایک ہی دین، اور میں تم سبھوں کا رب ہوں؛ لہٰذا مجھ ہی سے ڈرا کرو، ﴿۵۲﴾ پھر ان لوگوں نے اختلاف کر کے اپنا دین الگ الگ کر لیا، «۴» ہر گروہ اُسی میں مگن ہے، جو اس کے پاس ہے، ﴿۵۳﴾ پس، ان کو ایک وقت تک ان کی مدہوشی میں ڈوبا ہوا رہنے دیجئے، ﴿۵۴﴾ ہم جو ان کو مال و اولاد دے رہے ہیں تو کیا ان کا خیال ہے۔ ﴿۵۵﴾

«۱» حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ متعدد جگہوں میں گذر چکا ہے۔

«۲» یعنی حضرت مریم علیہا السلام کو درد شروع ہوا، جو عورتوں کو ولادت سے پہلے ہوتا ہے تو ایک مناسب مقام پر جہاں پانی کا بھی انتظام تھا، ٹھہرنے کی رہنمائی کی گئی، واقعہ کی تفصیل سورۃ مریم، آیت نمبر: ۱۶-۳۵ میں گذر چکی ہے۔

«۳» طیبات سے حلال غذا مراد ہے، اس آیت میں اگرچہ انبیاء سے خطاب ہے؛ لیکن انبیاء کے واسطے سے ان کی اُمتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حلال چیز پر اکتفا کریں اور حرام سے بچیں۔

«۴» یعنی دینِ حق ایک ہی ہے، یہ جو آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب راستے ہیں اور منزل ایک ہی ہے، یہ بالکل غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے یہاں جو دین مقبول ہے، وہ صرف اسلام ہے، جس کی بنیاد توحید پر ہے، جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے اور جو آخری شکل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے؛ البتہ اہلِ باطل نے اختلاف کر کے نئے نئے مذہب ایجاد کر لئے ہیں۔

نُسَارِعُ لَهُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡیَةِ رَبِّهِمۡ
مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾
وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰی رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ
فِی الۡخَیۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا وَلَدَیۡنَا کِتٰبٌ یَّنۡطِقُ
بِالۡحَقِّ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾ بَلۡ قُلُوۡبُهُمۡ فِیۡ غَمۡرَةٍ مِّنۡ هٰذَا وَ لَهُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِکَ
هُمۡ لَهَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِیۡهِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا هُمۡ یَجۡئَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجۡئَرُوا
الۡیَوۡمَ ۟ اِنَّکُمۡ مِّنَّا لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾ قَدۡ کَانَتۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فَکُنۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ
تَنۡکِصُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مُسۡتَکۡبِرِیۡنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ ﴿۶۷﴾

کہ ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں؟ نہیں ؛ بلکہ وہ سمجھ نہیں رہے ہیں (کہ یہ بہ طور ڈھیل کے ہے) ﴿۵۶﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں ﴿۵۷﴾ جو اپنے رب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں ﴿۵۸﴾ جو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے، ﴿۵۹﴾ اور وہ جو کچھ دیتے ہیں، اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۶۰﴾ یہی لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۶۱﴾ ہم کسی کو بھی اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک کتاب (نامۂ اعمال) ہے، جو ٹھیک ٹھیک بتلا دے گی اور لوگوں کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں ہوگی، ﴿۶۲﴾ (ایمان نہ لانے والوں کی کیفیت اس کے برخلاف ہے) بلکہ ان کے دل اِس دینِ حق کی طرف سے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ ان کے اور بھی (برے) عمل ہیں، جن کو وہ کرتے رہتے ہیں، ﴿۶۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے دوچار کریں گے تو وہ چلا اُٹھیں گے ﴿۶۴﴾ (ان سے کہا جائے گا:) آج مت چلاؤ، ﴿۶۵﴾ (تم ہی تو ہو) کہ میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے بھاگتے تھے، یقیناً تمہیں آج ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی، ﴿۶۶﴾ تکبر کرتے ہوئے قصہ کہانی کی مجلس جما کر (قرآن اور پیغمبر کو) برا بھلا کہا کرتے تھے۔ ﴿۶۷﴾

﴿۱﴾ یعنی جن لوگوں کا یقین اس مادی دنیا پر ہے، جو اس دنیا کی فانی اور جلد ختم ہو جانے والی نعمتوں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے ہیں، وہ تو غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور جن کا یقین آخرت پر ہے، وہ نیک اعمال میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶۸﴾ اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا
رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡکِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اَکۡثَرُهُمۡ
لِلۡحَقِّ کٰرِهُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَ لَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡهِنَّ ؕ
بَلۡ اَتَیۡنٰهُمۡ بِذِکۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِکۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۱﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ
خَیۡرٌ ٭ۖ وَّ هُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّکَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا
یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوۡنَ ﴿۷۴﴾ وَ لَوۡ رَحِمۡنٰهُمۡ وَ کَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ مِّنۡ ضُرٍّ
لَّلَجُّوۡا فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۵﴾

کیا انھوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا؟ یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے، جو ان کے پہلے باپ داداؤں کے پاس نہیں آئی تھی؟ ﴿۶۸﴾ یا انھوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں ہے؛ اس لئے ان کا انکار کرتے ہیں؟ ﴿۶۹﴾ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو جنون ہے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) پیغمبر ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو حق بات بری لگتی ہے ﴿۷۰﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے مطابق چلتے تو آسمان وزمین اور اُن میں موجود ساری چیزیں تباہ و برباد ہو جاتیں؛ بلکہ ہم نے تو ان کو خود ان ہی کی نصیحت کا سامان بھیج دیا ہے، مگر وہ اپنی ہی نصیحت کی بات سے منھ پھیرے ہوئے ہیں ﴿۷۱﴾ یا کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) کیوں کہ آپ کے پروردگار کی نوازش بہت بہتر ہے اور وہی ہیں بہترین روزی دینے والے! ﴿۱﴾ ﴿۷۲﴾ آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں ﴿۷۳﴾ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ سیدھے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں، ﴿۷۴﴾ اور اگر ہم ان پر مہربانی کریں اور ان کی مصیبت کو دور کر دیں تب بھی وہ اپنی سرکشی میں ڈوبے ہوئے بھٹکتے ہی رہیں گے۔ ﴿۷۵﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۶۸ سے ۷۲ تک ان تمام باتوں کا ذکر فرما دیا گیا، جو ان کے قرآن کو نہ ماننے کا سبب ہو سکتا ہے، اور ان کی تردید بھی کر دی گئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کا کلام پہلے ان کے باپ دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آ چکا ہے، محمد ﷺ کی صاف ستھری، بے داغ اور بے غبار زندگی نبوت کو پہچاننے کے لئے بہت کافی ہے؛ اس لئے وہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے آپ کی نبوت کو پہچانا نہیں، ان کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہے کہ آپ کسی دماغی مرض میں مبتلا نہیں ہیں، دنیا میں جو لوگ جھوٹے اور مکار ہوتے ہیں، ان کا بنیادی مقصد لوگوں سے پیسے اینٹھنا ہوتا ہے؛ لیکن آپ ان سے کسی معاوضہ کے طلب گار بھی نہیں ہیں، ان سب کے باوجود آخر وہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ فَمَا اسۡتَكَانُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَمَا يَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحۡنَا
عَلَيۡهِمۡ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيۡدٍ اِذَا هُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۷﴾ وَ هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ لَـكُمُ السَّمۡعَ ع ۴
وَالۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَ هُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَ اِلَيۡهِ
تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَ هُوَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَ يُمِيۡتُ وَ لَهُ اخۡتِلَافُ الَّيۡلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلۡ
قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۸۲﴾
لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸۳﴾ قُلۡ لِّمَنِ
الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِيۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

ہم نے ان کو عذاب میں بھی مبتلا کیا، پھر بھی نہ انھوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی اور نہ وہ گڑ گڑاتے ہیں،《۱》﴿۷۶﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت ساری اُمیدیں ٹوٹ کر رہ جائیں گی ﴿۷۷﴾ وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، (پھر بھی) تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو ﴿۷۸﴾ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ﴿۷۹﴾ وہی ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، رات اور دن کی تبدیلی اسی کے اختیار میں ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ﴿۸۰﴾ بلکہ یہ بھی وہی کہتے ہیں جو پہلے لوگ کہا کرتے تھے ﴿۸۱﴾ وہ کہا کرتے تھے: ''جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ ﴿۸۲﴾ اس کا وعدہ تو ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے آباء واجداد سے بھی کیا جاتا رہا ہے، یہ محض گذشتہ لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں'' ﴿۸۳﴾ آپ دریافت کیجئے: زمین اور جو کوئی زمین میں ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ﴿۸۴﴾ وہ ضرور کہیں گے: اللہ کی ہے، آپ فرما دیجئے: تو پھر کیا تم لوگ سوچتے نہیں ہو؟ ﴿۸۵﴾

《۱》 ثُمامہ بن اُثال جب مسلمان ہو گئے تو انھوں نے مکہ کی ناکہ بندی کردی؛ کیوں کہ ان کا قبیلہ مکہ جانے والے راستہ پر واقع تھا، انھوں نے اور ان کے قبیلہ نے طئے کر دیا کہ اب گیہوں کا ایک دانہ بھی مکہ پہنچنے نہیں دیا جائے گا، ادھر مکہ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ مردار اور کتے تک کھانے لگے، اس وقت ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ میں آپ کو خدا کا اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ نے بڑوں کو تلوار سے قتل کر دیا اور بچوں کو بھوک سے مار ڈالیں گے؛ اس لئے آپ ﷺ اپنے خدا سے اس قحط کے دور ہونے کی دُعا فرما دیجئے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے دُعا بھی فرمائی اور ناکہ بندی بھی ختم کرادی، پھر بھی اہل مکہ ایمان نہیں لائے۔ (دیکھئے: بخاری، باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامۃ بن اثال، حدیث نمبر: ۴۳۷۲، تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۴۳)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ
وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ ع ۵ ۱۵ ۵
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

آپ پوچھیئے: سات آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ ﴿۸۶﴾ وہ ضرور کہیں گے: اللہ ہے، آپ فرمائیے: پھر کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۸۷﴾ آپ کہیئے: کون ہستی ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے، وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو ﴿۸۸﴾ وہ یہی کہیں گے: یہ سب اللہ کا ہے، آپ کہیئے کہ پھر تم کس جادو کا شکار ہو گئے ہو؟ ﴿۸۹﴾ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ہم نے ان کو حق بات پہنچا دی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں، ﴿۹۰﴾ اللہ نے کسی کو بھی (اپنا) بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ایک دوسرے پر حملہ کرتا، اللہ تعالیٰ کی ذات ان باتوں سے پاک ہے، جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، ﴿۹۱﴾ وہی ہر پوشیدہ اور کھلی ہوئی چیز کا جاننے والا ہے؛ اس لئے وہ ان لوگوں کے شرک کرنے سے بلند و بالا ہستی ہے ﴿۹۲﴾ آپ دُعا کیجئے: ’’اے میرے رب! جس عذاب کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے، اگر آپ وہ مجھ کو دکھائیں (یعنی میری زندگی ہی میں وہ عذاب آجائے) ﴿۹۳﴾ تو میرے پروردگار! مجھ کو گنہگار لوگوں میں شامل نہ فرمائیں!!‘‘ ﴿۹۴﴾ اور ہم یقیناً اس بات پر قادر ہیں کہ ہم ان سے جس عذاب کا وعدہ کر رہے ہیں، وہ آپ کو دکھا دیں ﴿۱﴾ ﴿۹۵﴾ (لیکن فی الحال) آپ برائی کو ایسے طریقہ سے دُور کیجئے، جو بہت ہی بہتر ہو، ﴿۲﴾ یہ جو کچھ باتیں بناتے ہیں، ہم اس سے خوب واقف ہیں۔ ﴿۹۶﴾

﴿۱﴾ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ آپ کی زندگی میں اور اِس دنیا میں وہ عذاب ان پر نازل نہیں کریں، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے؛ بلکہ آخرت میں ان کو یہ عذاب ہو؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی ان کو عذاب دینے کی قدرت نہیں رکھتے، اللہ چاہیں تو ابھی ہی ان کو عذاب میں مبتلا کر دیں۔

﴿۲﴾ یعنی سخت کلامی کا جواب نرم گفتگو سے، بے رحمی کا جواب رحم دلی سے، اور نفرت کا جواب محبت سے دیجئے؛ کیوں کہ دل کو جیتنے اور دماغ کو فتح کرنے کا طریقہ یہی ہے۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا
جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ
هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ
بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِىْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ
النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

آپ دُعا مانگئے: میرے پروردگار! میں شیطانی وسوسوں سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، ﴿۹۷﴾ اور اے میرے رب!
میں اس بات سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آدھمکیں، «۱» ﴿۹۸﴾ یہاں تک کہ جب اِن (ایمان
نہ لانے والوں) میں سے کسی پر موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھ کو (دنیا میں) واپس بھیج دیجئے ﴿۹۹﴾
تاکہ جس دنیا کو چھوڑ آیا ہوں، اس میں کچھ بھلے کام کرلوں، ہرگز نہیں، یہ صرف ایک بات ہے، جو وہ کہہ رہا ہے
(جس کو پورا نہیں کیا جائے گا) اور ان کے سامنے قیامت کے دن تک کے لئے ایک آڑ ہے، «۲» ﴿۱۰۰﴾ پھر جب صور
میں پھونکا جائے گا تو نہ اس دن ان کے درمیان رشتے باقی رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے، «۳» ﴿۱۰۱﴾
تو جس (کی نیکیوں) کا وزن بھاری ہوجائے گا، وہی کامیاب ہوں گے ﴿۱۰۲﴾ اور جس کا وزن ہلکا نکلے گا تو یہی لوگ
ہوں گے، جنھوں نے خود اپنا نقصان کرلیا اور وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے «۴» ﴿۱۰۳﴾ آگ ان کے چہروں کو
جھلسا دے گی اور ان کے چہرے بگڑ چکے ہوں گے، ﴿۱۰۴﴾ (ان سے کہا جائے گا:) کیا میری آیتیں تم پر تلاوت نہیں کی
جاتی تھیں، پھر تم ان کو جھٹلا دیا کرتے تھے؟ ﴿۱۰۵﴾

«۱» جب اللہ کے رسول ﷺ سے یہ دُعا کرائی گئی تو عام انسان کس گنتی میں ہیں؟ اس لئے ان کو تو دن ورات چوکنا رہنا چاہئے اور شیطان سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔

«۲» یعنی موت کو دنیا کی طرف واپسی میں رکاوٹ بنا دیا گیا ہے؛ اس لئے وہ ہرگز اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

«۳» اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے: ''وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ'' (صافات: ۲۸) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان دونوں آیتوں کے درمیان اس طرح مطابقت پیدا کی ہے کہ جب پہلا صور پھونکا جائے تو نہ کوئی کسی کو پہچانے گا اور نہ کوئی کسی سے سوال کرے گا، پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور سوال کریں گے۔ (الدر المنثور: ۶/۱۱۶)

«۴» قرآن وحدیث میں ہر جگہ اعمال کے وزن کئے جانے کا ذکر ہے نہ کہ شمار کئے جانے کا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں عمل کی قدر وقیمت اس کے وزن سے ہوگی نہ کہ صرف کثرت سے، اور اعمال کا وزن بڑھے گا اخلاصِ نیت کی وجہ سے۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا
ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى
اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ
هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ
يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ
اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ
عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶

وہ جواب دیں گے: اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدنصیبی غالب آ گئی تھی اور ہم لوگ گمراہ رہ گئے تھے ﴿۱۰۶﴾ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دیجئے، اگر ہم پھر ایسا کریں گے تو ہم ضرور ظلم کرنے والے ہوں گے، ﴿۱۰۷﴾ اللہ فرمائیں گے: اسی میں ذلت ورسوائی کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو ﴿۱۰۸﴾ میرے بندوں کا ایک گروہ دُعا کرتا رہتا تھا: ''ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، اس لئے ہمیں معاف فرما دیجئے اور ہم پر رحم کیجئے اور آپ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں'' ﴿۱۰۹﴾ تو تم ان کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، یہاں تک کہ (اس مشغلہ نے) تم کو میری یاد سے غافل کر دیا اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے، ﴿۱۱۰﴾ میں نے آج ان کو ان کے صبر کرنے کا بدلہ عطا کر دیا، یقیناً وہی کامیاب ہیں ﴿۱۱۱﴾ ارشاد ہوگا: زمین میں تم کتنے سال رہے؟ ﴿۱۱۲﴾ کہیں گے: ''ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہوں گے؛ اس لئے (اے اللہ!) آپ گنتی کرنے والے (فرشتوں) سے دریافت فرمالیجئے'' ﴿۱۱۳﴾ اللہ فرمائیں گے: بے شک تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے، کاش، تم سمجھے ہوتے ﴿۱۱۴﴾ کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس واپس لائے نہیں جاؤ گے؟ ﴿۱۱۵﴾ تو اللہ جو حقیقی بادشاہ ہیں، بہت بلند و برتر ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرشِ عظیم کے مالک ہیں، ﴿۱۱۶﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت کرے گا؛ حالاں کہ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو اس کے پروردگار کے پاس اس کا حساب ہوگا، ایمان نہ لانے والے یقیناً کامیاب نہیں ہو سکتے، ﴿۱۱۷﴾ آپ دُعا کیجئے: ''میرے رب! معاف کر دیجئے، رحم فرمائیے اور آپ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں''۔ ﴿۱۱۸﴾

سُوْرَةُ النُّوْر

- سورہ نمبر : (۲۴)
- رکوع : (۹)
- آیتیں : (۶۴)
- نوعیت : مدنی

اس سورہ میں یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ ہی آسمان وزمین کے نور ہیں، یعنی آسمان وزمین میں جو روشنی پھیلی ہوئی ہے، وہ اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'سورۃ النور' ہے۔

اس سورہ میں معاشرتی زندگی کی بڑی اہم تعلیمات آگئی ہیں؛ چنانچہ امام مجاہدؒ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور خواتین کو سورۂ نور کی تعلیم دیا کرو، (شعب الایمان، ذکر السبع الطوال، حدیث نمبر: ۲۲۰۵) سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض رفقاء کو خط لکھا کہ وہ سورۂ نساء، احزاب اور سورۂ نور کو اچھی طرح پڑھیں، (کنز العمال، فصل فی آداب التلاوۃ، حدیث نمبر: ۴۱۰۶، نیز دیکھئے: الدر المنثور: ۱۲۴/۶) وجہ ظاہر ہے کہ ان تینوں سورتوں میں معاشرتی زندگی سے متعلق بہت سے احکام ذکر کئے گئے ہیں؛ اسی لئے اس سورہ کی ابتدائی آیات میں خاص طور پر اِس سورہ کی اہمیت وفضیلت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس سورہ میں زنا اور تہمت کی شرعی سزا، زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے لعان کا حکم، گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے، نگاہ کو پست رکھنے، عزت وآبرو کی حفاظت کرنے، غیر محرم کے سامنے زیب وزینت کے اظہار سے بچنے، ان مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے (جن کے شوہر و بیوی نہیں ہیں) اور اس طرح کے دوسرے احکام ذکر کئے گئے ہیں، جن کا تعلق عزت وآبرو کی حفاظت اور معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے اور شرم وحیا کی حفاظت کرنے سے ہے، اسی طرح خادموں اور بچوں کے لئے بھی تین ایسے اوقات —— جن میں کپڑوں کا پورا لحاظ نہیں رکھا جاتا —— میں اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، جن رشتہ داروں اور دوستوں کی طرف سے صریح اجازت کے بغیر کھانے پینے کی اجازت ہو، ان کے یہاں کھانے پینے کی اجازت اور معذوروں کو جہاد کے حکم سے مستثنیٰ رکھنے کا تذکرہ ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ یہ ایک سورہ ہے جسے ہم نے ہی نازل کیا ہے، ہم نے ہی اس (میں آنے والے احکام) کو مقرر کیا ہے اور ہم ہی نے اس میں واضح آیتیں اُتاری ہیں ؛ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿۱﴾ ۝۱ بدکاری کرنے والے مرد اور بدکاری کرنے والی عورت میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملہ میں تم لوگوں کو اُن پر ترس نہیں آنا چاہئے، اور ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کے ایک گروہ کو حاضر رہنا چاہئے۔ ﴿۲﴾ ۝۲

﴿۱﴾ سماجی زندگی سے متعلق احکام وقوانین کے اعتبار سے سورۂ نور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے؛ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تلقین فرماتی تھیں کہ عورتوں کو سورۂ نور سکھایا کرو: ''علمهن سورة النور'' (مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ النور: ۳۴۹۴) سورۂ نور کی اس اہمیت کی وجہ سے اور لوگوں کو اس کے مضامین کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے اس سورہ میں خاص طور پر ایک تمہید ذکر فرمائی گئی ہے کہ اس میں ذرا بھی شبہ نہ ہونا چاہئے کہ یہ سورہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اُتاری گئی ہے، اس کے احکام اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اس کے مضامین نہایت واضح اور بے غبار ہیں۔

﴿۲﴾ زنا کو دنیا کے ہر مذہب اور ہر مہذب معاشرہ میں جرم سمجھا گیا ہے، یہ آخرت کے اعتبار سے تو ایک شدید گناہ ہے ہی؛ لیکن دنیا میں بھی سماج کے لئے اور خود زنا کرنے والے مرد وعورت کے لئے نہایت نقصان دہ اور مضرت رساں ہے، زنا سے انسانیت شرمسار ہوتی ہے؛ کیوں کہ جو صنفی جذبات انسان کے اندر ہوتے ہیں، وہی دوسرے جانداروں میں ہوتے ہیں؛ لیکن ان کے یہاں ان کی شناخت محفوظ نہیں ہوتی، انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنی ایک پہچان رکھتا ہے، وہ باپ دادا کی نسبت سے جانا جاتا ہے، اس نسبت پر اسے فخر ہوتا ہے اور اگر کسی انسان کے بارے میں یہ بات کہی جائے کہ اس کے باپ کا پتہ نہیں ہے تو اس کے لئے یہ حد درجہ عار کی بات ہوتی ہے؛ اس لئے زنا اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد انسانی سماج کے لئے ایک بدنما داغ سے کم نہیں، دوسرے: انسان کو قدم قدم پر خاندان کی ضرورت پڑتی ہے، زنا کے ذریعہ جو بچے پیدا ہوتے ہیں، وہ خاندان سے محروم ہوتے ہیں، نہ ان کی خوشی اور غم میں کوئی مونس وغمخوار ہوتا ہے، نہ اس کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا کوئی شخص ذمہ دار ہوتا ہے، ان کی حیثیت اپنے آپ اُگ جانے والے پودوں کی ہوتی ہے، جن کی نہ کوئی دیکھ ریکھ ہوتی ہے اور نہ کوئی قدر و قیمت، تیسرے: یہ عورت کے خاندان کے ساتھ زیادتی ہے، عورت چاہے اپنی رضامندی سے برائی کی مرتکب ہو؛ لیکن یہ اس کے پورے خاندان کے لئے رسوائی کا باعث ہوتا ہے، چوتھے: طبی اعتبار سے بھی یہ گناہ حد درجہ نقصان دہ ہے، مختلف امراض خبیثہ — آتشک، ←

← سوزاک اور ایڈس ــــ زنا کے نتیجے میں انسان کو اپنا نشانہ بناتے ہیں اور تکلیف دہ اور رسوا کن موت تک پہنچا کر رہتے ہیں؛ اسی لئے شریعت نے زنا کی سب سے سخت سزا رکھی ہے، اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا سنگسار کرنا ہے، جس کا ذکر متعدد حدیثوں میں آیا ہے، (نسائی، کتاب القسامۃ، باب سقوط القود من المسلم للکافر، حدیث نمبر: ۴۷۴۳) اور اس پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہے، (ہدایہ اولین: ۵۰۹) امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سنگسار کرنے سے متعلق روایت تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہے، (مفاتیح الغیب: ۱۱/ ۴۲۸) ــــ کنوارے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے ہے، جس کا اس آیت میں ذکر ہے، اگر شرعی اُصولوں کے مطابق یہ جرم ثابت ہوجائے تو اس سزا پر فقہاء کا اتفاق ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۱۶۸) حدیث میں اس کے علاوہ ایک اور سزا کا بھی ذکر آیا ہے، کہ ایسے شخص کو ایک سال کے لئے جلاوطن کردیا جائے، (ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب حد الزنا، حدیث نمبر: ۲۵۵۰) لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ زنا کی سزا کا لازمی حصہ نہیں ہے؛ (بدائع الصنائع: ۵/ ۴۹۲) بلکہ یہ حکم بطور مصلحت کے ہے، مصلحت یہ ہے کہ جب ایسے گناہ کا مرتکب سماج میں رہتا ہے اور لوگ اس کو چلتے پھرتے دیکھتے ہیں تو اس برائی کا چرچا ہونے لگتا ہے اور جب کسی برائی کا زیادہ چرچا ہو تو اس کی وجہ سے وہ برائی پھیلتی ہے؛ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک ایسے ہی مجرم کو شہر بدر کیا گیا، وہ دوسری جگہ جا کر مرتد ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آئندہ کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا، (مصنف عبدالرزاق، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۱۷۰۴۰) ظاہر ہے کہ اگر شہر بدر کرنا سزا کا لازمی حصہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار نہ ہوتا کہ وہ اپنے طور پر کسی سزا کو ختم کردیں۔

زنا کے مضر اثرات اور انسان کے اندر جوانی کے زمانہ میں اس پر اُکسانے والے غیر معمولی جذبات کی وجہ سے اگرچہ اس جرم کی سزا نہایت سخت رکھی گئی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو باتیں قابل توجہ ہیں، اول: یہ کہ زنا کی سزا دیئے جانے کے لئے اس کا ثابت ہونا شرط ہے، ناکافی ثبوت اور شبہ کی وجہ سے یہ سزا نہیں دی جاسکتی، اور اس کے ثبوت کی شرطیں بہت سخت ہیں کہ چار ایسے مرد گواہ اس فعل کی گواہی دیں، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے عین فعلِ زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دونوں کو دیکھا ہو؛ (ابوداود، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۵۲) گویا مجرم صرف زنا کا مرتکب ہی نہیں ہو؛ بلکہ اس نے حد درجہ بے حیائی کے ساتھ اس برائی کا ارتکاب کیا ہو، دوسرے کوئی شخص یا سماج یا خاندان کا ذمہ دار اپنے طور پر زنا کی سزا نافذ نہیں کرسکتا، امیر اور اس کے قائم مقام جیسے قاضی ہی اس سزا کو نافذ کرے گا: ''لا خلاف أن المخاطب بھذا الأمر الإمام و من ناب منابہ''۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۱۶۱)

عام طور پر اہل مغرب کی طرف سے تاثر دیا جاتا ہے کہ شریعتِ اسلامی میں مختلف جرائم اور خاص کر زنا کی جو سزا مقرر کی گئی ہے، وہ نہایت سخت بلکہ غیر انسانی ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں، اول یہ کہ زنا اور اس طرح کے جرائم کی سزا صرف دارالاسلام میں قابل نفاذ ہوتی ہے، جہاں ایک حقیقی اسلامی حکومت ہو، پوری طرح اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جاتا ہو اور مجرم کو جرم سے بچنے کے لئے معاون ماحول دیا جاتا ہو، مثلاً جہاں حقیقی اسلامی حکومت قائم ہو، وہاں نہ شراب کے کارخانے ہوں گے اور نہ شراب کی خرید و فروخت ہوگی، جو عام طور پر انسان کو زنا جیسے گناہ کی طرف لے جاتا ہے، اسی طرح وہاں فحش لٹریچر، ہیجان انگیز اشتہارات، نیز تعلیم گاہوں اور آفسوں میں مرد و عورت کے اختلاط کی گنجائش نہیں ہوگی، خواتین اپنے سارے کام ←

اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

بدکار مرد (رغبت کے ساتھ) بدکار عورت یا شرک کرنے والی عورت کے سوا کسی سے نکاح نہیں کرتا، اور بدکار عورت سے (رغبت وخوش دلی کے ساتھ) وہی شخص نکاح کرتا ہے، جو خود بدکار یا مشرک ہو، اور ایمان والوں پر اس کو حرام کر دیا گیا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۳﴾

← پردے کے ساتھ کریں گی، ظاہر ہے ایسے پاکیزہ ماحول میں زنا جیسے واقعات اِکّا دُکّا ہی پیش آئیں گے اور بمشکل ہی ثابت ہوسکیں گے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی دس سالہ زندگی میں اس جرم کے صرف تین چار واقعات ہی پیش آئے —— دوسرے یہ ایک حقیقت ہے کہ زنا جیسے جرم کو روکنے اور سماج کو عفیف و پاکدامن رکھنے کے لئے سخت جسمانی سزا ضروری ہے، اس کو سمجھنے کے لئے موجودہ مغربی معاشرہ کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہاں کس طرح عفت وعصمت کا تصور ختم ہوتا جارہا ہے، بے نسب اولاد کی بہتات ہوتی چلی جارہی ہے، خاندانی نظام بکھر گیا ہے اور جان لیوا بیماریوں نے سماج کو جکڑ لیا ہے؛ اس لئے جو لوگ عفت وعصمت کو انسان کا اخلاقی جوہر سمجھتے ہیں، جن کی نگاہ میں نسب کی حفاظت کی اہمیت ہے اور جو ایک پاکیزہ سماج تعمیر کرنا چاہتے ہیں، وہ ہرگز اس سزا کو ظلم اور انسانیت مخالف قرار نہیں دے سکتے۔

زنا کی سزا مقرر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی ہدایت دی ہے، ایک یہ کہ جب جرم ثابت ہوجائے تو اس کے نفاذ میں تامل نہ کیا جائے اور ایسا نہ ہو کہ رحم دلی کا جذبہ آڑے آجائے؛ البتہ اگر کسی شخص سے زنا کا ارتکاب ہو اور معاملہ عدالت میں نہیں پہنچا، تو اس کو چھپا دینا اور اور اس پر پردہ رکھ دینا افضل ہے؛ چنانچہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے اپنے بھائی کے عیب کو چھپا دیا ہوتا تو یہ بہتر ہوتا، (ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی الستر علی الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۷۷) —— آیت میں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب جرم ثابت ہو چکا اور اس پر سزا نافذ ہی کی جائے تو یہ سزا علی الاعلان نافذ کی جانی چاہئے؛ تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی عبرت ہو اور معاشرہ میں یہ گناہ پنپنے نہ پائے۔

زنا کی سزا میں شریعت کی حکمت قابل توجہ ہے کہ زنا ایک ایسا گناہ ہے، جس سے انسان کا پورا وجود لذت حاصل کرتا ہے، اسی لئے سنگساری یا کوڑے کی شکل میں سزا بھی ایسی مقرر کی گئی، جس کا اثر اس کے پورے جسم پر پڑتا ہے اور یہ بات بھی قابل عبرت ہے کہ جب انسانوں نے اللہ کے احکام کو نافذ کرنا چھوڑ دیا تو قدرت کی طرف سے ان پر ایسی جان لیوا، تکلیف دہ اور رُسوا کن بیماریاں مسلط کر دی گئیں، جو انسان کے پورے وجود کو متاثر اور شدید قسم کے درد والم سے دوچار کرتی ہیں۔

﴿۱﴾ یہ آیت بطور حکم شرعی کے نہیں ہے کہ بدکار مرد کا نکاح پاک دامن عورت سے اور پاکدامن مرد کا نکاح بدکار عورت سے نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس میں انسانی نفسیات کو واضح کیا گیا ہے اور انسان کے اندرونی مزاج کو بتایا گیا ہے کہ جو شخص خود زنا کا عادی ہو، وہی کسی زنا کی خوگر عورت سے نکاح کرسکتا ہے اور جس عورت کے اندر زنا کی خو پیدا ہوگئی ہے، وہی رشتہ نکاح کے لئے ایسے مرد کو ←

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً
وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو، یہی لوگ پکے نافرمان ہیں، ﴿۴﴾ سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں؛ کہ اللہ بہت بخشنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۵﴾

← قبول کرسکتی ہے، جو اس برائی کی لت میں مبتلا ہو، گویا اس آیت میں حکم نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک خبر ہے اور انسانی مزاج کا ذکر ہے، اور اتفاقی طور پر کسی شخص کے گناہ میں مبتلا ہوجانے کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے، جو اس برے فعل کے عادی ہوں اور بار بار اس کا ارتکاب کرتے ہوں، ورنہ تو کسی مرد یا عورت کا زنا کا مرتکب ہونا مسلمان سے اس کے نکاح منعقد ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے، اسی طرح مشرک مرد سے کسی مسلمان عورت کا اگرچہ کہ وہ بدکار نہ ہو اور مشرک عورت سے کسی مسلمان مرد کا اگرچہ کہ وہ زانی نہیں ہو، نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿۱﴾ انسان کے لئے ایمان اور زندگی کے بعد جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور جس کو ایک شریف اور باعزت انسان سب سے بڑھ کر اہمیت دیتا ہے، وہ ہے عزت وآبرو، اگر کسی پاک باز پر زنا کی تہمت لگانے والوں کو سخت سزا نہ دی جائے تو معاشرہ کے باعزت لوگوں کے لئے مصیبت ہوجائے گی، اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تین احکام بیان کئے گئے ہیں، اول یہ کہ محصنہ یعنی پاکدامن عورت کو کوئی شخص تہمت لگائے تو وہ اس سزا کا مستحق ہے، جس کا آگے ذکر کیا جارہا ہے، محصنہ سے وہ عورت مراد ہے جو مسلمان ہو، بالغ ہو اور اس الزام سے پہلے اس کا زنا کا مرتکب ہونا ثابت نہ ہو، نیز الزام لگانے والا اس عورت یا مرد پر واضح طور پر زنا کی تہمت لگائے، اس نے صرف شبہ کا اظہار نہ کیا ہو، یا زنا سے پہلے انسان جن افعال سے گذرتا ہے، جیسے: بوس وکنار وغیرہ، صرف اس کا الزام نہ لگایا ہو؛ بلکہ صریح طور پر زنا کا الزام لگایا ہو، اور اپنے اس الزام پر چار آنکھوں دیکھے مرد گواہ پیش نہ کرسکے، دوسرا حکم یہ بتایا گیا کہ ایسے الزام لگانے والے شخص کے لئے دو سزائیں ہیں، ایک یہ کہ اس کو اَسّی کوڑے لگائے جائیں، دوسرے: آئندہ کبھی اس کی گواہی قبول نہ کی جائے، پہلی سزا جسمانی ہے، دوسری سزا معنوی، تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ اس گناہ کے بعد جو لوگ توبہ کرلیں اور ان کی عملی زندگی اس بات کو بتاتی ہو کہ انھوں نے اپنی حالت کی اصلاح کرلی ہے تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کردیں گے؛ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور سلف صالحین میں سے بہت سے فقہاء اور اہل علم کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ توبہ کے باوجود اس کی گواہی کسی بھی معاملہ میں اور ہمیشہ کے لئے ناقابل قبول سمجھی جائے گی؛ کیوں کہ یہ اس کی سزا کا ایک حصہ ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا گناہ معاف ہوجائے گا؛ لیکن اکثر فقہاء کا رجحان یہ ہے کہ توبہ کے بعد دنیا میں بھی ایسے شخص کی گواہی قبول کی جائے گی، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۷۹) —— قرآن مجید میں اگرچہ یہاں پاک دامن عورت پر ←

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ
اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ
ع عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا
تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ
وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ان کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ یقیناً سچ بول رہا ہے ﴿۶﴾ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو! ﴿۷﴾ اور عورت سے اس طرح سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ بھی چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً یہ مرد جھوٹا ہے ﴿۸﴾ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اگر یہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو! ﴿۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ خوب توبہ قبول کرنے والے اور حکمت والے ہیں (تو تم بڑے نقصان میں پڑ جاتے) ﴿۱۰﴾ جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے، وہ تم ہی میں کا ایک ٹولہ ہے، تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو؛ بلکہ تمہارے حق میں یہ بہتر ہے، ان میں سے جس شخص نے جتنا کیا، اس کے لئے اتنا ہی گناہ ہے، اور جس شخص نے اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا، اس کے لئے سزا بھی (اتنی ہی) سخت ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾

← تہمت لگانے کا ذکر آیا ہے؛ لیکن یہی حکم پاکدامن مرد پر تہمت لگانے کا بھی ہے؛ چوں کہ عورتوں کے لئے یہ الزام زیادہ باعث عار ہوتا ہے؛ اس لئے خاص طور پر عورتوں کا ذکر فرمایا گیا۔

﴿۱﴾ یوں تو کسی بھی مرد و عورت کو زنا کی حالت میں دیکھنا ایک پاکباز انسان کے لئے رنج و صدمہ کا باعث ہے؛ لیکن اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھے تو یقیناً اس کے جذبات غیر معمولی طور پر مشتعل ہو جائیں گے؛ کیوں کہ یہ براہ راست اس کی غیرت کے لئے چیلنج ہے؛ چنانچہ قرآن میں جب یہ حکم نازل ہوا کہ اگر کسی عورت پر کوئی مرد تہمت لگائے اور وہ اپنے اس دعویٰ پر چار آنکھوں دیکھے گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو اسّی کوڑے لگائے جائیں گے تو بعض صحابہ کو حیرت ہوئی کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس حال میں دیکھے تو کیا اس کے لئے بھی یہی حکم ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' سوال کرنے والے کی حیثیت سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بھی حدیث میں ذکر آیا ہے، (ابوداود، کتاب الدیات، باب فی من وجد مع اہلہ الخ، حدیث نمبر: ۴۵۳۶) اور عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا بھی، (مسلم، کتاب اللعان، حدیث نمبر: ۱۴۹۲) ان حضرات نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ جو شخص اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھے ←

← تو کیا وہ اس کے لئے گواہ تلاش کرے گا یا فوری طور پر کارروائی کرے گا؟ لیکن رسول اللہ ﷺ برابر یہی کہتے رہے کہ یا تو گواہ فراہم کیا جائے یا پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، ان ہی دنوں دو ایسے واقعات پیش آئے، جن میں شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی حالت میں دیکھا، ایک واقعہ ہلال بن امیہ کا ہے، وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے گھر تشریف لائے تو اپنی بیوی کو شریک بن سحمہ کے ساتھ زنا کی حالت میں پایا؛ لیکن انھوں نے تحمل سے کام لیا اور فوری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی؛ بلکہ صبح ہوکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں رات اپنی بیوی کے پاس آیا تو میں نے اس کے پاس ایک مرد کو پایا اور برائی کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، رسول اللہ ﷺ کو ان کا یہ الزام ناگوار ہوا، آپ ﷺ نے ناراضگی ظاہر فرمائی اور کہا کہ ثبوت پیش کرو؛ ورنہ تمہاری پیٹھ پر تہمت کی سزا جاری کی جائے گی، ہلال بن اُمیہؓ نے کہا: اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میرے معاملہ میں ایسا حکم نازل فرمائیں گے کہ میری پیٹھ اس سزا سے محفوظ رہے؛ چنانچہ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور ان کی بیوی کو طلب فرمایا اور مسجد کے اندر لعان کرایا، ان کی بیوی سے جب پانچویں دفعہ کہلایا گیا کہ ''اگر شوہر اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو'' تو اس وقت انھوں نے تھوڑا سا توقف کیا؛ لیکن پھر یہ کہتے ہوئے لعان کے عمل کو پورا کیا کہ میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے رسوا کرنا نہیں چاہتی، (سنن ابی داود، عن عبداللہ بن عباسؓ، کتاب الطلاق، باب اللعان، حدیث نمبر: ۲۲۵۶) اس کے بعد جلد ہی ایک دوسرا واقعہ عویمر عجلانیؓ کا پیش آیا، انھوں نے بھی اپنی بیوی کو شریک بن سحمہ کے ساتھ زنا کی حالت میں پایا، یہ شریک عویمر عجلانیؓ کے بھی چچا زاد بھائی تھے اور ان کی بیوی خولہ بنت قیس کے بھی، پھر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آیا، (نصب الرایہ: ۳/ ۲۵۲، باب اللعان) اگرچہ کہ اس دوسرے واقعہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کیا ہے: ''قد أنزل الله فيك'' لیکن اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ تم جس واقعہ سے دوچار ہوئے ہو، اسی طرح کے واقعہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ (فتح الباری: ۱۳/ ۲۵۴، نووی علی مسلم: ۵/ ۲۶۰)

آیت میں جو حکم دیا گیا ہے، اس کو ''لعان'' کہتے ہیں، لعان 'لعنت' سے ماخوذ ہے؛ چوں کہ اس میں جھوٹے پر اللہ کی لعنت بھیجی جاتی ہے، اس لئے اس کو ''لعان'' کہا جاتا ہے، ''لعان'' کے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار آنکھوں دیکھے گواہ نہ ہوں اور بیوی کو جرم کا اقرار نہ ہو تو پہلے شوہر سے چار دفعہ قسم کھلائی جائے گی کہ اس نے اپنی بیوی کے بارے میں جو کہا ہے، وہ سچ ہے، اور پانچویں دفعہ کہلایا جائے گا: اگر اس نے یہ بات جھوٹ کہی ہے تو اس پر اللہ کی لعنت، پھر عورت سے چار دفعہ قسم کھلائی جائے گی کہ شوہر نے اس پر جو الزام لگایا ہے، وہ اس میں جھوٹا ہے، اور پانچویں دفعہ کہلایا جائے گا: اگر میرا شوہر اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب — ''لعان'' کے بعد دونوں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائیں گے؛ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک علاحدگی اس وقت واقع ہوگی، جب یا تو شوہر طلاق دے دے اور اگر اس نے طلاق نہیں دی تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے، اور اس کے بعد جو بچہ پیدا ہو، شوہر سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مرد اپنے دعویٰ پر قائم رہے؛ لیکن قسم کھانے سے انکار کردے، یا عورت اپنے انکار پر قائم رہے؛ لیکن قسم کھانے پر آمادہ نہ ہو، تو قسم سے انکار کرنے والے کو قید کردیا جائے گا اور اس وقت تک اس کو قید میں رکھا جائے گا، جب تک کہ وہ قسم کھانے کو تیار نہ ہوجائے۔

←

لَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۲﴾
لَوۡ لَا جَآءُوۡ عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ
الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمۡ فِىۡ مَاۤ
اَفَضۡتُمۡ فِيۡهِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۖۚ ﴿۱۴﴾ اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ
لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ ﴿۱۵﴾

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اپنے لوگوں کے بارے میں اچھا گمان قائم کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلی ہوئی تہمت ہے، ﴿۱۲﴾ (اگر تہمت لگانے والے سچے تھے) تو انھوں نے اس بات پر چار گواہ کیوں نہیں پیش کئے؟ پھر جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں ﴿۱۳﴾ اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا تو اس بات کو پھیلانے کی وجہ سے تم پر اسی وقت کوئی بڑی آفت آجاتی ﴿۱۴﴾ جب تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل کرنے لگے اور اپنے منھ سے ایسی باتیں کہنے لگے، جس کی تم کو کوئی خبر نہیں تھی، اور تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے؛ حالاں کہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بھاری بات تھی۔ ﴿۱۵﴾

← حنفیہ کے نزدیک ''لعان'' میں مرد سے جو قسم کھلائی جاتی ہے، وہ حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا کے قائم مقام ہے اور عورت کا قسم کھانا زنا کی سزا کے قائم مقام ہے، نیز یہ شرعی سزائیں جو ''حد'' کہلاتی ہیں، اسلامی حکومت ہی میں قابل نفاذ ہیں؛ اسی لئے اگر ہندوستان میں شوہر اس طرح کا دعویٰ کرے اور بیوی کو انکار ہو تو ''لعان'' نہیں کرایا جائے گا؛ کیوں کہ غیر اسلامی حکومت میں ان سزاؤں کا نفاذ نہیں ہوسکتا، دوسرے فقہاء کے نزدیک ''لعان'' کی حیثیت قسم کی ہے اور قسم کھلانے کے لئے اسلامی حکومت کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں فقہاء کی اکثریت کی جو رائے ہے، اس رائے پر عمل کرنا مناسب ہے کہ ایسے واقعات میں لعان کرایا جائے اور میاں بیوی کے درمیان اس عمل کے ساتھ ہی علاحدگی ہوجائے، جیسا کہ مالکیہ اور احناف میں امام زفرؒ کا نقطۂ نظر ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۹۳) —— لعان سے متعلق احکام کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس کے لئے مستقل طور پر ''باب اللعان'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے، اہل علم کو چاہئے کہ ان کتابوں سے رُجوع کریں، ایسے واقعات سے یہ خیال پیدا نہ ہونا چاہئے کہ ایسے پاکیزہ اور مبارک دور میں بھی ایسے واقعات پیش آیا کرتے تھے؟ دراصل انسانی معاشرہ میں اچھے اور برے دونوں طرح کے واقعات پیش آتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ایک ایسی شریعت لے کر آئے جو زندگی کے تمام مسائل میں انسانیت کی رہنمائی کرے اور اُمت کے لئے ہر حال میں اُسوہ موجود ہو؛ لہٰذا جو باتیں رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف نہیں تھیں، وہ آپ ﷺ کو پیش آئیں، اور جن باتوں کو آپ کے ذریعہ کرایا جانا آپ ﷺ کی شان کے خلاف تھا، اللہ کی طرف سے ان کا ارتکاب صحابہ سے کرایا گیا؛ تاکہ اُمت کے لئے ایسے حالات میں بھی اُسوہ مہیا رہے۔

وَلَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾
يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ع ۱۰ ۸ النصف
وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو کہتے کہ: ''ہمیں اس بات کو زبان پر لانا بھی زیب نہیں دیتا، (اے اللہ!) آپ کی ذات پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے!'' ﴿۱۶﴾ اللہ تم کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے مسلمان ہو تو پھر کبھی ایسی حرکت نہیں کرنا ﴿۱۷﴾ اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتے ہیں، اللہ خوب جانتے ہیں اور بڑی حکمت والے ہیں ﴿۱۸﴾ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کا چرچا ہو، یقیناً ان کے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ﴿۱۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہیں ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بہت شفیق اور مہربان ہیں (تو تم اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں پاتے) ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو! تم شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، جو شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی کرتا ہے، وہ بے حیائی کا اور بری باتوں کا حکم دیتا ہے، اگر تم پر اللہ کا کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی بھی (گناہوں سے) پاک صاف نہ ہو پاتا؛ لیکن اللہ جسے چاہتے ہیں پاک صاف کر دیتے ہیں اور اللہ خوب سننے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ سنہ ۶ ہجری میں غزوۂ بنو مُصطلق پیش آیا، جس کو غزوۂ مُریسیع بھی کہتے ہیں، اس غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی رفیق سفر تھیں، مدینہ کے قریب قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا، جب قافلہ کے نکلنے کا اعلان ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضاء حاجت کے لئے جنگل کی طرف بڑھ گئیں، جب واپس آنے لگیں اور اپنے سینہ پر ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے؛ چنانچہ پھر اس کی تلاش کے لئے واپس گئیں، اب ہار تو مل گیا؛ لیکن واپس ہونے تک قافلہ روانہ ہو چکا تھا، ایک تو رات کا وقت، پھر اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم عمر اور دبلی پتلی تھیں، لوگوں نے سمجھا کہ آپ اپنے 'حودج' میں تشریف فرما ہیں، صحابہ نے حَودَج (کجاوہ) اُٹھا کر اونٹنی کی پشت پر رکھ دیا اور انھیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ اُم المومنین اس میں موجود نہیں ہیں، بہر حال قافلہ آگے بڑھ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب واپس آئیں تو چادر اوڑھ کر اس اُمید پر لیٹ گئیں کہ جب حضور ﷺ مجھ کو کجاوہ میں نہیں پائیں گے تو میرے تلاش میں لوگ ←

← یہاں تک پہنچیں گے، معمول یہ تھا کہ قافلہ کے پیچھے ایک شخص کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ پیچھے پیچھے آئے؛ تاکہ فوج کی جوگری پڑی چیز ہو، اسے اُٹھالے، اس موقع پر یہ ذمہ داری حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ سے متعلق تھی، وہ چوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھ چکے تھے؛ اس لئے پہچان گئے اور زور سے 'انا للہ وإنا إلیه راجعون' پڑھا، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بہت بہادر، حضور ﷺ کے جاں نثار، اور بڑے دین دار صحابہ میں تھے، وہ اونٹنی سے اُترے اور وہاں سے ہٹ گئے؛ تاکہ اُم المومنین کو سوار ہونے میں کوئی دقت نہ ہو؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹنی پر سوار ہوگئیں اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اونٹ کی نکیل پکڑے پیدل چلنے لگے، یہاں تک کہ دوپہر کے قریب قافلہ سے آملے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی پاکباز خاتون، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ جیسے پارسا صحابی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لانے میں ان کی احتیاط اور چھپ چھپا کر آنے کے بجائے عین دوپہر کے وقت بلا تامل قافلہ سے آملنا، یہ ساری باتیں وہ ہیں، جو دور دور تک پیدا ہونے والے شک وشبہ کی جڑ کاٹ دیتی ہیں؛ لیکن جب آدمی کے دل میں عناد، عداوت اور حسد ہو تو اس کو دن کی روشنی بھی رات کی تاریکی محسوس ہونے لگتی ہے؛ اس لئے منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے اس پر بدگوئی کرنی شروع کردی، اور ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی چالباز شخص رنگ آمیزی کرکے جھوٹ بولتا ہے تو بہت سے سچے اور اچھے بھولے بھالے لوگ بھی اس کے جال میں آجاتے ہیں؛ چنانچہ تین مخلص مسلمان حضرت حسّان بن ثابت، حضرت مِسْطَح بن اثاثہ اور حضرت حَمْنَہ بنت جَحْش نے بھی اس بیہودہ الزام کا یقین کرلیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ان کے والدین اور خود رسول اللہ ﷺ کو اس بات سے جو صدمہ پہنچا وہ تو پہنچا ہی؛ لیکن منافقین کی طرف سے اس واقعہ کی گونج اور اس کے چرچے نے عام طور پر مسلمانوں کو بے چین کردیا، آخر تقریباً ایک ماہ کے بعد قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور پاک دامنی کو قیامت تک کے لئے ایک آسمانی ریکارڈ کے طور پر محفوظ کردیا گیا اور جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی، ان پر تہمت کی حد جاری کی گئی، حدیث وسیرت کی کتابوں میں تفصیل سے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی والدہ ماجدہ کی روایت سے اس واقعہ کا ذکر آیا ہے (بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الإفک، حدیث نمبر: ۳۹۱۰) —— ان آیات میں متعدد باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ بہت سی دفعہ کوئی تکلیف دہ بات پیش آتی ہے؛ لیکن اس میں بھلائی کا پہلو چھپا ہوتا ہے، اُم المومنین پر تہمت لگائے جانے سے بڑھ کر تکلیف دہ واقعہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتری کا پہلو پیدا فرمادیا کہ جھوٹی تہمت لگانے والوں کے لئے سخت سزا مقرر کردی؛ تاکہ آئندہ کوئی جھوٹا شخص دوسرے کی عزت وآبرو پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کرے، دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے اس میں بڑھ کر حصہ لیا ''الذی تولی کبرہ منھم'' سے مراد عبداللہ بن اُبی ہے، جس نے الزام تراشی کی یہ آگ سلگائی اور اس کے شعلے بھڑکائے، تیسرے: یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کے بارے میں بنیادی طور پر پاکدامنی وپاکبازی کا تصور رکھنا چاہئے؛ لہٰذا اگر کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات کہی جائے تو دوسرے مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اسے بے بنیاد اور جھوٹ قرار دے، سوائے اس کے کہ اس پر کوئی ثبوت شرعی فراہم ہوجائے، چوتھے: کوئی کتنا ہی اچھا آدمی کسی مسلمان مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے، جب تک وہ ثبوت شرعی فراہم نہ کرے، اسے اس معاملہ میں جھوٹا ہی تصور کیا جائے گا، پانچویں: کسی سے متعلق اگر ایسے الزام کے صحیح ہونے کا دل میں خیال بھی پیدا ہو تو اسے زبان پر نہیں لانا چاہئے، چھٹے: جو لوگ اسلام کے دشمن اور شیطان کے پیروکار ہیں، ان کا ایک بنیادی اور مشترک مزاج یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم سماج میں بے حیائی پھیلے اور اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں برائی کا خوب چرچا کیا جائے، کہ اس سے بھی برائی پھیلتی ہے۔

وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ وَلۡيَـعۡفُوۡا وَلۡيَـصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۙ ﴿۲۳﴾

اور تم میں سے اہل خیر اور خوش حال لوگوں کو قسم نہ کھالینی چاہیے کہ وہ رشتہ داروں، ضرورت مندوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی مدد نہیں) دیں گے، اور معافی اور درگزر سے کام لینا چاہیے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دیں؟ اللہ بہت معاف کرنے والے ہیں اور نہایت مہربان ہیں ﴿۱﴾ ﴿۲۲﴾ جو لوگ پاکدامن، بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، یقیناً ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ اس الزام تراشی میں جو بھولے بھالے مسلمان شامل ہو گئے — جیسا کہ ذکر ہوا — ان میں ایک مِسۡطَح بن اثاثہ بھی ہیں، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بہن کے لڑکے تھے اور معاشی اعتبار سے بڑے تنگدست تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے فقر اور محتاجی کی وجہ سے ان کی خصوصی مدد کیا کرتے تھے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں وہ شریک ہو گئے تو فطری طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مِسۡطَح کی مدد نہیں کریں گے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے جن کو گنجائش عطا کی ہے، ان کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے اور پھر کیا ہی خوبصورت انداز پر فرمایا گیا کہ تم انھیں معاف کر دو، کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ اللہ تم کو معاف کر دیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف فرما دیں، نیز حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی دوبارہ مدد کرنے لگے اور فرمایا کہ میں کبھی اس مدد کو نہیں روکوں گا، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ النور، حدیث نمبر: ۴۷۵۰) — اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان سے سخت سے سخت گناہ بھی ہو جائے تو اس کی پچھلی نیکیاں ختم نہیں ہو جاتیں؛ کیوں کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی ہجرت جیسی نیکی کا ذکر اس آیت میں بھی موجود ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی شان میں دوسرے مسلمان بھائی سے کتنی بھی بڑی سے بڑی غلطی ہو جائے، عفو و درگذر کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا کہ انسان اللہ کے بندے کے ساتھ جو سلوک روا رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ وہی سلوک اس کے ساتھ فرماتے ہیں؛ کیوں کہ اللہ کی رحمت انسان کے جذبۂ رحم سے کہیں بڑھ کر ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمل میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ اگر کسی اچھے کام کے نہ کرنے کی قسم کھالی جائے تو قسم کو جاری رکھنا مطلوب نہیں؛ بلکہ اس قسم کو توڑ دینا چاہئے اور اس نیکی کو انجام دینا چاہئے؛ البتہ اس صورت میں اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا — علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسے گنہگاروں کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا ہے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کے حق میں عفو و درگذر کا حکم دیا ہے، جو نبی کی بیوی پر تہمت لگانے میں شامل ہو گئے تھے: اس لئے یہ آیت گنہگار اور عصیاں شعار لوگوں کے لئے اُمید کی روشنی ہے کہ وہ بھی اس رحیم و کریم کی بارگاہ میں لطف و کرم سے محروم نہیں رہیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۰۸)

﴿۲﴾ دنیا میں لعنت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گواہی کے لئے معتبر باقی نہیں رہیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان تعریف و ستائش کے درجہ سے گر جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۱۰)

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ
يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ
وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا
يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۹

جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے،﴿۱﴾ ﴿۲۴﴾ اس دن اللہ ان کو پوری پوری سزا دیں گے، جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والے اور (سچائی کو) کھولنے والے ہیں ﴿۲﴾ ﴿۲۵﴾ گندی عورتیں ہی گندے مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد ہی گندی عورتوں کے قابل ہیں اور پاکدامن مردوں کے شایانِ شان پاکدامن عورتیں اور پاکدامن عورتوں کے شایانِ شان پاکدامن مرد ہیں، یہ (تہمت لگانے والے) جو کچھ کہتے پھرتے ہیں، وہ لوگ اس سے پاک ہیں، ان کے لئے بخشش اور عزت والی روزی ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یعنی دنیا کی عدالت میں تو باہر سے گواہوں کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی تو خود انسان کے ہاتھ پاؤں گواہی دینے لگیں گے، جس خدا نے گوشت و پوست کی زبان کو بولنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اگر وہ اسی گوشت سے بنے ہوئے دوسرے اعضاء کو بھی بولنے کی طاقت دے دیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

﴿۲﴾ غرض کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ادھورا ہوتا ہے اور سزا بھی ادھوری ہوتی ہے، آخرت میں جو لوگ جنت میں جائیں گے، ان کو انعام بھی پورا پورا ملے گا، نہ نعمت ختم ہوگی نہ نعمت سے فائدہ اُٹھانے والے فنا ہوں گے، اسی طرح جو لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، ان کی تکلیفیں بھی بے پناہ ہوں گی، اور ان کو موت بھی نہ آئے گی کہ وہ ان تکلیفوں سے نجات پاسکیں، اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ اگر کسی پر حد (شرعی سزا) جاری ہوجائے؛ لیکن وہ توبہ واستغفار نہ کرے تو آخرت کی سزا معاف نہیں ہوگی، یہی فقہاء حنفیہ کی رائے ہے۔ (رد المحتار: ۶/۴، کتاب الحدود)

﴿۳﴾ یعنی پیغمبر کی ذات سب سے زیادہ پاکباز ہوتی ہے؛ اس لئے اللہ کی طرف سے ان کے لئے ایسی ہی بیوی کا انتخاب کیا جاتا ہے، جو انتہائی پاکدامن ہو، پس یہ بات کیسے سوچی جاسکتی ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی بیوی کا انتخاب فرمایا ہو، جو عفت وعصمت کی حامل نہ ہو؟ —— اس آیت میں انسان کے مزاج و مذاق کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ خود بدکردار ہوتے ہیں، وہی جانتے بوجھتے اپنے لئے بدکردار جوڑے کا انتخاب کرسکتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پاکدامن مرد کا نکاح اگر ایسی عورت سے ہوجائے جو پاکدامن نہ ہو، یا پاکدامن عورت کا نکاح ایسے مرد سے ہوجائے جس کو عفت وعصمت کا خیال نہ ہو تو نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ اخلاقی تعلیم ہے، کہ رشتہ کے انتخاب میں جو چیز سب سے زیادہ پیش نظر رکھنے کے لائق ہے، وہ انسان کی پاکبازی اور پاکدامنی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ حَتّٰى تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَهۡلِهَا ؕ
ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿٢٧﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى
يُؤۡذَنَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡكٰى لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿٢٨﴾
لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا
تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو، جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اُمید کہ تم خیال رکھو گے، ﴿٢٧﴾ اگر تم گھر میں کسی کو نہ پاؤ، تب بھی اس میں داخل نہ ہو، جب تک کہ تم کو اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہوجاؤ تو لوٹ جایا کرو، یہی تمہارے لئے پاکیزہ طریقہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں ﴿٢٨﴾ (ہاں) تم پر کوئی حرج نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو، جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور اس میں تمہاری کوئی چیز ہو، اللہ کو وہ بھی معلوم ہے، جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور وہ بھی معلوم ہے، جس کو تم چھپاتے ہو۔ ﴿١﴾ ﴿٢٩﴾

﴿١﴾ ان آیات میں پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہوں تو ضروری ہے کہ پہلے اس سے اجازت حاصل کی جائے، اگر آدمی اپنے ہی گھر میں داخل ہو رہا ہو جس میں اس کی بیوی مقیم ہو تو اس میں اجازت لینا واجب نہیں؛ لیکن اس صورت میں بھی بہتر یہی ہے کہ بیوی کو کھانس کر یا کسی اور طریقہ سے مطلع کردے؛ تاکہ وہ اپنے آپ کو ایسی حالت میں رکھے، جو اس کے شوہر کو پسند ہو، پھر اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کے گھر میں جھانکے نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دے، (مسلم، عن ابی ہریرہؓ، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، حدیث نمبر: ٢١٥٨) اسی لئے اگر دروازہ کھلا ہوا ہو تو دروازہ کی ایک جانب اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ اندر کے لوگ نظر نہیں آئیں، ہاں اگر دروازہ بند ہو تو سامنے کھڑے ہونے میں بھی حرج نہیں ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے گھر جاتے تو دروازہ کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے، دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے تھے: ''إذا أتى باب قوم لم يستقبل الباب الخ'' (ابوداؤد، عن عبداللہ بن عمر، کتاب الادب، حدیث نمبر: ٥١٨٨) اجازت لینے کا یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، بڑوں کے لئے بھی ہے اور بچوں کے لئے بھی (تفسیر قرطبی: ١٢/٢٢٠) اجازت لینے میں اپنا نام بھی بتانا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ پوچھا جائے: کون صاحب ہیں؟ تو کہہ دیا جائے: میں ہوں؛ بلکہ اس طرح اپنا نام لیا جائے کہ گھر والے آنے والے کو پہچان سکیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حاضری کی اجازت چاہی، آپ نے دریافت کیا: کون؟ میں نے عرض کیا: میں، تو آپ اس پر ناراض ہوئے: ''فقال النبي صلى الله عليه وسلم أنا أنا كأنه كره ذلك'' (بخاری، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر: ٥٨٩٦، مسلم، کتاب الآداب، باب کراھیة قول المستأذن، أنا إذا قيل من هذا، حدیث نمبر: ٢١٥٥، عن جابر بن عبداللہؓ) اجازت لینے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ اپنی آواز صاحب خانہ تک پہنچائی جائے؛ لیکن اگر آواز کا پہنچنا دشوار ہو یا دروازہ بند ←

← ہوتو دروازہ پر دستک دی جاسکتی ہے، ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو انھوں نے یہی طریقہ اختیار فرمایا: ''فدق الباب أبو بكر'' (نسائی فی الکبیر، کتاب المناقب، باب فضائل أبی بکرؓ، حدیث نمبر: ۸۱۳۱) البتہ دستک بھی اتنی زور سے نہ دی جائے کہ لوگوں کو وحشت اور گھبراہٹ ہونے لگے؛ بلکہ آہستہ آہستہ انگلیوں کے پوروں سے دی جائے؛ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دروازوں کو انگلیوں کے ناخنوں سے دستک دی جاتی تھی: ''تقرع بالأظافير'' (الادب المفرد: ۱/۶۰۶، باب قرع الباب) موجودہ دور میں گھروں پر آواز دینے کے لئے بیل لگائی جاتی ہے، تو اس بیل کا بجانا بھی دستک دینے کے درجے میں ہے، اسی طرح بعض جگہ ساؤنڈ بکس لگائے جاتے ہیں، جس کے ذریعہ طرفین کی آواز سنی جاسکتی ہے، یہ بھی آواز دینے کا ایک ذریعہ ہے، اسی طرح بعض لوگوں کے ویزیٹنگ کارڈ چھپے ہوتے ہیں، اگر نام زبان سے بتانے کے بجائے اپنا یہ کارڈ بھیج دیا جائے تو یہ بھی درست بلکہ بہتر ہے؛ کیوں کہ اس سے زیادہ بہتر طور پر یہ مقصد پورا ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر دروازہ پر آکر اجازت کی بجائے پہلے سے وقت کی تعیین کے ساتھ فون یا ای میل کے ذریعہ آنے کی اجازت حاصل کرلی جائے تو یہ بھی درست ہے — اگر ایک بار میں اجازت نہ ملے تو دوسری اور تیسری بار اجازت طلب کرنے کی گنجائش ہے، اگر تین بار میں بھی کوئی جواب نہیں آئے تو واپس ہوجانا چاہئے، بار بار آواز دے کر یا بیل بجا کر صاحب خانہ کو پریشان نہیں کرنا چاہئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تین دفعہ اجازت طلب کی جائے اور اجازت نہیں ملے تو واپس ہوجائے: ''إذا استأذن أحدكم ثلاثاً فلم يؤذن له فليرجع''۔ (بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم والاستئذان ثلاثاً، حدیث نمبر: ۵۸۹۱)

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اجازت لینے کے بعد جب گھر میں داخل ہو تو گھر کے لوگوں کو سلام کرے، یہ اس وقت ہے جب کہ آدمی کا سامنا نہ ہوجائے، اگر کسی کے گھر گئے اور اجازت لینے سے پہلے ہی ملاقات ہوجائے تو پہلے سلام کرے اور سلام کے بعد گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگے، اسی طرح اگر آدمی اپنے گھر میں داخل ہو، جس میں اس کے بال بچے ہوں تو اگرچہ اس کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں؛ لیکن گھر میں داخل ہوتے وقت اس کو سلام کرنا چاہئے۔

تیسرا حکم یہ فرمایا گیا کہ اگر کسی کے گھر پر اجازت لینے کے لئے جاؤ، کوئی جواب نہ ملے اور محسوس ہو کہ گھر میں لوگ نہیں ہیں، یا ذمہ دار حضرات نہیں ہیں تو یہ سمجھ کر کہ گھر خالی ہے، گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے، پہلے زمانہ میں چوں کہ چوری وغیرہ کے واقعات کم ہوتے تھے، بہت سے گھروں میں دروازے نہیں ہوتے تھے اور کہیں کچھ وقت کے لئے جانا ہوتا تھا تو یونہی گھر کھلا چھوڑ کر چلے جاتے تھے، اب بھی بعض قبائل میں ایسا رواج ہے، تو ایسے مکانات میں بھی بلا اجازت داخل نہیں ہونا چاہئے۔

چوتھا حکم یہ دیا گیا کہ اگر گھر والوں نے ملاقات سے معذرت کردی تو واپس ہوجانا چاہئے اور کوئی ناگواری نہ ہونی چاہئے، اس لئے کہ ہر آدمی کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں، یا ایسی مصلحتیں ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے انسان کسی دوسرے شخص کے گھر میں آنے کو پسند نہیں کرتا؛ البتہ یہ بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ اگر کوئی شخص ملاقات کے لئے آپ کے گھر آئے تو بلا وجہ اسے واپس نہیں کیا جائے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تم سے ملاقات کے لئے آئیں، ان کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری، باب حق الضیف، حدیث نمبر: ۶۱۳۴)

پانچواں حکم یہ دیا گیا کہ بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں کسی خاص شخص کی رہائش نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ عوامی مقامات ہوتے ہیں، جیسے: ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ، مسافر خانہ وغیرہ، وہاں عوامی ضرورت کی چیزیں بھی ہوتی ہیں، جیسے: بیٹھنے کے لئے بینچ، پینے کے لئے پانی، بیت الخلاء وغیرہ، ان مقامات میں داخل ہونے کے لئے کسی خاص شخص کی اجازت ضروری نہیں؛ البتہ اگر اس کے لئے کوئی ضابطہ ←

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَيَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَزۡكٰى لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
خَبِيۡرٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ ۝۳۰ وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا
يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبۡدِيۡنَ
زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ
اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِىۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِىۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوۡ نِسَآئِهِنَّ اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ
اَوِ التّٰبِعِيۡنَ غَيۡرِ اُولِى الۡاِرۡبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ
النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِيُـعۡلَمَ مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ ؕ وَتُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيۡعًا
اَيُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝۳۱

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے صاف ستھرا طریقہ ہے، وہ جو کچھ کرتے ہیں، یقیناً اللہ کو ان سب کی خبر ہے، ۝۳۰ اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش و آرائش کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو کھلا رہتا ہے، اور اپنے گریبانوں پر دوپٹے ڈال لیا کریں، ہاں اپنے شوہر، والد، خسر، بیٹے، شوہر کے بیٹے، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، اپنی عورتوں، باندیوں، شہوت نہ رکھنے والے مرد خادم، یا عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ناواقف بچوں کے سامنے اپنی زیب و زینت ظاہر کرسکتی ہیں، نیز (زمین پر) اس طرح زور سے پاؤں نہ ماریں کہ ان کا پوشیدہ بناؤ سنگار ظاہر ہوجائے اور اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کے سامنے توبہ کرو؛ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ ﴿۱﴾ ۝۳۱

← بنا ہوا ہو تو اس کی رعایت ضروری ہے، ریلوے اسٹیشن پر داخل ہونے کے لئے پلیٹ فارم ٹکٹ، یا لائبریری میں جانے کے لئے خصوصی اجازت نامہ یا قابل تحفظ مقامات میں داخل ہونے کے لئے خصوصی پاس وغیرہ حاصل کرکے ہی اندر داخل ہونا چاہئے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر ٹیلیفون پر طویل بات کرنی ہو تو پہلے اس کی اجازت لے لینی چاہئے اور سہولت کا وقت دریافت کرلینا چاہئے، ایسے وقت میں فون نہ کرنا چاہئے، جو عام طور پر مشغولیت اور آرام کا ہوتا ہے، (معارف القرآن: ۶/۳۹۴) اسی طرح اگر کسی کو فون کیا جائے، تین بار فون کی گھنٹی بجے اور فون نہ اُٹھے تو بار بار فون لگانے سے گریز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے۔

البتہ یہ تمام احکام عام حالات کے لئے ہیں، غیر معمولی اور ایمرجنسی صورت حال کا حکم اس سے مختلف ہے، جیسے کہیں آگ لگ جائے، گھر گر جائے، کوئی خطرہ درپیش ہو، کسی قریبی شخص کی موت یا غیر معمولی بیماری کی اطلاع دینی ہو تو ایسی صورتوں میں بعض دفعہ بلا اجازت گھر میں داخل ہونے اور بعض دفعہ بار بار دستک دینے اور فون کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔ ←

← ﴿۱﴾ ان آیات میں سماجی زندگی سے متعلق کم سے کم آٹھ اہم احکام دیئے گئے ہیں: اول یہ کہ مردوں پر واجب ہے کہ وہ کسی غیر محرم یا اجنبی عورت پر نگاہ ڈالنے سے بچیں؛ کیوں کہ بے حیائی و بے شرمی کے سارے کاموں کی ابتداء نگاہ ہی سے ہوتی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے نظر کو شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر قرار دیا ہے، (مستدرک حاکم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۷۸۷۵) اگر غیر ارادی طور پر نظر پڑ جائے تو یہ پہلی اور اچانک کی نظر تو معاف ہے؛ لیکن اپنی نظر ہٹالے اور نظر جمانے سے گریز کرے، (مسلم، کتاب الآداب، حدیث نمبر: ۲۱۵۹، عن جریر بن عبداللہؓ) دوسرے: اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرے، اس میں دونوں باتیں شامل ہیں، ایک یہ کہ مرد بھی اپنے ستر کا خیال رکھیں اور شرمگاہ کو چھپانے کا خاص لحاظ ہو: ''أي یستروھا عن أن یراھا من لا یحل'' (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۲۳) اور یہ بات بھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طریقہ پر شہوانی تقاضوں کے پورا کرنے کی اجازت دی ہے اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار نہ کریں، زنا، ہم جنسی، یا خود اپنی بیوی کے ساتھ خلافِ فطرت فعل، یہ ساری باتیں اس حکم میں داخل ہیں، تیسرے: عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں، اگرچہ عورتوں کے لئے ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو چھوڑ کر محرم اور غیر محرم مردوں کو دیکھنا جائز ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا کھیل دکھایا تھا، (مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصۃ فی اللعب الخ، حدیث نمبر: ۸۹۲) اور اس لئے کہ خواتین عہد نبوی اور اس کے بعد بھی مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے آتی تھیں اور جمعہ وعیدین کے خطبے سنا کرتی تھیں، حج میں شریک ہوتی تھیں، ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں مردوں پر نگاہ پڑے بغیر چارہ نہیں؛ لیکن بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، غیر محرم کو بھی دیکھنے سے بچیں، حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، وہاں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں، آپ ﷺ نے ان دونوں کو وہاں سے جانے کا حکم دیا، انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو نابینا ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟'' (ابوداود، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۱۲) اس سے معلوم ہوا کہ احتیاط بہر حال نگاہ کو بچانے میں ہے، اسی طرح جو حصہ مرد کے ستر میں داخل نہیں ہے، اگر کوئی عورت کسی خاص مرد کے دیکھنے میں فتنہ محسوس کرے تو خود اس کے لئے اس سے بچنا بہتر ہی نہیں؛ بلکہ واجب ہے۔

چوتھے: عورتیں بھی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اس میں زنا بھی شامل ہے، ہم جنسی بھی، خود اپنے شوہر کے ساتھ غیر فطری فعل بھی، اور اس میں خصوصی طور پر صنفی اعضاء کے ستر کا لحاظ رکھنے کی طرف بھی اشارہ ہے، عام طور پر قرآن مجید میں احکام کا مخاطب مردوں کو بنایا جاتا ہے اور عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں؛ لیکن اس مسئلہ میں عورتوں کو بھی خصوصی طور پر مخاطب کیا گیا ہے؛ کیوں کہ عفت وعصمت کا تعلق بنیادی طور پر عورت سے ہے اور اگر عورتیں پاکدامنی کے راستے پر قائم رہیں تو مرد خود بخود اس راستے پر قائم رہیں گے —— ان احکام کا تعلق تو فطری حسن کو چھپانے سے تھا؛ لیکن پانچویں نمبر پر: اس زینت وآرائش اور حسن وجمال کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا تعلق انسان کے بناؤ سنگار کی بنائی ہوئی چیزوں سے ہے؛ چنانچہ فرمایا گیا کہ اپنی زیبائش وآرائش کو غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر نہ کریں، اور اسی کے تقاضوں میں سے یہ ہے کہ دوپٹہ اس طرح استعمال کریں کہ وہ سر گردن اور سینہ کو اچھی طرح چھپادے، زمانۂ جاہلیت میں خواتین اس طرح دوپٹہ استعمال کرتی تھیں کہ سر کو چھپاتے ہوئے ←

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ‌ ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۳۲﴾

اور اپنے میں سے غیر شادی شدہ (خواہ شادی ہی نہ کی ہو، یا کسی اور سبب سے بیوی یا شوہر نہ ہو)، نیز اپنے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں، ان کا نکاح کردو، اگر وہ تنگ دست ہیں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو مالدار کردیں گے اور اللہ وسعت والے ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔ ﴿۳۲﴾

← اس کو پشت کی طرف ڈال دیتی تھیں، اس طرح گردن، سینہ اور کان کھلا رہ جاتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۳۰) افسوس کہ موجودہ دور کی جدید جاہلیت کا بھی فیشن یہی ہے کہ اوڑھنی ایک گلوبند کی طرح لٹکائی جائے اور سر اور سینہ کھلا رہے، قرآن مجید میں اس کو صراحتاً منع کیا گیا ہے، چھپانے سے صرف اس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا جو خود ہی کھلی رہے: ''ما ظهر منها'' اس سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے اوپر کے کپڑے مراد ہیں، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک کپڑے اور چہرہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض اور اہل علم کے نزدیک چہرہ، گٹوں تک دونوں ہاتھ اور کپڑے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۲۸، مدارک التنزیل: ۲/ ۱۵۹، احکام القرآن للجصاص: ۵/ ۱۷۲) کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بالغ ہونے کے بعد چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ کوئی اور چیز نظر نہیں آنی چاہئے، یہ بات آپ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمائی، (ابوداود، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۰۴، عن عائشہؓ) البتہ یہ حکم عمومی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا گیا ہے، بعد کے ادوار میں جب دیکھا گیا کہ بے حیائی بڑھ گئی ہے تو خود فقہاء احناف میں بھی بعد کے لوگوں نے جوان عورتوں کے لئے چہرہ کے چھپانے کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ (الدر مع الرد: ۹/ ۵۳۲)

چھٹے: ان لوگوں کا ذکر کیا گیا، جن سے عورتوں کے لئے پردہ کرنا ضروری نہیں، ان میں ایک تو شوہر ہے اور سات محرم رشتہ دار —— باپ، دادا، شوہر کے باپ، دادا، بیٹے، سوتیلے بیٹے، حقیقی بھائی، (جس میں باپ شریک، ماں شریک، اور ماں باپ شریک تینوں شامل ہیں)، بھتیجے اور بھانجے —— ہیں، ان کے علاوہ چار لوگوں میں بیویاں، باندیاں، ایسے کم عقل لوگ جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت نہ ہو اور چھوٹے بچے، جن کو صنفی اُمور کا کوئی شعور نہ ہو، شامل ہیں، اگرچہ یہاں بعض محرم رشتہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ اس میں تمام محرم رشتہ دار یعنی وہ مرد شامل ہیں، جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہو، خواہ یہ حرمت خاندانی رشتہ کی وجہ سے ہو یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے یا دودھ کے رشتہ کی وجہ سے۔

ساتواں حکم: یہ ہے کہ عورتیں زیورات اس طرح پہن کر نہ چلیں کہ اس کی آواز غیر محرم مردوں تک پہنچے، خواہ زیور ہی میں کوئی ایسی شکل ہو جس سے آواز پیدا ہوتی ہو، یا زمین پر اس طرح پاؤں پٹخ کر چلیں کہ آواز پیدا ہو، جیسا کہ آج کل بھی رقاصائیں اپنے تماشہ بینوں کو لبھانے کے لئے کرتی ہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ
الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

اور جن لوگوں کو نکاح کرنے کی گنجائش نہیں ہے، وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو گنجائش عطا فرما دیں، اور تمہارے جو غلام مُکَاتَب بننا چاہتے ہوں تو اگر تم ان میں بہتری پاؤ تو انھیں مکاتب بنا دو اور اللہ نے تم کو جو مال عطا فرمایا ہے، اس میں سے ان کو بھی دو، اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو؛ تاکہ دنیوی زندگی کے کچھ اسباب حاصل کرلو (بالخصوص ایسی صورت میں) کہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں، اور جو انھیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی کی وجہ سے (ان کو) معاف فرما دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ ان دو آیتوں میں پانچ باتوں کا حکم فرمایا گیا ہے، ایک یہ کہ جو لوگ غیر شادی شدہ ہوں، چاہے شادی ہوئی ہی نہ ہو، یا ہوئی اور میاں بیوی کے درمیان علاحدگی کی وجہ سے یا شوہر و بیوی میں سے کسی کی موت کے سبب تجرد کی زندگی گزار رہے ہوں تو ان کی شادی کر دی جائے اور کوشش کی جائے کہ وہ تجرد اور تنہائی کی زندگی نہ گزاریں، دوسرے: غلاموں اور باندیوں میں سے جو شادی کے لائق ہوں، ان کی شادی کر دی جائے؛ کیوں کہ عام طور پر بے نکاحی زندگی انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے اور نکاح کے حِصار میں آنے کے بعد انسان کا پاکیزہ زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تجرد کی زندگی کو پسند نہیں فرمایا، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۶۳۴) اور نکاح کرنے کی آپ ﷺ نے ترغیب دی، (بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۸۰۶) اور اس کو اپنی سنت قرار دیا، (ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۴۶) یہاں تک کہ اگر کوئی شخص نکاح کرنے پر قادر ہو اور بیوی کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو عام حالات میں تو اس کے لئے نکاح کرنا مستحب ہے (رد المحتار: ۴/۵۶)؛ لیکن اگر گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح کر لینا فرض ہے، (بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲) یہی حکم غلاموں اور باندیوں کی نسبت سے اس کے مالکوں کے لئے ہے؛ کیوں کہ وہی ان کا نکاح کرانے کے ذمہ دار ہیں، تیسرا حکم یہ ہے کہ جو لوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو ان کو ضروری وسائل کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور اگر انھوں نے کوشش کی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد ہوگی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تین لوگوں کی مدد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، ایک: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا، دوسرے: وہ شخص جو اپنے آپ کو پاکدامن رکھنے کے لئے نکاح کرنا چاہے، تیسرے: وہ غلام جس کی آزادی کے لئے کوئی عوض متعین کیا گیا ہے اور وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہونا چاہتا ہے، (نسائی، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۳۱۲۰، عن ابی ہریرۃ ؓ) نکاح کی طاقت سے مراد یہ ہے کہ زندگی گزارنے کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں، جیسے بیوی کے لئے خوراک و پوشاک اور رہائش کا انتظام، وہ مہیا ہو جائیں، نہ یہ کہ آدمی اعلیٰ ترین معیار کی ہوس میں شادی میں تاخیر کرتا جائے، جیسا کہ موجودہ صورت حال ہے، اگر نکاح کی طاقت نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ نکاح کرنے کی صورت میں بیوی کا حق ادا نہیں کر سکے گا تو پھر اس کے لئے نکاح کرنا مکروہ ہے، (مجمع الانہر: ۱/۳۱۶) ←

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۴﴾ ع ۴/۱۰

اور ہم نے تم پر واضح احکام، ان لوگوں کے واقعات جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں اُتار دی ہیں۔ ﴿۳۴﴾

← اور ایسے شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک نکاح کی ضروریات حاصل نہ کرلے، اپنے آپ کو قابو میں رکھے، جس کی ایک تدبیر روزہ رکھنا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو نکاح نہیں کرسکتا ہو، وہ روزہ رکھے، یہ اس کے لئے انشاء اللہ ڈھال ثابت ہوگا، یعنی گناہ سے بچنے میں اس کے لئے مدد ومعاون ہوگا۔ (بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۸۰۶)

چوتھا حکم غلاموں سے متعلق ہے، غلام کی ایک خاص صورت وہ تھی، جسے مُکَاتَب کہا جاتا تھا، یعنی مالک اس سے کہتا تھا کہ تم اتنی رقم ادا کر کے آزاد ہوجاؤ، تو حکم دیا گیا کہ چوں کہ انسان کو غلامی سے آزاد کرنا ایک محبوب عمل ہے اور اصل یہی ہے کہ ہر انسان آزاد ہو: لہٰذا اگر کوئی غلام مکاتب بننا چاہے تو اس کو مُکَاتَب بنادو، اور نہ صرف اس کو مکاتب بناؤ؛ بلکہ اُس کی اِس رقم کے ادا کرنے میں مدد بھی کرو؛ چنانچہ حضرت حُوَیطِ کے غلام صبیح نام کے تھے، انھوں نے سو دینار آزادی کا معاوضہ مقرر کیا تھا اور اس میں سے بیس دینار اس کو ہبہ کردیا تھا، اسّی دینار ادا کر کے وہ آزاد ہوگئے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۴۴) غلام کے مالک کو تو یہ حکم ہے ہی کہ وہ اپنے مقرر کئے ہوئے معاوضہ کی کچھ رقم معاف کردے؛ لیکن دوسرے لوگوں کے لئے بھی مکاتب کی مدد کرنے میں بڑا اجر وثواب ہے، خود اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی اسی طریقہ پر مدد فرمائی (بخاری، کتاب العتق، باب ما یجوز من شروط المکاتب الخ، حدیث نمبر: ۲۴۲۲) —— اس حکم کا مقصد اصل میں یہی ہے کہ عام طور پر غلاموں اور باندیوں کے نکاح میں تاخیر کی جاتی تھی؛ کیوں کہ شادی شدہ غلام اور باندی کی قیمت کم آتی تھی، خود غلام اور باندی بھی نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے؛ کیوں کہ ان کے بچے پیدائشی طور پر غلام ہوا کرتے تھے؛ اس لئے انھیں آزاد کرنے کا حکم دیا گیا؛ تاکہ ان کی شادی میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور وہ ایک پاکیزہ سماج کا حصہ بن سکیں۔

پانچویں ہدایت یہ ہے کہ تھوڑے سے اسبابِ دنیا کے لئے باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہیں کیا جائے، اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی کی دو باندیاں تھیں، ایک باندی کا نام مُعاذہ یا اُمیمہ تھا اور دوسری کا مُسَیکَہ، وہ ان دونوں کو زنا پر مجبور کرتا تھا؛ تاکہ پیسے حاصل ہوں اور وہ حاملہ ہوجائے تو اس کے بچے بھی حاصل ہوجائیں اور وہ اس کے لئے باندیوں کو مار پیٹ بھی کرتا تھا، ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۵۴) غرض کہ یہ آیت اس واقعہ کے پس منظر میں ہے، ورنہ تو باندیاں پاکدامن رہنا چاہیں یا نہیں، ہر صورت میں ان کو برائی پر مجبور کرنا حرام ہے اور ان کو اس سے روکنا واجب ہے، آیت کے اخیر میں اس بات کا بھی اشارہ فرمادیا گیا کہ اگر کوئی مرد یا عورت زنا سے بچنا چاہتا ہے؛ لیکن اس کو اس پر اس طرح مجبور کردیا گیا کہ اگر وہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا تو اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی تو اگرچہ اس حالت میں بھی اس کو اپنی عفت وعصمت کو بچانا چاہئے؛ لیکن اگر وہ مجبوری میں اس کا ارتکاب کرہی لے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیں گے۔

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ؕ يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۙ ﴿۳۵﴾

اللہ آسمانوں کا اور زمینوں کا نور ہیں، اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے، جس میں ایک چراغ ہے، چراغ شیشے میں ہے، شیشہ ایسا کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ، جو زیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے، نہ اس کا رُخ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف، اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تو لگتا ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشنی دینے لگے گا، نور ہی نور، اللہ جسے چاہتے ہیں، نور کی طرف پہنچا دیتے ہیں اور اللہ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے مختلف مثالیں بیان فرماتے ہیں، اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۵﴾

﴿۱﴾ عربی زبان میں ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی چیز میں مبالغہ اور اس کی زیادتی کو ظاہر کرنے کے لئے اسم فاعل (Subject) کے بجائے مصدر (Infinitive) کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید کو فرمایا گیا: ''ھُدی للمتقین'' (البقرۃ: ۲) جس کے لغوی معنی ہیں: تقویٰ والوں کے لئے ہدایت؛ لیکن مراد یہ ہے کہ قرآن مجید تقویٰ والوں کو ہدایت دینے والا ہے، اسی طرح نور (روشنی) ایسی چیز ہے جس کو دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے، خواہ وہ کتنا بھی وسیع ہو، مگر بہر حال وہ محدود ہوتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے، نہ اس کی ذات کو محسوس کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی ذات محدود ہے؛ اس لئے یہاں روشنی سے مراد ہدایت کی روشنی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کا مطلب آسمان وزمین کے تمام لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہادی ہونا ہے، یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: ''یقول اللہ سبحانہ ھادی أھل السماوات والأرض'' (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۵۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر نقل کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کی جو مثال دی گئی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ہدایت نہایت واضح ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو؛ چوں کہ طاق کے ایک طرف سے بند ہونے کی وجہ سے اس کا شعلہ سمٹ جاتا ہے اور روشنی بڑھ جاتی ہے اور پھر چراغ بھی یونہی رکھا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ شیشے کے اندر ہے، شیشے میں ہونے کی وجہ سے روشنی میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے، پھر چراغ کو زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہے، اس تیل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دھواں کم ہوتا ہے اور روشنی زیادہ، زیتون کا درخت بھی ایسا جو صبح سے شام تک دھوپ میں رہتا ہو، نہ پورب کی طرف کوئی ایسی رکاوٹ ہو، جو دھوپ کو آنے سے روک دے اور نہ پچھم کی طرف، نتیجہ یہ ہے کہ اپنی لطافت کی وجہ سے تیل سلگنے کے لئے تیار ہے، ایسا کہ جیسے آگ کو نہ چھوئے تب بھی سلگ اُٹھے، روشنی بڑھانے والی ان مختلف چیزوں کے مل جانے کی وجہ سے روشنیاں اس طرح جمع ہوگئی ہیں کہ گویا ایک روشنی پر دوسری روشنی ہے، حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی روشنی اس قدر واضح ہے کہ کسی کو ذرا بھی ہدایت کی طلب ہو تو وہ ہدایت سے محروم نہ رہ پائے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾
رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ
یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا
وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور جن میں اپنا نام لینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کو یاد کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی؛ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ تاکہ اللہ ان کو ان کے عمل کا بہترین بدلہ دیں اور اپنے فضل وکرم سے اور زیادہ عطا فرمائیں، اور اللہ جسے چاہتے ہیں، بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۸﴾

﴿۱﴾ اوپر اللہ تعالیٰ کے نورِ ہدایت کا ذکر فرمایا گیا، اب ان لوگوں کی صفت بیان فرمائی جارہی ہے، جنھوں نے ہدایت کی روشنی کو پایا ہے، ان کی بنیادی صفات یہ ہیں کہ وہ مسجدوں میں صبح وشام نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، یہاں مسجدوں کا لفظ کہنے کے بجائے فرمایا گیا، ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور ان میں اللہ کا نام لینے کا حکم دیا گیا ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق اس سے مسجدیں ہی مراد ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۶۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کو اللہ کا گھر قرار دیا: ''فإنها أفنية الله ابنيته'' (تنزیہ الشریعۃ: ۲/ ۱۱۴) — 'رفعت' کے اصل معنی بلندی کے ہیں، کسی چیز کو بلند کرنا کبھی معنوی اعتبار سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا ادب واحترام کیا جائے، اسی لحاظ سے آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے، اور مسجد کے ادب واحترام کے واجب ہونے پر پوری اُمت کا اتفاق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اتنا لحاظ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی لہسن، پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا: ''ما أكل من هذه الشجرة فلا یاتین المساجد'' (ابوداود، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الثوم، حدیث نمبر: ۳۸۲۵) اور اسی لئے مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے کام کی نوعیت کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے بدبو آتی ہو تو اس کو بھی مسجد میں آنے سے روکا جانا چاہئے، (قرطبی: ۱۲/ ۲۶۷) — اور رفعت وبلندی ظاہری اعتبار سے بھی ہوتی ہے، کہ مسجد کی خوبصورت اور بلند وبالا عمارت بنائی جائے، اس معنی کی بھی گنجائش ہے اور اس کی بھی بڑی فضیلت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے مال میں سے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے: ''من بنی مسجداً من ماله بنی الله له بیتاً فی الجنة'' (بخاری، ابواب المساجد، باب من بنی مسجداً، حدیث نمبر: ۴۳۹) اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی کی عمارت بہت سادہ تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مسجد کی توسیع ہوئی تب بھی اس کی سادگی کو برقرار رکھا گیا؛ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کی پختہ اور خوبصورت تعمیر فرمائی، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ کے گورنر تھے تو اس کی تعمیر وتزئین پر بہت توجہ دی اور منقش پتھر استعمال کئے، ←

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ كَسَرَابٍۭ بِقِيۡعَةٍ يَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ يَجِدۡهُ شَيۡـئًا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ فَوَفّٰٮهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۳۹

اور جولوگ ایمان نہیں لائے ، ان کے اعمال چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہیں کہ جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے ؛ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جاتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا اور اس نے وہاں (پانی کی بجائے) اللہ کو پایا، پھر اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والے ہیں ۔ ۝۳۹

← فقہاء میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مساجد کو سونے کے پانی سے منقش کیا جاسکتا ہے، اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے بیت المقدس کی مسجد کو خوب آراستہ فرمایا تھا، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۶۷) دوسری طرف آپ ﷺ نے مسجد کے اعمال پر توجہ دینے کی بجائے مسجد کی آرائش میں مبالغہ اور اس کو فخر ومباہات کا ذریعہ بنانے کو ناپسند بھی فرمایا ہے؛ لہٰذا مختلف احادیث کو سامنے رکھ کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں تعمیر اور عمارت کو آراستہ کرنے کا جو رواج پایا جاتا ہے، اس کا لحاظ رکھنے میں کچھ حرج نہیں ؛ لیکن ایسا نہ ہونا چاہئے کہ مسجد کے اصل مقصد کی طرف سے توجہ ہٹ جائے ،صرف ظاہری زینت و آرائش کو مقصد بنالیا جائے ، یہ بھی بہتر نہیں کہ عمارت کی تزئین و آراستگی پر بہت زیادہ خرچ کیا جائے اور یہ بھی درست نہیں کہ اس کو ایک دوسرے کے مقابلہ تفاخر اور بڑائی کے اظہار کا ذریعہ بنالیا جائے ۔

صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں؛ کیوں کہ محاورہ یہی ہے کہ کسی چیز کی کثرت اور ہیشگی کو بتانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ صبح وشام یہی کرتا رہتا ہے، یہاں مسجد سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ’’رجال‘‘ کا لفظ فرمایا گیا ہے، جس کا ترجمہ ’’لوگ‘‘ سے کیا گیا ہے، مگر اس کے اصل معنیٰ ’مرد‘ کے ہیں، اس سے علماء نے یہ بات اخذ کی ہے کہ مسجدیں اصل میں مردوں کے عبادت کرنے کی جگہ ہیں نہ کہ عورتوں کے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۷۹) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت کا گھر بلکہ اس کے کسی گوشے میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے: ’’صلاۃ المرأۃ في بیتھا افضل‘‘۔ (ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ذلک، حدیث نمبر: ۵۷۰)

ہدایت پانے والوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی کہ تجارت اور خرید وفروخت ایسے کام ہیں ، جو عام طور پر انسان کو دوسرے کاموں سے غافل کردیتے ہیں ؛ لیکن ان کو تجارت اور خرید وفروخت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی ، یعنی وہ کیسی بھی کاروباری مشغولیت میں ہوں، جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو سب کچھ چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں ؛ کیوں کہ ایمان کا کمال یہی ہے کہ انسان دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کے باوجود اللہ کو بھول نہ جائے — تیسری اور چوتھی صفت نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی بتائی گئی ، اور پانچویں صفت یہ ہے کہ ان میں آخرت کا خوف پایا جاتا ہے، پھر یہ خوشخبری دی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے عمل کا بدلہ تو دیں گے ہی ؛ لیکن اس کے علاوہ اللہ اپنے فضل وکرم سے ان کے استحقاق سے کہیں بڑھ کر مزید اجر بھی عنایت فرمائیں گے ۔

اَوۡ كَظُلُمٰتٍ فِىۡ بَحۡرٍ لُّـجِّىٍّ يَّغۡشٰهُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌ ۢ بَعۡضُهَا
فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰٮهَا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ
ع ۵ نُّوۡرٍ ۠﴿۴۰﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ
صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ
الۡمَصِيۡرُ ﴿۴۲﴾

یا جیسے گہرے سمندر کے اندھیرے کو ایک لہر نے ڈھاپ رکھا ہے، اس کے اوپر بھی ایک اور موج ہے اور اس کے اوپر بادل ہے، (یعنی تہہ بہ تہہ) ایک کے اوپر ایک اندھیرے ہیں، اگر اپنا ہاتھ نکالے تو نظر نہ آئے اور جس کو اللہ نے روشنی سے نہ نوازا ہو اس کے لئے کوئی روشنی نہیں، ﴿۱﴾ ﴿۴۰﴾ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اور پر پھیلائے اُڑتے ہوئے پرندے سب اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں، ہر ایک کو اپنی بندگی کا طریقہ اور اپنی تسبیح معلوم ہے، اور یہ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ اس سے واقف ہیں ﴿۲﴾ ﴿۴۱﴾ تمام آسمان و زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) واپس آنا ہے۔ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ یہاں دو مثالیں دی گئی ہیں اور یہ ایمان سے محروم دو طرح کے لوگوں کے لئے ہیں، ایک تو وہ ہیں، جو آخرت کے قائل ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے چمکتی ہوئی ریت کی طرف انسان پانی سمجھ کر دوڑتا ہوا آئے اور جب پہنچے تو کچھ نہ ہو، کہ وہ ظاہری طور پر بہتر عمل کو آخرت کے لئے فائدہ مند سمجھ رہا تھا؛ لیکن اللہ پر ایمان سے محروم رہنے کی وجہ سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہوا، دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو آخرت ہی کے قائل نہیں ہیں، وہ تو ایسی تاریکی میں ہیں، جن کے لئے اُمید کی کوئی کرن ہی نہیں، (خلاصہ از: بیان القرآن: ۲۴/۲) اخیر میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ انسان کتنا بھی صاحب عقل اور صاحب علم ہو اور سائنس وٹکنالوجی میں کتنا بھی ترقی کر جائے، جب تک اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت اسے حاصل نہ ہو جائے، وہ ہدایت سے محروم ہی رہے گا۔

﴿۲﴾ تسبیح و نماز کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا اور ان کو بجالانا ہے، کائنات میں جتنی چیزیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ سبھی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام کی پابند ہیں، سورج ہو یا چاند، یا دوسرے سیارے، سمندر ہو یا زمین اور پہاڑ، چرند ہو یا پرند، یہ سب مسلسل اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے قانونِ فطرت کے ذریعہ ان کو حکم دیا ہے، اس طرح اگرچہ ان کے پاس زبانیں نہیں ہیں، جو الفاظ میں اللہ کی پاکی اور اس کے حکم کے سامنے تابعداری کو بیان کریں؛ لیکن یہ زبانِ حال سے ہر وقت اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول ہیں — بعض مفسرین کی رائے ہے کہ واقعی دنیا کی تمام مخلوقات اللہ کی تسبیح پڑھتی اور اللہ سے دُعائیں کرتی رہتی ہیں؛ لیکن انسان ان کی زبان سمجھنے سے قاصر ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزۡجِىۡ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيۡنَهٗ ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ
خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِيۡهَا مِنۡۢ بَرَدٍ فَيُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَصۡرِفُهٗ
عَنۡ مَّنۡ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ
ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى بَطۡنِهٖ ۚ
وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى رِجۡلَيۡنِ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰٓى اَرۡبَعٍ ؕ يَخۡلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوۡلِ وَاَطَعۡنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ
ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ اِذَا فَرِيۡقٌ
مِّنۡهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنۡ يَّكُنۡ لَّهُمُ الۡحَقُّ يَاۡتُوۡۤا اِلَيۡهِ مُذۡعِنِيۡنَ ﴿۴۹﴾

آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادل کو نکالتے ہیں، پھر اس کو آپس میں ملا دیتے ہیں، پھر اس کو تہہ بہ تہہ فرما دیتے ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ اسی درمیان سے بارش برستی ہے اور اللہ بادل کے پہاڑوں میں سے اولے برساتے ہیں، جس پر چاہتے ہیں گرا دیتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں، اس کا رُخ پھیر دیتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو اُچک لے گی، ﴿۴۳﴾ اللہ رات اور دن کو بدلتے رہتے ہیں، یقیناً اس میں اہل نظر کے لئے عبرت کا موقع ہے، ﴿۴۴﴾ اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا ہے، پھر ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دو پاؤں پر اور بعض چار پاؤں پر، اللہ جو چاہتے ہیں، بناتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۴۵﴾ ہم نے واضح دلیلیں اُتار دی ہیں اور اللہ جسے چاہتے ہیں سیدھے راستے کی ہدایت سے نوازتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۴۶﴾ (کچھ) لوگ (یعنی منافقین) دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبرداری کریں گے، (مگر) پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور وہ (حقیقت میں) ایمان والے نہیں ہیں ﴿۴۷﴾ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان ہی میں کا ایک گروہ منھ موڑ لیتا ہے، ﴿۴۸﴾ اور اگر ان کا حق نکلتا ہوتا تو سر جھکائے ہوئے آپ کے پاس آجاتے۔ ﴿۴۹﴾

﴿۱﴾ یعنی بارش کے نظام کو دیکھو، یا دن و رات کی تبدیلی کو، یا چوپایوں کی مختلف قسموں کو: کہ کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے، کوئی دو پاؤں پر اور کوئی چار پاؤں پر، یہ سب اللہ کے وجود، اس کی قدرت وطاقت اور تنہا اس کے قابل عبادت ہونے کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، جن پر ہر انسان کو ایمان لانا چاہئے تھا، مگر انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اس کے باوجود ایمان سے محروم ہے۔

اَفِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَمِ ارۡتَابُوۡۤا اَمۡ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّحِیۡفَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ؕ بَلۡ اُولٰٓئِکَ
هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَهُمۡ اَنۡ ع ۶ ۱۲ الثلثۃ
یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَیَخۡشَ اللّٰهَ
وَیَتَّقۡهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ اَمَرۡتَهُمۡ
لَیَخۡرُجُنَّ ؕ قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا ۚ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انھیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ناانصافی کریں گے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہی لوگ ظلم و ناانصافی کرنے والے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۵۰﴾ جب مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان کی بات یہی ہوتی ہے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور یہی لوگ کامیاب ہیں، ﴿۵۱﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں گے، اللہ سے ڈریں گے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہیں گے، وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۵۲﴾ اور وہ لوگ (یعنی منافقین) خوب زور دے کر قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ان کو حکم فرمادیں تو وہ (سب کچھ چھوڑ کر) نکل کھڑے ہوں گے، آپ فرمادیجئے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمہاری) فرمانبرداری کا حال معلوم ہے، یقیناً اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ ﴿۵۳﴾

﴿۱﴾ بِشر نامی منافق کی ایک یہودی سے کسی زمین کے بارے میں لڑائی تھی، یہودی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرائیں گے: لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ کعب بن اشرف کو حکم بنائیں گے؛ کیوں کہ بشر کو اندازہ تھا کہ اس کا دعویٰ غلط ہے، (تفسیر خازن: ۵/ ۸۴) اسی واقعہ کے پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، اگرچہ یہ آیت اس خاص موقع پر نازل ہوئی ہے؛ لیکن یہ حکم عام ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ دنیا کا تھوڑا سا فائدہ حاصل کرنے کے لئے ایسی عدالت میں پہنچے جو شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والی ہو اور جس میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو۔

﴿۲﴾ غرض کہ مسلمانوں پر یہ بات واجب ہے کہ وہ اپنے باہمی نزاعات اور جھگڑوں میں ایسے افراد یا اداروں سے رُجوع کریں، جو قانونِ شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہوں، اور پھر وہاں سے جو فیصلہ ہو، اس کے سامنے سر جھکادیں، مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے تو یہ حکم ہے ہی، جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں بھی ان پر یہ بات واجب قرار دی گئی ہے کہ وہ باہمی اتفاق رائے سے کسی کو امیر منتخب کرلیں، جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے، یا کم سے کم کسی کو قاضی بنانے پر ہی متفق ہوجائیں، (النہر الفائق: ۳/ ۶۰۴، کتاب القضاء) اس وقت ہندوستان اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں دار القضاء اور شرعی پنچایت کا جو نظام قائم کیا گیا ہے، اس کا یہی حکم ہے، اور مسلمانوں کے لئے اپنے باہمی نزاعات کو ان اداروں میں لے جانا اور اس کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ
وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪
وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ
یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

آپ کہہ دیجئے: اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم لوگ نافرمانی کروگے تو رسول کے ذمہ وہ ہے، جس کی ذمہ داری اُن پر رکھی گئی ہے، اور تمہارے اوپر وہ ہے، جو تم پر لازم کیا گیا ہے، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانوگے تو ہدایت پاؤگے اور رسول کی ذمہ داری صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے، ﴿۵۴﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، اللہ ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ زمین میں ان کو اسی طرح حکومت عطا فرمائیں گے، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے، ان کے لئے اس دین کو طاقت عطا فرمائیں گے، اور وہ جس خوف سے دوچار ہیں، بعد میں ضرور اس کو امن سے بدل دیں گے: (بشرطیکہ) وہ میری بندگی کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، جو شخص اس کے بعد بھی ناشکری کرے گا تو دراصل وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۵﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ تیرہ سال مکہ میں رہے اور یہ پورا عرصہ مسلمانوں پر خوف و ہراس کی حالت میں گذرا، ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی تقریباً فتح مکہ تک یہی کیفیت رہی کہ صحابہ کو صبح وشام ہتھیار لگائے رہنا پڑتا تھا اور ہر وقت یہ خطرہ رہتا تھا کہ نہ معلوم کب کسی دشمن کا حملہ ہوجائے؟ ان حالات میں صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسا وقت بھی آئے گا، جب ہم امن وسکون کی حالت میں ہوں گے اور ہمیں اس طرح ہر وقت ہتھیار ساتھ رکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے، (الدر المنثور: ۶/۲۱۵، ابن کثیر: ۶/۷۹) اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تین باتوں کا وعدہ فرمایا گیا، ایک یہ کہ اللہ تم کو زمین میں اقتدار وحکمرانی سے نوازیں گے، دوسرے: دین اسلام کو غالب فرمادیں گے، تیسرے مسلمانوں کو ایسی طاقت دیں گے کہ انھیں دشمن کا خوف نہ رہے، وہ امن کی حالت میں رہیں گے اور بے خوف وخطر ہماری عبادت کریں گے، یہ پیشین گوئی یوں تو فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی پوری ہوگئی؛ لیکن خلافت راشدہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہ اپنے کمال کو پہنچ گئی، جب مشرق میں عراق اور مغرب میں مصر وشام تک اسلامی خلافت کا دائرہ وسیع ہوگیا؛ اسی لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ چوں کہ یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے، جو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے؛ اس لئے حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم اس میں شامل ہیں؛ البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چوں کہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، اس لئے وہ اس میں شامل نہیں ہیں: ''وفیه الدلالة علی صحة امامة الخلفاء الاربعة الخ''۔ (احکام القرآن للجصاص: ۵/۱۹۱، مدارک التنزیل: ۲/۱۷۲، تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۷۵)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ع ۱۳
لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ
مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڱ
ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ
عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ
مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے، ﴿۵۶﴾ جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں یہ نہ سمجھے کہ وہ زمین میں (ہم کو) عاجز کردیں گے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے! ﴿۵۷﴾ اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور تم میں سے ان لوگوں کو جو ابھی بالغ نہیں ہوئے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر آنا چاہئے، فجر کی نماز سے پہلے، دوپہر کے وقت جب اپنے (زائد) کپڑے اُتار دیتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے لئے پردہ کے ہیں، ان اوقات کے علاوہ تمہارے لئے اور اُن کے لئے (ایک دوسرے کے پاس بلا اجازت داخل ہونے میں) کوئی حرج نہیں ہے؛ (کیوں کہ) تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت آتے جاتے رہتے ہو، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے سامنے احکام کو صاف صاف بیان فرمادیتے ہیں اور اللہ خوب جاننے والے اور خوب حکمت والے ہیں، ﴿۵۸﴾ اور تمہارے جو بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے، جیسا کہ ان کے اگلے (یعنی ان سے بڑے) اجازت لیتے رہے ہیں؛ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کو واضح فرماتے ہیں اور اللہ بڑے جاننے والے اور بڑے دانا ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۹﴾

﴿۱﴾ اسی سورہ کی آیات نمبر: ۲۷، ۲۸، ۲۹ میں یہ حکم آچکا ہے کہ جب کسی کے گھر میں داخل ہو تو اجازت لے کر داخل ہو اور آیت نمبر: ۳۱ میں یہ بات بھی آچکی ہے کہ عورتوں کے لئے نابالغ بچوں کے سامنے ہونے کی گنجائش ہے، ان ہی دونوں احکام سے مربوط یہ حکم ہے کہ جو بچے یا غلام ابھی بالغ نہیں ہوئے ہیں، ان سے اگرچہ پردہ کا حکم نہیں ہے اور اس اعتبار سے وہ اپنے بزرگوں کے پاس جائیں تو ان کے لئے اجازت لینا بھی ضروری نہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ فجر کے وقت، دوپہر کے وقت اور نماز عشاء کے بعد اجازت لے کر ہی کمرہ میں داخل ہوں؛ کیوں کہ یہ آرام کرنے کے اوقات ہیں اور ایسے اوقات میں لوگ ہلکا ڈھیلا ڈھالا کپڑا پہنتے ہیں، ←

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ
غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿٦٠﴾ لَیْسَ عَلَى
الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ
تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ
اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ
اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ
فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ
یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ٨ / ١٤

اور بوڑھی عورتیں جن کو نکاح میں آنے کی اُمید باقی نہ ہو، ان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے (ضروری کپڑوں سے زائد) کپڑے اُتار دیں؛ البتہ زیبائش و آرائش ظاہر نہ کریں اور اس سے بھی اجتناب کریں تو ان کے حق میں بہت ہی بہتر ہے، اللہ ساری باتیں جانتے اور سنتے ہیں، ﴿١﴾ ﴿٦٠﴾ اندھے، لنگڑے، بیمار اور خود تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے یا اپنے باپ، دادا، یا اپنی ماؤں، یا اپنے بھائیوں، یا بہنوں، یا چچاؤں، یا پھوپھیوں، یا ماموں، یا خالاؤں کے گھروں سے، یا اس گھر سے جس کی کنجی کے تم مالک ہو، یا اپنے دوست کے گھر سے کھانا کھالو، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ ایک ساتھ کھاؤ یا الگ الگ؛ البتہ جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، جو خدا کی طرف سے دُعاء کے طور پر مقرر ہے، اور برکت کا باعث اور پاکیزہ عمل ہے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنے احکام بیان کرتے ہیں؛ تاکہ تم سمجھ لو۔ ﴿٢﴾ ﴿٦١﴾

← پورے کپڑے کا اہتمام نہیں کرتے، اور بعض دفعہ جسم کے قابل ستر حصوں میں سے کچھ کھلا بھی رہ جاتا ہے؛ اس لئے ان اوقات میں نابالغ بچوں کو بھی اجازت لے کر ہی کمرے میں داخل ہونا چاہئے اور بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو یہ بات سمجھائیں، عام اوقات میں اگر وہ بلا اجازت اندر آجائیں تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ جو بچے بالغ ہو چکے ہوں، یا بالغ ہونے کے قریب ہوں، ان کو عام اوقات میں بھی اجازت لینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ سے ایک صاحب نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ کیا تم کو یہ بات پسند آئے گی کہ تم اپنی ماں کو بے لباس حالت میں دیکھو؟ (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب النکاح، باب استئذان المملوک والطفل فی العورات: ١٣٣٣٦) یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ تم اچانک کمرے میں داخل ہو جاؤ اور اس وقت تمہاری ماں کا لباس برابر نہ ہو۔

﴿١﴾ یعنی عورت کے لئے محرم کے سامنے جن اعضاء کو کھولنے کی اجازت ہے، بوڑھی عورتیں اجنبی شخص کے سامنے بھی ان کو کھول ←

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

یقیناً مسلمان تو وہی ہیں، جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو جب تک رسول سے اجازت نہ لے لیں، چلے نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت لیا کرتے ہیں، بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں؛ لہٰذا جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت چاہیں تو آپ ان میں سے جن کو اجازت دینا چاہیں، دے دیا کریں، اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دُعا کرتے رہیں، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔ ﴿۶۲﴾

← سکتی ہیں؛ لیکن انھیں بھی غیر محرم کے سامنے بناؤ سنگار کے ساتھ سامنے آنے سے بچنا ضروری ہے اور جو رعایت اوپر دی گئی ہے، اگر ان سے بھی احتیاط ہی کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے عربوں کے بعض رواجات کو سامنے رکھنا چاہیئے، ان میں ایک یہ تھا کہ چوں کہ عام طور پر گھروں میں دروازے نہیں ہوتے تھے اور کُھلے مکان ہوتے تھے تو جو آدمی بھوکا یا معذور ہوتا، وہ کسی کے گھر میں داخل ہو کر کھا لیتا، اسی طرح ایک رواج وہ تھا، جیسے 'نہد' کہتے تھے، یعنی مختلف لوگ کھانے پینے کی چیزیں ایک جگہ جمع کرتے اور اس سے قطع نظر کہ کس کی چیز زیادہ ہے اور کس کی کم؟ سب مل کر کھاتے تھے، جب قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے پر نہ کھاؤ تو صحابہ نے قریبی رشتہ داروں اور بے تکلف دوستوں کے یہاں جا کر کھانے، یا معذور لوگوں کو وہاں لے جا کر کھلانے اور کسی کی کم اور کسی کی زیادہ چیزیں ایک جگہ جمع کر کے ساتھ کھانے سے بھی بچنے لگے، اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۳۱۲) جس کا مقصد یہ ہے کہ اگر معذور لوگ جیسے نابینا، لنگڑا اور بیمار شخص کسی ایسے آدمی کے گھر جا کر کھا لے، جن کو ان کا کھا لینا ناگوار نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے بال بچوں کے گھر یا اپنے ماں باپ، بھائی بہن، پھوپھی، چچا، ماموں، خالہ کے گھر جا کر کھا لے، یا اس شخص کے یہاں جس نے اپنا گھر اس کے اختیار میں دے دیا ہو، یا اپنے بے تکلف دوست کے گھر جا کر کھا لے، تب بھی حرج نہیں؛ کیوں کہ عام طور پر اس میں اس شخص کی رضامندی شامل ہوتی ہے، جس کے یہاں کھایا گیا ہے، اسی طرح اگر مختلف لوگ کھانے کی چیزیں ملا کر اجتماعی طور پر کھائیں تو یہ بھی درست ہے اور الگ الگ اپنا اپنا ہی کھائیں تو اس میں بھی حرج نہیں؛ البتہ ادب اور تہذیب کا خیال رکھیں کہ جب کسی کے گھر میں داخل ہوں تو سلام کرنے کا اہتمام کریں —— یہ حکم عربوں کے قدیم رواج کے پس منظر میں ہے اور اگر اب بھی کہیں اس طرح کا رواج پایا جاتا ہو تو یہی حکم ہے؛ لیکن کسی کی رضامندی کے بغیر یا اس کے منع کرنے کے باوجود اس کے گھر سے کھا لینا جائز نہیں، اسی طرح نابالغ کا مال اس کی اجازت کے باوجود کھانا درست نہیں؛ کیوں کہ ایسی چیزوں میں اس کی اجازت معتبر نہیں ہے۔

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ
اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ
وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۱۵

(اے مسلمانو!) تم رسول کو اپنے درمیان اس طریقہ پر نہ بلایا کرو جیسے ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو، اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں، جو آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں؛ لہٰذا جو لوگ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت آپڑے یا ان پر دردناک عذاب آجائے، ﴿۱﴾ ﴿۶۳﴾ آگاہ ہو جاؤ، آسمان وزمین کی تمام ہی چیزیں اللہ ہی کی ہیں، تم جس حال میں بھی ہو، اللہ کو وہ بھی معلوم ہے، جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، اس دن اللہ ان کو وہ سب بتا دیں گے، جو انھوں نے کیا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ ﴿۶۴﴾

﴿۱﴾ منافقین کا حال یہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ مشورہ کے لئے یا کسی اور اجتماعی کام کے لئے لوگوں کو جمع کرتے تو وہ وہاں سے بھاگ نکلنے کی فکر میں رہتے اور نظر بچا کر کھسک جاتے؛ لیکن مسلمانوں کی شان یہ تھی کہ وہ آپ کی مجلس میں جم کر بیٹھتے اور اگر کوئی بہت ضروری کام پیش آگیا، تب بھی اجازت لے کر ہی جاتے —— اگرچہ یہ واقعہ صحابہ سے متعلق ہے؛ لیکن اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ امیر کے ساتھ اس کی امارت میں رہنے والوں، ذمہ دار کے ساتھ اس کے تحت کام کرنے والوں، ماں باپ کے ساتھ اس کے بچوں اور استاذ کے ساتھ اس کے شاگردوں کا یہی رویہ ہونا چاہئے کہ جب وہ کسی بات کے لئے طلب کریں تو جمع ہو جائیں اور بلا عذر وہاں سے اس وقت تک نہ اُٹھا جائے، جب تک مجلس ختم نہ ہو جائے اور اُٹھنا ہی ہو تو اجازت لے کر اُٹھے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حکم یہ دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو پکارنے کا انداز وہ نہ ہونا چاہئے، جو دوسروں کو پکارنے کا ہے، جیسے: ''اے محمد!'' کہنا، یا دور سے اور زور سے پکارنا؛ بلکہ ادب یہ ہے کہ احترام اور تعظیم کے کلمہ کے ساتھ ہلکی آواز میں اور قریب آکر متوجہ کیا جائے، صحابہ کے لئے تو یہ حکم تھا ہی، اور ابھی بھی اُمت کے لئے یہ حکم ہے کہ روضۂ اطہر پر سلام پیش کرنے میں اِن آداب کا لحاظ رکھا جائے —— اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تو خصوصی ادب واجب تھا ہی؛ لیکن چھوٹا اپنے ہر بڑے کے ساتھ اس ادب کا لحاظ رکھے؛ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ باپ کو نام لے کر پکارنا، یا شوہر کو نام لے کر پکارنا مکروہ ہے، (ردالمحتار: ۹/۵۹۹) یہی سلوک اپنے استاذ، اپنے شیخ، اپنی تنظیم، جماعت یا ادارہ کے ذمہ دار اور اپنے آفس کے سربراہ اعلیٰ کے ساتھ بھی ہونا چاہئے۔

سُوْرَةُ الفُرقَان

- سورہ نمبر : (۲۵)
- رکوع : (٦)
- آیتیں : (۷۷)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے ہوتا ہے، جس میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے اِس انعام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے فرقان یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی یہ کتاب قرآن مجید نازل فرمائی ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ''سورۂ فرقان'' ہے۔

اس سورہ میں بنیادی طور پر توحید و رسالت ، قرآن مجید کی صداقت ، آخرت میں جزاء وسزا اور شرک و بت پرستی کی تردید پر گفتگو کی گئی ہے، اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں ، کائنات میں پھیلی ہوئی دلیلوں اور گذشتہ اقوام جیسے قومِ نوح ، قومِ عاد ، قومِ ثمود ، اصحابِ رَس اور قومِ لوط وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور اہل مکہ کو ان کے انجام سے سبق لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

اس سورہ کے اخیر میں اللہ تعالیٰ کے مخلص اور نیک بندوں کی صفات ــــ تواضع ، بردباری، نماز تہجد کا اہتمام، اللہ کا خوف ، خرچ میں اعتدال ، شرک وقتل اور زنا جیسے گناہوں سے اجتناب، جھوٹ اور جھوٹی گواہی سے پرہیز، نصیحتوں کی باتیں قبول کرنے ، اللہ کے سامنے جھکنے اور اللہ سے مانگنے ــــ کا ذکر فرمایا گیا ہے، غرض کہ یہ ایسی جامع آیتیں ہیں، جو زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہیں۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝۱ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ
فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝۲ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ
لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا
اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے یہ فیصلہ کن کتاب اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے؛ تاکہ وہ تمام دنیا والوں کو خبردار کردے، ۝۱ وہ ذات کہ جس کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے، نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ حکومت میں کوئی اس کا شریک ہے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر سب کا انداز بھی مقرر فرمادیا ہے، ﴿۱﴾ ۝۲ لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود تراش لئے ہیں، جو کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے، وہ تو خود پیدا کئے جاتے ہیں اور اپنے لئے بھی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے، نہ ان کو (کسی کی) موت کا اختیار ہے نہ زندگی کا، اور نہ دوبارہ زندہ کرنے کا، ۝۳ جو ایمان نہیں لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''یہ تو کچھ بھی نہیں، محض جھوٹ ہے، جس کو اس نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے'' یقیناً ان لوگوں نے بڑے ظلم اور سفید جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ ۝۴

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع کائنات میں پھیلی ہوئی دنیا کو صرف پیدا ہی نہیں فرمایا؛ بلکہ اس کی ہر چیز کی بناوٹ، اس کی خصوصیات اور اس کا سائز بھی متعین فرمادیا اور یہ ساری چیزیں نہایت حکمت کے ساتھ رکھی گئی ہیں، مثلاً جن جانوروں کو سواری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور جن کی غذا گھاس پھوس ہے، ان کو چار پاؤں والا بنایا اور ان کی پشت لمبی رکھی گئی، اگر وہ دو پاؤں والے ہوتے تو انسان کے لئے ان پر سواری کرنا مشکل ہوتا اور خود ان کے لئے چارہ کھانا دشوار ہوتا، پتھر کو ایسا سخت بنایا کہ اس کو آسانی سے توڑا نہ جاسکے؛ تاکہ اس کے ذریعہ مکانات بنائے جائیں، زمین کو اتنا نرم بنایا کہ اس کو کھودا جاسکے؛ تاکہ اس میں کھیتی اور باغبانی ہوسکے، خود نظام کائنات میں دیکھئے کہ سورج، چاند، زمین ہر سیارے میں ایسی کشش رکھی گئی، جو ایک دوسرے کو تھامے رہیں اور ایک دوسرے میں ضم ہونے کی کوشش نہ کریں، اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کا بڑا شاہکار خود انسان ہے، اگر انسان کا قد ہاتھی اور اونٹ کی طرح لمبا ہوتا، تو سوچئے کہ کتنے اونچے دروازے اور کتنی اونچی چھتیں رکھنی پڑتیں اور اس میں کس قدر دشواری ہوتی، اگر انسان چوہے، بلی کی طرح چھوٹا اور کم قد وقامت کا ہوتا تو وہ کس طرح اپنی حفاظت کرتا، اور جو فرائض ان سے متعلق ہیں، ان کو کس طرح انجام دیتا، اگر انسان کے ہاتھ پاؤں اس کی آنکھ، ناک، کان کے برابر ہوتے تو وہ کیسے کسی شیئ کو پکڑتا اور چلتا پھرتا، غرض کہ کائنات کی ایک ایک شیئ کے سائز، اس کی بناوٹ، اس کی صلاحیت، اس کی نرمی اور سختی اور اس کی رنگت کو دیکھئے تو اس کے لئے اس سے زیادہ موزوں، مناسب اور بہتر کوئی اور شکل ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

وَقَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ اكۡتَتَبَهَا فَهِىَ تُمۡلٰى عَلَيۡهِ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۝۵ قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِىۡ
يَعۡلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝۶ وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ
يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۝۷ اَوۡ يُلۡقٰٓى
اِلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ۝۸
اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ۝۹ ع ۱ ۹ ۱۶

یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں، جس کو اس شخص (یعنی پیغمبر ﷺ) نے لکھوالیا ہے، پھر وہی اس کو صبح وشام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، ۝۵ آپ فرمادیجئے: اس کو اس ذات نے نازل کیا ہے، جس کو آسمان وزمین کی چھپی ہوئی باتیں بھی معلوم ہیں، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ﴿۱﴾ ۝۶ یہ لوگ کہتے ہیں: ''یہ کیسا پیغمبر ہے، جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے؟ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا، جو اس کے ساتھ مل کر ڈرایا کرتا؟ ۝۷ یا اس پر کوئی خزانہ اُتارا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا، جس سے وہ کھایا کرتا؟؟'' نیز یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایک ایسے شخص کی پیروی کررہے ہو، جس پر جادو کردیا گیا ہے، ۝۸ تو دیکھئے کہ آپ کے لئے یہ کیسی کیسی مثالیں دیتے ہیں؟ چنانچہ یہ تو راستہ سے بھٹک گئے، اب یہ راستہ نہیں پاسکتے۔ ﴿۲﴾ ۝۹

﴿۱﴾ بعض اہل مکہ اعتراض کرتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ نے کچھ دوسرے لوگوں کی مدد سے تصنیف کرلیا ہے، ایسا کہنے والوں میں پیش پیش نَضر بن حارث تھا (تفسیر قرطبی: ۱۳؍۳)، اس اعتراض کا غلط ہونا بالکل ظاہر ہے، رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد سے لے کر ہجرت تک پورے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گذارے، صرف ایک مختصر سفر طائف کا فرمایا؛ تاکہ ان کو اسلام کی دعوت پیش کرسکیں، قرآن نے ان کو بار بار چیلنج کیا کہ وہ اس کتاب کی کوئی مثال پیش کریں، اور حد درجہ دشمنی اور مخالفت کے باوجود وہ اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے، اگر واقعی آپ کو اس میں کچھ لوگوں کی مدد حاصل ہوتی تو وہ ان سے مدد لے کر اس چیلنج کا جواب دے سکتے تھے، یا کم سے کم ان لوگوں کو سامنے لاکر دعوتِ اسلام کو روک سکتے تھے؛ لیکن وہ ایسا کچھ نہ کرسکے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ کلام محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی مددگار یا استاذ کا بنایا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کا اُتارا ہوا ہے اور اللہ کا علم تمام چیزوں کو شامل ہے؛ اس لئے اس کتاب میں تم کو اُن گذرے ہوئے لوگوں کے واقعات بھی ملتے ہیں، جن کے بارے میں تم کو کوئی علم نہیں تھا، اور آنے والے حالات کے بارے میں پیشین گوئیاں بھی ملتی ہیں، جو تمہارے علم میں نہیں ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، افسوس کہ علم اور ٹکنالوجی کی ترقی کے اس دور میں بعض اہل مغرب بھی ایسے ہی سوالات اُٹھاتے ہیں، پہلے بھی اس کا سبب دشمنی، عناد اور سچائی کے اعتراف سے انکار تھا، اور اب بھی اس کا سبب یہی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ سامان کی خرید وفروخت یا تجارت کے لئے بازار میں جانا جائز ہے، یہ دین داری کے خلاف نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳؍۵) ←

تَبٰرَكَ الَّذِيۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
وَيَجۡعَلۡ لَّكَ قُصُوۡرًا ﴿۱۰﴾ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ وَاَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيۡرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا
رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيۡرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَيِّقًا
مُّقَرَّنِيۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا ﴿۱۳﴾

وہ بڑی بابرکت ہستی ہے، اگر چاہے تو آپ کو اس سے بھی بہتر باغات عطا فرمادیں، جس کے نیچے نہریں بہتی رہیں اور آپ کے لئے بہت سے محل بنادیں؛﴿۱﴾ ﴿۱۰﴾ بلکہ (ان کی بے خوفی کا اصل سبب یہ ہے کہ) وہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، ﴿۱۱﴾ جب یہ آگ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑ نا سنیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۱۲﴾ اور جب یہ دوزخ کے اندر ایک تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔ ﴿۱۳﴾

← ﴿۲﴾ یہ ان کا دوسرا اعتراض ہے، جس کا قرآن میں متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے، کہ جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا ہو، وہ نبی کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اگر ایک انسان کو نبی بنا ہی دیا گیا تو اس کے ساتھ کسی فرشتہ کو ہونا چاہئے ، یا اس پر کوئی خزانہ اُترنا چاہئے :اس لئے آپ پیغمبر تو نہیں ہیں ؛البتہ جو غیر معمولی کیفیات آپ کے اندر پائی جاتی ہیں، وہ اس لئے ہیں کہ آپ پر جادو کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے یہ اعتراض بالکل بے معنی تھا، آپ کا دعویٰ اللہ کے پیغمبر ہونے کا تھا نہ کہ فرشتہ اور بادشاہ ہونے کا، اور آپ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ پیغمبر بنائے جانے میں ان کی اپنی کوشش اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور اللہ کو اپنے بندوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، یہ اعتراضات اس قدر لغو ہیں کہ ان کا جواب دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ؛البتہ فرمادیا گیا کہ یہ سب ان کی بے توفیقی کا نتیجہ ہے اور ایسے لوگ درست راستہ کو نہیں پاسکتے۔

﴿۱﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت کے خزانے نہیں دیئے تو ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کی نعمتیں عطا نہیں فرماسکتے ، جو خدا بادشاہوں کو یہ نعمتیں دے سکتا ہے، اپنے پیغمبر کو کیوں نہیں دے سکتا؛ لیکن عام طور پر انبیاء کو محتاجی اور تنگی کی حالت سے گذارا گیا ہے ؛ کیوں کہ پیغمبر اُمت کے لئے نمونہ ہیں اور اُمت میں زیادہ تر لوگ وہی ہوں گے، جو غربت اور تنگی سے دوچار ہوں، جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے رسول نے اس حالت میں زندگی گذاری ہے تو یہ ان کے لئے دلداری کا سامان بنے گا اور جو اُمت میں دولت مند لوگ ہوں گے، ان میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ کسی کا غریب ہونا اس لئے نہیں ہے کہ یہ اللہ کے نامقبول بندے ہیں، اس کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کریں گے اور ان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھیں گے۔

﴿۲﴾ یا تو دوزخ کا دیکھنا کنایہ اور محاورہ کے طور پر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سامنے آجائے گی، جیسے کہا جاتا ہے، زمین وآسمان نے اس سے بہتر شخص نہیں دیکھا، ظاہر ہے کہ اس میں حقیقی طور پر دیکھنا مراد نہیں ہے، یا واقعی دوزخ کو دیکھنے کی صلاحیت عطا کر دی جائے گی۔

لَا تَدۡعُوا الۡيَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِيۡرًا ۝۱۴ قُلۡ اَذٰلِكَ خَيۡرٌ اَمۡ جَنَّةُ الۡخُلۡدِ الَّتِىۡ
وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ كَانَتۡ لَهُمۡ جَزَآءً وَّمَصِيۡرًا ۝۱۵ لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ خٰلِدِيۡنَ ؕ كَانَ عَلٰى
رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا ۝۱۶ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ
اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِىۡ هٰٓؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِيۡلَ ؕ ۝۱۷ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ يَنۡۢبَغِىۡ لَنَاۤ اَنۡ
نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِكَ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنۡ مَّتَّعۡتَهُمۡ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى نَسُوا الذِّكۡرَ ۚ وَكَانُوۡا قَوۡمًۢا
بُوۡرًا ۝۱۸ فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّلَا نَصۡرًا ۚ وَمَنۡ يَّظۡلِمۡ
مِّنۡكُمۡ نُذِقۡهُ عَذَابًا كَبِيۡرًا ۝۱۹

(ان سے کہا جائے گا) ایک ہی موت کو نہ پکارو، بہت سی موتوں کو پکارو،《۱》 ۝۱۴ آپ دریافت فرمایئے: (بتاؤ تو سہی) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت، جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے؟ یہی ان کا بدلہ اور ٹھکانہ ہے، ۝۱۵ جنت میں ان کے لئے وہ سب چیزیں ہوں گی، جو وہ چاہیں گے، وہ ہمیشہ (اسی میں) رہیں گے، آپ کے رب کے ذمہ یہ وعدہ ہے، جس کی درخواست کی جاسکے گی،《۲》 ۝۱۶ جس دن اللہ اِن (شرک کرنے والوں) کو، اور اُن چیزوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے، جمع فرمائیں گے تو کہیں گے: کیا تم ہی لوگوں نے میرے اِن بندوں کو گمراہ کردیا تھا، یا وہ خود گمراہ ہوگئے تھے؟《۳》 ۝۱۷ وہ جواب دیں گے: آپ کی ذات پاک ہے، ہماری کیا مجال کہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو دوست بنائیں؛ لیکن آپ نے ان کو اور ان کے باپ داداؤں کو خوشحالی عطا کی، یہاں تک کہ وہ (آپ کی) نصیحت کو بھلا بیٹھے،《۴》 اور (آخر) یہ لوگ تباہ و برباد ہوکر رہے، ۝۱۸ (ارشاد ہوگا:) لو، تمہارے ان معبودوں نے تو تمہاری ان باتوں کو جھٹلا دیا، اب تم نہ تو خود عذاب کو ہٹا سکتے ہو اور نہ تم کو مدد حاصل ہوسکتی ہے، اور تم میں سے جس نے بھی ظلم (یعنی شرک) کیا ہے، ہم اسے سخت عذاب چکھائیں گے۔ ۝۱۹

《۱》 یعنی تم ایک تکلیف سے نجات کے لئے موت کو پکارتے ہو، ابھی مسلسل ایسی تکلیفوں سے گذارے جاؤ گے کہ بار بار موت کو پکاروگے۔

《۲》 یعنی اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز لازم نہیں ہے؛ لیکن اللہ نے خود ہی اپنے آپ پر اس سے ڈرنے والوں کے لئے یہ چیز لازم کرلی ہے؛ اس لئے بندہ کو حق ہوگا کہ وہ اپنے خالق و مالک سے اس کی درخواست کرے۔

《۳》 یہاں وہ انبیاء، فرشتے اور نیک لوگ مراد ہیں جن کی بعض مشرک قومیں پوجا کیا کرتی ہیں۔

《۴》 یعنی انبیاء پر اُترنے والی کتاب کو بھلا بیٹھی: ''القرآن المنزل على الرسل تركوا العمل به'' (تفسیر قرطبی: ۱۳/۱۱)
—— اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اکثر و بیشتر دولت، خوشحالی اور دنیا کے اسباب کی فراوانی انسان کو اپنے خالق ←

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۲ / ۱۱ / ۱۷

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، وہ بھی کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لئے آزمانے کا ذریعہ بنا دیا ہے کہ کیا تم ثابت قدم رہتے ہو؟ اور آپ کے رب سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۰﴾

← وہ مالک سے غافل کر دیتی ہے؛ اس لئے اگر انسان پر اس طرح خوشحالی آئے کہ وہ دین سے غفلت میں مبتلا ہو جائے تو اسے ڈرنا چاہئے کہ کہیں یہ دولت اللہ کی طرف سے اس کی آزمائش تو نہیں ہے۔

﴿۱﴾ ایک کو دوسرے کے لئے آزمانے کا ذریعہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں میں برابری نہیں رکھی ہے، کوئی دولت مند ہے کوئی غریب، کوئی صحت مند ہے کوئی بیمار، کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت، کوئی حاکم ہے اور کوئی محکوم، اس میں دونوں کی آزمائش ہوتی ہے، جس کو نعمت دی گئی ہے، اس کا امتحان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے یا تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے؟ اور جس کو نعمت نہیں دی گئی، اس کا یہ امتحان ہے کہ وہ صبر وقناعت سے کام لیتا ہے، یا حسد اور لالچ میں مبتلا ہو کر اللہ سے شکایت کرنے لگتا ہے؟ —— بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ابوجہل اور سردارانِ قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو حضرت بلال وصہیب رضی اللہ عنہما اور ان جیسے غریب ومحکوم مسلمانوں کو دیکھ کر مذاق اُڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہو جائیں؛ تاکہ میرا حال بھی ان ہی کی طرح ہو جائے؟ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ان غریب مسلمانوں کو سردارانِ قریش کے لئے امتحان کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ (تفسیر بغوی: ۶/۷۷)

● ● ●

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٢٢﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً
مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ
بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٍالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾

اور جن لوگوں کو ہمارے سامنے پیش ہونے کی اُمید نہیں ہے، وہ کہتے ہیں: ہم پر فرشتے کیوں نہیں اُتارے گئے، یا ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہم خود اپنے رب کو دیکھ لیتے؟ یہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے ہیں، ﴿۱﴾ اور سرکشی میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں، ﴿٢١﴾ جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن مجرموں کے لئے خوشی کی کوئی بات نہ ہوگی اور کہیں گے: کوئی بچاؤ کا سامان حاصل ہوجائے، ﴿٢٢﴾ اور جو بھی کام انھوں نے کئے تھے، ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے، پھر اس کو خاک بنا کر اُڑا دیں گے، ﴿۲﴾ ﴿٢٣﴾ اس دن جنتیوں کی قیام گاہ خوب ہوگی اور آرام گاہ بھی بہتر ہوگی، ﴿۳﴾ ﴿٢٤﴾ جس دن آسمان پھٹ کر بادل نمودار ہوگا اور کثرت سے فرشتے اُتارے جائیں گے، ﴿٢٥﴾ اس دن حقیقی بادشاہت بے حد رحم کرنے والے خدا ہی کی ہوگی اور ایمان نہ لانے والوں پر وہ دن بڑا سخت ہوگا، ﴿٢٦﴾ نیز اس دن ظالم (مارے غم وافسوس کے) اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے، وہ کہیں گے: ’’کاش! میں پیغمبر کے ساتھ (صحیح) راستہ پر لگ جاتا۔ ﴿٢٧﴾

﴿۱﴾ قرآن مجید میں متعدد مواقع پر اہل مکہ کے اس طرح کے مطالبات کا ذکر آیا ہے، یہ مطالبات ایمان کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے، ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اَن دیکھی چیزوں پر یقین کرے، اسی کو ’ایمان بالغیب‘ کہتے ہیں، اگر انسان فرشتوں کو اور خود خدا کو دیکھ لے تو یہ غیب پر ایمان لانا نہیں ہوا، یہ تو دیکھی دکھائی چیزوں پر یقین کرنا ہوا۔

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں انھوں نے اگر کچھ نیکی کے کام بھی کئے ہوں گے تو ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے آخرت میں وہ چیز بیکار ہوجائے گی اور ان کو کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

﴿۳﴾ ’’مستقر‘‘ کے معنی اس جگہ کے ہیں، جہاں آدمی کا مستقل رہنا سہنا ہو، اور ’’مقیل‘‘ سے مراد ایسی جگہ ہے، جہاں تھوڑی دیر کے لئے رہنے کی نوبت آئے، مطلب یہ ہے کہ جنت میں ان کے قیام کی جو مستقل جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جائے گی، وہ بھی خوب ہوگی اور جہاں کچھ دیر کے لئے آنا جانا ہوگا، وہ بھی بہتر مقام ہوگا۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ
الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾

ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا،﴿۱﴾ ﴿٢٨﴾ اس شخص نے میرے پاس نصیحت (قرآن مجید) آجانے کے باوجود مجھے بھٹکا دیا اور شیطان تو انسان کو دھوکہ دیا ہی کرتا ہے“﴿۲﴾ ﴿٢٩﴾ پیغمبر کہیں گے: ”اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا، ﴿٣٠﴾ اور ہم اسی طرح ہر نبی کے مقابلہ مجرموں میں سے دشمن بناتے رہے ہیں، ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے آپ کے پروردگار کافی ہیں!“۔﴿۳﴾ ﴿٣١﴾

﴿۱﴾ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اپنے لئے اچھے دوست کا انتخاب کرنا چاہئے ؛ کیوں کہ انسان غیر محسوس طور پر اپنے دوستوں کے طور طریقہ سے متاثر ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: ہمارے لئے کون سا ہم نشیں بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے دیکھنے سے تم کو اللہ یاد آئے، جس کے بولنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت کی یاد تازہ ہو: ”من ذکرکم باللہ رؤیته وزاد فی علمکم منطقه وذکرکم بالآخرۃ عمله“ (تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۲۷، بحوالہ بزار) اس آیت کے سلسلہ میں بعض سیرت نگاروں سے یہ واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ عُقبَہ بن ابی مُعیط نے ایک دعوت کی اور اس میں قریش کی معزز شخصیتوں کو مدعو کیا، رسول اللہ ﷺ کو بھی دعوت دی، آپ ﷺ نے اس کے سامنے شرط رکھی کہ تم کلمۂ شہادت پڑھو، تبھی میں کھانا کھاؤں گا، عربوں کی روایت کے مطابق انسان کے لئے یہ بات بہت بے عزتی کی ہوتی تھی کہ جس شخص کو دعوت دی جائے، وہ وہاں کھانا نہ کھائے؛ اس لئے اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا، اُمیّہ بن خَلَف عُقبَہ کا دوست تھا، اس کو جب یہ خبر ملی تو آگ بگولا ہو گیا، عُقبَہ نے اس سے عذر کیا کہ معززین قریش میں سے اگر ایک شخص کی دعوت میں شرکت نہیں ہوتی تو یہ بہت خراب بات ہوتی، اُمیّہ بن خَلَف نے اصرار کیا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان کے چہرے پر تھوک دو، اس کے بغیر میں راضی نہیں ہو سکتا، اِس بد بخت نے ایسا ہی کیا، آخر عُقبَہ اور اُمیّہ دونوں ہی غزوۂ بدر میں مارے گئے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۲۵) پس قیامت میں ان کا جو حشر ہونے والا ہے، یہاں اس کا ذکر ہے، بہر حال جو لوگ کسی کی دوستی اور خدا بیزار لوگوں کی پیروی کی وجہ سے دین کے احکام چھوڑ دیتے ہیں، وہ سب اس میں شامل ہیں، آج کل جو مغرب زدہ مسلمان دین و شریعت پر اعتراض کرتے ہیں، وہ اسی کا مصداق ہیں۔

﴿۲﴾ یہ آخری جملہ کہ ”شیطان انسان کو دھوکہ دیا ہی کرتا ہے“ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہو سکتا ہے اور ایمان سے محرومی پر پچھتانے والے شخص کی بات بھی ہو سکتی ہے۔

﴿۳﴾ یعنی لوگوں کی طرف سے مخالفت اور انکار کے باعث آپ ﷺ رنجیدہ نہ ہوں کہ تمام انبیاء کی یہی تاریخ رہی ہے اور ان کی قوم ان کے ساتھ دشمنی کرتی رہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ
وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ
يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ع ۳
مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ کہتے ہیں: پیغمبر پر ایک ہی دفعہ میں پورا قرآن کیوں نہ نازل کردیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے)؛ تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اور ہم نے اس کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اُتارا ہے ﴿۳۲﴾ اور وہ جب بھی آپ کے سامنے (بہ طور دلیل) کوئی مثال پیش کرتے ہیں، تو ہم اس کا ٹھیک اور واضح جواب آپ کو عطا کردیتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۳۳﴾ جو لوگ منھ کے بَل دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے، یہ (آخرت میں) جگہ کے اعتبار سے بہت بُرے حال میں ہوں گے اور (دنیا میں) درست راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، ﴿۳۴﴾ نیز ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) مددگار بنا دیا۔ ﴿۳۵﴾

﴿۱﴾ قرآن مجید میں کئی جگہ اس کا ذکر آیا ہے، اہل مکہ کہتے تھے کہ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل ہوگیا ہوتا، یہ تھوڑا تھوڑا بار بار کیوں نازل کیا جاتا ہے؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کسی انسان سے سیکھ کر تصنیف کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بالکل لغو ہے، انسان کبھی پوری کتاب ایک ساتھ تصنیف کرتا ہے اور کبھی جستہ جستہ مضامین لکھتا ہے، جو آہستہ آہستہ ایک پوری کتاب بن جاتی ہے تو جب مخلوق کو اپنی تصنیف میں یہ اختیار ہے تو کیا خالق کو یہ اختیار نہیں کہ وہ چاہے تو اپنی پوری کتاب ایک ساتھ اُتار دے، یا تھوڑی تھوڑی کر کے اُتارے؟ پھر غور کیا جائے تو کائنات میں اللہ تعالیٰ جتنی نعمتیں پیدا فرماتے ہیں، سب میں یہی نظام موجود ہے، انسان آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور جوانی کی منزل کو پہنچتا ہے، درختوں اور پودوں کی آہستہ آہستہ نشو ونما ہوتی ہے اور وہ پھل اور دانے دینے کے لائق بنتے ہیں، بارش ایک ساتھ نہیں ہوجاتی؛ بلکہ آہستہ آہستہ ہفتوں اور مہینوں میں اپنے معمول کو پورا کرتی ہے، وحی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اگر اس نعمت کو تھوڑا تھوڑا اور آہستہ آہستہ اُتارا گیا تو اس میں حیرت اور اعتراض کی کیا بات ہے؟ پھر اس کی ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے معانی پیغمبر کو ذہن نشیں ہوتے جاتے تھے اور ان کے دل میں جمتے جاتے تھے، اگر ایک ساتھ پورا قرآن اُتار دیا جاتا تو انسانی فطرت کے اعتبار سے اس کا تحمل دشوار ہوتا، قرآن مجید کو دوسری آسمانی کتابوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا حصہ بہت کم ہے، زیادہ تر اس پیغمبر سے متعلق واقعات ہیں، جن کو بعد کے لوگوں نے نقل کیا ہے — قرآن کے آہستہ آہستہ اُتارے جانے کی ایک دوسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ جب بھی مخالفین کی طرف سے کوئی اعتراض ہوتا ہے، تو اس مناسبت کی آیتیں اُتار دی جاتی ہیں، تلاش کی ضرورت نہیں پڑتی، اگر پورا قرآن ایک ساتھ نازل کردیا گیا ہوتا تو اس میں سے جواب ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا پڑتا۔

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ؕ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا
كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚۖ﴿۳۷﴾
وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا
تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا
يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ
بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ
حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

پھر ہم نے کہا: تم دونوں اُن لوگوں (یعنی فرعون کی قوم) کے پاس جاؤ، جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا ہے (وہ گئے، مگر فرعون کی قوم نے نہیں مانا) تو ہم نے ان کو بالکل ہی تباہ و برباد کردیا، ﴿۳۶﴾ اور ہم نوح کی قوم کو بھی ہلاک کر چکے ہیں، جب انھوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو غرق کردیا اور ان کو لوگوں کے لئے نشانی بنادیا، نیز ہم نے اِن ظالموں کے لئے دردناک عذاب بھی تیار رکھا ہے، ﴿۳۷﴾ اور ہم نے عاد، ثمود، اصحابِ رَس اور اُن (قوموں) کے درمیان بہت سی اور قوموں کو بھی ہلاک کردیا، ﴿۱﴾ ﴿۳۸﴾ ہم نے ہر ایک کے سامنے دلیلیں بیان کردیں اور سب کو (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) تباہ و برباد کردیا، ﴿۳۹﴾ ان لوگوں کا اس بستی پر بھی گذر ہو چکا ہے، جن پر بری طرح پتھر برسائے گئے، ﴿۲﴾ تو کیا وہ دیکھا نہیں کرتے؛ لیکن (اس کے باوجود) وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا یقین نہیں رکھتے، ﴿۴۰﴾ اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق اُڑانے لگتے ہیں کہ: ''کیا یہی وہ صاحب ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ﴿۴۱﴾ اگر ہم اپنے معبودوں پر جم نہ گئے ہوتے تو اس نے تو ہمیں ان سے ہٹا ہی دیا ہوتا'' اور ان کو جلد ہی معلوم ہوجائے گا، جب یہ عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ ہے؟ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد و ثمود کا ذکر بار بار آچکا ہے؛ البتہ ''اصحابِ رَس'' کا ذکر پہلی بار آیا ہے، ''رس'' کے معنی ایسے کنویں کے ہیں جو کھلا ہوا ہو، جس پر کوئی ڈھکن نہ ہو، اس قوم کے سلسلہ میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں، حاصل یہ ہے کہ وہ کسی درخت کی پوجا کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک نبی پیدا فرمایا، جنھوں نے درخت پرستی سے روکا، لوگوں نے پیغمبر کو قتل کرکے اسی کنویں میں پھینک دیا، اس قوم کی بعض اخلاقی برائیوں کا بھی تفسیر کی کتاب میں ذکر آیا ہے، خاص طور پر اس بات کا کہ جیسے قوم لوط پہلی قوم تھی، جس میں مرد مردوں سے اپنی خواہشات پوری کرتے تھے، اسی طرح اصحابِ رس وہ پہلی قوم تھی، جس میں عورتیں عورتوں سے اپنی خواہشات پوری کرتی تھیں، بالآخر یہ قوم اللہ کے عذاب میں ہلاک کردی گئی۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۳۲،۳۳)

﴿۲﴾ یعنی قوم لوط کے کھنڈرات، جہاں سے شام کے سفر میں قریش کا گذر ہوا کرتا تھا۔

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ
یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ ۴ ع ۱۰ ۲
كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ
اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ
نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ
صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖؗ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

بھلا آپ کیا سمجھتے ہیں، جس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہو، کیا آپ اس کا ذمہ لے سکتے ہیں؟ ﴿۱﴾ ﴿۴۳﴾ یا آپ کا خیال ہے کہ ان کی اکثریت سنتی یا سمجھتی ہے؟ نہیں، وہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں؛ بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۴۴﴾ آپ نے اپنے رب کو دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح سایہ کو پھیلا دیتے ہیں؟ اگر اللہ چاہتے تو اس کو ٹھہرا دیتے، پھر ہم نے اس (کے گھٹنے بڑھنے) پر سورج کو علامت بنا دیا، ﴿۴۵﴾ پھر ہم سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں، ﴿۴۶﴾ وہی خدا ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پردہ، نیند کو آرام کا ذریعہ اور دن کو (کام کاج کے لئے) دوڑ دھوپ کا وقت بنا دیا، ﴿۴۷﴾ وہی خدا ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری دینے کے لئے بھیجتا ہے اور ہم ہی آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں، ﴿۳﴾ ﴿۴۸﴾ تاکہ اس کے ذریعہ ہم مردہ شہر کو نئی زندگی عطا کریں اور ہماری پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوقات — چوپایوں اور انسانوں — کو پانی پلائیں، ﴿۴۹﴾ اور ہم اس بارش کو ان کے درمیان تقسیم کرتے رہتے ہیں؛ تاکہ وہ غور وفکر کریں، پھر بھی اکثر لوگ ناشکری کئے بغیر نہیں رہتے۔ ﴿۴﴾ ﴿۵۰﴾

﴿۱﴾ یعنی کفر وشرک پر کوئی دلیل نہیں؛ بلکہ یہ بے سمجھے بوجھے اپنی خواہش کی پیروی ہے۔

﴿۲﴾ یعنی سنتے ہیں؛ لیکن سنی ہوئی باتوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے، اور عقل رکھتے ہیں؛ لیکن عقل سے کام نہیں لیتے؛ اس لئے وہ اپنے عمل کے اعتبار سے چوپایوں کی طرح ہیں۔

﴿۳﴾ معلوم ہوا کہ آسمان سے جو پانی برستا ہے، وہ پاک بھی ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، خواہ وہ زمین کی سطح پر ندی نالے یا تالاب کی شکل میں ہو، یا زمین کے اندر جذب ہو کر چشمہ کی صورت اختیار کرلے اور اسے کسی ذریعہ سے نکالا جائے، یا برف اور اولے کی شکل میں ہو، سوائے اس کے کہ وہ کسی ناپاک چیز سے آلودہ ہو جائے؛ چنانچہ اس پر اُمت کا اجماع واتفاق ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱/ ۲۲۹)

﴿۴﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ کی نوازش کے سوا کسی اور طور پر حاصل نہیں کیا ←

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شہر میں ایک ڈرانے والے (پیغمبر) کو بھیج سکتے تھے، ﴿٥١﴾ لہٰذا آپ ایمان نہ لانے والوں کی بات نہ مانیئے اور قرآن کے (دلائل کے) ذریعہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیجئے، ﴿١﴾ ﴿٥٢﴾ وہی خدا ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملایا ہے کہ یہ خوب میٹھا ہے اور یہ بہت ہی کھارا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ رکھ دی ہے۔ ﴿٢﴾ ﴿٥٣﴾

← جا سکتا، جیسے دنیا کی اکثر چیزوں کا سایہ دار ہونا، اگر یہ نہ ہوتا تو انسان اپنے مکان میں ہو یا کسی کھلے میدان میں، ایک ہی طرح کی صورتِ حال سے دوچار رہتا، پھر تاریک رات کی پیدائش کہ اس کی وجہ سے سارے کے سارے لوگ ایک ساتھ پُرسکون طریقہ پر سوتے ہیں، اگر نیند کے لئے یہ ماحول نہ فراہم کیا جاتا اور خود نیند جیسی نعمت انسان کو نہ دی جاتی تو سوچئے کہ اس کی زندگی کس درجہ بے سکون ہوتی، پھر اگر چوبیس گھنٹے کی رات ہی ہوتی، دن نہیں ہوتے تو انسان کی معاشی تگ و دو کیسے انجام پاتی ؟ اسی طرح اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت پانی ہے، بادل ہوا کے کاندھوں پر سوار ہو کر جہاں جہاں ضرورت ہو، وہاں پہنچتا ہے، اگر پانی نہ برستا یا دنیا میں کسی ایک ہی جگہ اس کا خزانہ ہوتا تو انسان کی ضروریات کیسے پوری ہوتیں، اور کیسے انسانوں اور جانوروں، امیروں اور غریبوں سبھوں کو یہ حاصل ہوتا اور کھیتی باڑی کا نظام چلتا ؟

﴿١﴾ لیکن اے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ پوری دنیا کے لئے تنہا آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؛ اس لئے آپ ہرگز دشمنانِ اسلام کی مخالفتوں سے متاثر نہ ہوئیے۔

﴿٢﴾ قرآن مجید نے اس آیت میں ایک اہم سائنسی حقیقت سے پردہ ہٹایا ہے، سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق سمندر کے ایک لیٹر پانی میں ستائیس گرام نمک ہوتا ہے، اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر سمندری نمک کو نکال کر پانچ آباد براعظموں پر پھیلا دیا جائے اور کوئی ایسی جگہ نہ رہے جو نمک سے خالی ہو، تب بھی زمین پر نمک کی سطح ایک سو تریپن میٹر تک موٹی ہوگی، اب اس نمکین سمندر میں اگر کوئی میٹھے پانی کا دریا مل جائے تو میلوں تک ایک ساتھ چلنے کے باوجود دونوں کا پانی الگ الگ رہتا ہے، اور سمندر کے نمکین پانی پر ایک ایسی پَرَت ہوتی ہے، جو سمندری طوفان کے باوجود ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ موجوں کے ساتھ حرکت کرتی رہتی ہے، یہ پرت میٹھے پانی کو اور اس کی مچھلی اور جانوروں کو دوسری طرف جانے سے روکتی ہے، غالباً اسی کو قرآن مجید میں ''حاجز'' (پردہ) کہا گیا ہے؛ بلکہ یہی پردہ ہے جو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر بھی قائم رہتا ہے اور دونوں سمندروں کے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے، بحر اٹلانٹک اور بحر متوسط کے ملنے کی جگہ نیز بحر ہند اور بحر احمر کے ملنے کی جگہ کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں، اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کہیں کہیں سمندر کے درمیان بھی میٹھے پانی کے چشمے اُبلتے ہیں، جن کا پانی کئی کئی میلوں تک پھیل جاتا ہے، یہ پانی بھی ←

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝٥٤ وَيَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝٥٥ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٥٦ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيْلًا ۝٥٧ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ
خَبِيْرَا ۨ ۝٥٨ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى
الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٩

وہ خدا ہی کی ہستی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو دادیہال و نانیہال اور سسرال عطا کیا، اور آپ کے رب بے حد قدرت والے ہیں، ﴿۱﴾ ۝٥٤ اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں، جو نہ کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان، اور کافر تو اپنے رب کے مقابلہ میں (شیطان کا) مددگار رہتا ہی ہے، ۝٥٥ اور ہم نے تو آپ کو صرف (ایمان والوں کے لئے جنت کی) خوشخبری دینے والا اور (ایمان نہ لانے والوں کے لئے دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، ۝٥٦ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، ہاں، اس کا معاوضہ وہ لوگ ہیں، جو چاہتے ہیں کہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لیں، ﴿۲﴾ ۝٥٧ اور اس زندۂ جاوید ہستی پر بھروسہ کیجئے، جس پر کبھی موت نہیں آسکتی اور حمد و ستائش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے رہئے اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے، ۝٥٨ جس نے آسمانوں کو، زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرما دیا، پھر (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ فرما ہو گیا، وہ بے حد مہربان ہے، اس کے بارے میں کسی باخبر شخص سے پوچھ لو۔ ﴿۳﴾ ۝٥٩

← سمندر کے پانی سے الگ رہتا ہے، یقیناً ایسی دقیق سائنسی حقیقتوں سے اب سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے کوئی واقف نہیں ہو سکتا تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید اس کائنات کے خالق و مالک ہی کا کلام ہے نہ کہ کسی مخلوق کا۔

﴿۱﴾ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے کہ انسان کو نطفہ جیسی معمولی چیز سے پیدا فرمایا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام یہ بھی ہے کہ اس کو دادیہال، نانیہال اور سسرال کی شکل میں وسیع خاندان عطا فرمایا، جس سے دوسرے جاندار محروم ہیں۔

﴿۲﴾ یعنی جو لوگ جھوٹ بولتے اور مکاری کرتے ہیں، ان کا مقصد اس کے ذریعہ مادی فائدوں کا حاصل کرنا ہوتا ہے؛ لیکن میں تو تم سے کسی مادی فائدے کا طلب گار ہی نہیں ہوں، صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں کہ تم ایمان لے آؤ۔

﴿۳﴾ سورۂ اعراف آیت نمبر: ۵۴ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ ۚ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ
ع ۵ ۱۶ ۳ نُفُوۡرًا ﴿۶۰﴾ السجدة تَبٰرَكَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّجَعَلَ فِیۡهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ
الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّكَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُكُوۡرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ
الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِیۡنَ
یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّهِمۡ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾

السجدة ۷

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں: رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا تم جس کے بارے میں حکم دو، ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں؟؟ اور یہ بات (کہ خدا کو سجدہ کرو) ان کی نفرت ہی میں اضافہ کررہی ہے، ﴿۱﴾ ﴿۶۰﴾ برکت والی ذات ہے وہ جس نے آسمان میں بُرُج بنائے اور اس میں (سورج کا) چراغ اور چمکتا ہوا چاند رکھ دیا، ﴿۲﴾ ﴿۶۱﴾ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے، (یہ سب نشانیاں) ان لوگوں کے لئے ہیں، جو نصیحت حاصل کرنا یا شکر گذار بننا چاہے، ﴿۶۲﴾ رحمٰن کے (نیک) بندے وہ ہیں، جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، جب جاہل لوگ ان سے ہم کلام ہوتے ہیں، تو سلامتی کی بات کہہ دیتے ہیں، ﴿۶۳﴾ وہ اپنے رب کے سامنے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گذارتے ہیں۔ ﴿۶۴﴾

﴿۱﴾ رحمٰن کے معنیٰ ''بے حد مہربان'' کے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن یمامہ کے ایک شخص مُسَیلِمہ کا نام بھی رحمٰن تھا، جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور مارا گیا، اہل مکہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ قرآن میں جو رحمٰن کی عبادت کرنے اور سجدہ کرنے کا حکم ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے، جو بے حد مہربان و کریم ہے؛ لیکن وہ بطور تمسخر کہتے تھے کہ یہ رحمٰن کیا چیز ہے، ہم تو صرف یمامہ کے رحمٰن کو جانتے ہیں؟ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر بغوی: ۹۲/۶) کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے ذکر سے تو ان کے دل میں اللہ کی محبت کی چنگاری کو سلگنا چاہئے تھا؛ لیکن ان کی بے توفیقی ہے کہ اس کے بجائے اُلٹے ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

﴿۲﴾ آسمان میں برج بنائے جانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا ذکر سورۂ حجر آیت نمبر: ۱۶ میں آچکا ہے 'سراج' کے معنیٰ ''چراغ'' کے ہیں، جو خود روشن ہوتے ہیں، چراغ میں گرمی اور حرارت کا ہونا ضروری ہے، سورج کی کیفیت یہی ہے کہ وہ آگ کا ایک گولا ہے، جس کی روشنی اس کے باوجود پوری زمین کو روشن کردیتی ہے کہ تقریباً ۴۹ فیصد روشنی کی شعاعیں اوزون کی پَرَت، ہوائی غلاف، بادلوں، بخارات اور گرد وغبار کے ذرات کی وجہ سے زمین تک نہیں پہنچ پاتی ہیں، چاند کی روشنی اپنی نہیں ہے؛ بلکہ وہ سورج کی روشنی کا عکس ہے، جس سے چاند روشن ہوتا ہے اور پھر اپنی روشنی پھیلاتا ہے؛ اسی لئے چاند کے لئے قرآن مجید نے 'منیر' (روشن کرنے والا) کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَہَنَّمَ ٭ۖ اِنَّ عَذَابَہَا کَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّہَا سَآءَتۡ
مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ
قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا
بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفۡ لَہُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ
وَیَخۡلُدۡ فِیۡہٖ مُہَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ
سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ
مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِیۡنَ لَا یَشۡہَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَا
ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّعُمۡیَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا
مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور رکھئے، یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے، ﴿۶۵﴾ اس میں شک نہیں کہ وہ بُرا ٹھکانہ اور رہنے کی بدترین جگہ ہے، ﴿۶۶﴾ ان کا حال یہ ہے کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں؛ بلکہ اس کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں، ﴿۶۷﴾ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پوجا نہیں کرتے اور کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے، جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، ہاں، مگر حق کی بنا پر (یعنی حکم شرعی کے مطابق)، اور وہ زنا بھی نہیں کرتے، جو ایسا کرے گا، وہ گنہگار ہوگا، ﴿۶۸﴾ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل وخوار ہوکر ہمیشہ اسی میں رہے گا، ﴿۶۹﴾ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کرلی، ایمان لائے اور نیک عمل کیا، اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے اور اللہ بہت معاف کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں، ﴿۷۰﴾ نیز جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرنے لگتا ہے، وہ اللہ کی طرف پوری طرح لوٹ آتا ہے، ﴿۷۱﴾ اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لایعنی چیز کے پاس سے گذرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں، ﴿۷۲﴾ جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان پر گونگے اور اندھے ہوکر نہیں گر پڑتے ہیں، ﴿۷۳﴾ اور جو دُعا کرتے رہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ایسی بیویاں اور اولاد عطا فرمادیجئے، جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور ہم کو اللہ سے ڈرنے والوں کا پیشوا بنادیجئے۔ ﴿۱﴾ ﴿۷۴﴾

﴿۱﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی بارہ صفات ذکر کی گئی ہیں، پہلی صفت تواضع کی ہے کہ ان کی چال سے بھی ←

اُولٰٓئِكَ يُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَيُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ
حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلۡ مَا يَعۡبَؤُا بِكُمۡ رَبِّىۡ لَوۡ لَا دُعَآؤُكُمۡ ۚ فَقَدۡ كَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ
يَكُوۡنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

یہی لوگ ہیں، جن کو ان کے صبر و استقامت کی وجہ سے (جنت کے) بالا خانے دیئے جائیں گے اور اس میں دُعا اور سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا، ﴿۷۵﴾ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، وہ کیا ہی بہتر ٹھہرائے جانے کی اور قیام کرنے کی جگہ ہے! ﴿۷۶﴾ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: اگر تم اس کی عبادت نہ کرو تو میرے پروردگار کو تمہاری کیا پروا ہے؟ (پھر عبادت کرنا تو کیا؟) تم نے تو جھٹلا دیا ہے، تو اب اس کا وبال آ کر رہے گا۔ ﴿۷۷﴾

← عاجزی کا اظہار ہوتا ہے، دوسری صفت گفتگو میں تواضع کی ہے کہ اگر کوئی شخص ان سے ناشائستہ گفتگو کرے تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر گذر جاتے ہیں، اُلجھتے نہیں ہیں، تیسری اور چوتھی صفت رات کی عبادت اور عذابِ دوزخ سے نجات کے لئے دُعا کا اہتمام کرنے کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرتا ہے، پانچویں صفت مال سے متعلق ہے کہ نہ بخل کرتے ہیں نہ فضول خرچی، چھٹی صفت کا تعلق عقیدہ و ایمان سے ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، ساتویں اور آٹھویں صفت کا تعلق گناہوں سے بچنے سے ہے کہ نہ ناحق قتل کے مرتکب ہوتے ہیں، جس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، اور نہ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے، نویں صفت یہ ہے کہ یہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، دسویں صفت یہ ہے کہ لایعنی کاموں اور باتوں سے بچتے ہیں، گیارہویں صفت یہ ہے کہ جب ان پر اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے تو توجہ کے ساتھ اور عمل کے جذبہ سے سنتے ہیں، بارہویں اور آخری بات یہ ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کے لئے اللہ سے دُعا کرتے ہیں اور خاص طور پر اس بات کی دُعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کو متقی لوگوں کا پیشوا بنا دیں، یہ نہایت جامع آیات ہیں، جن میں مسلمانوں کے لئے پوری زندگی کا نظامِ عمل بیان فرما دیا گیا ہے۔

سُورَۃ الشُّعَرَاء

- سورہ نمبر : (۲۶)
- رکوع : (۱۱)
- آیتیں : (۲۲۷)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

شعــرا اپنے خیالات کے اظہار کا ایک بہتر اور اثر انگیز طریقہ ہے؛ لیکن زیادہ تر اس کا استعمال گمراہی پھیلانے اور غیر اخلاقی باتوں کے اظہار کے لئے کیا جاتا ہے، عربوں میں شعر گوئی کا خاص ذوق تھا اور اسی لئے وہ رسول اللہ ﷺ کو شاعر قرار دیا کرتے تھے؛ چنانچہ اس سورہ میں اس شبہ کو دور کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ محمد ﷺ کی پیروی کرنے والے تو نیک، پاکباز اور اچھے لوگ ہیں، جب کہ شعراء کی پیروی تو عام طور پر بھٹکے ہوئے لوگ کرتے ہیں، پس چوں کہ اس سورہ میں شعراء کا ذکر آیا ہے؛ اس لئے اس کا نام ''شعراء'' رکھا گیا ہے۔

اس سورہ میں بھی زیادہ تر توحید و رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قومِ فرعون، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعات کا ذکر آیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾ وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۵﴾ فَقَدۡ کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۷﴾

منزل ۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ طا، سین، میم ﴿۱﴾ ۝۱ یہ (آپ پر اُتاری جانے والی) کتاب کے واضح احکام ہیں ۝۲ اس لئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے، شاید آپ اپنی جان دے دیں گے ۝۳ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک نشانی اُتار دیں، پھر ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک کر رہ جائیں (لیکن اس طرح مسلمان بنانا مقصود نہیں) ﴿۲﴾ ۝۴ جب بھی ان کے پاس بے حد رحم و کرم والے خدا کی طرف سے کوئی نیا حکم آتا ہے تو یہ اس سے بے رُخی ہی برتتے ہیں ۝۵ تو یہ تو جھٹلا چکے، اب جلد ہی ان کو ان باتوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جن کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے ۝۶ کیا وہ زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں قسم قسم کے بہترین پودے اُگائے ہیں؟ ﴿۳﴾ ۝۷

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں، اس سلسلہ میں وضاحت سورۂ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں آچکی ہے۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ انسانیت پر بے حد شفقت و مہربانی کی وجہ سے اس بات کے لئے بے قرار رہتے تھے کہ لوگ ایمان لے آئیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں؛ اس لئے جب لوگ ایمان نہیں لاتے، تو آپ ﷺ کو ایسا رنج و افسوس ہوتا کہ گویا جان ہی دے دیں گے، اسی سلسلہ میں آپ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے پر اتنا رنجیدہ نہ ہوں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طئے ہے کہ کچھ لوگ ایمان سے محروم رہیں، اگر کسی نہ کسی طرح سب کا ایمان لے آنا ہی منظور ہوتا تو آسمان سے کوئی ایسا معجزہ ظاہر ہو جاتا، جس کو ماننے کے سوا چارہ نہیں ہوتا اور ہر شخص کی گردن اللہ کے سامنے جھک جاتی؛ لیکن یہ بات منشائے خداوندی کے خلاف ہے، دنیا میں انسان کو بھیجے جانے کا مقصد اس بات کا امتحان لینا ہے کہ وہ ارادہ و اختیار کی صلاحیت کا صحیح استعمال کرتا ہے یا نہیں؟ اگر ایسی نشانی ظاہر ہو جاتی تو امتحان کا مقصد پورا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جو چیز پردۂ غیب میں چھپی ہوئی ہے، وہ آنکھوں کے سامنے آجاتی تو پھر اس کو ماننے میں کوئی امتحان باقی نہیں رہتا —— انسانیت کی ہدایت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بے قراری اور دل سوزی کا جو منظر کھینچا گیا ہے، اس میں مسلمانوں کے لئے سبق ہے کہ ایک داعی اُمت ہونے کی حیثیت سے ان کا کیا جذبہ اور کیا کردار ہونا چاہئے، کاش! مسلمان انسانیت کے تئیں اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں۔

﴿۳﴾ یعنی اگرچہ کہ کوئی آسمانی نشانی ان کے سامنے نہیں لائی گئی؛ لیکن خود اس کائنات میں اللہ کی جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، اگر وہ اس میں بھی غور کریں اور ضد اور عناد سے کام نہ لیں تو درست راستے کو پا سکتے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹﴾ وَاِذۡ
نَادٰی رَبُّکَ مُوۡسٰۤی اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰﴾ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ
اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿ؕ۱۲﴾ وَیَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَلَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ فَاَرۡسِلۡ اِلٰی هٰرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمۡ
عَلَیَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿ۚ۱۴﴾ قَالَ کَلَّا ۚ فَاذۡهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاۡتِیَا
فِرۡعَوۡنَ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶﴾ اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۱۷﴾ قَالَ اَلَمۡ
نُرَبِّکَ فِیۡنَا وَلِیۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِیۡنَا مِنۡ عُمُرِکَ سِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَکَ الَّتِیۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ
مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿ؕ۲۰﴾

یقیناً اس میں نشانی ہے؛ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے ﴿۸﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے پروردگار زبردست اور بے حد مہربان ہیں ﴿۹﴾ اور (وہ واقعہ قابل ذکر ہے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تم اس گناہ گار قوم کے پاس جاؤ، ﴿۱﴾ ﴿۱۰﴾ یعنی فرعون کی قوم کے پاس کہ کیا ان کو اللہ کا ڈر نہیں ہے؟ ﴿۱۱﴾ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے ﴿۱۲﴾ میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان چلتی نہیں ہے؛ اس لئے آپ ہارون پر بھی وحی بھیج دیجئے ﴿۱۳﴾ اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک جرم کا دعویٰ بھی ہے؛ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل ہی نہ کر ڈالیں ﴿۲﴾ ﴿۱۴﴾ ارشاد ہوا: وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکیں گے؛ اس لئے تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور سب کچھ) سن رہے ہیں، ﴿۱۵﴾ پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تمام عالم کے پروردگار کے پیغمبر ہیں ﴿۱۶﴾ (اس ذات کا حکم ہے) کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو ﴿۱۷﴾ فرعون نے کہا: ''کیا ہم نے بچپن میں اپنے یہاں تمہاری پرورش نہیں کی تھی؟ اور تم اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس ہی رہے سہے ﴿۱۸﴾ اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی جس کو تم نے انجام دیا تھا، ﴿۳﴾ اور تم تو بڑے احسان فراموش ہو'' ﴿۱۹﴾ موسیٰ نے کہا: ''جب میں ناواقف تھا اس وقت یہ حرکت کر بیٹھا تھا۔ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۰ تا ۶۸ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور فرعون کو دعوتِ ایمان دینے کا ذکر آیا ہے، جس کی تفصیل سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۰۸ میں گذر چکی ہے۔

﴿۲﴾ جرم سے مراد ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں غیر ارادی طور پر ایک قبطی شخص کا قتل۔

﴿۳﴾ یہاں بھی قبطی کے قتل والا واقعہ مراد ہے، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں تھا۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ
تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾
قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾
قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا
غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ
لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ ع

پھر میں تمہارے ڈر سے بھاگ گیا تھا، اس کے بعد پھر مجھ کو میرے پروردگار نے سمجھ بوجھ عطا کی ﴿۱﴾ اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل فرمالیا، ﴿۲۱﴾ اور تم جو مجھ پر احسان جتلاتے ہو تو کیا وہ یہی ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے''؟ ﴿۲۲﴾ فرعون نے کہا: پروردگار عالم کیا چیز ہے؟ ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے کہا: اگر تم کو (سچائی پر) یقین کرنا ہو (تو سمجھ لو کہ) وہی آسمانوں کا، زمین کا اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار ہے، ﴿۲۴﴾ فرعون نے اپنے گرد موجود لوگوں سے کہا: کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ ﴿۲۵﴾ موسیٰ نے کہا: تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار بھی وہی ہے! ﴿۲۶﴾ فرعون کہنے لگا: (اے لوگو!) تمہارا رسول جس کو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، ضرور پاگل ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: وہی پورب، پچھم اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار ہے، اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو مان لوگے) ﴿۲۸﴾ فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں تم کو جیل میں ڈال دوں گا ﴿۲۹﴾ موسیٰ نے کہا: اگرچہ کہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں (تب بھی نہ مانو گے)؟ ﴿۳۰﴾ فرعون نے کہا: اچھا، اگر تم واقعی سچے ہو تو دلیل پیش کرو ﴿۳۱﴾ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو فوراً ہی وہ صاف اژدہا بن گیا ﴿۳۲﴾ موسیٰ نے اندر سے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے بالکل سفید ہو گیا۔ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ بعض مفسرین نے ''حکماً'' کے معنی نبوت کے لئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور پیغمبروں میں شامل فرمالیا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۹۵)

﴿۲﴾ ہر زمانہ میں خدا ناآشنا گمراہ لوگ نبوت کو پاگل پن کہتے رہے ہیں، آج بھی یورپ کے نام نہاد دانشور رسول اللہ ﷺ پر طاری ہونے والی وحی کی کیفیت کے بارے میں یہی کہتے ہیں، زمانہ بدل گیا ہے، علم کی روشنی ہر طرف پھیل گئی ہے؛ لیکن جو لوگ نورِ ہدایت سے محروم ہیں، وہ کل بھی گھٹاٹوپ تاریکی میں تھے اور آج بھی ہیں۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ
عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ
لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ
مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا
لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ
اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: یہ تو بہت ہی ماہر جادوگر ہے ﴿۳۴﴾ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو ہی
تمہارے ملک سے نکال باہر کرے، تو تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟ ﴿۳۵﴾ ان لوگوں نے جواب دیا: آپ ان کو اور ان
کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے ﴿۳۶﴾ کہ وہ تمام ماہر اور جان کار جادوگروں کو آپ کے
پاس حاضر کردیں؛ ﴿۳۷﴾ چنانچہ مقررہ دن اور مقررہ وقت پر جادوگر جمع کردیئے گئے ﴿۳۸﴾ اور لوگوں میں اعلان کردیا گیا
کہ کیا تم لوگ (اس مقابلہ کو دیکھنے کے لئے) اکٹھے ہو جاؤگے؟ ﴿۳۹﴾ تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں تو ہم ان ہی کے
راستہ پر قائم رہیں، ﴿۴۰﴾ جب جادوگر آئے تو انھوں نے فرعون سے دریافت کیا: اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کوئی انعام
بھی ملے گا؟ ﴿۴۱﴾ فرعون نے کہا: ہاں، اور اس وقت تم میرے قریبی لوگوں میں شامل کرلئے جاؤگے ﴿۴۲﴾ موسیٰ نے
جادوگروں سے کہا: تمہیں جو ڈالنا ہے، ڈال دو ﴿۴۳﴾ چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے
لگے: فرعون کی عزت و اقبال کی قسم! یقیناً جیت ہماری ہی ہوگی۔ ﴿۴۴﴾ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو ڈالتے ہی
یوں ہوا کہ وہ جادوگروں کے پُرفریب کرتبوں کو نگلنے لگا ﴿۴۵﴾ چنانچہ جادوگر سجدے میں گر پڑے ﴿۴۶﴾ اور کہنے لگے: ہم
تمام عالم کے رب پر ایمان لائے ﴿۴۷﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ﴿۴۸﴾ فرعون نے کہا: تم ہماری اجازت سے پہلے
ہی ایمان لے آئے؟ دراصل موسیٰ ہی تم سب کا گرو ہے، جس نے تم کو جادو سکھایا ہے تو ابھی تم کو (اس کا نتیجہ) معلوم
ہو جائے گا، میں تم لوگوں کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور میں تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ ﴿۴۹﴾

قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۡ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ
الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی ع ۳ ۱۸
الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىِٕظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا
لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ط
وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ
مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾

جادوگروں نے کہا: کوئی حرج نہیں، ہمیں اپنے رب ہی کی طرف تو جانا ہے ﴿۵۰﴾ چوں کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، اس لئے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے ﴿۱﴾ ﴿۵۱﴾ ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ میرے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ (کیوں کہ) ضرور تم لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا ﴿۵۲﴾ پھر فرعون نے تمام شہر میں ہرکارے دوڑا دیئے ﴿۵۳﴾ (اور کہلا بھیجا) کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ﴿۵۴﴾ انھوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے ﴿۲﴾ ﴿۵۵﴾ اور ہم سب بھی (ہتھیار اور دفاعی سروسامان کے ساتھ) تیار ہیں ﴿۳﴾ ﴿۵۶﴾ چنانچہ ہم نے ان کو باغات اور چشموں ﴿۵۷﴾ نیز خزانوں اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا ﴿۵۸﴾ اسی طرح ہوا، اور ہم نے (ان کے بعد) بنی اسرائیل کو اس کا مالک بنا دیا ﴿۵۹﴾ غرض کہ فرعون کے لوگ سورج نکلتے ہی بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑے، ﴿۶۰﴾ جب دونوں گروہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے: ہم تو یقیناً پکڑے گئے ﴿۶۱﴾ موسیٰ نے کہا: "ہرگز نہیں' میرے ساتھ میرے رب ہیں' وہ ضرور مجھ کو راستہ بتائیں گے"۔ ﴿۴﴾ ﴿۶۲﴾

﴿۱﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چند لمحات کی صحبت نے ان کے دل کو ایسا صاف اور ان کی روح کو ایسا پاکیزہ بنا دیا کہ وہ دین حق پر ڈٹ گئے اور جان کی قربانی دینے کو تیار ہو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی صحابیت کا جو بلند مقام ہے، وہ کسی اور شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

﴿۲﴾ 'غائظون' کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ ہم سے بہت غصہ اور عداوت رکھتے ہیں؛ اسی لئے بعض اہل علم نے اس کا ترجمہ کیا ہے، "وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں" (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے بلا اجازت مصر سے نکل کر ہمیں غصہ دلایا ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳ / ۱۰۱)

﴿۳﴾ 'حذر' کے معنی چوکنا اور تیار کے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۳ / ۱۰۲) یعنی ہم جنگی ساز و سامان کے ساتھ دشمن کی سرکوبی کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔

﴿۴﴾ تورات کے صحیفہ 'خروج' باب: ۱۴، میں تفصیل سے اس واقعہ کا ذکر آیا ہے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ
الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
ع ۴/۱۷ ۸ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا وقف لازم
نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ
اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ
تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ
خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ اپنی لاٹھی سے دریا کو مارو؛ چنانچہ دریا پھٹ گیا اور (پانی کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہوگیا ﴿٦٣﴾ ہم نے دوسرے فریق (یعنی فرعون کے لوگوں) کو بھی اسی جگہ پہنچا دیا ﴿٦٤﴾ اور موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو بچالیا ﴿٦٥﴾ پھر ہم نے دوسرے فریق کو ڈبو دیا ﴿٦٦﴾ یقیناً اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے، (لیکن اس کے باوجود) ان (اہل مکہ) میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿٦٧﴾ اور یقیناً آپ کے رب ہی غالب اور نہایت مہربان ہیں ﴿٦٨﴾ آپ ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ بھی بیان کر دیجیے، ﴿١﴾ ﴿٦٩﴾ جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ ﴿٧٠﴾ ان لوگوں نے جواب دیا: ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور دن بھر ان ہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں ﴿٧١﴾ ابراہیم نے دریافت کیا: جب تم انھیں پکارتے ہو تو وہ (تمہاری پکار) سنا کرتے ہیں ﴿٧٢﴾ یا تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں، یا کیا کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ﴿٧٣﴾ ان لوگوں نے جواب دیا: نہیں؛ بلکہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے! ﴿٧٤﴾ ابراہیم نے پوچھا: ”کیا تم نے ان کا حال دیکھ لیا، جن کو تم پوجتے ہو اور جن کو تمہارے گذشتہ باپ دادا پوجا کرتے تھے؟ ﴿٧٥﴾ ﴿٧٦﴾ یہ سب میرے دشمن ہیں، سوائے اس ذات کے جو تمام جہانوں کا رب ہے ﴿٧٧﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے ﴿٧٨﴾ جو مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے ﴿٧٩﴾ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو شفاء عطا فرماتا ہے“۔ ﴿٢﴾ ﴿٨٠﴾

﴿١﴾ آیت نمبر: ٦٩ تا ٨٨ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے سورۂ انبیاء: ٧٠ کے حاشیہ میں اور آپ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے سبق آموز پہلو پر گفتگو سورۂ مریم: ٥٠ میں آچکی ہے۔

﴿٢﴾ اللہ کے حضور میں ایک پیغمبر کا ادب دیکھئے کہ یوں تو بیماری اور صحت دونوں اللہ ہی کی طرف سے ہے؛ لیکن بیماری کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی، صحت وشفا کی نسبت اللہ کی طرف فرمائی۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ
هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِيْ
مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ
يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاُزْلِفَتِ
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾
وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ
شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾

جو مجھے موت دے گا، پھر (دوبارہ) زندہ کرے گا ﴿٨١﴾ اور جس سے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میری غلطی کو معاف کردے گا ﴿٨٢﴾ اے میرے رب! مجھ کو حکمت ودانائی سے نوازیئے، مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمالیجئے ﴿٨٣﴾ اور آئندہ آنے والوں میں میرے ذکر خیر کو باقی رکھیئے ﴿١﴾ ﴿٨٤﴾ اور مجھ کو ان لوگوں میں شامل رکھیئے، جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے ﴿٨٥﴾ نیز میرے والد کو معاف فرما دیجئے، جو یقیناً گمراہ لوگوں میں سے ہیں ﴿٨٦﴾ اور جس دن تمام لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اس دن مجھے رسوا مت فرمائیے ﴿٨٧﴾ جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا اور نہ اولاد ﴿٨٨﴾ ہاں (وہ کامیاب ہوگا) جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے گا ﴿٨٩﴾ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے جنت قریب کردی جائے گی ﴿٩٠﴾ اور گمراہ لوگوں کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی ﴿٩١﴾ اور ان سے کہا جائے گا: اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کیا کرتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرسکتے ہیں؟ یا خود اپنا بچاؤ کرسکتے ہیں؟؟ ﴿٩٢﴾ ﴿٩٣﴾ پھر ان کو، دوسرے گمراہ لوگوں کو اور ابلیس کے پورے لشکر کو دوزخ میں اوندھے منھ پھینک دیا جائے گا، ﴿٩٤﴾ ﴿٩٥﴾ وہ وہاں آپس میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے: ﴿٩٦﴾ ''خدا کی قسم! ہم تو یقیناً کھلی ہوئی غلطی پر تھے ﴿٩٧﴾ جب ہم تم کو پروردگار عالم کے برابر قرار دیتے تھے ﴿٩٨﴾ اور ہم کو تو ان ہی سرغنوں نے گمراہ کیا ہے، ﴿٩٩﴾ تو (اب) نہ کوئی ہماری سفارش کرنے والا ہے ﴿١٠٠﴾ اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔ ﴿١٠١﴾

﴿١﴾ معلوم ہوا کہ اگر کوئی اچھا کام اس نیت سے کیا جائے کہ بعد میں لوگوں کے درمیان اس کا ذکر خیر باقی رہے تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾
ع ۵ ۳۶ ۹ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ
نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ
وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ
تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

پس اگر ہم کو واپس جانے کا موقع ملتا تو ہم بھی مسلمان ہو جاتے'' ﴿۱۰۲﴾ یقیناً اس میں عبرت ہے اور (پھر بھی) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۰۳﴾ یقیناً آپ کے پروردگار بہت زبردست اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۰۴﴾ نوح کی قوم نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱﴾ ﴿۱۰۵﴾ جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا: ''کیا تمھیں (اللہ کا) خوف نہیں ہے؟ ﴿۱۰۶﴾ یقیناً میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۱۰۷﴾ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۰۸﴾ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف پروردگارِ عالم کے ذمہ ہے ﴿۱۰۹﴾ لہٰذا اللہ ہی سے ڈرو اور میری بات مان لو'' ﴿۱۱۰﴾ وہ لوگ کہنے لگے: کیا ہم تم کو مان لیں؛ حالاں کہ صرف گھٹیا قسم کے لوگ ہی تمہاری پیروی کر رہے ہیں؟'' ﴿۱۱۱﴾ نوح نے کہا: ''ان کے پیشہ سے مجھے کیا بحث؟ ﴿۲﴾ ﴿۱۱۲﴾ ان کا حساب وکتاب تو میرے پروردگار ہی کے ذمہ ہے، کاش، تم اس کو سمجھو ﴿۱۱۳﴾ اور میں ایمان لانے والوں کو دور نہیں کر سکتا، ﴿۳﴾ ﴿۱۱۴﴾ میں تو صرف صاف صاف متنبہ کر دینے والا ہوں''۔ ﴿۱۱۵﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۰۵ سے ۱۲۲ تک حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت، قوم کی طرف سے سرکشی اور پھر اس کی وجہ سے ان کے عذاب میں مبتلا کئے جانے کا ذکر ہے، یہ مضمون سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۶۴ میں آچکا ہے — ایک پیغمبر کو جھٹلانا، گویا تمام پیغمبروں کو جھٹلانا ہے؛ اس لئے کہ تمام پیغمبر ایک ہی دعوت کو لے کر آئے؛ اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا گیا کہ انھوں نے ''پیغمبروں'' کو جھٹلایا۔

﴿۲﴾ یہاں عمل سے صنعت وحرفت مراد لی گئی ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۱۲۰) ہر دور میں لوگوں نے اپنے طور پر کچھ پیشوں کو باعزت اور کچھ کو حقیر سمجھا ہے، یہ بیماری حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی تھی، حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگ اس زمانہ کے مزاج کے لحاظ سے حقیر پیشہ والے سمجھے جاتے تھے؛ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: کہ میں تو توحید کی طرف بلانے اور شرک سے روکنے کے لئے آیا ہوں، نہ کہ کسی پیشے کی بڑائی اور کسی کا گھٹیاپن بیان کرنے کے لئے۔

﴿۳﴾ یعنی ظاہری جاہ وحشمت رکھنے والے بے دین لوگوں کی وجہ سے دین دار مسلمانوں کو نظر انداز کر دینا درست نہیں ہے۔

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾
فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾
وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ان لوگوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور تم کو سنگسار کر دیا جائے گا ﴿۱۱۶﴾ نوح نے کہا: اے میرے رب! میری قوم نے تو مجھ کو جھٹلا دیا ہے ﴿۱۱۷﴾ اس لئے میرے اور ان کے درمیان کوئی ایک فیصلہ فرما دیجئے اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کو بچا لیجئے، ﴿۱۱۸﴾ چنانچہ ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کھچا کھچ بھری ہوئی کشتی میں تھے، سب کو بچا لیا ﴿۱۱۹﴾ اس کے بعد ہم نے بقیہ لوگوں کو غرق کر دیا، ﴿۱﴾ ﴿۱۲۰﴾ یقیناً اس واقعہ میں عبرت ہے، اور (لیکن) ان (مکہ والوں) میں سے زیادہ تر لوگ ماننے والے نہیں ہیں ﴿۱۲۱﴾ یقیناً آپ کے پروردگار بڑے زبردست اور بہت مہربان ہیں ﴿۱۲۲﴾ عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ﴿۲﴾ ﴿۱۲۳﴾ جب کہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا: ''کیا تم کو (خدا کا) خوف نہیں ہے؟ ﴿۱۲۴﴾ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۱۲۵﴾ اس لئے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۲۶﴾ میں تم سے اس کا کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو پروردگار عالم کے ذمہ ہے ﴿۱۲۷﴾ کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک بے فائدہ یادگار تعمیر کرتے ہو ﴿۱۲۸﴾ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو، جیسے تم کو (دنیا میں) ہمیشہ رہنا ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۲۹﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کا اجتماعی عذاب تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے؛ لیکن جو لوگ ہدایت کی طرف بلانے کا اور گمراہی سے روکنے کا حق ادا کر دیتے ہیں، وہ ایسے عمومی عذاب سے بھی بچا لیئے جاتے ہیں۔

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۱۲۳ تا ۱۴۰ میں قومِ عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ ہے، سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۶۵-۷۲ کے حاشیہ میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

﴿۳﴾ غرض کہ دنیا میں مکان ایسا بنانا چاہئے، جس سے ضرورت پوری ہو جائے، اگر اس سے آگے بڑھ کر ایسی عمارت بنا لی جائے جو ضرورت کو بھی پوری کرے اور راحت و آسانی کا بھی سبب ہو تو اس میں بھی حرج نہیں؛ لیکن اپنی شان وشوکت کا اظہار اور جذبۂ نمائش کی تسکین کے لئے بلند و بالا اور وسیع و عریض عمارتیں بنانا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، تعمیری شان وشوکت کے اظہار کا یہ مزاج نہ صرف اُس زمانہ میں تھا؛ بلکہ آج بھی ہے، ایک طرف لاکھوں وہ غریب لوگ ہیں، جن کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے اور دوسری طرف وہ سرمایہ دار ہیں، جن کے محل گویا دنیا میں جنت بنانے کی کوشش ہے اور ان کے ایک ایک باتھ روم ایسے ہیں کہ اتنی ہی رقم میں ایک متوسط آمدنی کے حامل شخص کا اچھا خاصا مکان بن سکتا ہے۔

وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیۡۤ اَمَدَّکُمۡ بِمَا
تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّکُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ
عَظِیۡمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡنَاۤ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَکُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ
الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۱۳۸﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ
اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۴۰﴾ کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذۡ ع ۱۸ ۱۱
قَالَ لَہُمۡ اَخُوۡہُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۴۴﴾
وَمَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتۡرَکُوۡنَ فِیۡ مَا ہٰہُنَاۤ
اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوۡعٍ وَّنَخۡلٍ طَلۡعُہَا ہَضِیۡمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ
بُیُوۡتًا فٰرِہِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۵۰﴾

اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو بڑے ظالم وجابر بن کر پکڑ کرتے ہو ﴿۱۳۰﴾ تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۳۱﴾ اور اس ہستی کا ڈر رکھو جس نے ایسی چیزوں سے تمہاری مدد کی ہے، جن کو تم خود جانتے ہو ﴿۱۳۲﴾ اللہ نے تمہاری چوپایوں سے، بیٹوں سے ﴿۱۳۳﴾ باغات اور چشموں سے مدد فرمائی ہے، ﴿۱۳۴﴾ مجھے ڈر ہے کہ تم پر ایک بڑے سخت دن کا عذاب نہ آجائے'' ﴿۱۳۵﴾ انھوں نے کہا: تم نصیحت کرو یا نہ کرو، ہمارے لئے برابر ہے ﴿۱۳۶﴾ کچھ نہیں، یہ (نبی ہونے کا دعویٰ کرنا) اگلے لوگوں کی عادت ہے ﴿۱۳۷﴾ اور ہم پر ہرگز عذاب آنے والا نہیں ہے ﴿۱۳۸﴾ غرض کہ وہ ہود کو جھٹلانے لگے تو ہم نے ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا، یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور (لیکن) اِن (اہل مکہ) میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۳۹﴾ اور یقیناً آپ کے پروردگار بہت زبردست اور بے حد مہربان ہیں ﴿۱۴۰﴾ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱﴾ ﴿۱۴۱﴾ جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا: ''کیا تم کو اللہ کا خوف نہیں ہے؟ ﴿۱۴۲﴾ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۱۴۳﴾ اس لئے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو، ﴿۱۴۴﴾ اور میں تم سے اس کا کوئی بدلہ بھی نہیں مانگتا، میرا اجر تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے ﴿۱۴۵﴾ کیا تم کو یہاں بے فکری کے ساتھ رہنے دیا جائے گا؟ ﴿۱۴۶﴾ باغوں اور چشموں میں؟ ﴿۱۴۷﴾ کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے گابھے نرم ہیں؟؟ ﴿۱۴۸﴾ اور کیا تم پہاڑوں سے تراش تراش کر پُر تکلف مکانات بناتے ہی رہو گے؟ ﴿۱۴۹﴾ (ایسا نہیں ہے) تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ ﴿۱۵۰﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۴۱ سے ۱۵۹ تک حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت، قوم کی طرف سے انکار و نافرمانی اور پھر ان پر اللہ کے عذاب کا ذکر آیا ہے، اس واقعہ کی وضاحت سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۷۹ میں گذر چکی ہے۔

وَلَا تُطِیۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۝۱۵۱ الَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا یُصۡلِحُوۡنَ ۝۱۵۲ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ
اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ۝۱۵۳ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۚۖ فَاۡتِ بِاٰیَۃٍ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝۱۵۴
قَالَ هٰذِهٖ نَاقَۃٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَکُمۡ شِرۡبُ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝۱۵۵ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَکُمۡ
عَذَابُ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۝۱۵۶ فَعَقَرُوۡهَا فَاَصۡبَحُوۡا نٰدِمِیۡنَ ۝۱۵۷ فَاَخَذَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ
لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝۱۵۸ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۝۱۵۹ کَذَّبَتۡ قَوۡمُ لُوۡطِ ع ۸ ۱۹ ۱۲
الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝۱۶۰ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ لُوۡطٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۱۶۱ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۝۱۶۲ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِیۡعُوۡنِ ۝۱۶۳ وَمَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱۶۴ اَتَاۡتُوۡنَ
الذُّکۡرَانَ مِنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱۶۵

اور زیادتی کرنے والوں کا حکم نہ مانو ۝۱۵۱ جو زمین میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے'' ﴿۱﴾ ۝۱۵۲ قوم ثمود نے کہا: ''تم پر تو کسی نے بھاری جادو کر دیا ہے ۝۱۵۳ تم بھی تو ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو تو اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ پیش کرو'' ۝۱۵۴ صالح نے کہا: ''یہ اونٹنی ہے، (ایک دن) اس کے پینے کی باری ہوگی اور ایک مقرر دن تمہارے پینے کی ۝۱۵۵ اور اس کو تکلیف دینے کے لئے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ تم کو بھاری دن کا عذاب آ پکڑے گا'' ۝۱۵۶ پھر ان لوگوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا، اس کے بعد (جب عذاب کی علامتیں دیکھیں تو) پچھتانے لگے ۝۱۵۷ آخر عذاب نے ان کو آ پکڑا، یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان (مکہ والوں) میں کے بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۝۱۵۸ بے شک آپ کے پروردگار بہت زبردست اور بے حد رحم کرنے والے ہیں ۝۱۵۹ لوط کی قوم نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ﴿۲﴾ ۝۱۶۰ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا: ''کیا تم کو اللہ کا خوف نہیں ہے؟ ۝۱۶۱ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں؛ ۝۱۶۲ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ۝۱۶۳ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو پروردگار عالم کے ہی ذمہ ہے ۝۱۶۴ کیا تمام دنیا والوں میں سے تم ایسے ہو کہ مردوں سے بدفعلی کرتے ہو ۝۱۶۵

﴿۱﴾ شرک و بت پرستی، زنا اور بے حیائی، شراب نوشی اور قتل و غارت گری، سود خوری اور جوئے بازی، نیز رشوت اور ظلم و زیادتی، یہ سب زمین میں فساد پھیلانے کی مختلف شکلیں ہیں اور جو قومیں خدا اور آخرت پر یقین نہیں رکھتی ہیں، وہ یقیناً ان برائیوں میں مبتلا ہو کر رہتی ہیں۔

﴿۲﴾ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کا ذکر سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۸۴ کے حاشیہ میں آ چکا ہے، یہاں بھی آیت نمبر: ۱۶۰ تا ۱۷۵ میں اسی کا تذکرہ ہے۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ
تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِىْ
وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا
ع ۹ ۱۶ ۱۳ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــــَٔيْكَةِ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ
وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾

اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں، ان کو نظر انداز کئے دیتے ہو؛ بلکہ (حقیقت
یہ ہے کہ) تم لوگ حد سے گزر جانے والے ہو'' ﴿۱۶۶﴾ ان لوگوں نے کہا: اے لوط! اگر تم (اس فعل کو روکنے سے) باز نہ
آئے تو تم کو ضرور نکال باہر کیا جائے گا ﴿۱۶۷﴾ لوط نے کہا: میں تمہاری اِس حرکت سے سخت نفرت کرتا ہوں ﴿۱۶۸﴾ اے
میرے رب! مجھ کو اور میرے لوگوں کو ان کی اِس حرکت (کے وبال) سے محفوظ رکھئے ﴿۱۶۹﴾ چنانچہ ہم نے اس کو
اور اس کے لوگوں کو بچا لیا ﴿۱۷۰﴾ سوائے ایک بڑھیا کے، جو رہ جانے والوں میں رہ گئی ﴿۱۷۱﴾ پھر ہم نے اور سب کو تباہ و برباد
کرڈالا ﴿۱۷۲﴾ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا، ان پر برسنے والی بارش کیا ہی بری
تھی! ﴿۱۷۳﴾ یقیناً اس میں عبرت ہے اور (لیکن) ان (مکہ والوں) میں سے بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿۱۷۴﴾
بے شک آپ کے پروردگار بہت زبردست اور بے حد مہربان ہیں ﴿۱۷۵﴾ ایکہ والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ﴿۱﴾ ﴿۱۷۶﴾
جب ان سے شعیب نے کہا: ''کیا تم (اللہ کا) خوف نہیں رکھتے؟ ﴿۱۷۷﴾ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۱۷۸﴾ اس لئے
اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۷۹﴾ اور میں تم سے اس کا کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ
ہے، ﴿۱۸۰﴾ پورا پورا ناپا کرو، ناپ میں کمی نہ کیا کرو ﴿۱۸۱﴾ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو ﴿۱۸۲﴾ لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا
کرو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو، ﴿۱۸۳﴾ اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام گذشتہ مخلوقات کو پیدا کیا ہے''۔ ﴿۱۸۴﴾

﴿۱﴾ ایکہ والوں کا ذکر سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۹۳ میں آچکا ہے، جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنایا گیا تھا، وہاں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے، آیت نمبر: ۱۷۶ تا ۱۹۱ میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ
۱۰ ع ۱۶ ۱۴ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ
لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

ایکہ والوں نے جواب دیا: ’’یقیناً تم پر جادو کردیا گیا ہے ﴿۱۸۵﴾ تم تو ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے
کہ تم جھوٹے بھی ہو ﴿۱۸۶﴾ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو، ﴿۱۸۷﴾ شعیب نے کہا: میرے رب ان باتوں سے
اچھی طرح واقف ہیں، جو تم کیا کرتے ہو ﴿۱۸۸﴾ ایکہ والوں نے شعیب کو جھٹلا دیا تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے
آ پکڑا، بے شک وہ ایک بڑے سخت دن کا عذاب تھا ﴿۱۸۹﴾ یقیناً اس میں عبرت ہے اور (لیکن) اِن (مکہ والوں) میں
سے بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، ﴿۱۹۰﴾ آپ کے رب بڑی قدرت والے اور نہایت مہربان ہیں ﴿۱۹۱﴾
اور یہ قرآن پروردگار عالم کا اُتارا ہوا ہے، ﴿۱۹۲﴾ جس کو امانت دار فرشتہ (جبرئیل) لے کر نازل ہوا ہے، ﴿۱۹۳﴾ آپ کے
دل پر (یہ کتاب اُتاری گئی ہے)؛ تاکہ آپ بھی (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں ہوجائیں ﴿۱۹۴﴾ یہ واضح
عربی زبان میں ہے ﴿۱۹۵﴾ اور پہلی اُمتوں کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ (۱) ﴿۱۹۶﴾

---

(۱) یعنی پہلی آسمانی کتابوں میں محمد رسول ﷺ کے نبی بنائے جانے کا ذکر موجود ہے، ضروری نہیں کہ یہ ذکر محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے نام ہی سے ہو؛ چنانچہ بائبل میں اس کے واضح اشارات موجود ہیں، (دیکھئے: مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ’’اظہار الحق‘‘ اور اس موضوع کی دوسری کتابیں) —— اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ خود قرآن مجید یعنی قرآن کی تعلیمات پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں، گویا تمام آسمانی صحائف کی بنیادی تعلیمات یکساں ہیں، جس سے علماء بنی اسرائیل اچھی طرح واقف ہیں، یہ خود آپ کے نبی برحق اور قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے، اس سے بعض حضرات نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قرآن کا ترجمہ بھی قرآن ہے، (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص: ۳۴۷/۳) اور اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ابتدا میں رائے تھی کہ نماز کے اندر غیر عربی زبان میں بھی قرآن کی تلاوت جائز ہے؛ لیکن بعد کو آپ نے اس قول سے رُجوع فرمالیا، (دیکھئے: روح المعانی: ۱۲۶/۱۹) یہاں قرآن مجید کی صفات بیان کرتے ہوئے پچھلی کتابوں کا حوالہ دینے سے پہلے فرمادیا گیا کہ یہ کتاب واضح عربی زبان میں ہے: ’’بلسان عربی مبین‘‘ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اصل قرآن مجید وہی ہے، جو عربی زبان میں ہے، اسی کی تلاوت عبادت ہے اور نماز میں اس کی قراءت ضروری ہے؛ البتہ قرآن مجید میں جو مضامین آئے ہیں، وہ پچھلی کتابوں میں بھی آچکے ہیں۔

اَوَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ
الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ
مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ
الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾

کیا یہ بات ان کے لئے دلیل نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کو جانتے ہیں؟ ﴿۱۹۷﴾ اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر اُتار دیتے ﴿۱۹۸﴾ پھر وہ اس کتاب کو اِن (مکہ والوں) کو پڑھ کر سناتا، تب بھی یہ اس کو نہیں مانتے ﴿۱۹۹﴾ اسی طرح ہم نے ایمان نہ لانے کو اِن مجرموں کے دلوں میں بیٹھا دیا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲۰۰﴾ جب تک یہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں، ایمان نہیں لائیں گے ﴿۲۰۱﴾ ان پر اچانک ہی عذاب آجائے گا اور انھیں خبر بھی نہیں ہوگی، ﴿۲۰۲﴾ تو اس وقت وہ کہیں گے: کیا ہم کو کچھ مہلت مل سکتی ہے؟ ﴿۲۰۳﴾ کیا (پھر بھی) وہ ہمارے عذاب کو مانگنے میں جلد بازی کرتے ہیں؟ ﴿۲۰۴﴾ بھلا دیکھئے تو سہی، اگر ہم ان کو چند سال عیش وآرام کی زندگی میں رہنے دیں ﴿۲۰۵﴾ پھر ان پر وہ عذاب آپہنچے، جس کا ان سے وعدہ ہے ﴿۲۰۶﴾ تو کیا ان کو ان کا عیش وآرام کام آسکے گا؟ ﴿۲۰۷﴾ اور ہم نے ایسی ہی بستی کو تباہ وبرباد کیا ہے، جس میں نصیحت کے لئے ڈرانے والے (پیغمبر) آچکے تھے، اور ہم ناانصافی نہیں کرتے، ﴿۲﴾ ﴿۲۰۸﴾ ﴿۲۰۹﴾ اور قرآن کو لے کر شیاطین نہیں اُترے ہیں۔ ﴿۲۱۰﴾

﴿۱﴾ یعنی جب انسان ضد اور عناد پر آمادہ ہوتا ہے تو پہاڑ جیسی دلیل بھی اس کو رائی کے ایک دانہ کے برابر نظر نہیں آتی، قرآن مجید اتنا بلیغ کلام اور عربی زبان وادب کا شاہکار ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے عرب شخص کا اس کو پیش کرنا بھی کچھ کم درجہ کا کمال نہیں؛ تاہم اگر کسی عجمی نژاد شخص پر قرآن نازل کیا جاتا اور اللہ کی طرف سے یہی فیصلہ ہوتا تو اس کے ذریعہ قرآن کا سنایا جانا اور بھی حیرت انگیز بات ہوتی؛ لیکن پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۲۷)

﴿۲﴾ یعنی اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب تک کسی گروہ تک دعوتِ حق نہیں پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب سے دوچار نہیں کرتے، خواہ یہ دعوت پیغمبر کے ذریعہ پہنچے، یا اس قوم کے ذریعہ جو پیغام ربانی کی حامل ہو، موجودہ دور میں پریس اور ذرائع ابلاغ کی ترقی اور کثرت کی وجہ سے پوری انسانیت تک اجمالی طور پر اسلام کی بنیادی تعلیمات پہنچ چکی ہیں؛ اس لئے جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں، وہ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ ہمارے پاس پیغمبر نہیں آئے؛ اس لئے ہم ان کو نہ ماننے میں معذور ہیں۔

وَ مَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَ مَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ؕ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ؕ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ
اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ۚ﴿۲۱۳﴾ وَ اَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ۙ﴿۲۱۴﴾ وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَكَ
لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴿۲۱۵﴾ فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۚ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلۡ عَلَى
الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ۙ﴿۲۱۷﴾ الَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ۙ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ ؕ﴿۲۲۱﴾

نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ﴿۲۱۱﴾ وہ تو سننے سے بھی روک دیئے گئے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۱۲﴾ لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارا کرو، ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہوجاؤ گے ﴿۲۱۳﴾ اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے ﴿۲﴾ ﴿۲۱۴﴾ اور جو ایمان والے آپ کی پیروی کرنے لگیں، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیا کیجئے ﴿۲۱۵﴾ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے: میں تمہارے کام سے بے زار ہوں، ﴿۳﴾ ﴿۲۱۶﴾ اور اس ذات پر بھروسہ رکھئے، جو بڑی قدرت والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۲۱۷﴾ جو آپ کے نماز کے لئے کھڑے ہونے کو اور نمازیوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کو دیکھتا رہتا ہے ﴿۲۱۸﴾ ﴿۲۱۹﴾ یقیناً وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے، ﴿۴﴾ ﴿۲۲۰﴾ کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟ ﴿۲۲۱﴾

﴿۱﴾ بعض اہل مکہ کہتے تھے کہ جیسے کاہنوں اور جیوتشیوں پر شیطان اُترتے ہیں اور ان کو کچھ بتا جاتے ہیں، نعوذ باللہ ایسے ہی آپ پر بھی شیطان اُترتا ہے، اسی کی تردید میں فرمایا گیا کہ شیطان تو اللہ کی طرف سے اُترنے والے کلام کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، اس کو تو سننے تک کی اجازت نہیں ہے، وہ کیسے قرآن مجید لے کر آ سکتا ہے؟

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قریش کے تمام قبائل کی دعوت کی اور تمام عام وخاص کو جمع کیا، پھر انھیں دعوت دی کہ وہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا سامان کریں، ورنہ میں بھی تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا، (مسلم عن ابی ہریرۃ، کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالیٰ ''وانذر عشیرتک الاقربین'' حدیث نمبر: ۲۰۴، ''دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشا فاجتمعوا فعم وخص'') —— اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمل کے بغیر آخرت میں رشتہ داریاں کام نہیں آئیں گی، وہاں اپنے عمل اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی سے نجات مل سکے گی۔ (تفسیر مدارک: ۸۳۳)

﴿۳﴾ غور کیجئے کہ تواضع کی کس قدر اہمیت ہے کہ رسول کو بھی اپنی اُمت کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، تواضع کے اس حکم کے ساتھ ہی اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ اگر وہ نافرمانی کا راستہ اختیار کریں تو ان سے بیزاری کا اظہار بھی کیجئے، یعنی محبت وشفقت بھی اللہ کے لئے ہو اور غصہ وناراضگی بھی اللہ کے لئے ہو۔

﴿۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت آپ کی حفاظت ونگرانی ہورہی ہے؛ اس لئے کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ
الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا
وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱/۳۶ ۱۵

شیاطین ہر جھوٹے بدکردار شخص پر اُترتے ہیں﴿۲۲۲﴾ جو (شیطان کی طرف) کان لگائے رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ﴿۱﴾﴿۲۲۳﴾ اور شاعروں کی بات پر وہی لوگ چلتے ہیں، جو گمراہ ہیں﴿۲۲۴﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یہ لوگ (یعنی شعراء) ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں﴿۲۲۵﴾ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں، جو کرتے نہیں ہیں﴿۲۲۶﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اچھے عمل کئے، اللہ کا خوب ذکر کیا اور ان پر جو ظلم ہوا ہے، (صرف) اس کا بدلہ لیا، اور جو ظلم کرنے والے ہیں، وہ عنقریب جان لیں گے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے؟ ﴿۲﴾﴿۲۲۷﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ شیطان قرآن مجید کو نازل کرتا ہے؛ لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، حقیقت یہ ہے کہ شیطان کی باتیں سننے، اس کا کہا ماننے اور اس کے حکم پر عمل کرنے والے یہ لوگ ہیں، جو جھوٹے اور بدکردار واقع ہوئے ہیں، پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کی پاکیزہ جماعت کا شیطان سے کیا تعلق؟

﴿۲﴾ اہل مکہ کا اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن مجید ایک شاعرانہ کلام ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یہاں اس کی تردید فرمائی گئی ہے کہ شعراء کے کلام میں تو خیال آرائی، مبالغہ اور جھوٹے دعوے ہوا کرتے ہیں، وہ مضمون ایسا باندھتے ہیں کہ گویا بہادری میں شیر اور ببر سے بھی آگے ہیں؛ لیکن عملاً ان کی بزدلی لومڑی اور گیڈر سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، شاعروں کے کلام میں کوئی متعین پیغام نہیں ہوتا؛ بلکہ اپنے فائدے کے لحاظ سے ہر میدان میں بھٹکتے رہتے ہیں، قرآن مجید ظاہر ہے ایسی باتوں سے مبرا ہے، وہ ایک سنجیدہ کلام اور حیات بخش پیغام ہے، اس میں جھوٹ اور مبالغہ کا کہیں کوئی دخل نہیں؛ لیکن یہاں مذمت ایسی شاعری کی ہے، جو جھوٹ، مبالغہ اور بے حیائی پر مبنی ہو؛ لیکن جن اشعار میں اللہ کا ذکر ہو اور دین کی باتیں ہوں، ان کی ممانعت نہیں ہے، غالباً اسی لئے شعر وشاعری کی مذمت کرنے کے فوراً بعد ان لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، جو مسلمان ہوں، نیک عمل کرتے ہوں، مجبوروں کے مددگار ہوں اور ظلم کا دفاع کرتے ہوں۔

سُوۡرَۃ النمل

- سورہ نمبر : (۲۷)
- رکوع : (۷)
- آیتیں : (۹۳)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے ایک خصوصی انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور وہ یہ کہ انھیں پرندوں اور چوپایوں کی زبان کا علم بھی عطا فرمایا گیا تھا؛ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گذر ایک ایسی وادی سے ہوا، جس میں کثرت سے چیونٹیاں رہتی تھیں، چیونٹیوں میں سے ایک نے اپنی ساتھیوں سے کہا کہ وہ بِل میں داخل ہوجائیں؛ کیوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا ہے، وہ انھیں مَسَل کر رکھ دے گا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سن کر مسکرایا اور اللہ کا شکر ادا کیا، عربی زبان میں 'نمل' کے معنی چیونٹی کے ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'نمل' ہے، اس کے علاوہ اس سورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ خصوصیت بھی ذکر کی گئی ہے کہ ان کو جنّات جیسی سرکش مخلوق پر قابو حاصل تھا۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت ، قیامت اور قرآن مجید کی صداقت کا ذکر فرمایا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کے واقعات بطور عبرت کے ذکر کئے گئے ہیں، نیز قیامت کی علامات اور قیامت قائم ہونے کی کیفیت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿١﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۗ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ
وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿٦﴾ الثلثة
اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ
لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٧﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ طا سین، یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں ﴿١﴾ جو ایمان والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور خوشخبری سنانے والی ہیں ﴿٢﴾ (یعنی ان لوگوں کے لئے) جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، ﴿٣﴾ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے، ہم نے ان کی نظر میں ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا ہے؛ اس لئے وہ بھٹکے پھر رہے ہیں، ﴿١﴾ ﴿٤﴾ ان ہی لوگوں کے لئے بدترین عذاب ہے اور وہ آخرت میں بہت نقصان میں رہیں گے ﴿٥﴾ اور آپ کو قرآن یقیناً بڑی حکمت اور علم والی ذات کی جانب سے عطا کیا جا رہا ہے ﴿٦﴾ (وہ واقعہ قابل ذکر ہے) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: میں نے ایک آگ دیکھی ہے، میں تمہارے پاس جلد ہی کوئی خبر یا سلگا یا ہوا آگ کا شعلہ لے کر آتا ہوں؛ تا کہ تم سینک سکو۔ ﴿٧﴾

﴿١﴾ انسان کی فطرت میں خواہشات کی طرف میلان رکھا گیا ہے اور اگرچہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں بہت حقیر ہیں؛ لیکن اس کے باوجود انسان کی خواہشات اور اس کی مادی آرزوؤں کو پورا کرنے کے مواقع اس دنیا میں بھی بے پناہ ہیں؛ اس لئے جن لوگوں کا آخرت پر یقین نہ ہو، وہ دنیا ہی میں اپنی ساری خواہشات کو پوری کرنا چاہتے ہیں اور ان مادی نعمتوں کے حاصل کرنے کے لئے جو محنت اور تگ و دو کرتے ہیں، وہی ان کی نگاہوں کو بھاتی اور دلوں کو خوش کرتی ہے؛ اس لئے ان کو یہ کام بہت بھلے اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں؛ البتہ جن لوگوں کا آخرت میں اللہ کے سامنے حاضر ہونے اور اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہی کا یقین ہے، انھیں وہ کام ناگوار گذرتا ہے، جس سے دنیا کی خواہش پوری ہو جائے اور آخرت کا نقصان اُٹھانا پڑے؛ اس لئے قرآن مجید نے ایک بنیادی بات کہی ہے کہ آخرت کے یقین کے سوا کوئی چیز نہیں، جو انسان کے گناہوں کے طرف بڑھتے ہوئے قدم کو تھام لے اور دنیا کی لذتیں اور نعمتیں اس کے لئے ایسی خوشنما نہ بن جائیں کہ اس کا قدم پھسل جائے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸
يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى
مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ
بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ
غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ
اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ
ع۱۴ ۱۶ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴

پھر جب موسیٰ وہاں پہنچے تو ان کو آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہے، اس پر بھی برکت ہو اور جو اس کے آس پاس ہے اس پر بھی، ﴿۱﴾ اور اللہ کی ذات پاک ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، ۝۸ اے موسیٰ! میں ہی بہت زبردست اور حکمت والا خدا ہوں ۝۹ اور اپنی لاٹھی کو زمین پر تو ڈالو، اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح پھَن پھَنا رہا ہے جیسے سانپ ہو، تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر دیکھا تک نہیں، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! ڈرو مت، میرے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ۝۱۰ ہاں، مگر جس نے کوئی گناہ کیا ہو (تو اسے ڈرنا چاہئے)، پھر وہ گناہ کی جگہ نیک کام کرنے لگے تو میں بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہوں ۝۱۱ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ بلا کسی عیب کے بالکل سفید ہو کر نکلے گا، (اب ان دونوں کو ملا کر) نو معجزات ﴿۲﴾ کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ، یقیناً وہ بڑے سرکش لوگ ہیں ۝۱۲ پھر جب ان کے پاس ہمارے نہایت واضح معجزات پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ۝۱۳ اور ظلم و تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر بیٹھے؛ حالاں کہ ان کے دلوں کو ان (کے حق ہونے) کا یقین ہو گیا تھا، تو دیکھئے کہ فساد مچانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ۝۱۴

﴿۱﴾ یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر: ۱۰ میں آچکا ہے، حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو اس کو دور سے آگ سمجھا؛ لیکن جب قریب آئے تو دیکھا کہ یہ آگ نہیں ہے، روشنی ہے، جو ایک سبز درخت سے نکل رہی ہے؛ چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی ضرورت تھی اور آگ میں بھی روشنی ہوتی ہے؛ اس لئے یہ روشنی آگ کی شکل میں دکھائی گئی — پھر یہ جو فرمایا گیا کہ ''جو اس آگ کے اندر ہے، اس پر بھی برکت ہو اور جو اس کے آس پاس ہے اس پر بھی'' میں آگ کے اندر سے مراد فرشتہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ پیغمبر کی طرف پیغام بھیجنے کے لئے نمائندہ بناتے ہیں اور آس پاس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳؍۱۱۸، مدارک التنزیل: ۸۳۷)

﴿۲﴾ ان نو معجزات کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر: ۱۰۱ میں آچکا ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّنۡ عِبَادِہِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے داوٗد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے ہمیں بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۵ سے ۴۴ تک حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکۂ سبا کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے یہودا کے سلسلہ سے جو خاندان چلا ہے، اس میں ایک جلیل القدر شخصیت حضرت داوٗد علیہ السلام کی ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور سلطنت دونوں سے نوازا تھا، حضرت داوٗد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے والد ہی کی طرح نبوت سے بھی نوازا اور حکومت سے بھی، اور بعض ایسی خصوصیات عطا فرمائیں، جن میں کوئی اور ان کا ہمسر نہیں ہوسکتا، ان آیات میں ان میں سے دو خصوصیات کا ذکر آیا ہے، ایک یہ کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے؛ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس خصوصیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ چرند و پرند کی گفتگو پر مبنی دو واقعات بھی ذکر کئے گئے ہیں، ایک: ہُد ہُد نامی پرندہ سے گفتگو، دوسرے: چیونٹی کی بات کا سننا اور سمجھنا، دوسری خصوصیت جس کا ان آیات میں ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنّات پر بھی قابو دیا گیا تھا، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام جو بھی حکم دیتے، اس کی تعمیل کرتے تھے، ان دونوں میں سے کوئی بھی بات ایسی نہیں جو قابل تعجب اور ناقابل یقین ہو، پرندوں اور جانوروں کی آوازیں تو ہر انسان سنتا ہے، آوازیں ہی مل کر الفاظ کے سانچے میں ڈھلتی ہیں؛ البتہ جیسے ایک زبان کو بولنے والا انسان دوسری زبان بولنے والے کے الفاظ کو نہیں سمجھ پاتا، اسی طرح ہم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جانور اپنی ان آوازوں کے ذریعہ اپنی جنس کے لوگوں کو کیا کچھ کہہ رہے ہیں؟ پھر جس طرح ایک زبان بولنے والا دوسری زبان کو سیکھ کر اس زبان میں بات کرنے والوں کے مقصد کو سمجھ لیتا ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو حیوانات کی زبان کا فہم عطا کردیں تو اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہے؟ یہی حال جنات اور اس پر قابو کا ہے، دنیا میں ایک اَن دیکھی مخلوق بھی پائی جاتی ہے، جو اپنی اصل شکل میں انسان کو نظر نہیں آتی، مذہبی کتابیں اس پر متفق ہیں، بہت سے لوگوں کے تجربات اس پر گواہ ہیں، اور یہ بات بھی سینکڑوں لوگوں کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بعض عاملین جنات کو اپنے قابو میں کرلیتے ہیں، اگرچہ اس میدان میں جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے؛ لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو واقعی کسی جن کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں، تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ایک دو جنوں پر نہیں بلکہ تمام جِنوں پر قدرت عطا فرمادیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے اس میں کیا دشواری ہے؟

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اس طرح مرتب کیا گیا کہ اس میں جنات بھی تھے، انسان بھی اور پرندے بھی، اور ہر ایک اپنی ترتیب کے مطابق آگے بڑھتے تھے، چلتے ہوئے یہ فوج ایک ایسے میدان میں پہنچی، جہاں بڑی تعداد میں چیونٹیاں بسی ہوئی تھیں، جانوروں میں احساس کی قوت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور چیونٹیوں میں یہ کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے، پھر جانوروں میں جیسے شہد مکھیوں کی تنظیم کی ایک امتیازی کیفیت ہے، اسی طرح چیونٹیوں کی تنظیم اور تعاون کا باہمی نظام بھی حیرت میں ڈال دینے والا ہے؛ ←

← چنانچہ ایک چیونٹی —— جو غالباً چیونٹیوں کی سردار رہی ہوگی —— نے اعلان کیا کہ چیونٹیاں اپنے بِلوں میں گُھس جائیں، کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر انھیں پیس نہ ڈالے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سنا تو ہنسی آگئی، جن بادشاہوں کا دل اللہ کے خوف اور آخرت کے یقین سے خالی ہوتا ہے، وہ ایسے موقع پر اترانے لگتے ہیں اور ان کی زبان سے غرور اور بڑائی کے الفاظ نکلنے لگتے ہیں؛ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے توفیق عطا فرمایئے کہ میں آپ کی اِن نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں اور آپ ہی کی مرضی کے مطابق عمل کیا کروں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی فوج کے پرندہ دستہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہُد ہُد نامی پرندہ موجود نہیں ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوراً نوٹس لیا کہ اگر وہ بلا عذر غیر حاضر ہوا ہے تو سزا کا مستحق ہے؛ لیکن کچھ ہی دیر میں ہُد ہُد آپہنچا اور اس نے کہا کہ میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں کہ جس سے اب تک آپ بھی واقف نہیں ہیں، اور وہ یہ کہ میں نے ’سبا‘ نامی علاقہ میں ایک عورت کو دیکھا ہے، جو وہاں کی حکمراں ہے، اس کو دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے اور اس کے پاس ایک عظیم الشان تختِ شاہی بھی ہے، وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کی پوجا کرتی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ابھی تمہاری اس خبر کی تحقیق کرتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ تم یہ خط لے کر جاؤ، اس کے پاس ڈال دو اور اس کے پاس سے ہٹ کر دیکھو کہ وہ اپنے درباریوں سے کیا مشورہ کرتی ہے؟ ملکۂ سبا نے درباریوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا اور ان سے مشورہ کی طلب گار ہوئی، اہلِ دربار نے کہا: ہم لوگ طاقتور اور جنگجو ہیں، اگر آپ جنگ کرنا چاہیں تو اس کے لئے بھی حاضر ہیں؛ لیکن فیصلہ آپ کو کرنا ہے، ملکہ نے کہا: بادشاہوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی علاقہ میں غلبہ حاصل ہوتا ہے تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں، اس لئے ہم پہلے کچھ تحائف بھیج کر آزمائش کرتے ہیں، غالباً ملکۂ سبا اس کے ذریعہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ شخص مال و زر کا حریص ہے یا اس کا کوئی اور مقصد ہے؟ اگر یہ مال و دولت کا لالچی ہے تو کچھ لے دے کر معاملہ ختم ہوسکتا ہے۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام تک یہ تحائف پہنچے تو چوں کہ آپ کا مقصد ملکہ اور اس کی قوم کو توحید کی دعوت دینا تھا؛ اس لئے آپ نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور فرمایا: اللہ نے مجھ کو تم سے بہتر چیز عطا فرمائی ہے اور اگر وہ ہماری دعوت کو قبول نہ کرے تو پھر ہمیں فوجی کارروائی کرنی پڑے گی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار کے جناتی ارکان سے دریافت فرمایا کہ ملکۂ سبا یہاں کے لئے رختِ سفر باندھ چکی ہے، تم میں سے کون ہے جو اس کے آنے سے پہلے اس کا تختِ شاہی لے کر یہاں آجائے؟ ایک شخص نے کہا: اس مجلس کے ختم ہونے سے پہلے میں اسے لاکر حاضر کرسکتا ہوں، دوسرے نے کہا: مجھے اتنی دیر بھی نہ لگے گی، میں پلک جھپکتے حاضر کردوں گا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا اشارہ پاکر اس دوسرے شخص نے فوراً ہی ملکۂ سبا کا تختِ شاہی سامنے رکھ دیا، یہ موقع تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی اس طاقت پر ناز کرتے؛ لیکن آپ نے پھر اللہ کا شکر ادا کیا اور اشارہ فرمایا کہ یہ موقع انسان کے امتحان کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی کامیابی پر مغرور و نازاں ہوجاتا ہے، یا خدا کے سامنے سجدۂ شکر بجالاتا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کے امتحان کے لئے حکم دیا کہ تختِ شاہی میں تھوڑی بہت تبدیلی لے آئی جائے، دیکھا جائے کہ ملکہ اپنے اس تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں؟

اب ملکۂ سبا دربارِ سلیمانی میں پہنچتی اور حیرت کی آنکھوں سے دیکھتی ہے کہ اس کا تختِ شاہی یہاں رکھا ہوا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا: کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ کہنے لگی: گویا یہ وہی ہے، تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار کا ایک ←

← اور عجوبہ دیکھا یا کہ ملکہ کو محل میں داخل ہونے کی دعوت دی، محل کے صحن میں خوبصورت شیشہ کاری کی گئی تھی اور نیچے پانی کا حوض بنایا گیا تھا، یہ کام اس صفائی سے ہوا تھا کہ ملکہ کو ذرا بھی اندازہ نہ ہوسکا کہ صاف وشفاف پانی پر شیشہ کی چھت ڈالی دی گئی ہے، اس نے گہرا پانی سمجھ کر کپڑے کچھ اوپر اُٹھائے اور قدم رکھے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ٹوکا: یہ پانی نہیں ہے، یہ شیش محل ہے، بادشاہوں اور حکمرانوں کے یہاں عیش وعشرت کے جو نقشے سجائے جاتے تھے اور فن تعمیر کی جن نزاکتوں کا مظاہرہ کیا جاتا تھا، ملکۂ سبا ان سے اچھی طرح واقف تھی، اس نے اندازہ کرلیا کہ یہ صرف انسانی ہاتھوں کا کارنامہ نہیں ہے؛ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی مدد بھی ہے اور اللہ نے ایک ایسی مخلوق کو ان کے تابع کر دیا ہے، جس کے ذریعہ تعمیری حسن وجمال کا یہ شاہکار وجود میں آیا ہے، اب تک اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک بادشاہ کے روپ میں دیکھا تھا؛ لیکن اب اس نے بادشاہت کے اس ظاہری کروفر میں چھپی ہوئی نبوت کو بھی سمجھ لیا، اور بے ساختہ بول پڑی کہ اب تک جو میں کفر وشرک میں مبتلا رہی، یہ میرا اپنے آپ کے ساتھ ظلم تھا اور اب میں خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔

سام ابن نوح کی چوتھی پشت میں قحطان کا نام آتا ہے، قحطان کے پوتے کا نام عبدالشمس اور لقب سبا تھا، اسی عالی حوصلہ شخص نے سلطنت سبا کی بنیاد رکھی تھی، اس سلطنت کا زمانۂ عروج گیارہ سو سال قبل مسیح تھا، اس کی حکومت کا اصل مرکز جزیرۃ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں یمن کے علاقہ میں تھا اور سلطنت کا دائرہ حضر موت سے گذرتے ہوئے افریقہ میں حبشہ تک پہنچ گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہاں ایک زبردست اور وسیع رقبہ کی حامل حکومت موجود تھی، جس کا شمار اُس زمانہ کی متمدن اور ترقی یافتہ قوموں میں تھا، سبا کی جس ملکہ کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے، اسرائیلی روایات میں اس کا نام 'بلقیس' ذکر کیا گیا ہے، تورات میں بھی ملکۂ سبا کے دربار سلیمانی میں حاضری اور پھر ایمان لانے کا ذکر ملتا ہے، (دیکھئے: سلاطین : ۱۰ : ۱-۱۳) کیا ملکۂ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئیں؟ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہیں آیا ہے؛ لیکن یہودیوں کے یہاں یہ بات معروف ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا تھا اور پھر انھیں اپنے ملک واپس ہونے کی اجازت دے دی تھی، (واقعہ کی تفصیلات کے لئے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی قصص القرآن دیکھی جاسکتی ہے)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس واقعہ میں کئی سبق آموز پہلو اور قابل ذکر باتیں ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے :

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہمیں بہت سے ایمان والوں پر فضیلت بخشی —— اس سے معلوم ہوا کہ بطور بڑائی اور تکبر کے اپنے آپ کو دوسروں سے افضل بتانا درست نہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کہنے میں کہ ''اللہ نے ہمیں فلاں نعمت عطا کی، جس سے اس کے دوسرے بندے محروم ہیں'' کوئی حرج نہیں ہے۔

● سلطنت اور نبوت دونوں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر دینی ذمہ داریوں میں صلاحیت اور اہلیت کی بنا پر باپ کے بعد بیٹے کو اس کی ذمہ داریاں دی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے ایسے نیک عمل کی دُعا کی، جس سے اللہ راضی ہوجائیں: ''أن اعمل صالحاً ترضاہ'' اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ عمل کا درست ہونا کافی نہیں، اللہ کے دربار میں مقبول ہونا ضروری ہے؛ اس لئے مومن کو چاہئے کہ عمل صالح مقبول کی دُعا کیا کرے۔ ←

← ● چیونٹیاں اپنے بلوں میں اس لئے گھس گئیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو ان کے یہاں ہونے کی خبر نہیں ہے، کہیں وہ ان کو مسل نہ ڈالیں، معلوم ہوا کہ جانتے بوجھتے کسی جاندار کو خواہ مخواہ مار ڈالنا درست نہیں ہے، اور اگر اَنجانے میں کوئی کیڑا مکوڑا نیچے آجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی فوج کا جائزہ لیا اور اس کی خبر گیری کی، پس جو ذمہ دار ہو، اس کے لئے اُسوۂ نبوی یہ ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی خبر گیری کرتا رہے۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کی غیر حاضری پر اس کی سرزنش کرنے کی بات کہی، معلوم ہوا کہ جانور کو اس کے مقصد میں استعمال کرنے کے لئے بوقت ضرورت کچھ مار پیٹ کی جاسکتی ہے، مگر یہ ایسی نہ ہو کہ جانور کے لئے تکلیف دہ ہو جائے۔

● ہُدہُد نے کہا: میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس سے آپ واقف نہیں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء بھی غیب کی باتوں کا علم نہیں رکھتے تھے۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا خط ملکۂ سبا کو بھیجا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تحریر بھی گفتگو کے درجہ میں ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوتِ اسلام کا ایک ذریعہ خط اور لٹریچر بھی ہے۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی انسان کے بجائے پرندہ کے ذریعہ خط ملکۂ سبا تک پہنچایا، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ انسان کے علاوہ پیغام رسانی کے دوسرے ذرائع بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں، جیسے: آج کل ٹیلیفون، انٹرنیٹ وغیرہ۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا خط ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کیا، گویا خط یا کوئی بھی تحریر بسم اللہ سے شروع کرنی چاہئے۔

● نیز اپنے خط کے شروع میں اس بات کی وضاحت فرمائی کہ یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے؛ لہٰذا خط لکھنے کی سنت یہ معلوم ہوئی کہ پہلے خط لکھنے والا اپنا نام لکھے؛ تاکہ جس شخص کو خط لکھا جارہا ہے، وہ پہلے ہی مرحلہ میں واقف ہو جائے کہ یہ خط کس کا ہے؟ ـــــ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوتِ اسلام کے نقطۂ نظر سے غیر مسلم کو لکھے گئے خط میں بھی قرآن مجید کی آیات لکھی جاسکتی ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے؛ البتہ اگر کسی وجہ سے آیاتِ قرآنی کی اہانت کا اندیشہ ہو تو وہاں قرآنی آیات یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے سے بچا جائے۔

● ملکۂ سبا کے اس واقعہ سے عورت کی حکمرانی کا ثبوت نہیں ملتا ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو حکمرانی پر باقی رکھا ہو؛ بلکہ بظاہر ملکہ نے اپنی سلطنت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے ساتھ ضم کر دیا تھا۔

● تحفہ قبول کرنا چاہئے؛ لیکن اگر کبھی تحفہ نہ قبول کرنے میں دینی مصلحت ہو تو قبول کرنے سے معذرت بھی کی جاسکتی ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام نے عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ عمدہ مکانات کی تعمیر جائز ہے اور اگر کوئی دینی مصلحت ہو تو پُرتکلف عمارت بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

وَوَرِثَ سُلَيۡمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّيۡرِ وَاُوۡتِيۡنَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيۡمٰنَ جُنُوۡدُهٗ مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ وَالطَّيۡرِ فَهُمۡ
يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰى وَادِ النَّمۡلِ ۙ قَالَتۡ نَمۡلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰكِنَكُمۡ
لَا يَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمٰنُ وَجُنُوۡدُهٗ ۙ وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا وَقَالَ
رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰٮهُ
وَاَدۡخِلۡنِىۡ بِرَحۡمَتِكَ فِىۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيۡرَ فَقَالَ مَا لِىَ لَاۤ اَرَى الۡهُدۡهُدَ ۖ اَمۡ
كَانَ مِنَ الۡغَآئِبِيۡنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيۡدًا اَوۡ لَاَاذۡبَحَنَّهٗۤ اَوۡ لَيَاۡتِيَنِّىۡ بِسُلۡطٰنٍ
مُّبِيۡنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ ﴿۲۲﴾
اِنِّىۡ وَجَدْتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ وَاُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوۡمَهَا
يَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ
فَهُمۡ لَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۴﴾

اور سلیمان داوٗد کے قائم مقام ہوئے اور انھوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں، یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کی کھلی) ہوئی مہربانی ہے ﴿۱۶﴾ اور سلیمان کے پاس جنات، انسان اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے، جن کے گروپ بنائے جاتے تھے ﴿۱۷﴾ یہاں تک کہ جب وہ چونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تم کو پیس نہ ڈالے ﴿۱۸﴾ چنانچہ سلیمان اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور عرض کیا: اے میرے رب! مجھے توفیق دیجئے کہ جو نعمت آپ نے مجھے اور میرے والد کو عطا فرمائی ہے، اس کا شکر ادا کرتا رہوں اور ایسا نیک عمل کیا کروں، جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیجئے، ﴿۱۹﴾ اور انھوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟؟ ﴿۲۰﴾ میں اس کو سخت سزا دوں گا، یا ذبح کر ڈالوں گا، یا وہ میرے پاس (اپنے غیر حاضر رہنے کے عذر پر) واضح دلیل پیش کرے ﴿۲۱﴾ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ آ گیا اور اس نے کہا: میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں، جو آپ کو معلوم نہیں ہے، اور (وہ یہ کہ) میں آپ کے پاس (مَلِکَہ) سبا کی ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں ﴿۲۲﴾ میں نے ایک عورت کو پایا، جو اُن پر حکومت کرتی ہے، اس کو ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے اور اس کا ایک بڑا تخت بھی ہے، ﴿۲۳﴾ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں، شیطان نے ان کی نظر میں ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا ہے، اس طرح اس نے ان لوگوں کو (ہدایت کے) راستہ سے روک رکھا ہے؛ چنانچہ وہ ہدایت سے محروم ہیں۔ ﴿۲۴﴾

اَلَّا يَسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِىۡ يُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَمَا
تُعۡلِنُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ۩ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ السجدۃ ۸
الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾ اِذۡهَبْ بِّكِتٰبِىۡ هٰذَا فَاَلۡقِهۡ اِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَانْظُرۡ مَاذَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾
قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ اُلۡقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ
الرَّحِيۡمِۙ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ‌ۚ مَا ع ۲/۱۷
كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّاُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ ۙ وَّالۡاَمۡرُ
اِلَيۡكِ فَانْظُرِىۡ مَاذَا تَاۡمُرِيۡنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا
اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً‌ ۚ وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّىۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَيۡهِمۡ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢ بِمَ يَرۡجِعُ
الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيۡمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوۡنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰٮنِۦَ اللّٰهُ خَيۡرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ۚ
بَلۡ اَنۡتُمۡ بِهَدِيَّتِكُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ ﴿۳۶﴾

وہ خدا کو سجدہ کیوں نہیں کرتے، جو آسمان وزمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر لاتا ہے اور تم جن چیزوں کو چھپاتے ہو
ان کو بھی جانتا ہے اور جن کو ظاہر کرتے ہو ان کو بھی؟ ﴿۲۵﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرشِ عظیم کے مالک ہیں ﴿۲۶﴾
سلیمان نے کہا: ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم سچ کہتے ہو یا جھوٹے ہو؟ ﴿۲۷﴾ میرا یہ خط لے کر جاؤ اور اِس کو ان کے
پاس ڈال دو، پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا اور دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں؟ ﴿۲۸﴾ ملکۂ سبا
کہنے لگی: اے درباروالو! میرے پاس ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے، ﴿۲۹﴾ وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ
ہے: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﴿۳۰﴾ تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر نہ کرو اور میرے تابع دار ہوکر آجاؤ'' ﴿۳۱﴾ ملکۂ
سبا کہنے لگی: اے درباروالو! میرے اس معاملے میں مجھ کو مشورہ دو، میں تمہاری موجودگی کے بغیر کسی بات کا فیصلہ
نہیں کیا کرتی ﴿۳۲﴾ اہل دربار نے کہا: ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگجو ہیں، اور (آگے فیصلہ کا) آپ کو اختیار ہے تو آپ
ہی غور کرلیں کہ آپ کو کیا فیصلہ کرنا ہے؟ ﴿۳۳﴾ ملکہ نے کہا: جب بادشاہ کسی بستی میں جاتے ہیں تو اسے تہس نہس
کردیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا کرتے ہیں، یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے ﴿۳۴﴾ اور میں
ان کے پاس کچھ تحفہ بھیجوں گی، پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں؟ ﴿۳۵﴾ پھر جب (ملکہ کا قاصد) سلیمان
کے پاس آیا تو اس نے کہا: کیا تم مال کے ذریعہ میری مدد کرتے ہو؟ اللہ نے مجھے جو عطا فرمایا ہے، وہ اس سے بہتر
ہے جو تم کو دیا ہے، بلکہ تم آپ ہی اپنے تحفہ سے خوش ہورہے ہو۔ ﴿۳۶﴾

اِرۡجِعۡ اِلَیۡهِمۡ فَلَنَاۡتِیَنَّهُمۡ بِجُنُوۡدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمۡ بِهَا وَلَنُخۡرِجَنَّهُمۡ مِّنۡهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمۡ
صٰغِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اَیُّكُمۡ یَاۡتِیۡنِیۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ
عِفۡرِیۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیۡ عَلَیۡهِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ ﴿۳۹﴾
قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ
مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ ۖ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ ؕ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا
یَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ كَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

پھر تم ان کے پاس واپس ہوجاؤ، اب ہم ان پر ایک ایسی فوج لے کر پہنچتے ہیں، جس کا وہ مقابلہ نہیں کرسکتی اور ہم
ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ ماتحت ہو کر رہیں گے ﴿۳۷﴾ سلیمان نے کہا: اے دربار والو! اس سے
پہلے کہ وہ لوگ فرمانبردار بن کر میری خدمت میں حاضر ہوجائیں، تم میں سے کون میرے پاس ملکۂ سبا کا تخت
لے کر آئے گا؟ ﴿۳۸﴾ ایک دیو ہیکل جِن نے جواب دیا: آپ کے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے میں اس کو آپ کی
خدمت میں حاضر کردوں گا، میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں، ﴿۳۹﴾ (پھر) جس شخص کو کتاب کا
علم حاصل تھا، اس نے کہا: میں اس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کرسکتا ہوں ﴿۱﴾؛ چنانچہ
جب سلیمان نے اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے: یہ میرے پروردگار کا فضل وکرم ہے؛ تاکہ میری
آزمائش کرے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں؟ اور جو شکر ادا کرے گا وہ اپنے ہی لئے شکر ادا کرے گا
اور جو ناشکری کرے گا تو (وہ جان لے کہ) میرا پروردگار بہت بے نیاز اور بڑے کرم والا ہے۔ ﴿۴۰﴾

﴿۱﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ایک شخص آصف بن بَرۡخیا تھے، جن کی حیثیت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ویسی ہی تھی، جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ شریر جنات سے یہ کام لیا جائے؛ اس لئے آپ نے اس مردِ صالح سے یہ خدمت لینی مناسب سمجھی، جنات اپنی خلقی صلاحیت وقوت کے ذریعہ یہ کام کرنا چاہتا تھا اور اِن صاحب نے کتاب الٰہی کے فیض سے اس کام کو انجام دینے کی پیشکش کی تھی، یہ کونسی کتاب تھی؟ تورات، لوحِ محفوظ، یا کوئی اور کتاب جو اللہ کی طرف سے تھی، اور جس کی برکت سے ایسے حیرت انگیز کام انجام پاجاتے تھے؟ نہ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے نہ حدیث میں؛ اس لئے اس کے پیچھے پڑنا بے فائدہ ہے، مفسرین نے جیسے اسرائیلی روایات کے ذریعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کا عجیب وغریب نقشہ کھینچا ہے، اسی طرح ان کی شخصیت پر بھی بحث کی ہے کہ یہ صالح انسان تھے یا فرشتہ یا حضرت خضر؟ اور یہ کارنامہ ان کے ہاتھوں کس طرح صادر ہوا؛ لیکن یہ سب قیاس اور اندازہ ہے اور قرآن وحدیث میں جس چیز کی تفصیلات سے صَرفِ نظر کیا گیا ہو، اس پر بحث کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳؍ ۲۰۴ تا ۲۰۶)

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۴۱ فَلَمَّا
جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝۴۲
وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝۴۳ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي
الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ
ع ۳ / ۱۳ / ۱۸ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۴ وَلَقَدْ
اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۵ قَالَ
يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ۝۴۶ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
تُفْتَنُوْنَ ۝۴۷ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝۴۸

سلیمان نے حکم دیا: اس کے لئے اس کے تخت کی شکل بدل دو، دیکھیں وہ سمجھ لیتی ہے یا نہیں سمجھ پاتی ہے؟ ۝۴۱ پھر جب ملکۂ سبا آ پہنچی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ کہنے لگی: گویا یہ وہی ہے، ہم کو پہلے ہی سے (یہ واقعہ) معلوم ہو چکا ہے اور ہم تو تابعداری قبول کر چکے ہیں، ۝۴۲ اللہ کے سوا وہ جن چیزوں کی پوجا کیا کرتی تھی، اس نے اس کو (ایمان لانے سے) روک رکھا تھا، یقیناً وہ اس قوم سے تعلق رکھتی تھی، جو ایمان سے محروم تھی ۝۴۳ اس سے کہا گیا: محل میں داخل ہو جاؤ، جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اس کو خیال ہوا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان نے کہا: یہ شیشوں کا بنا ہوا محل ہے، ملکہ نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر بڑی زیادتی کی اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں ۝۴۴ اور ہم نے ثمود کی طرف ان ہی کے بھائی صالح کو (اپنا یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کیا کرو، پھر وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے ۝۴۵ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم نیک عمل کرنے سے پہلے عذاب کو طلب کرنے میں کیوں جلد بازی کر رہے ہو؟ کیوں نہ اللہ سے معافی چاہتے ہو؟ شاید تم پر مہربانی کی جائے ۝۴۶ وہ لوگ کہنے لگے: ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں، صالح نے کہا: تمہاری بدنصیبی اللہ کے علم میں ہے؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم لوگ آزمائے جا رہے ہو، ۝۴۷ اور شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فساد مچاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ ﴿۱﴾ ۝۴۸

﴿۱﴾ یہ نو حضرات قوم کے سردار اور ذی اثر لوگ تھے؛ اس لئے ہر ایک کے پیچھے ان کی اتباع و پیروی کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی، (روح المعانی: ۱۹/ ۲۱۲) ان حضرات کے نام کیا تھے، مفسرین نے علماء اہل کتاب سے ان کو نقل کرنے کی کوشش کی ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۲۱۵) لیکن نہ قرآن میں ان کا ذکر آیا ہے اور نہ کسی معتبر حدیث میں، اور نہ ان کے ذکر سے کوئی دینی نفع متعلق ہے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ
لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَاۗءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾ ع ۱۴/۴ ۱۹

ان لوگوں نے کہا: آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم لوگ رات میں صالح اور ان کے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کو مار ڈالیں گے، پھر ہم اس کے وارث کو کہیں گے ''ہم تو اس کے لوگوں کے مارے جانے کی جگہ پر سرے سے موجود ہی نہیں تھے اور ہم یقیناً سچ بول رہے ہیں''؛ ﴿۴۹﴾ (چنانچہ) انھوں نے بھی سازش کی اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی اور ان کو خبر بھی نہ ہوسکی ﴿۵۰﴾ تو دیکھ لو کہ ان کے فریب کا کیسا انجام ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سبھوں کو تباہ و برباد کرڈالا ﴿۵۱﴾ یہ ان کے گھر ہیں، جو ان کے زیادتی کرنے کی وجہ سے ویران پڑے ہوئے ہیں، یقیناً اس میں علم و دانش رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے ﴿۵۲﴾ اور جو لوگ ایمان لاچکے تھے اور (گناہ سے) بچتے رہتے تھے، ہم نے ان کو بچالیا﴿۱﴾ ﴿۵۳﴾ اور ہم نے لوط کو بھی بھیجا تھا، جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؛ حالاں کہ تم سمجھدار ہو؟ ﴿۵۴﴾ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو؛ بلکہ تم نادانی کر رہے ہو ﴿۵۵﴾ تو ان کی قوم کا جواب یہی ہوتا کہ کہتے: لوط کے لوگوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو، یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں ﴿۵۶﴾ پھر ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو بچالیا، سوائے اس کی بیوی کے، جس کے بارے میں ہم نے طے کر دیا تھا کہ وہ رہ جانے والوں میں رہے گی ﴿۵۷﴾ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسادی، تو جن لوگوں کو ڈرایا جاچکا تھا، ان پر ہونے والی بارش کیا ہی بری تھی!﴿۲﴾ ﴿۵۸﴾

﴿۲﴾ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم، قومِ ثمود کا واقعہ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۷۳-۷۹ میں گزر چکا ہے۔

﴿۳﴾ آیت نمبر: ۵۴ تا ۵۹ میں قومِ لوط کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۸۰-۸۴ میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ خَیۡرٌ اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾

(اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے اُن بندوں پر سلامتی ہو، جن کو اس نے منتخب کرلیا ہے،﴿۱﴾ کیا اللہ بہتر ہیں یا وہ (باطل معبود) جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ ﴿۵۹﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے کون ہیں؟ جن پر یہاں سلامتی بھیجی گئی ہے، اس سلسلہ میں مفسرین کے تین نقطۂ نظر ہیں: ایک یہ کہ اس سے صحابہ مراد ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے براہ راست مخاطب تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور ﷺ کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا، دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے انبیاء مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت جیسے بلند مرتبہ کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں دوسرے موقع پر فرمایا گیا ''سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ'' (صافات:۱۸۱) یعنی سلامتی ہو اللہ کے پیغمبروں پر، (تفسیر قرطبی: ۲۲۰/۱۳) تیسری رائے یہ ہے کہ اس میں تمام اہل ایمان شامل ہیں، جو اپنے اپنے وقت میں نبی برحق پر ایمان لائے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سبھوں کو ہدایت کے لئے منتخب فرمایا اور گمراہی سے ان کی حفاظت فرمائی، یہ تفسیر اس لحاظ سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ اس سے پہلے مختلف انبیاء اور ان کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے پیغمبروں کی تعلیمات کا انکار کیا، وہ عذاب میں مبتلا کئے گئے، اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے منتخب فرمایا، ان کو اس عذاب سے بچا لیا۔

قرآن مجید کی یہ آیت اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء کے بشمول اللہ کے منتخب بندوں پر سلام پر مشتمل ہے؛ اسی لئے خطباء، واعظین ومقررین اور مصنفین اپنے خطاب کا اور کتاب کا آغاز ان ہی الفاظ سے یا کسی ایسے کلمہ سے کرتے رہے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام ہو، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ علماء اسلام کا متوارث عمل رہا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۲۰/۱۳)

● ● ●

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ
ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ
حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ
وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

بھلا کس نے آسمان وزمین بنائے؟ اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے پُر رونق باغات اُگائے (ورنہ) تمہارے بس میں نہیں تھا کہ ان کے درخت اُگاؤ، (تو کیا) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی ہے؟ بلکہ وہ لوگ درست راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں ﴿۶۰﴾ بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا، اس کے درمیان نہریں بنائیں اور زمین (کو ٹھہرائے رکھنے) کے لئے پہاڑ بنائے، نیز دو دریاؤں کے درمیان رکاوٹ رکھ دی، تو اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے بہتوں کو سمجھ نہیں ہے، ﴿۶۱﴾ بھلا کون ہے کہ جب کوئی بے کس پکارتا ہے تو وہ اس کی فریاد کو سنتا ہے، مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین پر گذشتہ لوگوں کی جگہ آباد کرتا ہے، ﴿۱﴾ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ (مگر) تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔ ﴿۶۲﴾

﴿۱﴾ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ''ویجعلکم خلفاء الأرض'' کا مفہوم بتایا ہے ''أی سکانها یهلک قوماً وینشئ آخرین'' (تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۲۴) یعنی اللہ تم کو وہاں آباد کر دیتے ہیں، اس طور پر کہ ایک قوم کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسری قوم کو پیدا کرتے ہیں، اسی لحاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زمین پر گذشتہ لوگوں کی جگہ آباد کرتے ہیں، یعنی ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل کو، غور کیا جائے تو یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ ایک نسل دنیا سے جاتی ہے اور دوسری نسل پیدا ہوتی ہے، اگر سارے کے سارے لوگ دنیا میں زندہ ہی رہتے اور ان کو کبھی موت نہیں آتی تو دنیا کتنی تنگ ہو جاتی اور یہاں بوڑھے، ضعیف اور مجبور لوگوں کی اتنی بڑی تعداد ہو جاتی کہ ان کو سنبھالنا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا بھی مشکل ہو جاتا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نظام رکھا کہ انسانوں کی ایک نسل بتدریج دنیا سے چلی جائے اور دوسری نسل کی دنیا میں آمد ہو، اس آیت میں جو بات فرمائی گئی ہے کہ کون ہے جو بے کس کی پکار کو سنتا ہے؟ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندہ کی دُعا سنتے اور اس کی مصلحت کے لحاظ سے قبول فرماتے ہیں، اور مومنوں کے ساتھ ساتھ کافروں کی دُعا بھی بعض اوقات مقبول ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب شیطان نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اس کو مہلت دی جائے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کو بہکانے کی کوشش کرے اور ان کو امتحان میں ڈالے، تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس دُعا کو بھی قبول فرما لیا؛ (الاعراف: ۱۴) لیکن خاص طور پر جب انسان اضطرار اور بے کسی و بے پناہی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس وقت اللہ سے دُعا کرتا ہے، نیز اس کی دُعا قبول کئے جانے میں اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو قبول فرما لیتے ہیں۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا
یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ
ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

ع ۵ ۸ ۱

بھلا کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ دِکھاتا ہے اور کون ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟؟ وہ لوگ جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ اس سے بلند وبالا ہیں، ﴿۶۳﴾ کون مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟؟ آپ کہئے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو ﴿۶۴﴾ آپ کہہ دیجئے: آسمان وزمین میں جتنی چیزیں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور ان کو خبر نہیں ہے کہ وہ دوبارہ کب زندہ کئے جائیں گے؛ ﴿۱﴾ ﴿۶۵﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم گم ہوکر رہ گیا ہے؛ بلکہ ان کو اس کے بارے میں شک ہے؛ بلکہ وہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۶۶﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہوجائیں گے تو کیا ہم (زندہ کر کے قبر سے) نکالے جائیں گے؟ ﴿۶۷﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام بھی غیب کا علم نہیں رکھتے تھے؛ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس کا خیال ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کل ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں، وہ اللہ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑتا ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللہ''۔

(مسلم: کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل ''ولقد رآہ نزلۃ اخری''، حدیث نمبر: ۱۷۷)

﴿۲﴾ مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں آخرت کے انکار کرنے والے تین طبقوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک وہ جو صرف مادی علم کے قائل ہیں اور ان کا یہ علم آخرت کے نظام کو سمجھنے سے قاصر ہے، وہ اپنی اسی جہالت پر مطمئن ہوگئے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا علم آخرت کے بارے میں گم ہوکر رہ گیا ہے، دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو نہ اس سلسلہ میں خاموش ہیں اور نہ کھل کر اقرار کرتے ہیں؛ بلکہ خود شک میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی شکوک وشبہات میں مبتلا کرتے ہیں، تیسرا طبقہ وہ ہے، جو کھل کر انکار کرتا ہے اور آخرت کے دلائل کی طرف سے آنکھیں بند کیا ہوا ہے، گویا وہ اندھا بنا ہوا ہے۔ (خلاصہ از: تفسیر ماجدی: ۵/۱۰۸، ط: لکھنؤ)

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۶۸ قُلْ سِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۶۹ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ
مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝۷۰ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۷۱ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ
رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۷۲ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۷۳ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۴ وَمَا مِنْ
غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۵ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۷۶ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۷ اِنَّ رَبَّكَ
يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝۷۸

اس طرح کا وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ داداؤں سے پہلے سے کیا جا تا رہا ہے، یہ محض من گھڑت کہانیاں ہیں، جو پہلوں سے نقل ہوتی آرہی ہیں؟ ۝۶۸ آپ کہہ دیجئے: زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ گناہگاروں کا کیسا انجام ہوا؟ ۝۶۹ آپ ان پر غم نہ کیجئے اور یہ جو شرارتیں کر رہے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہوجائیے ۝۷۰ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ۝۷۱ آپ فرما دیجئے: جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو کیا بعید ہے کہ اس کا کچھ حصہ تمہاری پیٹھ ہی پر آ پہنچا ہو؟ ﴿۱﴾ ۝۷۲ اور یقیناً آپ کے رب لوگوں پر بہت مہربان ہیں؛ لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ۝۷۳ اور یقیناً آپ کے رب ان باتوں کو بھی جانتے ہیں، جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں اور ان باتوں کو بھی، جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں ۝۷۴ اور آسمان و زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ چیز نہیں، جو واضح کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں موجود نہ ہو، ﴿۲﴾ ۝۷۵ بلاشبہ یہ قرآن بنی اسرائیل سے ان میں سے اکثر باتوں کو بیان کر رہا ہے، جن کے متعلق وہ لوگ جھگڑتے رہتے ہیں ۝۷۶ اور یقیناً یہ کتاب ایمان والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور سراپا رحمت ہے ۝۷۷ آپ کے پروردگار ان کے درمیان ضرور اپنے حکم سے فیصلہ کردیں گے اور وہی بہت زبردست اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔ ۝۷۸

﴿۱﴾ یعنی مکمل عذاب تو قیامت کے بعد ہوگا؛ لیکن ہوسکتا ہے کہ عذاب کا کچھ حصہ جلد ہی آجائے، اس کی ایک صورت تو موت ہے کہ مرنے کے بعد ہی سے عذابِ قبر شروع ہوجاتا ہے اور دوسری ظاہری صورت یہ پیش آئی کہ غزوۂ بدر میں مکہ کے وہ تمام سردار جو اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے، ذلت و رسوائی کے ساتھ مارے گئے۔

﴿۲﴾ اس میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ کس قوم پر کب عذاب آئے گا؟ نہ اُس وقت کے آنے سے پہلے عذاب آئے گا اور نہ وقت کے آنے کے بعد اس میں کوئی تاخیر ہوگی۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ
يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ
تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۶

اس لئے اللہ پر بھروسہ رکھئے، یقیناً آپ حق پر ہیں جو بالکل واضح ہے، ﴿۷۹﴾ البتہ آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں، نہ بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں، (خاص کر) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں، ﴿۸۰﴾ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر ہدایت پر لا سکتے ہیں، آپ تو صرف اُن ہی کو سنا سکتے ہیں، جو ہماری باتوں کا یقین رکھتے ہیں، تو وہی ہیں فرمانبردار لوگ! ﴿۱﴾ ﴿۸۱﴾ اور جب ان پر وعدہ پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، جو ان سے باتیں کرے گا؛ اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ ﴿۲﴾ ﴿۸۲﴾

﴿۱﴾ اس میں مُردے، اندھے اور بہرے کے الفاظ تشبیہ کے طور پر ہیں، یعنی جو لوگ حق کی بات سنیں اور اس کو سمجھنے کو تیار نہ ہوں تو گویا وہ مردہ ہیں، جیسے مردہ کسی بات کو نہیں سمجھ سکتا، وہی حال اس شخص کا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی دلیلوں کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ایمان نہیں لاتا تو گویا وہ اندھا ہے، اور جو کان رکھنے کے باوجود اس طرح باتوں کو سنتا ہے کہ اس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا، وہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے بہرا ہے — یہاں جو یہ بات فرمائی گئی کہ آپ مُردہ کو نہیں سنا سکتے: ''إنک لا تسمع الموتیٰ'' اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہوگیا کہ سننا اصل میں زندہ لوگوں کا وصف ہے، مُردہ اپنی اصل کے اعتبار سے سننے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے، یہ مضمون قرآن مجید میں ایک اور موقع پر بھی آیا ہے، (روم: ۵۲) چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ مُردہ سن نہیں سکتا، دوسری طرف صحیح حدیثوں میں یہ بات آئی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع سے قتل ہونے والے مشرکین کی لاشوں کو مخاطب کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے جان لیا کہ یہ حق ہے؟: ''فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا'' حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایسے جسموں سے بات کر رہے ہیں، جو روح سے خالی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میری بات وہ تم سے کم نہیں سن رہے ہیں، (بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جھل، حدیث نمبر: ۳۷۵۷، مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا وأھلھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ الخ، حدیث نمبر: ۲۸۷۴) اسی لئے اس مسئلہ میں عہد صحابہ سے اختلاف رہا ہے کہ مُردے سن سکتے ہیں یا نہیں؟ ساری بحث کا خلاصہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مُردے اصلاً تو نہیں سنتے ہیں، سوائے انبیاء اور شہداء کے، جن کو اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ میں بھی خصوصی زندگی عطا فرمائی ہے؛ لیکن جب اللہ کی مرضی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ عام مُردوں کو بھی سنا دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿۲﴾ قیامت کس سال، کس تاریخ اور کس وقت میں قائم ہوگی؟ یہ بات تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے راز میں رکھی گئی ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے؛ لیکن قیامت کی علامتیں احادیث میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے کچھ علامات تو لوگوں کے احوال میں تبدیلی سے متعلق ہیں، جو آہستہ آہستہ پیش آ رہی ہیں اور آدمی اس کے بارے میں قیاس اور اندازے سے ←

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ
قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ
عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کا ایک ایک گروہ جمع کریں گے، جو ہماری باتوں کو جھٹلایا کرتا تھا، پھر اُن کے گروپ بنادیئے جائیں گے ﴿۱﴾ ﴿۸۳﴾ یہاں تک کہ جب یہ سب حاضر ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: کیا تم میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے؛ حالاں کہ تم نے پوری طرح اس کا علم حاصل نہیں کیا تھا؟ یا اس کے علاوہ تم اور کیا کیا کام کیا کرتے تھے؟ ﴿۲﴾ ﴿۸۴﴾ اور اُن پر اُن کی زیادتیوں کی وجہ سے (عذاب کا) وعدہ پورا ہوچکا ہوگا؛ اس لئے وہ کچھ بھی نہ بول سکیں گے۔ ﴿۸۵﴾

← کسی خاص صورت حال کو اس کا مصداق قرار دیتا ہے؛ لیکن کچھ ایسی علامتوں کا بھی ذکر آیا ہے، جو واضح اور متعین ہیں، ان کا ظہور اس وقت ہوگا، جب قیامت بالکل قریب آجائے گی، وہ علامتیں یہ ہیں: (۱) سورج کا پورب کی بجائے پچھّم کی طرف سے نکلنا، (۲) دھوئیں کا ظاہر ہونا، (۳) دابۃ الارض کا نکلنا، (۴) یاجوج ماجوج کا نکلنا، (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اُترنا، (۶) دجال کا ظاہر ہونا، (۷) مغرب، مشرق اور جزیرۃ العرب میں دھنسنے کے واقعات کا پیش آنا، (۸) عدن سے ایک ایسی آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ (ابوداود، کتاب الملاحم، باب امارات الساعۃ، حدیث نمبر: ۴۳۱۳)

ان علامتوں میں سے ایک علامت 'دابہ' کے نکلنے کا ذکر اِس آیت میں بھی آیا ہے، قرآن مجید میں جو یہاں ''دابۃ الأرض'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ جانور نسلی طور پر پیدا نہیں ہوگا؛ بلکہ معجزاتی طور پر زمین سے نکلے گا، جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی نکلی تھی، (روح المعانی: ۲۰/۲۴) اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہوگا تو وہ جانور؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو بولنے کی صلاحیت عطا فرمائیں گے اور وہ انسانوں سے گفتگو کرے گا، حدیثوں میں اس کی ایک خصوصیت یہ بھی آئی ہے کہ یہ مومن کی دونوں آنکھوں کے درمیان صاحبِ ایمان ہونے کی ایک علامت لگادے گا اور اسی طرح کافر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ان کی علامت لگادے گا، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۳۷) مفسرین نے اس کے علاوہ بہت سی تفصیلات لکھی ہیں کہ یہ دابہ کہاں سے نکلے گا، اس کی شکل کیا ہوگی؟ وغیرہ؛ لیکن یہ تفصیلات معتبر روایات سے ثابت نہیں ہیں، بہر حال یہ آخری علامت ہوگی، جو قیامت کے واقع ہونے سے پہلے ظاہر ہوگی، اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوگی اور نہ ایمان لانا معتبر ہوگا۔

﴿۱﴾ یعنی لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ ان سب کا ایک ساتھ جانا دشوار ہوگا؛ اس لئے ان کے گروپ بنادیئے جائیں گے اور یکے بعد دیگرے وہ آگے بڑھیں گے۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ تم نے تحقیق کی بھی زحمت نہیں کی اور غور وفکر کئے بغیر ہی میرے احکام کو جھٹلادیا، اور اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ نافرمانی اور سرکشی کے دوسرے کام بھی کرتے رہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ
وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ
وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات اس لئے بنائی ہے کہ لوگ اس میں آرام کرسکیں اور دن اس لئے بنائے ہیں کہ وہ اس میں دیکھ سکیں ﴿۱﴾، بلاشبہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، اِس میں ان کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۸۶﴾ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین میں جو کوئی بھی ہے، سب گھبرا جائے گا، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ (اس گھبراہٹ سے بچانا) چاہیں، اور سب کے سب عاجزی کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوجائیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۸۷﴾ تم پہاڑ کو دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ یہ حرکت نہیں کریں گے؛ (لیکن اُس دن) وہ بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا، جس نے ہر چیز کو مضبوطی کے ساتھ بنا رکھا ہے، تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری خبر ہے ﴿۸۸﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے گا، اس کو اس سے بہتر ملے گا اور وہ لوگ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔ ﴿۳﴾ ﴿۸۹﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ رات کے وقت بلاوجہ جاگنا مناسب نہیں اور یہ رات کی تخلیق کے مقصد کے خلاف ہے، اسی طرح کام کاج کے لئے دن کا وقت ہے؛ لہٰذا آدمی کو ایسی ملازمت حاصل کرنی چاہئے، جس میں رات کی ڈیوٹی نہ ہو، سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت اور مجبوری ہو۔

﴿۲﴾ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبار صور پھونکا جائے گا، جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو زمین کی تمام چیزیں مرجائیں گی، جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب دوبارہ زندہ ہوجائیں گی، یہاں اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق پہلا صور پھونکے جانے کا ذکر ہے، اسی صور کا ذکر سورہ زمر، آیت نمبر: ۶۸ میں بھی آیا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ صور کی آواز پر زمین وآسمان کی تمام چیزیں بے ہوش ہوجائیں گی، دونوں آیتوں کو اور احادیث کو سامنے رکھ کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ صور کی آواز پر پہلے لوگ گھبرا جائیں گے، پھر شدت گھبراہٹ کی وجہ سے بے ہوش ہوجائیں گے، آخر یہ بے ہوشی ان کو موت تک پہنچادے گی اور سب کے سب مرجائیں گے، پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو لوگ زندہ ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگیں گے، قرآن مجید میں کئی مواقع پر صور پھونکنے کے اس دوسرے واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ (دیکھئے: کہف: ۹۹، طٰہٰ: ۱۰۲، یٰسین: ۵۱، نباء: ۱۸)

﴿۳﴾ ان کے گھبراہٹ سے محفوظ رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ قیامت کا واقع ہونا، ان کی اُمید ویقین کے عین مطابق ہوگا اور جو لوگ ایمان سے محروم تھے، ان کے لئے یہ سب کچھ اُمید اور توقع کے خلاف ہوگا۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۰
اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ؗ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ
مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۱ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝۹۲ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۳ ع ۱۱/۳

اور جو برا عمل لے کر آئے گا تو اس کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا:) تم کو تمہارے ہی عمل کی سزا دی جا رہی ہے، ۝۹۰ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ مکرمہ) کے مالک کی عبادت کرتا رہوں، جس کو اللہ تعالیٰ نے قابل احترام بنایا ہے، ہر چیز اسی کی ہے، اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں (ہمیشہ) فرمانبرداری کرنے والوں میں رہوں ۝۹۱ اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا رہوں، پھر جو شخص ہدایت کو قبول کرلے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت قبول کرے گا، اور جو گمراہی پر قائم رہے گا تو کہہ دیجئے: میں تو صرف (اللہ کی طرف سے) ڈرانے والوں میں سے ہوں ۝۹۲ اور آپ کہہ دیجئے: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ جلد ہی تم کو اپنی نشانیاں دکھا دیں گے تو تم ان کو پہچان لوگے، اور آپ کے رب ان کاموں سے بے خبر نہیں ہیں، جو تم کیا کرتے ہو۔ ۝۹۳

سُوۡرَۃُ القصص

- سورہ نمبر : (۲۸)
- رکوع : (۹)
- آیتیں : (۸۸)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

قصہ کے معنی واقعہ، داستان، کہانی کے ہیں، اس کی جمع ''قصص'' (ق پر زیر یا زبر کے ساتھ) ہے، (لسان العرب: ۱۱/۱۹۱) ——قرآن مجید میں لوگوں کی نصیحت اور عبرت کے لئے گذشتہ انبیاء اور ان کی اقوام کے واقعات کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں، سورۂ قصص بھی ان سورتوں میں سے ہے، جن میں خصوصی طور پر حضرت موسیٰ السلام کے واقعات ان کی ولادت سے نبوت تک اور نبی بنائے جانے کے بعد سے فرعون کے غرقاب کئے جانے تک نیز بنی اسرائیل ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک متکبر ہم زمانہ شخص قارون کے واقعات کا تفصیل سے ذکر فرمایا گیا ہے؛ اسی لئے اس کو 'سورۃ القصص' کا نام دیا گیا ہے۔

اس سورہ کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور قارون کے واقعات پر مشتمل ہے اور اس میں عبرت وموعظت کے جو پہلو ہیں، انھیں بیان کیا گیا ہے۔

❍ ❍ ❍

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ
لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً
مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ اَنْ
نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ۙ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ طا، سین، میم ﴿۱﴾ ۝۱ یہ واضح کتاب (یعنی قرآن مجید) کی آیتیں ہیں ۝۲ ہم آپ کو ایمان والوں کے لئے موسیٰ اور فرعون کے کچھ واقعات ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں ﴿۲﴾ ۝۳ فرعون زمین (مصر) میں بہت خود سر ہو گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو طبقوں میں بانٹ رکھا تھا، ﴿۳﴾ اس نے ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو دبا کر رکھا تھا، وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، یقیناً وہ فساد مچانے والوں میں سے تھا ۝۴ اور ہم کو یہ بات منظور تھی کہ ہم اس ملک کے دبے کچلے لوگوں پر احسان کریں، انھیں سردار بنا دیں، ان کو (اس سرزمین کا) وارث بنا دیں۔ ۝۵

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات ہیں، سورۂ بقرہ حاشیہ نمبر:۱ میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

﴿۲﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق واقعات قرآن مجید میں بکثرت نقل کئے گئے ہیں، سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۴۹ میں اس پر وضاحتی نوٹ آچکا ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم بنی اسرائیل سے جس طرح کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے گروہ بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لوگوں کی طرف سے جن آزمائشوں سے گذرنا پڑا، اس اُمت کے داعیوں کو بھی قوم کی طرف سے ایسے سلوک سے دوچار ہونا پڑے گا، جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا اور اُمت محمدیہ کو بھی مخالفِ اسلام طاقتوں کی طرف سے ایسی ہی آزمائشوں سے گذرنا پڑے گا، جن سے بنی اسرائیل گذر چکے ہیں۔

﴿۳﴾ یعنی فرعون مصر کے تمام شہریوں کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کرتا تھا، جو قِبطی یعنی فرعون کی قوم کے لوگ تھے، ان کو عزت دی جاتی تھی اور بنی اسرائیل جن کو ابراہیمی، یا سِبطی کہا جاتا تھا، ان کے ساتھ غلامانہ برتاؤ کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ان سے بیگار لیا جاتا اور ان پر ہر طرح کا تشدد روا رکھا جاتا، تورات کے صحیفہ خروج کے پہلے باب میں تفصیل سے ان مظالم کا ذکر آیا ہے، اسی طبقاتی نظام کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا
تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ
عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸

اور ان کو اس ملک میں حکومت عطا کردیں، نیز فرعون، ہامان ﴿۱﴾ اور ان کے لشکروں کو ان (بنی اسرائیل) کے ہاتھوں وہ چیز دکھادیں، جس کا ان کو اندیشہ تھا ﴿۲﴾ ۝۶ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی ﴿۳﴾ کہ تم موسیٰ کو دُودھ پلاتی رہو، جب تم کو ان کے متعلق اندیشہ ہو (کہ فرعون کو اس کے پیدا ہونے کی خبر ہوجائے گی) تو ان کو دریا میں ڈال دو، نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کرو، پھر ہم ضرور ان کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے اور ان کو پیغمبر بھی بنائیں گے؛ ۝۷ (چنانچہ موسیٰ کی والدہ نے ان کو دریا میں ڈال دیا) پھر فرعون کے گھر والوں نے ان کو اُٹھالیا؛ تاکہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے غم کا باعث بنے، یقیناً فرعون، ہامان اور ان کا لشکر چوک گیا۔ ﴿۴﴾ ۝۸

﴿۱﴾ ہامان کا ذکر یہاں پہلی بار آیا ہے، یہ نسلاً قبطی تھا اور مفسرین کے بیان کے مطابق فرعون کا وزیر تھا (تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۵۳) یہاں اور آگے دوسرے مقامات پر فرعون کے ساتھ جس طرح ہامان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عام وزیروں کی طرح صرف ایک وزیر نہیں تھا؛ بلکہ وہ فرعون کا انتہائی معتمد اور بھروسہ مند شخص تھا، جس کے مشوروں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی —— مغربی مصنفین کو یہ اعتراض ہے کہ ہامان تو ایران کے ایک بادشاہ کے دربار کا امیر تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد پیدا ہوا؛ اس لئے اس کو فرعونِ مصر کا وزیر قرار دینا غلط ہے، مگر اس اعتراض میں کوئی معقولیت نہیں ہے، تاریخ میں ہمیشہ ایک ہی نام کی کئی شخصیتیں رہی ہیں، خاص کر اگر کوئی ایسی شخصیت ہو جس کو مذہبی یا سیاسی پیشوائی کا درجہ حاصل رہا ہو تو لوگ اس کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھا کرتے ہیں؛ اس لئے اِس ہامان کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے، جس کا فرعون کے رفیق کی حیثیت سے قرآن مجید نے ذکر فرمایا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی بنی اسرائیل کا اقتدار پر آنا اور فرعون اور اس کی قوم کی سلطنت کا ختم ہوجانا۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہیں تھیں؛ اس لئے یہاں وحی اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی، (دیکھئے: مدارک التنزیل: ۸۶۱) —— تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام 'یوکبد' اور والد کا 'عمرام' ذکر کیا گیا ہے، ان ہی سے حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (خروج ۶: ۲۰)

﴿۴﴾ کہ خود اپنے گھر میں اپنے دشمن کی پرورش کی۔

وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ‌ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ‌ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّـنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَـتَّخِذَهٗ وَلَدًا
وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝٩ وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا‌ ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَـتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا
عَلٰى قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝١٠ وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّيۡهِ‌ فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ
لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝١١ وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ
يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَـكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ۝١٢ فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ وَلِتَعۡلَمَ
ع ۱۳ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝١٣

فرعون کی بیوی نے کہا: یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، بعید نہیں کہ یہ ہمارے کام آئے، یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور ان کو (انجام کی) کچھ خبر نہیں تھی، ﴿۱﴾ ﴿۹﴾ اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہوگیا، اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کردیا ہوتا کہ وہ (بچہ کی واپسی کا) یقین رکھے تو قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کردیتی ﴿۱۰﴾ اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا: تو اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہ؛ چنانچہ وہ دور سے اس طرح دیکھتی رہی کہ فرعون کے لوگوں کو پتہ بھی نہ چل سکا، ﴿۲﴾ ﴿۱۱﴾ اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والی دائیوں کی بندش کردی تھی (کہ وہ کسی عورت کا دودھ نہ پکڑیں) تو موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تم کو ایک ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں، جو تمہارے لئے اس کی پرورش کردے اور وہ اس کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کرے؟ ﴿۱۲﴾ اس طرح ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں تک پہنچادیا؛ تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے؛ لیکن اکثر لوگ (اس کا) یقین نہیں رکھتے۔ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ فرعون کی بیوی سے مراد حضرت آسیہ ہیں، جو ان پانچ منتخب عورتوں میں سے ہیں، جن کو تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے، (نسائی فی الکبیر، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۸۳۶۴) —— تورات میں فرعون کی بیوی کے بجائے فرعون کی بیٹی کا ذکر آیا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا تھا؛ (خروج: ۲:۵، ۶) لیکن ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے بیان کے مقابلہ ایک تحریف شدہ کتاب کے بیان کی اہمیت نہیں، تاہم مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ نے دونوں میں اس طرح تطبیق پیدا کی ہے کہ فرعون کے مذہب میں باپ کی بیٹی سے شادی ہوا کرتی تھی؛ اس لئے قرآن اور تورات دونوں کے بیان میں کوئی تضاد نہیں۔

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ انسان کو حفاظت کے ظاہری اسباب اختیار کرنا چاہئے، یہ توکل کے خلاف نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام بائبل کے بیان کے مطابق مریم تھا۔ (خروج: ۱۵:۲۰)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰۤى اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الۡمَدِيۡنَةَ عَلٰى حِيۡنِ غَفۡلَةٍ مِّنۡ اَهۡلِهَا فَوَجَدَ فِيۡهَا رَجُلَيۡنِ يَقۡتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنۡ شِيۡعَتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسۡتَغَاثَهُ الَّذِىۡ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ عَلَى الَّذِىۡ مِنۡ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوۡسٰى فَقَضٰى عَلَيۡهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۵﴾

اور جب موسیٰ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور اوران کی نشو ونما مکمل ہوگئی تو ہم نے ان کو حکمت و دانائی اور علم سے نوازا اوراسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ اور موسیٰ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے، جب وہاں کے باشندے (نیند کی وجہ سے) غفلت کی حالت میں تھے ﴿۲﴾ تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا، ایک تو ان کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) کا تھا اور دوسرا ان کے دشمن (یعنی فرعون کے لوگوں) میں سے تھا، تو جو اُن کی برادری کا تھا، اس نے اپنے دشمن کے خلاف ان سے مدد چاہی، موسیٰ نے اِس (دوسرے شخص کو) گھونسہ رسید کیا تو اس کا کام ہی تمام کر دیا، موسیٰ نے کہا: یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی، یقیناً شیطان غلطی میں ڈال دینے والا اور کھلا ہوا دشمن ہے۔ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی گرچہ نبی نہیں بنائے گئے تھے؛ لیکن انھوں نے بادشاہ مصر کے دربار میں ایک شہزادہ کی طرح پرورش پائی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں امیر وکبیر گھرانے کے لڑکوں اور شاہی خاندان کے بچوں کو جو علوم وفنون سکھائے جاتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کی تعلیم دی گئی ہوگی؛ چنانچہ بائبل میں ہے:
''اور موسیٰ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کلام اور کام میں قوت والا تھا''۔ (اعمال: ۷: ۲۲)

﴿۲﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ فرعون کی پرورش میں تھے؛ لیکن ان کی سلیم فطرت کو یہ بات گوارا نہیں تھی کہ ایک خدا کی بجائے فرعون کی اور بتوں کی پوجا کی جائے؛ اس لئے ان کو اس صورتِ حال سے نفرت تھی، اندازہ ہے کہ دل کی یہ بات کبھی کبھی زبان پر آجاتی تھی اور یہ بات آہستہ آہستہ فرعون کے لوگوں میں پھیل رہی تھی؛ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ تھا اور وہ احتیاط سے کام لیتے تھے، اس وجہ سے غالباً وہ زیادہ وقت دار السلطنت سے باہر گزارتے اور موقع محل دیکھ کر دار السلطنت میں داخل ہوتے تھے، بعض لوگوں نے غفلت کے وقت سے دوپہر کا وقت اور بعض نے رات کا وقت مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۲۶۰) اس شہر کا نام مفسرین کے بیان کے مطابق 'منف' تھا، جیسا کہ قرطبی وغیرہ میں لکھا ہے، جب کہ بائبل میں اس کا نام 'صوف' بتایا گیا ہے، مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ مصر کا قدیم شہر 'ممفس' ہے، جو قاہرہ سے بارہ میل دکھن دریائے نیل کے مغربی کنارے پر واقع تھا، جہاں بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور جو صدیوں دار السلطنت بنا رہا۔
(تفسیر ماجدی: ۵/ ۱۳۴)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ
اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا
الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ
اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا
بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾
وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى ؗ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ
فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۸ ۵

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں نے تو اپنے آپ پر زیادتی کر لی ہے؛ اس لئے آپ مجھے معاف فرما دیجئے، اللہ نے اس کو معاف کر دیا، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! چوں کہ آپ نے مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے؛ اس لئے میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا ﴿۲﴾ ﴿۱۷﴾ چنانچہ موسیٰ نے شہر میں ڈرتے ہوئے اور (اس واقعہ کے انجام کا) انتظار کرتے ہوئے صبح کی، اچانک دیکھا کہ وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی، آج پھر فریاد کر رہا ہے، موسیٰ نے اس سے کہا: تو کھلا ہوا بدمعاش ہے ﴿۱۸﴾ پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا، جو اُن دونوں کا دشمن تھا (یعنی اسرائیلی)، تو اس نے کہا: اے موسیٰ! جیسے تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اسی طرح آج مجھ کو مار ڈالنا چاہتے ہو؟ بس تم تو دنیا میں صرف اپنی دھاک بیٹھانا چاہتے ہو اور صلح کرانا نہیں چاہتے ﴿۱۹﴾ اور ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے موسیٰ! اہل دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو مار ڈالیں؛ اس لئے آپ (یہاں سے) نکل جائیے، یقین کریں کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں؛ ﴿۲۰﴾ چنانچہ موسیٰ ڈرتے ہوئے اور (حالات کا) جائزہ لیتے ہوئے وہاں سے چل پڑے، موسیٰ نے دُعا کی: اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے بچا لیجئے۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اعتراف پیغمبرانہ خشیت کا مظہر ہے؛ کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد فرعون کی قوم کے اس شخص کو مار ڈالنا نہیں تھا، صرف تنبیہ مقصود تھی، جو گناہ کے دائرہ میں نہیں آتی تھی، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ جیسے گناہ کرنے کی ممانعت ہے، اسی طرح گناہ کے کاموں میں مدد کرنا بھی جائز نہیں۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ
مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ
مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ
تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ
عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ
عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ۗ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب موسیٰ نے مَدْیَن کی طرف رُخ کیا تو کہنے لگے: اُمید ہے کہ مجھ کو میرے پروردگار صحیح راستے پر لے جائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۲۲﴾ اور جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو وہاں لوگوں کا ایک مجمع دیکھا جو (مویشیوں کو) پانی پلا رہا تھا اور دیکھا کہ ان سے الگ دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے ہوئے کھڑی ہیں، موسیٰ نے کہا: تم لوگوں کا کیا مسئلہ ہے؟ دونوں کہنے لگیں: چرواہے (پانی پلا کر) چلے جاتے ہیں، تب ہم پانی پلایا کرتے ہیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں (اس لئے وہ خود نہیں آسکتے) ﴿۲۳﴾ چنانچہ موسیٰ نے ان لڑکیوں کے جانور کو پانی پلا دیا، پھر ہٹ کر سایہ کی طرف آگئے اور دُعا کرنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ مجھے جو بھی نعمت بھیج دیں، میں اس کا محتاج ہوں ﴿۲۴﴾ پھر ان دونوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی جو شرمائی ہوئی چل رہی تھی، اس نے کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں؛ تاکہ آپ نے ہمارے جانور کو جو پانی پلایا ہے، آپ کو اس کی اُجرت ادا کر دیں، ﴿۲﴾ پھر جب موسیٰ ان کے پاس آئے اور ان سے حالات بیان کئے تو انھوں نے کہا: ڈرو مت، تم ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہو۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے یار و مددگار بغیر توشہ اور سواری کے مدین کی طرف نکل پڑے، یہاں تک کہ شہر کا راستہ بھی معلوم نہیں تھا؛ لیکن اللہ پر بھروسہ کر کے آپ نے رختِ سفر باندھ لیا، مدین کا انتخاب آپ نے اس لئے فرمایا کہ مدین کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور یہاں فرعون کی حکومت نہیں تھی، اس لئے بجا طور پر وہ توقع رکھتے تھے کہ یہاں انھیں ہمدردی حاصل ہوگی اور ان کا تحفظ ہو سکے گا۔

﴿۲﴾ غرض کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دُعا کی تھی کہ میں آپ کی نعمت کا محتاج ہوں، فوراً ہی یہ دُعا قبول ہوئی؛ چنانچہ تورات میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کھانے پر مدعو فرمایا، (خروج: ۲: ۱۸، ۲۰) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ بات اخذ کی ہے کہ اگر کوئی عمل اُجرت کے لئے نہیں کیا جائے؛ لیکن جس شخص کو نفع پہنچا، وہ کچھ دیدے اور اسے قبول کر لیا جائے تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔ (دیکھئے: بیان القرآن: ۲/ ۲۱۵)

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ
اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ
عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ
بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ فَلَمَّا ع ۳/۶
قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ
نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ
شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓي اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾

ان میں سے ایک لڑکی نے کہا: ابا جان! ان کو ملازم رکھ لیجئے، بہترین شخص جس کو آپ ملازم رکھیں، وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور امانت دار بھی ﴿۲۶﴾ لڑکیوں کے والد (حضرت شعیب) نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا اس شرط پر تمہارے ساتھ نکاح کر دوں کہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو گے، پھر اگر تم دس پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان ہوگا) اور میں تم کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا، انشاء اللہ تم مجھے اچھا معاملہ کرنے والا پاؤ گے ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: میرے اور آپ کے درمیان یہ بات پکی ہوگئی، میں ان دونوں میں سے جو بھی مدت پوری کروں، مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور جو کچھ ہم بات چیت کر رہے ہیں، اللہ اس پر گواہ ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۸﴾ پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہوئے تو طور نامی پہاڑ کی طرف سے ایک آگ دکھائی دی، اس نے اپنی بیوی سے کہا: تم ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں تمہارے پاس کوئی خبر یا آگ کا کوئی شعلہ لے کر آسکوں؛ تاکہ تم تاپ سکو ﴿۲۹﴾ پھر جب موسیٰ وہاں پہنچے تو ان کو اس میدان کے دائیں کنارے کے مبارک مقام کے ایک درخت میں سے آواز آئی: اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، یعنی تمام جہانوں کا رب۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ایک مقررہ مدت کی خدمت کو مہر بنایا جاسکتا ہے؛ (قرطبی: ۱۳/ ۲۷۳) البتہ ضروری ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر مقرر نہ کیا جائے؛ کیوں کہ یہ شوہر و بیوی کے حیثیت و مرتبہ کے خلاف ہے، (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب النکاح: ۳/ ۱۱۹) دوسرے: اجارہ کی جو بھی شکل ہو خواہ کسی آدمی سے ملازمت کا معاملہ طے ہو، یا کسی مکان یا سواری وغیرہ سے استفادہ کا، اس میں دونوں باتوں کا متعین ہونا ضروری ہے، اُجرت کیا ہوگی اور کام کی مدت کیا ہوگی؟

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی آواز آئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محسوس ہوا کہ اس آواز کا مرکز زیتون کا درخت ہے، سورۂ نمل، آیت نمبر: ۸ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا
تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ
وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۳۲ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳ وَاَخِيْ
هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۳۴ قَالَ
سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ڔ بِاٰيٰتِنَآ ڔ اَنْتُمَا وَمَنِ
اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝۳۵ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى
وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۶

تم (زمین پر) اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا تو ایسا لگا جیسے کوئی پتلا سانپ لہرا رہا ہو؛ چنانچہ موسیٰ منھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا (اللہ نے کہا:) اے موسیٰ! آگے آؤ، اور ڈرو مت، تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو، ۳۱ اپنے ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ کسی بیماری کے بغیر بالکل سفید ہو کر نکلے گا، ﴿۱﴾ اور ڈر لگے تو اپنا بازو اپنے جسم سے ملا لینا (تو پھر ہاتھ اصل حالت پر آجائے گا) پس، تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے پیش کرنے کے لئے یہ دو معجزات ہیں، یقیناً وہ لوگ بڑے نافرمان ہیں ۳۲ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو (غلطی سے) قتل بھی تو کر دیا تھا؛ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ مجھے مار ہی نہ ڈالیں ۳۳ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے؛ لہٰذا میری مدد کے لئے ان کو بھی رسول بنا دیجئے، جو میری تصدیق کیا کریں گے؛ کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے ۳۴ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: ہم تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو ایسی شوکت عطا فرمائیں گے کہ وہ لوگ تم تک پہنچ نہیں سکیں گے، ہمارے معجزات لے کر جاؤ، تم دونوں اور تمہاری پیروی کرنے والے ہی غالب رہیں گے ۳۵ پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلے ہوئے معجزات لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے: ''یہ تو محض ایک جادو ہے، جو گھڑا گیا ہے (کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے) اور ہم نے نہیں سنا کہ ایسی بات ہمارے اگلے باپ داداؤں کے وقت میں بھی کبھی ہوئی ہو'' ۳۶

﴿۱﴾ تورات میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برف کی مانند سفید مبروص تھا، (خروج، باب: ۴، آیت نمبر: ۶) یعنی ایسا لگتا تھا کہ جیسے آپ کے ہاتھ میں برص کی بیماری ہو، قرآن مجید نے ''من غیر سوء'' (کسی بیماری کے بغیر) کہہ کر تورات کے بیان کی غلطی کو واضح کر دیا۔

وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ لِیْ
يٰهَامٰنُ عَلَی الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی ۙ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾
وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ
وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً
يَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

موسیٰ نے کہا: ''میرے پروردگار اس شخص کو خوب جانتے ہیں، جو اللہ کے پاس سے ہدایت کی بات لے کر آیا ہے
اور جس کے لئے آخرت کا بہترین انجام ہے، یقیناً ظلم وستم کرنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے'' ﴿۳۷﴾ فرعون نے کہا:
''اے درباروالو! مجھ کو تو نہیں معلوم کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا بھی ہے؛ لہٰذا اے ہامان! میرے لئے مٹی (کی
کچی اینٹوں) کو آگ میں پکاؤ، پھر (پکی ہوئی اینٹوں سے) میرے لئے ایک بلند عمارت بنادو، شاید میں (اس پر
چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو جھانک سکوں اور میرا خیال ہے کہ وہ یقیناً جھوٹا ہے'' ﴿۱﴾ ﴿۳۸﴾ فرعون اور اس کا لشکر دنیا میں
ناحق تکبر کرنے لگا تھا اور ان کو خیال ہو گیا تھا کہ ان کو لوٹ کر ہماری طرف آنا نہیں ہے ﴿۳۹﴾ چنانچہ ہم نے اس کو
اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا، تو دیکھ لو ظلم کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ﴿۴۰﴾ اور ہم نے ان کو سردار
بنایا تھا (مگر) وہ دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور قیامت کے دن کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا۔ ﴿۴۱﴾

﴿۱﴾ فرعون کے ذہن میں خدا کی یہی تصویر تھی کہ اگر اوپر کوئی اور خدا ہو گا بھی تو وہ بتوں کی طرح یا کسی مخلوق کی طرح اوپر بیٹھا ہوا ہوگا؛ اس لئے اس نے اپنی عوام کو متاثر کرنے کے لئے ہامان سے کہا کہ پختہ، مضبوط اونچی عمارت تعمیر کرو کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا پر تیر پھینکوں اور اس کا قصہ تمام کردوں، تفسیری روایات میں ہے کہ ہامان نے اس کام میں مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معماروں کو لگایا، مٹی کی اینٹیں پکائی گئیں، لکڑیوں کا انتظام کیا گیا، ضرورت کے مطابق کیلیں ٹھوکی گئیں اور اتنی اونچی اور پختہ عمارت بنائی گئی کہ دنیا میں اس سے پہلے ایسی عمارت نہیں بنی تھی، کوئی شخص اس عمارت کی آخری حد تک چڑھ نہیں پاتا تھا، مگر چوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان مقصود تھا اور امتحان میں بعض دفعہ خوب ڈھیل دی جاتی ہے؛ اس لئے فرعون نہ صرف اس پر چڑھنے میں کامیاب ہوا؛ بلکہ اس نے آسمان کی طرف ایک تیر بھی پھینکا، جو خون میں رنگا ہوا واپس آیا اور اس نے دعویٰ کر دیا کہ میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا ہے، یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ جب فرعون نے یہ کہا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس بلند قلعہ کو اپنے پَر سے ٹھوکر لگائی کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور وہ اس طرح گرے کہ فرعون کے لشکر کے ہزاروں لوگ موت کے منھ میں چلے گئے —— تاہم یہ سب کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہے، اسی لئے علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ روایات کہاں تک صحیح ہیں؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۲۸۹)

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا
مُوْسَی الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ
یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ
الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ
مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اٰتٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾
وَلَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا
فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے اِس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں ہوں گے ﴿۴۲﴾ اور پچھلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی، ﴿۱﴾ جو لوگوں کے لئے بصیرت کا سامان، ہدایت کا ذریعہ اور سراپا رحمت تھی؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۴۳﴾ (اے رسول!) اور آپ (طور کے) مغربی جانب میں اس وقت موجود نہیں تھے، جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے اور نہ آپ (اس کے) دیکھنے والوں میں تھے ﴿۴۴﴾ اور لیکن (موسیٰ کے بعد بھی) ہم نے کئی کو پیدا کیا، پھر ان پر لمبی مدت گذر گئی اور آپ مدین والوں میں بھی نہیں رہا کرتے تھے، کہ آپ (ان آنکھوں دیکھے واقعات پر مشتمل) ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے؛ لیکن ہم ہی رسول بھیجتے رہے ہیں ﴿۲﴾ ﴿۴۵﴾ اور جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تو اس وقت بھی آپ طور کے کنارے موجود نہیں تھے، آپ اپنے رب کی رحمت سے (نبی بنائے گئے) تاکہ آپ ان لوگوں کو (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرائیں، جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۴۶﴾ اور اگر ہم رسول نہ بھیجتے، پھر ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آجاتی تو وہ کہتے: ''اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کے احکام کی پیروی کرتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہوتے؟'' ﴿۳﴾ ﴿۴۷﴾

﴿۱﴾ یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام وغیرہ کی قومیں۔

﴿۲﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو یہ واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان واقعات کے پیش آنے کے وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا نبی ہونا برحق ہے اور جس خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب اُتاری تھی، وہی خدا ہے جس نے آپ پر بھی اپنی کتاب اُتاری ہے۔

﴿۳﴾ بظاہر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جزیرۃ العرب میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گئے، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَ لَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ
اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ
فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
ع ۵/۸ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِیْنَ
النصف اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا
وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ
وَقَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴿۵۵﴾

اب جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپہنچا ہے تو کہتے ہیں: اس رسول کو اس طرح کا معجزہ کیوں نہیں ملا جو موسیٰ کو ملا تھا؟ کیا اس سے پہلے جو معجزہ موسیٰ کو عطا کیا گیا تھا، لوگوں نے اس کا بھی انکار نہیں کیا تھا؟ وہ کہنے لگے: یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون) جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کررہے ہیں اور وہ کہتے تھے: ہم دونوں کو نہیں مانتے ﴿۴۸﴾ آپ فرمادیجئے: اگر تم سچے ہو تو پھر تم ہی اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ، جو ہدایت دینے میں ان دونوں (تورات وقرآن) سے بہتر ہو کہ میں ہی اس کی پیروی کروں؟ ﴿۴۹﴾ پھر اگر وہ آپ کا مطالبہ پورا نہ کرپائیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشات کی پیروی کررہے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا، جو اللہ کی ہدایت کے بغیر (صرف) خواہش کی پیروی کیا کرے؟ یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے ﴿۵۰﴾ اور ہم ان کی طرف مسلسل اپنا کلام بھیجتے رہے ہیں؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۱﴾ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور جب ان پر (قرآن مجید کی) تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اِس (کتاب) پر بھی ایمان لائے، یقیناً یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم تو اس سے پہلے ہی سے مانے ہوئے ہیں ﴿۵۳﴾ یہی لوگ ہیں جن کو ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے دوہرا ثواب دیا جائے گا، وہ بھلائی کے ذریعہ برائی کو دُور کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ﴿۵۴﴾ اور جب کوئی بیکار بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرلیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہم تم کو سلام کرتے ہیں اور ہم ناسمجھوں کے ساتھ اُلجھنا نہیں چاہتے''۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۵﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۵۲ تا ۵۵ میں چند باتیں قابل توجہ ہیں، اول: یہ کہ جو پہلے سے یہودی یا نصرانی تھے اور اس وقت کے نبی پر ←

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾
وَقَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى
اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

(اے رسول!) آپ جس کو چاہیں، ہدایت پر نہیں لا سکتے ہیں؛ لیکن اللہ جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں اور اللہ ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو ہدایت کو قبول کریں گے ﴿۱﴾ ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں: اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت پر آجائیں تو ہم تو اپنی سرزمین سے اُچک لئے جائیں گے، کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم (کی سرزمین) میں جگہ نہیں دی، جہاں ہر چیز کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں؟ یہ ہماری ہی طرف سے عطا کی گئی روزی ہے؛ لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ ناسمجھ واقع ہوئے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۵۷﴾

← ایمان رکھتے تھے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تو ان کو دوہرا اجر حاصل ہوگا، یہ مضمون حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی آیا ہے، (مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۵۴) عام طور پر اس کا مطلب یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو ایک اجر سابق دین حق پر عمل کرنے کی وجہ سے ملے گا اور دوسرا اجر اُمت محمدیہ میں شامل ہونے پر؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر دو عمل پر دو اجر ملے تو اس میں کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؛ اس لئے مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ ایسے لوگوں کو ہر عمل پر دو اجر ملے گا، مثلاً نماز پڑھے تو دو نمازوں کا، روزہ رکھے تو دو روزوں کا، (معارف القرآن: ۶/ ۶۴۶) یہ دل لگتی ہوئی بات ہے، دوسرے: یہاں اہل کتاب کا قول نقل کیا گیا ہے: ''انا کنا من قبل مسلمین'' اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں، گویا ہر عہد میں اس عہد کے دین حق کو ماننے والا مسلمان ہے، یہ اور بات ہے کہ پچھلی قوموں نے اپنے لئے یہودی یا عیسائی وغیرہ کا نام منتخب کیا اور اُمت محمدیہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے اپنے لئے نام ہی 'مسلم' کا منتخب کیا، تیسرے: یہ کہ دین کی دعوت کے کام کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انتقام اور بدلہ کے بجائے تحمل اور درگذر سے کام لیں اور اگرچہ برائی کا جواب برائی سے دینے کی گنجائش ہے؛ لیکن وہ برائی کا جواب بھی بھلائی سے دیں، چوتھے: اگر کوئی شخص اُلجھنے کی کوشش کرے تو بحث کو طول دینے کی بجائے خاموشی اختیار کرلیں۔

﴿۱﴾ تقریباً تمام اہل علم کی رائے ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آپ کی آخری درجہ خواہش تھی کہ آپ ﷺ کے یہ محسن چچا ایمان لے آئیں؛ لیکن وہ ایمان نہیں لائے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۲۹۹) —— اگر ہدایت پیغمبروں کے ہاتھ میں ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد، حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اور رسول اللہ ﷺ کے محبوب چچا دولتِ ایمان سے محروم نہیں رہتے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کا ہدایت سے بہرہ ور ہونا اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے!

﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش کے بعض لوگ خاص کر حارث بن عثمان بن نوفل نے حضور ﷺ سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کی بات حق ہے؛ لیکن اگر میں اس پر ایمان لے آؤں تو عرب کے لوگ ہمیں اُچک لیں گے ←

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا
قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا
يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ ع ۶/۹
وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جن کو اپنے سامان عیش و عشرت پر ناز تھا، ہلاک کر دیا، اب یہ ان کے گھر ہیں، جو اُن کے بعد بہت کم ہی آباد ہو سکے اور (آخر) ہم ہی ان کے وارث بنے ﴿۵۸﴾ اور آپ کے پروردگار اس وقت تک بستیوں کو تباہ نہیں فرماتے، جب تک ان میں سے مرکزی شہر میں کوئی رسول نہ بھیج دیں، جو اُن کو ہمارے احکام سنائیں اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں، جب وہاں کے باشندے ظلم کرنے لگتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۵۹﴾ اور تم کو جو کچھ دیا گیا ہے، وہ (چند روزہ) دنیوی زندگی میں فائدہ اُٹھانے کے لئے ہے، اور یہیں کی رونق ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، کیا تم لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے؟ ﴿۶۰﴾ کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کر رکھا ہے، پھر وہ اس کو حاصل کرنے والا بھی ہے، اسی شخص کی طرح ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے اور پھر وہ قیامت کے دن پکڑ کر لایا جائے گا؟ ﴿۶۱﴾

← اور ہمارے اندر طاقت نہیں ہے کہ ہم اتنے سارے مخالفین کا مقابلہ کر سکیں، (قرطبی: ۱۳/ ۳۰۰) اللہ تعالیٰ نے اسی کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم کو اللہ کی قدرت پر بھروسہ نہیں ہے، غور کرو کہ پورا عرب قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے دوچار ہے؛ لیکن اسی خطہ میں اللہ تعالیٰ نے حرم کو امن کا گہوارہ بنا دیا ہے، یہ پورا علاقہ ریگستان ہے، جہاں ایک دانہ نہیں اُگتا؛ لیکن پھل جو اعلیٰ قسم کی غذا ہوتی ہے، وہ پوری دنیا سے یہاں چلے آرہے ہیں، کیا وہ خدا تمہاری تمہارے دشمنوں سے حفاظت نہیں کر سکتا؟

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی آبادی پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے، جب تک وہاں کسی نبی کو بھیج کر ان پر حجت پوری نہ ہو جائے اور نبی کو بھیجنے کے حکم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہاں اچھی طرح ان کی زبان میں نبی کی لائی ہوئی تعلیمات بھیجی جائیں؛ لیکن نبی ہر گاؤں دیہات میں نہیں بھیجے جاتے؛ بلکہ جس علاقہ میں نبی کو بھیجا گیا، وہاں کے مرکزی شہر میں بھیجا گیا، قرآن مجید میں جن انبیاء کرام کا ذکر آیا ہے، وہ ایسے ہی شہروں میں مبعوث فرمائے گئے، مکہ مکرمہ نہ صرف جزیرۃ العرب کا مرکزی شہر تھا؛ بلکہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے وہ پوری دنیا کے مرکز میں واقع ہے؛ اسی لئے اس مبارک شہر کو 'اُم القریٰ' کہا گیا ہے۔

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيۡنَ حَقَّ
عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا ۚ اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ مَا كَانُوۡۤا
اِيَّانَا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيۡلَ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَرَاَوُا
الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۶۵﴾
فَعَمِيَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ يَوۡمَئِذٍ فَهُمۡ لَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَعَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِيۡنَ ﴿۶۷﴾ وَرَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ ؕ
سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۶۹﴾
وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡحَمۡدُ فِى الۡاُوۡلٰى وَالۡاٰخِرَةِ وَلَهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۷۰﴾

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر کہیں گے: میرے وہ شریک کہاں ہیں، جن (کے شریک ہونے) کا تم لوگ دعویٰ کیا کرتے تھے؟ ﴿۶۲﴾ تو جن لوگوں پر خدا کا فرمان ثابت ہو چکا ہوگا، وہ اقرار کریں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا، ہم نے ان کو بھی اسی طرح بھٹکایا جیسے ہم خود بھٹکے ہوئے تھے، ہم آپ کے سامنے ان سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں، وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے ﴿۶۳﴾ اور (ایمان نہ لانے والوں سے) کہا جائے گا: (لو اَب) اپنے شریکوں کو پکارو، وہ ان کو پکاریں گے، تو وہ ان کا جواب تک نہ دیں گے اور (اس وقت اپنی آنکھوں سے) عذاب دیکھ لیں گے، کیا اچھا ہوتا اگر یہ درست راستے پر آگئے ہوتے! ﴿۶۴﴾ اور جس دن ان سے اللہ پکار کر پوچھیں گے کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟ ﴿۶۵﴾ تو اس دن ساری باتیں ان سے گم ہو کر رہ جائیں گی، وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ تاچھ بھی نہ کر سکیں گے ﴿۶۶﴾ تو جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور نیک عمل کیا، اُمید ہے کہ وہ یقیناً فلاح پانے والوں میں سے ہوگا ﴿۶۷﴾ اور آپ کے پروردگار جس چیز کو چاہتے ہیں، پیدا کرتے ہیں اور جس حکم کو چاہتے ہیں، پسند کرتے ہیں، اِن کو پسند کرنے کا کچھ اختیار نہیں، ﴿۱﴾ اللہ کی ذات پاک ہے اور ان کے شریک ٹھہرانے سے بلند و برتر ہے ﴿۶۸﴾ آپ کے رب اس بات کو بھی جانتے ہیں، جس کو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس بات کو بھی، جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، ﴿۶۹﴾ وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اسی کے ہاتھ میں فیصلہ ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۷۰﴾

﴿۱﴾ اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے کہ اللہ قادرِ مطلق ہیں اور جو بھی حکم دینا چاہیں دے سکتے ہیں، کسی کو ان پر اعتراض کا حق حاصل نہیں، اور اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ جس کو چاہتے ہیں، نبی بناتے ہیں؛ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا؟ غلط ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۵۰)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ
رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا
مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ ع ١٥ ١٠
مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ
كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾

آپ کہہ دیجئے: بھلا غور کرو، اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک ہمیشہ تم پر رات ہی رہنے دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو روشنی دے گا، پھر بھی کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ﴿٧١﴾ آپ فرمائیے! اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ تم پر دن ہی کر دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم پر رات لائے کہ تم اس میں آرام کرسکو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ﴿٧٢﴾ اور اللہ نے اپنی مہربانی سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے ہیں؛ تاکہ تم (رات میں) آرام کرو اور (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار رہو ﴿٧٣﴾ اور جس دن اللہ ان کو پکار کر فرمائیں گے: کہاں ہیں وہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے؟ ﴿٧٤﴾ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک گواہ الگ کرلیں گے ﴿١﴾، پھر ہم کہیں گے: اپنی دلیل لاؤ، تب وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی کی بات سچی تھی اور وہ جو کچھ گھڑا کرتے تھے، وہ سب باتیں ان سے لاپتہ ہوجائیں گی ﴿٧٥﴾ قارون موسیٰ ہی کی قوم (بنی اسرائیل) میں سے تھا (مگر) پھر بھی وہ ان پر ظلم کرنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں اُٹھانے میں کئی طاقتور مرد تھک جاتے تھے، جب اس سے اس کی قوم نے کہا: ''اِتراؤ مت، یقیناً اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے، ﴿٧٦﴾ اور اللہ نے تم کو جو (دولت) عطا فرمائی ہے، اس کے ذریعہ آخرت کی بھی جستجو کرو اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو، ﴿٢﴾ جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے، تم بھی بھلائی کرو، اور زمین میں فساد اور بگاڑ مت چاہو، یقیناً اللہ بگاڑ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے''۔ ﴿٧٧﴾

﴿١﴾ یعنی انبیاء کرام، جو اپنی اُمت کے خلاف گواہی دیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ١٣/ ٣٠٩)

←

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ
مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى
قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ
اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ
مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا
مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ
اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸/۱۱

تو قارون نے کہا: ''مجھے جو ہنر حاصل ہے، اسی کے ذریعہ مجھے یہ مال ملا ہے'' کیا اسے نہیں معلوم تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے کی نسلوں میں ایسے لوگوں کو تباہ و برباد کردیا، جو اس سے زیادہ طاقتور اور دولت جمع کرنے میں اس سے بڑھ کر تھے، اور مجرموں سے ان کے گناہ کے بارے میں دریافت بھی نہ کیا گیا جائے گا (کیوں کہ ان کے گناہ بالکل واضح ہوں گے) ﴿۷۸﴾ پھر قارون اپنے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ اپنے لوگوں کے سامنے نکلا، (یہاں تک کہ) جن لوگوں کو صرف دنیوی زندگی کی طلب تھی، وہ کہنے لگے: ''اے کاش! ہمیں بھی قارون کی طرح ساز وسامان ملا ہوتا، یقیناً یہ تو بڑا خوش نصیب ہے!'' ﴿۷۹﴾ اور جن لوگوں کو سمجھ عطا کی گئی تھی، انھوں نے (ایسا کہنے والوں سے) کہا: ''ہائے تمہاری بربادی! جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ کا دیا ہوا اجر وثواب اس کے لئے زیادہ بہتر ہے اور یہ بات ان ہی کو حاصل ہوتی ہے، جو ثابت قدم رہنے والا ہے'' ﴿۸۰﴾ چنانچہ ہم نے قارون کو اور اس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کی کوئی جماعت نہ تھی، جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا ﴿۸۱﴾ اور جن لوگوں نے کل اس جیسے ہونے کی آرزو کی تھی، آج کہنے لگے: ''ہائے رے (قارون کی) خرابی! اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں، زیادہ روزی دیتے ہیں اور جس پر چاہیں، روزی تنگ کردیتے ہیں، اگر اللہ نے ہم پر فضل وکرم نہ کیا ہوتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتے، ہائے خرابی (ہماری اس سوچ کی! حقیقت یہ ہے کہ) ایمان نہ لانے والوں کو فلاح حاصل نہیں ہوتی''۔ ﴿۱﴾ ﴿۸۲﴾

← ﴿۲﴾ اس سے اسلام کا اعتدال اور توازن معلوم ہوتا ہے، کہ جہاں حرص وطمع اور دنیا کو زندگی کا مقصود بنا لینے سے منع فرمایا گیا، وہیں یہ بات بھی فرمائی گئی کہ مناسب طور پر اور جائز حدود میں رہتے ہوئے دنیا سے نفع اُٹھانے میں بھی حرج نہیں۔

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۷۶ تا ۸۲ کا تعلق قارون سے ہے، قارون نہ صرف بنی اسرائیل میں سے تھا؛ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون کے ←

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

یہ آخرت کا گھر ہے، ہم یہ ان لوگوں کو عطا کریں گے جو زمین میں نہ اپنی بڑائی چاہتے ہوں اور نہ بگاڑ پیدا کرنا، اور (اللہ کی نافرمانی سے) بچنے والوں ہی کے لئے بہتر انجام ہے ﴿۸۳﴾ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا، اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو برا عمل لے کر آئے گا تو برائی کرنے والوں کو اتنی ہی سزا ملے گی، جتنی وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۸۴﴾

← دادا ایک ہی تھے، جن کا ذکر تفسیر کی کتابوں میں قاہث کے نام سے ملتا ہے اور تورات میں قہات کے نام سے، گویا قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا؛ لیکن جب بنی اسرائیل کی قیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ہاتھ میں آئی اور ان دونوں کو نبوت سے نوازا گیا تو قارون کے اندر حاسدانہ جذبہ نے انگڑائی لی، اللہ نے اس کو دولت سے بھی نوازا تھا اور اس کے خزانوں کی کنجیاں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کو اُٹھانے کے لئے کئی لوگ درکار ہوتے تھے، یہ قابل تعجب نہیں، اُس زمانہ میں آج کل کی طرح چھوٹے تالے اور اور کنجیاں نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ لکڑی کے بڑے بڑے تالے اور کنجی بنائے جاتے تھے، جیسا کہ اب بھی بعض میوزیموں میں قدیم زمانہ کے ایسے بڑے بڑے تالے ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے بھی نوازا تھا، وہ دنیا کے علوم کے ساتھ ساتھ تورات کا بھی بڑا عالم تھا، جو لوگ حسد اور احساس محرومی میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ اپنی جھوٹی دولت کا خوب اظہار کرتے ہیں؛ تاکہ جو عزت اخلاق اور عمل کے ذریعے حاصل نہ ہو پائی، اِس نمائش کے ذریعہ حاصل ہو جائے؛ چنانچہ قارون نے بھی ایسا ہی کیا اور بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنی دولت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے آیا، قوم کے نیک لوگوں نے اسے سمجھایا بھی کہ ایمان اور عمل صالح اصل ہے اور دولت پر اس طرح اِترانا نہیں چاہئے؛ لیکن قارون پر کبر وغرور کا ایسا نشہ چڑھا ہوا تھا کہ اس کو کوئی بات سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی تھی؛ بلکہ اس کا دعویٰ تھا کہ یہ دولت میں نے اپنے ہنر کے ذریعے حاصل کی ہے؛ چنانچہ قارون کو اس کی دولت اور اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا، بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے پہلے اس کی دولت کے مظاہرہ کو دیکھ کر تمنا کی تھی کہ کاش، ہم بھی قارون کی طرح ہوتے؛ لیکن جب قارون پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھا تو اپنی اس تمنا پر شرمندہ ہوئے اور اعتراف کیا کہ ہماری یہ سوچ غلط تھی، اگر ہم قارون کے ساتھ ہو لئے ہوتے تو ہم بھی اسی طرح ہلاک کر دیئے جاتے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۰۹-۳۱۹) —— قارون کے غرور اور اس کے دھنسائے جانے کا واقعہ بائبل میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے خلاف بغاوت کی تو بنی اسرائیل کے ڈھائی سو لوگ ان کے ساتھ ہو گئے، (گنتی، باب: ۱۶: ۲، ۳) اسی میں آگے زمین کے پھٹنے اور قارون کے نگل لئے جانے کا ذکر بھی آیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ
هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا
تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَادْعُ اِلٰی
رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ
ع ۹ ۶ ۱۲ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ الثلثة

یقیناً جس خدا نے آپ پر قرآن (کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے، وہ پھر آپ کو پہلی جگہ (یعنی مکہ مکرمہ) واپس لائیں گے، ﴿۱﴾ آپ کہہ دیجئے : میرے پروردگار کو خوب معلوم ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون کھلی ہوئی گمراہی میں ہے؟ ﴿۸۵﴾ اور آپ کو تو یہ اُمید نہیں تھی کہ آپ پر یہ کتاب اُتاری جائے گی، مگر یہ صرف آپ کے رب کی مہربانی سے آپ پر نازل کی گئی ہے، تو آپ ایمان نہ لانے والوں کی ذرا بھی تائید نہ کیجئے ﴿۸۶﴾ اور جب آپ پر اللہ کے احکام نازل ہو چکے تو اس کے بعد ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو اللہ کے احکام سے روک دیں اور اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہئے اور ہرگز شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جایئے ﴿۸۷﴾ نیز (آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، (دنیا و آخرت میں) اسی کی حکمرانی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۸۸﴾

﴿۱﴾ ہجرت کے موقع سے جب رسول اللہ ﷺ جُحفہ کے مقام پر پہنچے، جہاں سے مکہ کا راستہ الگ ہوتا تھا، تو آپ کے دل میں مکہ کی طرف واپسی کی آرزو پیدا ہوئی، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ آپ ﷺ کو مکہ واپس لے جائیں گے، (بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر : ۴۷۷۳) اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت نہ مکہ میں نازل ہوئی ہے نہ مدینہ میں، (تفسیر قرطبی : ۱۳/۳۲۱) اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت ایک معجزہ ہے، ایسے وقت جب کہ آپ ﷺ مکہ سے بے یار و مددگار نکلنے پر مجبور ہوئے، کیا کوئی تصور بھی کیا جاسکتا تھا کہ آپ پھر مکہ واپس آسکیں گے؟ لیکن اس آیت میں پوری تاکید کے ساتھ یہ بات فرمائی گئی کہ آپ ﷺ ضرور اپنے اصل ٹھکانہ یعنی مکہ کو لوٹائے جائیں گے ؛ چنانچہ بہت کم وقت میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، اس واقعہ کے ساتویں سال آپ ﷺ نے عمرہ فرمایا اور آٹھویں سال مکہ فتح ہو گیا، تو ہمیشہ کے لئے اس مبارک و محترم شہر کی تقدیر اسلام سے وابستہ ہوگئی۔

﴿۲﴾ غرض کہ جتنی مخلوقات ہیں، وہ سب فنا ہو کر رہیں گی، اس آیت میں ان فلاسفہ کی تردید ہوگئی، جن کا خیال ہے کہ روح اور مادہ یہ دونوں چیزیں قدیم ہیں، روح کبھی فنا نہیں ہوتی ؛ بلکہ ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور مادہ کبھی ختم نہیں ہوتا، صرف اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، ہندوؤں کے یہاں تناسخ (آواگون) کا نظریہ اسی فکر پر مبنی ہے ؛ لیکن قرآن کا تصور یہ ہے کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں جو لافانی ہو، صرف خالق تعالیٰ کی ذات ہی لافانی ہے۔

سُوۡرَةُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ

- سورہ نمبر : (۲۹)
- رکوع : (۶۹)
- آیتیں : (۷)
- نوعیت : مکی

عنکبوت کے معنی مکڑی کے ہیں، کسی بات کو سمجھانے کا ایک آسان طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مثالوں کے ذریعہ اس کو سمجھایا جائے؛ چنانچہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے شرک کرنے والوں کی مثال مکڑی کے جالوں سے دی ہے کہ جیسے مکڑی کا جالا کمزور و ناپائیدار ہوتا ہے، اسی طرح جو لوگ کفر وشرک میں مبتلا ہیں، ان کے اعمال بے فائدہ اور بے ثَبَات ہیں، آخرت میں انھیں کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔

اس سورہ میں یہ بات ذکر فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور ان کے متبعین کا بھی امتحان لیا کرتے ہیں، اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، انبیاء کیسی کیسی مصیبتوں سے گزرے اور بالآخر ان کی قوم ہلاک کردی گئی، اس سلسلہ میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے، مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور عرب کے معاشرہ میں جہاں کوئی نظم وضبط نہیں تھا، حرم شریف کی برکت سے اہل مکہ کو جو امن وامان حاصل تھا، اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، والدین کے حقوق کی اہمیت بتائی گئی ہے، اہل کتاب سے کس طرح مذاکرہ ہو اور انھیں دین کی طرف کیسے دعوت دی جائے، اس سلسلہ میں بھی ہدایت دی گئی ہے، بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت سے پہلے اس وقت نازل ہوئی ہے، جب جلد ہی ہجرت کا حکم دیا جانے والا تھا اور ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اہل کتاب کی طرف دین حق کی دعوت پیش کرنی تھی۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ الف ، لام ، میم ﴿۱﴾ ۝۱ کیا لوگوں کا
خیال ہے کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا ؟ ۝۲ حالاں کہ ہم
ان سے پہلے کے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں ، پس اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر بھی) سچوں کو اور جھوٹوں کو معلوم کر کے
رہیں گے ، ﴿۲﴾ ۝۳ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ، کیا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے ، کس قدر غلط ہے ان کا فیصلہ ! ۝۴

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات ہیں ، سورۂ بقرہ کے شروع میں اس کی وضاحت آچکی ہے ۔

﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں تو اہل ایمان کے لئے انعام ہی انعام ہے ؛ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بھی آزمائش کا نظام رکھا ہے ، اللہ پر یقین ، مصیبتوں سے دو چار ہونے کے باوجود دین کے اوپر ثابت قدمی اور اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کے سلسلے میں ان کا بھی امتحان لیا جاتا ہے ، حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کو تکیہ بنائے آرام فرمارہے تھے ، میں نے عرض کیا : کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے دُعا نہیں کرتے ؟ آپ نے فرمایا : تم سے پہلے بعض لوگوں کو زمین کھود کر گاڑ دیا جاتا تھا ، پھر ان کے سر پر آرا رکھ کر چیر دیا جاتا تھا ، اور ان کے جسم کے دو حصے کر دیئے جاتے تھے ، لوہے کی کنگھی سے ان کے گوشت اور ان کی ہڈیاں چھیل دی جاتی تھیں ، اس کے باوجود وہ اپنے دین سے ہٹتے نہیں تھے ، اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو غلبہ عطا فرمائیں گے ، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک اس طرح سفر کرے گا کہ اللہ کے سوا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیوں کے سوا ان کو کسی اور چیز کا خوف نہیں رہے گا ؛ لیکن تم لوگ جلد بازی سے کام لیتے ہو ، (بخاری ، عن خباب بن ارت ، کتاب المناقب ، باب علامات النبوۃ فی الاسلام ، حدیث نمبر : ۳۶۱۲) اسی طرح حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے ، پھر جو اُن کے بعد نیک لوگ ہوں ، پھر جن کا درجہ اُن کے بعد ہوں ، آدمی اپنے دین کے اعتبار سے آزمایا جاتا ہے ، اگر وہ دین میں سخت ہے تو اس کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے ، اور کم درجہ کا ہے تو اسی لحاظ سے اس کی آزمائش ہوتی ہے ، (ترمذی ، کتاب الزہد ، حدیث نمبر : ۲۳۸۹) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد واضح کرتا ہے کہ اِس وقت مسلمان پوری دنیا میں جس آزمائش سے گذر رہے ہیں ، وہ باعث تعجب نہیں اور اس سے گھبرانا نہیں چاہئے —— یہ جو فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو معلوم کریں گے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے اس بات سے واقف ہیں کہ آپ کے بندوں میں کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں ؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عملی طور پر اس کو ظاہر کر دینا چاہتے ہیں ؛ تاکہ خود مسلمان بھی اس بات سے واقف ہو جائیں کہ کون لوگ مخلص ہیں اور کون منافق ؟

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

جس کو اللہ سے ملاقات کی اُمید ہو تو (وہ جان لے) کہ اللہ کا وعدہ یقینی طور پر پورا ہونے والا ہے، اور اللہ سب کچھ سنتے اور جانتے ہیں ۝۵ اور جو شخص (دینِ حق کے لئے) محنت کرتا ہے تو وہ اپنے ہی (فائدہ کے) لئے محنت کرتا ہے، یقیناً اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہیں ۝۶ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، ہم ان سے ان کے گناہوں کو دور کردیں گے اور ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائیں گے ﴿۱﴾ ۝۷ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی اور (ہاں!) اگر وہ تم پر زور دیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو (اس سلسلہ میں) ان کی بات نہ ماننا، میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے تو میں تم کو ان سب اعمال سے آگاہ کردوں گا، جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۲﴾ ۝۸

﴿۱﴾ یعنی نیک عمل پر آخرت میں اجر تو حاصل ہوگا ہی، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض نیک اعمال گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس سے اعضاءِ وضو سے صادر ہونے والے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، (مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء، حدیث نمبر: ۲۴۴) اور جیسے صدقہ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، (ترمذی، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۱۴) اس طرح کی بعض اور روایتیں بھی ہیں، ان اعمال کی وجہ سے صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ معاف ہوجاتے ہیں؛ لیکن نیک اعمال ہی میں ایک اہم عمل 'توبہ' ہے، جس سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہوجاتا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی والدہ سخت ناراض ہوئیں اور انھوں نے کہا کہ یا تو تم اس دین سے باز آجاؤ یا میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے، تو لوگ تم کو عار دلائیں گے اور کہیں گے: اے اپنی ماں کے قاتل! حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بڑے فرمانبردار تھے؛ لیکن یہاں مسئلہ اللہ اور اس کے رسول کے رشتہ اور ماں کے رشتہ کا تھا، اس لئے فرمایا: اے میری ماں! اگر آپ کی سو جانیں ہوں اور ایک ایک جان نکلتی چلی جائے تب بھی میں اس دین سے باز آنے والا نہیں ہوں، آخر وہ کھانے پینے لگیں، (الدر المنثور: ۶/۵۲۱) اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، اس سے اُصول معلوم ہوا کہ اگر ماں باپ کسی ایسی بات کا حکم دیں، جو شریعت میں جائز نہیں ہے، جیسے کہیں کہ ڈاڑھی نہ رکھو، نماز نہ پڑھو وغیرہ، تو اس میں ماں باپ کی بات نہیں مانی جائے گی اور جب ایسے اُمور میں ماں باپ کی فرمانبرداری نہیں ہے تو دوسرے رشتہ دار جیسے شوہر، بیوی یا حاکم اور ذمہ دار یا دوست اور احباب کی بات ماننا بدرجۂ اولیٰ جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ خالق کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کرنا جائز نہیں۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۹﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ
لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمۡ ؕ اَوَ لَیۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِیۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰﴾ وَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِیۡلَنَا
وَلۡنَحۡمِلۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰهُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّهُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۲﴾
وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ۫ وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ع ۱۳

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، ہم ضرور ان کو نیک لوگوں میں داخل کریں گے، (جن کا مقام جنت ہوگا) ﴿۹﴾ اور بعض لوگ کہہ تو دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب ان کو اللہ کے راستے میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کے تکلیف پہنچانے کو ایسا سمجھ بیٹھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا عذاب، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں، کیا یہ حقیقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بھی جانتے ہیں، جو دنیا والوں کے سینوں میں چھپی ہوئی ہیں؟ ﴿۱۰﴾ اور اللہ تعالیٰ (آزمائش کے ذریعہ) مخلص ایمان والوں کو اور منافقین کو معلوم کر کے رہیں گے ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾ جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ ایمان والوں کو کہتے ہیں: تم لوگ ہمارے راستے کی پیروی کرو، تمہارے گناہوں (کا بوجھ) ہم اُٹھالیں گے؛ حالاں کہ وہ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں اُٹھا سکتے، یقیناً وہ جھوٹے ہیں ﴿۱۲﴾ البتہ یہ لوگ اپنے (گناہوں کے) کا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ ساتھ (دوسروں کے گناہوں کے) کچھ بوجھ بھی اُٹھائے ہوئے ہوں گے، اور یہ لوگ جو جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے، قیامت کے دن اُن سے اس کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ منافقین کا ایک گروہ مکہ مکرمہ میں بھی تھا، یہ ایمان لے آتے تھے؛ لیکن ایمان پر ثابت قدم نہیں رہتے تھے، ذرا بھی کچھ تکلیف پہنچائی گئی تو مرتد ہوجاتے تھے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۳۰) ان سے خطاب ہے کہ انسانوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو اللہ کے اِس عذاب کے درجہ میں نہیں رکھنا چاہئے، جو کفر کی وجہ سے آخرت میں ہونے والا ہے، آیت نمبر: ۱۰ کے آخر میں جو بات فرمائی گئی کہ ''اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے واقف ہیں'' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں کا اسلام سے پھر جانا صرف زبان سے نہیں تھا، دل سے تھا، اگر دل ایمان پر مطمئن ہوتا اور ایذاء رسانی سے بچنے کے لئے صرف زبان سے کلمہ کفر کہہ دیتے تو اس کی گنجائش تھی، جیسا کہ خود قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (النحل: ۱۰۶)

﴿۲﴾ ولید بن مغیرہ وغیرہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم کو آخرت ہی کا تو خوف ہے، تو اول تو ہم لوگ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، اور اگر کئے گئے تو تمہارے گناہ کا بوجھ بھی ہم اپنے اوپر اُٹھالیں گے، اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۳۱) ←

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ
الطُّوۡفَانُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَاَصۡحٰبَ السَّفِیۡنَةِ وَجَعَلۡنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبۡرٰهِیۡمَ
اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا
تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡکًا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا
یَمۡلِکُوۡنَ لَکُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡکُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾
وَاِنۡ تُکَذِّبُوۡا فَقَدۡ کَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِکُمۡ ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، وہ پچاس کم ایک ہزار سال ان کے درمیان رہے، پھر ان کی قوم کو (ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے) طوفان نے پکڑ لیا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ البتہ ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا اور ہم نے اُس کشتی کو تمام دنیا والوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا ﴿۱۵﴾ اور ہم نے ابراہیم کو بھی بھیجا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو سمجھ لو کہ) یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۱۶﴾ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو، تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پوجا کرتے ہو، وہ تمہیں روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے؛ اس لئے اللہ ہی سے روزی طلب کرو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو، پھر تم سب کو اسی کی طرف واپس ہونا ہے ﴿۱۷﴾ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے بھی بہت سی اُمتیں (پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں اور رسول کی ذمہ داری تو صرف صاف طور پر (اللہ کا پیغام) پہنچا دینا ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۸﴾

← جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرت میں کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ تو نہیں اُٹھا سکے گا اور ہر گنہگار کو خود اپنی سزا بھگتنی پڑے گی؛ لیکن جو لوگ اس طرح کی بات کہہ کر دوسروں کو گناہ پر اُکساتے ہیں، ان کو یقیناً دوہرا گناہ ہوگا، ایک: اپنے عمل کا، دوسرے: اپنے پیروی کرنے والوں کو گناہ کی دعوت دینے کا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دوسرے کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کو دوسرے شخص کے عمل کا بھی ثواب حاصل ہوتا ہے، اس کے بغیر کہ اصل عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی ہو، اسی طرح جو شخص گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے، تو اس کے دعوت دینے کی وجہ سے وہ جس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اس شخص پر بھی اس کا عذاب ہوگا، بغیر اس کے کہ اصل عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی ہو۔ (نسائی، باب التحریض علی الصدقۃ، حدیث نمبر: ۲۵۵۴)

﴿۱﴾ حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پہلے اللہ کی طرف سے لوگوں کی عمریں زیادہ ہوا کرتی تھیں، شاید اس کی مصلحت یہ تھی کہ اس وقت دنیا میں آبادی بہت کم تھی اور آبادی کو بڑھانا مقصود تھا، پھر جب آبادی بڑھ گئی اور دنیا پوری طرح بسادی گئی تو عمریں کم ہوگئیں، تورات میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ساڑھے نو سو برس کی بتائی گئی ہے اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ طوفان نوح کے واقعہ کے بعد آپ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، (پیدائش: ۹:۲۹) —— حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۵۹-۶۴ میں آچکا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی دعوت کا واقعہ سورۂ انبیاء، آیت نمبر: ۵۱-۷۰ میں گذر چکا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ
فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۲ ۱۴
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ
جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ
النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتے ہیں، ﴿۱﴾ پھر اللہ ہی اس کو دوبارہ بھی پیدا کریں
گے، اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بہت ہی آسان ہے ﴿۱۹﴾ آپ فرما دیجئے: تم لوگ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس
طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا فرمایا ہے، پھر اللہ دوسری بار بھی پیدا فرمائیں گے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۲۰﴾ جس کو
چاہیں عذاب دیں اور جس پر چاہیں مہربانی فرما دیں، تم سب ان ہی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ﴿۲۱﴾ نہ تم زمین میں
خدا کو عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کام بنانے والا ہے اور نہ کوئی مددگار ﴿۲۲﴾ اور جن
لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور اس سے ملاقات (یعنی آخرت) کا انکار کر دیا ہے، وہ میری رحمت سے نا اُمید
ہوں گے ﴿۲﴾ اور ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ﴿۲۳﴾ ابراہیم کی قوم کا صرف یہی جواب ہوتا کہ کہتے: اس کو
مار ڈالو یا جلا دو، پس، اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچا لیا، یقیناً اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں
جو ایمان رکھتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور ابراہیم نے کہا: یہ جو تم لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو (معبود) بنا لیا ہے، یہ دنیوی زندگی
میں تمہاری آپسی دوستی کی وجہ سے ہے، ﴿۳﴾ پھر قیامت کے دن تم ہی میں ایک دوسرے کا انکار کرے گا، ایک
دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور تم لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور (وہاں) کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ بعض فلاسفہ کا خیال ہے کہ دنیا کی کوئی ابتدا نہیں، وہ ازل سے ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے اس کی تردید ہوتی ہے
اور بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا پہلے نہیں تھی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی۔

﴿۲﴾ یعنی آخرت میں ان کو میری رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

﴿۳﴾ یعنی جو لوگ شرک کرنے والے ہیں، وہ اس غلط کام کو اس لئے کر رہے ہیں کہ اپنے دوستوں کی بات مانی جائے اور ان سے
تعلقات بنے رہیں؛ لیکن جب آخرت میں اللہ کے عذاب کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وقف لازم
وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ
لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ
اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ
الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾
قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳/۸ ۱۵

چنانچہ لوط نے ابراہیم کی تصدیق کی اور ابراہیم نے کہا: میں تو وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں، یقیناً وہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے ﴿۲۶﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمایا اور ان کی نسل میں نبوت اور (آسمانی) کتاب کو قائم رکھا ﴿۱﴾ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عطا فرمایا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے ﴿۲۷﴾ اور ہم نے لوط کو بھی بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: یقیناً تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو، جس کا ارتکاب تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی شخص نے نہیں کیا ﴿۲﴾ ﴿۲۸﴾ کیا تم (اپنی نفسانی خواہشات کے لئے) مردوں پر ٹوٹے پڑتے ہو، ڈاکہ ڈالتے ہو اور اپنی مجلس میں (علی الاعلان) برا کام کیا کرتے ہو، ﴿۳﴾ مگر ان کی قوم کا یہی جواب ہوتا کہ وہ کہتے: اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ، ﴿۲۹﴾ لوط نے کہا: اے میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے بارے میں میری مدد فرمائیے۔ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ چنانچہ تمام انبیاء بنی اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے، اور یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے۔

﴿۲﴾ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۸۰-۸۴ میں گذر چکا ہے۔

﴿۳﴾ غرض کہ قوم لوط کا ایک بڑا جرم ہم جنسی تو تھا ہی؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی برائیاں تھیں، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ راستے چلنے والوں پر حملے کرتے تھے، ان کے مال تو لوٹتے ہی تھے، بعض مفسرین کے بقول وہ خود مسافروں کو بھی اُٹھالے جاتے تھے اور ان کے ساتھ بدفعلی کرتے تھے، ایک اور برائی یہ تھی کہ وہ نہ صرف برائی میں مبتلا تھے؛ بلکہ علی الاعلان لوگوں کے سامنے برائی اور خاص کر ہم جنسی کے مرتکب ہوتے تھے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۴۱) معلوم ہوا کہ گناہ تو بہر حال گناہ ہے ہی؛ لیکن اگر گناہ علی الاعلان کیا جائے تو یہ اور بھی بڑا جرم ہے؛ کیوں کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس کو گناہ سمجھتا ہی نہیں، اور اس کے اندر شرم وحیاء کی کوئی رمق باقی نہیں، فقہاء نے اس سلسلے میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ فرمایا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ قضا نماز باقی ہو اور وہ اس کو ادا کرنا چاہے تو خاموشی سے ادا کرلے، اعلان اور اظہار نہ کرے؛ کیوں کہ یہ بھی اپنے گناہ کا اظہار ہے۔ (شامی: ۱/۳۹۱)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا
كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا
امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا
وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا
مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا
مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) خوشخبری لے کر ابراہیم کے پاس آئے تو فرشتوں نے کہا: ہمیں اس بستی والوں کو ہلاک کردینا ہے، یقیناً اس بستی کے باشندے زیادتی کرنے والے ہیں ﴿۳۱﴾ ابراہیم نے کہا: اس بستی میں لوط بھی تو ہیں؟ فرشتوں نے جواب دیا: اس بستی میں جو لوگ ہیں ہم ان سب سے خوب واقف ہیں، ہم لوط کو اور ان کے لوگوں کو بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے، جو رہ جانے والوں میں سے ہوگی ﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ غم زدہ ہوگئے اور ان کو دیکھ کر دل تنگ ہونے لگا، فرشتوں نے کہا: آپ نہ ڈریں اور نہ غم کریں، آپ کی بیوی کے سوا جو رہ جانے والوں میں سے ہوگی، ہم آپ کو اور آپ کے لوگوں کو بچالیں گے ﴿۳۳﴾ ہم کو اِس بستی والوں پر اُن کی بدکاریوں کی وجہ سے ایک آسمانی عذاب نازل کرنا ہے ﴿۳۴﴾ اور ہم نے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں کے لئے باقی رہنے دیا ہے، جو عقل رکھتے ہیں ﴿۳۵﴾ اور ہم نے مدْیَن کی طرف ان ہی کے بھائی شعیب کو بھیجا، شعیب نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، قیامت کے دن سے ڈرو، ﴿۱﴾ اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو ﴿۳۶﴾ پھر ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلا دیا، تو زلزلہ نے آ پکڑا، آخر وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ ﴿۳۷﴾

﴿۱﴾ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے: ''اخشوا الآخرۃ'' اسی لحاظ سے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کا یقین کرو، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳؍۳۴۳) ـــــ حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل مدین کا واقعہ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۸۵-۹۳ میں گذر چکا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۙ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى
بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۚ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ
الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ
شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

وقف لازم

ع ۴ ۱۶

اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کردیا، تم پر ان کا حال ان کے (اُجڑے ہوئے) گھروں سے ظاہر ہو چکا ہے،
شیطان نے ان کو ان کے برے اعمال کو خوشنما بنا کر دکھادیا تھا اور ان کو (سیدھے) راستہ سے روک دیا تھا؛
حالاں کہ وہ لوگ ہوشیار بھی تھے ﴿۳۸﴾ اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کردیا، جن کے پاس موسیٰ کھلی
ہوئی دلیلیں لے کر آئے، پھر بھی ان لوگوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہم سے) بھاگ نہ سکے ﴿۳۹﴾ غرض کہ ہم نے
ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیا، تو بعضوں پر ہم نے پتھر برسائے، بعضوں کو ہولناک چیخ نے پکڑ لیا، بعض کو
زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ڈبو دیا، اور اللہ ایسے نہیں تھے کہ ان پر ظلم کریں؛ لیکن یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم
کررہے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۴۰﴾ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست بنایا، ان کی مثال مکڑی کی ہے، جس نے
(جالے کا) گھر بنایا اور کوئی شبہ نہیں کہ سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے، کاش! ان لوگوں کو سمجھ ہوتی ﴿۲﴾ ﴿۴۱﴾
اللہ کے سوا وہ جس جس چیز کی پوجا کرتے ہیں، اللہ اس سے واقف ہیں اور وہ بڑی قدرت والے اور حکمت والے
ہیں ﴿۴۲﴾ ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں ﴿۴۳﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو
اور زمین کو مناسب طریقہ پر پیدا فرمایا ہے، یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔ ﴿۴۴﴾

﴿۱﴾ چنانچہ قوم لوط پر پتھر برسائے گئے، قوم ثمود اور اہل مدین کی ہلاکت ہولناک چیخ کی وجہ سے ہوئی، قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا، قوم نوح اور فرعون وہامان اور اس کی قوم کو پانی میں غرق کردیا گیا۔

﴿۲﴾ یعنی جیسے مکڑی کا جالا کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے، اسی طرح مشرکین کا کفر وشرک میں مبتلا ہونا ناپائیدار گھر تعمیر کرنے کی طرح ہے، جو آخرت میں ذرا بھی کام نہ آسکے گا۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا
وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶

(اے رسول!) جو کتاب آپ کی طرف اُتاری گئی ہے، اس کی تلاوت فرمایئے اور نماز کی پابندی کرتے رہیئے، یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی رہتی ہے ﴿۱﴾ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، ﴿۲﴾ اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہیں، ۝۴۵ اہل کتاب سے ایسے طریقہ سے بحث کیا کرو، جو سب سے بہتر ہو، ہاں اُن میں سے جو زیادتی کرے (تو ان کو اسی کے مطابق جواب دے سکتے ہو) اور کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان لائے، جو ہماری طرف اُتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر بھی جو تمہاری طرف اُتاری گئی ہیں، نیز ہمارے اور تمہارے معبود ایک ہی ہیں اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ ﴿۳﴾ ۝۴۶

﴿۱﴾ یعنی جو شخص نماز کا پابند ہوگا اور اس کو اس کے حق کے ساتھ ادا کرے گا، وہ بے حیائی اور برائی سے بچا رہے گا، جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے، کہ مسجد اور نماز کے پابند لوگ بمقابلہ عام لوگوں کے بہت سے گناہوں سے بچے رہتے ہیں، اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اور گناہ بھی کرتا ہو تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں؛ کیوں کہ نماز کی یہ خصوصیت اس وقت ہے جب نماز خشوع وخضوع اور اس کے تمام آداب کے ساتھ پڑھی جائے، اگر نماز پڑھنے کے باوجود وہ گناہ میں مبتلا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ نماز کو اس کے حقوق و آداب کے ساتھ نہیں ادا کرتا ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی بیمار کو دوا دی جائے، وہ دوا اس طریقے پر نہ کھائے جس طریقہ پر کھانے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس کو فائدہ نہ ہو تو یہ دوا کا نقص نہیں؛ بلکہ دوا کھانے والے کا قصور ہے —— اس کا ایک مطلب یہ بھی بتایا گیا کہ نماز گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے کوئی شخص دن بھر میں پانچ دفعہ غسل کرے تو اس کے بدن پر کوئی میل باقی نہیں رہے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص پانچ وقت نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتا رہے تو اس کی وجہ سے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیں گے۔ (بخاری، عن ابی ہریرۃ، باب الصلوات الخمس کفارۃ، حدیث نمبر: ۵۰۵)

﴿۲﴾ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرنا بہت بڑا عمل ہے، خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، اور نماز خود بھی اللہ کے ذکر ہی کی ایک شکل ہے: ''أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ'' (طٰہٰ: ۱۴) —— دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے، جو حضرت عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، ابودرداء، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے منقول ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور بندہ کے لئے اس سے بڑھ کر اعزاز وشرف کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرمائیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۴۹)

﴿۳﴾ اس آیت میں دعوت کے بنیادی اُصول کی رہنمائی کی گئی ہے کہ مذہبی معاملات میں جب کسی سے بحث اور مذاکرے کی ←

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ
يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا
تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے، تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی ہے، وہ تو اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ان (مکہ والوں) میں بھی بعض لوگ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو کفر پر جمے ہوئے ہیں ﴿۴۷﴾ اور آپ تو اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کوئی کتاب لکھ سکتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو حق کا انکار کرنے والے شبہ میں پڑ سکتے تھے؟ ﴿۱﴾ ﴿۴۸﴾ بلکہ یہ واضح آیتیں ہیں، جو ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں، جنھیں علم دیا گیا ہے اور ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ ﴿۴۹﴾

← نوبت آئے تو بہتر سے بہتر اُسلوب اختیار کرنا چاہئے، زبان و بیان کے لحاظ سے بھی، اخلاق و رویہ کے اعتبار سے بھی، دلیل کے اعتبار سے بھی اور مخالف نقطۂ نظر کے رد کے اعتبار سے بھی، دوسرے: اپنی طرف سے اخلاق و مروت اور گفتگو میں نرمی کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے، ہاں، اگر دوسرا فریق گرمی دکھائے اور مصلحت کا تقاضا یہی ہو تو بقدر ضرورت اس کو بھی اختیار کرنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ ماہر معالج وہی ہے، جو ضرورت کے لحاظ سے مریض کو کبھی میٹھی دوا دے اور کبھی کڑوی، اسی داعیانہ اخلاق کا ایک پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے اور جن کو دعوتِ اسلام دی جارہی ہو، ان کے درمیان کچھ مشترک باتیں ہوں تو مانوس کرنے کے لئے پہلے ان مشترک باتوں کا ذکر کیا جائے، جیسے یہودیوں، عیسائیوں سے کہا جائے کہ جن کتابوں پر تمہارا ایمان ہے، ان پر فی الجملہ ہم بھی ایمان رکھتے ہیں، ہندوستان میں ہندو بھائیوں کی جو مستند مذہبی کتابیں ہیں، ان میں بھی کثرت سے توحید اور آخرت کے مضامین آئے ہیں، یہاں تک کہ ان کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بائبل سے بھی زیادہ واضح پیشین گوئی ملتی ہے؛ لہٰذا ان حضرات کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اگر اُن کی کتابوں کی اِن تعلیمات کا ذکر کیا جائے تو یہ داعیانہ حکمت کے عین مطابق ہوگا۔

﴿۱﴾ قرآن مجید کی معجزانہ شان کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نظام قائم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا نہ اہل کتاب سے ایسا رابطہ ہوا کہ آپ ﷺ ان سے کچھ سیکھ سکتے، نہ آپ ﷺ کو کچھ لکھنا اور لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا آتا تھا، کہ کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہو کہ آپ ﷺ نے کسی کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید تصنیف کرلیا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ کا اُمی ہونا آپ ﷺ کے نبی ہونے اور قرآن مجید کے آسمانی کتاب ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً
وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ع ۵ ۱
وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۵۲ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ
بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْ لَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۳
يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۵۴ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۵ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝۵۶

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی جانب سے نشانیاں کیوں نہیں اُتاری گئیں؟ آپ فرما دیجئے: نشانیاں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں ۝۵۰ کیا ان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اُتاری ہے، جو اُن کو سنائی جاتی ہے،﴿۱﴾ یقیناً اس میں ایمان لانے والوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے ۝۵۱ آپ کہہ دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہیں، اللہ آسمانوں کی اور زمین کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، وہی لوگ بڑا نقصان اُٹھانے والے ہیں ۝۵۲ اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر وقت مقرر نہیں ہوتا، تو ان پر عذاب آ ہی چکا ہوتا اور ان پر اچانک اس طرح عذاب آئے گا کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوگی ۝۵۳ یہ لوگ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اور (وہ جان لیں کہ) دوزخ ایمان نہ لانے والوں کو گھیرے میں لے کر رہے گی ۝۵۴ اس دن ان کو عذاب اوپر سے بھی ڈھانپ لے گا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی، اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم لوگ جو کچھ کرتے رہے ہو (اب اس کا مزا) چکھو،﴿۲﴾ ۝۵۵ اے میرے وہ بندو جو ایمان لا چکے ہو! یقیناً میری زمین کشادہ ہے؛ اس لئے میری ہی عبادت کیا کرو۔ ۝۵۶

﴿۱﴾ یعنی آپ ﷺ جیسے اُمی شخص پر قرآن مجید کے نازل ہونے اور قرآن مجید کا اپنے مثل کوئی اور کلام لانے کا چیلنج دینا کیا قرآن کے برحق کتاب ہونے کی کچھ کم نشانی ہے؟

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بات مقدر رہے کہ مشرکین مکہ پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہ کیا جائے کہ ان کا نام ونشان مٹ کر رہ جائے؛ کیوں کہ ان ہی کی نسلوں کے ذریعہ پوری دنیا میں دینِ حق کی اشاعت کا کام لیا جائے گا؛ البتہ آخرت میں ان پر عذاب ہوگا، ایسا عذاب جو اوپر سے، نیچے سے اور ہر طرف سے ان کو ڈھانپ لے گا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِيْنَ ﴿٥٨﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ
يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾

ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری ہی طرف لائے جاؤ گے ﴿٥٧﴾ جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں، ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی رہیں گی، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، (اچھے) عمل کرنے والوں کا کیا ہی بہتر بدلہ ہے! ﴿٥٨﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صبر کیا تھا اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے تھے، ﴿٥٩﴾ بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اُٹھا کر نہیں رکھتے، اللہ ان کو بھی روزی عطا کرتے ہیں اور تم کو بھی، اور اللہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں، «١» ﴿٦٠﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ، پھر وہ کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہیں؟ ﴿٦١﴾

«١» جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا، تمام ایمان لانے والوں کو یہ حکم تھا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں اور اس وقت زیادہ تر مسلمان مدینہ ہی میں مقیم تھے، جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے، ان کو ہجرت کرنے میں دو باتوں کا اندیشہ تھا، ایک یہ کہ مشرکین مسلمانوں کے جان کے درپے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان کے ہاتھ آجائیں اور مارے جائیں، دوسرے: وہاں ان کی روزی روٹی کا انتظام کیا ہوگا، گھر بار، زمین جائداد ساری چیزیں چھوٹ جائیں گی تو ان کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کا جواب دیا ہے کہ جہاں تک مارے جانے کا ڈر ہے تو موت تو بہر حال آ کر رہے گی، ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں رہے تو وہ موت سے بچ جائے، اور جہاں تک روزی اور معاشی وسائل کی بات ہے تو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، انسان تو اپنی خوراک جمع کر کے رکھتا ہے؛ لیکن انسان کے سوا دوسرے جانوروں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک دن کی خوراک بھی محفوظ نہیں رکھتے، جب مل گیا، اسی وقت کھا لیا؛ لیکن اللہ ان کو بھی روزی سے محروم نہیں رکھتے ہیں، تو کیا تمہاری روزی کا انتظام نہیں کریں گے؟ —— اس آیت کا منشاء یہ نہیں ہے کہ اپنی خوراک جمع کر کے رکھنا جائز نہ ہو، جب فَدَک سے پیداوار آتی تھی تو خود رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر کی خوراک دے دیا کرتے تھے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آدمی کا اللہ سے بھروسہ اُٹھ جائے اور انسان سوچنے لگے کہ اگر میں فلاں جگہ رہوں گا تو روزی ملے گی، ورنہ روزی نہیں ملے گی۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ
الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ
وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۛ قفة فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ
حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

ع ۶ | وقف لازم

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتے ہیں، روزی کو کشادہ فرما دیتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں، تنگ کر دیتے ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز (کی ضرورت اور حالت) سے واقف ہیں ﴿۱﴾ ﴿۶۲﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا ہے، پھر زمین کے خشک ہوجانے کے بعد بارش کے ذریعہ اس کو تر و تازگی عطا کی ہے؟ تو یقیناً وہ کہیں گے: اللہ، آپ فرما دیجئے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے، ﴿۶۳﴾ اور یہ دنیوی زندگی تو محض کھیل کود ہے اور عالم آخرت ہی اصل زندگی ہے، کاش! وہ لوگ (اس بات کو) سمجھتے ﴿۶۴﴾ پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ ہی کا خالص اعتقاد رکھ کر اس سے دُعاء کرتے ہیں، پھر جب اللہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتے ہیں تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں ﴿۶۵﴾ غرض کہ ہم نے ان کو جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی ناشکری کرتے ہیں اور یہ لوگ کچھ اور مزے لے لیں، پھر عنقریب ہی وہ (اپنے انجام کو) جان لیں گے ﴿۶۶﴾ کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے حَرَم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے؛ حالاں کہ ان کے آس پاس سے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں، کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۶۷﴾

﴿۱﴾ یعنی جن جن چیزوں کا تعلق انسان کی روزی سے ہے، وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، آسمان جس سے بارش ہوتی ہے، زمین جو پودے اُگاتی ہے، سورج جو درختوں اور پودوں کو تمازت پہنچاتا ہے، چاند جس کی ٹھنڈک پودوں کی نشو ونما میں معاون ہوتی ہے، یہ سب اللہ ہی کی قدرت میں ہیں اور اللہ ہی کے ہاتھ میں روزی میں وسعت اور تنگی پیدا کرنا ہے؛ اس لئے روزی کے معاملہ میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور ظاہری اسباب پر ایسا یقین نہ ہونا چاہئے کہ گویا اسی سے ہماری روزی جڑی ہوئی ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع ۷ ۳

اوراس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اور سچائی کے آجانے کے باوجود اس کو جھٹلا دے، کیا کفر کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہوگا؟ ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ ہمارے راستہ میں محنت کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھا دیں گے، ﴿۱﴾ اور یقیناً اللہ اچھے عمل کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ ﴿۶۹﴾

﴿۱﴾ اس آیت کا تعلق شریعت کے تمام احکام اور تعلیمات سے ہے، کہ انسان جس کارِ خیر میں کوشش کرے گا، اللہ کی طرف سے اسے کامیابی نصیب ہوگی، وہ جہاد میں کوشش کرے گا، تو اس کو اسی میں کامیابی حاصل ہوگی، عبادات کو خوب محنت اور توجہ سے انجام دے گا، تو اسے اخلاص کی دولت حاصل ہوگی اور جو قرآن وحدیث اور احکام شرعیہ کی تحقیق میں محنت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر علوم ومعارف کو ظاہر فرمائیں گے اور عمل کی توفیق عنایت فرمائیں گے اور دعوتِ دین کے راستہ میں جدوجہد کرے گا، تو اس کے نتائج ظاہر ہوں گے۔

سُورَةُ الرُّومِ

- سورہ نمبر : (۳۰)
- رکوع : (۶)
- آیتیں : (۶۰)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع میں ہی اہل ایران پر روم کی فتح کی پیشین گوئی کی گئی ہے، جو اس وقت بالکل ناقابل قیاس تھی؛ اسی پیشین گوئی کی بنا پر اس کا نام 'روم' ہے۔

اس سورہ میں جو پیشین گوئی کی گئی، ظاہری حالات وہ ناقابل یقین تھی، پھر اسی واقعہ کے ضمن میں مکہ کے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے اہل مکہ پر فتح یاب ہونے کا اشارہ بھی فرمایا گیا ہے، یہ دونوں پیشین گوئیاں واضح معجزات کا درجہ رکھتی ہیں۔

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی دوسری سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی بنیادی طور پر عقائد و ایمانیات کا ذکر ہے، جنت و دوزخ کے تذکرے ہیں، کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل مکہ کی طرف سے جو تکلیف دہ باتیں پیش آئی تھیں، ان کے سلسلہ میں تسلی یا دلداری فرمائی گئی ہے، ان کے ساتھ ساتھ رشتہ داروں اور مسکینوں پر صدقہ کرنے اور سود سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ دینے کی ترغیب ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ
سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں۝ الف، لام، میم ﴿۱﴾ ۝﴿۱﴾ روم والے قریبی ہی علاقہ میں مغلوب ہو چکے ہیں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سے نو سال کے اندر غالب آجائیں گے —— پہلے بھی اللہ ہی کا اختیار تھا اور بعد میں بھی (اسی کا اختیار رہے) —— اور اس دن مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد پر خوش ہوں گے، ۝﴿۲﴾ ۝﴿۳﴾ ۝﴿۴﴾ اللہ جس کی چاہتے ہیں، مدد فرماتے ہیں اور وہی غالب اور مہربان ہیں۔ ﴿۲﴾ ۝﴿۵﴾

﴿۱﴾ سورۂ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں اِن حروف کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے، جن کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔

﴿۲﴾ جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت سے نوازا گیا، اس وقت عرب کے پورب اور پچھّم جانب دو بڑی سلطنتیں قائم تھیں، پورب کی طرف ''ایران'' تھا، جس کا مذہب آتش پرستی تھا اور جس میں دو خدا کا تصور تھا، پچھّم کی طرف ''روم'' تھا، جس کو بیزنطینی سلطنت بھی کہا جاتا تھا، جس کا دار السلطنت قُسطُنطُنیہ، یعنی موجودہ 'استنبول' تھا، اس کا مذہب عیسائیت تھا، جو اُصولی طور پر تو خدا کے ایک ہونے کے قائل تھے؛ لیکن کہتے تھے کہ تین شخصیتیں (باپ، بیٹا اور روح القدس) مل کر ایک خدا بنتا ہے، یہ دونوں اس زمانہ کی سوپر طاقتیں تھیں اور دونوں کے درمیان سخت رقابت رہتی تھی، رسول اللہ ﷺ کے واقعۂ ہجرت سے چند سال پہلے ایران نے پوری تیاری کے ساتھ رومیوں پر حملہ کر دیا اور رومیوں کو ایسی شکست دی کہ پورے شام و فلسطین پر ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا، رومیوں کے بڑے بڑے چرچ اور ان کی شاندار یادگاریں مٹی کا ڈھیر بن گئیں، جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو مکہ کے مشرکین کو اس سے بڑی خوشی ہوئی؛ کیوں کہ اہل مکہ بھی مشرک تھے اور ایرانی بھی، اس کے برخلاف جیسے مسلمان ایک آسمانی کتاب کے حامل تھے، عیسائی بھی آسمانی کتاب رکھتے تھے؛ اس لئے اہل مکہ نے اس واقعہ کو اپنے لئے فال نیک سمجھا کہ ہمیں بھی مسلمانوں پر ایسی ہی زبردست فتح حاصل ہوگی اور اس لئے کہ ان کے خیال میں یہ اس بات کی دلیل تھی کہ شرک ہی مقبول مذہب ہے؛ اسی لئے مشرکین کو اہل کتاب کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی، دوسری طرف مسلمان اس واقعہ پر رنجیدہ تھے؛ کیوں کہ اس واقعہ نے مشرکین مکہ کے حوصلوں کو اور بلند کر دیا تھا اور رومیوں کو اتنی زبردست شکست ہوئی تھی اور وہ کچھ اس طرح حوصلہ اور ہمت ہارے ہوئے تھے کہ اس بات کی کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی کہ قریبی عرصہ میں پانسہ پلٹ سکے گا اور رومی غالب آسکیں گے، ان حالات میں قرآن مجید میں پیشین گوئی کی گئی کہ اگرچہ عرب کے قریبی علاقہ (ادنی الارض) یعنی شام و فلسطین میں رومی جنگ ہار چکے ہیں؛ لیکن محض چند سالوں میں انھیں دوبارہ غلبہ وعروج حاصل ہوگا، چند سال کے لئے قرآن کریم نے ''بضع سنین'' کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی تین سے نو سال، اس وقت کے حالات کے لحاظ سے یہ پیشین گوئی اس قدر نا قابل یقین تھی کہ اُبی بن خلف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چیلنج کیا کہ وہ دس اونٹنیوں کی شرط لگالیں، اگر رومی فتح یاب نہ ہو سکے تو یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دینی پڑیں گی اور فتح یاب ہو گئے تو ہم لوگ دیں گے، ←

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتے ؛ لیکن زیادہ تر لوگ جانتے نہیں ہیں ۝۶ یہ لوگ دنیوی زندگی کے ظاہر کو تو جانتے ہیں ؛ لیکن آخرت سے بے خبر ہیں ۔ ﴿۱﴾ ۝۷

← حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے تین سال کی شرط لگائی تھی ، پھر رسول اللہ ﷺ کے اشارہ پر تین سے نو سال کی مدت مقرر ہوئی اور اونٹنیوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دی گئی ، اہل مکہ کو اس پیشین گوئی کے غلط ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ انھوں نے مدت میں اس اضافہ کو بھی قبول کرلیا ہے، تاہم اس طرح کی بازی لگانا جوئے میں شامل ہے، جو ناجائز ہے، اس وقت تک جوئے کے حرام ہونے کا حکم نہیں آیا تھا، اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی تھی ۔ (مدارک التنزیل: ۲/ ۲۸۳)

پھر ایسا ہوا کہ جیسے کسی تپتی اور آگ اُگلتی ہوئی دوپہر میں اچانک گھٹائیں چھا جائیں اور برسنے لگیں ، اسی طرح بے قیاس وگمان روم کے بادشاہ ہرقل نے انگڑائی لی اور اس نے اس قوت اور جرأت و ہمت کے ساتھ ایران پر حملہ کیا کہ نہ صرف اپنے ہارے ہوئے علاقے واپس لے لئے ؛ بلکہ اصل ایرانی سلطنت کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایرانی فوجوں کو آرمینیا اور آذربائیجان تک دھکیل دیا، ان کے آتش کدے تباہ کر دیئے اور خود شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا، اس طرح قرآن مجید کی یہ حیرت انگیز معجزاتی پیشین گوئی پوری ہوئی ، عجب بات ہے کہ جس دن رومیوں نے ایران پر فتح حاصل کی ، اسی دن بدر کے میدان میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معرکۂ کارزار گرم تھا، مسلمانوں کو اس میں واضح فتح حاصل ہوئی اور مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے گئے، مسلمانوں کے اللہ تعالیٰ کی مدد پر خوش ہونے سے یہی مراد ہے، یہ ناقابل قیاس پیشین گوئی اور اس کا درست ثابت ہونا قرآن مجید کا ایک ایسا معجزہ ہے، جو آج بھی تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے، اس پیشین گوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ '' پہلے بھی اللہ ہی کا حکم چلتا تھا اور بعد میں بھی اسی کا حکم چلے گا'' اس ارشاد میں اس بات کی وضاحت ہے کہ دنیا کی جیت اور ہار حق و باطل کے لئے پیمانہ نہیں ہے ؛ بلکہ جب رومی ہارے تھے، اس وقت بھی ان کا یہ ہارنا اللہ ہی کے حکم سے ہوا تھا، اور آئندہ جو فتح یاب ہوں گے، وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوگا —— اس فقرہ کا یہ مطلب تو روم اور ایران کی جنگ کے پس منظر میں ہے ؛ لیکن غالباً اس فقرہ (بعد میں بھی اسی کا حکم چلے گا) میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جلد ہی وہ وقت بھی آنے والا ہے، جب مسلمان رومیوں کو شکست دے کر قُسطُنطُنیہ پر اسلام کا جھنڈا لہرائیں گے۔

﴿۱﴾ یعنی جو لوگ ایمان سے محروم ہیں ان کی ساری جدوجہد اور علم و تحقیق کا حاصل صرف دنیوی زندگی ہے، انھوں نے اسی کو علم کی انتہاء سمجھ رکھا ہے ؛ حالاں کہ اس سے کہیں وسیع دنیا وہ ہے، جس کو آخرت کہا گیا ہے، مگر نہ اس کے بارے میں واقف ہیں اور نہ واقف ہونا چاہتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا
الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ۭ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰى اَنْ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ ع ۱۰/۴
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَاۗىِٕهِمْ
شُفَعٰۗؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَاۗىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

کیا انھوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو، زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کسی مقصد ہی سے اور مقررہ مدت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے؛ لیکن بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۸﴾ کیا وہ زمین میں نہیں چلتے کہ دیکھ لیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ تو اِن سے بھی قوت میں بڑھے ہوئے تھے، انھوں نے زمین کو بویا اور جوتا تھا، اِن کے آباد کرنے سے بھی بڑھ کر زمین کو آباد کر رکھا تھا اور اُن کے پاس بھی اُن کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے، (مگر وہ ایمان نہیں لائے) غرض کہ ایسا نہیں تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتے؛ لیکن وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے، ﴿۹﴾ پھر جن لوگوں نے برائی کی تھی، ان کا انجام برا ہی ہوا؛ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور اس کا مذاق اُڑایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتے ہیں، پھر اس کو دوبارہ بھی پیدا فرمائیں گے، پھر تم سب اسی کی طرف واپس لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن گناہ کرنے والے ہکا بکا رہ جائیں گے ﴿۱۲﴾ جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے، ان میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا، اور وہ اپنے ان شرکاء (کو خدائی میں شریک ٹھہرانے) کا انکار کر جائیں گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے؛ بلکہ انسان کے امتحان کے لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گذارتا ہے یا اس کے خلاف؟ اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ کسی دن یہ دنیا ختم ہو اور جزاء وسزا کا نظام قائم ہو، جس کو 'آخرت' کہتے ہیں؛ کیوں کہ اس امتحان کا کیا حاصل جس پر نہ اچھے عمل کرنے والوں کو انعام ملے اور نہ برا عمل کرنے والوں کو اس کی کوئی سزا؟

﴿۲﴾ یعنی جھوٹ کہیں گے کہ ہم ان کو آپ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ان کی بات نقل کی گئی ہے: ''وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ'' (الانعام: ۲۳) ''خدا کی قسم! جو ہمارا پروردگار ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا کرتے تھے''۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ
رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿١٥﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي
الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿١٦﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۵

جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن (مسلمانوں اور ایمان نہ لانے والوں کے) گروہ الگ الگ ہوجائیں گے ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے نیک عمل کیا تھا، وہ تو جنت میں خوش وخرم رکھے جائیں گے ﴿۱۵﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے اور انھوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا، وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے ﴿۱۶﴾ لہٰذا تم شام اور صبح کے وقت اللہ کی تسبیح کیا کرو ﴿۱۷﴾ —— اور اسی کی تعریف آسمانوں میں بھی ہوتی ہے اور زمین میں بھی —— نیز تیسرے پہر اور ظہر کے وقت بھی اسی کی تسبیح کرو، ﴿۲﴾ ﴿۱۸﴾ وہی ہے جو بے جان سے جان دار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کرتا ہے، اسی طرح تم لوگ بھی (موت سے زندگی کی طرف) نکالے جاؤ گے۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ یعنی مسلمان اور کافر، جنت والے اور دوزخ والے الگ الگ کردیئے جائیں گے۔ (تفسیر بیضاوی: ۴/۱۴۴)

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۱۷، ۱۸ میں چار اوقات میں تسبیح کا ذکر آیا ہے، شام کے وقت، صبح کے وقت ''عشیاً'' یعنی تیسرے پہر، اور ''تظهرون'' یعنی دوپہر کے وقت، تسبیح سے یہاں نماز مراد ہے؛ کیوں کہ تسبیح نماز کا ایک اہم ترین عمل ہے اور کبھی عمل کے کسی اہم حصہ کو بول کر پورا عمل مراد لیا جاتا ہے، تو شام کی دو نمازیں ہوگئیں: مغرب وعشاء، صبح کی ایک نماز ہوگئی: نماز فجر، تیسرے پہر کی نماز سے عصر کی نماز مراد ہے اور دوپہر کی نماز سے ظہر کی نماز، اس طرح ان دو آیتوں میں پانچوں نمازوں کا ذکر آگیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جب دریافت کیا گیا کہ قرآن مجید میں پانچوں نماز کا ذکر کہاں ہے؟ تو انھوں نے اسی آیت کا حوالہ دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۴) افسوس کہ منکرین حدیث جو دھوکہ دینے کے لئے اپنے آپ کو 'اہل قرآن' کہتے ہیں، وہ اس واضح آیت کے باوجود پانچ وقت کی نماز کا انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے صرف دو ہی وقت کی نمازیں ثابت ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے —— نماز کا ایک جزو چوں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف بھی ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا ذکر کرتے ہوئے درمیان میں فرمادیا گیا کہ جیسے تسبیح اللہ کے لئے ہے، ویسے ہی آسمان وزمین میں اللہ ہی قابل تعریف ہیں اور ان ہی کی تعریف وتقدیس ہوتی رہتی ہے۔

﴿۳﴾ بے جان سے جاندار پیدا کرنے کی مثال خود انسان ہے، جو مادۂ منویہ سے پیدا کیا جاتا ہے، اور جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال مرغی سے انڈے، شہد مکھی سے شہد اور ریشم کے کیڑے سے ریشم وغیرہ کا نکالنا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ
لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ
وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم انسان بن کر (زمین) میں پھیلے
ہوئے ہو ﴿۲۰﴾ اسی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے (بیویاں) بنادیئے؛
تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کردی، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے
نشانیاں ہیں، جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾ اور آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا
الگ الگ ہونا بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہے، یقیناً اس میں سمجھ دار لوگوں کے لئے دلیلیں ہیں ﴿۲﴾ ﴿۲۲﴾ اسی کی
نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی کو تلاش کرنا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں
کے لئے جو (قبولیت کے جذبہ سے) سنا کرتے ہیں، نشانیاں ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ یعنی انسان ہی کی جنس سے عورت کی شکل میں مردوں کا جوڑا پیدا کیا، اگر یہ جوڑا کسی اور مخلوق کی شکل میں ہوتا تو ایک دوسرے کے درمیان وہ محبت اور کشش نہ ہوتی جو شوہر وبیوی کے درمیان ہے، اور اللہ کی ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ عام طور پر انسان کو اجنبی شخص سے قلبی محبت نہیں ہوتی، شوہر اور بیوی نکاح سے پہلے ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوتے ہیں؛ لیکن رشتہ نکاح کے ذریعہ اللہ ان دونوں کے درمیان قلبی محبت پیدا فرمادیتے ہیں۔

﴿۲﴾ زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی غیر معمولی نشانی ہے، دنیا میں کروڑوں لوگ اس وقت موجود ہیں، نہ جانے کتنے کروڑ گذر چکے ہیں اور نہ معلوم قیامت تک کتنے لوگ دنیا میں آئیں گے؛ لیکن ہر ایک کی آواز الگ، ہر گروہ کی زبان الگ اور ہر شخص کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف، یہاں تک کہ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والے بچوں کا رنگ وروپ بھی الگ الگ، کیا کوئی بڑا سے بڑا فنکار اس کی ادنیٰ سی مثال بھی پیش کرسکتا ہے؟ پھر زبان اور رنگ کا یہ اختلاف انسان کے لئے بہت بڑا انعام بھی ہے؛ کیوں کہ اسی سے انسان کی پہچان قائم ہوتی ہے، اگر تمام لوگ سرسوں کے پھول کی طرح ایک ہی رنگ وروپ کے ہوتے تو مختلف انسانوں کے درمیان امتیاز کرنا کتنا دشوار ہوجاتا؟

﴿۳﴾ رات کے وقت پوری آبادی کو تاریکی کی چادر سے ڈھانپ دیا جاتا ہے؛ اس لئے تمام کے تمام لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ اس وقت جاگنے اور دوڑ دھوپ کرنے کے بجائے سو جائیں، سونے کے اس اجتماعی نظام سے پورے ماحول پر خاموشی چھا جاتی ہے اور انسان گہری اور پرسکون نیند لے پاتا ہے، نیز کبھی رات میں نیند پوری نہ ہو تو انسان دن میں پوری کرلیتا ہے، دن کے وقت ←

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ
بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ
سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

نیز اسی کی نشانیوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تم کو بجلی دکھاتے ہیں، جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور اُمید بھی پیدا ہوتی ہے، اور اللہ ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر زمین کے خشک ہوجانے کے بعد پانی کے ذریعہ اس کو تروتازگی عطا فرماتے ہیں، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو عقل سے کام لیتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۴﴾ اور یہ بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہے، پھر جب تم کو زمین سے پکار کر بلائیں گے تو تم یکبارگی فوراً نکل پڑو گے ﴿۲۵﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے، سب اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿۲۶﴾ وہی خدا ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس کے لئے اور بھی آسان ہے اور آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اسی کی اونچی شان ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے، ﴿۲۷﴾ اللہ تمہارے لئے تمہارے ہی حالات کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ہم نے جو تم کو رزق عطا کی ہے، کیا تم میں سے کسی کا غلام اس میں شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں (اور) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو، جیسے آپس میں ایک (دوسرے سے) ڈرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان لوگوں کے لئے نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، جو سمجھ دار ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۸﴾

← سورج کا چراغ جلتا ہے، جو چپہ چپہ کو روشن کر دیتا ہے، یہ ایسی بجلی ہے جو امیروں کے محلات کی طرح غریبوں کی جھونپڑیوں کو بھی روشن کر دیتی ہے؛ اس لئے ہر انسان کے لئے کام کاج، تلاش معاش کی دوڑ دھوپ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر آسان ہوجاتا ہے، دن کی روشنی جتنی بڑی نعمت ہے، رات کا اندھیرا بھی اتنی ہی بڑی نعمت ہے، یہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار بھی۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی یہ ہے کہ پہلے بجلی کوندتی ہے، جس سے انسان کو خوف ہوتا ہے، پھر اس کے بعد بارش ہوتی ہے، جس چیز سے انسان ڈر رہا تھا، وہی اس کے لئے رحمت کا سبب بن جاتی ہے، جیسے جاندار مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہوتے، اگر اسی طرح زمین خشک ہونے کے بعد پھر تروتازہ نہیں ہوجاتی تو انسان کے لئے غذائی ضرورتوں کا حاصل کرنا بہ ظاہر ممکن نہ ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ زمین بار بار مر کر زندہ ہوتی ہے، یعنی سوکھ جانے کے بعد پھر قابل کاشت ہوجاتی ہے۔ ←

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۹ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ ظالم بغیر سمجھے بوجھے اپنی خواہشات پر چل رہے ہیں، تو جس کو اللہ گمراہی پر رہنے دیں تو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، ۝۲۹ لہٰذا یکسو ہوکر آپ اسی دین کی طرف اپنا رُخ کئے رہئے، اللہ کی عطا کی ہوئی اسی فطرت کی پیروی کیجئے، جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، یہی درست اور سیدھا دین ہے؛ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ﴿۱﴾ ۝۳۰

← ﴿۲﴾ یعنی جیسے غلام کا اپنے آقا کی ملکیت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، اسی طرح کوئی بندہ اپنے رب کے اختیارات اور اس کی ملکیت میں کیسے حصہ دار ہوسکتا ہے؟

﴿۱﴾ یہاں فطرت سے مراد اسلام ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۴، ۲۵) یعنی ہر انسان کے اندر فطری اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے اور اس کے سامنے سر جھکانے کا جذبہ موجود ہے، بعد میں دوسرے اسباب جیسے خراب ماحول، ماں باپ کی غلط تربیت، اخلاق سے دُور کردینے والی تعلیم، حرص ولالچ، ڈر وخوف اور خواہشات نفسانی کی وجہ سے وہ اپنی فطرت سے ہٹ جاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں، جیسے جانور صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، اس کے کان کٹے ہوئے نہیں ہوتے، (بخاری، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۹۲) لیکن بعد میں لوگ کان کاٹ ڈالتے ہیں، انسان کی فطرت میں خدا کی طرف آنے کا جو جذبہ اور حق کو قبول کرنے کی جو صلاحیت رکھی گئی ہے، وہ قیامت تک اسی طرح باقی رہے گی، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، یہ اور بات ہے کہ دوسرے اسباب کی وجہ سے انسان ایمان کو چھوڑ کر کفر کی طرف چلا جاتا ہے —— ''لا تبدیل لخلق اللہ'' کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قبولِ حق کے جس جذبہ پر پیدا کیا ہے، اس کو اس میں تبدیلی نہیں لانی چاہئے، جیسے کائنات کی تمام چیزیں سورج، زمین، سمندر وغیرہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام پر قائم ہیں، اسی طرح انسان کو بھی اللہ کی پیدا کردہ فطرت سے ہٹنا نہیں چاہئے، یعنی اس فقرہ کا مقصد خبر دینا نہیں ہے؛ بلکہ منع کرنا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ (بیان القرآن: ۹/ ۸)

اس آیت میں دو اور باتوں کی طرف بھی اشارہ ہوگیا، ایک یہ کہ جو بچہ بالغ ہونے سے پہلے مرجائے، خواہ اس کے والدین مسلمان ہوں یا غیر مسلم، وہ مسلمان شمار کیا جائے گا اور انشاء اللہ آخرت میں اس کا ٹھکانہ جنت میں ہوگا؛ کیوں کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے مسلمان ہے؛ چنانچہ ایک جنگ کے موقع پر بعض بچے مسلمان مجاہدین کے ہاتھ سے مارے گئے تو آپ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، جب بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یہ تو مشرکین کی اولاد ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ دین فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے: ''کل نسمۃ تولد علی الفطرۃ'' (مسند احمد: ۳/ ۴۳۵، حدیث نمبر: ۱۵۶۲۷) —— دوسرے اس بات کی طرف بھی ←

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۳۱ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا
دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۳۲ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ۳۳ لِیَكْفُرُوْا
بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۳۴ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا
كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ۳۵ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا
قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ۳۶

تم خدا کی طرف رُجوع ہوکر (اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کی پیروی کرو)، اللہ ہی سے ڈرو، نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہوجاؤ، ۳۱ یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور بہت سے فرقے بن گئے، ہر گروہ اپنے اپنے طریقہ پر مگن ہے ﴿۱﴾ ۳۲ اور جب لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رُجوع کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں، پھر جب اللہ ان کو اپنی طرف سے مہربانی کا مزا چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں؛ ۳۳ تا کہ ہم نے جو احسان کیا ہے، اس کی ناشکری کریں، تو چند دنوں اور فائدہ اُٹھالو، پھر جلد ہی تم (اپنے انجام کو) جان لوگے ﴿۲﴾ ۳۴ کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اُتاری ہے کہ وہ ان سے شرک کرنے کو کہتے ہیں؟ ۳۵ اور جب ہم لوگوں کو اپنی مہربانی کا مزا چکھاتے ہیں تو اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر ان کی کارستانیوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو نا اُمید ہوجاتے ہیں۔ ۳۶

← اشارہ ہوگیا کہ جسمانی اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کوئی تبدیلی پیدا کرنا درست نہیں، جیسے موجودہ دور میں نس بندی کا آپریشن، یا مصنوعی خوبصورتی کے لئے کی جانے والی سرجری وغیرہ۔

﴿۱﴾ یعنی ایسا نہیں ہے کہ مذہب کی ابتداء شرک، بت پرستی اور مخلوق کی عبادت سے ہوئی اور اس میں فکری ترقی کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ لوگوں میں توحید کا تصور اُبھرا؛ بلکہ دینِ فطرت توحید ہے، جو ایک خدا کی عبادت کی طرف بلاتا ہے، مختلف گروہوں نے اس میں اپنی طرف سے اضافے کر دیئے ہیں، کسی نے ایک سے دو خدا، کسی نے تین، کسی نے سینکڑوں اور ہزاروں، کسی نے سورج اور چاند کی پوجا کی، کسی نے پتھروں کو معبود بنایا، کسی نے درختوں کے سامنے پیشانی رکھی اور کسی نے جانوروں کو خدا بنا دیا، غرض کہ مختلف گروہوں نے شرک کے مختلف مذاہب ایجاد کر لئے اور بجائے اس کے کہ سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرتے، جس نے مصنوعی اور خود ساختہ مذہب کو اختیار کیا، اسی پر مطمئن ہوگیا۔

﴿۲﴾ یعنی عام انسانی مزاج یہ ہے کہ مصیبتوں کے وقت خدا کی یاد آتی ہے اور سہولت کے وقت وہ خدا کو بھول جاتا ہے؛ اس لئے اگر اللہ کی طرف سے بہتر حالات پیدا ہوں تو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ کہیں وہ اپنے مالک کی طرف سے غافل تو نہیں ہوگیا ہے۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ
وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا
یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ جس کو چاہتے ہیں، زیادہ روزی دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں، کم روزی دیتے ہیں، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو ایمان رکھتے ہیں، ﴿۳۷﴾ لہٰذا قربت دار کو ان کا حق دیا کرو اور مسکین ومسافر کو بھی، ﴿۱﴾ یہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے، ﴿۳۸﴾ اور تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں (شامل ہوکر) بڑھ جائے تو اللہ کے نزدیک وہ بڑھتا نہیں ہے، اور اللہ کی خوشنودی کے لئے تم جو کچھ زکوٰۃ دیتے ہو، تو (یاد رکھو کہ) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۹﴾

﴿۱﴾ یعنی جب روزی اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں تو انسان کا فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ اس کے بندوں، جیسے قرابت دار، غرباء، اور مسافروں پر بھی خرچ کیا کرے —— اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر بیوی اور اولاد کے علاوہ دوسرے قریبی رشتہ دار کا نفقہ بھی بعض حالات میں واجب ہوتا ہے؛ چنانچہ فقہاء احناف نے اسی آیت سے یہ بات مستنبط کی ہے کہ ضرورت مند محرم رشتہ داروں کا نفقہ بھی انسان پر واجب ہوتا ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۴۵)

﴿۲﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی شخص کو کوئی چیز دینے کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ خالصتاً اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے دی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی تعریف حاصل کرنے کے لئے دیا جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ دے کر یہ اُمید رکھی جائے کہ وہ شخص بھی اس کے بدلہ میں کچھ دے گا، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۳۸) ان میں سے پہلی صورت کا ذکر آیت کے اخیر میں آیا ہے کہ جو چیز اللہ کی خوشنودی کے لئے دی جاتی ہے، اس میں اجر کے اعتبار سے اللہ کی طرف سے اضافہ ہوتا رہتا ہے، دوسری صورت انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ انسان دکھاوے کے لئے مال خرچ کرے، قرآن مجید میں ایک اور موقع پر صراحت فرمائی گئی کہ اس سے صدقہ اکارت ہوجاتا ہے: ''لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ'' (البقرۃ: ۲۶۴) تیسری صورت کا بیان یہاں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو کوئی اجر وثواب حاصل نہیں ہوگا؛ لیکن یہ صورت جائز ہے، (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص: ۲۱/۴۵) ظاہر ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی چیز دنیا میں بدلہ کی نیت سے دی جائے، اگر ایسی نیت نہ ہو؛ لیکن جس شخص کو ہدیہ دیا، وہ بھی اپنے طور پر اس شخص کو ہدیہ پیش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس سے دینے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی؛ بلکہ لینے والے کے لئے ایسا کرنا مسنون ہے؛ ←

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ
یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ظَہَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ ع ۴ ۱۱
وَ الۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَہُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾
قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ
مُّشۡرِکِیۡنَ ﴿۴۲﴾

وہی خدا ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی عطا کی، پھر تم کو موت دیتا ہے، پھر تم کو (دوبارہ) زندہ فرمائے گا، تم جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، کیا ان میں سے کوئی ہے، جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ اس کی ذات پاک ہے اور وہ ان کے شریک ٹھہرانے سے بالاتر ہے! ﴿۴۰﴾ لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بعض کاموں کا مزا چکھائیں، شاید کہ وہ باز آجائیں، ﴿۱﴾ ﴿۴۱﴾ آپ فرمادیجئے: زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ ان میں سے اکثریت شرک کرنے والوں کی تھی۔ ﴿۴۲﴾

← کیوں کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ پیش کرنے والوں کو خود بھی ہدیہ عنایت فرماتے تھے: ''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل الهدیة ویثیب علیها'' (بخاری، کتاب الهبة وفضلها، حدیث نمبر: ۲۴۴۵) لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو ہدیہ دے کر کیا اس سے اس کے بدل کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر ہدیہ دیتے وقت بدل کی شرط لگادی تھی تو وہ مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر اس طرح کی شرط نہیں لگائی تھی تو مطالبہ نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ یہ تبرع واحسان ہے اور اس کا تقاضا یہی ہے کہ بدل کا مطالبہ نہ ہو۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۳۷، مجمع الانہر: ۲/ ۳۶۴)

﴿۱﴾ فساد سے اصل میں تو اخلاقی بگاڑ مراد ہے، انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے زمین میں ہر طرح کا فکری، اخلاقی اور عملی بگاڑ پھیلتا ہے؛ لیکن اس میں ایک اشارہ کائنات کے مادی نظام کی طرف بھی ہے کہ دنیا میں تمام چیزیں سمندر، درخت، پانی، پہاڑ، ہوا، برف کی چٹانیں، جنگلی جانور وغیرہ، دنیا کے ماحول کو زمین میں پائی جانے والی مخلوقات خاص کر جانداروں کے موافق ماحول عطا کرتی ہیں؛ لیکن انسان جنگلات کو کاٹ کر، پہاڑوں کو توڑ کر، دریاؤں کو پاٹ کر، چرند و پرند کو ناپید کر کے، فضا میں دھوؤں اور ایندھنوں سے نکلنے والے ذرات کو بکھیر کر اور پانی میں گندگیاں اور صنعتی فضلات کو ڈال کر قدرت کے بنائے ہوئے ماحول کو تباہ کر رہا ہے اور مختلف قسم کی آلودگیاں پیدا ہو رہی ہیں، جو انسان اور دوسری مخلوقات کے لئے تباہ کن ہیں، اس پہلو سے بھی خشکی وتری کا فساد انسان کے اپنے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے، ماحولیاتی آلودگی کا یہ نکتہ ''فساد'' کے لفظ سے مستنبط ہوتا ہے؛ کیوں کہ فساد کسی شئے کے حد اعتدال سے نکل جانے کو کہتے ہیں: ''خروج الشيء عن الاعتدال قلیلاً کان الخروج عنه أو کثیراً'' (مفردات القرآن: ۴۲۵) اور ماحولیاتی آلودگی بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اشیاء کے استعمال میں آدمی اعتدال کا راستہ چھوڑ دے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ
يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ
فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اس دن کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے آکر رہے گا اور ٹل نہیں سکے گا، اپنا رُخ سچے دین کی طرف رکھو، اس دن سارے لوگ الگ الگ ہو جائیں گے ﴿۱﴾ ﴿۴۳﴾ جو شخص کفر کر رہا ہے تو اسی پر اس کے کفر (کا وبال) ہوگا اور جو نیک عمل کرے، وہ اپنے ہی لئے راستہ ہموار کر رہا ہے ﴿۴۴﴾ حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے (بہتر) بدلہ عطا فرمائیں گے، واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں فرماتے ﴿۲﴾ ﴿۴۵﴾ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری دینے اور اپنی رحمت کا مزا چکھانے کے لئے بھیجتے ہیں اور تا کہ اللہ کے حکم سے کشتیاں چلیں، ﴿۳﴾ تم اس کی روزی تلاش کرو، ﴿۴﴾ اور (اللہ کا) شکر ادا کرو ﴿۴۶﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبران کی قوموں کی طرف بھیجے، وہ ان کے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے، پھر ہم نے ان لوگوں سے بدلہ لیا، جنھوں نے جرم کا ارتکاب کیا تھا اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔ ﴿۴۷﴾

﴿۱﴾ یعنی دنیا میں تو مسلمان اور کافر سب ایک جگہ ہیں؛ لیکن آخرت میں دونوں الگ الگ کر دیئے جائیں گے اور دونوں کا ٹھکانہ علاحدہ ہوگا۔

﴿۲﴾ اگرچہ دنیا میں بعض اوقات ایمان نہ لانے والوں کو بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے، بہت سی دفعہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو وقتی طور پر فتح بھی حاصل ہو جاتی ہے؛ لیکن یہ اس لئے نہیں ہے کہ اللہ ان کو پسند فرماتے ہیں؛ بلکہ یہ بطور ڈھیل کے ہے، اللہ پسند تو ہمیشہ ایمان والوں ہی کو فرماتے ہیں۔

﴿۳﴾ اب تو سمندروں میں جہازوں اور کشتیوں کو چلانے کے لئے موٹر بن گئے ہیں، جو ایندھن کی طاقت سے چلتے ہیں؛ لیکن قدیم زمانہ میں کشتیوں میں بادبان باندھ دیئے جاتے تھے اور ہوا کی مدد سے کشتیاں آگے بڑھتی رہتی تھیں، اب بھی ملاح اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

﴿۴﴾ کیوں کہ سمندری سفر تجارت کا ایک اہم ذریعہ ہے اور قدیم زمانہ سے لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ
كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَىِٕنْ
اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا
تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ
اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۵ ۱۳ ۸

وہی خدا ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اُٹھالیتا ہے، پھر اللہ جس طرح چاہتے ہیں، اس کو آسمان میں پھیلا دیتے ہیں اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش برستی ہے، پھر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں، اس کو برسا دیتے ہیں، تو بس وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں ﴿۱﴾ ﴿۴۸﴾ حالاں کہ ان پر بارش برسانے سے پہلے وہ نا اُمید ہو رہے تھے ﴿۴۹﴾ لہٰذا اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ کیسے اللہ زمین کے مرجانے کے بعد اس کو زندہ کرتے ہیں؟ یقیناً وہی مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم ان پر ہوا چلا دیں، پھر یہ لوگ دیکھیں کہ کھیتی زرد پڑ گئی ہے، تو اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ﴿۲﴾ ﴿۵۱﴾ یقیناً آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ ان بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جو پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں ﴿۵۲﴾ نیز نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر ہدایت کا راستہ دکھا سکتے ہیں، آپ اسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں کہ وہی فرمانبردار ہیں۔ ﴿۵۳﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ ہوائیں بادلوں کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے فضا میں پھیل جاتی ہیں اور اس کے ٹکڑے مختلف علاقوں میں پہنچ جاتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو پوری بارش ایک ہی جگہ ہو جاتی، دوسرے علاقے بارش سے محروم ہو جاتے، اور جہاں بارش ہوتی، وہاں اتنی زیادہ مقدار میں ہوتی کہ لوگوں کے لئے مصیبت بن جاتی، پھر جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے، وہاں یہ ٹکڑے برس جاتے ہیں، قدرت کا نظام ایک طرف اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک انتہائی باتدبیر خدا کی ذات موجود ہے، جس کے اشارہ پر یہ سب کچھ انجام پاتا ہے، دوسرے وہ یکتا و تنہا بھی ہے؛ کیوں کہ اگر اس کام میں کئی لوگوں کی شرکت ہوتی تو اس ترتیب، تسلسل اور خوبصورتی کے ساتھ یہ نظام نہیں چل سکتا تھا۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ ایسی ہوا بھی بھیج سکتے ہیں، جو کھیتی کو ہرا بھرا کرنے کے بجائے زرد کر کے رکھ دے اور نقصان پہنچائے، ایسی صورت میں بھی ان کا طریقہ صبر و شکر کی بجائے بے صبری اور ناشکری کا ہی ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ
ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ
الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ
ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

وہی خدا ہے جس نے تم کو کمزوری اور ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد قوت عطا فرمائی، پھر طاقت وقوت کے بعد ضعف اور بوڑھاپے سے دوچار کیا، اللہ جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور وہ خوب جاننے والے اور خوب قدرت والے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۵۴﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن مجرم لوگ قسم کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں یا قبر میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، اسی طرح یہ لوگ (دنیا میں بھی) بہکے ہوئے تھے ﴿۵۵﴾ اور جن لوگوں کو علم وایمان سے نوازا گیا تھا، وہ کہیں گے کہ تم تو اللہ کے فیصلہ کے مطابق قیامت کے دن تک رہے ہو، تو یہی تو ہے قیامت کا دن! لیکن تم یقین نہیں رکھتے تھے ﴿۵۶﴾ غرض کہ اس دن زیادتی کرنے والوں کو نہ ان کی معذرت کام آئے گی اور نہ ان سے توبہ قبول کی جائے گی، ﴿۲﴾ ﴿۵۷﴾ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان کردی ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے بھی آئیں، تب بھی یہ کفر کرنے والے لوگ یہی کہیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔ ﴿۵۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جیسے کائنات کی دوسری چیزوں میں تصرف کرتے رہتے ہیں اور ان پر اچھے اور بُرے حالات لاتے رہتے ہیں، خود انسان بھی اس نظام سے باہر نہیں ہے؛ چنانچہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو انتہائی کمزور ہوتا ہے، پھر بچپن سے گذر کر جوانی میں قدم رکھتا ہے، یہ بھرپور طاقت وقوت کا زمانہ ہوتا ہے، پھر بوڑھاپے سے دوچار ہوتا ہے اور اب قوت کی بجائے کمزوری اور ضعیفی دامن تھام لیتی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اللہ کے فیصلہ کے سامنے بے بس ہے، اور انسان ہو یا کائنات کی کوئی اور چیز، سب پر خدا کا فیصلہ جاری ہے، ــــ بعض مفسرین نے (خلقکم من ضعف) ''تم کو ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا'' سے پیدائش سے پہلے کی کیفیت مراد لی ہے، جب انسان نطفہ کی شکل میں تھا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۴۶)

﴿۲﴾ ''یستعتبون'' کے اصل معنی یہ ہیں کہ اس روز ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب وعتاب کو دُور کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دُور کرنے کا طریقہ توبہ ہے، حاصل یہ ہے کہ اس وقت ان کو توبہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ (دیکھئے: روح المعانی: ۲۱/۶۱)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۹ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا
يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰

ع ۶ / ۹

جو سمجھ نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتے ہیں؛ ۝۵۹ لہٰذا آپ صبر کیجئے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ یقین نہ کرنے والے کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں۔ ﴿۱﴾ ۝۶۰

﴿۱﴾ یعنی دشمنانِ اسلام کا رویہ کتنا ہی نامناسب ہو، صبر و برداشت کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے، یہاں اگرچہ خطاب آپ ﷺ سے ہے؛ لیکن بالواسطہ پوری اُمت اور خاص کر علماء اور داعیانِ دین اس میں شامل ہیں؛ کہ کتنی ہی تکلیف دہ صورت حال ہو، ان کو صبر و وقار پر قائم رہنا چاہئے۔

سُورَۃ لقمان

- سورہ نمبر : (۳۱)
- رکوع : (۴)
- آیتیں : (۳۴)
- نوعیت : مکی

گذشتہ زمانہ میں 'لقمان' نام کے ایک صاحبِ عقل ودانش گذرے ہیں، اس سورہ میں ان کی نصیحتوں کا ذکر آیا ہے، جو انھوں نے اپنے صاحبزادہ سے کی تھی، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام لقمان ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت لقمان علیہ السلام کے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور اپنے فرزندوں کو نصیحت سے متعلق واقعہ دریافت کیا، اس پس منظر میں یہ سورہ نازل ہوئی، اس سورہ میں بھی زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر ہے، یہ بات بھی فرمائی گئی ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ کو جن باتوں کا حکم فرمایا، یعنی: صبر، والدین کے ساتھ حسن سلوک، نماز، نیکی کی دعوت، برائی سے روکنا، اعتدال اور آواز کو پست رکھنا وغیرہ، ان نصیحتوں کا بھی تذکرہ ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ الف، لام، میم ﴿۱﴾ ۝۱ یہ حکمت سے معمور کتاب کی آیتیں ہیں ۝۲ (یہ کتاب) اچھے عمل کرنے والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور رحمت ہے ۝۳ یعنی ان لوگوں کے لئے جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ﴿۲﴾ ۝۴ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے درست راستہ پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ۝۵ اور بعض لوگ (اللہ سے) غافل کردینے والی باتیں خرید کرتے ہیں؛ تاکہ بغیر سمجھے بوجھے اللہ کے راستہ سے ہٹادیں اور اس کا مذاق اُڑائیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے رُسوا کن عذاب ہے۔ ﴿۳﴾ ۝۶

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات ہیں، جس کی وضاحت سورہ بقرہ کے شروع میں آچکی ہے۔

﴿۲﴾ یعنی قرآن مجید ہدایت تو تمام انسانوں کے لئے ہے؛ لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اُٹھائیں گے، جو نیک عمل کرتے ہیں، نیک عمل کی فہرست تو بہت لمبی ہے؛ لیکن نماز اور زکوٰۃ تمام نیک اعمال کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں، نماز ایک جسمانی عبادت ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا پورا وجود اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے، اور زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے، جس کی روح یہ ہے کہ انسان مال کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھے، اللہ ہی کے حکم کے مطابق حاصل بھی کرے اور خرچ بھی کرے، اس طرح یہ دونوں عبادتیں زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے احکام پر قائم رہنے کی تعلیم دیتی ہیں اور اس کے ساتھ آخرت پر یقین کا ذکر فرمایا گیا؛ کیوں کہ انسان کا اپنے آپ کو نیکیوں پر قائم رکھنا اور گناہوں سے بچا رہنا آخرت کے یقین کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

﴿۳﴾ لہو کے معنی ایسی بات یا چیز کے ہیں، جو انسان کو غافل کردے؛ اسی لئے وہ تمام باتیں اس میں شامل ہیں، جس میں دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو ''یشتری'' کے معنی تو خریدنے کے ہیں؛ لیکن چوں کہ خریدار قیمت ادا کرکے ایک چیز کی ملکیت کو اختیار کرتا ہے؛ اس لئے اس کے معنی اختیار کرنے کے بھی ہوسکتے ہیں، قرآن میں بعض جگہ یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے: ''اَلَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى'' (البقرۃ:۱۶) یہاں بھی یہی معنی مراد ہے کہ بعض لوگ غفلت میں ڈال دینے والی چیزوں یا باتوں کو اختیار کرلیتے ہیں، اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ نضر بن حارث ایران کے بادشاہوں کے واقعات پر مشتمل کتابیں خرید کر لاتا، اسے اہل مکہ کو سناتا، اور کہتا کہ یہ اس کلام سے بہتر ہے، جو محمد (ﷺ) پیش کرتے ہیں، کبھی ان کو اسلام سے دور کرنے کے لئے اپنی باندیوں سے گانے وغیرہ بھی سنواتا اور سب کا مقصد یہ ہوتا کہ لوگ قرآن مجید کی طرف سے بے توجہ ←

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

اور جب اس پر ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ تکبر کرتا ہوا اس طرح منھ پھیر لیتا ہے کہ جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو، گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے، تو اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے ﴿۷﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ ﴿۸﴾

← ہو جائیں، (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۵۲) چنانچہ 'لہو الحدیث' (غفلت میں ڈالنے والی بات) میں گانا بجانا شامل ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے فرمایا، (قرطبی: ۱۴/ ۵۳) لیکن اس کے علاوہ وہ تمام طریقے جو انسان کو غفلت میں ڈال دینے والے اور خواہش پرستی کی طرف لے جانے والے ہوں، سب اس میں شامل ہیں، خواہ یہ گانے بجانے کی شکل میں ہو، جھوٹی کہانیوں، فرضی افسانوں اور ناولوں کی شکل میں ہو، یا ڈراموں، نفسانی جذبات کو اُکسانے والی فلموں، عشقیہ اشعار یا فحش لطائف کی شکل میں، یہ تمام باتیں اور ان کے لئے منعقد کی جانے والی مجلسیں 'لہو الحدیث' میں شامل ہیں اور درجہ بدرجہ اپنے نقصانات کے اعتبار سے حرام یا مکروہ ہیں، مفسرین اور فقہاء نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اشعار یا کتاب یا گانے بجانے میں دین کا مذاق اُڑایا جائے تو کفر ہے، دوسرے: مزامیر یعنی باجوں کے ساتھ گانا اور ان کو سننا بھی حرام ہے اور وہ بھی اس میں شامل ہے، (کتاب الاختیار للموصلی: ۴/ ۱۶۵) تیسرے: ایسی کہانیاں، اشعار، مشاعرے، اور کھیل جو فرائض سے بے توجہ کر دینے والے ہوں مکروہ تحریمی ہیں، چوتھے: غیر محرم عورتوں سے گانا سننا حرام ہے، (عنایہ شرح ہدایہ: ۷/ ۴۰۸) پانچویں: ایسے اشعار کا سننا یا سنانا جس میں اچھی باتیں ہوں جائز ہے: "ولو فيه وعظ وحكمة فجائز اتفاقاً" (روح المعانی: ۲۱/ ۶۹) چھٹے: اگر آدمی اپنے آپ میں سکون خاطر کے لئے گنگنا لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں: "وفي الدر المختار التغني لنفسه لدفع الوحشة لا بأس به عند العامة على ما في العناية وصححه العيني وإليه ذهب شمس الأئمة السرخسي" (رد المحتار: ۶/ ۳۴۸) ساتویں: صوفیاء کا مزامیر کے بغیر نعتیہ یا اصلاحی اشعار کا پڑھنا اور سننا تو درست ہے؛ لیکن آج کل بعض خانقاہوں میں جو عرس کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور اس میں ہارمونیم اور طبلہ کے ساتھ قوالی گائی جاتی ہے، یہ بھی حرام ہے: "وأما ما ابتدعه الصوفية في ذلك فمن قبيل ما لا يختلف في تحريمه" (روح المعانی: ۲۱/ ۷۰) بلکہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ چوں کہ اس کو عبادت سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے؛ اس لئے دوسرے گانوں کے مقابلہ اس کا گناہ بڑھ کر ہے: "بل هذا أشد من كل تغن، لأنه مع اعتقاد العبادة" (روح المعانی: ۲۱/ ۶۸) —— جو حکم کسی فعل کا ہے، وہی حکم اس فعل کو انجام دینے والے آلات و وسائل کا ہے؛ اس لئے جو آلات گانے بجانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، جیسے: طبلہ، سارنگی وغیرہ، یا جو اشیاء حرام کھیلوں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، ان کا خریدنا اور بیچنا بھی حرام ہوگا، جن چیزوں کا استعمال مکروہ کاموں کے لئے ہو، ان کا خرید و فروخت کرنا بھی مکروہ ہوگا اور جو جائز کام ہیں، ان کے آلات کی خرید و فروخت بھی جائز ہوگی؛ کیوں کہ اُصول یہ ہے کہ جو حکم مقصود کا ہوتا ہے، وہی حکم ذریعہ کا بھی ہوتا ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا
وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ
یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ
وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾

ع ۱۰ — وقف النبی ﷺ — النصف

وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے ﴿۹﴾ اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے، جنھیں تم دیکھ رہے ہو ﴿۱﴾ زمین میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں کہ یہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگیں اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے ہیں، نیز ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگا دیں، ﴿۲﴾ ﴿۱۰﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے تو مجھ کو دکھاؤ کہ اللہ کے سوا (جو معبودانِ باطل ہیں، انھوں) نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں؟ بلکہ یہ ظالم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۱۱﴾ اور ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا کی تھی کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں، اور جو شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بہت تعریف کے لائق ہیں ﴿۱۲﴾ اور وہ وقت یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ، یقیناً شرک کرنا بڑی ہی ناانصافی کی بات ہے، ﴿۱۳﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں بڑی تاکید کی (اس لئے کہ) اس کی ماں بے حد کمزوری سے دوچار ہو کر اس کو (اپنے پیٹ میں) اُٹھائے رکھتی ہے اور دو سال میں اس کا دودھ چُھڑانا ہے؛ کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرتے رہو، آخر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے! ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ اس کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ تم آسمانوں کو دیکھ رہے ہو کہ وہ بغیر ستونوں کے قائم ہیں، دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ آسمان ایسے ستونوں کے بغیر ہے، جن کو تم دیکھ سکو، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۵۸) پہلے ترجمہ کے اعتبار سے اس کی مراد واضح ہے کہ دنیا میں چھوٹی سی چھوٹی اور ہلکی سی ہلکی چھت کے لئے بھی ستون کی ضرورت ہوتی ہے؛ لیکن اتنا بڑا اور وسیع آسمان کسی ستون کے بغیر اپنی جگہ رکا ہوا ہے، دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کے ستون تو ہیں؛ لیکن تم کو نظر نہیں آتے، موجودہ سائنسی تحقیق کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ مختلف سیاروں کے اندر جو قوت کشش رکھی گئی ہے، جس نے سب کو ایک مقررہ فاصلہ پر تھام رکھا ہے، یہی قوت ستون کا کام کر رہی ہے۔ واللہ اعلم

﴿۲﴾ عمدہ پودے رنگ و بو کے اعتبار سے بھی، مزے کے اعتبار سے بھی اور صحت کے لئے مفید ہونے کے اعتبار سے بھی۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵
يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝۱۶ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۷ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ
ع ۲/۱۱ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝۱۹

اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ، جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، تو تم ان کا کہا نہیں مانو اور بہتر طور پر دنیا میں ان کے ساتھ رہو، نیز اس شخص کے راستہ کی پیروی کرو، جو میری طرف رُجوع کرتا ہے، ﴿۱﴾ پھر میری ہی طرف تم سب کو واپس آنا ہے، تو میں تم کو تمہارے اعمال کے بارے میں بتادوں گا ۝۱۵ اے میرے بیٹے! اگر رائی کے ایک دانے کے برابر بھی کوئی چیز ہو، خواہ وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں، تو اللہ تعالیٰ اس کو حاضر کردیں گے، بے شک اللہ بڑے باریک بیں اور بہت باخبر ہیں ۝۱۶ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو، بھلائی کا حکم دیتے رہو، برائی سے روکتے رہو، اور جو مصیبت پیش آئے، اس پر صبر کرو، یقیناً یہ بڑے اہم کاموں میں سے ہے ۝۱۷ لوگوں سے اپنا رُخ نہ پھیر لیا کرو اور نہ زمین میں اِترا کر چلو، بے شک اللہ تکبر کرنے والے اور اِترانے والے کو پسند نہیں فرماتے ۝۱۸ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو کہ سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔ ﴿۲﴾ ۝۱۹

﴿۱﴾ اس سے تقلید کا ثبوت ملتا ہے؛ کیوں کہ تقلید عملی احکام میں ایک ایسے فقیہ کی پیروی ہے، جو اللہ کی طرف رُجوع کرتا ہے، علامہ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے اسی سے اجماع یعنی ''کسی شرعی مسئلہ میں اُمت کا اتفاق'' کے حجت ہونے کو ثابت کیا ہے، (احکام القرآن: ۳/ ۳۵۲) کیوں کہ اجماع اللہ کی طرف رُجوع کرنے والے نیک بندوں کا اجتماعی راستہ ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ لقمان ایک ایسے شخص تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فطری حکمت و دانائی سے نوازا تھا، ان کے والد کا نام بعض لوگوں نے باعوراء اور بعض نے عنقا بتایا ہے، ان کے نسب کے سلسلے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کی اولاد میں سے تھے اور بعض نے ان کو حضرت ایوب علیہ السلام کا بھانجا یا خالہ زاد بھائی قرار دیا ہے، نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک ہزار سال کی عمر پائی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی ان کے زمانہ کو پایا، یہ بنی اسرائیل کے قاضی بھی تھے، سیاہ فام تھے اور شکل و صورت بظاہر بہتر نہیں تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا تھا، اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ نبی نہیں تھے؛ بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں صریح حدیث بھی نقل کی گئی ہے، حکمت سے مراد اصابت رائے یعنی درست رائے تک پہنچنا ہے، خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۵۹، نیز دیکھئے: مدارک التنزیل: ۹۱۷) قرآن مجید نے جس اہتمام کے ساتھ لقمان کا ←

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ نے اس کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم کو بھرپور طریقے پر عطا کی ہیں، پھر بھی بعض لوگ علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر ہی اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۰﴾

← اور ان کی نصیحتوں کا ذکر کیا ہے، اس سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ لقمان علم وفضل کے حامل ایک برگزیدہ شخص تھے؛ البتہ تفسیر کی کتابوں میں ان کی نسبت سے جو باتیں نقل کی گئی ہیں، وہ کسی معتبر روایت پر مبنی نہیں ہیں، ان آیات میں لقمان کی نو (۹) نصیحتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو انھوں نے اپنے صاحبزادہ کو کی تھیں، اول: یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ؛ کیوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے، دوسرے: نماز قائم کرو، تیسرے: نیکی کا حکم دو، چوتھے: برائی سے روکنے کی کوشش کرو، پانچویں: اگر کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو اس پر صبر کرلو، چھٹے: لوگوں سے بے رُخی نہ برتو، ساتویں: زمین میں اِترا کر نہ چلو جو تکبر کی علامت ہے، آٹھویں: چلنے میں میانہ روی اختیار کرو، یعنی کسی خاص سبب کے بغیر نہ بہت تیز چلو، اور نہ بالکل آہستہ، نویں: آواز کو پست رکھو، چیخنے چِلّانے اور ضرورت سے زیادہ زور سے بولنے سے بچو، جو متکبر لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ گدھے کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے اور یہی آواز سب سے ناپسندیدہ بھی ہوتی ہے، اس میں آخری چار نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے ہر عمل میں تواضع کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

ان نصیحتوں کے درمیان آیت نمبر: ۱۴، اور ۱۵ ہے، جس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور خاص کر ماں کے درجہ ومقام پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو اولاد کے لئے غیر معمولی تکلیف اُٹھاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اگر والدین تم سے کفر وشرک کا مطالبہ کریں تب بھی تم ان کے ساتھ بہتر سلوک رکھو؛ لیکن اس معاملہ میں ان کی بات نہ مانو، اس ذیل میں دو فقہی مسائل بھی آگئے، ایک یہ کہ دودھ پینے والے بچے کا دودھ دو سال میں چھڑا دینا چاہئے، یہی جمہور فقہاء کا نقطۂ نظر ہے؛ البتہ احناف کے نزدیک چوں کہ اچانک دودھ کا چھڑا دینا بڑا دشوار ہوتا ہے، اس لئے مزید چھ ماہ تک دودھ پلانے کی گنجائش ہے، (ہندیہ: ۱/۳۴۲) دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی ایسی بات میں ماں باپ کی اطاعت جائز نہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو، خواہ مسلمان ماں باپ اس کا مطالبہ کریں یا غیر مسلم، تیسرے: ماں باپ چاہے غیر مسلم ہوں، ان کے حقوق اولاد کے ذمہ ہوتے ہیں، جیسے: نفقہ اور خدمت وغیرہ، (بدائع الصنائع: ۳/۴۳۹) اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ خواہ کوئی اچھی ہی بات کیوں نہ ہو پھر بھی ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا بہتر نہیں، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے اذان طاقت سے زیادہ بلند آواز میں دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۷، مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۰۶۰)

﴿۱﴾ ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں، جن کو عقل اور احساس کے ذریعہ جانا جاسکتا ہے، باطنی نعمتوں سے وہ پوشیدہ نعمتیں مراد ہیں، جن کا عقل اور احساس کے ذریعہ ادراک نہیں ہوسکتا۔ (فتح القدیر: ۴/۲۳۳)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢١﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا
مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ
نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ
قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کی پیروی کرو، جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو وہ کہتے ہیں: نہیں، ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا اگرچہ کہ شیطان ان کے باپ دادا کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو (تب بھی وہ ان ہی کی پیروی کرتے رہیں گے؟) ﴿۱﴾ ﴿٢١﴾ اور جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف رکھے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے مضبوط حلقہ کو تھام لیا، ﴿۲﴾ اور تمام چیزوں کا آخری انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ﴿٢٢﴾ اور جو لوگ کفر کریں، تو انکا کفر آپ کے لئے رنج وغم کا باعث نہ بنے (کیوں کہ) ان سب کی واپسی ہماری ہی طرف ہوگی، تو ہم ان کو ان کے کرتوتوں کے بارے میں بتادیں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں ﴿٢٣﴾ ہم ان کو چند دنوں فائدہ اُٹھانے کا موقع دے رہے ہیں، پھر ہم ان کو سخت عذاب کی طرف کھینچ لائیں گے ﴿٢٤﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ بھی ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ فرمادیجئے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں؛ لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں، ﴿۳﴾ ﴿٢٥﴾ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے، یقیناً اللہ بے نیاز ہیں اور بڑی خوبیوں والے ہیں۔ ﴿٢٦﴾

﴿۱﴾ انسان کو صحیح راستہ سے روکنے والا ایک اہم سبب باپ دادا کی اندھی تقلید ہے، چاہے وہ خود ہدایت سے محروم رہے ہوں۔

﴿۲﴾ یعنی اس نے توحید کی رسی تھام لی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ''العروۃ الوثقیٰ'' کی تفسیر 'لا الہ الا اللہ' سے کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۷۴)

﴿۳﴾ یہ عجب بات ہے کہ مشرکین کے مختلف گروہ شرک کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور عقیدۂ توحید کا دعویٰ بھی، جیسے عیسائی تین خدا ماننے کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم ایک خدا کے قائل ہیں، خود ہندو ہزاروں دیویوں اور دیوتاؤں کو پوجنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اصل اِیشوَر تو صرف اللہ کی ذات ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ
كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ یَّجْرِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۹﴾

زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں اور (دنیا کے) سمندر کے علاوہ سات سمندر سیاہی بن جائیں، تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یقیناً اللہ غالب اور خوب حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۷﴾ تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے) کی طرح ہے، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۲۸﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور اسی نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے، ہر چیز ایک مقررہ وقت تک چلتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''و ما اوتیتم من العلم الا قلیلاً'' (ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ بنی اسرائیل، حدیث نمبر: ۳۱۴۰) یعنی تمہیں بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے، کے بارے میں یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کہ ہمارے بارے میں ایسا کہنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید نے خود تورات کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے: ''تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ'' (النحل: ۸۹) اور ہم لوگ تورات کے عالم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کو علم کی بہت کم مقدار دی گئی ہے، یہ حقیقت کا اظہار ہے اور سب کے لئے ہے، اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ اللہ کی باتیں، اس کی مخلوقات، اس کی قدرت کی نشانیاں اور اس کی صفات و کمالات، اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا، یہاں تک کہ اگر زمین کے تمام درختوں کے قلم بنا دیئے جائیں اور ایک ہی نہیں سات سات سمندر روشنائی بن جائیں، تب بھی وہ ختم نہ ہوں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۴/۷۶) تورات میں ہر چیز کی وضاحت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لئے ضروری احکام کی اس میں وضاحت کر دی گئی ہے، نہ یہ کہ اس نے اللہ کی تمام باتوں کو سمولیا ہے، اس تفسیر کے مطابق یہ آیت مدنی قرار پاتی ہے؛ کیوں کہ یہود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مدینہ میں ہوئی ہے، تاہم اس میں مشرکین کی تردید بھی ہے کہ خدا کی قدرت تو بے پناہ ہے، تم جن چیزوں کی پوجا کرتے ہو، وہ اس کی بنائی ہوئی کائنات کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ہیں، ایسی چیز کیسے خدا ہوسکتی ہے؟

﴿۲﴾ یعنی اللہ کے حکم سے کبھی دن کے اوقات بڑھ جاتے ہیں، کبھی رات کے، اور سورج و چاند کا بھی حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے نظام سے ذرا بھی ہٹ نہیں سکتے، تو تم تو ان کو خدا بنائے ہوئے ہو؛ حالاں کہ یہ خود احکام خداوندی کو بجالانے میں لگے ہوئے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ۳ ع ۱۱ ۱۲
اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا
نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ
اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا
تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ۴ ع ۱۳

یہ سب اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے اور اللہ کے سوا وہ جن کو پکارتے ہیں، وہ سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ ہی بلند مرتبہ والے اور بڑے ہیں ﴿۳۰﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں اللہ کے فضل سے سمندر میں چلتی ہیں؛ تا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں؟ یقیناً اس میں ہر اس شخص کے لئے نشانیاں ہیں، جو صبر کرنے والا اور شکر گذار ہے ﴿۳۱﴾ اور جب ان کو کوئی موج سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اللہ ہی کو — اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے — پکارتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو خشکی کی طرف بچا کر لے آتے ہیں، تو ان میں سے کچھ ہی لوگ درست راستہ پر قائم رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو عہد کو توڑنے والے اور ناشکری کرنے والے ہیں، ﴿۳۲﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو، جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے بھی کام نہیں آئے گا اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ کے کچھ کام آئے گی، یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے؛ اس لئے دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور وہ (شیطان) ہرگز تم کو اللہ کے معاملہ میں دھوکہ میں نہ ڈال دے، ﴿۳۳﴾ یقیناً اللہ کو قیامت (کے وقت) کا علم ہے، وہی بارش برساتا ہے اور جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے، اس کو جانتا ہے، کسی شخص کو معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی شخص کو اس بات کا علم ہے کہ کس زمین میں اس کی موت واقع ہوگی؟ یقیناً اللہ ہی خوب جاننے والے اور خوب باخبر ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾

﴿۱﴾ غیب سے وہ باتیں مراد ہیں، جو انسان کی نظر سے اوجھل ہوں اور علم سے ایسا علم مراد ہے، جو یقینی ہو، جو اندازہ اور تخمینہ پر مبنی نہ ہو اور جس کو انسان کسی شخص یا کسی مشین کے واسطہ سے نہ جانے؛ بلکہ براہ راست جان لے، پھر جو ہستی انسان کی نظر سے پوشیدہ ←

← تمام چیزوں کو یقینی طور پر اور بلا واسطہ جانتی ہو، اسی کو اصطلاح میں 'عالم الغیب' کہا جاتا ہے، عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے: ''قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللہ'' (النمل: ۶۵) یوں تو غیب کی تمام باتیں صرف اللہ ہی جانتے ہیں؛ لیکن بعض باتیں وہ ہیں، جن کو انسان خاص طور پر جاننا چاہتا ہے، ایسی ہی پانچ باتوں کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، اول: یہ کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، دوسرے: بارش کے ہونے کا یقینی علم اللہ ہی کے پاس ہے؛ کہ وہ کب ہوگی، کتنی ہوگی اور کس علاقہ میں ہوگی؟ اگرچہ آج کل بارش کی پیش قیاسی کی جاتی ہے اور بعض دفعہ وہ صحیح بھی ثابت ہوتی ہے؛ لیکن یہ اندازہ پر مبنی ہوتا ہے؛ اس لئے بہت سی دفعہ پیش قیاسی کے خلاف صورتِ حال بھی سامنے آجاتی ہے، تیسرے: رحم کے اندر جو بچہ ہے، اس کے بارے میں صحیح علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ نیک وصالح ہوگا یا بدعمل، بعض اوقات ماں باپ بہت نیک ہوتے ہیں اور بچہ اس کے برخلاف ہوتا ہے، اور کبھی والدین اچھے نہیں ہوتے اور بچہ ولی صفت نکلتا ہے، اسی طرح بچہ کا رنگ گورا ہوگا یا کالا، اور وہ حمل میں کتنے دنوں رہے گا؟ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے، لڑکا ہوگا یا لڑکی، اس کا براہ راست علم اللہ ہی کو ہے، اگرچہ آج کل ایک خاص مرحلہ کے بعد حمل میں موجود بچے کی جنس بتائی جاسکتی ہے؛ لیکن یہ مشینی آلات کے واسطہ سے، اور اس میں بھی بعض اوقات غلطی ہوجاتی ہے، چوتھی چیز: یہ ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا؟ کمانے میں تینوں باتیں شامل ہیں مال کا کمانا، اچھے یا برے عمل کرنا، اور اچھے یا برے حالات سے دوچار ہونا، قرآن مجید میں ان سب کو کمانے سے تعبیر کیا گیا ہے، پانچویں: کس شخص کی موت کہاں ہوگی؟ —— ان ساری باتوں کو یقینی طور پر اور بلا واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ یا کوئی بھی پیغمبر عالم الغیب نہیں ہیں اور ان کو عالم الغیب کہنا مشرکانہ بات ہے، یہ جو فرمایا گیا کہ پیغمبر غیب کی باتوں کو بتانے میں بخیل نہیں ہیں، اس سے غیبی احوال مراد نہیں ہیں، جن کا اس آیت میں ذکر ہے؛ بلکہ غیبی احکام مراد ہیں، جو انبیاء کو دیئے جاتے ہیں؛ تاکہ وہ اسے لوگوں تک پہنچادیں اور وہ اس پر عمل کرسکیں، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو بعض ایسے غیبی احوال بھی بتائے گئے ہیں، جن سے لوگوں کی نصیحت اور اصلاح متعلق ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اُمت کو آگاہ کردیا ہے؛ چوں کہ یہ علم آپ ﷺ کو وحی کے واسطہ سے حاصل ہوا؛ اس لئے اس کو علم غیب نہیں کہا جاسکتا، اور اگر اس کی بنا پر حضور ﷺ کو 'عالم الغیب' کہا جائے، تو پھر تو اُمت کو بھی عالم الغیب کہنا پڑے گا؛ اس لئے کہ غیب کی بہت سی باتیں آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو بتائی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے وہ بھی اس کا علم رکھتے ہیں۔

سُورَةُ السَّجدَة

- سورہ نمبر : (۳۲)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۳۰)
- نوعیت : مکی

اس سورہ میں مومنوں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ آیت قرآنی کو سننے کے وقت سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں؛ اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'سورہ سجدہ' ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک سورہ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھ نہ لیتے، سوتے نہ تھے: ''لا ینام حتی یقرأ الملک والسجدۃ'' (ترمذی، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک، حدیث نمبر: ۲۸۹۲۰)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن نماز فجر میں ''سورۂ سجدہ'' اور ''ھل أتی علی الانسان حین من الدھر'' پڑھنے کا معمول تھا: ''أنه کان یقراء فی الفجر یوم الجمعة الم تنزیل وھل أتی۰۰۰''۔ (مسلم، باب مایقرأفی یوم الجمعۃ، حدیث نمبر: ۶۵)

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی توحید و رسالت، آخرت کا تذکرہ ہے اور ان مضامین پر کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے استدلال فرمایا گیا ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳ اَللّٰهُ
الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى
الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ الف، لام، میم ﴿۱﴾ ۝۱ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب تمام عالم کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، ۝۲ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ نہیں؛ بلکہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے سچی کتاب ہے؛ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں، جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا، ﴿۲﴾ شاید یہ لوگ صحیح راستہ پر آجائیں ۝۳ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوگیا، ﴿۳﴾ اس کے سوا تمہارا نہ کوئی مددگار ہے نہ کوئی سفارشی، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ۝۴ وہ آسمان سے زمین تک ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے، پھر اسی کی طرف ہر چیز اس دن پہنچ جائے گی، ﴿۴﴾ جس کی مقدار تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کی ہوگی، ﴿۵﴾ ۝۵ وہی غائب اور حاضر کا جاننے والا، بہت زبردست اور بے حد مہربان ہے۔ ۝۶

﴿۱﴾ سورۂ بقرہ کے شروع میں اس سے متعلق وضاحت آچکی ہے۔

﴿۲﴾ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد خاص عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا، یہ اور بات ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی عرب کے بعض لوگ عقل اور فطرت کی آواز پر شرک سے بچے ہوئے تھے اور توحید پر قائم تھے، جیسے عمرو بن نفیل جو آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے تین سال یعنی ہجرت سے ۱۳ رسال پہلے وفات پاگئے، اور ورقہ بن نوفل جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق کی تھی؛ لیکن جلد ہی ان کی وفات ہوگئی۔

﴿۳﴾ یہ مضمون سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۵۴ میں گذر چکا ہے۔

﴿۴﴾ یعنی زمین والوں کے اچھے اور برے اعمال کی داستان جسے فرشتے لے کر خدا کے حضور پہنچیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴ر۸۷)

﴿۵﴾ یعنی اس دن کی مقدار تو ایک ہزار سال کی ہوگی؛ لیکن بعض حضرات کو تکلیف و مشقت کی وجہ سے ایک ہزار سال کا صرف ایک دن پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا، اسی طرف سورۂ معارج میں اشارہ کیا گیا ہے: ''فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ''۔ (المعارج: ۴)

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ
سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬
بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ ع ۱۱ ۱۴
اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ
هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

اس نے جو چیز بھی بنائی ، بہتر بنائی ﴿۱﴾ اور مٹی سے انسان کے پیدا کرنے کا آغاز کیا ، ﴿۷﴾ پھر اس کی نسل کو ایک نچوڑے ہوئے معمولی پانی کے ذریعہ بنایا ﴿۲﴾ ﴿۸﴾ پھر اس کو درست کیا ، اس میں اس کی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان ، آنکھیں اور دل بنائے ، (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ، ﴿۹﴾ اور ان لوگوں نے کہا : جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم ازسرنو پیدا کئے جائیں گے ؟ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے رب سے ملاقات ہی کے قائل نہیں ہیں ﴿۳﴾ ﴿۱۰﴾ آپ کہہ دیجئے : وہی فرشتۂ موت تمہاری جان نکالیں گے ، جن کو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے ، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾ کاش ، آپ اس وقت کو دیکھتے جب یہ مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے (اور عرض کر رہے ہوں گے :) ’’ اے ہمارے رب ! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ، اب پھر ہمیں واپس بھیج دیئے ، ہم نیک عمل کیا کریں گے ، ہمیں پورا یقین ہوگیا ہے ‘‘ (اللہ فرمائیں گے :) ﴿۱۲﴾ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کے صحیح راستہ پر لے آتے ؛ لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہوچکی تھی ، کہ میں ضرور دوزخ کو جناتوں سے اور انسانوں سے بھر دوں گا ۔ ﴿۴﴾ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق اپنی جگہ مکمل اور ظاہری و معنوی خوبیوں کو لئے ہوئی ہے ۔

﴿۲﴾ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ اس نے پہلے انسان کو مٹی سے اور اس کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا ، جو معمولی اور حقیر سمجھا جاتا ہے ؛ لیکن اسی سے انسان جیسی عظیم مخلوق وجود میں آئی ۔

﴿۳﴾ فرشتۂ موت سے مراد حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں ۔ (تفسیر قرطبی : ۱۴ / ۹۳)

﴿۴﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہر ایک کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتے ؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا منشاء ہی یہ ہے کہ انسان کا امتحان لیا جائے اور جو لوگ اس امتحان میں ناکام ہوجائیں ، انھیں جہنم میں داخل کیا جائے ؛ اس لئے اگر کچھ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں تو اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے عین مطابق ہے ۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدة تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

السجدۃ ۹

لٰہذا جیسے تم نے اس دن کے آنے کو بھلا دیا تھا، اب اس کا مزا چکھو، (آج) ہم نے بھی تم کو بھلا دیا ہے اور تم اپنے کرتوتوں کی بدولت ہمیشہ کا عذاب چکھتے رہو ﴿۱۴﴾ ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کو اِن آیات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں، وہ اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے، ﴿۱۵﴾ ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۵، ۱۶ میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ ﷺ غم نہ کریں، کہ یہ تو بگڑے ہوئے لوگ ہیں؛ لیکن نیک اور اچھے لوگ جو اللہ کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور جن کے اندر تکبر نہیں ہے، وہ آپ ﷺ پر ایمان لا رہے ہیں، سجدے کی کیفیت کے ساتھ ''سبحوا بحمد ربھم'' فرمایا گیا، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کے ساتھ ساتھ تسبیح بھی کرتے ہیں، اس میں سجدہ کی تسبیح 'سبحان ربی الاعلیٰ' کی طرف اشارہ ہوگیا، اس میں سبحان کا لفظ تسبیح ہے اور اعلیٰ کا لفظ حمد ہے، پھر ان کی صفت بیان کی گئی کہ ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، یعنی جو وقت بستر پر آرام کرنے کا ہے، اس وقت وہ بستر سے الگ ہوکر نماز پڑھتے ہیں، اکثر مفسرین نے اس سے نماز تہجد مراد لی ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں خود حضور ﷺ سے اس آیت کی تفسیر: ''صلاۃ الرجل من جوف اللیل'' کے لفظ سے منقول ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، (ترمذی: کتاب الایمان، حدیث نمبر ۲۶۱۶) بعض مفسرین نے اس سے نماز عشاء، بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان نفل، اور بعض نے عشاء اور فجر کو با جماعت ادا کرنا مراد لیا ہے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۰۰) —— اس سے نماز تہجد کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص ہیں، جن کو دیکھ کر اللہ خوش ہوتے ہیں، ان میں ایک شخص وہ ہے جو رات میں اپنے بستر اور لحاف چھوڑ کر بیدار ہو، اچھی طرح وضو کرے اور نماز کے لئے کھڑا ہوجائے، اللہ اپنے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ میرے بندے کو اس عمل پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: آپ اس کو زیادہ جانتے ہیں، اللہ فرماتے ہیں: میں جانتا ہوں؛ لیکن تم مجھے بتاؤ، فرشتے کہتے ہیں: آپ نے اس کو کسی چیز کی اُمید دلائی ہے، اس کی اُمید کرکے، اور کسی چیز سے ڈرایا ہے تو اس سے ڈر کر، اللہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو اس چیز سے محفوظ کردیا، جس کا اسے خوف ہے اور اس کے حق میں اس چیز کا فیصلہ کردیا جس کی اس کو اُمید ہے، (طبرانی فی الکبیر: ۱۰۱/۹، حدیث نمبر: ۸۵۳۲) —— آگے تیسری صفت بیان کی گئی کہ وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید کے ساتھ پکارتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دُعا میں انسان کو اللہ کا خوف بھی ہونا چاہئے اور اللہ سے اُمید بھی۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ
مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ
الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ
يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ع ۲/۱۱/۱۵
مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

کسی (مسلمان) کو وہ چیز معلوم نہیں ہے جو ان کے لئے چھپا کر رکھی گئی ہے، یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک، جو ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۷﴾ جو شخص مسلمان ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے، جو نافرمان ہے؟ یہ برابر نہیں ہوسکتے، ﴿۱۸﴾ غرض کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا تو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنت ہے، یہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کی مہمان نوازی ہے ﴿۱۹﴾ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جب بھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے، اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے اس عذاب کو چکھو، جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ﴿۲۰﴾ اور ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب چکھاتے رہتے ہیں؛ تاکہ وہ (ہماری طرف) لوٹ آئیں، ﴿۲﴾ ﴿۲۱﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جس کو اس کے پروردگار کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جائے، پھر بھی وہ اس سے بے رخی برتے؟ یقیناً ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے، ﴿۲۲﴾ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی؛ لہٰذا آپ کو بھی کتاب کے ملنے کے بارے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے ﴿۳﴾ اور ہم نے اُس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ یعنی آخرت میں اہل جنت کو جو انعام دیا جائے گا، وہ انسان کے تصور سے بھی بالاتر ہوگا، وہ ایسی نعمتیں ہوں گی، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل پر ان کا خیال تک گذرا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں نسبتاً چھوٹے موٹے عذاب قحط وغیرہ کی شکل میں دیتے رہتے ہیں؛ تاکہ ان کو تنبیہ ہو اور یہ تنبیہ ان کو اللہ کی طرف لے آئے۔

﴿۳﴾ ''لقائه'' میں کس کا ملنا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے مختلف اقوال منقول ہیں؛ لیکن آیت کے مضمون سے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ اس سے 'آسمانی کتاب' کا ملنا مراد ہے، یعنی جیسے ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تھی، اسی طرح آپ کو بھی کتاب عطا کی ہے، اس بات میں آپ کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے یہ قول نقل کیا ہے، (مفاتیح الغیب: ۲۴/۲۶۲) اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، نیز علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے، (تفسیر بیضاوی: ۴/۱۵۷، روح المعانی: ۲۱/۱۳۷) برصغیر کے مفسرین میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی یہی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ (بیان القرآن: ۹/۳۲)

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَ
لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ
الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ
اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

الثلثۃ — ع ۳ / ۸ / ۱۶

نیز ہم نے ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ان میں سے کئی پیشوا بنائے، جو ہمارے حکم کے مطابق راستہ بتاتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۲۴﴾ بے شک آپ کے پروردگار قیامت کے دن اِن کے درمیان اُن چیزوں کے بارے میں فیصلہ فرمادیں گے، جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں، ﴿۲۵﴾ کیا یہ بات ان کو ہدایت پر نہیں لائی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی اُمتوں کو ہلاک کردیا ہے، جن کی بستیوں میں یہ چلا پھرا کرتے ہیں، ﴿۲﴾ یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں، کیا وہ سنتے نہیں ہیں؟ ﴿۲۶﴾ اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی کو بہالے جاتے ہیں، پھر اس سے کھیتیاں نکالتے ہیں، جس سے ان کے جانور بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی، کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں؟ ﴿۳﴾ ﴿۲۷﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا؟ ﴿۲۸﴾ آپ فرمادیجئے: کفر کرنے والوں کو فیصلہ کے دن ان کا ایمان لانا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی؛ ﴿۴﴾ ﴿۲۹﴾ لہٰذا ان سے پہلو تہی اختیار کیجئے اور انتظار کرتے رہئے، یقیناً وہ لوگ بھی (اپنے انجام کا) انتظار ہی کررہے ہیں۔ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ پیشوا سے مراد انبیاء بھی ہوسکتے ہیں، اور بنی اسرائیل کے علماء اور مصلحین بھی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۰۹)

﴿۲﴾ یعنی قوم لوط اور قوم عاد وثمود وغیرہ، جن کے کھنڈرات اہل مکہ کو تجارتی اسفار میں ملا کرتے تھے۔

﴿۳﴾ یعنی زمین کو سیراب کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہاں بارش برسائی جاتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک مقام پر بارش ہوتی ہے، پانی کی کثرت کی وجہ سے یہ پانی دریاؤں اور ندیوں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور ایسے علاقہ تک پہنچ جاتا ہے جو پانی سے محروم ہو۔

﴿۴﴾ یعنی مشرکین کہتے ہیں کہ جس 'فیصلہ کے دن' یعنی قیامت کا بار بار ذکر کرتے ہو، آخر وہ کب آئے گی؟ —— جواب دیا گیا کہ وہ دن آئے گا ضرور؛ لیکن تمہارے لئے اصل فکر کی بات یہ ہے کہ جب یہ دن آئے گا تو اس وقت پھر تم کو کوئی مہلت نہیں مل سکے گی، غرض کہ 'فتح' سے قیامت مراد ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس سے جنگی فتح وکامیابی مراد لی ہے اور فیصلہ کے دن سے غزوۂ بدر یا فتح مکہ کا دن مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۱، ۱۲)

سُورَةُ الأَحْزَاب

- سورہ نمبر : (۳۳)
- رکوع : (۹)
- آیتیں : (۷۳)
- نوعیت : مدنی

حزب کے معنی جماعت، گروہ، جتھے کے آتے ہیں، اسی کی جمع 'احزاب' ہے، جس کے معنی ہیں: بہت سے گروہوں اور جماعتوں کا مجموعہ، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یوں تو مدینہ پر اہل مکہ کی طرف سے کئی حملے ہوئے؛ لیکن ان میں سب سے خطرناک اور دشمنانِ اسلام کی سازش کے اعتبار سے فیصلہ کن حملہ وہ تھا، جس میں مسلمانوں کے خلاف قریش مکہ، بنوغطفان اور یہودیوں میں سے بنوقریظہ ایک جٹ ہوکر مدینہ پر حملہ آور ہوگئے اور جو منافقین مسلمانوں کی صف میں گھسے ہوئے تھے، انھوں نے بھی در پردہ اس سازش کو کامیاب کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اسلام کے خلاف بننے والی اس اتحادی طاقت کو قرآن نے 'احزاب' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، (آیت: ۲۰، ۲۲) اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام احزاب ہے، ویسے اس غزوہ کو احزاب بھی کہتے ہیں اور خندق بھی، خندق کے معنی گڑھے اور کھائی کے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ایک جنگی تدبیر کے طور پر پیچھے کی طرف سلع نامی پہاڑی رکھ کر ڈاکٹر حمید اللہؒ کی تحقیق کے مطابق سامنے سے چھ ہزار گز لمبی، دس گز چوڑی اور دس گز گہری خندق کھودی گئی؛ (عہد نبوی کے میدان جنگ: ۲۷، ۲۸) تاکہ دشمن خندق پار کرکے حملہ آور نہ ہوسکے۔

یہ سورہ جہاں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے دو اہم واقعہ غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنوقریظہ پر روشنی ڈالتی ہے، وہیں بہت سے شرعی احکام پر مشتمل ہے، جیسے: یہ بات کہ اب قانون میراث رشتہ کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ اس اسلامی بھائی چارہ کی بنیاد پر، جو آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان قائم فرمادی تھی، ایسی طلاق شدہ عورت کا حکم جس کو میاں بیوی کے تعلق سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو، عورتوں کے لئے حجاب کا حکم کہ جب گھر سے باہر نکلیں تو گھونگھٹ ڈال کر نکلا کریں، اِن کے ساتھ ساتھ دو ایسے احکام بھی دیئے گئے ہیں، جن کا مقصد زمانۂ جاہلیت کی رسموں کو ختم کرنا ہے، ایک یہ کہ کوئی شخص بیوی کو ماں سے تشبیہ دے دیتا تو وہ ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوجاتی، اور وہ گویا ماں کے درجہ میں آجاتی، دوسرے: اگر کوئی شخص کسی کو منھ بولا بیٹا بنالیتا تو اس کو اپنے بیٹے کا درجہ حاصل ہوجاتا اور اس کی بیوی کو اپنی بہو کی طرح مُحَرَم سمجھا جاتا، اس رسم کی جڑیں اتنی گہری ہوگئی تھیں کہ اس کو ختم کرنے کے لئے ایک واضح مثال اور عملی نمونہ ضروری تھا، اسی مقصد کے تحت حضرت زید رضی اللہ عنہ —— جن کو آپ نے پہلے اپنا بیٹا بنالیا تھا —— بہ مشیتِ خداوندی ان کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا، پھر مزاج کی ناموافقت کی وجہ سے طلاق ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوا؛ تاکہ عملی طور پر اس رسم کا خاتمہ کیا جاسکے، اسی واقعہ کو منافقین نے غلط فہمی اور بدگمانی پیدا کرنے کا ذریعہ بنالیا تو ان کی تردید کی گئی۔

اس سورہ میں کچھ تعلیمات وہ بھی ہیں، جو آداب کے قبیل سے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کا ادب، آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ، ازواج مطہرات سے چیزیں طلب کرنے کا سلیقہ، ولیمہ اور کسی دعوت میں شرکت کا ادب وغیرہ، رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کو قناعت و توکل کا راستہ اختیار کرنا چاہئے؛ کیوں کہ وہ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں، ان کو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں ہونے کا جو شرف عطا کیا گیا ہے، یہ خود بہت بڑا اعزاز ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱
وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۲ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہئے، ایمان نہ لانے والوں کی اور منافقوں کی بات نہ مانئے، یقیناً اللہ بہت علم والے اور خوب حکمت والے ہیں، ۝۱ اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کتاب اُتاری جارہی ہے، اسی کی پیروی کرتے رہئے، (اے لوگو!) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہیں ۝۲ (اور اے پیغمبر!) اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے اور کام بنانے کے اعتبار سے (بھی) اللہ ہی کافی ہیں۔ ﴿۱﴾ ۝۳

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس بات کے لئے بے قرار رہتے تھے کہ جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں، وہ ہدایت کی طرف آجائیں، اس مقصد کے لئے یہودیوں، مکہ کے مشرکوں اور مسلمانوں کی صفوں میں چھپے ہوئے منافقوں کی طرف سے جب بھی کسی گفتگو کی پیشکش ہوتی تو آپ اسے اس اُمید پر قبول فرمالیتے کہ شاید یہ ملاقات ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے؛ چنانچہ مختلف ایسی باتیں پیش آئیں، جن کے پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں، اول یہ کہ مدینہ میں یہودیوں کے تین قبائل تھے: بنو قینقاع، بنو نضیر، اور بنو قریظہ، آپ ان کے ساتھ خاص طور پر نرمی اور درگذر کا معاملہ فرماتے تھے کہ شاید اس سے ان کو ایمان لانے کی ترغیب ہو، اسی طرح منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کے یہاں غزوۂ اُحد کے بعد مکہ سے ابوسفیان، ابوجہل کے بیٹے عِکْرِمہ اور ابوالاَعْوَر آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی کہ آپ ہمارے معبودوں لات، عزیٰ، منات کو بُرا بھلا نہ کہیں اور صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ اپنی پوجا کرنے والوں کی شفاعت کریں گے، تو پھر ہم آپ سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کریں گے، حضور ﷺ کو ان کی یہ بات بہت گراں گزری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنے کی اجازت چاہی؛ کیوں کہ وہ کھلے ہوئے دشمن تھے اور غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا چکے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی؛ کیوں کہ آپ ﷺ مکہ کے نمائندوں کو امان دے چکے تھے، اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں، جس میں دو باتوں کا حکم دیا گیا: ایک یہ کہ آپ اللہ سے ڈریں، یعنی جن یہودی قبیلوں سے آپ نے باہمی امن وامان کا معاہدہ کر رکھا ہے، یا مکہ سے آنے والے جن لوگوں کو آپ نے امان دے رکھی ہے، ان سے وعدہ کا پاس ولحاظ رکھیں اور وعدہ توڑنے سے بچیں، دوسرے: اشاعت اسلام کے جذبہ کے تحت اپنے اُصول سے ہرگز نہ ہٹیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسی پر قائم رہئے اور ان کی بات ہرگز تسلیم نہ کریں، (ملخص از: تفسیر قرطبی: ۱۴؍۱۱۴-۱۱۵) اس حکم میں خطاب تو آپ ﷺ سے ہے؛ لیکن اس کی اصل مخاطب پوری اُمت ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ سے اس بات کی اُمید ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ آپ کسی ایسی پیشکش کو قبول کرلیں گے، جو دائرۂ ایمان سے باہر ہو، ہاں، کسی درجہ میں مسلمانوں سے اس کا اندیشہ کیا جاسکتا تھا کہ ←

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ
اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ
الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۴ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ
وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے ہیں، ﴿۱﴾ تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو، اللہ نے ان کو تمہاری ماں نہیں بنا دیا ہے، ﴿۲﴾ اور نہ تمہارے منھ بولے کو تمہارا بیٹا بنایا ہے، یہ سب تمہارے منھ کی باتیں ہیں، اللہ سچی بات فرماتے ہیں اور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں، ۝۴ ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے بلایا کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ زیادہ انصاف کی بات ہے، اگر تم ان کے باپوں سے واقف نہیں ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، اس سلسلہ میں تم پہلے جو غلطی کر چکے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے؛ لیکن (آئندہ) جو کچھ دل کے ارادہ سے کروگے (اس پر پکڑ ہوگی) اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں۔ ﴿۳﴾ ۝۵

← وہ کبھی مخالف اسلام طاقتوں کے دباؤ میں آکر یا لالچ میں پڑ کر صحیح راستہ سے ہٹ جائیں؛ اس لئے آپ کے واسطہ سے اُمت کو متنبہ کر دیا گیا، آج پوری دنیا میں کوشش کی جارہی ہے کہ اسلام کو تراش خراش کر پیش کیا جائے، مسلمان شریعت کے بعض احکام سے دستبردار ہو جائیں، وہ کفر و شرک کے شعائر کو قبول کرلیں اور بدقسمتی سے بعض مسلمان حکمراں اور مغرب زدہ مسلم عوام عملی طور پر اس کا شکار ہو رہے ہیں، یہ آیات ان کے لئے واضح تنبیہ ہیں!

﴿۱﴾ یہاں قرآن مجید میں زمانۂ جاہلیت کے تین غلط تصورات کی تردید کی گئی ہے، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ ان کے یہاں جو لوگ بہت ذہین ہوتے، ان کے بارے میں تصور کیا جاتا کہ اس شخص کے پاس دو دل ہیں اور وہ دو دلوں سے سوچتا سمجھتا اور غور کرتا ہے، (قرطبی: ۱۴/۱۱۹) اس کی تردید کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک ہی دل دیا ہے؛ البتہ جیسے دوسرے اعضاء مختلف انسانوں کو دیئے جاتے ہیں؛ لیکن ان کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے، کسی کی بینائی تیز ہوتی ہے کسی کی کمزور، کسی کی آواز بلند ہوتی ہے کسی کی آہستہ، کسی کی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، کوئی کمزور ہوتا ہے، اسی طرح دل و دماغ انسان کو ایک ایک ہی دیئے گئے ہیں؛ لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا فرق ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ یہ اسلام سے پہلے کی دوسری رسم کا ذکر ہے، یہ رسم اس طرح تھی کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا کہ تم میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو، یا میری ماں کی طرح ہو تو خیال کیا جاتا کہ اب یہ شوہر و بیوی ماں بیٹے کے درجہ میں آگئے اور عورت بیوی باقی نہ رہی، ماں کے حکم میں ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کردی کہ ماں بیٹے کا رشتہ زبان کے بول سے وجود میں نہیں آتا، کسی عورت کو ماں کے مشابہ قرار دینے سے وہ ماں نہیں ہو جاتی۔ (سورۂ مجادلہ، آیت: ۲ میں اس کی تفصیل آئے گی) ←

← ﴿۳﴾ اب تیسری رسم کا ذکر ہے، اسلام سے پہلے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ لوگ کسی دوسرے کی اولاد کو منھ بولا بیٹا یا منھ بولی بیٹی بنالیا کرتے تھے، ان کو تمام معاملات میں حقیقی بیٹے بیٹی کا درجہ حاصل ہوتا تھا، بیٹا بنانے والے کی بیوی اس کی ماں سمجھی جاتی تھی، خود منھ بولے بیٹے کی بیوی اس کی بہو تصور کی جاتی اور اس سے نکاح کو ممنوع سمجھا جاتا تھا، اسی رسم کے تحت رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو منھ بولا بیٹا بنالیا تھا، اس کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے تو آزاد؛ لیکن کچھ لوگوں نے زبردستی ان کو قید کر کے غلام بنالیا تھا، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں تو وہ آپ ﷺ کے خاص خادموں میں شامل کر لئے گئے، پھر کسی طرح ان کے والد اور چچا کو خبر ہوئی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ مکہ میں موجود ہیں اور انھیں غلام بنالیا گیا ہے، وہ مکہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ انھیں ہمارے ساتھ جانے دیں اور ان کا فدیہ مجھ سے قبول کر لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو اختیار ہے، اگر یہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی کہ وہ ان کے ساتھ واپس چلیں؛ لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری دیکھئے کہ انھوں نے آپ ﷺ کی غلامی کو اس آزادی پر ترجیح دی، جو ان کو حضور ﷺ سے دُور کر دے اور والد اور چچا کی ہزار خواہش کے باوجود ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوئے، آپ ﷺ کو ان کی یہ وفا شعاری اس قدر بھائی کہ آپ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لے کر کعبۃ اللہ کے پاس گئے اور اعلان فرمایا: اے گروہ قریش! گواہ رہو کہ اب زید میرا بیٹا ہے، وہ مجھ سے وارث ہوگا اور میں اس سے وارث ہوں گا (قرطبی: ۱۴/۱۱۸) چنانچہ اس کے بعد لوگ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو 'زید بن محمد' کہنے لگے، ان آیات میں اس رسم کے غیر معتبر ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ بچہ کو اس کے حقیقی باپ ہی کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے، اسی لئے پھر ''زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ'' کہا جانے لگا اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر ان کے والد کے بارے میں معلوم نہ ہو تو ان کو اپنا بھائی اور دوست کہو؛ لیکن کسی اور شخص کی طرف اس کے بیٹے ہونے کی نسبت نہ کرو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اس کے والد کے بجائے دوسرے کی طرف نسبت کر کے بلایا جائے؛ حالاں کہ معلوم ہو کہ وہ اس کے والد نہیں ہیں تو اس پر جنت حرام ہے، (بخاری، کتاب الفرائض، باب من ادعی إلیٰ غیر أبیه، حدیث نمبر: ۶۳۸۵) غرض کہ نکاح ہی اک ایسا رشتہ ہے جو زبان کے بول سے وجود میں آتا ہے، ماں باپ اور اولاد کا رشتہ صرف الفاظ سے وجود میں نہیں آسکتا؛ البتہ اگر از راہ شفقت ومحبت اپنے بھتیجے بھانجے یا اپنے سے چھوٹے لوگوں کو بیٹا کہہ دیا جائے تو اس میں حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ سے بھی اس کا ثبوت ہے، (ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ماجاء فی التسلیم إذا دخل بیته، حدیث نمبر: ۲۶۹۸) اور سلف صالحین سے بھی؛ کیوں کہ اس کا مقصد نسبت کا بدلنا نہیں ہے؛ بلکہ شفقت ومحبت کا اظہار ہے۔

دنیا کی مختلف قوموں میں اب بھی منھ بولے بیٹے کا رواج ہے، ہندو مذہب میں بھی اس کو تسلیم کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک انسان کی ''مکتی'' (نجات) کے لئے ضروری ہے کہ اس کی لاش کو کوئی نرِ اولاد آگ دکھائے، اسی طرح بیشتر مغربی ممالک میں بھی منھ بولی اولاد کے تصور کو قبول کیا گیا ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ مغربی سماج میں نکاح کی شرح گھٹتی جا رہی ہے، بڑی عمر میں شادی کرنے کی وجہ سے بچوں کی پیدائش بہت ہی کم ہوگئی ہے؛ اس لئے لوگوں کی بڑی تعداد اولاد سے محروم رہتی ہے اور انسان میں صاحبِ اولاد ہونے کا ایک فطری جذبہ پایا جاتا ہے، تو اس مصنوعی طریقہ سے وہ ماں باپ بننے کے جذبات کی ←

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَاَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾

پیغمبر ایمان والوں کی جانوں سے بھی بڑھ کر ان سے قریب ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، اللہ کی کتاب کی رو سے (دوسرے) اہل ایمان اور مہاجرین کے مقابلہ رشتہ دار ایک دوسرے (کے ترکہ) کے زیادہ حقدار ہیں، سوائے اس کے کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، (تو اس کی گنجائش ہے) یہ احکام کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۶﴾

← تسکین کرتے ہیں؛ لیکن اس کا غلط ہونا واضح ہے، جو رشتہ فطری نظام پر مبنی ہو، وہ اس کے بغیر کیسے وجود میں آسکتا ہے؟ اور پھر حقیقی والدین اور اولاد کی سی محبت مصنوعی والدین اور اولاد کے درمیان کیوں کر ہوسکتی ہے؟

﴿۱﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، پہلی بات یہ کہ مسلمانوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات ان کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہونی چاہئے، وہ آپ کے حکم کو اپنی خواہش پر ترجیح دیں، بعض حضرات نے اس آیت کی تشریح میں یہ بھی لکھا ہے کہ شروع شروع میں جب کوئی مسلمان مقروض ہونے کی حالت میں گزر جاتا تو آپ ﷺ ان پر خود نماز جنازہ نہیں پڑھتے، دوسرے رفقاء سے فرماتے کہ وہ ان پر نماز جنازہ پڑھ لیں، پھر جب فتوحات حاصل ہوئیں تو ایسے لوگوں کے قرض کی ادائے گی آپ نے اپنے ذمہ لے لی اور ترکہ کا مستحق ان کے رشتہ داروں کو قرار دیا اور فرمایا: ''أنا أولیٰ بالمومنین من أنفسھم'' (بخاری، کتاب الکفالۃ، باب الدین، حدیث نمبر: ۲۱۷۶، مسلم، کتاب الفرائض، باب من ترک مالاً فلورثتہ، حدیث نمبر: ۱۶۱۹) گویا رسول اللہ ﷺ احکام کی اطاعت کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کے حق میں ان کی ذات پر مقدم ہیں اور ان کے واجبات کی ادائے گی کے اعتبار سے بھی حضور ﷺ کا سلوک ان کے ساتھ وہی ہوتا تھا، جو ایک باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے — دوسری بات یہ بتائی گئی کہ حضور ﷺ کی پاک بیویاں اُمت کی مائیں ہیں؛ لیکن ماں ہونے سے مراد دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنی ماں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اُمہات المؤمنین کا احترام کرنا اور ان کے بارے میں اپنی زبان کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، دوسرے: جیسے اپنی ماں سے نکاح حرام ہوتا ہے، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے بھی نکاح حرام ہے؛ لیکن ماں سے متعلق دو احکام وہ ہیں، جو ازواج مطہرات سے متعلق نہیں کئے گئے، ایک یہ کہ ماں پر اپنی اولاد سے پردہ نہیں ہے؛ لیکن ازواج مطہرات پر پردہ کا حکم باقی رکھا گیا، دوسرے ماں سے اولاد اور اولاد سے ماں کو میراث ملتی ہے؛ لیکن روحانی اولاد ہونے کی حیثیت سے اُمت کو ازواج مطہرات کا وارث نہیں بنایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی حد درجہ گناہ ہے کہ یہ اپنی ماں کے ساتھ بھی بدسلوکی ہے اور رسول ﷺ کو بھی تکلیف پہنچانا ہے۔ ←

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ
مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸ ع ۸ / ۱۷

اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا، آپ سے بھی، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے بھی، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا، ۝۷ تاکہ سچ کہنے والوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کریں اور اللہ نے ایمان نہ لانے والوں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱﴾ ۝۸

← تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں دینی رشتہ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے وراثت حاصل ہوتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد انصار و مہاجرین میں سے ایک ایک فرد کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، وہ نہ صرف زندگی میں ایک دوسرے کے مال سے استفادہ کرتے تھے؛ بلکہ موت کے بعد بھی ایک دوسرے کے مال کے وارث ہوا کرتے تھے، اسی طرح اسلام قبول کرنے والوں میں سے اگر ایک شخص ہجرت کر جاتا اور دوسرا ہجرت نہیں کرتا تو قریبی رشتہ داری کے باوجود ہجرت نہ کرنے والے کو ہجرت کرنے والے کے مال سے ترکہ نہیں ملتا، ابتدائی دور کے ان دونوں احکام کو اس فرمان کے ذریعہ ختم کر دیا گیا کہ اب رشتہ دار ہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اسلامی رشتہ کی بنیاد پر جو بھائی چارہ قائم کیا گیا ہے، اس کے لحاظ سے میراث کی تقسیم نہیں ہوگی؛ البتہ دینی رشتہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا دروازہ کھلا ہوا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۲۲) —— ان احکام کے کتاب میں لکھے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تم کو پہلے کچھ اور حکم دیا گیا اور اب اس حکم کی جگہ کچھ اور حکم دیا جا رہا ہے، تو اسے تضاد نہ سمجھو، اللہ کے یہاں پہلے سے یہی حکم طے تھا اور لکھا ہوا تھا۔

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے عالم ازل میں ایک عہد تو تمام انسانوں سے لیا ہے کہ وہ سب اللہ ہی کو اپنا رب تسلیم کریں گے اور دوسرا عہد خاص طور پر انبیاء کرام سے لیا کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں گے اور ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کریں گے؛ تاکہ قیامت کے دن خاص طور پر ان سے اس کے بارے میں سوال ہو اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جب انبیاء سے بھی باز پُرس ہو رہی ہے تو اوروں کا کیا شمار؟ اس میں خاص طور پر چار پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی ایک وجہ تو ان کی خصوصی فضیلت ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۲۷) دوسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ کے مخاطب تھے، وہ ان پیغمبروں سے متعارف تھے، اہل مکہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اور اہل مدینہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، اس میں رسول اللہ ﷺ سے بھی عہد لینے کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آنے والے تھے، جن کے حق میں آپ سے عہد لیا گیا؛ بلکہ آپ نے گزشتہ پیغمبروں کی جو تصدیق فرمائی، اس کا عہد لینا مراد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا
وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۟﴿۹﴾

اے مسلمانو! تم اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب (دشمن کی) فوجیں تمہارے سامنے آئیں تو ہم نے ان پر ہوا اور تم کو نظر نہ آنے والی (فرشتوں کی) فوجوں کو بھیج دیا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۹ سے آیت نمبر: ۲۷ تک غزوۂ احزاب، جس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں، اور اس سے متصل یہودیوں سے ہونے والی جنگ یعنی غزوۂ بنو قریظہ کا ذکر ہے، ہجرت کے پانچویں سال رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا یہ اہم واقعہ پیش آیا، اہل مکہ کو مسلمانوں کا مدینہ میں سکھ چین کے ساتھ رہنا کسی طرح گوارا نہیں تھا، وہ بار بار اس چھوٹی سی نو آباد بستی پر یلغار کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، ہجرت کے دوسرے ہی سال انھوں نے بدر کے میدان میں کارزار گرم کیا، تیسرے سال احد کے میدان میں معرکہ گرم کیا، جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے، چوتھے سال پھر اہل مکہ کی دعوت پر دوبارہ جنگ کی تیاری تھی، لیکن مسلمانوں کی جرأت دیکھ کر انھیں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی، اس سازش کا اصل نقشہ بنو نضیر کے یہودیوں نے بنایا، جنھیں ان کی مسلسل سازشوں کی وجہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا، یہودیوں نے قریش مکہ اور قبیلہ بنی غطفان کو تیار کیا، بنو اسد غطفان کے اور بنو سلیم قریش کے حلیف تھے اور بنو سعد سے خود یہود کا معاہدہ تھا، اس طرح یہود اور تمام قبائل عرب مل کر مدینہ کی طرف بڑھے، مدینہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد کل تین، ساڑھے تین ہزار کے قریب تھی جب کہ یہ لشکر جرار دس ہزار آزمودہ کار فوجیوں پر مشتمل تھا، سردارِ مکہ ابوسفیان بن حرب اس فوج کے سپہ سالارِ اعظم تھے، ادھر مسلمانوں کی صف میں منافقین بھی گھسے ہوئے تھے، جو عین جنگ کے وقت آ آ کر حضور ﷺ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتے تھے اور گویا یہ بھی نفسیاتی طور پر دشمن فوج کو تقویت پہنچا رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ خندق کھودی جائے، مدینہ میں تین طرف سے مکانات اور کھجور کے گھنے باغات تھے، جو فصیل شہر کا کام کرتے تھے، صرف شام کی سمت سے کھلا ہوا تھا، خندق کھودی جاتی تو اس جانب سے بھی محفوظ ہو جاتا، اس لئے اس رائے کو سبھوں نے پسند کیا، خود رسول اللہ ﷺ نے خندق کی حدود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس دس آدمی پر دس دس گز زمین تقسیم کر دی، خندقیں اتنی گہری کھودی گئیں کہ تری نکل آئی، یہ عجیب وقت تھا، جاڑے کا موسم، سرد ہوائیں، مسلمانوں پر کئی دنوں کے فاقے، لیکن جوش جنوں میں کوئی کمی نہیں، جاں نثارانِ اسلام خندقیں کھودتے، مٹی اُٹھا اُٹھا کر لاتے۔

چھ دن میں یہ وسیع و عریض خندق تیار ہوئی، خندق مکمل ہوئی اور اعدائے اسلام کا لشکر آ پہنچا، بیس دنوں تک مدینہ کا محاصرہ جاری رہا، زیادہ تر دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا، ایک دن اس جگہ سے دشمن فوج نے آگے بڑھنے کی کوشش کی، جہاں خندق کی چوڑائی نسبتاً کم تھی، عرب کے چند مانے ہوئے بہادروں نے خندق کو عبور بھی کر لیا، لیکن مسلمانوں کی ہمت مردانہ کے ←

← مقابلہ ٹھہر نہیں سکے، دو نے تو راہ فرار اختیار کی اور دو حید رِ کرار اور صاحبِ ذوالفقار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے، اس نازک وقت میں بنو قریظہ نے بھی عہد شکنی کی اور دشمنوں سے جا ملے، اس معرکہ میں ایک دن تو ایسا سخت گذرا کہ آپ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہو گئیں۔

اسی دوران کہ جنگ اپنے شباب پر تھی، اللہ تعالیٰ نے 'نعیم بن مسعود اشجعی' جو قبیلہ بنو غطفان کے رؤساء میں تھے، کے دل میں ایمان کا بیج ڈال دیا، وہ خدمتِ ﷺ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے اہل قبیلہ میرے ایمان لانے سے واقف نہیں ہیں، تو اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس محاصرہ کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر کریں، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور انھوں نے ایسی تدبیر کی کہ اہل مکہ اور یہودیوں کے درمیان پھوٹ پڑ گئی، ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی زوردار آندھی آئی کہ خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، گرد و غبار نے لوگوں کو مضطرب کر دیا، موسم کی سختی اور دن بہ دن غذائی اشیاء میں ہونے والی قلت اس سے سوا تھی، ان حالات میں عربوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کے لئے واپس جانے کے سوا چارہ نہیں رہا، اس طرح ایک بہت بڑی آزمائش سے مسلمانوں کو نجات ملی، بیس دن کے محاصرہ کے بعد رات کے اندھیرے میں یہ فوج واپس ہوئی اور صبح کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف کوچ فرمایا۔

آیت نمبر: ۹-۱۰ میں مختلف فوجوں کے اوپر اور نیچے سے آنے کا ذکر ہے، اس سے مراد اہل مکہ کا لشکر ہے جو ابوسفیان کی قیادت میں تھا اور بنو غطفان کا لشکر جو عیینہ بن حصن کی قیادت میں تھا، کہ یہ لوگ نیچے کی طرف سے آئے اور اوپر سے آنے والے بنو قریظہ تھے یہ سب مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے، ہوا بھیجنے سے وہ آندھی مراد ہے، جس نے دشمن فوج کا سامان تتر بتر کر کے رکھ دیا، اور نظر نہ آنے والی فوج سے مراد فرشتوں کا لشکر ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا گیا، پھر آیت نمبر: ۱۲ سے ۲۰ تک منافقین کے رویہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نازک وقت میں بجائے اس کے کہ وہ جان کی بازی لگا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے، مسلمانوں کو طعنہ دیتے رہے اور ان کے حوصلے توڑنے کی باتیں کرتے رہے؛ چنانچہ بعض منافقین جن میں طُعمہ بن اُبیرق اور مُعتّب بن قُشَیر اور کچھ اور لوگ جن کی تعداد ستر تک بتائی جاتی ہے، کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) تو روم و ایران کے بادشاہوں کے خزانوں کا وعدہ کرتے رہے ہیں؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ کوئی شخص رفعِ حاجت کے لئے بھی باہر نہیں نکل سکتا، اس لئے ان کا وعدہ محض جھوٹ اور دھوکہ تھا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۴۷)

اسی طرح بعض منافقین جیسے اَوس بن قیظی مخلص مسلمانوں کو اُکساتے تھے کہ یہاں پر رہنا اپنی جان گنوانا ہے، اس لئے تم اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ، اسی طرح بعض منافقین خاص کر بنو حارثہ بن حارث حضور ﷺ سے اجازت کے طلب گار تھے کہ وہ اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں؛ کیوں کہ ان کے گھروں پر مرد نہیں ہیں، قرآن نے ان پر رد کرتے ہوئے کہا کہ اہل باطل سے جنگ کے لئے ان کی ہمت نہیں ہو رہی ہے؛ حالاں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم پیٹھ نہیں دکھائیں گے؛ لیکن اگر ان کو فتنہ و فساد کے لئے دعوت دی جائے تو پیش پیش رہیں گے، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ موت سے بھاگنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا، جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ان پر موت آکر رہے گی اور اگر بالفرض ابھی موت نہ آئی تو چند ہی دنوں تک وہ زندگی کا لطف اُٹھا سکیں گے، پھر تو موت آنی ہی ہے، ان کی بزدلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان کا حال یہ ہے کہ دشمن واپس چلے گئے؛ لیکن مارے ←

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ
الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱
وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ وَاِذْ
قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ
النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝۱۳

جب وہ تم پر اوپر اور نیچے سے چڑھ آئے، آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجہ منھ کو آ گیا اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، ۝۱۰ اس وقت مسلمان آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور انھیں زور دار جھٹکا دیا گیا، ۝۱۱ اور تب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی، کہنے لگے: ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا، وہ محض دھوکہ تھا، ۝۱۲ اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ''اے یثرب والو! (یہاں) تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے؛ اس لئے تم واپس ہو جاؤ، اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبر سے اجازت مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں؛ حالاں کہ کھلے ہوئے نہیں ہیں اور ان کا مقصد صرف راہِ فرار اختیار کرنا ہے''۔ ۝۱۳

← خوف کے وہ سمجھتے رہے کہ دشمن ابھی واپس نہیں گئے اور اگر کہیں دوبارہ یہ فوج آ دھمکے تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ دیہاتوں میں جا کر رہ جائیں اور دُور ہی سے مسلمانوں کے حالات کی سُن گُن لیتے رہیں، اخیر میں مسلمانوں کے اطمینان کے لئے فرمایا گیا کہ ان کا تمہاری صفوں میں رہنا بھی کچھ مفید نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر یہ تمہارے ساتھ رہیں گے بھی تو اندر کی آمادگی اور جاں نثاری کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے؛ بلکہ اوپر کے دل سے دکھاوے کی غرض سے تھوڑا بہت شریک ہو جائیں گے۔

پھر آیت نمبر: ۲۱ سے آیت نمبر: ۲۴ تک مسلمانوں کا ذکر ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اپنے لئے نمونہ بنایا اور دشمن کے اس اجتماعی لشکر نے ان کی ہمت کو کمزور نہیں کیا؛ بلکہ اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اضافہ ہو گیا اور وہ کہنے لگے: یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا، نیز انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کیا اور اپنی جانیں قربان کر دیں، مختلف غزوات میں صحابہ نے جو قربانیاں دی ہیں، وہ اس کی روشن مثال ہے، غزوۂ احزاب کے واقعہ کو ختم کرتے ہوئے آیت نمبر: ۲۵ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے کہ ان بدبختوں کو اس جنگ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا اور ان کے فوجی اتحاد کے مقابلہ مسلمانوں کے لئے اللہ کی مدد کافی ہوگئی، غرض کہ ان آیات میں، دشمنوں کے حملہ آور ہونے، اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی نصرت و مدد، منافقین کے رویہ، مسلمانوں کی ثابت قدمی اور دشمنانِ اسلام کی اتحادی فوج کی ناکامی، جیسے تمام اُمور کو سمیٹ لیا گیا ہے۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾
وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ
يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا
الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ
هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ
بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ
بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع ۲/۱۲ ۱۸

اور اگر ان پر مدینہ کے اطراف سے فوجیں گھس آتیں، پھر ان کو فتنہ انگیزی کی دعوت دی جاتی تو ضرور اسے قبول کر لیتے اور ذرا بھی دیر نہ کرتے؛ ﴿۱۴﴾ حالاں کہ وہ پہلے اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے، اور اللہ کے وعدہ کے بارے میں باز پرس ہو کر رہے گی، ﴿۱۵﴾ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگ رہے ہو تو یہ بھاگنا تم کو کام نہ آئے گا اور تم کچھ ہی دنوں فائدہ اُٹھا سکو گے، ﴿۱۶﴾ آپ دریافت کیجئے: اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی یا بھلائی چاہیں تو کون ہے جو تم کو اللہ سے بچالے؟ اللہ کے مقابلہ میں وہ کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے، ﴿۱۷﴾ تم میں سے جو لوگ (دوسروں کو جہاد میں نکلنے سے) روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آجاؤ، اللہ ان لوگوں کو جانتے ہیں اور وہ لوگ کم ہی جہاد میں شریک ہوتے ہیں، ﴿۱۸﴾ وہ تم لوگوں پر بخیل ہیں؛ لہٰذا جب ڈر کی بات پیش آتی ہے تو تم ان کو اپنی طرف اس طرح گھورتے ہوئے دیکھو گے جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب ڈر ختم ہو جائے گا تو تم پر تیز زبانوں سے زبان چلائیں گے اور مال و دولت میں بخل سے کام لیں گے، یہ لوگ (حقیقت میں) مسلمان ہوئے ہی نہیں ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے اور اللہ پر یہ بات آسان تھی، ﴿۱۹﴾ وہ (مارے ڈر کے) خیال کرتے ہیں کہ فوجیں (واپس) نہیں گئیں اور اگر فوجیں آجائیں تو چاہیں گے کہ کاش وہ دیہات والوں میں چلے گئے ہوتے (اور وہیں سے) تم لوگوں کے بارے میں معلوم کرتے رہتے اور اگر تمہارے درمیان رہتے بھی تو کم ہی جنگ میں شریک ہوتے۔ ﴿۲۰﴾

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ
عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ
الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ
وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ
وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ
ع ۳ ۱۹ وَدِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

(اے مسلمانو!) تمہارے لئے اللہ کے پیغمبر کی ذات میں ان لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہے، جو اللہ کا اور آخرت کا یقین رکھتے ہوں اور اللہ کو خوب یاد کرتے ہوں، ﴿۲۱﴾ اور جب ایمان والوں نے (دشمن کی) فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے: یہی تو ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا، یہ بات ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اور اضافہ ہی کا سبب ہوجاتی ہے، ﴿۲۲﴾ ایمان والوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو سچ کر دکھایا، تو ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنا ذمہ پورا کردیا اور بعض وہ ہیں جو انتظار کررہے ہیں اور انھوں نے (اپنے قول وقرار کو) ذرا بھی نہیں بدلا، ﴿۲۳﴾ تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا اجر عطا فرمائیں اور منافقین کو چاہیں تو عذاب دیں یا (توبہ کی توفیق دے کر) ان کی توبہ قبول فرمالیں، یقیناً اللہ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ﴿۲۴﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، اللہ نے ان کافروں کو غصہ سے بھری ہوئی حالت میں پھیر دیا، اور وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے، مومنوں کے لئے جنگ میں اللہ ہی کافی ہوگئے اور اللہ خوب طاقتور اور غلبہ والے ہیں، ﴿۲۵﴾ اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان (اہل مکہ) کی مدد کی تھی، ہم نے ان کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا اور ان کے دلوں میں دھاک بیٹھادی، تو تم ایک گروہ کو قتل اور ایک گروہ کو قید کررہے تھے، ﴿۲۶﴾ اور اللہ نے تم کو ان کی زمین کا، ان کے گھروں کا، ان کی دولت کا اور ان زمینوں کا جن پر تم نے قدم بھی نہیں رکھا تھا مالک بنادیا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۷﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲۶، ۲۷ میں غزوۂ بنو قریظہ کا ذکر ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ نے جن کاموں کو انجام دیا، ان میں ایک یہ تھا کہ مدینہ میں موجود تمام قبائل اور گروہوں کے درمیان ایک معاہدہ کرائے، ←

← اس میں یہودی قبائل بھی شامل تھے، اس معاہدہ کے مطابق مدینہ میں آباد تمام قبائل مذہبی اُمور میں اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے آزاد تھے، سبھوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل تھا اور اگر مدینہ پر باہر سے کوئی حملہ ہوگا تو سب مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے، اس لحاظ سے بنوقریظہ بھی اس معاہدہ میں شامل تھے؛ چنانچہ غزوۂ احزاب کے موقع سے جب اہل مکہ اور اس کے حلیف مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو بنوقریظہ شروع میں تو ان سے الگ ہوگئے، اگرچہ انھوں نے مسلمانوں کی مدد نہیں کی؛ لیکن مسلمانوں کے خلاف میدان میں بھی نہ اُترے۔

مگر بنوقریظہ کے ایک سردار حُیی ابن اخطب نے ان کو اُکسایا اور بالآخروہ بھی اہل مکہ کے ساتھ ہوگئے، جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار مدینہ میں سے دو اہم شخصیتوں — سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ — کو ان سے گفتگو کے لئے بھیجا؛ لیکن بنوقریظہ کا سردار کعب بن سعد بڑی ترش روئی کے ساتھ پیش آیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس مرحلہ پر اہل مکہ کے ساتھ رہے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ اہل مکہ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا تو مسلمانوں نے فوراً بنوقریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، پچیس دنوں تک یہ محاصرہ جاری رہا، بالآخر بنوقریظہ اس بات پر تیار ہوئے کہ انصار میں سے ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا جائے، اس نام کی پیشکش ان ہی کی طرف سے ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے قبول کرلیا، انھوں نے فیصلہ کیا کہ بنوقریظہ کے تمام مردوں کو قتل کردیا جائے، عورتوں اور بچوں کو باندی اور غلام بنالیا جائے اور املاک پر قبضہ کرلیا جائے، اس طرح تقریباً بنوقریظہ کے چار سو افراد پر سزا جاری کی گئی۔

بظاہر یہ سزا سخت محسوس ہوتی ہے؛ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ بالکل انصاف کے مطابق ہے اور اس سلسلہ میں تین باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے: اول یہ کہ یہ وعدہ خلافی کوئی معمولی واقعہ نہ تھا؛ بلکہ اگر اہل مکہ کی یہ یلغار کامیاب ہوجاتی تو شاید مدینہ میں کوئی شخص زندہ باقی نہیں بچ پاتا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی، ایسی سازش کرنے والے یقیناً خود سزائے قتل کے مستحق تھے، دوسرے: انھوں نے رسول اللہ ﷺ یا مسلمانوں کو اپنے معاملہ میں حکم نہیں بنایا تھا؛ ورنہ ممکن تھا کہ جو طرز عمل آپ نے فتح مکہ کے موقع سے اہل مکہ کے لئے اختیار کیا تھا، وہی طریقہ ان کے لئے بھی اختیار فرماتے، انھوں نے خود ہی اپنے حلیف قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا تھا اور یہ ان ہی کا فیصلہ تھا، تیسرے: یہ فیصلہ تورات کی تعلیم کے عین مطابق تھا، جس پر وہ ایمان رکھتے تھے؛ چنانچہ تورات میں کہا گیا ہے:

> جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا...... اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے؛ بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا؛ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس کے شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا۔ (استثنا: ۲۰: ۱۰-۱۲)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو صورت حال پیش آئی کہ بنوقریظہ مقابلہ کی ہمت بھی نہ کرسکے، تم نے آسانی سے ان کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا اور ان کی املاک وجائیداد کے بھی مالک ہوگئے، اس میں تمہاری طاقت وقوت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ
وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ
يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی رونق چاہتی ہو تو آؤ، میں تم لوگوں کو کچھ دے کر اچھی طرح سے رُخصت کردوں، ﴿۲۸﴾ اور اگر تم خدا کی، اس کے رسول کی اور آخرت کے گھر کی طلب گار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک عمل کرنے والیوں کے لئے بہترین بدلہ تیار کر رکھا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲۹﴾ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں جو کھلی ہوئی برائی کی مرتکب ہوگی، اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دربار نبوت میں پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ دروازے پر بیٹھے ہیں، کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، وہ بھی اجازت کے طلب گار ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی، ان حضرات نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں، آپ ﷺ کے گرد ازواجِ مطہرات جمع ہیں اور بالکل خاموشی چھائی ہوئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ہنسانے کے لئے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ کاش! آپ نے بنت خارجہ کو دیکھا ہوتا، اس نے مجھ سے نفقہ مانگا تو میں نے اس کی گردن دبادی، رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور ارشاد فرمایا: یہ سب جو میرے گرد بیٹھی ہیں، یہ بھی مجھ سے نفقہ ہی طلب کررہی ہیں، یہ سننا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سرزنش کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سرزنش کرنے لگے اور آپ کی ازواج سے کہنے لگے کہ تم لوگ حضور ﷺ سے ایسی چیز طلب کررہی ہو، جو آپ کے پاس نہیں ہے، ازواج مطہرات نے کہا: خدا کی قسم! ہم لوگ حضور ﷺ سے کبھی بھی ایسی چیز طلب نہیں کریں گے، جو آپ کے پاس موجود نہ ہو، پھر آپ ﷺ نے ایک مہینہ یا ۲۹ دن کے لئے ان سے دوری اختیار کرلی، اس موقع پر قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ازواج مطہرات سے کہا گیا کہ تمہارے لئے دو راستے ہیں، یا تو دنیوی زندگی کی آسائشوں کا انتخاب کرلو، پیغمبر تم کو طلاق دے کر اور کچھ تحفہ دے کر رخصت کردیں گے، یا پھر آخرت کو اختیار کرو اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے ہوئے قناعت کی زندگی گذارو؛ چنانچہ آپ ﷺ نے تمام ازواج کو ان دونوں باتوں کا اختیار دیا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور پیشکش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم فیصلہ میں جلد بازی نہ کرو، اپنے والدین سے بھی مشورہ کرلو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ کے معاملہ میں بھی کسی مشورہ کی ضرورت ہے؟ یعنی انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت قائم رکھنے کا انتخاب کیا، اور گزارش کی کہ میرا یہ فیصلہ دوسری بیویوں کو نہ بتائیں، ←

← آپ نے فرمایا کہ اگر دوسری بیویوں نے دریافت کیا تو میں ضرور سچ سچ بتادوں گا، بہر حال تمام ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کی رفاقت کو ترجیح دی، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر: ۴۵۰۷، مسلم، کتاب الطلاق، باب اَن تخییر امرأتہ لا یکون طلاقاً اِلا بالنیۃ، حدیث نمبر: ۳۷۵۴، ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر: ۳۲۰۴)۔

آیت اور اس کے واقعاتی پس منظر سے چند باتیں معلوم ہوئیں: اول یہ کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو اس بات کا اختیار دے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے اور چاہے تو نکاح ختم کرلے، تو ایسی صورت میں عورت کو دونوں باتوں کا اختیار ہوگا، اگر اس نے شوہر کے ساتھ رہنے کو اختیار کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ہاں اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تم کو اپنے آپ پر اختیار ہے اور اس فقرہ سے اس کی نیت طلاق دینے کی تھی تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی، (ہدایہ: ۱/۳۹۱) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شوہر بیوی کے حقوق ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اختیار دے دے، اور اگر وہ علاحدگی چاہے تو علاحدگی کے مطالبہ کو قبول کرلے؛ البتہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا ہو، مثلاً نفقہ نہیں دیتا ہو یا اس میں نفقہ دینے کی صلاحیت نہ ہو یا بیوی کا خصوصی حق ادا کرنے کے لائق نہ ہو اور عورت علاحدگی کی طالب ہو تو پھر اس پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کے مطالبہ کو قبول کرے؛ کیوں کہ بیوی کے حقوق کا ادا نہ کرنا ظلم ہے اور ظلم کو دُور کرنا اور انصاف قائم کرنا ایک اہم شرعی فریضہ ہے۔
(تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی ''کتاب الفسخ والتفریق اور مجموعۂ قوانین اسلامی)

ازواج مطہرات کے اس واقعہ سے دل میں کوئی بدگمانی پیدا نہیں ہونی چاہئے، صحابہ کا ابتدائی دور بہت زیادہ تنگی و ترشی کا تھا؛ لیکن بعد میں حالات بہتر ہوئے، مگر رسول اللہ ﷺ کی فیاضی اور انفاق کی کثرت کی وجہ سے دولت خانۂ نبوی میں اسی طرح تنگی قائم تھی؛ اس لئے ازواج مطہرات کو خیال ہوا کہ اب ان کے ساتھ بھی کچھ سہولت کا معاملہ ہو اور انھوں نے اجتماعی طور پر رسول اللہ ﷺ سے نفقہ کا مطالبہ کیا، جو ہر انسان کی لازمی ضرورت ہے، اور ہر بیوی کا اپنے شوہر پر حق ہے، آپ ﷺ کی زندگی میں ایسے واقعات کا پیش آنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ اُمت میں یقیناً اس طرح کے واقعات پیش آئیں گے، تو اگر رسول اللہ ﷺ کا اور آپ کی ازواج کا اُسوۂ و نمونہ لوگوں کے سامنے موجود نہ ہوتا تو وہ ایک خلاء محسوس کرتے؛ اس لئے جو واقعات مسلمانوں کی سماجی اور ازدواجی زندگی میں پیش آسکتے تھے اور رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات کی شان کے خلاف نہیں تھے، وہ واقعات آپ ﷺ کی زندگی میں پیش آئے، اور قرآن وحدیث میں ان کا ریکارڈ محفوظ کردیا گیا؛ تاکہ زندگی کے ہر مرحلہ میں مسلمانوں کے لئے نورِ نبوت کی رہنمائی حاصل رہے۔

● ● ●

وَمَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَیۡنِ ۙ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا

رِزۡقًا كَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ
فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿۳۲﴾ۚ وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ
الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیۡنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ
لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا ﴿۳۳﴾ۚ وَاذۡكُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ
بُیُوۡتِكُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالۡحِكۡمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا ﴿۳۴﴾ؑ

ع ۴

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار بنی رہیں گی اور نیک عمل کریں گی، ان کو ہم دُوہرا اجر عطا کریں گے اور ہم نے ان کے لئے باعزت روزی تیار کر رکھی ہے، ﴿۳۱﴾ اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو (کسی اجنبی سے) نرمی سے بات نہ کیا کرو، کہ جس کے دل میں بیماری ہے، وہ لالچ کرنے لگے اور (البتہ) بہتر بات کہا کرو، ﴿۳۲﴾ اور اپنے گھروں میں رہا کرو، جیسے گذشتہ جاہلیت میں عورتیں زیب وزینت کا اظہار کیا کرتی تھیں، اس طرح زینت ظاہر نہ کیا کرو، نماز کی پابندی کرتی رہو، زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو، اے پیغمبر کے گھر والو! اللہ چاہتے ہیں کہ تم کو گندگی سے بچائے رکھیں اور تم کو پاک صاف رکھیں، ﴿۳۳﴾ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت (کی باتیں) سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو، یقیناً اللہ بہت مہربان اور باخبر ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾

﴿۱﴾ ازواجِ مطہرات نے رسول اللہ ﷺ سے جو نفقہ کا مطالبہ کیا تھا، وہ شرعاً غلط یا قابل مذمت نہیں تھا؛ بلکہ انھوں نے اپنے جائز حق کا مطالبہ کیا تھا، جیسا کہ دوسری بیویاں اپنے شوہروں سے کرتی ہیں؛ لیکن یہ مطالبہ ان کے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے شایانِ شان نہیں تھا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، تمہارے گھر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیتیں اُترتی ہیں اور حکمت کی باتیں نازل کی جاتی ہیں، وہ سب سے پہلے تمہارے گھر میں پڑھی جاتی ہیں؛ اس لئے تمہارے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتیازی شان عطا فرمائی ہے؛ لہٰذا اگر تم سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوگا تو اس کی سزا بھی دوگنا ہوگی اور نیکی کروگی تو اس کا اجر بھی دوگنا ہوگا، نیز تمہارے مرتبہ ومقام کے اعتبار سے تم کو خصوصی احتیاط کرنی چاہئے، کہ جب کسی غیر محرم سے گفتگو ہو تو گفتگو میں لوچ نہ ہو، جس سے بیمار ذہن کے لوگوں میں کوئی اُمید پیدا ہو جائے، نیز تمہارا قیام بنیادی طور پر اپنے گھر میں ہونا چاہئے، زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح زیب وزینت کا اظہار نہ ہو، نماز کی پابندی ہو، زکوٰۃ کی ادائیگی ہو، اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری ہو؛ کیوں کہ اُمت کی خواتین کے لئے تمہاری حیثیت اُسوہ اور نمونہ کی ہے، تمہارے ہی ذریعہ عورتوں سے متعلق احکام مسلمان خواتین تک پہنچیں گے، ان آیات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عورتوں کو اگر غیر محرم یا اجنبی مردوں سے گفتگو ←

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۞۳۵

یقیناً مسلمان مردوں اور عورتوں، ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں، فرمانبردار مردوں اور عورتوں، سچے مردوں اور عورتوں، صبر کرنے والے مردوں اور عورتوں، اللہ سے ڈرنے والے مردوں اور عورتوں، صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں، روزہ رکھنے والے مردوں اور عورتوں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مردوں اور عورتوں اور اللہ کو خوب یاد رکھنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے ہم نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱﴾ ۞۳۵

← کرنی پڑے تو اگرچہ کہ ان سے شائستہ گفتگو کریں؛ لیکن لب ولہجہ میں ایسی نرمی نہ ہو کہ اس کے دل میں کوئی بُرا خیال جاگ جائے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کی جدوجہد اور کوششوں کا اصل مرکز اس کا گھر ہے، اس کو گھر کا چراغ بننا چاہئے نہ کہ محفل کا، اس سے سماج بھی پاکیزہ رہے گا اور خود خواتین کو بھی پُرسکون اور محفوظ زندگی حاصل ہو سکے گی، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف باہر نکلیں تو صحابہ نے عام طور پر ان کے اس عمل کو پسند نہیں کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین سے عرض کیا کہ اللہ نے آپ کو آپ کے گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیشہ تم کو حق بات کہنے پر قائم رکھا ہے: ''ما زلت قوالا بالحق'' (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۷۹) اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے اختلاف کیا، (فتح الباری لابن حجر، کتاب المناقب، باب فضل عائشۃ) اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی بعد میں اپنے اس عمل پر پچھتاوا ہوا، یہاں تک کہ وہ اس عمل پر رویا کرتی تھیں، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا میدانِ کار سیاسی اور سماجی جدوجہد نہیں ہے؛ بلکہ گھر کی اصلاح و تربیت ہے، آیت نمبر: ۳۳ نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ آپ کی تمام بیویوں اور اولاد کو اللہ نے پاک صاف بنایا ہے، ان پر کسی برائی کی تہمت گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مخالفت ہے؛ کیوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کو بدکاری کی نجاست سے بچانے کا ارادہ فرمایا ہے، اور اللہ جس چیز کا ارادہ کرلیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ واقع نہ ہو؟ —— اہل علم کے نزدیک اس آیت میں اہل بیت سے مراد حضور ﷺ کی بیویاں بھی ہے اور آپ ﷺ کی اولاد بھی، اور بیوی کا اس میں شامل ہونا بالکل واضح ہے؛ کیوں کہ اس سے پہلے ازواجِ مطہرات ہی کا ذکر ہوتا آیا ہے اور اس کے آگے بھی ان ہی کا ذکر آرہا ہے۔

﴿۱﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دس اوصاف کا ذکر فرمایا ہے کہ جو کسی شخص کے سچے اور پکے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے، اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت اُم عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ قرآن میں ہر جگہ مردوں ہی کا ذکر ہے، خواتین کے لئے کچھ کہا ہی نہیں گیا ہے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ مستقل ←

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۟﴿۳۶﴾

جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو اُن کے اِس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں رہتا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلے طور پر گمراہ ہو گیا۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۶﴾

← طور پر عورتوں کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، (ترمذی: کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر: ۳۲۱۱) اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اسلام میں عورتوں کی بھی مستقل حیثیت ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ مردوں کے تابع محض ہیں؛ اسی لئے عورت خود اپنے مال کی مالک بن سکتی ہے، اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتی ہے، اس کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا، اسے اپنی زکوٰۃ خود ادا کرنی ہے، جب کہ بیشتر مذاہب میں عورت کو مستقل شخصیت کا درجہ حاصل نہیں تھا اور وہ پوری طرح مردوں کے تابع سمجھی جاتی تھیں؛ البتہ چوں کہ عورتوں میں حتی المقدور پردہ پوشی مطلوب ہے، یہ عورتوں کے اندر پائی جانے والی فطری حیاء کے بھی مطابق ہے اور اس میں پردہ بھی ہے، اس لئے قرآن مجید نے عام طور پر عورتوں کا نام بنام ذکر نہیں کیا ہے؛ بلکہ ذکر بھی کیا گیا تو ان کے شوہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے، جیسے: فرعون کی بیوی، حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، صرف حضرت مریم علیہا السلام کا نام لیا گیا؛ کیوں کہ ان کے کوئی شوہر نہیں تھے، جن کی نسبت سے ان کا تعارف ہو، (خلاصہ از: معارف القرآن: ۷/۱۴۳۵) یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ "کثیراً" کا لفظ لایا گیا، یعنی بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورت، اس کے علاوہ اور بعض مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیتے ہوئے کثرت کی ترغیب دی ہے، (دیکھئے: احزاب، آیت نمبر: ۴۱، سورۂ جمعہ: ۱۰) مفسرین نے اس کی حکمت یہ بتائی ہے کہ دوسری عبادتوں میں خصوصی اہتمام کی ضرورت پڑتی ہے، ہر جگہ اور ہر حالت میں یہ عبادت نہیں ہو سکتی، جیسے نماز ہے؛ لیکن ذکر یعنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لینا یا دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایسی عبادت ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں کی جا سکتی ہے؛ اسی لئے قرآن مجید میں ایک اور موقع پر نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، (آل عمران: ۱۹۱) اسی لئے ذکر کی کثرت میں نہ کوئی دشواری ہے نہ کوئی رکاوٹ۔ (مفاتیح الغیب: ۲۴/۵۹۵)

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا، انھوں نے یہ سمجھ کر قبول کر لیا کہ آپ ﷺ خود اپنے لئے اس رشتہ کے طالب ہیں، پھر جب حضور ﷺ نے واضح کیا کہ وہ آپ کے پروردہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لئے رشتہ چاہتے ہیں تو چوں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عرب کے سب سے معزز قبیلہ یعنی قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور مزید شرف کی بات یہ تھی کہ آپ ﷺ کی قریبی عزیز تھیں، دوسری طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ پہلے تک غلام تھے، عرب میں نہ صرف غیر عرب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؛ بلکہ غلام کو آزاد کر دیئے جانے کے بعد بھی کم درجہ ہی خیال کیا جاتا تھا؛ اس لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر والوں کو اور خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا اور انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اسی موقع سے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی؛ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر کے لوگوں نے حضور ﷺ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہو گیا، اسی طرح کے بعض اور واقعات بھی پیش آئے کہ قریش کی کسی معزز خاتون کا نکاح ←

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور جب آپ اس شخص کو ــــ جس کو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے انعام سے نوازا ہے اور آپ نے بھی اس پر کرم کیا ہے ــــ کہہ رہے تھے کہ ''تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو'' تو صورتِ حال یہ تھی کہ آپ اپنے دل کی بات کہ ــــ جس کو اللہ ظاہر کرنے والے ہی تھے ــــ چھپا رہے تھے اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ زیادہ ڈرے جانے کے لائق ہیں، پھر جب زید نے اس سے ضرورت پوری کرلی تو ہم نے آپ سے اس (کی بیوی) کا نکاح کردیا؛ تاکہ مسلمانوں پر منھ بولے بیٹوں کی بیویوں ــــ جن سے وہ ضرورت پوری کرچکے ہوں ــــ کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم پورا ہوکر ہی رہنے والا تھا۔ ﴿۳۷﴾

← آپ ﷺ نے دوسرے قبیلہ کے مردوں سے کرنا چاہا تو پہلے مرحلہ میں ان لوگوں کو یہ بات قبول نہ ہوئی؛ لیکن قرآن مجید کا یہ حکم آنے کے بعد صحابہ نے خاندانی عزت وشرف کے احساس کے مقابلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیا اور حضور ﷺ نے ذات پات کی بنیاد پر اونچ نیچ کے اس تصور کو ختم کرنے کے لئے مختلف شادیاں اس انداز پر کیں کہ لڑکی عربی اور قریشی اور لڑکا عجمی یا آزاد شدہ غلام، جیسے آپ نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا نکاح ضُباعۃ بنت زبیر سے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن سے کیا، حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد شدہ غلام سالم کا نکاح فاطمہ بنت ولید بن عجرہ سے کیا، (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۸۷) غرض کہ اس طرح اسلام نے خاندان پرستی کے بت کو پاش پاش کردیا؛ لیکن افسوس کہ مسلمان دوسری قوموں سے متاثر ہوکر آج پھر ذات پات کی بنیاد پر اونچ نیچ کے تصور میں گرفتار ہیں، فقہاء نے جو نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی خاندان اونچا ہے اور کوئی نیچا، اس کا مقصد صرف مناسبت کا لحاظ ہے، کہ ایک خاندان کے لوگوں میں تہذیب اور رہن سہن کے اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے اس لئے ان میں زیادہ بہتر طور پر موافقت پیدا ہوتی ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی خاندان اونچا ہے اور کوئی نیچا ــــ جیسے عربوں میں خاندان کو لوگ فخر کا باعث بناتے تھے، اسی طرح مہر کی مقدار کے زیادہ ہونے کو عورتوں کے لئے باعث عزت سمجھا جاتا تھا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خاندان کی نسبت سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے احساس کی تلافی کے لئے ان کا مہر زیادہ مقرر فرمایا اور آپ نے خود ادا کیا، آپ ﷺ نے ان کا مہر دس دینار (تقریباً ۴ تولہ سونا)، ساٹھ درہم (تقریباً ۱۸ تولہ چاندی) بار برداری کا ایک جانور، ایک جوڑا کپڑا، پچاس مد (تقریباً ۲۵ رسیر) آٹا، دس مُد یعنی پانچ سیر کھجور ادا فرمایا، (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۶۰۴) ــــ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا امر (حکم) کردیں تو مومن کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اسلام کے اُصول قانون کا ایک قاعدہ نکل آیا کہ قرآن وحدیث میں اگر امر کے لفظ یا عربی گرامر کے مطابق امر کے صیغہ سے کسی بات کا حکم دیا جائے تو وہ واجب ہوتا ہے نہ کہ صرف جائز اور مستحب۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۸۸)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ
اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۣ ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

پیغمبر کے لئے اللہ نے جس بات کا فیصلہ فرما دیا ہے، اس (کو کرنے) میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے، پہلے جو (پیغمبر) گذر چکے ہیں، ان میں بھی اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے اور (یہی) اللہ کا طے شدہ فیصلہ تھا ﴿۳۸﴾ پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں، اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے اور حساب لینے کے لئے اللہ کافی ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۹﴾

﴿۱﴾ اگرچہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے رشتہ کو قبول کرلیا؛ لیکن خاندان کے فرق کی وجہ سے ان کے دل میں جو احساس پیدا ہوگیا تھا اور جو عرب کے اس معاشرہ کے لحاظ سے ایک فطری احساس تھا، اس کی چبھن بہر حال دل میں باقی رہی، اور احساس برتری کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی زبان تیز ہوجایا کرتی تھی؛ اس لئے مزاج کی موافقت پیدا نہ ہوسکی، حضرت زید رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں؛ لیکن آپ ﷺ ان کو اس سے باز رہنے کی تلقین فرماتے، اِدھر اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ منھ بولے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے اور اس کی بیوی کو اپنی بہو کی طرح حرام سمجھنے کی جو رسم زمانۂ جاہلیت سے آرہی ہے، اس کو رسول اللہ ﷺ کے عمل کے ذریعہ ختم کرایا جائے؛ کیوں کہ اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ہوجائے تو آپ ﷺ کے اس عمل سے ہمیشہ کے لئے یہ غیر اسلامی رسم ختم ہوجائے گی، رسول اللہ ﷺ کو منشاء ربانی کا علم ہوچکا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ عنہ طلاق دے دیں گے اور پھر ان کا نکاح آپ ﷺ سے ہوگا؛ لیکن اس خیال سے کہ آپ ﷺ کے دشمنوں کو جو مکہ سے لے کر مدینہ تک موجود تھے، مذاق اُڑانے اور پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملے گا، آپ ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس بات سے منع کرتے رہے کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی کا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ جن پر اللہ نے انعام کیا کہ ان کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی اور مسلمانوں میں بلند درجہ سے نوازا اور جن پر آپ ﷺ نے بھی احسان کیا کہ ان کو آزاد کیا اور ایسی قربت عطا کی، جو آپ ﷺ کے اہل بیت کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہوسکی، آپ ﷺ لوگوں کے بدنام کرنے کے ڈر سے ان سے کہہ رہے تھے کہ وہ اس رشتہ کو ختم نہ کریں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلہ میں جو بات منظور تھی، وہ ہوکر رہے گی؛ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ازدواجی زندگی کا ایک وقفہ گزار لیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خود ہم نے آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کردیا اور پھر اس کی حکمت بھی بیان کردی گئی کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوجائے کہ منھ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے حکم میں نہیں ہوتا اور بیٹے کی بیوی کی طرح اس کی مطلّقہ بیوی سے نکاح حرام نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ پہلی بیویوں کی موجودگی میں یہ نکاح کوئی نئی چیز نہیں ہے؛ گزشتہ انبیاء کے نکاح میں بھی کئی کئی بیویاں رہا کرتی تھیں اور انبیاء کے بارے میں بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے؛ کیوں کہ انبیاء کی ←

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمًا ۴۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۴۱ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۴۲ ع ۵

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں؛ لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ ۴۰ اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کیا کرو، ۴۱ اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ ۴۲

← حیاتِ طیبہ اُمت کے لئے نمونہ ہوتی ہے اور بیوی سے بڑھ کر کسی شخص کی خلوت اور جلوت کو کوئی اور بیان نہیں کرسکتا، اس لئے انبیاء کا کئی نکاح کرنا ایک اہم دینی مصلحت اور اُمت کے نفع کے لئے ہے — بعض ضعیف بلکہ موضوع روایات میں اس طرح کی باتیں نقل کی گئی ہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت نہیں؛ بلکہ اپنی رغبت کی بنیاد پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہ رہے تھے اور اسی بات کو آپ ﷺ نے اپنے دل میں چھپا رکھا تھا؛ لیکن یہ بات روایت کے اعتبار سے بھی غلط ہے؛ کیوں کہ جو روایتیں اس سلسلہ میں نقل کی جاتی ہیں، وہ اہل فن کے نزدیک قطعاً غیر معتبر ہیں اور یہ بات عقلاً بھی ناقابل فہم ہے؛ کیوں کہ اگر حضور ﷺ کے دل میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش چھپی ہوتی تو آپ ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہی نہ کرتے، اور یہ بات خود ان کی اور ان کے خاندان کے لوگوں کی بھی عین خواہش کے مطابق ہوتی، جو شخص خود کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے، وہ اس کو دوسرے کے نکاح میں دینا کیسے پسند کرے گا؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تم نے خود نکاح نہیں کیا؛ بلکہ ہم نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا ہے: ''زوجنا کھا''۔ (احزاب: ۳۷)

یہ اور اس قسم کی آیات قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہیں، اسی لئے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول اگر رسول اللہ ﷺ قرآن مجید میں اپنی طرف سے کوئی چیز بڑھاتے، یا گھٹاتے، یا چھپا دیتے تو آپ ﷺ نے اِن آیات کو چھپا دیا ہوتا۔

﴿۱﴾ یہ بات پہلے آچکی ہے کہ اسلام میں گود لینے اور منھ بولی اولاد بنانے کا کوئی تصور نہیں ہے، اس کی مزید وضاحت فرما دی گئی ہے کہ محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، اس سے اس بات کی مزید تاکید ہوگئی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نسبی بیٹے یا بیٹے کے حکم میں نہیں ہیں؛ البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چار چار صاحبزادیوں سے نوازا اور ان ہی کے ذریعہ آپ ﷺ کی نسل کا سلسلہ چلا اور قیامت تک چلتا رہے گا، صاحبزادے بھی اگرچہ آپ ﷺ کو چار چار ہوئے، تین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے، جن کے نام حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، حضرت طیب رضی اللہ عنہ اور حضرت طاہر رضی اللہ عنہ ہیں، اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے؛ لیکن یہ سارے صاحبزادے بچپن ہی میں گزر گئے اور ''رَجُل'' (مرد) اس شخص کو کہتے ہیں، جو بالغ ہو چکا ہو، اس لئے فرمایا گیا کہ وہ تم میں سے کسی مرد یا کسی بالغ شخص کے باپ نہیں ہیں، یعنی روحانی اعتبار سے تو پوری اُمت کے باپ ہیں؛ بلکہ اُمت پر آپ ﷺ کی شفقت ایک باپ سے بھی بڑھی ہوئی ہے اور آپ کا احترام باپ سے بھی کہیں بڑھ کر ہے؛ لیکن نسبی اعتبار سے آپ ﷺ اپنے ان آٹھوں صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے علاوہ کسی کے باپ نہیں ہیں؛ لہٰذا اُمت کی کسی عورت سے یا کسی مرد کی طلاق شدہ بیوی سے آپ ﷺ کا نکاح حرام نہیں ہوگا۔ ←

← آگے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک امتیازی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، لفظ ''خاتم'' میں دو قراءتیں منقول ہیں، ایک: تاء کے زیر کے ساتھ ''خاتِم''، جس کے معنی ہوں گے: نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے، یعنی آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ ﷺ نے اس سلسلہ کو مکمل فرما دیا ہے، دوسرے: تاء کے زبر کے ساتھ ''خاتَم''، یعنی وہ چیز جس سے کسی چیز کو مہر بند کر دیا جاتا ہے، جیسے دواؤں کی شیشیوں پر سیل ہوتی ہے کہ اب اس میں کوئی چیز داخل نہیں کی جاسکتی تو اس قراءت کے لحاظ سے بھی یہی مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ کے ذریعہ سلسلۂ نبوت کو مہر بند کر دیا گیا ہے، آپ ﷺ کے بعد اب کوئی اور شخص نبی نہیں ہوسکتا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک الفاظ میں اس کو اور واضح کرتے ہوئے فرمایا: أنا خاتم النبیین، لا نبی بعدی (ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، حدیث نمبر: ۲۲۱۹) میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا'' آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو: ''أنا آخر الأنبیاء و أنتم آخر الأمم'' (مستدرک حاکم، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۸۶۲۰) اس مضمون کی اتنی زیادہ احادیث ہیں کہ اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث تواتر کے درجہ کو پہنچ گئی ہے، یعنی بظاہر یہ بات ناقابل تصور ہے کہ اتنے سارے لوگوں نے اس بات کو نقل کرنے میں غلطی کی ہو، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس موضوع پر اپنے استاذ علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے زیر نگرانی ایک مستقل رسالہ ''التصریح فی ما تواتر بنزول المسیح'' کے نام سے مرتب کیا ہے، اہل علم کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

خود اس آیت میں تین پہلوؤں سے رسول اللہ ﷺ پر سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کو واضح کیا گیا ہے، ایک تو خاتم کا لفظ، جس کا اوپر ذکر آیا، دوسرے: النبیین، کہ آپ ﷺ نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، نبی کا لفظ بمقابلہ رسول کے عام ہے، رسول ایسے نبی کو کہتے ہیں جس کو نئی شریعت بھی دی گئی ہو، تو آپ ﷺ کو خاتم النبیین کہہ کر اس طرف اشارہ فرما دیا گیا کہ اب آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی صاحب شریعت نبی آسکتا ہے نہ کوئی عام نبی، تیسرے: اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت رہی ہے کہ پیغمبر کے بیٹوں ہی میں سے آئندہ کسی کو پیغمبر بنایا جاتا تھا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام واسحاق علیہ السلام کو نبی بنایا گیا، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو، حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اور حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا، تو اگر آپ ﷺ کو کوئی مرد اولاد ہوتی تو یہ گمان ہوسکتا تھا کہ وہ بھی نبوت سے نوازے گئے ہوں گے، اس لئے آپ ﷺ کو کوئی مرد اولاد عطا نہیں فرمائی گئی؛ اس لئے اس بات پر اُمت کا اجماع واتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویدار ہو، خواہ کسی بھی قسم کی نبوت ہو، تو وہ مرتد، زندیق اور کافر ہے اور اس کو نبی ماننا بھی کفر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی یا ایران میں دعویٰ نبوت کرنے والا باب، بہاء، یا دکن میں صدیق دیندار، سب اسی حکم میں ہیں، اسی طرح جو لوگ سید محمد جونپوری کو کہتے تو ہیں امام مہدی؛ لیکن عملاً ان کو نبی کا درجہ دیتے ہیں، ان کی بیوی کو ''اُم المومنین'' کہتے ہیں، ان کے ساتھیوں کو ''صحابی'' کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مہدی پر معانی قرآن نازل کیا گیا ہے، وہ بھی دائرۂ ایمان سے باہر ہی ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ
اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾

وہ اللہ ہی ہیں جو تم پر رحمتیں بھیجتے رہتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی؛ تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں اور اللہ ایمان والوں پر بڑے مہربان ہیں، ﴿٤٣﴾ جس دن وہ اللہ سے ملیں گے، ان کا تحفہ سلام ہوگا اور اللہ نے ان کے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے، ﴿١﴾ ﴿٤٤﴾ اے پیغمبر! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، ڈرانے والا، اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿٢﴾ ﴿٤٥﴾ ﴿٤٦﴾

﴿١﴾ اس سے ذکر کی اہمیت معلوم ہوئی، ایک مسلمان کی زبان زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر سے تر ہونی چاہئے، یہاں تک کہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں، (مستدرک حاکم، کتاب الدعاء والتکبیر، حدیث نمبر: ۱۸۳۹) ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاص طور پر صبح وشام تسبیح پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۴۸، عن ابی امامۃؓ) پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا انعام بھی بتادیا ہے کہ ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں، فرشتے ان کے لئے دُعا کرتے ہیں اور اس کی برکت سے انسان ہدایت پر قائم رہتا ہے اور آخرت میں اللہ کا ذکر کرنے والوں کا یہ اعزاز ہے کہ جب یہ جنت میں داخل کئے جائیں گے تو فرشتے بھی ان کی خدمت میں سلام پیش کریں گے اور وہ خود بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''یوم یلقونہ'' سے مراد جان کا نکالا جانا ہے کہ جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے تو احترام کے ساتھ ان کو سلام کریں گے۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۹۷-۱۹۸)

﴿٢﴾ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی پانچ صفتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں آپ ﷺ کی ذمہ داریوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، پہلی صفت گواہ ہونے کی ہے، یعنی قیامت کے دن آپ ﷺ اپنی اُمت کے حق میں گواہی دیں گے؛ بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دوسرے انبیاء کی اُمتیں انکار کر جائیں گی کہ ہم کو اللہ کے نبیوں نے پیغام نہیں پہنچایا تو آپ ﷺ ان انبیاء کے حق میں بھی گواہی دیں گے، (بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر: ۷۳۴۹) آپ ﷺ کی دوسری صفت یہ ہے کہ آپ ﷺ ایمان لانے والوں کو جنت کی خوشخبری دیں گے، تیسری صفت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہ لائیں اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا اہتمام نہ کریں، آپ ﷺ ان کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں گے، اس میں پہلے آپ ﷺ کے خوشخبری دینے کا ذکر ہے، پھر ڈرانے کا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعوت دین میں خوشخبری کے پہلو کو مقدم رکھا جائے، چوتھی صفت بیان کی گئی کہ آپ ﷺ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والے ہیں، یعنی دعوت اللہ کی طرف ہونی چاہئے، اس میں سبق ہے کہ اپنے مسلک اور اپنی محبوب شخصیتوں کی طرف دعوت نہ ہونی چاہئے، دعوت کا مقصد اللہ ہی کی طرف بلانا ہے، مسلک قابل ترجیح تو ہے؛ لیکن لائق تبلیغ نہیں، اخیر میں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ روشن چراغ ہیں، یہ بطور تشبیہ کے ہے کہ جیسے چراغ سے روشنی پھیلتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعہ ہدایت کی ←

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ
اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑی عنایتیں ہیں، ﴿۴۷﴾ کفر کرنے والوں کی اور منافقین کی باتیں نہ مانئے، ان کے تکلیف پہنچانے کو نظر انداز کر دیجئے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کام بنانے کے لئے کافی ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۴۸﴾ اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دو تو تمہارا ان پر اختیار نہیں ہے کہ تم ان سے عدت گذرواؤ؛ لہٰذا تم ان کو (رُخصتانہ کے طور پر) کچھ تحفہ دے دو اور خوشگوار طریقہ پر رخصت کر دو۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۹﴾

← روشنی پھیلے گی، تشبیہ دینے میں عام طور پر اونچی سے اونچی چیز کا ذکر کیا جاتا ہے، بظاہر خیال ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو سورج یا چاند سے تشبیہ دی گئی ہوتی تو اس سے آپ کے مقام کی زیادہ بلندی ظاہر ہوتی؛ لیکن چراغ سے تشبیہ کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک سورج سے دوسرا سورج روشن نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلائے جاسکتے ہیں، گویا اس تشبیہ میں آپ ﷺ کی افراد سازی اور تعمیر شخصیت کی صلاحیت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعہ رشد و ہدایت اور علم و عمل کے کتنے ہی چراغ جلیں گے۔

﴿۱﴾ اس میں دعوت کا کام کرنے والوں کو بنیادی نصیحت کی گئی ہے کہ دعوت دین کے کام میں کسی سے اُلجھنا نہیں چاہئے، اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دے تو اس کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا چاہئے؛ کیوں کہ اُلجھنے سے انسان کی طاقت بحث ومباحثہ میں ضائع ہو جاتی ہے اور وہ اصل کام کی طرف سے بے توجہ ہو جاتا ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت میں تین احکام بتائے گئے ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح ہو؛ لیکن میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں ہوا اور طلاق کی نوبت آگئی تو ایسی عورت کے لئے عدت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اس مطلقہ بیوی کو کچھ تحفہ دے کر رُخصت کرنا چاہئے، اگر نکاح کے وقت اس کا مہر متعین نہیں ہوا تھا تب تو یہ تحفہ دینا واجب ہے جس کو ''متاع'' کہتے ہیں، (ہدایہ: ۳۴۶/۱) اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو تو مہر کی آدھی رقم واجب ہوگی، (حوالۂ سابق) اور تحفہ دینا مستحب ہوگا، اگر میاں بیوی کا تعلق نہیں ہوا؛ لیکن دونوں کے درمیان ایسی تنہائی ہوگئی کہ تعلق قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی تو اس صورت میں وہ احکام ہوں گے، جو تعلق قائم ہونے کے بعد طلاق دینے سے ہوتے ہیں، یعنی اس پر عدت واجب ہوگی اور جتنا مہر مقرر ہوا ہے، وہ پورا کا پورا واجب ہوگا، (ہدایہ: ۳۴۷/۱) اگر طلاق کی نوبت نہیں آئی؛ لیکن میاں بیوی کے تعلق سے پہلے ہی شوہر کا انتقال ہو گیا تو پھر پورا مہر واجب ہوگا اور عدت وفات گزارنی ہوگی، ←

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ
عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً
مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ
عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ
وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ
وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

اے پیغمبر! ہم نے آپ کے لئے آپ کی ان بیویوں کو جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں، آپ کی باندیوں کو جو اللہ نے (مالِ غنیمت میں سے) آپ کو دلوائی ہیں، نیز آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آنے والی آپ کی چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنوں کو آپ کے لئے حلال کر دیا ہے، اور اگر کوئی مسلمان عورت (مہر کے بغیر) اپنے آپ کو پیغمبر کے لئے ہبہ کر دے، نیز پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں تو یہ بھی خاص طور پر آپ کے لئے حلال ہے، دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں، ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور باندیوں کے سلسلہ میں جو مقرر کر دیا ہے، وہ ہمیں معلوم ہے، (یہ حکم) اس لئے ہے کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ﴿۵۰﴾ (آپ کو اختیار ہے) اِن (بیویوں) میں سے جن کو چاہیں، الگ رکھیں، اور جن کو چاہیں ساتھ رکھیں، اور جن کو الگ رکھا تھا، پھر سے ان کو ملالیں تو (اس میں بھی) آپ پر کوئی حرج نہیں ہے، یہ اس لئے ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، وہ غمگین نہ ہوں اور آپ ان کو جو کچھ دیں، وہ اسی پر خوش رہیں، اور اللہ اس بات کو بھی جانتے ہیں، جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ خوب علم والے اور بہت ہی بردبار ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۱﴾

← جو حاملہ عورت کے لئے بچہ کی ولادت ہے اور دوسری عورتوں کے لئے چار مہینہ دس دن، (ہدایہ: ۱/ ۴۲۸) تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ جس بیوی کے ساتھ تنہائی کی نوبت بھی نہ آئی کہ اسے طلاق دے دی گئی تو اس پر عدت واجب نہیں ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ اگر نکاح کے بعد میاں بیوی کے تعلق سے پہلے ہی شوہر طلاق دے دے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ طلاق احناف کے نزدیک طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے۔ (ہدایہ: ۱/ ۴۲۸)

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۵۰ اور ۵۱ میں بنیادی طور پر رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے، اس میں بعض احکام وہ دیئے گئے ہیں، جو حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، اور بعض وہ ہیں جو آپ ﷺ کے لئے بھی تھے اور اُمت کے لئے بھی ہیں، پہلا حکم یہ بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ نے ←

← جن بیویوں کا مہر ادا کردیا ہے، وہ سب آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں، اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں؛ اس لئے اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اوروں کے لئے تو چار سے زائد نکاح جائز نہیں ہے؛ لیکن آپ ﷺ کے نکاح میں جتنی بیویاں ہیں، وہ سب آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی مردوں اور عورتوں کے لئے اُسوہ ونمونہ تھی اور مسلمان اپنی خلوت وجلوت کی زندگی میں اسی نمونہ پر عمل کرنے کے پابند ہیں؛ اس لئے جیسے گھر سے باہر کی زندگی میں ہزاروں صحابہ نے آپ ﷺ سے استفادہ کیا اور آپ ﷺ کی تعلیمات لوگوں تک پہنچائی، اسی طرح گھر کے اندر بھی ایسی باصلاحیت اور مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کی ضرورت تھی، جو آپ ﷺ کے عمل کو دیکھیں اور خواتینِ اُمت تک پہنچائیں، اس بنیادی مصلحت کے تحت آپ ﷺ کو چار سے زیادہ نکاح کی اجازت دی گئی، پھر چار باتیں ایسی واضح ہیں کہ اگر ان کو پیش نظر رکھا جائے تو آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اول یہ کہ پچپن سال کی عمر تک آپ کے حرم میں ایک ہی بیوی رہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا؛ حالاں کہ یہی زمانہ انسان کے اصل شباب کا اور عورت کی چاہت کا ہوتا ہے، اس کے بعد ہی آپ ﷺ کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں آئیں، دوسرے: سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ ﷺ کی کوئی بیوی کنواری نہیں تھیں، باقی تو بیوہ تھیں یا طلاق شدہ؛ بلکہ بعض تو ایک سے زیادہ شوہروں سے گزر کر آپ ﷺ کے پاس آئی تھیں، جو شخص خواہش نفسانی کے لئے شادی کرے گا، وہ اپنے لئے کنواری لڑکی کا انتخاب کرے گا نہ کہ بیوہ اور مطلقہ کا؛ حالاں کہ حضور ﷺ کی شان یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ کسی کنواری لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے تو وہ اور ان کے اہل خاندان خوشی سے اس کو قبول کرلیتے، تیسرے: آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے کوئی خاتون ایسی نہ تھیں، جو شکل وصورت کے اعتبار سے بہت ممتاز ہوں، ہاں، ان کے اندر ذہانت، تقویٰ وطہارت اور اخلاقی اوصاف اعلیٰ درجہ کے تھے، چوتھے: اگر رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی پر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش ہوتی تو مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود ومنافقین ہرگز اس سے باز نہ آتے؛ لیکن کسی کو آپ ﷺ کے کردار پر انگلی اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی، اگر ایسا ہوتا تو قرآن وحدیث میں ضرور اس کا ذکر آتا؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں پر اہل مغرب کا اعتراض حسد اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں؛ حالاں کہ بائبل میں تو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سینکڑوں بیویوں کا ذکر موجود ہے، مگر عجیب بات ہے کہ اس کتاب پر ایمان رکھنے والے پیغمبر اسلام ﷺ کو ہدف تنقید بنائیں، جن کے نکاح میں بیک وقت نو سے زیادہ بیویاں کبھی نہیں رہیں۔

دوسرا حکم باندیوں سے متعلق ہے، مالِ غنیمت سے جس مسلمان کو جو باندی ملے، وہ اس کے لئے حلال ہے؛ لیکن آپ ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر آپ ﷺ کسی باندی کو منتخب کرلیتے تو وہ بھی آپ ﷺ کے لئے حلال ہوتی، جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوۂ بنوقریظہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے مخصوص کرلیا۔ (بیان القرآن: ۵۸/۹)

تیسرے: چچازاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہنوں سے نکاح تو ہر مسلمان کے لئے حلال ہے؛ لیکن آپ ﷺ کو یہ خصوصی حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ کے لئے ان رشتہ داروں میں سے وہی حلال ہیں، جنھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہو، جن رشتہ دار عورتوں نے ہجرت نہیں کی، جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی وغیرہ، ان سے نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے جائز نہیں تھا؛ جب کہ دوسرے ←

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ يَمِيۡنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ رَّقِيۡبًا ﴿۵۲﴾

ع ۶ ۴

اس کے بعد آپ کے لئے اور عورتوں (سے نکاح کرنا) جائز نہیں ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ ان (بیویوں کو چھوڑ کر) ان کے بدلے دوسری بیویاں کر لیں، اگر چہ کہ آپ کو ان کی خوبی پسند آجائے، سوائے باندیوں کے (کہ نئی باندیاں حلال ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۲﴾

← مسلمانوں کے لئے یہ شرط نہیں تھی کہ وہ صرف ان ہی رشتہ دار عورتوں سے نکاح کریں جو ہجرت کر چکی ہوں —— چوتھا خصوصی حکم یہ دیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان عورت اپنی ذات آپ ﷺ کو ہبہ کر دے، یعنی بغیر مہر کے آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہے اور آپ ﷺ قبول کر لیں تو یہ بھی آپ ﷺ کے حق میں جائز ہے، اس حکم میں رسول اللہ ﷺ کی دو خصوصیتیں ہیں: ایک یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے اہل کتاب سے بھی نکاح جائز تھا؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے لئے مسلمان عورت ہی کو بحیثیت بیوی یا باندی اپنی زندگی میں لانے کی اجازت تھی؛ کیوں کہ خانۂ نبوت میں کسی غیر مسلم عورت کا رہنا مصلحت کے خلاف تھا، دوسری یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے بغیر مہر کے بھی نکاح کرنے کی گنجائش تھی، اس طرح یہ چار خصوصی احکام ہوئے؛ لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول آپ ﷺ نے اپنی اس خصوصیت کا فائدہ نہیں اُٹھایا، جو خواتین آپ ﷺ کے حرم میں تھیں، وہ یا تو آپ ﷺ کی بیوی تھیں یا باندی۔

یہ بات کہ یہ اجازت آپ ﷺ کے لئے ہے، دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں، اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کا تعلق صرف اس آخری حکم سے ہے کہ بغیر مہر کے بھی آپ کے لئے نکاح کی اجازت تھی، دوسرے احکام سے اس کا تعلق نہیں، دوسری رائے یہ ہے کہ اوپر جو پانچ احکام ذکر کئے گئے ہیں وہ سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی، اسی لئے آگے فرمایا گیا کہ عام مسلمانوں کے حق میں بیویوں اور باندیوں کے سلسلہ میں جو احکام مقرر ہیں اور جو اللہ کے علم میں ہیں، ان ہی کے مطابق عمل ہوگا —— چھٹا خصوصی حکم یہ دیا گیا کہ عام مسلمانوں پر تو بیویوں کے درمیان عدل واجب ہے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بات واجب نہیں تھی، آپ ﷺ کو اختیار حاصل تھا کہ جس بیوی کو چاہیں ساتھ رکھیں، جس کو چاہیں باری سے الگ کر دیں، اگر کسی کو الگ کر چکے ہوں تو ان کو پھر واپس لے لیں، آپ ﷺ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۰۵-۱۱۸)

﴿۱﴾ اس آیت میں خود رسول اللہ ﷺ سے خصوصی خطاب ہے کہ اب جو بیویاں آپ ﷺ کے پاس موجود ہیں —— اور اُس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نو ازواج مطہرات تھیں —— ان کے علاوہ اب مزید نکاح کرنے کی آپ ﷺ کو اجازت نہیں، اور نہ اس بات کی اجازت ہے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں؛ کیوں کہ آپ ﷺ کے علاحدگی کے اختیار دینے پر ان سب نے آپ ﷺ کے ساتھ رفاقت کو ترجیح دی ہے، اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ آپ ﷺ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کوئی نئی بیوی لے آئیں کہ تعداد تو وہی رہے جو موجودہ ہے؛ لیکن شخصیت بدل جائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ
اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ
اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ
مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ
تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
عَظِیْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ
اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا
نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِیْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۵۵﴾

اے ایمان والو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو، سوائے اس کے کہ تم کو کھانے پر بلا جائے اور اس کے پکنے کا انتظار نہ کرنا پڑے؛ البتہ جب دعوت دی جائے تو آؤ، پھر جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور بات میں دلچسپی لے کر نہ بیٹھ جاؤ؛ کیوں کہ اس بات سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی ہے، وہ (کہتے نہیں ہیں، اس لئے کہ) تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ سچی بات کہنے سے حیا نہیں کرتے، اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزگی کا باعث ہے، تمہارے لئے درست نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم پیغمبر کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یقیناً یہ اللہ کے نزدیک بڑا سخت گناہ ہے، ﴿۵۳﴾ تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، یقیناً اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۵۴﴾ عورتوں کے لئے اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں اور باندیوں سے (پردہ نہ کرنے میں) کوئی حرج نہیں ہے، اور (اے عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۵﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۵۳ اور ۵۵ میں سماجی زندگی سے متعلق بہت اہم احکام دیئے گئے ہیں، اگر چہ ان احکام میں ازواجِ مطہرات سے یا رسول اللہ ﷺ کے دولت خانہ کو آنے جانے والے لوگوں سے خطاب ہے؛ لیکن یہ بالواسطہ پوری اُمت کے لئے ہدایت ہے، پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ خود کھانے کی دعوت نہ دیں، اپنے طور پر نہ پہنچ جایا کرو، یہی حکم عام مسلمانوں کی دعوت میں جانے کے سلسلہ میں بھی ہے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ دعوت دی جائے تو کھانے کے وقت پہنچو، پہلے سے پہنچ کر انتظار مت کرو کہ گھر والوں کو دشواری ہو، تیسری ہدایت یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خواہ مخواہ میزبان کے یہاں بیٹھے مت رہو کہ اس کے کاموں میں خلل ہو، ان تینوں احکام کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا اور آپ ﷺ نے ولیمہ میں لوگوں کو مدعو کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی مدعو حضرات وہیں بیٹھ گئے، اب یہ حضرات گفتگو کر رہے تھے ←

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں، (لہٰذا) اے ایمان والو! تم بھی پیغمبر پر (درود و سلام) بھیجا کرو، ﴿۱﴾ ﴿۵۶﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا میں بھی اللہ کی پھٹکار ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۵۷﴾

← اور اُم المومنین حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا دیوار کی طرف چہرہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کا یہ عمل گراں گزرا، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۲۲۴/۱۴) چوتھے حکم کا تعلق پردہ سے ہے کہ اگرچہ پیغمبر کی بیویاں تمہاری روحانی مائیں ہیں؛ لیکن پردہ کے معاملہ میں ان کا حکم غیر محرم کا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی چیز مانگنی ہو تو سامنے آکر نہ کھڑے ہو جاؤ؛ بلکہ پردے سے مانگو، یہی حکم عام مسلمان عورتوں کے لئے بدرجۂ اولیٰ ہے؛ کیوں کہ ازواج مطہرات کے تقدس کے تحت تو کسی مسلمان کے دل میں بُرا خیال آ بھی نہیں سکتا تھا، جب ان کے بارے میں یہ حکم ہے تو دوسروں کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ ہوگا، پانچواں حکم ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی کسی مسلمان کے لئے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا جائز نہیں، اس میں ایک تو رسول اللہ ﷺ کی عظمت و احترام کا پہلو ہے کہ آپ ﷺ کی نسبت کی وجہ سے یہ خواتین پوری اُمت کے لئے نسبی ماؤں سے بڑھ کر ماں ہیں، دوسرے: رسول اللہ ﷺ کو وفات کے بعد بھی زندگی حاصل ہے اور شوہر کی زندگی میں بیوی کا کسی اور سے نکاح نہیں ہوسکتا، تیسرے: یہ دنیا کی طرح جنت میں بھی آپ ﷺ کے نکاح میں رہیں گی، گویا آپ ﷺ سے ان کا نکاح دنیا سے لے کر آخرت تک کے لئے ہوا ہے اور آپ ﷺ کی وفات کی وجہ سے رشتۂ نکاح ختم نہیں ہوا ہے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۲۸-۲۳۰) اور یہ کہہ کر کہ تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ صحابہ کو متنبہ کر دیا گیا کہ ازواج مطہرات سے کسی مسلمان کے نکاح کرنے کا دل میں خیال بھی نہ پیدا ہونا چاہئے۔

آخری حکم یہ دیا گیا کہ اُمہات المومنین سے پردے سے چیزیں طلب کیا کرو، یہ اُن مردوں کے لئے ہے جو غیر محرم ہوں، جو محرم ہیں جیسے باپ، دادا، چچا، اولاد، بھائی، بھتیجے، بھانجے، مسلمان خواتین اور باندیاں، ان سب کے لئے پردہ کا حکم نہیں ہے، ان کے سامنے نکلنے کی گنجائش ہے، یہ حکم جیسے ازواج مطہرات کے لئے ہے، ویسے ہی اُمت کی دوسری خواتین کے لئے بھی ہے۔

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے سلام بھیجنے کا مطلب رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کے سلام بھیجنے سے مراد آپ ﷺ کے لئے دُعاءِ رحمت کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے اور فرشتوں کے صلاۃ و سلام کا ذکر کرنے کے بعد پھر مسلمانوں کو آپ ﷺ پر صلاۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا، اس سے اس عمل کی اہمیت معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ اُمت کے سب سے بڑے محسن اور انسانیت کے سب سے بڑے ←

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۸ ع ۷

جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسی بات (کی تہمت لگا کر) تکلیف پہنچاتے ہیں، جو انھوں نے کیا ہی نہیں ہے، تو انھوں نے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لے لیا۔﴿۱﴾ ۝۵۸

← خیر خواہ تھے، اس لئے آپ کا حق ہے کہ آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ صلاۃ وسلام بھیجا جائے، اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ زندگی میں ایک بار آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام پیش کرنا فرض ہے؛ لیکن اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار آپ ﷺ کا مبارک ذکر آئے تو کیا ایک دفعہ صلاۃ وسلام بھیجنا کافی ہو جائے گا یا ہر بار کہنا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ ہر بار صلاۃ وسلام پڑھنا واجب ہوگا، مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے، وہ دوزخ میں داخل ہوگا، اللہ اس کو محروم ہی رکھے، (صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الأدعیۃ، حدیث نمبر: ۹۰۷) دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک بار صلاۃ وسلام پڑھ دینا کافی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۳۲-۲۳۳) اسی طرح نماز میں جو صلاۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، اس کے بارے میں جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ وہ سنت یا مستحب ہے، امام شافعیؒ کے یہاں واجب ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۳۶) جیسے زبانی صلاۃ وسلام پڑھنا چاہئے، اسی طرح اگر تحریر میں آپ ﷺ کا ذکر مبارک آجائے تو صلاۃ وسلام لکھنا چاہئے، اُصولِ حدیث کے مشہور عالم علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر پورا صلاۃ وسلام لکھنے کی بجائے اختصار کے طور پر "صلعم" لکھ دینا کافی نہیں، (تدریب الراوی: ۲/ ۷۷) — سلام تو ہر مسلمان کے لئے ہے؛ لیکن صلاۃ کا لفظ صرف انبیاء اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے، انبیاء کے علاوہ کسی کے لئے مستقلاً صلاۃ کا لفظ درست نہیں؛ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی پر صلاۃ بھیجنا درست نہیں؛ البتہ ان کے لئے استغفار کے الفاظ کہہ سکتے ہیں: "لا يصلى على أحد إلا على النبي صلى الله عليه وسلم لكن يدعىٰ للمسلمين والمسلمات بالاستغفار" (سنن بیہقی، باب ہل یصلی علی غیر النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۲۶۹۶، نیز دیکھئے: فتح الباری لابن حجر، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ: ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی) البتہ حضور ﷺ کے ساتھ ضمنی طور پر آپ ﷺ کی آل واصحاب یا اُمتِ مسلمہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے: "وتجوز الصلوٰة على غيره تبعاً له"۔ (التفسیر المنیر: ۲۲/ ۹۵)

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانے سے مراد ہے: کفر کرنا، اللہ کی طرف بیوی کی یا اولاد کی نسبت کرنا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، یا زمانہ کو برا بھلا کہنا؛ حالاں کہ زمانہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے مراد ہے: حضور ﷺ کو جسمانی تکلیف پہنچانا، جیسا کہ مکہ میں یا اُحد میں ہوا، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی، حضور ﷺ کے کسی حکم کو دل سے قبول نہ کرنا، یا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح پر منافقین کا طعن وتشنیع کرنا، اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی صورتیں واضح ہیں کہ اپنے قول وفعل کے ذریعہ کوئی ایسا عمل کرنا جو مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہو، اور خاص کر ان پر تہمت لگانا، جیسا کہ منافقین حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بارے میں کیا کرتے ←

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ
ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ
فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۚۛ ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اے پیغمبر! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے آپ پر گھونگٹ لٹکا لیا کریں، اس سے اُمید ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو ان کو تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں، ﴿۵۹﴾ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں غلط افواہیں پھیلانے والے باز نہیں آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہ مدینہ میں کچھ دنوں سے زیادہ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکیں گے، ﴿۶۰﴾ ان سب پر پھٹکار ہے، وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں، پکڑ لئے جائیں اور اچھی طرح مار ڈالے جائیں، ﴿۶۱﴾ ان سے پہلے لوگوں کے بارے میں بھی اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے اور آپ اللہ کے طریقہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔﴿۱﴾ ﴿۶۲﴾

← تھے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۳۹، ۲۴۰) —— موجودہ دور میں قرآن وحدیث کے احکام کو خلافِ عقل قرار دینا، حدیث نبوی کی حجیت کا انکار کرنا، صحابہ پر سب وشتم کرنا وغیرہ بھی اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی شکلیں ہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

﴿۱﴾ یعنی بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ عورتیں بلا وجہ گھر سے باہر نہ نکلیں؛ لیکن اگر کسی ضرورت سے نکلنا پڑے تو ایسا گھونگھٹ استعمال کریں، جس سے گزرنے والوں کو چہرہ نظر نہ آئے اور گھونگھٹ لٹکانے والی کو راستہ نظر آتا رہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی شکل یہ بتائی کہ پیشانی کے اوپر دوپٹہ اس طرح باندھا جائے کہ سینہ اور چہرہ کا بڑا حصہ چھپ جائے اور دونوں آنکھیں کھلی رہیں؛ تاکہ راستہ دیکھ سکیں، اس کی گنجائش ہے: ''ذلک أن تلویہ فوق الجبین وتشدہ، ثم تعطفه علی الأنف وإن ظهرت عیناها لکنه یستر الصدر ومعظم الوجه'' (جامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۱۴/ ۱۵۶) اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اوباش قسم کے لوگ سمجھ جائیں گے یہ شریف عورت ہے، عورتوں کے لئے پردہ کی کیا حدود ہیں؟ بحیثیت مجموعی اس کے چار درجات کئے جاسکتے ہیں، اول: شوہر سے جس کے لئے کوئی پردہ نہیں ہے، دوسرے: محرم رشتہ دار، جن کے سامنے چہرہ ہاتھ، بازو، سینہ کا اوپری حصہ، پنڈلی، پاؤں اور بال وغیرہ حسبِ ضرورت کھولنے کی گنجائش ہے، تیسرے: اجنبی مرد یا ایسے غیر محرم جن کی عام طور پر گھر میں آمد ورفت نہیں ہوتی، ان سے چہرہ کا پردہ بھی ضروری ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت درپیش ہو، جیسے ڈاکٹر کو دکھانا یا کسی سامان کا ←

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ
تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا
يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ
وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ
اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع ۸ / ۵

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کب آئے گی؟) آپ کہہ دیجئے: اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور کیا خبر کہ شاید قریب ہی آگئی ہو، ﴿۱﴾ ﴿۶۳﴾ یقیناً کافروں کو اللہ نے محروم رکھا ہے اور ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، ﴿۶۴﴾ وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے، نہ ان کو کوئی دوست ملے گا اور نہ مددگار، ﴿۶۵﴾ جس دن ان کے چہرے دوزخ میں اُلٹا دیئے جائیں گے، ﴿۲﴾ اس دن وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی ہوتی، ﴿۶۶﴾ اور وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تو اپنے سرداروں اور بڑوں کی مان لی تھی، تو انھوں نے ہی ہمیں گمراہ کر دیا تھا، ﴿۶۷﴾ پروردگار! آپ ان کو دوہرا عذاب دیجئے اور ان کو خوب پھٹکاریئے۔ ﴿۶۸﴾

← خرید کرنا، چوتھے: ایسے رشتہ دار جو غیر محرم ہوں؛ لیکن مشترک گھر کی وجہ سے یا کثرت سے آمد و رفت کی وجہ سے ان سے مکمل پردہ دشوار ہو، تو اگر ان کے سامنے ہونے میں فتنہ کا اور گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ اور گٹوں تک ہاتھ کھولنے کی اجازت ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے؛ کیوں کہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر خواتین پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی آپ کے سامنے آتی رہی ہیں، اور اگر گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ان سے بھی پردہ ضروری ہے: ''فحل النظر مقید بعدم الشهوة و إلا فحرام'' (درمختار: ۲/ ۲۴۲) اسی طرح اگر عمر دراز عورتیں ہوں، جن کے سامنے ہونے میں فتنہ کا اندیشہ نہیں ہو، ان کے لئے بھی چہرہ اور گٹوں تک ہاتھوں کے کھولنے کی گنجائش ہے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں، اب آپ ﷺ کے بعد قیامت سے پہلے کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے (مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعۃ، حدیث نمبر: ۲۹۵۱) البتہ قیامت کے واقع ہونے کی قطعی تاریخ کو چھپا کر رکھا گیا ہے؛ تاکہ لوگ اپنے عمل کے اعتبار سے ہر وقت اس کے لئے تیار رہیں۔

﴿۲﴾ چہرے کے بل ڈالے جانے میں تکلیف کے ساتھ ساتھ اہانت و تذلیل کا پہلو بھی ہے، یعنی اہل دوزخ کو نہ صرف سخت عذاب دیا جائے گا؛ بلکہ ان کو رُسوا اور ذلیل بھی کیا جائے گا، اسی لئے قرآن مجید میں بعض گناہوں پر دوزخ کے عذاب کے لئے ''عذاب مهين'' (رسوا کن عذاب) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
وَجِيْهًا ؕ۝٦٩ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٧٠ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧١ اِنَّا عَرَضْنَا
الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا
الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝٧٢

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ، جنھوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) تکلیف پہنچائی تھی، تو اللہ نے
موسیٰ کا ان کے الزام سے پاک ہونا واضح فرمادیا اور وہ خدا کے نزدیک بڑے مرتبہ والے تھے، ﴿۱﴾ ۝٦٩ اے
مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو، ۝٧٠ اللہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کو درست کردیں گے
اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، وہ
بہت کامیاب ہوگا، ۝٧١ ہم نے (دین کی) امانت (کا بوجھ) آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو
انھوں نے اس کو اُٹھانے سے عاجزی ظاہر کردی اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھالیا، یقیناً انسان بڑا
ظالم اور جاہل ہے۔ ﴿۲﴾ ۝٧٢

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین اور منافقین کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی تھی، اس کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پچھلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ان کی اُمتوں کا یہی رویہ رہا تھا، ان ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ قوم بنی اسرائیل حالاں کہ ان پر ایمان لاچکی تھی؛ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے پیغمبر کو طرح طرح کی تکلیف پہنچایا کرتی تھی، ان ہی تکلیفوں میں سے ایک یہ تھی کہ بنی اسرائیل کھلے عام بے لباس غسل کیا کرتے تھے؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام پردہ کا بہت اہتمام کرتے تھے، جسم کو چھپا کر رکھتے تھے، قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ان کو کوئی نہ کوئی بیماری ہے یا تو ان کے فوطے پھولے ہوئے ہیں یا جسم پر سفید داغ ہے یا کوئی اور بیماری ہے؟ نبی کو حق تعالیٰ جیسے اخلاق و عادات کے اعتبار سے مکمل بناتے ہیں، اسی طرح جسم اور بناوٹ کے اعتبار سے بھی ہر طرح کے عیب سے بچا کر رکھتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی شان کے حامل تھے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ان الزامات سے براءت کی یہ صورت بنی کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسی جگہ جہاں لوگ نہیں تھے، کپڑے اُتار کر پانی کے چشمے میں غسل کے لئے گئے اور کپڑا ایک چٹان پر رکھ دیا، پتھر کی وہ چٹان وہاں سے بھاگنے لگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام ''میرا کپڑا، میرا کپڑا'' کہتے ہوئے پیچھے دوڑے، آپ کے جسم پر کپڑا نہیں تھا، آخر یہ پتھر وہاں جا کر رُکا، جہاں بنی اسرائیل کا ایک گروہ موجود تھا، لوگوں نے دیکھا کہ آپ جسمانی اعتبار سے بھی نہایت خوبصورت اور اعضاء کے اعتبار سے بھی بہت متناسب ہیں اور اس طرح اس الزام کا دفعیہ ہوگیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، (بخاری، کتاب الأنبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام، حدیث نمبر: ۳۲۲۳) بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں کو ستانا اور تکلیف پہنچانا اللہ تعالیٰ کے غضب اور پکڑ کا باعث ہے۔

←

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

ع ۹/۵

تاکہ اللہ منافق مردوں، عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دیں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول فرمائیں، اور اللہ ہیں ہی بہت بخشنے والے اور مہربان۔ ﴿۱﴾ ﴿۷۳﴾

← ﴿۲﴾ امانت پیش کرنے سے مراد دین کے احکام کو پیش کرنا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۵۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر دین کے احکام پیش کئے، ان سے کہا کہ اگر تم اس امانت کو اُٹھالو تو اللہ کی فرمانبرداری کرنے کی صورت میں تم کو بہترین اجر دیا جائے گا اور نافرمانی کرنے کی صورت میں زبردست سزا دی جائے گی، اس امانت میں اللہ کی توحید اور اس کی عبادت یقینی طور پر شامل رہی ہوگی، رہ گئے دوسرے احکام، تو وہ ہر مخلوق کو اس کی ساخت اور صلاحیت کے اعتبار سے دیئے جاتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ان کے لئے وہی شرعی احکام ہوتے جو انسانوں کے لئے ہیں، بہر حال ان مخلوقات نے اپنے عجز کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اس امانت کو اُٹھانے کی ذمہ داری نہیں رکھی، پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان سے کہا: میں نے یہ امانت آسمان و زمین پر پیش کی تو انھوں نے اس سے عاجز ہونے کا اظہار کر دیا، تو کیا تم اس کو اُٹھا سکتے ہو؟ اگر تم اس کو اُٹھانے کا حق ادا کرو گے تو تمہیں اس کا بہترین اجر عطا کیا جائے گا اور اگر تم نے اس امانت کا حق ادا نہیں کیا، ضائع کر دیا تو تم کو عذاب ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو قبول فرما لیا، (تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۰۱) اس طرح دین و شریعت کے احکام انسان کے کاندھوں پر رکھے گئے —— انسان کے بڑے ظالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس امانت کو قبول کر کے اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے؛ کیوں کہ اگر اس کا حق ادا نہ کر سکا تو دوزخ میں جائے گا، اور جاہل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جس ذمہ داری کو قبول کیا ہے، وہ اس کی مشکلات سے کما حقہ واقف نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے ظالم اور جاہل ہونے کا یہی مطلب مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۵۷) —— اگر چہ کہ اس فقرہ میں بظاہر انسان کی مذمت ہے؛ لیکن غور کیا جائے تو اس کے پس پردہ انسان کی تعریف بھی کی گئی ہے، ظالم اسی کو کہا جاتا ہے، جس میں عدل و انصاف کرنے کی صلاحیت ہو، گائے بکری اور اور درو دیوار کو ظالم نہیں کہا جاتا، جاہل اسی کو کہا جاتا ہے، جس میں اپنی اصل کے اعتبار سے علم کی صلاحیت ہو، سمندر اور پہاڑ کو جاہل نہیں کہا جاتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے اس بات کا اعلان ہے کہ اس کو علم و عدل کی صلاحیت عطا کی گئی ہے اور یہی صلاحیت ہے جس کے ذریعہ انسان امانت الٰہی کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی دین کی امانت انسان کو بطور امتحان کے سپرد کی گئی ہے کہ جو اس امانت کا حق ادا کرے، اس کو آخرت کا بہترین اجر عطا کیا جائے، اس سے جو بھول چوک ہو، اس کے لئے توبہ قبول کی جائے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھل کر شرک کرنے والے ہوں یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں؛ لیکن حقیقت میں مسلمان نہ ہوں، یعنی منافقین، ان کو عذاب دیا جائے؛ کیوں کہ اگر اچھا عمل کرنے والوں کو انعام نہ دیا جائے اور غلط عمل کرنے والوں کو سزا نہ دی جائے تو یہ امتحان بے مقصد ہو جائے گا۔

سُوۡرَةُ سَبَاٍ

▸ سورہ نمبر : (۳۴)

▸ رکوع : (۶)

▸ آیتیں : (۵۴)

▸ نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

یمن کے خوبصورت اور زرخیز علاقہ کا نام سبا تھا، یہاں جو لوگ آباد تھے وہ بنیادی طور پر سورج کے پرستار تھے، اس سورہ کی آیت نمبر: ۱۵،۱۶ میں اس کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ سبا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کو جو غیر معمولی نعمتیں عطا کی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ پرندے، پہاڑ، ہوائیں اور جنات بھی ان کے قابو میں تھے، دوسری طرف ملک سبا میں لوگوں کو پھلوں کے باغات، پانی کے چشمے اور خوراک کی فراوانی میسر تھی، اس سورہ میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکۂ سبا کو اسلام کی دعوت، بارگاہ سلیمانی میں ملکہ کی حاضری اور ایمان سے مشرف ہونے کی دلچسپ داستان بھی ذکر کی گئی ہے، اس کے معاً بعد اس بدنصیب قوم کا حال بیان کیا گیا ہے، جو بڑی خوشحالی کی زندگی گذار رہے تھے، سرسبز و شاداب اور لہلہاتے ہوئے باغات کی وجہ سے یہ علاقہ دنیا میں گویا جنت کا نمونہ تھا اور یہاں آبپاشی کا زبردست نظام موجود تھا؛ لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے منھ موڑا تو وہی ڈیم جو ان کی خوشحالی کا سبب تھا، ان کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بن گیا اور یہ ایک اُجڑی ہوئی بستی بن کر رہ گئی —— اس کے علاوہ اس سورہ میں قرآن مجید کی بنیادی دعوت —— توحید اور آخرت —— کو مختلف دلیلوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ
الْخَبِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ
فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ
لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ
اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے، ﴿۱﴾ وہ بڑی حکمت و دانائی والا اور بہت باخبر ہے، ۝ زمین میں جو چیزیں داخل ہوتی ہیں اور جو چیزیں زمین سے نکلتی ہیں، جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں چڑھتا ہے، اللہ کو سب معلوم ہیں، اور وہ نہایت مہربان اور بہت معاف کرنے والے ہیں، ﴿۲﴾ ۝ ایمان نہ لانے والے کہتے ہیں: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ کہہ دیجئے! کیوں نہیں، میرے غیب کے جاننے والے رب کی قسم! قیامت تم پر ضرور آ کر رہے گی، آسمان و زمین میں ذرہ برابر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے، نہ اس سے چھوٹی اور بڑی کوئی چیز ہے، جو واضح کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں موجود نہ ہو۔ ۝

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ یوں تو دنیا میں بھی قابل تعریف ہیں؛ لیکن دنیا میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتوں کے لئے بندوں کو واسطہ بنایا ہے، انسان کے وجود کے لئے ماں باپ کو، علم کے لئے استاذ کو، صحت کے لئے معالج کو، ماں باپ بننے کے لئے شوہر و بیوی کو، اور اناج کے لئے زمین اور درخت کو؛ لیکن آخرت میں یہ سارے واسطے ہٹ جائیں گے اور ہر شخص براہ راست اللہ کی قدرت اور اس کے رحم و کرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا؛ اس لئے وہاں صرف اللہ ہی کی تعریف ہوگی، دنیا میں جو انسان ان واسطوں کو قابل تعریف خیال کرنے لگتا ہے، وہاں یہ بھی نہیں ہوگا۔

﴿۲﴾ پانی، بیج، کیڑے مکوڑے، کتنی ہی چیزیں ہیں جو سطح زمین سے زمین کے اندر داخل ہو جاتی ہیں اور پودے درخت، زمین کے اندر چھپے ہوئے معدنی خزانے سونا چاندی، پٹرول اور نہ جانے کتنی چیزیں زمین سے باہر نکلتی ہیں، آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے، اولے گرتے ہیں، وحی نازل کی جاتی ہے، فرشتے بھیجے جاتے ہیں، تقدیر کے فیصلے اُتارے جاتے ہیں اور آسمان کی طرف انسان کے اعمال اور اپنی ڈیوٹی کے مطابق فرشتے جاتے یا اعمال کی رپورٹ لے جاتے ہیں، اگر ان کی تفصیلات و جزئیات کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد بے شمار ہو جائے گی، یہ ساری چیزیں اللہ کے علم میں ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۶۶)

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ وَالَّذِيْنَ
سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۵ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۷ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝۸

تا کہ اللہ ان لوگوں کو بدلہ عطا فرمائیں، جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور عزت والی روزی ہے، ﴿۱﴾ ۝۴ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے سلسلہ میں کوشش کی کہ (ہمیں) ہرادیں، ان کے لئے سخت تکلیف دینے والا عذاب ہے، ﴿۲﴾ ۝۵ اور جن کو علم سے نوازا گیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جو کتاب آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے اوپر اُتاری گئی ہے، وہ حق ہے اور وہ غالب اور قابل تعریف (خدا) کا راستہ دیکھاتی ہے، ۝۶ اور جو لوگ کفر کررہے ہیں، وہ کہتے ہیں: کیا ہم تم کو ایک ایسا شخص بتائیں، جو تم کو خبر دیتا ہے کہ جب ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جاؤ گے، تو پھر نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے، ۝۷ تمہارا کیا خیال ہے؟ یا تو یہ اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے یا اس کو جنون ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ آفت اور پڑلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔ ﴿۳﴾ ۝۸

﴿۱﴾ عالم آخرت میں بنیادی طور پر اللہ کی طرف سے دو چیزیں ہوں گی، ایک تو مردے زندہ کئے جائیں گے، دوسرے: انسان کے اعمال کا ریکارڈ دیکھا جائے گا اور اسی کے مطابق ان کو جزا و سزا دی جائے گی، انسان کے دوبارہ زندہ کرنے کے لئے تو یہ بات کافی ہے کہ وہ پہلی بار انسان کو پیدا کرچکا ہے اور جو ایک دفعہ کسی چیز کو پیدا کرچکا ہو، اس کے لئے دوبارہ اس کو بنانا آسان ہوتا ہے، اور حساب و کتاب اس لئے آسان ہے کہ نہ صرف یہ کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں؛ بلکہ ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کے پاس لکھی ہوئی شکل میں بھی موجود ہے، یہ دراصل کفارِ مکہ کا جواب ہے، جن کو اس بات کا تو اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے؛ لیکن وہ کہتے تھے کہ اللہ دوبارہ کیسے پیدا کرسکتے ہیں، جب کہ ہم ریزہ ریزہ ہوجائیں گے؟

﴿۲﴾ آیتوں کے سلسلہ میں ہرانے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے واضح دلائل کو جھٹلایا اور ان کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔

﴿۳﴾ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، ان کے پاس اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل موجود نہیں، اور جس کے پاس دلیل نہیں ہوتی ہے، وہ بیہودہ گفتگو کرنے لگتا ہے؛ اسی لئے وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گھڑنے کا الزام لگاتے تھے، حالاں کہ پورے مکہ میں آپ ﷺ کی سچائی ←

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ
بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۹﴾ ع ۹
وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ
سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾

کیا وہ اپنے آگے اور پیچھے جو آسمان وزمین ہے، اس کو نہیں دیکھتے ؟ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان سے ٹکڑے گرادیں، یقیناً اس میں اللہ سے لَو لگانے والے ہر بندہ کے لئے نشانی ہے، ﴿۱﴾ ﴿۹﴾ اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت عطا فرمائی تھی، (کہ کہا تھا:) اے پہاڑو! ان کے ساتھ ساتھ تسبیح پڑھا کرو، پرندوں کو (ان کے قابو میں کردیا تھا) اور لوہے کو ان کے لئے نرم کردیا تھا، ﴿۱۰﴾ کہ کشادہ زرہیں بناؤ، کڑیوں کو اندازہ سے جوڑو اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۱﴾

← اور دیانت کا شہرہ تھا، اسی طرح وہ آپ ﷺ پر دیوانگی کا الزام لگاتے تھے؛ حالاں کہ آپ ﷺ کی سمجھ داری، فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور معاملہ فہمی سے ایک ایک شخص آگاہ تھا، کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت جب حجر اسود کے رکھنے پر جنگ وجدال کا اندیشہ ہوا تو آپ ﷺ نے نہایت خوش تدبیری کے ساتھ اس مسئلہ کو حل فرمایا؛ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، وہ نہ صرف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے؛ بلکہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں بھی پڑے ہوئے ہیں، انسان کی فطرت تقاضہ کرتی ہے کہ اس کو اس کی نیکیوں کا اجر ملے اور برائی کرنے والے کو اس کی برائی کی سزا دی جائے، بہت سی بھلائیاں ہیں جن کا دنیا میں کوئی اجر نہیں ملتا، اور بہت سی برائیاں ہیں، جن پر دنیا میں کوئی سزا نہیں مل پاتی ہے؛ اس لئے ایک ایسا عالم ضروری ہے، جہاں ہر نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا اور ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدلہ دیا جائے، یہی عالم 'عالم آخرت' ہے، اس کا انکار نہ صرف ایک سچائی کا انکار ہے؛ بلکہ عقل کے اعتبار سے بھی ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

﴿۱﴾ یعنی یہ لوگ عالم آخرت کا انکار کرتے ہیں؛ لیکن اللہ تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ چاہیں تو اس دنیا ہی میں زمین یا آسمان کی طرف سے انسان پر اپنا عذاب نازل کردیں۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو پیغمبری عطا کرنے کے علاوہ کچھ خصوصی امتیازات بھی عطا فرمائے تھے، ان میں ایک یہ تھا کہ ان کی آواز بڑی خوبصورت اور پر کشش تھی، جب وہ اپنی خوبصورت آواز میں زبور کی تلاوت کرتے تو جمادات، جیسے: پہاڑ، اور حیوانات، جیسے: پرندے بھی ان سے ہم آواز ہو کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے، یہ ایک خاص معجزہ تھا، جو انھیں عطا فرمایا گیا تھا، ایک اور معجزہ یہ تھا کہ لوہے جیسی سخت چیز کو اللہ نے ان کے لئے موم کی طرح نرم کردیا تھا، وہ آگ میں سلگائے اور کسی اوزار کا استعمال کئے بغیر لوہے کو موڑنے کی قدرت رکھتے تھے، خاص طور پر زرہیں بنایا کرتے تھے اور اسی کی آمدنی سے اپنی ذاتی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔

وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ ۚ وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ يَّعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنۡ يَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۱۲﴾ يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِيَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا، ان کے صبح کے سفر کی مسافت بھی ایک مہینے کی ہوتی تھی اور شام کے سفر کی مسافت بھی، اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے بعض ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے سامنے ہی کام کیا کرتے تھے، اور ان (جنوں) میں سے جو ہمارے حکم کی خلاف ورزی کرے گا، ہم اس کو (دوزخ کی) آگ کا عذاب چکھائیں گے، ﴿۱۲﴾ یہ جن سلیمان کی خواہش کے مطابق اونچی عمارتیں، مجسمے، حوض کی طرح کے بڑے بڑے لگن اور زمین میں رکھی ہوئی دیگیں بنایا کرتے تھے، اے داؤد کی اولاد! تم شکر گذاری کے طور پر عمل کرو اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہی ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے تھے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت کے علاوہ اور کئی معجزات سے نوازا تھا، ایک معجزہ یہ تھا کہ ہوا کے دوش پر ان کا سفر ہوتا تھا، ایک ماہ کی مسافت صبح میں اور ایک ماہ کی مسافت شام میں طے ہوتی تھی، یہ سفر کہاں سے کہاں تک ہوتا تھا اور آپ کے قافلۂ سفر میں کن کن مخلوقات کی شرکت ہوتی تھی؟ قرآن مجید اس سلسلہ میں خاموش ہے اور حدیثوں میں بھی اس کا ذکر نہیں آیا ہے؛ البتہ اسرائیلی روایات کی بنیاد پر مفسرین نے بہت سی باتیں لکھی ہیں، دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ کے لئے تانبے کا چشمہ جاری ہو گیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تین دن ورات کے لئے یہ چشمہ جاری ہوا تھا، عام طور پر مفسرین کا رجحان ہے کہ یہ چشمہ یمن کے کسی حصہ میں پھوٹ پڑا تھا اور ظاہر ہے کہ پگھلے ہوئے تانبے سے بہت ساری چیزیں تیار کی جاسکتی ہیں، تیسرا معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو ان کے تابع کر دیا تھا، جو ایک بے بس مزدور کی طرح ان کے سامنے کام کیا کرتے تھے، وہ ان کے حکم سے قلعے اور محل بھی تعمیر کرتے تھے، مجسمے بھی بنایا کرتے تھے اور اتنے بڑے بڑے لگن تیار کرتے تھے، گویا تالاب ہوں، بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے، جو اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں، تو جب اللہ اپنے بندے کو ایسی طاقت دے سکتے ہیں تو کیا اس دنیا کو ختم کرنا اور عالم آخرت قائم کرنا اللہ کے لئے کوئی دشوار ہے؟ —— پچھلی اُمتوں میں مجسمے بنانے کی اجازت تھی؛ لیکن یہی چیز شرک اور بُت پرستی کا ذریعہ بن جاتی تھی؛ اس لئے اس اُمت کو جان دار کی تصویر بنانے سے منع فرما دیا گیا، (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۷۴) اگرچہ کہ تصویر کی بعض صورتوں کے جائز اور ناجائز ہونے میں اختلاف ہے؛ لیکن سایہ دار تصویروں کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۳/ ۵۷۳) —— ان ساری نعمتوں کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو جو حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے، فرمایا کہ تم اپنے آباء واجداد پر اللہ کی ان نعمتوں کا تو خیال کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو اور اس شکر کا سب سے پہلا تقاضہ یہ ہے کہ ایمان لے آؤ۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

پھر جب ہم نے سلیمان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو اُن جنوں کو اِن کے مرنے کا علم زمین کے ان کیڑوں ہی سے ہوسکا، جو ان کے عصا کو کھائے جا رہے تھے، یہاں تک کہ جب وہ گر پڑے تو جنوں کو (ان کی وفات کا) پتہ چلا (اور وہ کہنے لگے:) اگر ان کو غیب کی باتیں معلوم ہوتیں تو اس رُسوا کن تکلیف میں نہ پڑے رہتے، ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ قوم سبا کے لئے خود ان کے مقام پر ایک نشانی موجود تھی (یعنی) دو باغات داہنی طرف اور بائیں طرف، (ہم نے ان سے کہا:) اپنے پروردگار کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرتے رہو، پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں) معاف کردینے والا پروردگار ہے۔ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جہاں اللہ تعالیٰ نے زندگی میں عجیب وغریب قوتیں عطا فرمائی تھیں، وہیں آپ کی موت بھی معجزاتی انداز کی ہوئی، اور وہ یہ کہ آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے تھے، اسی حال میں آپ پر موت آگئی، عام طور پر انسان اگر کھڑی یا بیٹھی ہوئی حالت میں مرجائے تو گر پڑتا ہے؛ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام اسی طرح کھڑی ہوئی کیفیت پر باقی رہے، جن جنوں سے پُر مشقت کام لیا کرتے تھے، وہ انھیں دیکھتے رہے اور انھیں ذرا بھی اندازہ نہ ہوسکا کہ آپ کی وفات ہوچکی ہے، کہا جاتا ہے کہ ایک سال آپ کی مبارک نعش اسی کیفیت میں رہی، یہاں تک کہ دیمک نے جب آپ کی لاٹھی کو کھانا شروع کیا اور لاٹھی گر پڑی تو آپ بھی گر پڑے، اب جا کر جنوں کو اندازہ ہوا اور پچھتائے کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ ہوسکی، ورنہ اتنے دنوں تک ہم خواہ مخواہ اس پُر مشقت کام میں لگے نہ رہتے، اس صورتِ حال کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ جنوں کا دعویٰ تھا کہ وہ غیب کی باتوں سے باخبر ہیں، لوگ بھی ان کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ رکھا کرتے تھے، اس واقعہ نے ظاہر کردیا کہ ان کا یہ دعویٰ یا ان کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال غلط ہے، دوسرے: یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کئے تھے کہ جن کو دیکھ کر یا سُن کر عقل دَنگ رہ جائے؛ لیکن بہرحال یہ سب کچھ ان کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوا تھا اور وہ بھی اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہی تھے، تیسرے: بعض مفسرین کے بیان کے مطابق یہ صورتِ حال اس وقت پیش آئی، جب حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کے ذریعہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام کرا رہے تھے، اب جب ان کی وفات کا وقت آیا تو تقریباً ایک سال کا کام باقی تھا، اس طرح یہ کام پورا ہوگیا، ورنہ جنات پہلے ہی بھاگ لئے ہوتے اور بیت المقدس کی تعمیر ناقص رہ جاتی۔

(دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۵۰۷، تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۷۸)

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَیۡهِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ
وَّاَثۡلٍ وَّشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَهَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ﴿۱۷﴾
وَجَعَلۡنَا بَیۡنَهُمۡ وَبَیۡنَ الۡقُرَی الَّتِیۡ بٰرَكۡنَا فِیۡهَا قُرًی ظَاهِرَةً وَّقَدَّرۡنَا فِیۡهَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا
فِیۡهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا وَظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ
اَحَادِیۡثَ وَمَزَّقۡنٰهُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ﴿۱۹﴾

مگر انھوں نے منھ موڑ لیا تو ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کو ان کے (اچھے) دو باغوں کے بدلہ دو ایسے باغ دیئے جو بدمزہ پھلوں والا تھا، جن میں کچھ جھاؤ تھا اور تھوڑی سے بیریاں تھیں، ﴿۱۶﴾ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی تھی اور ہم ناشکری کرنے والوں ہی کو سزا دیا کرتے ہیں، ﴿۱۷﴾ ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں برکتیں رکھی تھیں، کچھ ایسی بستیاں رکھ دی تھیں، جو نظر آتی تھیں، اور ہم نے ان میں آمد ورفت کا اندازہ مقرر کردیا تھا (اور کہہ دیا تھا کہ) تم لوگ ان بستیوں میں رات دن بے خوف وخطر چلا کرو، ﴿۱۸﴾ تو وہ لوگ دُعا کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں کے درمیان دوری پیدا فرما دیجئے، اور انھوں نے اپنے آپ ہی پر زیادتی کی؛ اس لئے ہم نے ان کو بھولی بسری داستان بنا دیا اور ہم نے انھیں پوری طرح بکھیر کر رکھ دیا، یقیناً اس میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کی باتیں ہیں، جو خوب صبر وشکر کرنے والا ہو۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یمن میں سبا نامی ایک شخص تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے دس اولاد عطا فرمائی تھی، ان میں سے چھ نے تو یمن ہی میں قیام کیا اور یہیں ان کا خاندان پھلا پھولا، اور چار شام میں مقیم ہوگئے اور وہاں ان کی نسل بڑھی، (مسند احمد: ۱/۳۱۶، عن عبداللہ بن عباس ؓ) یمن کے جس علاقہ میں یہ لوگ بسے، وہ ملک سبا کہلایا، اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا، جنھیں توحید کی تعلیم دی گئی، ان کے علاقہ میں دو پہاڑوں کے درمیان سیلاب آیا کرتا تھا؛ چنانچہ وہاں کے قدیم بادشاہوں نے ان پہاڑوں کے درمیان بلند اور مضبوط ڈیم تعمیر کردیا، اس سے ایک طرف لوگوں کو سیلاب سے نجات مل گئی، دوسری طرف اس پانی سے کھیت اور باغات کی سیرابی ہونے لگی اور آبادی کے دائیں اور بائیں طرف ایک بڑا خطۂ ارض بن گیا، جو بہت زرخیز اور ہرا بھرا تھا، ان کی زندگی بہت ہی خوش حالی اور عیش وآرام میں گذر رہی تھی؛ لیکن پھر یہ قوم آہستہ آہستہ توحید کے راستہ سے ہٹ گئی اور بُت پرستی اور سورج پرستی میں مبتلا ہوگئی، اللہ کی طرف سے ان پر اس طرح عذاب بھیجا گیا کہ اس ڈیم کی بنیادوں میں چوہے پیدا ہوگئے، جنھوں نے اس کو کھوکھلا کرکے رکھ دیا؛ چنانچہ سیلاب کے زمانہ میں عمارت منہدم ہوگئی، اس نے وادی میں آباد کھیتوں اور باغوں کو یکلخت بہا ڈالا اور پانی بھی خشک ہوگیا، اس طرح یہ پھلتا پھولتا باغ ویرانے میں تبدیل ہوگیا اور کچھ ایسے درخت باقی رہ گئے، جو ان کے لئے کچھ کام کے نہ تھے، اور جو خودرَو پودوں کی طرح بغیر پانی کے بھی اُگ آتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی ←

وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ
عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِیۡ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ
شَیۡءٍ حَفِيۡظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِی
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَمَا لَهُمۡ فِيۡهِمَا مِنۡ شِرۡكٍ وَّمَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِيۡرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنۡفَعُ
الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ
قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۳﴾

ع ۲/۱۲ ۸

شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دِکھایا؛ چنانچہ ایمان والوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب اسی کے پیچھے ہولئے، ﴿۲۰﴾ شیطان کو ان پر کوئی طاقت حاصل نہیں تھی، ہم ہی آخرت میں شک کرنے والوں کے مقابلہ آخرت پر یقین رکھنے والوں کو ظاہر کر دینا چاہتے تھے،﴿۱﴾ اور آپ کے پروردگار ہی ہر چیز پر نگہبان ہیں، ﴿۲۱﴾ آپ کہہ دیجئے: تم اللہ کے کے سوا جن کو معبود خیال کرتے ہو، ان کو بلاؤ، وہ آسمان میں اور زمین میں ذرہ برابر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں، نہ ان میں ان کی کچھ شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے، ﴿۲۲﴾ اللہ کے یہاں اسی کی سفارش کام آسکتی ہے، جس کو خود اللہ نے سفارش کرنے کی اجازت دی ہو، یہاں تک کہ (فرشتوں جیسی مخلوق کا حال یہ ہے کہ) جب ان کے دل سے گھبراہٹ دُور کر دی جاتی ہے تو کہتے ہیں: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ تو (آپس میں) کہتے ہیں: جو ارشاد فرمایا، وہ حق ہے، وہ بلند مرتبہ اور بڑا ہے۔﴿۲﴾ ﴿۲۳﴾

← دوسری نعمت یہ تھی کہ ان کی آبادیاں قریب قریب تھیں؛ چنانچہ وہ دن ہی دن یا رات ہی رات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے تھے، ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کے لئے اور اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لئے لمبے اسفار نہیں کرنے پڑتے تھے، گویا ساری آبادیاں ان کی نظر کے سامنے رہتی تھیں، مگر وہ اس پر اللہ کے شکر گذار ہونے کے بجائے ناشکری کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہمارے درمیان فاصلے بڑھا دیجئے، پھر ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ ان کی آبادی، شام، بصرہ، عمان اور مدینہ وغیرہ میں پھیل گئی، غرض کہ وہ عیش و آرام جو انھیں حاصل تھا، ان کے کفر و نافرمانی کی وجہ سے راس نہ آیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو تنگی، پریشانی اور بکھراؤ کی زندگی میں مبتلا کر دیا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۸۱، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۰۹) —— یہ کونسی جگہ تھی اس کے متعین کرنے کے سلسلہ میں اہل علم کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے، زیادہ تر حضرات کا خیال ہے کہ یہ یمن میں مأرب کے جنوب میں واقع کوہ ابلق نامی دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی ہے، جو ''وادی اذینہ'' کہلاتی ہے۔

(مزید تفصیلات کے لئے: قصص القرآن: ۲/۲۷۴-۳۱۵، بعنوان: ''سبا اور سیل عَرِم'' کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)

﴿۱﴾ یعنی اگرچہ شیطان انسان پر اپنا داؤ چلاتا ہے؛ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ انسان اس کے مقابلہ میں بالکل بے بس اور مفلوج ہو، ←

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا
رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِىَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ
شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

آپ دریافت کیجئے: تم کو آسمانوں سے اور زمین سے کون روزی دیتا ہے؟ (پھر) آپ فرمادیجئے: اللہ! یقیناً ہم اور تم یا تو ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں، ﴿۱﴾ ﴿۲۴﴾ کہہ دیجئے: نہ ہمارے گناہوں کی تم سے باز پُرس ہوگی اور نہ تمہارے کرتوتوں کا ہم سے سوال ہوگا، ﴿۲۵﴾ کہہ دیجئے: ہمارے پروردگار ہمیں (قیامت کے دن) اکٹھا کریں گے، پھر ہمارے درمیان سچائی کے مطابق فیصلہ فرمادیں گے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والے اور خوب جاننے والے ہیں، ﴿۲۶﴾ فرمادیجئے: تم نے اللہ کے ساتھ جن کو شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان کو دِکھاؤ تو سہی، ہرگز نہیں، (خدا کا کوئی شریک ہے ہی نہیں)؛ بلکہ اللہ ہی غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۲۷﴾ (اے رسول!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۸﴾

← جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور ثابت قدمی کے ساتھ شیطانی سازشوں سے اپنے کو بچاتے ہیں، شیطان ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

﴿۲﴾ یعنی فرشتے جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب رہتے ہیں اور جن کو اللہ نے اپنے تکوینی فیصلوں کو نافذ کرنے کی ذمہ داری دے رکھی ہے، اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ بھی اللہ کے احکام کو سن کر سہم جاتے ہیں، تو کسی اور کو کیسے ہمت ہوسکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش کے لئے زبان تک کھولے؟

﴿۱﴾ یعنی یا تو وہ دین برحق ہے، جسے لے کر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا، جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید اور یکتائی پر ہے، یا پھر وہ دین درست ہوگا، جس کی تم دعوت دیتے ہو، جس کی بنیاد شرک پر ہے، بیک وقت یہ دونوں باتیں درست نہیں ہوسکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بے شمار دلائل سے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ہی برحق ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ تم جس فکر وخیال کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہو، وہ تاریکی ہی تاریکی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں —— معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ راستے الگ الگ ہیں؛ لیکن تمام مذاہب کی منزل ایک ہی ہے، سبھی راستے خدا تک پہنچاتے ہیں، یہ درست نہیں ہے، دین حق ایک ہی ہے اور اس کے مقابلہ انسان کے جو خود ساختہ مذاہب ہیں، وہ سب کے سب باطل اور غلط ہیں۔

←

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ
النصف عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ ع ۹ / ۳
بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ
ۣالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۲۹﴾ آپ فرما دیجئے: تمہارے لئے ایک دن کا وقت مقرر ہے، اس دن سے نہ تم پیچھے ہو سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے، ﴿۱﴾ ﴿۳۰﴾ اور جو لوگ کفر پر جمے ہوئے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس سے پہلے کی کتابوں پر، کاش! آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے گئے ہوں گے، وہ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہوں گے، جو کمزور سمجھے جاتے تھے، وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ ﴿۳۱﴾

← ﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ان کی زبان میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ'' (ابراہیم: ۴) لیکن چوں کہ رسول اللہ ﷺ آخری پیغمبر ہیں اور آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب بھیجی ہے، جس سے انسان کی فلاح و بہبود متعلق ہے، اس لئے آپ ﷺ قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے: ''وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ'' (سبا: ۲۸) بلکہ آپ ﷺ جنوں کی طرف بھی نبی بنا کر بھیجے گئے، چوں کہ ''جن'' احکام پر عمل کرنے میں انسانوں کے تابع ہیں؛ اس لئے ان کا الگ تذکرہ نہیں کیا گیا، آپ ﷺ کے تمام انسانیت کی طرف سے پیغمبر ہونے کی صراحت حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے پانچ ایسی خصوصیتیں عطا ہوئی ہیں، جو کسی اور پیغمبر کو حاصل نہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ پہلے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے: ''كان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة'' (بخاری، کتاب التیمم، حدیث نمبر: ۳۳۵) — افسوس ہے اہل مغرب پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو صریح قول بائبل میں موجود ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، (متی: ۱۵: ۲۴) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی؛ لیکن ان کا دعویٰ ہے کہ عیسائیت پوری انسانیت کا دین ہے؛ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں صرف عربوں کا نبی ہوں؛ لیکن اگر کبھی بہت رواداری سے کام لیتے ہیں تو آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی اگرچہ قیامت کی قطعی تاریخ چھپا کر رکھی گئی ہے؛ لیکن اللہ کے فیصلے کے مطابق اس کا ایک دن مقرر ہے، اس دن قیامت آ کر رہے گی۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ
جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا
الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا
نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾

جو بڑے بنتے تھے، وہ کمزوروں سے کہیں گے: تمہارے پاس تو ہدایت آچکی تھی، کیا اس کے بعد بھی ہم نے تم کو ہدایت (قبول کرنے) سے روک دیا تھا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ خود ہی مجرم ہو، ﴿۳۲﴾ کمزور ان بڑوں سے کہیں گے: بلکہ دن ورات کی (تمہاری) چالبازیوں نے (ہمیں ہدایت قبول کرنے سے روک دیا تھا)؛ کیوں کہ تم ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں، اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو شرمندگی کو دل ہی دل میں چھپائے رہیں گے اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، ہم ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس، ان کو ان ہی کے کرتوتوں کی سزا ملے گی، ﴿۱﴾ ﴿۳۳﴾ اور ہم نے جب بھی کسی شہر میں کوئی پیغمبر بھیجا تو وہاں کے عیش پرست لوگوں نے یہی کہا کہ تم جو دین لے کر آئے ہو ہم تو اس کا انکار ہی کرتے ہیں، ﴿۳۴﴾ وہ کہا کرتے تھے: ہمیں تو بہت ساری دولت بھی حاصل ہے اور اولاد بھی، ہم پر عذاب نہیں ہوگا۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۵﴾

﴿۱﴾ بُرے وقتوں میں تسلی و دل داری آدمی کے غم کو ہلکا کرتی ہے، انسان نے جن لوگوں پر بھروسہ کیا تھا، ایسے وقت میں اگر وہ ساتھ نہ دیں اور ایک دوسرے کی دل داری کے بجائے ایک دوسرے پر چوٹ کریں اور زخم پر نمک رکھیں تو مصیبت کا احساس اور بڑھ جاتا ہے اور جسمانی تکلیف کے ساتھ ساتھ ذہنی تکلیف بھی شامل ہوجاتی ہے، آخرت میں دوزخیوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ وہاں بھی ایک دوسرے پر الزام دیں گے اور قصوروار ٹھہرائیں گے، اس طرح جسمانی تکلیف کے ساتھ ساتھ ذہنی تکلیف بھی ان کا پیچھا کرتی رہے گی۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے انسان کی آزمائش کرتا ہے، اس آزمائش کی ابتدا راحت و آرام سے ہوتی ہے، ان پر عیش و عشرت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ یہ نعمتیں ان کو نعمتوں کے نوازنے والے خالق و مالک کی طرف متوجہ کرتی ہیں یا نہیں؟ وہ اپنے مالک کی طرف جھکتا ہے یا دولت کے نشہ میں خودسر ہوجاتا ہے؟ پھر جب اسے اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو اس کا نشہ اُتارے نہیں اُترتا اور اس کے غرور و تکبر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، پھر اللہ کی طرف سے اس کی پکڑ ہوتی ہے اور راحت و آرام کے سارے نقشے ملیامیٹ کر دیئے جاتے ہیں، انسان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر ہونے ←

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ ع
اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ
اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

آپ بتادیجئے: میرے پروردگار جس کے لئے چاہتے ہیں، روزی بڑھا دیتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں، کم کردیتے ہیں؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۳۶﴾ مال واولاد ایسی چیز نہیں، جو تم کو ہم سے قریب کردے، ﴿۱﴾ ہاں، (وہ لوگ خدا کے قریب ہوں گے) جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، یہی ہیں جن کو ان کے عمل کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا اور وہ سکون واطمینان کے ساتھ بالا خانوں میں قیام پذیر ہوں گے، ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کے سلسلہ میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں عاجز کردیں، وہی لوگ عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۸﴾

← والی رزق کی وسعت وتنگی کا تعلق تمہارے حق پر ہونے اور نہ ہونے سے نہیں ہے، یہ دنیا کا چند روزہ آرام تمہارے لئے اللہ کا انعام نہیں؛ بلکہ امتحان ہے؛ اس لئے اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، دنیا میں تو اللہ تعالیٰ مسلمان وکافر اور اچھا اور برا عمل کرنے والے کا فرق کئے بغیر جس کو چاہتے ہیں، رزق میں کشادگی پیدا فرمادیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں، تنگی پیدا فرمادیتے ہیں، اگر دنیا کی راحت انسان کی کامیابی کی دلیل ہوتی تو انبیاء بڑے مال دار ہوتے، اور جو اعداء دین ہیں، وہ بڑی تنگدستی میں مبتلا ہوتے؛ لیکن صورتِ حال اس کے برعکس ہے، اس میں مسلمانوں کے لئے بھی سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی نعمتوں پر نازاں نہیں ہونا چاہئے، یہ چیز انھیں اللہ سے غافل نہ کردے؛ بلکہ اللہ سے ڈرتے رہیں کہ کہیں یہ ان کا امتحان نہ ہو —— اس آیت میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء کی مخاطب قوموں کی یہ بات نقل کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ آپ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں، ہم اس کا کفر یعنی انکار کرتے ہیں، یعنی وہ خود اپنے آپ کو 'کافر' کہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کفر یا کافر کا لفظ تذلیل واہانت پر مبنی نہیں ہے، جیسا کہ آج کل غیر مسلم قوموں کی طرف سے کہا جاتا ہے؛ بلکہ کفر کے اصل معنی انکار کے ہیں، جو قوم توحید کو اور پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کردیتی ہے، اس کو کافر کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو خود اپنے آپ کو کافر کہنے میں کوئی تامل نہیں ہوا، قرآن میں بھی بہت سی جگہ اہل مکہ کو ''کافروں'' کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے؛ لیکن کبھی اہل مکہ کو اس پر اعتراض نہیں ہوا۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اگر تم کو مال واولاد سے نوازا ہے تو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی نزدیکی عطا کردی ہے۔

﴿۲﴾ ''عاجز کرنے کی کوشش'' سے مراد یہ ہے کہ وہ کفر کو ثابت کرنے اور قرآن مجید کے پیش کئے ہوئے افکار کو اپنی بے بنیاد دلیلوں کے ذریعہ رد کرنا چاہتے ہیں، جیسے یہ کہ اتنی بڑی کائنات کو ایک خدا کیسے چلا سکتا ہے، یا یہ کہ مٹی بن جانے کے بعد دوبارہ انسان کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے؟

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾

آپ فرما دیجئے: میرے رب اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں، روزی بڑھا دیتے ہیں، اور جس کی چاہتے ہیں، گھٹا دیتے ہیں، اور (اللہ کے راستہ میں) تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اللہ اس کا بدلہ دیں گے، اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والے ہیں، ﴿۳۹﴾ جس دن اللہ ان سب کو جمع کریں گے پھر فرشتوں سے فرمائیں گے، کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے؟ ﴿۴۰﴾ فرشتے عرض کریں گے: آپ کی ذات پاک ہے، آپ ہی ہمارے دوست ہیں نہ کہ یہ لوگ؛ بلکہ یہ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان کی اکثریت ان ہی کو مانتی تھی، ﴿۱﴾ ﴿۴۱﴾ اللہ فرمائیں گے تو آج تم میں سے کوئی کسی کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اور ہم زیادتی کرنے والوں میں سے نہیں ہیں، (لو) دوزخ کے اس عذاب کا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، مزہ چکھو، ﴿۴۲﴾ اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: یہ ایسا شخص ہے، جس کا مقصد تم کو صرف ان چیزوں سے روک دینا ہے، جن کی تمہارے آباء واجداد پرستش کیا کرتے تھے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض ایک گھڑی ہوئی بات ہے، نیز جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں، ان کے پاس جب حق آیا تو وہ اس کے بارے میں کہنے لگے: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۴۳﴾

﴿۱﴾ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے خیال کے مطابق فرشتوں کی بھی پوجا کیا کرتے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہم لوگوں کے لئے نزدیکی کا ذریعہ بنیں گے، قیامت کے دن فرشتوں کے سامنے وہ کھڑے کئے جائیں گے اور فرشتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے، تم نے ان کو اس کا حکم دیا تھا؟ فرشتے سہمے ہوئے اللہ کی پاکی بیان کریں گے اور کہیں گے کہ یہ ہماری نہیں؛ بلکہ شیاطین کی عبادت کیا کرتے تھے، جو جنوں میں سے تھے، شیطان کی عبادت اس طور پر کہ ان کا یہ عمل شیطان ہی کے اُکسانے پر تھا؛ اس لئے دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ انھوں نے ہماری عبادت کی ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے شیطان کی عبادت کی ہے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ
اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۖ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ
اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

ع ۵ / ۱۱

نہ ہم نے ان لوگوں کو کتابیں دیں جن کو وہ پڑھا کرتے تھے اور نہ آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا، ﴿۴۴﴾ ان کے پہلے کے لوگوں نے بھی (اللہ کی کتاب کو) جھٹلایا تھا اور یہ (مشرکین عرب تو اُن نعمتوں کے) دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے، جو ہم نے ان پہلے کے لوگوں کو عطا کی تھیں، تو جب ان لوگوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو (دیکھ لو کہ ان پر) میرا کیسا عذاب ہوا؟ ﴿۱﴾ ﴿۴۵﴾ آپ فرما دیجئے: میں تم لوگوں کو ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے لئے دو دو اور تنہا تنہا کھڑے ہو جاؤ، پھر خوب غور وفکر کرو (تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ) تمہارے اس ساتھی کو جنون نہیں ہے، وہ تو صرف تم کو بڑے عذاب کے آنے سے پہلے باخبر کر رہے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۶﴾

﴿۱﴾ یعنی چوں کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد نہ اللہ کا کوئی پیغمبر آیا نہ آسمانی کتاب اُتاری گئی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا، یہ تو ان کے لئے فخر وسعادت اور شکر واحسان مندی کی بات تھی، مگر اُلٹے یہ لوگ کفر وعناد پر آمادہ ہوگئے؛ حالاں کہ ان قوموں کے حالات ان کے سامنے ہیں، جن پر ان کے انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کا عذاب ہو چکا ہے؛ اس کے باوجود کہ وہ دنیوی ترقی کے اعتبار سے ان سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انھیں ملیامیٹ کر دیا، —— موجودہ عہد میں دنیا کو علم وٹکنالوجی کی طاقت پر غرور ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ مادی طاقت کے ذریعہ غیبی طاقت کا مقابلہ کرلے گی، یہودی طاقتوں نے باضابطہ اس کی تیاری کرلی ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتارے جائیں گے اور ان کی قیادت میں فتنۂ دجال کو کچل کر رکھ دیا جائے گا تو ہم ٹکنالوجی کی طاقت کے ذریعہ اس غیبی یلغار کا مقابلہ کرلیں گے؛ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب نظر کا دھوکہ ہے، آج بھی جب زلزلہ ہوتا ہے، سونامی کی لہریں اُٹھتی ہیں، طوفان آبادیوں کو روندنے لگتا ہے، سیلاب شہروں اور دیہاتوں کو ندیوں اور تالابوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور آتش فشاں اپنے سینے سے آگ برسانے لگتا ہے تو ساری ٹکنالوجی دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور انسان اس جانور سے بھی زیادہ بے بس ہو جاتا ہے، جسے باندھ کر پنجرے میں رکھ دیا گیا ہو۔

﴿۲﴾ یعنی تھوڑی دیر کے لئے ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اپنی آنکھوں سے تعصب کی عینک اُتار کر ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جنون میں مبتلا ہیں، یا وہ تمہارے ہمدرد و بہی خواہ ہیں اور ان کے ذمہ حق کی دعوت دینا ہے جو تمہارے ہی لئے کامیابی اور نجات کی ضامن ہے؟ تو یقیناً تم اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کی طرف بلا رہے ہیں، وہی صحیح ہے اور اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾
قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا
يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾

آپ کہہ دیجئے: میں نے تم سے کوئی اُجرت مانگی ہے، تو وہ تمہیں کو مبارک ہو، میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے اور ہر چیز اللہ کے سامنے ہی ہے، ﴿۱﴾ ﴿٤٧﴾ آپ کہہ دیجئے: یقیناً میرا پروردگار حق کو غالب کر رہے ہیں اور وہ چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہیں، ﴿٤٨﴾ آپ کہہ دیجئے: حق آچکا ہے اور باطل (قوت وشوکت کو) پیدا کر سکتا ہے اور نہ واپس لا سکتا ہے۔ ﴿٤٩﴾

﴿۱﴾ یعنی عام طور پر جو لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں، ان کا مقصد اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ لوگوں کے مال واسباب کا حاصل کرنا ہوتا ہے؛ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ تم سے کسی اُجرت اور نذرانہ کے طلب گار نہیں ہیں، یہ خود ان کے سچے اور ہمدرد وبہی خواہ ہونے کی دلیل ہے، اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دی جائے یا خود مسلمانوں کو عمل صالح کی طرف بلایا جائے تو جن لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں، ان سے اُجرت کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص امامت کرے اور نمازیوں سے نماز پڑھانے کی اُجرت نہ لے، معلم دینی تعلیم دے اور طلبہ سے تعلیم دینے کی اُجرت طلب نہ کرے؛ لیکن چوں کہ ان کا وقت ان کاموں کے لئے مشغول رہتا ہے اور ان کے لئے کسبِ معاش کے دوسرے راستے اختیار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے، اس لئے اگر انتظامیہ اس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک متعینہ رقم دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ضروریات بھی صحابہ کے تعاون ہی سے پوری ہوتی تھیں؛ بلکہ بعض اوقات تو آپ ﷺ نے اپنے مخلص رفقاء سے کھانے کا یا کسی شئے کا مطالبہ بھی فرمایا اور صحابہ نے اسے سعادت سمجھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، پھر آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کے مشورہ سے بیت المال سے وظیفہ لیتے تھے، یہ اور بات ہے کہ اپنی احتیاط، نیز مالی اعتبار سے صاحب گنجائش ہونے کی وجہ سے آپ نے وفات کے بعد جتنی رقم زمانۂ خلافت میں لی تھی، اتنی رقم اپنے ترکہ میں سے واپس لوٹا دینے کا حکم فرمایا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیت المال سے وظیفہ لیا، آپ ﷺ نے عاملین زکوٰۃ کو جو آپ کے حکم سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے جایا کرتے تھے، محنتانہ عطا فرمایا، اس لئے یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے، مسلم سماج کی نمائندگی کرنے والے اداروں سے اُجرت لینے میں حرج نہیں ہے، ممانعت اس بات کی ہے کہ آپ کسی شخص کو اسلام کی دعوت دیں اور وہ مسلمان ہو تو آپ کہیں کہ تم میری دعوت پر مسلمان ہوئے ہو؛ اس لئے اس کی اُجرت عطا کرو، یا آپ کسی مسلمان کو نماز کی دعوت دیں اور وہ نماز پڑھنے لگے تو آپ اس سے تقاضہ کریں کہ چوں کہ تم میری دعوت پر نمازی بنے ہو، اس لئے تم کو اس کی اُجرت عطا کرنی ہوگی، جو لوگ تجارت، کاروبار اور زیادہ سے زیادہ آمدنی فراہم کرنے والے روزگار سے وابستہ رہتے ہیں، اور کچھ وقت اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے لگاتے ہیں، وہ یقیناً قابل تعریف ہیں؛ لیکن بہر حال ان لوگوں کی قربانی بڑھی ہوئی ہے، جنھوں نے کسبِ معاش کی ترقی کے راستہ کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کم آمدنی کے ساتھ دینی خدمت پر قائم رکھا ہے اور ہمیشہ کے لئے دنیوی عیش وآرام کی کشتی کو توڑ کر اس راستہ پر آ گئے ہیں۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىٓ اِلَىَّ رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ
قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى
لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ
مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ
كَانُوْا فِىْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

ع ٦ / ۱۲

کہہ دیجئے: اگر میں گمراہ ہوں، تو میری گمراہی کا بوجھ میری پیٹھ پر، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو وہ اس کا طفیل ہے کہ میرے پروردگار مجھ پر اپنا کلام اُتارتے ہیں، یقیناً اللہ خوب سننے والے ہیں اور نزدیک ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۵۰﴾ کاش، آپ دیکھتے! جب یہ گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے، پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے، ﴿۵۱﴾ اور کہیں گے: ہم اس دینِ حق پر ایمان لائے، مگر اب کہاں دُور دراز جگہ سے ان کا ہاتھ پہنچ سکے گا، ﴿۲﴾ ﴿۵۲﴾ حالاں کہ وہ پہلے تو انکار کرتے رہے اور دُور ہی سے اٹکل کا تیر چلاتے رہے، ﴿۵۳﴾ اور ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان آڑ پیدا کردی جائے گی، جیسا کہ پہلے کے ان کے ہم طریقہ لوگوں کے ساتھ کیا جائے گا، یہ لوگ ایسے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔ ﴿۳﴾ ﴿۵۴﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ انسان سے اپنی خوشنودی کا کوئی کام لے لیں تو اس کو اِترانا نہ چاہئے؛ بلکہ اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ اسی کی توفیق سے اس نے یہ کام کیا ہے۔

﴿۲﴾ اس سے مراد عالم آخرت ہے، یعنی قیامت میں جب لوگ قبر سے نکلیں گے اور میدانِ حشر کی ہولنا کی کو دیکھیں گے تو چاہیں گے کہ یہاں سے بھاگ جائیں؛ لیکن ذرا دُور بھی نہیں بھاگ سکیں گے، وہیں کے وہیں پکڑ لئے جائیں گے، اب دُہائی دیں گے کہ ہم ایمان لے آتے ہیں، ہمیں اس کا موقع دیا جائے؛ لیکن یہ تو جزا و سزا کی دنیا ہوگی، ایمان لانے اور عمل کرنے کی دنیا تو ختم ہو چکی ہوگی؛ اس لئے ایمان تک ان کا ہاتھ پہنچ ہی نہیں سکے گا۔ (خلاصہ از: تفسیر ابن کثیر: ۷/ ۳٦۷)

﴿۳﴾ یعنی اب وہ ایمان لانا اور توبہ کرنا چاہیں گے؛ لیکن توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا، اب گویا ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان ایک آڑ کھڑی ہو چکی ہے، بعض اہل علم نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ دنیا میں انھیں جو نعمتیں حاصل تھیں، وہ پھر انھیں حاصل کرنے کی خواہش کریں گے؛ لیکن ان کے لئے اب اس کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں باتیں درست ہیں، یعنی ایمان لانے کی جگہ بھی یہ دنیا ہے اور جو لذتیں اور راحتیں ان کو عارضی طور پر حاصل ہیں، ان کا تعلق بھی اسی دنیا سے ہے، تو اِس دنیا کا ختم ہونا اور جزا و سزا کی دنیا قائم ہو جانا ان کے لئے آڑ بن جائے گا اور ان کی یہ خواہشیں اور آرزوئیں ایک خواب بن کر رہ جائیں گی۔

سُورَۃ فَاطِر

- سورہ نمبر : (۳۵)
- رکوع : (۵)
- آیتیں : (۴۵)
- نوعیت : مکی

فاطر کے معنی کسی چیز کو وجود میں لانے والے کے ہیں، اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ کے " فاطر السماوات والارض " یعنی آسمان وزمین کے خالق وموجد ہونے کی صفت بیان کی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام " سورۂ فاطر " ہے؛ چوں کہ اس پہلی آیت میں ہی یہ بات بھی آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی فرشتوں (ملائکہ) کے بنانے والے ہیں، اس لئے اس سورہ کا نام " سورۂ ملائکہ " بھی ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک کی تردید پر دلائل پیش کئے گئے ہیں اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کا جو حیرت انگیز نظام کارفرما ہے، اس کو واضح کیا گیا ہے، جیسے: بارش کا ہونا، کھیتوں اور پھلوں کی پیدائش، خود انسان کی تخلیق، ایک ساتھ ہونے کے باوجود کھارے اور میٹھے دریا کا الگ الگ چلنا، دن اور رات کی آمد ورفت، سورج اور چاند کی گردش، جانوروں کا نظام زندگی، وغیرہ۔

اخیر میں عمل کے اعتبار سے انسان کے تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک: وہ جو گناہ میں ڈوبے ہوئے ہوں، دوسرے: وہ جن کے اعمال ملے جلے ہوں، اور تیسرے: وہ جو نیکیوں میں سبقت رکھتے ہوں۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں۝ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے ہیں، جس نے فرشتوں کو پیغام پہنچانے والا بنایا، ﴿۱﴾ ان کے دو دو، تین تین، چار چار، بازو ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں جو چاہتے ہیں اضافہ فرما دیتے ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ﴿۲﴾ ۝۱

﴿۱﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ براہ راست انسان پر اپنا پیغام القاء فرماتے تو انسان کے لئے اس کو برداشت کرنا دشوار ہوتا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو واسطہ بنایا کہ وہ پیغمبروں پر وحی نازل کرے اور جو پیغمبر نہ ہوں؛ لیکن اللہ کے نیک بندے ہوں، ان کے دل میں اس بات کو ڈال دے، جو اللہ چاہتے ہیں، اسی کو اصطلاح میں ''الہام'' کہتے ہیں، یا ان کے خواب میں آکر اس راستہ کی نشان دہی کردے، جس میں خیر ہو، جس کو حدیث میں رویائے صالحہ یا مبشرات کہا گیا ہے، (تفسیر مظہری: ۴۱/۸، آیت مذکورہ) البتہ نبی کی طرف بھیجی جانے والی وحی حجت ہے اور الہام وخواب حجت ودلیل نہیں؛ کیوں کہ ان کا اللہ کے حکم سے ہونا اور فرشتوں ہی کے ذریعہ انسان تک پہنچایا جانا یقینی نہیں ہے؛ اسی لئے کسی نیک بندہ کے دل میں کوئی خیال آجائے، یا خواب کے ذریعہ کسی پہلو کی طرف رجحان ہوجائے تو اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے، اور اگر اس پر عمل کرنے سے شریعت کا کوئی حکم ٹوٹتا ہو تو اس کو چھوڑ دینا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ وہ شیطانی اور نفسانی وسوسہ ہے، نہ کہ اللہ کی طرف سے ہدایت ورہنمائی۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے مختلف مخلوقات کو ان کی ضرورت کے اعتبار سے الگ الگ صورتوں پر پیدا کیا ہے اور بعض مخلوقوں میں یہ صلاحیت بھی رکھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مختلف شکلوں میں ڈھال لے، جیسے جنات وشیاطین، ایسی ہی مخلوقات میں فرشتے بھی ہیں؛ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی شکل میں آتے کہ کسی کو نظر ہی نہ آتے، کبھی صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے، (المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۵۸۰۷) اور کبھی ایسے شخص کی صورت میں جس کو صحابہ پہچانتے ہی نہ ہوں، (بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان، حدیث نمبر: ۵۰) فرشتوں کو ان کی اصل صورت کے اعتبار سے متعدد بازوؤں سے نوازا گیا ہے، کسی کو دو، کسی کو تین، کسی کو چار بازو دیئے گئے، یہ جو ارشاد ہوا کہ اللہ اپنی تخلیق میں جو چاہتے ہیں، اضافہ فرما دیتے ہیں، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کو اس سے زیادہ بھی بازو عطا کئے جاتے ہیں؛ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، تو اس وقت ان کے چھ سو بازو تھے۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖؗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵

اللہ لوگوں میں سے جس کو رحمت سے نواز دیں، کوئی اس کو روکنے والا نہیں، اور جس کو محروم کردیں تو اس کے سوا کوئی اس کو جاری کرنے والا نہیں، ﴿۱﴾ اور وہی غالب اور حکمت والے ہیں، ۝۲ اے لوگو! اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور پیدا کرنے والا ہے، جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دے دے؟ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پھر تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ ۝۳ (اے رسول!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں، تو آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جاتا رہا ہے، (اس لئے آپ رنجیدہ نہ ہوں) اور ساری چیزیں بالآخر اللہ ہی کے سامنے پیش ہوں گی، ۝۴ اے لوگو! اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے؛ لہٰذا دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ تم کو دھوکہ باز شخص (یعنی شیطان) اللہ کے نام سے دھوکہ میں ڈال دے۔ ﴿۲﴾ ۝۵

﴿۱﴾ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے :

لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شئ قدیر ، اللّٰهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ، ولا ینفع ذالجد منک الجد ۔ (بخاری، عن مغیرۃ بن شعبہ، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۳۳۰)

ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! آپ جسے عطا فرمائیں، اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جسے آپ محروم کردیں، اسے کوئی دے نہیں سکتا اور نہ آپ کے مقابلہ کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کارگر ہو سکتی ہے۔

﴿۲﴾ بعض دفعہ شیطان برائی کو نیکی بنا کر پیش کرتا ہے اور جو باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، ان کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ گویا اسی میں اللہ کی خوشنودی ہے، جیسے شرک کرنے والوں کے ذہن میں یہ بات ڈالنا کہ مخلوق کی پوجا اللہ ہی کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے ہے، یا ان سے یہ کہہ کر فرشتوں کی عبادت کرانا کہ تم کسی اور کی نہیں، اللہ ہی کی بیٹیوں کی عبادت کررہے ہو، یا عیسائیوں کو یہ سمجھا کر شرک میں مبتلا کردینا کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی وجہ یہ ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) اللہ کی اولاد ہیں، یا دین حق پر ایمان رکھنے والوں کے ذہن میں ایسے کاموں کی عظمت بیٹھا دینا، جن کا کتاب وسنت سے ثبوت نہیں اور جو بدعت ہیں، غرض کہ ←

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ
السَّعِیْرِ ؕ﴿۶﴾ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۬ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
ع ۱۳ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ۠﴿۷﴾ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ
وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ٭ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾
وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ؕ کَذٰلِکَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾

یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے؛ اس لئے اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو، وہ اپنے لوگوں کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوجائیں، ﴿۶﴾ جولوگ (دین حق کا) انکار کرتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جولوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان کے لئے معافی اور بڑا اجر ہے، ﴿۷﴾ بھلا ایک ایسا شخص جس کے لئے اس کے بُرے کام ہی کوخوش نما بنا کر دکھا دیا گیا ہو اور وہ اس کو بھلا کام سمجھنے لگے (کیا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے؟) تو اللہ جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے محروم رکھتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نوازتے ہیں؛ لہٰذا ان پر مارے افسوس کے اپنی جان ہی نہ دیدیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی حرکتوں سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۸﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو ہواؤں کو بھیجتے ہیں، پھر بادل کو اُٹھاتے ہیں، پھر ہم اس کو بے جان (یعنی سوکھے ہوئے) علاقہ میں لے جاتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتے، اسی طرح مُردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۹﴾

← شیطان کچھ لوگوں پر مال و دولت، حرص اور نفسانی شہوات کو اس قدر غالب کر دیتا ہے کہ وہ جانتے بوجھتے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور جولوگ اس جال میں نہیں پھنستے ان کو اللہ ہی کے نام پر دھوکہ دیتا ہے اور ان کے سامنے گناہ کو نیکی بنا کر پیش کرتا ہے، اس سے خاص طور پر ڈرنا چاہئے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بے قرار رکھتی تھی کہ اللہ کے بندوں کا رشتہ اس کے حقیقی مالک اور پروردگار سے قائم کیا جائے اور وہ کسی طرح دوزخ کی آگ سے بچ جائیں، اور جب آپ کی کوششوں کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے تو ایسا لگتا تھا کہ گویا آپ جان ہی دے دیں گے، اسی پس منظر میں آپ کو تسلی دی گئی کہ اللہ کو یہ منظور ہی نہیں ہے کہ تمام کے تمام لوگ مسلمان ہی ہوجائیں، اللہ کی مشیت ہی یہ ہے کہ یہ امتحان کے لئے بنائی گئی دنیا ایسی ہو، جس میں پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوں؛ اس لئے آپ ایمان نہ لانے والوں پر دُکھی نہ ہوں —— اس میں اُمت کے لئے سبق ہے کہ ان کے دل میں بھی اللہ کے بندوں کی ہدایت کی وہی تڑپ ہونی چاہئے، جو ہمارے نبی ﷺ کے دل میں تھی۔

﴿۲﴾ یعنی جیسے سوکھی ہوئی زمین دوبارہ سیراب ہوکر کھیتی کے لائق ہوجاتی ہے، اسی طرح انسان کی سوکھی ہوئی بوسیدہ ہڈیاں اللہ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہوجائیں گی اور پہلے کی طرح ایک چلتے پھرتے، دیکھتے سنتے، بولتے اور روتے ہنستے انسانوں کی شکل میں لوٹ آئیں گی۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ
يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ
اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖۗ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ
كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ
لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

جوشخص عزت کا طلب گار ہے (تو اسے جان لینا چاہئے) کہ ساری کی ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے، اچھی باتیں اللہ ہی کی طرف پہنچتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نیک عمل کو بلند فرماتے ہیں، ﴿۱﴾ جو لوگ غلط غلط سازشیں کررہے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کی چالبازیاں ناکام ہوکر رہیں گی، ﴿۱۰﴾ اللہ نے تم لوگوں کو مٹی سے، پھر نطفے سے پیدا فرمایا، پھر تم کو جوڑا جوڑا بنادیا، اور جو بھی عورت حاملہ ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے، وہ سب اللہ ہی کے علم سے ہوتا ہے اور نہ کسی کی عمر زیادہ رکھی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم، مگر یہ کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے، بے شک یہ سب اللہ کے لئے آسان ہے، ﴿۲﴾ ﴿۱۱﴾ دو دریا برابر نہیں ہیں، یہ تو میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے، جس کا پینا خوشگوار ہے اور یہ کھارا اور کڑوا ہے (البتہ) تم ہر ایک میں سے (مچھلیاں نکال کر ان کا) تازہ گوشت کھایا کرتے ہو، اور زیور بھی نکالا کرتے ہو، جس کو تم پہنتے ہو، نیز تم دریا میں کشتیوں کو دیکھتے ہو، جو (پانی کو) پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں؛ تاکہ تم اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اس لئے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ عام طور پر جو لوگ اہل باطل کے سرغنہ ہوتے ہیں، وہ اس لئے حق کی بات پر کان نہیں دھرتے کہ اگر ہم کسی اور شخص کی بات مان لیں تو ہمارا سر نیچا ہوجائے گا اور وہ ہم سے زیادہ باعزت سمجھا جائے گا؛ اسی لئے ان کی کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ داعیانِ حق کو زیادہ سے زیادہ ذلیل ورسوا کیا جائے؛ تاکہ ان کی بے عزتی کو دیکھ کر دوسرے لوگ ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کردیں؛ چنانچہ فرمایا گیا کہ عزت دینا اور عزت سے محروم کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے، سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ تم اپنے مالک اور پروردگار کی نظر میں معزز ہوجاؤ —— یہاں نیک عمل میں ایمان اور دوسرے نیک کام دونوں شامل ہیں اور اللہ کی طرف چڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے اس کو بلند کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کا اس عمل کو قبول کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری: ۸/ ۴۷، تفسیر آیاتِ مذکورہ)

﴿۲﴾ یعنی انسان کی پیدائش کے جتنے مرحلے ہیں اور پھر اس کے اس دنیا سے جانے کا جو وقت ہے، وہ سب اللہ کے حکم کے تحت ہے، اس کے علم میں ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ —— جو گویا ریکارڈ رجسٹر ہے —— میں بھی یہ ساری چیزیں لکھ دی ہیں، تو پھر انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے میں اللہ کے لئے کیا دشواری ہے؟

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ
قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
ع ۲ ۱۴ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝۱۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ الثلثة
وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۶ۚ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
بِعَزِيْزٍ ۝۱۷ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ
وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ
تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸

اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور اللہ ہی نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے، ہر ایک
مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تمہارے رب ہیں، اسی کے لئے بادشاہی ہے اور اس کے سوا تم جن کو
پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں ہیں، ﴿۱﴾ ۝۱۳ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار بھی نہ سن
سکیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہارے سوال کو پورا نہ کر سکیں، نیز قیامت کے دن وہ تمہارے شریک ٹھہرانے کا انکار
کر دیں گے اور باخبر ذات (یعنی اللہ) کی طرح کوئی اور تم کو صحیح خبر نہیں دے سکتا، ۝۱۴ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو
اور اللہ بے نیاز اور بڑی خوبیوں والے ہیں، ۝۱۵ اگر اللہ چاہیں تو تم کو ختم کر دیں اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دیں، ۝۱۶
اور یہ اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں ہے، ۝۱۷ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا، اور کوئی بھاری بوجھ
والا اپنا بوجھ اُٹھانے کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اُٹھایا جائے گا، چاہے (جس کو بلایا ہے، وہ) رشتہ
دار ہی کیوں نہ ہو، ﴿۲﴾ آپ صرف ان ہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو دیکھے بغیر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم
کرتے ہیں، جو شخص پاکیزگی اختیار کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اور سب کو اللہ ہی کی طرف واپس ہونا ہے۔ ۝۱۸

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کو دیکھو کہ پانی ایک جیسے ہیں؛ لیکن کسی دریا کا پانی میٹھا اور کسی کا کھارا ہے، اور دونوں کے
اپنے اپنے فائدے ہیں، میٹھا پانی پینے کے کام آتا ہے، کھارے پانی سے انسان کو موتی جیسی چیز حاصل ہوتی ہے، جس سے
خوبصورت اور قیمتی زیور بنائے جاتے ہیں اور کچھ فائدے دونوں میں ہے، جیسے مچھلیوں کا حاصل ہونا اور کشتیوں کے ذریعہ سفر کی
آسانی، اسی طرح رات و دن کا نظام ہے کہ اللہ کے منشاء کے مطابق کبھی دن کے اوقات بڑھ جاتے ہیں اور کبھی رات کے؛
کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے لئے ایک نظام مقرر کر دیا ہے اور ایک مقررہ وقت یعنی قیامت تک سورج اور چاند اسی
طرح گردش کرتے رہیں گے، ایک طرف اللہ کی قوت وطاقت، حکمت ودانائی اور علم کا یہ حال ہے، دوسری طرف بُت پرست قومیں ←

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا
يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي
الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا
خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾

اندھے اور آنکھ والے برابر نہیں ہو سکتے، ﴿۱۹﴾ نہ تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے، ﴿۲۰﴾ اور نہ چھاؤں اور دھوپ ﴿۲۱﴾ اور نہ زندہ اور مُردے، یقیناً اللہ جسے چاہتے ہیں، سُنوا تے ہیں، مگر آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں دفن ہیں، ﴿۲۲﴾ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۳﴾ ہم نے آپ کو حق دے کر خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی اُمت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۴﴾

← جن چیزوں کو پوجتی ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ وہ کھجور کی گٹھلیوں کے چھلکوں کے برابر بھی کسی چیز کی مالک نہیں ہیں، سب چیزیں اللہ ہی کے حکم سے بنتی اور وجود میں آتی ہیں۔

﴿۲﴾ بعض سردارانِ مکہ غریب مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم ایمان کو چھوڑ کر ہمارے دین کی طرف آجاؤ، اگر تمہاری نظر میں یہ بُرا ہے اور تمہارے خیال میں قیامت قائم ہونی ہے تو وہاں ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اُٹھا لیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ انسان ایک دوسرے کے سامان کا بوجھ تو اُٹھا سکتا ہے، اعمال کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا، اور آخرت میں سارے فیصلے اعمال پر ہوں گے، وہاں انسان کے ساتھ کوئی سامان نہ ہوگا۔

﴿۱﴾ یعنی جن لوگوں کو ہدایت کی روشنی حاصل ہے اور جو اس سے محروم ہیں، ایمان جو روشنی ہی روشنی ہے اور کفر جو سراپا تاریکی ہے، نیک عمل جو جنت کی چھاؤں میں پہنچائے گا اور برے اعمال جو دوزخ کی تپش میں لے جائیں گے اور وہ لوگ جن کے دل زندہ ہیں اور وہ بدنصیب جن کے دل مردہ ہو گئے ہیں، ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور آپ کی کوشش ہر ایک پر بار آور نہیں ہو سکتی۔

﴿۲﴾ یعنی قرآن مجید میں اگر چہ جزیرۃ العرب اور اس کے مضافات شام، عراق، مصر اور یمن وغیرہ میں بسنے والی قوموں اور ان میں بھیجے جانے والے پیغمبروں ہی کا ذکر آیا ہے؛ لیکن پیغمبر ہر قوم میں آتے رہے ہیں، اس لئے اگر آپ ﷺ کو پیغمبر بنایا گیا تو اس پر اہل مکہ کو حیرت نہ ہونی چاہئے ـــــ اس سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں بھی ضرور اللہ کے پیغمبر آئے ہوں گے اور انھوں نے دین حق کو پیش کیا ہوگا، لوگوں نے ان کی تعلیمات میں ایسی ملاوٹ پیدا کردی کہ آج ان کا سراغ لگانا مشکل ہو گیا ہے، ہندو مذہبی کتابوں، جیسے ویدوں، پرانوں اور اپنشدوں وغیرہ میں نہ صرف توحید کے واضح احکام موجود ہیں؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں اور آخرت کا تصور بھی ہے؛ اس لئے یہ بات بالکل عجیب نہیں کہ ان کتابوں کے حاملین اللہ کے پیغمبر رہے ہوں؛ لہٰذا جو ہندو مذہبی پیشوا گذرے ہیں، ان کی بے احترامی سے بچنا چاہئے؛ البتہ چوں کہ ہمیں یقینی طور پر ان کا پیغمبر ہونا اور ان کتابوں کا الہامی ہونا معلوم نہیں، اس لئے ہم ان کو یقینی طور پر نبی نہیں مان سکتے، ان پر ایمان لانے کو ←

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ
وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝۲۵ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۲۶ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ ع ۳/۱۲ ۱۵
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ
وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝۲۷ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ
اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝۲۸ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً
لَّنْ تَبُوْرَ ۝۲۹

اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے، ﴿۱﴾ ۝۲۵ پھر جن لوگوں نے نہیں مانا، میں نے ان کو پکڑ لیا، تو (دیکھ لو کہ) کیسا تھا میرا عذاب؟ ۝۲۶ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اس سے رنگ برنگ کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی مختلف حصے، سفید، مختلف رنگتوں کے سرخ اور گہرے سیاہ جیسے ہیں، ۝۲۷ اسی طرح انسان، چوپائے اور مویشی بھی مختلف رنگ کے ہیں، یقیناً اللہ کے بندوں میں سے جو علم والے ہیں، وہی اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت زبردست اور خوب معاف فرمانے والے ہیں، ﴿۲﴾ ۝۲۸ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے چھپا کر بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں، وہ ایک ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں، جس میں ہرگز نقصان نہیں ہوگا۔ ﴿۳﴾ ۝۲۹

← ضروری قرار نہیں دے سکتے، ان کتابوں کو آسمانی اور الہامی کتاب نہیں کہہ سکتے اور ہندو برادرانِ وطن کو اہل کتاب کے درجہ میں نہیں رکھ سکتے، کسی چیز کا ممکن ہونا اور بات ہے اور کسی چیز کا یقینی طور پر واقع ہونا اور بات ہے۔

﴿۱﴾ نشانیوں سے مراد معجزات ہیں جو انبیاء کو دیئے جاتے تھے، صحیفوں سے مراد چھوٹی چھوٹی آسمانی کتابیں ہیں، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہونے والے صحیفے، روشن کتاب سے مراد عقائد واعمال کی رہنمائی سے متعلق تفصیلی کتابیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری گئی ہیں، جیسے تورات، انجیل اور قرآن مجید۔

﴿۲﴾ مختلف رنگوں میں چیزوں کا پیدا ہونا اور وجود میں آنا، جہاں نگاہ کو بھلا لگتا ہے، اس رنگا رنگی سے کائنات کی خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے، وہیں اس سے چیزوں کی پہچان اور شناخت بھی متعلق ہے، اگر تمام پھل، تمام درخت، تمام جانور اور تمام انسان ایک ہی رنگ وروپ کے ہوتے تو ان کو پہچاننا کس قدر دشوار کام ہوتا؛ اس لئے رنگوں کا اختلاف جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے، وہیں انسان کے لئے بہت بڑی نعمت بھی ہے۔ ←

لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ مِنَ
الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا
الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ
سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ؕ

تاکہ اللہ ان کو ان کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائیں اور اپنے فضل وکرم سے ان کو اور بڑھا کر دیں، یقیناً اللہ بہت بخشنے والے اور بڑے ہی قدرداں ہیں، ﴿۳۰﴾ اور ہم نے وحی کے ذریعہ جو کتاب آپ پر اُتاری ہے، وہی برحق (کتاب) ہے، جو گذشتہ کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور بے شک اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہیں اور خوب نظر رکھے ہوئے ہیں، ﴿۳۱﴾ پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو کتاب حوالہ کی، جن کو ہم نے چن لیا، تو ان میں سے بعض تو اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے ہیں، بعض درمیانی درجہ پر ہیں، اور بعض اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں آگے بڑھتے جارہے ہیں، یہی تو (اللہ کا) بڑا فضل وکرم ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۲﴾

← ﴿۳﴾ عبادت کو چھپ کر انجام دینا بہتر ہے؛ کیوں کہ اس میں دِکھاوے کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا؛ لیکن بعض دفعہ کسی عبادت کو ظاہر کرکے کرنا بھی مفید اور مصلحت کا تقاضہ ہوتا ہے، اس سے اس عمل کے لئے ماحول بنتا ہے اور عمل نہ کرنے والوں کو ترغیب ہوتی ہے؛ اسی لئے فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ کے راستہ میں اعلانیہ خرچ کرنے میں بھی یہی مصلحت ہے کہ بعض اوقات اس سے دوسروں کو خرچ کرنے کی ترغیب ملتی ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مرتبہ جہاد کے لئے علی الاعلان صحابہ سے تعاون جمع کرایا، یا بعض غریب مسلمانوں کی مدد کرائی، اس مقصد کے تحت اظہار واعلان کے ساتھ خرچ کرنے میں حرج نہیں اور یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے، اخلاص کی ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اگر اس عمل کا اظہار نہ ہوتا تو وہ اس عمل کو انجام ہی نہ دیتا، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر عمل کا اظہار ریاء اور دیکھاوا نہیں ہے۔

﴿۱﴾ چن لئے جانے والے لوگوں سے مراد اُمت محمدیہ ﷺ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عطا فرمایا، زیادتی کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان تو رکھتے ہیں؛ لیکن عمل میں کوتاہ ہیں، درمیانی درجہ کے لوگوں سے وہ لوگ مراد ہیں، جو فرائض وواجبات کو ادا تو کرتے ہیں؛ لیکن ان سے گناہوں کا ارتکاب بھی ہوجاتا ہے، ان کے اعمال ملے جلے ہیں اور آگے بڑھنے والے لوگوں سے وہ حضرات مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ پر قائم رہنے اور گناہوں سے بچنے کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے، ان میں اول درجہ صحابہ کرام کا ہے، ان تین گروہوں میں سے پہلے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یا تو اللہ ان کو عذاب دیں گے یا ان کی توبہ قبول فرمائیں گے: ''اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ'' (التوبۃ۱۰۶) اور جو درمیانی درجہ کے لوگ ہیں، ان کے بارے میں اُمید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادیں گے: ''وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ'' (التوبۃ:۱۰۲) اور جو اعمال میں آگے ہیں، ان کا کیا کہنا وہ تو آخرت میں ←

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا
حَرِيْرٌ ۝۳۳ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝۳۴ الَّذِيْٓ
اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ
كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝۳۶ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ
الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا
فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷ ع ۱۶

وہ ہمیشہ رہنے والے باغوں میں داخل ہوں گے، ان باغوں میں ان کو سونے اور موتی کے زیورات پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی، ﴿۱﴾ ۝۳۳ وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے رنج وغم کو دُور کردیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے رب بہت معاف کرنے والے اور بڑے قدرداں ہیں، ۝۳۴ جس نے اپنی مہربانی سے ہم کو ہمیشہ ہمیش رہنے کے گھر میں اُتارا ہے، جس میں نہ ہم کو کوئی مشقت ہوگی اور نہ تکان، ۝۳۵ اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، نہ ان کے لئے فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی، اسی طرح ہم ہر ناشکرے کو سزا دیا کرتے ہیں، ﴿۲﴾ ۝۳۶ وہ اس میں چیخ وپکار کریں گے: ہمارے پروردگار! ہم کو (اس عذاب سے) نکال دیجئے؛ کہ ہم جو کچھ کیا کرتے تھے، اس کی بجائے نیک عمل کریں، (اللہ فرمائیں گے:) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس میں سوچنے والے سوچ لیں اور تمہارے پاس خبردار کرنے والے (رسول) بھی تو آچکے تھے؟ تو اب چکھو، کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ۝۳۷

← اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں ہوں گے: ''وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ، اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' (الواقعۃ: ۱۰، ۱۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو آگے بڑھنے والے لوگ ہیں، وہ تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں اور جو ہم میں سے درمیانی درجہ کے لوگ ہیں، انھیں بھی نجات حاصل ہوگی اور جو ظلم کرنے والے ہیں، ان کی بھی مغفرت ہوگی: ''سابقنا سابق ومقتصدنا ناج وظالمنا مغفور له''۔ (تفسیر بغوی: ۳/ ۶۲۴، نیز دیکھئے: کنزالعمال، حدیث نمبر: ۲۹۲۵)

﴿۱﴾ مردوں کے لئے زیورات اور ریشم کی ممانعت اس دنیا میں ہے، عالم آخرت میں ان پر کوئی چیز حرام نہ ہوگی، اس لئے وہاں مرد بھی زیورات پہنیں گے اور ان کے لئے بھی ریشم کی پوشاک ہوگی۔

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں تو انسان بعض اوقات مصائب وآلام سے تنگ آکر خودکشی کرلیتا ہے؛ لیکن آخرت میں یہ راستہ بھی بند ہوگا اور انسان پر موت بھی نہ آئے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۳۸ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَكُمۡ
خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ
اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ
تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ۚ اَمۡ
اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا فَهُمۡ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنۡهُ ۚ بَلۡ اِنۡ يَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا ۝۴۰
اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ
بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ۝۴۱

بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتے ہیں، یقیناً اللہ دلوں کی بات سے بھی واقف ہیں، ۝۳۸ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا تو جو ایمان نہ لائے، اس کے ایمان نہ لانے کا وبال اسی پر ہے، انکار کرنے والوں کے لئے ان کا انکار کرنا ان کے پروردگار کے نزدیک غصہ و ناراضگی بڑھنے کا باعث بنے گا اور ایمان نہ لانے والوں کے حق میں ان کا کفر نقصان ہی بڑھاتا جاتا ہے، ۝۳۹ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: ذرا تم اپنے ان شرکاء کو تو دیکھو، جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو، کہ انھوں نے زمین میں سے کیا کچھ پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں (کے بنانے) میں ان کی ساجھے داری ہے، یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ اُن کو اس کی سند حاصل ہے؟؟ بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے جو وعدہ کررہے ہیں، وہ محض دھوکہ ہے! ﴿۱﴾ ۝۴۰ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کو تھامے ہوئے ہیں کہ کہیں وہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں، اور اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو تھام نہیں سکتا، یقیناً اللہ بہت بردبار اور بڑے معاف کرنے والے ہیں۔ ﴿۲﴾ ۝۴۱

﴿۱﴾ یعنی یہ لوگ اللہ کے ساتھ جن کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس عمل کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، نہ عقل کی گواہی ہے؛ کیوں کہ جو خود بے بس ولاچار ہوں، وہ کیسے خدا ہو سکتے ہیں اور دوسروں کی چارہ گری کرسکتے ہیں؟ اور نہ ان کے پاس کوئی کتابی دلیل ہے کہ اللہ کی طرف سے اُترنے والی کتاب میں ان کی عبادت کا حکم دیا گیا ہو۔

﴿۲﴾ زمین اور فضا میں پھیلے ہوئے بے شمار سیاروں کا ایک مقررہ نظام کا پابند ہونا اللہ ہی کے حکم سے ہے، اللہ نے ان میں کشش کا ایسا نظام رکھ دیا ہے، جو دو سیاروں کو آپس میں ٹکرانے نہیں دیتا ہے، ان کے درمیان مناسب فاصلہ رکھتا ہے، اور اسی فاصلہ کے ساتھ ان کی گردش ہوتی رہتی ہے، ممکن ہے کہ آسمان وزمین کو تھامنے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا یہ نظر نہ آنے والا نظام کشش اور آسمان سے مراد وہ تمام سیارے ہوں جو اُفق پر تیر رہے ہیں اور ہمیں بلندی پر محسوس ہوتے ہیں، اسی میں وہ اصل آسمان بھی شامل ہے، جہاں آج تک انسان ہی نہیں؛ بلکہ دُور بین کی نگاہیں اور برقی لہریں بھی نہیں پہنچ پائیں اور شاید قیامت تک نہیں پہنچ پائیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ
فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ﴿۴۲﴾ اِۨسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا
يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ
تَبْدِيْلًا ۚ۬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِى
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا
تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع ۵ ۱۷

اور یہ لوگ تو اللہ کی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے، کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (رسول) آیا تو وہ ہر اُمت سے بڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرانے والے (رسول) آ گئے تو ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا، ﴿۱﴾ ﴿۴۲﴾ کیوں کہ وہ زمین میں تکبر اور بدترین سازش کرنے لگے اور بری سازشوں کا وبال سازش کرنے والوں ہی پر ہوتا ہے، کیا وہ اسی طریقہ کے منتظر ہیں، جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے، تو آپ ہرگز اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے، (پھر آگاہ ہو جائیں کہ) آپ اللہ کے طریقہ میں کوئی بدلاؤ نہیں پائیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۴۳﴾ کیا یہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ دیکھ لیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؛ حالاں کہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے؟ اور اللہ کو آسمان و زمین کی کوئی چیز ہرا نہیں سکتی، یقیناً اللہ خوب جاننے والے اور بڑی قدرت والے ہیں، ﴿۴۴﴾ اگر اللہ لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے (دنیا ہی میں) ان کی پکڑ کر لیتے تو زمین کی پیٹھ پر کسی جاندار کو نہیں چھوڑتے؛ لیکن اللہ ان کو ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دیئے جاتے ہیں، پھر جب ان کا وقت آ جائے گا، تو یقیناً اللہ خود اپنے بندوں کو دیکھ لیں گے۔ ﴿۳﴾ ﴿۴۵﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے پہلے قریش مکہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم میں بھی کوئی پیغمبر بھیجتے تو ہم دنیا کی قوموں میں سب سے زیادہ اپنے نبی کے فرمانبردار ہوتے اور اس پر قسمیں کھایا کرتے تھے، نیز جب ان کو معلوم ہوا کہ یہودیوں وعیسائیوں نے بعض پیغمبروں کو جھٹلا دیا تھا تو ان کے اس عمل پر لعنت بھیجتے تھے؛ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے شہر اور خاندان کے ایک فرد محمد ﷺ کو اپنا پیغمبر بنایا تو انھوں نے آپ ﷺ کی بدترین مخالفت کی اور اپنی ان ساری قسموں کو بھول گئے۔ (تفسیر بغوی: ۶۲۹/۳)

﴿۲﴾ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کو ان کی سرکشی، پیغمبر کے ساتھ بدسلوکی اور انکار پر سزا دی ہے، اگر اہل مکہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو وہ بھی اسی طرح کے عذاب سے دو چار ہو کر رہیں گے؛ چنانچہ غزوۂ بدر میں ان کے بڑے بڑے لیڈر مارے گئے، ←

← اور جو بچ گئے، وہ اس لئے کہ انھوں نے اپنے رویہ سے توبہ کی اور اسلام قبول کرلیا، یہاں تک کہ ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں مکہ کے تمام لوگوں نے کسی جبر ودباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے اسلام کے سامنے سر جھکا دیا۔

﴿۳﴾ یہ دنیا انسان کے امتحان کی جگہ ہے، یہاں اگر ہر شخص کو ہاتھوں ہاتھ سزا ملنے لگے تو امتحان باقی نہیں رہے گا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ سزا کو مؤخر فرماتے ہیں، ورنہ اگر ہر شخص کی اس کی نافرمانی پر فوراً پکڑ کر لی جائے تو کوئی انسان باقی نہ رہ سکے۔

سُورَةُ يٰسٓ

- سورہ نمبر : (۳۶)
- رکوع : (۵)
- آیتیں : (۸۳)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کا آغاز ''یسٓ'' کے لفظ سے ہوا ہے، جو حروف مقطعات میں سے ہے، اسی لئے اس کا نام سورہ یٰسین ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کا دل سورہ یٰسین ہے، (ترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل یس، حدیث نمبر: ۲۸۸۷) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اموات پر سورہ یٰسین پڑھنے کی تاکید فرمائی، اموات میں مُردے بھی شامل ہیں اور وہ بھی جو مرنے کے قریب یعنی حالت نزع میں ہوں۔

اس سورہ کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے ذکر سے ہوتا ہے اور کچھ ہی آیات کے بعد ایک بستی والے کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے، جن کے پاس ایک ہی وقت میں تین تین داعی آئے، بستی کے لوگوں نے انکار کیا اور ایک شخص نے اللہ کی توفیق سے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ ایمان لے آئیں؛ لیکن انھوں نے ایمان لاکر نہیں دیا، اہل مکہ کو بتایا گیا کہ وہ ایسے لوگوں کی روش اختیار نہ کریں، اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے اب تک یہ سرزمین نورِ نبوت سے محروم تھی، مگر اب اللہ نے تمہارے درمیان پیغمبر کو بھیج دیا ہے، تم لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہو، اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شاعر نہیں ہیں؛ بلکہ آپ ﷺ پر اُترنے والا کلام کلامِ الٰہی ہے، پوری سورہ میں بار بار انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت قائم ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور اسی تذکرہ پر سورہ ختم ہوتی ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰسٓ ۚ﴿١﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿٣﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ﴿٤﴾ تَنْزِيْلَ
الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓي
اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِىَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ
مُّقْمَحُوْنَ ﴿٨﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ یا، سین 《١》 ﴿١﴾ حکمت و دانائی سے
معمور قرآن کی قسم ہے! ﴿٢﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اللہ کے پیغمبروں میں سے ہیں، ﴿٣﴾ سیدھے راستہ پر ہیں، ﴿٤﴾
یہ قرآن اس ذات کا اُتارا ہوا ہے، جو غالب اور نہایت مہربان ہے؛ ﴿٥﴾ تاکہ آپ ان لوگوں کو باخبر کردیں، جن
کے باپ دادا کو باخبر نہیں کیا گیا تھا، اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، 《٢》 ﴿٦﴾ حقیقت یہ ہے کہ ان میں
سے اکثر لوگوں پر (عذابِ الٰہی کی) بات ثابت ہوچکی ہے؛ اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے، ﴿٧﴾ ہم نے ان کی
گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، جو ٹھوڑیوں تک ہیں؛ اس لئے ان کے سر اوپر کو اُٹھے ہوئے ہیں۔ ﴿٨﴾

《١》 یہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں، سورۂ بقرہ کی آیت: ا میں اس کی تشریح گذر چکی ہے۔

《٢》 اگرچہ کہ ہر انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اس بات کو جاننے کی کوشش کرے کہ اس دنیا میں اس کو کس نے پیدا کیا ہے اور کیوں پیدا کیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کی تنبیہ کے لئے کسی پیغمبر کو بھیجے بغیر انسان کی پکڑ فرمالیتے کہ اس نے اپنی عقل اور اس کے اندر رکھی گئی صلاحیت کا استعمال کر کے خدا کو پانے کی کوشش کیوں نہیں کی تو یہ انصاف کے خلاف نہیں ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب تک کسی گروہ کے پاس اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر نہیں بھیجتے اور ان تک اللہ کی کتاب نہیں پہنچتی ان کی پکڑ نہیں کی جاتی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا'' (بنی اسرائیل: ۱۵) یعنی جب تک ہم رسول نہیں بھیجتے، کسی قوم پر اپنا عذاب نازل نہیں کرتے، اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل مکہ سے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے جو تمہارے درمیان محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، چوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں کوئی پیغمبر نہیں آئے اور کئی پشتوں سے وہاں کے لوگ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے بے خبر رہے، اس لئے تم کو باخبر کرنے کی غرض سے محمد ﷺ کو تمہارے درمیان نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، اب اگر تم ایمان نہ لاؤ تو تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے دوچار ہوگے —— اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت صرف عربوں کے لئے تھی؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت پوری انسانیت کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اسی لئے آپ ﷺ پر اُتاری جانے والی کتاب ''قرآن مجید'' کو محفوظ کردیا گیا ہے؛ لہٰذا آپ ﷺ کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی؛ البتہ اب اس اُمت کا کام ہے کہ وہ ان تمام انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچائے، جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾
وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ
وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ
مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ع ۱۲ ۱۸

ہم نے ایک آڑ اُن کے آگے بنادی ہے اور ایک پیچھے، اسی طرح ان کو ڈھانپ دیا ہے؛ لہٰذا وہ دیکھ نہیں سکتے، ﴿۹﴾ ان کے حق میں آپ کا خبردار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، یہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱﴾ ﴿۱۰﴾ آپ اسی کو خبردار کر سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور بغیر دیکھے ہوئے بے حد مہربان (خدا) سے ڈرے، تو آپ ان کو مغفرت اور باعزت بدلہ کی خوشخبری سنادیجئے، ﴿۱۱﴾ ہم ہی مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ اعمال انھوں نے کئے ہیں، ان کو اور ان کے اثرات کو ہم لکھتے جارہے ہیں، ﴿۲﴾ اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج کردیا ہے۔ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ یہ ایک تشبیہ ہے، انسان کے علم اور واقفیت کا سب سے بڑا ذریعہ اس کی آنکھیں ہیں، وہ جب کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کے ذہن میں اس کی تصویر قائم ہوجاتی ہے، تبھی دماغ اس پر غور کرتا ہے اور انسان اس کو پوری طرح سمجھ پاتا ہے، اگر کسی کی گردن میں اس طرح طوق ڈال دیا گیا ہو کہ اس کا چہرہ اوپر کی طرف اُٹھا رہے، وہ اپنی گردن کو دائیں بائیں سامنے اور نیچے موڑ نہ سکے تو اس کے لئے اپنے گرد وپیش کو دیکھنا ممکن نہ ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ مزید یہ بھی ہوجائے کہ اس کے آگے اور پیچھے دیوار بنادی جائے تو اب تو اس کے لئے آگے پیچھے دیکھنا بالکل ہی ممکن نہ رہے گا، جو لوگ اپنے کفر پر اڑے ہوئے ہیں، ان کا یہی حال ہے کہ ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بکھری ہوئی ہے، جن کے ذریعہ وہ اپنے مالک کو پہچان سکتے ہیں؛ لیکن اپنی بے توفیقی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ اس صلاحیت سے محروم کردیئے گئے ہیں، اس لئے اب ان کے ایمان لانے کی اُمید نہ رکھی جائے۔

﴿۲﴾ ''اثرات'' سے مراد یہ ہے کہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کا اثر انسان کی زندگی تک محدود رہتا ہے اور بعض نیک اور بُرے اعمال ایسے ہیں جن کا ان کی موت کے بعد بھی تسلسل باقی رہتا ہے، جیسے ایک شخص مسلمان نہیں تھا، آپ نے اس کو مسلمان بنادیا اور اب وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کئے جارہا ہے، آپ نے کسی کو دین کی تعلیم دی اور وہ اس تعلیم کو فروغ دے رہا ہے، کوئی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کی، جہاں نماز اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہے، آپ نے دینی کتابیں لکھیں، جن سے لوگ استفادہ کررہے ہیں، تو ان صورتوں میں آپ کی نیکی کا اثر آپ کے بعد بھی جاری رہتا ہے، اسی طرح ایک شخص نے کسی کو گمراہ کردیا اور وہ اپنی گمراہی پر قائم ہے، گمراہ کن کتاب لکھ دی، لوگ اس کو پڑھ کر گمراہ ہورہے ہیں، سینما ہال بنادیا، اس کے بعد اس میں اخلاق کو بگاڑنے والی فلمیں دکھائی جارہی ہیں، یہ بُرے اعمال کے اثرات ہیں، تو اللہ تعالیٰ نیک عمل کے ساتھ ساتھ اس عمل سے پیدا ہونے والے ←

رکوع ۲ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور (اے رسول!) آپ ان لوگوں کے سامنے اس بستی کے رہنے والوں کا قصہ سنایئے، جب ان کے پاس کئی پیغمبر آئے، ﴿۱۳﴾ اس طرح کہ ہم نے ان کی طرف دو پیغمبروں کو بھیجا، ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلا دیا، تو ہم نے تیسرے کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچائی، ان تینوں نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، ﴿۱۴﴾ وہ لوگ کہنے لگے: ''تم لوگ تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو، خدائے رحمان نے کوئی چیز اُتاری نہیں ہے، تم لوگ محض جھوٹ بول رہے ہو'' ﴿۱۵﴾ ان پیغمبروں نے کہا: ہمارے رب کو خوب معلوم ہے کہ ہم لوگوں کو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، ﴿۱۶﴾ اور ہماری تو صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ واضح طور پر (اللہ کا پیغام) پہنچادیں، ﴿۱۷﴾ وہ لوگ کہنے لگے: ہم تو تم لوگوں کو منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھر مار مار کر ہلاک کردیں گے اور ہماری جانب سے تم کو دردناک تکلیف پہنچے گی۔ ﴿۱۸﴾

← اثرات کو بھی ریکارڈ کراتے جارہے ہیں اور اس پر بھی اجر عطا فرمائیں گے، اور بُرے عمل کے ساتھ ساتھ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی برائیوں کے تسلسل کو بھی محفوظ کرتے جارہے ہیں، اس کو اس کے اپنے اعمال کے ساتھ ساتھ اس سے پیدا ہونے والے اثرات کی بھی سزا دی جائے گی؛ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ بات کہی گئی ہے کہ گمراہ کرنے والے اپنے گناہ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اُٹھائیں گے، جو ان کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں، حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ جس نے کسی اچھے طریقے کی بنیاد رکھی، جو اس کے بعد جاری رہا تو اس کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا اور جس نے کسی بُرے عمل کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد بھی وہ طریقہ جاری ہے تو اس کو اس کی بھی سزا ملے گی (مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ، حدیث نمبر: ۱۰۱۷)؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی کی موت واقع ہوجاتی ہے تو عمل سے اس کا رشتہ کٹ جاتا ہے، سوائے تین صورتوں کے، اس نے کوئی ایسا علمی کام کیا ہو، جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، یا صدقۂ جاریہ کیا ہو، یعنی کوئی ایسا کام جس سے اس کے بعد بھی لوگوں کو مادی فائدہ حاصل ہوتا رہے، یا اس نے نیک اولاد چھوڑی ہو، جو اس کے لئے دُعا کیا کرتی ہو۔ (مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الإنسان من الثواب بعد وفاتہ، حدیث نمبر: ۱۶۳۱)

قَالُوۡا طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ ؕ اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا
الۡمَدِیۡنَۃِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿ۙ۲۰﴾ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا
وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾

پیغمبروں نے فرمایا: تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، کیا اس لئے کہ تم کو نصیحت کی گئی (تم ہمیں منحوس کہتے ہو؟) بلکہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو، ﴿۱۹﴾ نیز شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: ''اے میری قوم! تم (اللہ کے) پیغمبروں کی پیروی کرو، ﴿۲۰﴾ ایسے لوگوں کے راستہ پر چلو، جو تم سے کسی بدلہ کے طلب گار نہیں ہیں اور وہ خود بھی درست راستہ پر ہیں۔ ﴿۲۱﴾

● ● ●

وَمَا لِيَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡ فَطَرَنِيۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ يُّرِدۡنِ
الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّيۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا يُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيۡۤ اِذًا لَّفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۴﴾
اِنِّيۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾ قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِيۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا
غَفَرَ لِيۡ رَبِّيۡ وَجَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ
السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾

آخر میں کیوں اس ذات کی عبادت نہ کروں، جس نے مجھے پیدا فرمایا، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے، ﴿۲۲﴾
کیا میں اس کے سوا دوسرے معبود بنالوں؟ اگر رحم وکرم کرنے والے (اللہ) مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرلیں، تو
اِن (جھوٹے معبودوں) کی سفارش مجھے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں گے، ﴿۲۳﴾ اگر میں نے ایسا کیا
تو کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا، ﴿۲۴﴾ میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا ہوں، اس لئے میری بات سن لو'' ﴿۲۵﴾ (مگر جو
لوگ کفر پر اڑے ہوئے تھے، انھوں نے اس ایمان لانے والے کو شہید کردیا؛ چنانچہ خدا کی طرف سے) اس کو حکم
فرمایا گیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، (وہ کہنے لگے:) کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہوجاتی ﴿۲۶﴾ کہ میرے رب
نے مجھے معاف کردیا ہے اور مجھ کو باعزت بندوں میں شامل فرمالیا ہے، ﴿۲۷﴾ ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر
آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی، ﴿۲۸﴾ وہ تو صرف ایک سخت آواز تھی، پھر اسی لمحہ وہ سب
بجھ کر رہ گئے۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ یہ کس قوم کا واقعہ ہے، کن دو حضرات نے پہلے دینِ حق کی دعوت دی اور پھر ان کی تقویت کے لئے کونسے تیسرے شخص آئے؟ اس کی تفصیل نہ قرآن مجید میں آئی ہے اور نہ حدیث میں؛ البتہ مفسرین نے مقام اور شخصیتوں کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، عام طور پر اس طرح کی وضاحتیں بائبل سے ماخوذ ہوتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ انطاکیہ کا ہے جہاں ایک بُت پرست قوم آباد تھی، جن تین حضرات نے ان پر دعوتِ حق پیش فرمائی، ان کا نام صادق، صدوق اور شلوم تھا، بعض حضرات نے کچھ اور نام ذکر کئے ہیں، مفسرین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے پیغمبر نہیں تھے؛ بلکہ یہ دو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے، جن کو انھوں نے دعوتِ دین کے لئے بھیجا تھا اور تیسرے شخص —— جنھوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا، خود مسلمان ہوگئے اور دوسروں کو بھی ایمان لے آنے کی ترغیب دی، یہاں تک کہ قوم کے لوگوں نے ان کو شہید کردیا —— اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے، جن پر اسلام کی دعوت پیش کی گئی تھی، ان پر عذاب اس طرح نازل ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری اور پوری کی پوری قوم ہلاک ہوگئی، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ہمیں ان کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کی کسی فوج کی ضرورت نہیں پڑی، ایک فرشتے کی چیخ ہی کافی ہوگئی۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۴-۱۵)

یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ ۚؔ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ
اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿ؕ۳۱﴾ وَ اِنۡ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا
ع ۲ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿٪۳۲﴾ وَ اٰیَۃٌ لَّہُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَیۡتَۃُ ۚۖ اَحۡیَیۡنٰہَا وَ اَخۡرَجۡنَا مِنۡہَا حَبًّا فَمِنۡہُ یَاۡکُلُوۡنَ ﴿۳۳﴾
وَ جَعَلۡنَا فِیۡہَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ وَّ فَجَّرۡنَا فِیۡہَا مِنَ الۡعُیُوۡنِ ﴿ۙ۳۴﴾ لِیَاۡکُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖ ۙ
وَ مَا عَمِلَتۡہُ اَیۡدِیۡہِمۡ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ
الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَ اٰیَۃٌ لَّہُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمۡ
مُّظۡلِمُوۡنَ ﴿ۙ۳۷﴾ وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿ؕ۳۸﴾ وَ الۡقَمَرَ
قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ﴿۳۹﴾

افسوس ہے بندوں پر کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آتے تو وہ ان کی ہنسی ہی اُڑاتے، ﴿۳۰﴾ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ساری اُمتوں کو ہلاک کر دیا ہے، وہ ان کی طرف لوٹ کر آنے والے نہیں ہیں، ﴿۳۱﴾ اور یہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے، ﴿۳۲﴾ اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے، جس کو ہم نے زندہ کیا، اس سے اناج نکالا، پھر یہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں، ﴿۳۳﴾ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے ہیں اور زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے ہیں، ﴿۳۴﴾ تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں اور یہ پھل ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں تو کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ ﴿۳۵﴾ اللہ کی ذات پاک ہے، جس نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں، خود انسانوں اور ان چیزوں کو جن کو وہ نہیں جانتے، جوڑا جوڑا بنایا، ﴿۱﴾ ﴿۳۶﴾ رات بھی ان کے لئے ایک نشانی ہے کہ ہم اس سے دن کو ہٹا لیتے ہیں، پھر یکایک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، ﴿۳۷﴾ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ اس ذات کا مقرر کیا ہوا (نظام) ہے، جو بے حد طاقتور اور بڑا ہی باخبر ہے، ﴿۳۸﴾ چاند کے لئے بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں، یہاں تک کہ وہ سوکھی ہوئی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ ﴿۳۹﴾

﴿۱﴾ انسانوں اور جانوروں میں نر و مادہ ہونا تو ہر شخص کو معلوم ہے، اور اسی ذریعہ سے ان کی نسل کی افزائش ہوتی ہے؛ لیکن دنیا میں اس کے علاوہ بیشتر چیزیں وہ ہیں، جن کو اللہ نے جوڑا بنایا ہے، جیسے: دن اور رات، روشنی اور تاریکی، اسی طرح پودوں میں بھی نر اور مادہ کا نظام رکھا گیا ہے، یہاں تک کہ بجلی جو ہماری موجودہ زندگی کا لازمی حصہ ہے، اس میں بھی مثبت اور منفی دونوں قوتیں کام کرتی ہیں، ان چیزوں میں جوڑے جوڑے ہونے کا انسان کو کوئی علم نہیں تھا، موجودہ سائنسی تحقیق نے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰
وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا
يَرْكَبُوْنَ ۝۴۲ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝۴۳ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا
وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۴۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ۝۴۵ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴۶ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ
اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۷

نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو آ پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، سب کے سب ایک مدار میں تیر رہے ہیں، ﴿۱﴾ ۝۴۰ ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کرلیا، ۝۴۱ اور ہم نے ان کے لئے کشتی کی طرح کی اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں، جن پر وہ سوار ہوتے ہیں، ۝۴۲ اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کردیں، پھر نہ ان کی فریاد پر کوئی پہنچنے والا ہو اور نہ وہ نکالے جاسکیں، ﴿۲﴾ ۝۴۳ مگر یہ محض ہماری مہربانی ہے اور ایک وقت تک کے لئے فائدہ مہیا کرنا ہے، ۝۴۴ اور جب ان سے کہا جاتا ہے (عذاب) سے ڈرو، جو تمہارے سامنے اور پیچھے ہے، شاید تم پر رحم کیا جائے (تو وہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے) ۝۴۵ اور جب بھی ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منھ پھیر لیتے ہیں، ۝۴۶ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرو تو ایمان نہ لانے والے مسلمانوں سے کہتے ہیں: کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں، جن کو کھلانا اللہ کو منظور ہوتا تو خود ہی کھلا دیتے؟ تم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ ﴿۳﴾ ۝۴۷

﴿۱﴾ یعنی سورج اور چاند کی گردش، دن اور رات کا نظام اور ان سب کا آپس میں نہ ٹکرانا، پرانی ٹہنی کی طرح ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے آخری مرحلہ میں باریک ہو جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۳)

﴿۲﴾ انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر سفر پیدل کرلے اور اپنی ضروریات کا پورا بوجھ اپنے کاندھے پر اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ نہ صرف ان کو ایسے جانور عطا کئے گئے جن پر وہ سواری کریں اور جن سے وہ بار برداری کا کام لیں؛ بلکہ پانی جیسی سیال چیز جس میں ہر چیز غرق ہو جاتی ہے، اس میں کشتی اور پانی جہاز کی شکل میں ایک ساتھ بہت سارے لوگوں کو لے جانے اور سامان کی بڑی بڑی مقدار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی سہولت پیدا کردی، نیز اور بھی سواریاں پیدا کردیں، جن کو انسان نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل کی مدد سے اور اس کے پیدا کئے ہوئے قدرتی وسائل سے بنایا ہے، جیسے: موٹریں، ٹرینیں اور ہوائی جہاز وغیرہ۔ ←

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۳ ع ۱۸ ۲

اور وہ لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو، (تو بتاؤ کہ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۴۸﴾ وہ لوگ بس ایک سخت آواز کا انتظار کر رہے ہیں، جو ان کو اس حالت میں آ پکڑے گی کہ وہ باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے، ﴿۴۹﴾ پھر نہ تو وہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف جا سکیں گے۔ ﴿۵۰﴾

← ﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے آخرت کا نظام تو اس طور پر رکھا ہے کہ وہاں کوئی شخص دوسرے کا محتاج نہ ہوگا؛ لیکن دنیا میں ایک شخص کو دوسرے شخص کا محتاج بنایا گیا ہے، اگر مزدور سرمایہ دار کا محتاج ہے کہ وہ اسے مزدوری کا موقع دے تو سرمایہ دار بھی مزور کا محتاج ہے کہ وہ اس کے مکانات کی تعمیر کرے، اس کے باغات کو سیراب کرے اور اس کے کھیتوں کو بار آور بنائے، اگر گاہک کو تاجر کی ضرورت ہے کہ تاجر نہ ہوں تو اس کو آسانی سے مطلوب مال کیسے مل سکے گا، تو آجر کو بھی گاہک کی ضرورت ہے کہ اگر خریدار نہ ہو تو اس کی تجارت کیوں کر چل سکے گی، زندگی کے اس کاروبار کے چلانے اور ایک دوسرے کی احتیاج کو باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دولت میں یکسانیت نہیں رکھی، کسی کو زیادہ دولت سے نوازا گیا اور کسی کو کم، اس میں یہی حکمت ہے کہ یہ محتاجی ایک دوسرے کی خدمت کا راستہ پیدا کرے گی؛ البتہ مالداروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کریں، اس سے نہ صرف آخرت میں اجر حاصل ہوگا؛ بلکہ دنیا میں بھی غریبوں میں مالداروں کے خلاف غیظ وغضب کا جذبہ پیدا نہ ہوگا؛ لیکن جو سرمایہ دار خودغرض، انسانیت کے جذبہ سے خالی اور خدا کے خوف سے عاری ہوتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ان کا ایک پیسہ بھی ان کے کسی غریب بھائی پر خرچ نہ ہو، یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی رویہ کی مذمت فرمائی ہے، ایسے لوگ اپنے عمل کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیتے ہیں: چنانچہ مکہ کے بعض بخیل سرداروں نے کہا کہ اگر ان غریبوں کو کھلانا ہی مقصود ہوتا تو اللہ خود کھلا دیتے، جب اللہ نے ان کو محتاج رکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی مرضی ہی یہی ہے کہ وہ بھوکے رہیں، اس سلسلہ میں مفسرین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کی باہمی گفتگو بھی نقل کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں بڑی فیاضی اور غرباء پروری تھی، وہ غریبوں کی بڑی مدد کیا کرتے تھے، ابوجہل نے ان سے کہا کہ تم کیوں ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہو؟ کیا اللہ ان کو کھانا کھلانے پر قادر نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ ابوجہل نے کہا: کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو محتاج رکھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے کچھ کو محتاج بنایا ہے اور کچھ کو دولت مند، اس میں دونوں کا امتحان مقصود ہے، محتاجوں کو حکم دیا کہ وہ صبر سے کام لیں اور مالداروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ایسے بھائیوں پر خرچ کیا کریں، ابوجہل نے کہا: تم بڑی غلطی پر ہو، گویا تمہارا خیال ہے کہ اللہ ان کو کھلانے پر قادر ہیں اور نہیں کھلاتے ہیں اور تم ان کو کھلاتے ہو؟ (تفسیر قرطبی: ۲۶/۱۵) ــــ بہر حال اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو دولت دی ہو، ان کا انسانی اور دینی فریضہ ہے کہ اپنے غریب بھائیوں کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھائیں، آج دنیا میں معاشی اعتبار سے جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اور آجروں اور مزدوروں نیز سرمایہ داروں اور غریبوں کے درمیان جو ٹکراؤ کا ماحول پایا جاتا ہے، وہ اسی کی طرف سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا
مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ
رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

اور صور پھونکا جائے گا تو وہ سب قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے، ﴿۵۱﴾ کہیں گے: ہائے ہماری بدنصیبی! ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اُٹھا دیا؟ یہی ہے وہ واقعہ جس کا بے حد مہربان (خدا) نے وعدہ فرمایا تھا، اور اللہ کے پیغمبروں نے سچ ہی کہا تھا، ﴿۵۲﴾ بس یہ ایک سخت آواز ہوگی، پھر ایک ہی دم سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۵۳﴾ پھر اس دن کسی شخص کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں ہوگی اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، ﴿۵۴﴾ یقیناً اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے، ﴿۵۵﴾ وہ اور ان کی بیویاں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے سایوں میں بیٹھے ہوں گے، ﴿۵۶﴾ ان کے لئے جنت میں میوے بھی ہوں گے اور وہ ساری چیزیں بھی، جو وہ مانگیں گے ﴿۵۷﴾ (سب سے اہم انعام یہ ہے کہ) ان کو مہربان پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔ ﴿۲﴾ ﴿۵۸﴾

﴿۱﴾ کسی چیز کی تعمیر میں تو بہت سارا وقت مطلوب ہوتا ہی ہے؛ لیکن کسی بڑی چیز کو ختم اور ملیا میٹ کرنے کے لئے بھی ایک مدت درکار ہوتی ہے، اگر کسی پہاڑ کو زمین کی طرح ہموار کرنا ہو تو نہ جانے کتنے مزدور، کتنی مشینیں اور پتھر کو توڑنے والی بارود کی کتنی ساری مقدار کی ضرورت پڑتی ہے، بظاہر یہ گمان ہوسکتا تھا کہ جب قیامت برپا ہوگی، ایک دفعہ دنیا کی ساری چیزیں ختم کر دی جائیں گی، جتنے جاندار روئے ارض پر موجود ہیں، سب ہلاک ہوجائیں گے اور پھر دوبارہ کائنات کی ابتداء سے لے کر قیامت تک مرنے والے سارے انسانوں کو زندہ کیا جائے گا تو اس میں تو بڑی محنت کرنی ہوگی، بے شمار فرشتے لگ کر اس کام کو انجام دیں گے اور ایک لمبی مدت درکار ہوگی، اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب کچھ نہ ہوگا؛ بلکہ خدا کے حکم سے ایک فرشتہ صور پھونکے گا اور آن کی آن میں یہ ساری باتیں ہوجائیں گی، پہلا صور پھونکا جائے گا تو تمام جاندار مرجائیں گے، دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب زندہ ہوجائیں گے، صور کے پھونکنے سے محض ایک سخت آواز پیدا ہوگی اور اس سے لمحہ بھر میں یہ سارا کا سارا کام ہوجائے گا ـــ اس آیت میں دوسری بار صور پھونکنے کا ذکر آیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۸/۱۵)

﴿۲﴾ یعنی جنت میں راحتیں تو ساری کی ساری ہوں گی ہی، ساتھ ہی ساتھ اہل جنت کا بے حد اعزاز واکرام بھی ہوگا، اس سے بڑھ کر اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کو سلام فرمائیں گے؟

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا
الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ
مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾
اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا
الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور (اللہ فرمائیں گے:) اے گنہگارو! آج تم الگ ہوجاؤ، ﴿۱﴾ ﴿۵۹﴾ اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، ﴿۶۰﴾ اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے، ﴿۶۱﴾ اور شیطان تو تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرچکا ہے، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟ ﴿۲﴾ ﴿۶۲﴾ یہی وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا تھا، ﴿۶۳﴾ آج اپنے کفر کرنے کی وجہ سے اس میں داخل ہوجاؤ، ﴿۶۴﴾ آج ہم ان کے منھ پر مہر لگادیں گے، نیز ان کی حرکتوں کے بارے میں ان کے ہاتھ ہم سے گفتگو کرنے لگیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے، ﴿۳﴾ ﴿۶۵﴾ اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو سپاٹ کردیں، پھر یہ راستہ کی طرف دوڑیں، تو کہاں دیکھ پائیں گے؟ ﴿۶۶﴾

﴿۱﴾ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور ایمان نہ لانے والوں، نیک اور برے عمل کرنے والوں کے لئے الگ الگ کالونیاں نہیں بسائی ہیں، ایک ہی آبادی ہے، جس میں سب بستے ہیں، ایک ہی زمین ہے جس پر سب رہتے ہیں، ایک ہی طرح سورج سب کو روشنی پہنچاتا ہے اور ہر شخص کے کھیت کو بادل سیراب کرتا ہے؛ کیوں کہ یہ امتحان کی جگہ ہے؛ لیکن آخرت میں یہ الگ الگ ہوں گے، انھیں حساب وکتاب کے ساتھ ہی الگ کردیا جائے گا، ایک کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور دوسرے کا دوزخ، ایک کے لئے بے حد وحساب راحت وآسائش اور دوسرے کے لئے بے انتہا مشقت وتکلیف۔

﴿۲﴾ وعدہ لینے سے مراد یہ ہے کہ کیا ہم نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعہ تم کو یہ نصیحت نہ کی تھی اور یہ پیغام نہ پہنچادیا تھا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرنا اور شیطان کی تدبیروں سے بچ کر رہنا؟

﴿۳﴾ یعنی قیامت قائم ہونے کے بعد ایک مرحلہ تو ایسا ہوگا، جس میں دوزخ کے مستحق نہ صرف بات کریں گے؛ بلکہ جھوٹ بولنے کی بھی کوشش کریں گے، (انعام: ۲۳) پھر دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ ان کی زبان بند ہوجائے گی، جسم کے اعضا گفتگو کرنے لگیں گے اور ان اعضاء سے کیا کیا گناہ کئے گئے؟ وہ اُن سب کو بیان کردیں گے، غرض کہ جس جسم کی راحت وآسائش اور اس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے انسان ساری تگ ودو کرتا ہے اور حلال وحرام تک کی پرواہ نہیں کرتا، وہ خود اس کے خلاف گواہ بن کر کھڑے ہوجائیں گے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ ع ۴
نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ پر ہی ان کی صورتوں کو مسخ کر دیتے کہ یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے ، ﴿۶۷﴾ جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں ، اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں ، تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ﴿۱﴾ ﴿۶۸﴾ ہم نے اپنے پیغمبر کو نہ شعر کہنا سکھایا ہے اور نہ یہ بات ان کے شایانِ شان ہے ، یہ تو محض نصیحت اور واضح قرآن ہے ، ﴿۲﴾ ﴿۶۹﴾ تاکہ ایسے شخص کو خبردار کردے جو (قلب وروح کے اعتبار سے) زندہ ہو اور تاکہ ایمان نہ لانے والوں پر حجت پوری ہوجائے ۔ ﴿۷۰﴾

﴿۱﴾ اوندھا کرنے سے مراد پیچھے کی حالت کی طرف لے جانا ہے ، یعنی جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بہت ہی کمزور وناتواں ، اس کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں ، نہ بولنے کی قوت ، نہ چلنے پھرنے کی طاقت ، نہ اُٹھنے بیٹھنے کی صلاحیت ، نہ غور وفکر کی استعداد ، پھر آہستہ آہستہ اس کی ساری صلاحیتیں جوان ہوجاتی ہیں اور پندرہ بیس سال تک اس کی یہ کیفیت باقی رہتی ہے ، پھر اس کی عمر ڈھلنی شروع ہوتی ہے اور اس کی ہر صلاحیت میں انحطاط پیدا ہوتا جاتا ہے ، آنکھوں کی بینائی متأثر ہوجاتی ہے ، قوت گویائی اور آواز پر اثر پڑنے لگتا ہے ، ہاتھ پاؤں میں رعشہ آجاتا ہے ، گویا ایک طرح سے بوڑھا ہوجانے کے بعد وہ پھر بچہ بن جاتا ہے ، یہ سب اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں ، اگر اللہ تعالیٰ جوانی ہی میں اس کی صلاحیتوں کو چھین لینا چاہے تو اس کے لئے اس میں کیا دشواری ہے؟

﴿۲﴾ اہل مکہ قرآن مجید کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ شاعرانہ کلام ہے ، اسی کی تردید فرمائی گئی ہے کہ محمد ﷺ شاعر نہیں ہیں ؛ کیوں کہ اگر آپ ﷺ شاعر ہوتے تو پہلے سے اشعار کہتے ہوتے ، اور نہ یہ آپ کے شایانِ شان ہے ؛ کیوں کہ شاعر تو خیالی باتیں پیش کرنے اور مبالغہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے اور نبی کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک حرف سچائی کا ترجمان ہوتا ہے ، رہ گئی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ایک دو مواقع پر ایسے فقرے نکل گئے ، جو شعر کے وزن کے مطابق تھے تو یہ آپ ﷺ کے شعر نہ کہنے کے مغائر نہیں ہے ؛ کیوں کہ شعر وہ ہوتا ہے جس میں وزن کا پابند کلام شعر کہنے کی نیت سے کہا جائے ، اگر شعر کہنے کی نیت نہ تھی ، یوں ہی زبان پر کوئی موزوں جملہ جاری ہوگیا تو وہ شعر نہیں ہے ، (تفسیر قرطبی : ۳۶/۱۵) —— اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ دعوت واصلاح کے لئے تقریر وتحریر کا جو طریقہ موزوں ہے ، وہ نثر ہے نہ کہ شعر ، اگر شعر اس کے لئے زیادہ موزوں ہوتا تو آسمانی کتابیں اشعار کی شکل میں نازل کی جاتیں ؛ البتہ اگر اچھے اشعار کہے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ، یہ بھی اپنے افکار کو دوسروں تک پہنچانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے ، اور صحابہ کے عہد سے لے کر آج تک سلف صالحین اظہار خیال کے اس طریقہ سے استفادہ کرتے رہے ہیں ۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ
فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ
جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَ لَمْ یَرَ وقف لازم
الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کردیئے؛ ﴿۱﴾ چنانچہ وہ ان کے مالک ہیں ﴿۷۱﴾ اور ہم نے ان کو ان کے قابو میں کردیا، تو ان میں سے بعض تو ان کی سواری ہیں اور بعض ان کی غذا ہیں، ﴿۷۲﴾ نیز ان کے لئے اس میں بہت سے فائدے اور (بعض جانوروں میں) پینے کی چیزیں بھی ہیں، تو کیا پھر بھی یہ شکر ادا نہیں کرتے، ﴿۲﴾ ﴿۷۳﴾ ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنالئے ہیں؛ کہ شاید ان کی مدد کی جائے، ﴿۷۴﴾ وہ ان کی مدد نہیں کرسکیں گے اور وہ بُت ان بُت پرستوں کے لشکر بن کر حاضر کئے جائیں گے، ﴿۳﴾ ﴿۷۵﴾ آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوں، وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ سب کچھ ہمیں معلوم ہے، ﴿۷۶﴾ کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے تو اس کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر وہ کھلا ہوا جھگڑالو ہوگیا؟ ﴿۷۷﴾

﴿۱﴾ یعنی بعض سواریاں تو وہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انسان بناتا رہا ہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے، جیسے: کشتی، جہاز، موٹر، ٹرین وغیرہ؛ لیکن چوپائے ایسے خادم ہیں کہ جن کے وجود میں انسان کی صنعت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

﴿۲﴾ جانوروں سے حاصل ہونے والے بہت سے فائدوں میں ان کے چمڑوں سے جوتے، موزے اور دوسری مصنوعات کا حاصل ہونا، ان کے بالوں سے گرم لباس کا بنایا جانا، ان کے جسم کے مختلف اجزا سے دواؤں کی تیاری اور بعض جانوروں کے ذریعہ ماحولیات کی حفاظت اور ان میں توازن کی برقراری وغیرہ بھی شامل ہیں۔

﴿۳﴾ یعنی مشرکین جن باطل معبودوں کی پرستش کیا کرتے تھے، وہ وہاں اس طرح حاضر کئے جائیں گے جیسے کوئی فوج اپنے فرمانروا کے سامنے حاضر ہوتی ہے اور ان کی پوجا کرنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ ان کے یہ جھوٹے معبود بالکل بے بس ہیں، وہ ان کی مدد تو کیا کرپائیں گے، وہاں حاضر ہوکر ان کی مخالفت کریں گے اور خود بھی ان کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے؛ تاکہ ان کی پیروی کرنے والوں کو جلانے میں ایندھن کا کام کریں۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۝۷۸ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ
اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ۝۷۹ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا
فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ ؔ ؕ بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ۝۸۱ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۸۲
فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۳ ع ۵

وہ ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا، ﴿۱﴾ اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، وہ کہنے لگا: جو ہڈیاں گل چکی ہیں، ان کو (دوبارہ) کون زندہ کرے گا؟ ۝۷۸ آپ کہہ دیجئے: وہی زندہ کرے گا، جس نے اس کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ سب (چیزوں کو) پیدا کرنا جانتا ہے! ۝۷۹ جس ہستی نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کردی، پھر تم اس سے (آگ) سلگاتے ہو، ﴿۲﴾ ۝۸۰ کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان (انسانوں) کے جیسا پیدا نہیں کرسکتی؟ کیوں نہیں؟ وہ ضرور پیدا کرسکتا ہے، وہ خوب پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے، ۝۸۱ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو فرماتا ہے: ہوجا، تو وہ ہوجاتی ہے، ﴿۳﴾ ۝۸۲ غرض کہ وہ ذات پاک ہے، جس کے ہاتھوں میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ ۝۸۳

﴿۱﴾ مثالیں بیان کرنے سے وہی بات مراد ہے جو آگے کہی جارہی ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جاسکتا ہے؟

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ درخت کی ٹہنیاں سبز اور مضبوط ہوتی ہیں؛ لیکن اسی کو ایندھن کے کام میں لایا جاتا ہے اور اس سے آگ سلگ اُٹھتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۴۱) نیز جنگلات میں بعض ایسی لکڑیاں بھی دریافت ہوئی ہیں جن کو آپس میں گھسنے سے آگ پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح ہری بھری ٹہنیوں میں کرنٹ کو قبول کرنے کی خاص صلاحیت ہوتی ہے اور اگر کسی برقی تار کو وہ لگ جائے تو فوراً بجلی کی لہر دوڑ جاتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ ایک چیز سے اس کی متضاد چیز پیدا کرسکتا ہے تو مردہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کرسکتا؟

﴿۳﴾ یہ بات سمجھانے کے لئے کہی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہوجا، تو وہ چیز بلا تاخیر ہوجاتی ہیں، ورنہ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے کچھ کہنے کی بھی حاجت نہیں، آپ جس لمحہ کسی چیز کو چاہتے ہیں، اسی لمحہ وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔

سُورَةُ الصّافات

- سورہ نمبر : (۳۷)
- رکوع : (۵)
- آیتیں : (۱۸۲)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع ہی میں صف باندھ کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے، اور فرشتوں کی یہ صفت ''صافات'' کے لفظ سے کی گئی ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ''صافات'' ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید و رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی اَن دیکھی مخلوقات ـــــ فرشتوں اور جِنوں ـــــ کا بھی ذکر آیا ہے، قیامت کی ہولناکی اور اہل دوزح کے عذاب کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور مسلمان اہل جنت اور ایمان سے محروم اہل دوزخ کے درمیان جو گفتگو ہوگی، اس کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایمانیات کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں، خاص کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بتوں کو توڑنے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا واقعہ اس سورہ میں تفصیل سے آیا ہے، اسی طرح مچھلی کے حضرت یونس علیہ السلام کو نِگل جانے اور پھر ان کو زمین پر اُگل دینے، نیز مچھلی کے پیٹ میں آپ کے توبہ واستغفار کرنے کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۝۲ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكۡرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَرَبُّ الۡمَشَارِقِ ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ان فرشتوں کی قسم! جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، ۝۱ پھر ان فرشتوں کی جو ڈانٹ پھٹکار کرتے ہیں، ۝۲ پھر ان کی جو ذکر (یعنی قرآن اور آسمانی کتابوں) کی تلاوت کرتے ہیں، ۝۳ کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے، «۱» ۝۴ جو آسمانوں کا، زمین کا، ان کے درمیان کی چیزوں اور سورج نکلنے کی جگہوں کا پروردگار ہے۔ «۲» ۝۵

«۱» اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں، توحید کے مضمون کی تاکید کے لئے فرشتوں کی قسم کھائی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور اکابر مفسرین کی رائے ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۴۲) اور فرشتوں کے تین اوصاف بیان کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اللہ تعالیٰ کا ذکر، اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہوئے صف لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، جیسے غلام اپنے مالک کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، دوسرے: جو شیطان آسمان کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، تیسرے: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کیا کرتے ہیں، اگرچہ ان صفات کی تشریح اور طرح پر بھی کی گئی ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اِس کی اسی طور پر وضاحت کی ہے، (حوالۂ سابق) فرشتوں کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ وہ ایک عظیم مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوسکتی جس کی اللہ تعالیٰ قسم کھائیں، اسی لئے مخلوقات ہی میں سے جو بڑی مخلوقات ہیں، یا انسان کے لئے زیادہ فائدہ ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی قسم کھاتے ہیں اور فرشتوں کی قسم کھانے کے ساتھ ساتھ ان کی ان صفات کا بھی ذکر کر دیا گیا، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور اللہ کے احکام کو بجالاتے ہیں؛ تاکہ عربوں میں فرشتوں کے معبود ہونے کا جو خیال پایا جاتا تھا، وہ دور ہو جائے؛ اسی لئے اتنی تاکید کے بعد فرمایا گیا کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے —— عبادت تو الگ الگ بکھری حالت میں بھی کی جاسکتی تھی؛ لیکن فرشتے صف بنا کر اللہ کی بندگی کرتے ہیں اور انسانوں کو صف بستہ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا؛ اس میں اس بات کا سبق ہے کہ انسان جو بھی کام کرے، سلیقہ اور نظم وضبط کے ساتھ کرے۔

«۲» حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر دن سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ الگ الگ ہوتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۴۳) موجودہ سائنسی تحقیق بھی یہی ہے کہ سورج ہر دن ایک ہی جگہ سے نہیں نکلتا؛ بلکہ ہر دن اس کی جگہ بدلتی رہتی ہے، قرآن مجید میں مشرق اور مغرب، یعنی واحد کا صیغہ بھی استعمال کیا گیا ہے، یہ سمت اور رُخ کے اعتبار سے ہے، یعنی سورج کے نکلنے کی جگہ پورب کی طرف ہے، چاہے وہ پورب کے پھیلے ہوئے اُفق میں کہیں سے بھی نکلے، اور مشرقین ومغربین یعنی دو مشرق اور دو مغرب کا بھی ذکر آیا ہے، (الرحمٰن: ۱۷) اس سے مراد جاڑے کے مختصر دنوں کا مطلع اور گرما کے طویل دنوں کا مطلع ہے، یعنی بحیثیت مجموعی پورب کی ←

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۣالْكَوَاكِبِ ۙ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿٧﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ
إِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿٨﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿٩﴾ اِلَّا مَنْ
خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا
خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾

یقیناً ہم نے ہی آسمانِ دنیا کو ستاروں سے سجایا ہے، ﴿٦﴾ اور ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر رکھا ہے ﴿٧﴾ کہ وہ عالم بالا کی
طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے ان پر (انگارے) پھینکے جاتے ہیں؛ ﴿٨﴾ تاکہ (وہاں سے) ان کو مار
بھگایا جائے، ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے، ﴿٩﴾ مگر جو شیطان کچھ اُچک ہی لے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا
کرتا ہے، ﴿۱﴾ ﴿١٠﴾ اب اِن سے پوچھئے کہ اُن کا بنانا زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں؟ ہم نے ان کو
چپک جانے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿١١﴾

← ایک جانب سے سرما میں سورج نکلتا ہے اور ایک جانب سے گرما میں، غرض کہ مجموعی اعتبار سے پورے سال سورج نکلنے کی جو سمت ہے، یعنی پورب کی طرف اس کو واحد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور سرما و گرما میں سورج نکلنے کی سمت میں جو فرق ہوتا ہے اس کو دو مشرق اور دو مغرب سے تعبیر کیا گیا، اور ہر دن سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ میں جو فرق پایا جاتا ہے، اس کو جمع (مشارق) کے لفظ سے بیان کیا گیا۔

﴿۱﴾ یعنی آسمانِ دنیا پر جو ستارے نظر آتے ہیں، ان کا ایک فائدہ تو وہ ہے جو انسان کو نظر آتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے آسمان خوبصورت اور بھلا نظر آتا ہے اور آنکھوں کو بھاتا ہے؛ اسی لئے شعراء تاروں بھرے آسمانوں کے حسن کو بیان کرتے آئے ہیں، دوسرا فائدہ جو انسان کو نظر نہیں آتا، وہ یہ ہے کہ جب شیطان کو آسمان سے نکال دیا گیا تو وہ اور اس کی اولاد برابر اس بات کے لئے کوشاں رہتی ہے کہ آسمان میں پہنچ کر فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام جاری ہوتے ہیں، ان کو سن لیں اور آکر اپنے دوستوں کو بتائیں؛ تاکہ وہ اپنے لئے علم غیب کا دعویٰ کریں اور لوگوں کو دھوکہ دے سکیں، تو یہ ستارے شیطان کے آسمان تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتے ہیں اور ہر طرف سے ان کو دھکا دے کر بھگا دیا جاتا ہے، پھر بھی اگر ایک آدھ بچ بچا کر کسی طرح پہنچ جاتے ہیں اور کچھ سن گن حاصل کر لیتے ہیں تو ان پر دھکتے ہوئے شعلے پھینک دیئے جاتے ہیں، جن کو 'شہابِ ثاقب' کہا گیا ہے، موجودہ سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق مختلف سیاروں سے خارج ہونے والے مادی فضلات جو نہایت حرارت انگیز ہوتے ہیں، فضا میں گھومتے رہتے ہیں اور یہی بعض اوقات زمین کی طرف گرتے ہیں جو آگ کے شعلوں کی طرح نظر آتے ہیں، کبھی کبھی ان کی چٹانیں بہت بڑے حجم کی بھی ہوتی ہیں، یہاں تک تو سائنس نے تحقیق کر لی ہے؛ لیکن اس سے آگے کی بات ابھی سائنس دانوں کے احاطہ سے باہر ہے، ہوسکتا ہے کہ انسان کی کوتاہ عقل آئندہ اس کا ادراک کر لے، جس سے قرآن نے پردہ اُٹھایا ہے کہ یہ شہابِ ثاقب شیطان کی سرزنش کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔ ←

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ
اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ
يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ع ۲۱/۵
فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ربع
بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

حقیقت یہ ہے کہ تم کو تو (اللہ کی) قدرت پر تعجب ہو رہا ہے اور وہ مذاق اُڑا رہے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۱۳﴾ جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ہنسی اُڑاتے ہیں، ﴿۱۴﴾ اور کہنے لگتے ہیں: ''یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے، ﴿۱۵﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو پھر ہم زندہ کئے جائیں گے؟ ﴿۱۶﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (دوبارہ اُٹھائے جائیں گے؟)'' ﴿۱۷﴾ آپ کہہ دیجئے: ہاں، اور تم ذلیل بھی ہو گے، ﴿۱۸﴾ بس ایک سخت چیخ ہوگی کہ یکا یک وہ لوگ دیکھنے لگیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾ اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ تو وہی بدلہ کا دن ہے، ﴿۲۰﴾ یہ تو وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ﴿۲۱﴾ (فرشتوں کو حکم ہوگا:) ظالموں کو، اُن کے ساتھیوں کو اور اُن کے معبودوں کو، جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر پوجا کرتے تھے، جمع کرو، پھر ان کو دوزخ کے راستے کی طرف ہانک دو، ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ اور اُن کو کھڑا رکھو، اُن سے پوچھا جائے گا ﴿۲۴﴾ کہ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ ﴿۲۵﴾ بلکہ اس دن وہ سب کے سب سر جھکائے ہوئے ہوں گے، ﴿۲۶﴾ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال جواب کرنے لگیں گے۔ ﴿۲۷﴾

← ﴿۲﴾ یعنی حضرت آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا گیا، جو ابتدائی مرحلہ میں ایسی لیس دار تھی، جو کسی چیز سے چپک جاتی ہے، اس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ نے کیسی معمولی چیز سے کیسی اہم اور عظیم الشان مخلوق کو وجود بخشا ہے؟

﴿۱﴾ یعنی آپ کو تو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ ایسی واضح دلیلوں کے سامنے آجانے کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے اور ان کا حال یہ ہے کہ اس دلیل کو قبول کرنے کے بجائے وہ اُلٹے مذاق اُڑاتے ہیں۔

﴿۲﴾ اس سے دوسری بار کا صور پھونکنا مراد ہے، جب سب کے سب زندہ ہو اُٹھیں گے، نیز ''ایک چیخ'' کہہ کر اس جانب اشارہ ہے کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اتنے سارے لوگوں کو زندہ کرنے کے لئے بار بار صور پھونکنا پڑے گا؛ بلکہ ایک ہی بار صور کا پھونکنا کافی ہو جائے گا۔

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا
عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾
فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا
لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ
لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

کہیں گے: ’’تم ہی تو تھے جو (آخرت کے انکار پر) زور دیتے ہوئے ہمارے پاس آتے تھے، ﴿۲۸﴾ وہ جواب دیں
گے: (نہیں) بلکہ تم لوگ تو ایمان لانے والے تھے ہی نہیں، ﴿۲۹﴾ ہمارا تمہارے اوپر کوئی زور تو تھا نہیں؛ بلکہ تم لوگ
خود ہی سرکش تھے، ﴿۳۰﴾ پس ہم سبھوں پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوچکی ہے کہ یقیناً ہمیں (دوزخ کا) مزہ چکھنا
ہے، ﴿۳۱﴾ ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے‘‘ ﴿۳۲﴾ غرض کہ اُس دن وہ سب کے سب عذاب میں ایک
دوسرے کے ساتھ ہوں گے، ﴿۳۳﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾ ان کی حالت یہ تھی کہ جب ان
سے کہا جاتا تھا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے، ﴿۳۵﴾ اور کہتے تھے: کیا ہم ایک
دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ ﴿۳۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر دین برحق لے کر آئے ہیں، اور وہ
تمام پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتے ہیں، ﴿۳۷﴾ یقیناً تم کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا، ﴿۳۸﴾ اور تم کو تمہارے ہی
کرتوتوں کی سزا ملے گی، ﴿۳۹﴾ البتہ اللہ کے منتخب بندے (اس سے محفوظ رہیں گے) ﴿۴۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے
(اللہ کی طرف سے) طے شدہ رزق ہے، ﴿۴۱﴾ یعنی میوے، اور ان کو عزت دی جائے گی۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ یعنی دوزخ میں ان کو جو جسمانی تکلیف ہوگی، وہ تو ہوگی ہی، ساتھ ساتھ ذہنی اذیت سے بھی دوچار ہونا پڑے گا کہ شرک وکفر میں جو اُن کے مذہبی سردار تھے اور جو اُن کے ماننے والے تھے، دونوں کے درمیان نوک جھونک ہوتی رہے گی اور وہ تکلیف کے اس مرحلہ میں ایک دوسرے کی غمخواری ودل داری کرنے کی بجائے ایسی باتیں کہیں گے، جو ایک دوسرے کے لئے مزید تکلیف کا سبب ہوں گی۔

﴿۲﴾ یعنی جنت میں داخل کئے جانے والوں کو غذا تو ایک سے ایک ملے گی ہی، اس کے ساتھ ساتھ ان کا خوب اعزاز واکرام بھی کیا جائے گا، یعنی جسمانی راحت کے ساتھ ساتھ ذہنی وقلبی راحت کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۴﴾ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۴۵﴾ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ
لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ﴿۴۸﴾
كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ
كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿۵۱﴾ یَّقُوْلُ اَىِٕنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَدِیْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ
كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾

وہ نعمتوں سے بھر پور باغوں میں مسہریوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ اُن پر نفیس شراب کے جام کا دور
چلایا جائے گا، ﴿۴۵﴾ جو سفید ہوگی اور پینے والوں کو مزیدار معلوم ہوگی، ﴿۴۶﴾ نہ اس میں چکر آئے گی اور اور نہ پینے والے
اس سے بہکیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۴۷﴾ ان کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ﴿۴۸﴾
ایسی کہ جیسے چھپائے ہوئے موتی، ﴿۴۹﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو کریں گے، ﴿۵۰﴾ ان میں سے ایک
کہنے والا کہے گا: میرا ایک ساتھی تھا، ﴿۵۱﴾ وہ کہا کرتا تھا: کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو (قیامت قائم ہونے کا)
یقین رکھتے ہیں؟ ﴿۵۲﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو ہمیں سزا اور جزا دی جائے گی؟ ﴿۵۳﴾
وہ کہے گا: کیا تم لوگ جھانک کر دیکھو گے (کہ وہ کہاں ہیں؟) ﴿۵۴﴾ پھر جو جھانکے گا تو دیکھے گا کہ وہ دوزخ کے بیچوں
بیچ ہے، ﴿۵۵﴾ وہ بول پڑے گا: خدا کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا، ﴿۵۶﴾ اگر میرے رب کا کرم نہ ہوتا تو
میں بھی ان لوگوں میں سے ہوتا، جو (دوزخ میں) جمع کئے گئے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۵۷﴾

﴿۱﴾ اس کا ترجمہ بیماری اور دردِ سر وغیرہ سے بھی کیا گیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۵۳) مطلب یہ ہے کہ دنیا کی شرابوں میں جو لذت ہوتی ہے، جنت میں پی جانے والی شراب اس سے کہیں زیادہ لذیذ ہوگی؛ لیکن دنیا کی شراب میں جو خامیاں ہیں اور جو نقصان کے پہلو ہیں، جنت کی شراب اس سے محفوظ رہے گی۔

﴿۲﴾ یعنی اگر چہ کہ جنت بہت وسیع ہوگی اور اسی طرح دوزخ بھی بہت بڑی ہوگی؛ لیکن اس کے باوجود اہل جنت اہل دوزخ کو دیکھ سکیں گے اور ان سے گفتگو بھی کر پائیں گے، اس سے جنت میں رہنے والوں کی خوشی کا احساس اور بڑھ جائے گا اور دوزخ میں جانے والے کو اور زیادہ رنج وغم کا احساس ہوگا، رہ گئی یہ بات کہ اہل جنت کیسے اہل دوزخ کو دیکھ سکیں گے اور اس بڑے فاصلے کے باوجود کیسے ایک دوسرے سے گفتگو کر سکیں گے تو یہ بات کم سے کم اس دور میں قابل تعجب نہیں ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انٹرنیٹ کے ذریعہ ایک شخص ہزاروں میل کے فاصلہ پر موجود انسان سے گفتگو بھی کر سکتا ہے اور باہم ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتا ہے، عالم آخرت کا نظام تو دنیا سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہوگا تو اگر وہاں اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان گفتگو ہو اور وہ ایک دوسرے کو دیکھیں تو اس میں حیرت اور تامل کی کیا بات ہے؟

اَفَمَا نَحۡنُ بِمَيِّتِيۡنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوۡتَتَنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَوۡزُ
الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثۡلِ هٰذَا فَلۡيَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَةُ الزَّقُّوۡمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا
جَعَلۡنٰهَا فِتۡنَةً لِّلظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِىۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۴﴾ طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ
الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمٰلِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمۡ عَلَيۡهَا لَشَوۡبًا
مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِلَى الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَهُمۡ ضَآلِّيۡنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمۡ
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ يُهۡرَعُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۷۱﴾

کیا ایسا نہیں ہے کہ پہلی بار مرنے کے سوا اب ہم پر موت نہیں آئے گی اور نہ ہم پر عذاب ہوگا، ﴿۵۸﴾﴿۵۹﴾ یقیناً یہی
بڑی کامیابی ہے! ﴿۶۰﴾ ایسی کامیابی کے لئے تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے، ﴿۶۱﴾ یہ مہمان نوازی بہتر ہے
یا زقّوم کا درخت؟ ﴿۶۲﴾ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے امتحان کا ذریعہ بنادیا، ﴿۶۳﴾ وہ ایک ایسا درخت ہے جو
دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے، ﴿۶۴﴾ اس کے خوشے شیطانوں کے سر کی طرح ہوں گے، ﴿۶۵﴾ وہ لوگ اسی میں سے کھائیں
گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے، ﴿۱﴾ ﴿۶۶﴾ پھر اِس (کھانے) کے ساتھ اُن کو گرم پانی ملا کر دیا جائے گا، ﴿۶۷﴾ اس کے بعد
بھی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہوگا، ﴿۲﴾ ﴿۶۸﴾ ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا؛ ﴿۶۹﴾ چنانچہ ان ہی کے نقشِ قدم
پر دوڑتے رہے، ﴿۷۰﴾ اُن سے پہلے کے بھی اکثر لوگ گمراہ ہی رہے۔ ﴿۷۱﴾

﴿۱﴾ زقوم سے کونسا درخت مراد ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان مختلف رائیں ہیں، ایک رائے ہے کہ دنیا میں بھی یہ درخت پایا جاتا ہے؛ چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ تہامہ کے علاقے میں کڑوے کسیلے مزہ کا یہ درخت ہوتا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۸) اُردو ترجمہ کرنے والوں نے بھی اس کے مختلف معانی ذکر کئے ہیں، بعضوں نے تھوہر، بعضوں نے ناگ پھن اور بعضوں نے سیہنڈ؛ لیکن یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک خاص درخت ہے جو جہنم میں ہوگا، جیسے دنیا میں پانی کی ٹھنڈک سے درخت بڑھتے ہیں، اسی طرح وہاں آگ کی لپیٹ سے اس درخت کی نشوونما ہوگی، اسی لئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو امتحان کا ذریعہ بنادیا ہے، قریش مکہ اس بات پر ہنستے تھے کہ آگ تو درخت کو جلادیتا ہے؛ لیکن محمد ﷺ پر اُترنے والی کتاب کہتی ہے کہ آگ سے درخت پیدا ہوگا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۸)

﴿۲﴾ غرض کہ دوزخ میں اہل دوزخ کو حیوانات اور جمادات کے ذریعہ تو تکلیف پہنچائی ہی جائے گی، ساتھ ہی ساتھ وہاں کی مخصوص نباتات کے ذریعہ بھی ان کی تکلیف میں اضافہ کیا جائے گا، بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ زقوم کھلانے اور گرم پانی پلانے کے لئے اہل دوزخ کو آگ کے حصے سے کسی قدر الگ کیا جائے گا اور یہ پھر عذاب کی اصل جگہ پر واپس لے آئے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۵۹) یعنی ایسا نہیں ہے کہ تکلیف دِہ عذاب کے سخت مرحلہ سے گذرنے کے بعد عذاب کو کچھ ہلکا کردیا جائے گا؛ بلکہ اس کے بعد بھی ان پر پہلے ہی کی طرح عذاب جاری رہے گا۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِیۡهِمۡ مُّنۡذِرِیۡنَ ﴿۷۲﴾ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدۡ نَادٰىنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِیۡبُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّیۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ
الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلۡنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِیۡنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَیۡهِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی
الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا
الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِیۡمَ ﴿۸۳﴾ اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿۸۴﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ
وَقَوۡمِهٖ مَاذَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفۡكًا اٰلِهَةً دُوۡنَ اللّٰهِ تُرِیۡدُوۡنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۷﴾

ع ۲ ۵۳ ۶ — وقف لازم

حالاں کہ ہم نے ان میں خبردار کرنے والوں کو بھیجا تھا، ﴿۷۲﴾ تو اب دیکھ لو کہ اُن لوگوں کا انجام کیسا ہوا جن کو باخبر کیا جاچکا تھا (اور انھوں نے پیغمبروں کی دعوت قبول نہیں کی)؟ ﴿۷۳﴾ سوائے اللہ کے خاص بندوں کے (جو ایمان لے آئے کہ وہ اس عذاب سے محفوظ رہے) ﴿۷۴﴾ اور نوح نے ہم سے فریاد کی تو ہم کیا ہی خوب فریاد سننے والے ہیں، ﴿۷۵﴾ ہم نے نوح اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے بچالیا، ﴿۷۶﴾ اور ہم نے اُسی کی اولاد کو باقی رکھا، ﴿۷۷﴾ نیز بعد میں آنے والوں میں اس کے ذکر خیر کو بھی باقی رکھا، ﴿۷۸﴾ سلام ہو نوح پر ساری دنیا والوں میں! ﴿۷۹﴾ اسی طرح ہم اچھے عمل کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۸۰﴾ یقیناً نوح ہمارے مومن بندوں میں تھے، ﴿۸۱﴾ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا، «۱» ﴿۸۲﴾ اور نوح ہی کے راستہ پر چلنے والوں میں ابراہیم بھی تھے، ﴿۸۳﴾ جب وہ پاک دل کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے، ﴿۸۴﴾ جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿۸۵﴾ کیا تم اللہ کے سوا من گھڑت معبودوں کو چاہتے ہوں؟ ﴿۸۶﴾ تم نے تمام جہان کے رب کے بارے میں کیا گمان کر رکھا ہے؟ ﴿۸۷﴾

«۱» حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ میں آپ کی اولاد کو باقی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد دنیا میں انسانوں کی جو نسل باقی رہ گئی، وہ سب حضرت نوح علیہ السلام ہی کی نسل ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے تین صاحبزادے ہیں: 'سام، حام اور یافث' سام کی نسل سے عرب، اہل ایران، روم اور بنی اسرائیل ہیں، حام کی نسل سے ہندوستان، حبش اور سیاہ فام لوگ ہیں، اور یافث کی نسل سے تُرک اور دوسرے لوگ ہیں، ان ہی کی نسل سے یاجوج و ماجوج بھی ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب طوفان نوح ختم ہوجانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پہاڑ پر آ لگی تو سوائے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور ان کے گھر کی عورتوں کے سبھوں کا انتقال ہوگیا اور پھر ان ہی سے دوبارہ نسل انسانی کا سلسلہ چلا، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۶۰) —— حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر خیر کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح زمین پر باقی رکھا کہ نہ صرف یہود و نصاریٰ اور مسلمان؛ بلکہ بعض مشرک قومیں بھی حضرت نوح علیہ السلام کو ایک برگزیدہ شخصیت تسلیم کرتے آئے ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بندے اللہ کے یہاں مقبول ہوتے ہیں، اللہ دنیا میں بھی ان کو اچھے لوگوں کے درمیان عزت عطا فرماتے ہیں۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ
فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ
يَزِفُّونَ ﴿٩٤﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٩٥﴾

پھر انھوں نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی، ﴿٨٨﴾ اور کہا: میں تو بیمار ہوں، ﴿٨٩﴾ چنانچہ وہ لوگ ان کو چھوڑ کر واپس ہو گئے، ﴿١﴾ ﴿٩٠﴾
اب ابراہیم اُن کے معبودوں (یعنی بتوں) میں گھس گئے اور کہنے لگے: کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ ﴿٩١﴾ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم
بولتے بھی نہیں ہو؟ ﴿٩٢﴾ پھر اُن کو دائیں ہاتھ سے مارنا شروع کر دیا، ﴿٩٣﴾ تو لوگ دوڑتے ہوئے اُن کی طرف آئے، ﴿٩٤﴾
ابراہیم نے کہا: کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود ہی تراشتے ہو؟ ﴿٩٥﴾

﴿١﴾ یعنی خاص تہوار کے موقع پر لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعوت دی یا بعض روایات کے مطابق بادشاہ کی طرف سے ان کو دعوت پہنچی کہ وہ کل منعقد ہونے والے تہوار کے میلے میں شریک ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے میلے میں شریک ہونے سے گریز کیا اوراس کے لئے ایک خاص تدبیر اختیار کی؛ تاکہ لوگ ان کے چلنے پر اصرار نہ کریں، اس سلسلے میں قرآن مجید کا یہاں جو بیان ہے، اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پر ایک نظر ڈالی، اس سلسلے میں یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ جب آدمی کسی تفکر میں مبتلا ہوتا ہے تو عام طور پر وہ کسی چیز کو گھور کر اور ٹکٹکی لگا کر دیکھتا ہے، خاص کر رات کے اندھیرے میں چمکتے ہوئے ستاروں پر اس کی نظر ٹھہر جاتی ہے، گویا اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دیر کے لئے فکر مند ہو گئے کہ اس دعوت کو کس طور پر ٹالا جائے؟ آخر ان کو ایک تدبیر سمجھ میں آئی اور وہ یہ کہ آپ نے فرمایا: میں بیمار ہوں، بیماری ظاہر کی بھی ہوتی ہے اور باطن کی بھی، جسم کی بھی ہوتی ہے اور دل کی بھی، پیغمبر جس کی زندگی کا مشن اللہ کی توحید کی طرف بلانا ہوتا ہے، وہ جب مشرکانہ افعال کو اور اس پر لوگوں کے اصرار کو دیکھتا ہے تو اسے بے حد رنج پہنچتا ہے اور اس کا دل دُکھی ہو جاتا ہے، اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تو بیمار ہوں، بیمار ہونے سے آپ کی مراد وہ تکلیف تھی، جو مشرکین کے طرز عمل کو دیکھ کر ہو رہی تھی، لوگوں نے اسے جسمانی بیماری خیال کیا اور اس وجہ سے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا، اس کو عربی زبان میں 'توریہ' کہتے ہیں، یعنی کسی بات کے ظاہری مفہوم سے ہٹ کر کوئی اور مفہوم مراد لینا کہ سننے والا اس کا الگ مطلب سمجھے اور کہنے والے کو جھوٹ بولنے کی نوبت نہ آئے —— چوں کہ یہ بات مخاطب کی سمجھ کے لحاظ سے جھوٹ نظر آتی ہے، اسی لئے حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو کذب یعنی جھوٹ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، (بخاری، کتاب الأنبیاء، حدیث نمبر: ٣١٧٩) —— اس واقعہ سے دو شرعی مسائل بھی معلوم ہو گئے، ایک یہ کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شریک ہونا جائز نہیں، دوسرے: ظلم سے بچنے کے لئے یا کسی اور جائز مصلحت کے تحت توریہ کیا جا سکتا ہے کہ اس انداز پر کوئی بات کہی جائے کہ سننے والا غلط فہمی میں پڑ جائے اور کہنے والے کو جھوٹ بولنے کی نوبت نہ آئے، یہ تو بہتر طریقہ ہے؛ لیکن ظلم سے بچنے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے خود جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے۔ (مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الکذب، حدیث نمبر: ٢٦٠٥)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝۹۷ فَاَرَادُوْا بِهٖ
كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝۹۸ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝۹۹ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۰ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝۱۰۱ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي
الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝۱۰۳ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝۱۰۴ قَدْ صَدَّقْتَ
الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۰۵ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝۱۰۶ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ
عَظِيْمٍ ۝۱۰۷ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۰۸ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ۝۱۰۹ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۱۰
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۱ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۲

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور جو کچھ تم بناتے، ہو اس کو پیدا فرمایا ہے، ۝۹۶ وہ لوگ کہنے لگے: ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ (جس میں آگ دہکائی جائے) پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں ڈال دو ۝۹۷ غرض کہ اُن لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ چال چلنی چاہی تو ہم نے اُن ہی کو نیچا کر دیا، ۝۹۸ اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، وہ مجھ کو (ضرور) راستہ دِکھائے گا، ﴿۱﴾ ۝۹۹ اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما، ۝۱۰۰ چنانچہ ہم نے اس کو ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی، ۝۱۰۱ پھر جب وہ ابراہیم کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: آپ کو جو حکم ہوا ہے، اُسے کر گزریئے، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، ۝۱۰۲ چنانچہ جب دونوں نے (حکم الٰہی کے سامنے) سر جھکا دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بَل لٹا دیا، ۝۱۰۳ تو ہم نے اس کو آواز دی: اے ابراہیم! ۝۱۰۴ یقیناً تم نے خواب کو سچا کر دِکھایا، ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ۝۱۰۵ حقیقت میں یہ بڑا امتحان تھا، ۝۱۰۶ ہم نے ایک بڑا ذبح کیا ہوا جانور اس کے فدیہ میں دیا، ۝۱۰۷ اور ہم نے اُن کا ذِکر خیر بعد کو آنے والوں میں باقی رکھا، ۝۱۰۸ سلام ہو ابراہیم پر! ۝۱۰۹ اِسی طرح ہم نیک بندوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ۝۱۱۰ یقیناً ابراہیم ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، ۝۱۱۱ نیز ہم نے ان کو اسحاق کی بھی خوشخبری دی، جو نبی ہوگا اور نیک بندوں میں سے ہوگا۔ ۝۱۱۲

﴿۱﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ سورۂ انبیاء: ۵۱-۷۰ میں گذر چکا ہے۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ ع ۳/۷

اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان دونوں کی نسل میں سے بعض نیک لوگ بھی ہیں اور بعض وہ بھی ہیں جو صریحاً اپنا نقصان کررہے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۱۳﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔ ﴿۱۱۴﴾

﴿۱﴾ ان آیات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ایک اہم واقعہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد نہیں تھی، یہاں تک کہ تورات کی روایت کے مطابق جب آپ کی عمر ۸۶ سال کی ہوگئی، تب آپ کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، (پیدائش: ۱۶: ۱، ۴، ۱۰، ۱۶) اور جب عمر مبارک ۱۰۰ سال کی ہوگئی تو حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، (پیدائش: ۲۱: ۵) چنانچہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے اور اچھی طرح چلنے پھرنے دوڑنے بھاگنے لگے، جس کو بعض مفسرین نے ۷ سال اور بعض مفسرین نے ۱۳ سال قرار دیا ہے، (التفسیر المنیر: ۲۳ / ۱۱۸) تو اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بڑا امتحان لینا منظور ہوا اور وہ اس طرح کہ آپ خواب میں تین دنوں تک دیکھتے رہے کہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کررہے ہیں، پیغمبر کا خواب بھی اللہ تعالیٰ کی وحی کے حکم میں ہوتا ہے؛ اس لئے آپ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی آزمائش مقصود ہے؛ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس عمل کو کرگزرنے کا پختہ ارادہ کرلیا؛ لیکن آپ نے سوچا کہ چوں کہ قربانی کا یہ عمل حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ہوگا، اس لئے ان کو بھی اعتماد میں لے لیا جائے، اگر ان کی آمادگی ہوگی تو بظاہر اس تکلیف دہ عمل کو انجام دینا آسان ہوجائے گا؛ اس لئے آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنا یہ خواب سنایا، حضرت اسماعیل علیہ السلام عرض کرسکتے تھے کہ آپ نے محض یہ خواب ہی تو دیکھا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی تعبیر کچھ اور ہو؛ لیکن آخر وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے، انھوں نے بلا تأمل اپنے والد سے عرض کردیا کہ آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اسے کرگزریئے، آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، اب آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام منیٰ کی طرف لے گئے، اس موقع پر شیطان نے مختلف مرحلوں پر آپ کو بہکانے کی کوشش کی، حج کے دوران جو جمرات پر کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہ اسی کی یادگار ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی اور آپ نے اس پر کنکری پھینک کر اپنی بیزاری کا اظہار فرمایا، بالآخر آپ اس مقام پر پہنچ گئے، جہاں آپ اپنے صاحبزادے کی قربانی دینا چاہتے تھے اور جو اس وقت حجاج کی قربان گاہ ہے، یہ منظر کتنا عجیب رہا ہوگا کہ ایک بوڑھا باپ اپنے اکلوتے قریب البلوغ بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کے لئے لے جارہا ہے، اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیٹے کا چہرہ دیکھ کر باپ پر محبت کا غلبہ ہوجائے، یا چھری دیکھ کر بیٹا گھبرا جائے، اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مشورہ پر آپ نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور انھیں کروٹ کے بل یا اوندھے منھ لٹا دیا اور چھری پھیرنے لگے، اللہ تعالیٰ کا مقصود حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی نہیں تھی؛ بلکہ دونوں باپ بیٹے کا امتحان تھا اور اس امتحان میں وہ پورے اُتر چکے تھے؛ اس لئے ندائے الٰہی آئی کہ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک سفید ←

← بڑی سینگوں اور بڑی آنکھوں والا صحت مند اور خوبصورت مینڈھا لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام موجود ہیں؛ چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے اس مینڈھے کی قربانی فرمائی اور اس امتحان میں بھی پورے اُترے۔ (خلاصہ از: تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۹)

یہودیوں کا مزاج یہ رہا ہے کہ کوئی بھی فضیلت جو بنی اسماعیل یعنی عربوں کے حصہ میں آئی ہو، وہ ان کو بڑی ناگوار ہوتی ہے اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اسے بنی اسرائیل کے کھاتے میں ڈال دیں؛ چنانچہ اس معاملے میں بھی انھوں نے اسی کی کوشش کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن صاحبزادے کو ذبح کیا تھا، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت کعب احبار رحمہ اللہ جو صحابہ کے عہد میں ایمان لائے اور جو ایک بڑے یہودی عالم تھے، انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں کثرت سے تورات کی روایتیں نقل کی ہیں؛ چنانچہ ان کے ذریعہ تورات کی یہ بات مسلمانوں میں پہنچی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن صاحبزادے کی قربانی کی، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور صحابہ اور تابعین میں سے بھی بعض اہل علم نے اس کو قبول کرلیا، مگر یہ غلط ہے اور صحیح یہی ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کی گئی، قرآن مجید میں بھی اس کا واضح اشارہ موجود ہے، حدیث میں بھی اس کی صراحت ہے اور تورات کی روایت کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو اس سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات فرمائی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کی، اسی وقت آپ نے اولاد کی دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دی جو بردبار ہوگا، پھر اس کے بعد فرمایا گیا کہ جب وہ دوڑنے بھاگنے کی عمر کو پہنچا تو ان کو ذبح کرنے کا حکم ربانی ہوا، ظاہر ہے کہ ہجرت کرنے کے بعد جو آپ کو پہلے صاحبزادے ہوئے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام، اس سے وہی مراد ہوسکتے ہیں، اور خاص طور پر ان کی صفت حلم و بردباری بیان کی گئی ہے تو اس سے بڑی بردباری کیا ہوگی کہ انھوں نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کردیا، دوسرے: قربانی کے اس قصے کے مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں خوشخبری کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ان پر ہم نے برکتیں دی ہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ جن کی قربانی کی گئی، وہ حضرت اسحاق نہیں تھے؛ بلکہ آپ کے کوئی اور صاحبزادے تھے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام، تیسرے: اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری کا ذکر کیا ہے، وہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد ان کی نسل سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا ہے: ''فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ'' (ہود: ۷۱) اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام زندہ رہیں گے اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش ہوگی تو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری پہلے سے موجود تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا جارہا ہے؛ کیوں کہ اس عمر میں جب کہ ابھی چلنے پھرنے کے لائق ہی ہوئے ہیں، اگر ان کو ذبح کردیا جاتا تو وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد کیسے بنتے؟ غرض کہ قرآن مجید کے واضح اشارات موجود ہیں، جو بتاتے ہیں کہ اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں، حدیثیں اس سلسلہ میں اور زیادہ واضح ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انا ابن الذبیحتین'' کہ میں ایسے دو شخص کا بیٹا ہوں، جن کو اللہ کی رضا کے لئے ذبح کیا گیا، ایک: حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کرنے کی کوشش کی، دوسرے: آپ کے والد ماجد عبد اللہ، ان کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر زمزم کا بند پڑا ہوا کنواں کھل جائے تو ہم اپنے ایک بیٹے کی قربانی کریں گے، یا بعض روایتوں کے مطابق اگر مجھے دس بیٹے ہوجائیں تو میں ایک کو اللہ کے نام پر قربان کردوں گا، جب یہ نذر پوری ہوگئی تو ←

← حضرت عبد المطلب نے قرعہ ڈالا اور قرعہ میں حضرت عبد اللہ کا نام نکلا، پھر جب انھوں نے حضرت عبد اللہ کی قربانی کا ارادہ کیا تو لوگوں کے بہت روکنے پر اس سے باز آئے اور سو اونٹ کے ذریعہ فدیہ ادا کیا، مستدرک حاکم اور سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، (الخصائص الکبریٰ للسیوطی: ۱/۷۷، مستدرک حاکم، کتاب تواریخ المتقدمین، حدیث نمبر: ۴۰۴۸، وکتاب معرفۃ الصحابۃ، حدیث نمبر: ۶۰۴۳) اس حدیث میں بالکل واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن صاحبزادے کو ذبح کرنے کی کوشش کی گئی، وہ آپ کے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، پھر حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قربانی کا یہ واقعہ مکہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا؛ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کبھی مکہ کی طرف آئے ہوں، ان کا قیام ہمیشہ شام میں رہا، تفسیری روایتوں میں یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ اس مینڈھے کی دونوں سینگیں کعبۃ اللہ سے لٹکی ہوئی تھیں، یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب حجاج نے حملہ کیا اور کعبۃ اللہ نذر آتش ہو گیا، اس وقت یہ دونوں سینگیں بھی جل گئیں۔ (تفسیر بغوی: ۳/۲۶۶)

تورات میں اگرچہ یہی کہا گیا ہے کہ جن صاحبزادے کی قربانی دی گئی، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے؛ لیکن خود اس کی روایت میں ایک ایسا قرینہ موجود ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام وہ شخصیت نہیں تھے، جن کی قربانی کی گئی؛ اس لئے کہ دو مواقع پر تورات میں قربانی کے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ''اکلوتے بیٹے'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، (پیدائش: ۲۲، ۲۰۱، باب: ۲۲: ۱۵، ۱۶) اور حضرت اسحاق علیہ السلام کبھی اکلوتے بیٹے رہے ہی نہیں؛ کیوں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی تھے؛ البتہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ سال کے تھے، تب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اس لئے ظاہر ہے کہ اکلوتے بیٹے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں اور یہودیوں نے تحریف کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام لکھ دیا ہے، بائبل میں اس طرح کی تحریفات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب وحی کا سلسلہ جاری ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض احکام اس طور پر بھی دیئے جاتے تھے کہ اس کا مقصد حکم کی تعمیل نہ ہوتی تھی، امتحان لینا مقصود ہوتا تھا؛ لیکن اب جب کہ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو شریعت میں جتنے احکام ہیں، وہ سب مکمل طور پر عمل آوری کے لئے ہیں، ان کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ یہ حکم کسی اور مقصد کے لئے ہے، عمل کرنا ضروری نہیں ہے، دوسرے: ایک قابل ذکر مسئلہ اولاد کی قربانی کی نذر ماننے کا ہے، قدیم زمانے سے اپنے اپنے تصور کے مطابق مختلف قوموں میں انسانی قربانی کا رواج رہا ہے، اب بھی بعض مشرک اور توہم پرست قوموں کے یہاں اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں، فقہاء اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اولاً تو اولاد کی قربانی کی نذر ماننی ہی نہیں چاہئے کہ یہ گناہ ہے؛ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی ایسی نذر مان لے تو اس کو استغفار کرنی چاہئے، (احکام القرآن لابن العربی: ۴/۳۳) احناف میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ایسی نذر سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی؛ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس طرح کی نذر مان لے تو اس پر ایک بکرے کی قربانی واجب ہے، (احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۶۴) یہی رائے مالکیہ اور اکثر فقہاء کی ہے، (احکام القرآن لابن العربی: ۴/۳۳) —— اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مینڈھے یا بکرے کی قربانی کرنا بمقابلہ اونٹ یا گائے وغیرہ میں حصہ لینے کے افضل ہے۔ (المحیط البرہانی: ۶/۹۳)

اللہ تعالیٰ نے اخیر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنی برکتوں سے نوازنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ←

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾
وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي
الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾

ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات عطا کی ﴿۱﴾ ﴿۱۱۵﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی؛ چنانچہ یہی غالب ہو کر رہے، ﴿۱۱۶﴾ نیز ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب عطا فرمائی، ﴿۱۱۷﴾ ان کو سیدھے راستے کی رہنمائی کی، ﴿۱۱۸﴾ اور بعد کو آنے والوں میں اُن کا ذکر خیر باقی رکھا، ﴿۲﴾ ﴿۱۱۹﴾ سلامتی ہو موسیٰ اور ہارون پر! ﴿۱۲۰﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ عطا کرتے ہیں، ﴿۱۲۱﴾ یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۱۲۲﴾ اور بے شک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۱۲۳﴾ جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۲۴﴾ کیا تم بعل (نامی بُت) کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑے بیٹھے ہو؟ ﴿۱۲۵﴾ یعنی اللہ کو، جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ داداؤں کا بھی، ﴿۱۲۶﴾ تو اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلا دیا، تو یقیناً وہ لوگ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے، ﴿۱۲۷﴾ سوائے اللہ کے منتخب بندوں کے، (کہ وہ دوزخ سے محفوظ رہیں گے) ﴿۱۲۸﴾ اور ہم نے بعد کے لوگوں میں اُن کا ذکر خیر باقی رکھا۔ ﴿۱۲۹﴾

← ان کی نسل میں نیک لوگ بھی ہیں اور بُرے لوگ بھی، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ صرف پیغمبر یا اللہ کے نیک بندوں کی نسل میں سے ہونے کی وجہ سے کسی شخص کی نجات نہیں ہو جائے گی، جب تک کہ خود اس کا عمل بہتر نہ ہوگا۔

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ وحضرت ہارون کا واقعہ سورۂ اعراف: ۱۰۳-۱۷۱ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ قرآن مجید نے مختلف انبیاء کے تذکرہ کے بعد یہ بات کہی ہے کہ ہم نے بعد میں آنے والوں کے درمیان ان کے ذکر خیر کو باقی رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے کہ کسی شخص کے گذر جانے کے بعد لوگ اس کو بہتر الفاظ میں یاد کریں اور خیر و بھلائی کے ساتھ اس کا ذکر جاری رہے، عام طور پر دین اور علم دین کے خدمت گزاروں کو اللہ کی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے، صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء، مفسرین اور مشائخ وصوفیاء کا نام آج بھی کتنی عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے، کتنی ہی کتابیں ہیں جو ان کے حالات اور محاسن پر لکھی گئی ہیں، اور کتنے ادارے ہیں جو ان کے ناموں کی نسبتوں سے قائم کئے گئے ہیں، کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی اللہ کا کوئی انعام ہو سکتا ہے؟

سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾
وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ
دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ ع ۴ ۸
وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ
الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ
النصف فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

سلام ہو الیاس پر!﴿۱﴾ ﴿۱۳۰﴾ اِسی طرح ہم نیک عمل کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۱۳۱﴾ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، ﴿۱۳۲﴾ اور اس میں شک نہیں کہ لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۱۳۳﴾ وہ وقت یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب ہم نے لوط کو اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات عطا فرمائی، ﴿۱۳۴﴾ سوائے ایک بڑھیا کے، جو رہ جانے والوں میں تھی، ﴿۱۳۵﴾ پھر دوسروں کو ہم نے ہلاک کر ڈالا، ﴿۱۳۶﴾ اور تم تو ان پر صبح کو اور رات کو گزرا کرتے ہو، تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟﴿۲﴾ ﴿۱۳۷﴾ ﴿۱۳۸﴾ اور بے شک یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۱۳۹﴾ اس وقت کو یاد کرو جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر آئے، ﴿۱۴۰﴾ پس قرعہ ڈالا تو یونس ہی ملزم ٹھہرے، ﴿۱۴۱﴾ چنانچہ مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے، ﴿۱۴۲﴾ تو اگر یونس تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، ﴿۱۴۳﴾ تو قیامت کے دن تک مچھلی ہی کے پیٹ میں رہتے۔ ﴿۱۴۴﴾

﴿۱﴾ الیاسین سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں قرآن مجید میں دو مقام پر حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، ایک یہاں اور ایک سورۂ انعام میں (آیت نمبر: ۸۵)، بائبل میں آپ کا تذکرہ 'ایلیاہ' کے نام سے آیا ہے اور ان کا جو نسب ذکر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں، اسرائیل کا ایک بادشاہ 'احاب' (Ahab) کے نام سے گذرا ہے، جس کا زمانہ ۸۵۳ قبل مسیح ہے، اس بادشاہ کی ایک غیر اسرائیلی بیوی جو کسی مشرک قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، اپنے ساتھ بعل نامی بُت لے کر آئی اور شاہی محل میں اس کی پوجا ہونے لگی، جب کوئی کام بادشاہ کی طرف سے ہونے لگتا ہے تو وہ عوام میں بھی قبول عام حاصل کر لیتا ہے؛ چنانچہ اسرائیلی قوم میں بھی 'بعل' نامی بُت کی پوجا ہونے لگی، تورات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، (قاضیوں: ۲: ۱۳) حضرت الیاس علیہ السلام کے زمانے میں فلسطین کے علاقہ 'سامرہ' میں بعل پرستی اپنے عروج پر تھی، یہیں حضرت الیاس علیہ السلام نے دعوتی کوششیں فرمائیں، قوم نے اسے قبول نہیں کیا، (خلاصہ از: تفسیر ماجدی: ۶/۴۰) آیت میں ''إلیاسین'' سے یا تو حضرت الیاس علیہ السلام مراد ہے یا یہ لفظ آل یاسین ہے، حضرت الیاس علیہ السلام کے والد کا نام یاسین تھا تو اب معنی ہو گیا کہ یاسین کی اولاد پر سلامتی ہو، اس لحاظ سے اس میں حضرت الیاس علیہ السلام بھی شامل ہیں اور وہ لوگ بھی جو آپ پر ایمان لائے۔ (مفاتیح الغیب: ۱۳/۲۶۱)

﴿۲﴾ قومِ لوط کا واقعہ سورۂ اعراف: ۸۰-۸۴ میں گذر چکا ہے۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

پھر ہم نے اُن کو ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا، وہ اس وقت بیمار تھے، ﴿۱۴۵﴾ اور ہم نے ان پر بیل دار درخت بھی اُگا دیا، ﴿۱۴۶﴾ اور ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا؛ ﴿۱۴۷﴾ چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے اُن کو ایک زمانہ تک عیش و آرام کا موقع دیا۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۴۸﴾

﴿۲﴾ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ سورۂ انبیاء، آیت نمبر: ۸۷، ۸۸ کے تحت گزر چکا ہے، یہاں جو بات فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایمان کی طرف دعوت دی؛ لیکن قوم نے سن کر نہیں دیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کو عذاب کے آنے کی خبر سنائی، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آیا تو پیغمبر اور ان کے متبعین کو اس آبادی سے باہر نکال لیا جاتا ہے؛ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کا انتظار کئے بغیر گذشتہ انبیاء کے واقعات پر قیاس کر کے باہر نکل پڑے اور چوں کہ یہ قوم دریائے دجلہ سے قریب آباد تھی؛ اس لئے کشتی کا سفر اختیار کیا، ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ سخت طوفان آیا اور کشتی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا، لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہوجاتا ہے، تبھی ایسا واقعہ پیش آتا ہے؛ چنانچہ ملاح نے کہا کہ شاید اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام اس کشتی میں سوار ہے، حضرت یونس علیہ السلام کے دل میں فوراً یہ بات آئی کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں؛ کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے بغیر اپنی قوم کے درمیان سے نکل آیا؛ چنانچہ ان کو سمندر میں ڈال دیا گیا، اِدھر طوفان تھم گیا اور اُدھر ایک بڑی مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف حضرت یونس کی تنبیہ مقصود تھی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو غذا سمجھ کر کھا نہ لے؛ بلکہ ان کو ایک امانت سمجھ کر اپنے پیٹ میں محفوظ رکھے، موجودہ دور میں وھیل اور بعض ایسی مچھلیاں ہیں، جو پورے انسان اور انسان سے بھی بڑے جانوروں کو سالم نگل جاتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ اسی قسم کی کوئی مچھلی ہو، اس حالت میں بھی حضرت یونس علیہ السلام نہ صرف زندہ تھے؛ بلکہ آپ کے ہوش و حواس بھی قائم تھے؛ اسی حال میں آپ نے تسبیح پڑھنا اور اللہ سے دُعا مانگنا شروع کردیا، اور وہ دُعا تھی: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' (الانبیاء: ۸۷) چنانچہ اللہ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا کے کنارے ایک ایسی جگہ اُگل دیا، جو چٹیل میدان تھا، نہ اس میں درخت تھا نہ پودا نہ عمارت، اور خود حضرت یونس علیہ السلام ایسے کمزور تھے جیسے بچہ اپنی پیدائش کے وقت ہوتا ہے، بعض روایتوں کے مطابق اس وقت آپ کا جسم ایک پرندہ کی طرح بے حد نرم تھا اور جسم پر بال تک نہیں تھے، بہت ہی کمزور و نحیف، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آپ پر ایک بیل دار پودا اُگا دیا، شاید اس لئے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو صحت بخش فطری ہوا حاصل ہو اور مکھی وغیرہ سے بھی آپ کی حفاظت ہو، جب آپ صحت یاب ہوئے تو حکم ہوا کہ آپ اپنی قوم کی طرف واپس جائیں، آپ کی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی، تورات میں ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی گئی ہے؛ چنانچہ ان حضرات نے آپ کا ←

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا
بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ
اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

(اے رسول!) آپ ان لوگوں سے پوچھئے: کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ ﴿۱۴۹﴾ یا کیا ہم نے فرشتوں کو عورت ذات بنایا اور وہ (اُس وقت) موجود تھے؟ ﴿۱۵۰﴾ آگاہ ہو جاؤ، یہ لوگ اپنے گھڑے ہوئے جھوٹ بکتے ہیں، ﴿۱۵۱﴾ کہ اللہ کو اولاد ہے، اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں، ﴿۱۵۲﴾ کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے؟ ﴿۱۵۳﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے حکم لگا رہے ہو؟ ﴿۱۵۴﴾ کیا تم غور نہیں کرتے؟؟ ﴿۱۵۵﴾ یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے؟ ﴿۱۵۶﴾ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو! ﴿۱۵۷﴾ اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری کا دعویٰ کیا ہے؛ حالاں کہ جنات کو معلوم ہے کہ وہ بھی پکڑے جائیں گے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۵۸﴾

← استقبال کیا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے، تورات کے صحیفہ ''لوقاہ'' میں تفصیل سے حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، (خلاصہ از: قصص القرآن: ۲/۱۹۷، تفسیر ماجدی: ۶/۴۱، التفسیر المنیر: ۲۳/۱۳۸) —— اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اخیر میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ ہم نے انھیں ایک عرصہ تک عیش و آرام کا موقع دیا، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لے آئے؛ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے پرانے مزاج پر آ گئے، شرک و کفر میں مبتلا ہو گئے اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیئے گئے، یہی وجہ ہے کہ آج اس قوم کا یہاں تک کہ اس کے مرکزی شہر نینوا کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔

﴿۱﴾ قرآن مجید میں اس بات کا بار بار ذکر آیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے یا جنوں کو خدا کا رشتہ دار اور اللہ تعالیٰ کے اُمور میں شریک خیال کیا کرتے تھے، یہ مرض تقریباً ہر بُت پرست قوم میں رہا ہے کہ وہ مختلف نر و مادہ مورتیاں بنایا کرتے ہیں اور اس کو دیوی، دیوتا یا کسی دیوتا کی بیوی وغیرہ قرار دیتے ہیں، ہندوستان میں بھی بُت پرست قوموں کی یہی صورت حال ہے، اس پر کوئی عقلی دلیل تو ہو ہی نہیں سکتی؛ لیکن جو مذہبی کتابیں دنیا میں موجود ہیں، بہت سی ملاوٹوں کے باوجود ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے، کوئی اور اللہ کے ساتھ شریک نہیں؛ اس لئے فرمایا گیا کہ کسی مستند مذہبی کتاب ہی سے دلیل پیش کر کے دِکھاؤ؛ چنانچہ تورات و انجیل ہی نہیں، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں جیسے ویدوں وغیرہ میں بھی بہت وضاحت سے عقیدۂ توحید کا ذکر آیا ہے اور مخلوق کے خدا ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔

سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ
اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ بِفٰتِنِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنۡ هُوَ صَالِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا
لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنۡ کَانُوۡا لَیَقُوۡلُوۡنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوۡ اَنَّ عِنۡدَنَا ذِکۡرًا
مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ لَکُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَکَفَرُوۡا بِهٖ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدۡ
سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنۡدَنَا لَهُمُ
الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾

اللہ کی ذات ان تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، ﴿۱۵۹﴾ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (وہ ایسا
نہیں کہتے) ﴿۱۶۰﴾ تو تم اور تمہارے سارے معبود ﴿۱۶۱﴾ اللہ کے خلاف صرف اسی کو بہکا سکتے ہو، جو جہنم رسید ہونے والا
ہے، ﴿۱۶۲﴾﴿۱۶۳﴾ اور (فرشتے کہتے ہیں:) ہم میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے، ﴿۱۶۴﴾ ہم (اللہ کی بندگی کے لئے) صف
باندھے کھڑے ہوئے ہیں، ﴿۱۶۵﴾ اور ہم تو اللہ کی پاکی بیان کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۶۶﴾ اور یہ لوگ تو کہا کرتے
تھے ﴿۱۶۷﴾ کہ اگر ہمارے پاس پچھلے لوگوں کی طرح کوئی نصیحت کی کتاب ہوتی ﴿۱۶۸﴾ تو ہم ضرور اللہ کے خاص بندے
ہوتے، ﴿۱۶۹﴾ پھر (جب کتاب آگئی تو) اس کا انکار کرنے لگے، تو عنقریب وہ (اس کا انجام) جان لیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۱۷۰﴾
اور ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (یعنی پیغمبروں) کے لئے پہلے ہی ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے، ﴿۱۷۱﴾ کہ اُن ہی کی مدد کی جائے
گی، ﴿۱۷۲﴾ اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا، ﴿۳﴾ ﴿۱۷۳﴾ اس لئے آپ اُن سے کچھ عرصہ تک منھ پھیر لیجئے، ﴿۱۷۴﴾
اور انھیں دیکھتے رہیے، کہ عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ ﴿۱۷۵﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ تو فرشتوں کو خدا اور خدا کی بیٹیاں ٹھہرا رہے ہیں؛ لیکن خود فرشتوں کو اس سے انکار نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے پہلے اہل مکہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی تورات وانجیل کی طرح کوئی کتاب موجود ہوتی تو ہم ضرور اللہ کے خاص بندے ہوتے اور اس پر عمل کرتے؛ لیکن جب آپ ﷺ قرآن مجید لے کر ان کے پاس آگئے تو اب وہ انکار کرنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۰/۴، نیز تفسیر قرطبی: ۹۱/۱۵)

﴿۳﴾ غرض کہ انجام کار اللہ کے پیغمبروں ہی کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوتا ہے، اصل غلبہ تو فکری ہے کہ انبیاء اللہ کی طرف سے جس بات کو پیش کرتے ہیں، بالآخر زمانہ کے اہل علم اسی کو قبول کرتے ہیں اور وہی غالب فکر بن جاتی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی عموماً ان ہی کو غلبہ اور بقا حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ، جو اپنی قوم کے مقابلے میں غالب رہے اور ان کے مخالفین صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ
عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

ع ۵ ۹

کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟ ﴿۱۷۶﴾ تو جب اِن کے میدان میں ہمارا عذاب اُترنے لگے گا تو جن لوگوں کو خبردار کیا جا چکا تھا، اُن کی صبح بہت ہی بُری ہوگی، ﴿۱۷۷﴾ آپ اُن کو تھوڑے عرصہ کے لئے چھوڑ دیں، ﴿۱۷۸﴾ اور دیکھتے رہیں، جلد ہی وہ خود بھی دیکھ لیں گے، ﴿۱۷۹﴾ آپ کا رب جو عزت والا ہے، اُن چیزوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں، ﴿۱۸۰﴾ اور سلامتی ہو اُن پیغمبروں پر! ﴿۱۸۱﴾ اور ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۸۲﴾

﴿۱﴾ اس سورہ میں بار بار توحید کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، شرک کی تردید کی گئی ہے اور متعدد پیغمبروں کا ذکر آیا ہے؛ چنانچہ یہ سورۃ ایسی تین آیتوں پر ختم ہو رہی ہے، جن میں سے پہلی آیت میں اللہ کی پاکی بیان کی گئی ہے کہ اللہ ہر طرح کے عیب سے پاک ہیں اور آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ذکر کی گئی ہے اور عقیدۂ توحید کی بنیاد یہی تسبیح وحمد ہے اور درمیانی آیت میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا مقام ومرتبہ ذکر کیا گیا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجتے ہیں، اس طرح یہ نہایت جامع آیت ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے کئی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرتے ہوئے ان ہی تین آیات کو پڑھا کرتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ، عن ابی سعید خدری، کتاب الصلوۃ، باب ماذا یقول الرجل إذا انصرف، حدیث نمبر: ۳۰۹۷) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہتا ہو کہ اس کو قیامت کے دن بھرپور اجر دیا جائے تو وہ مجلس سے اُٹھنے سے پہلے ان آیات کو پڑھ لے، (تفسیر ابن کثیر: ۴؍۳۲) —— اسی لئے اہل علم نے لکھا ہے کہ نماز کے بعد اور مجلس کے ختم پر ان آیات کو پڑھنا مسنون ہے۔ (التفسیر المنیر: ۲۳؍۱۶۰)

سُوۡرَةُ صٓ

- سورہ نمبر : (۳۸)
- رکوع : (۵)
- آیتیں : (۸۸)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ''ص'' کے حرف سے ہوا ہے، اس لئے اس کا نام ''ص'' ہے، اس سورہ کی بعض آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب حضرت ابو طالب بیمار ہوئے تھے اور ان کی وفات کا وقت قریب آچکا تھا، یعنی نبوت کے دسویں سال، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورہ ۱۰ نبوی اور اس سے کچھ پہلے یا بعد میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ میں توحید، رسالت اور آخرت کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ بعض انبیاء کی قومیں جیسے قومِ نوح، قومِ عاد، فرعون وثمود، قومِ لوط اور اصحاب الایکہ کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اجمال و اختصار کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، اَلیَسَع اور ذوالکفل کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعات نسبتاً تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کس طرح ہوئی، فرشتوں سے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کا کیا مکالمہ ہوا؟ اس کو اس سورہ میں بھی وضاحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، سورہ کے اخیر میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ قرآن مجید ایسا عالمگیر پیغام ہے کہ نہ صرف تمام انسان اس کے مخاطب ہیں؛ بلکہ جنات بھی اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے کے پابند ہیں۔

مشرکین مکہ کے خیالات کا رد کرتے ہوئے ان کے دو خاص اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے، جن میں ایک کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے ہے کہ مکہ وطائف کے کسی بڑے سردار کے بجائے پیغمبری کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب کیوں فرمایا گیا؟ دوسرے کا تعلق توحید سے ہے کہ آخر اتنی وسیع وعریض کائنات کا انتظام تنہا ایک خدا کیسے چلا سکتا ہے؟

❍ ❍ ❍

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِى الذِّكۡرِؕ ۝۱ بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ
مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيۡنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ وَقَالَ
الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ ۝۵
وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمۡ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ يُّرَادُ ۝۶

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ صاد، ﴿۱﴾ قرآن کی قسم ہے جو نصیحت سے بھری ہوئی (کتاب) ہے، ۝۱ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں، وہ تعصب اور مخالفت میں مبتلا ہیں، ﴿۲﴾ ۝۲ اُن سے پہلے کی بہت سی اُمتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں؛ چنانچہ (عذاب آنے کے بعد) انھوں نے بہت آہ و واویلا کی، مگر وہ چھٹکارے کا وقت نہیں تھا، ﴿۳﴾ ۝۳ اور ان کو اس بات پر حیرت ہے کہ ان کے پاس اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آئے، اور وہ کفر کرنے والے کہنے لگے: ''یہ شخص جادوگر اور جھوٹا ہے، ۝۴ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا؟ یقیناً یہ تو بڑی عجیب بات ہے، ﴿۴﴾ ۝۵ اُن میں سے سردار قسم کے لوگ (یہ کہتے ہوئے) چلے گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یقیناً اس بات میں کوئی غرض ہے۔ ﴿۵﴾ ۝۶

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات میں سے ہے، سورۂ بقرہ حاشیہ نمبر: ۱ میں اس کی تشریح گذر چکی ہے۔

﴿۲﴾ یعنی جو لوگ قرآن مجید کا انکار کر رہے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اس کا سبب صرف تکبر اور پیغمبر ﷺ سے عداوت ہے۔

﴿۳﴾ یعنی جب کسی قوم پر حجت پوری ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ عذاب کا فیصلہ فرما دیتے ہیں تو اس وقت توبہ واستغفار کام نہیں آتا۔

﴿۴﴾ شرک جن لوگوں کی گھٹی میں پڑا ہو، وہ اپنے آباء واجداد کے فکر وعقیدہ پر جمے رہتے ہیں اور حقیقت پسندی کے ساتھ غور نہیں کرتے، عرب کی سرزمین میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے تین ساڑھے تین سو سال پہلے سے بُت پرستی کا رواج تھا، اس لئے ان کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی تھی کہ سارے خداؤں کو ختم کر کے صرف ایک خدا کو مانا جائے تو وہ اتنی وسیع وعریض کائنات کو کیوں کر سنبھال سکے گا؟ یعنی وہ خدا کے نظام کو بھی انسانی نظام کی طرح سمجھتے تھے کہ جیسے انسان کاموں کی کثرت اور وسعت کے لحاظ سے بہت سارے افراد کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح جب تک بہت سارے خدا مہیا نہ ہوں، کاروبارِ عالم چل نہیں سکتا، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی شخص نے سورج نہ دیکھا ہو تو وہ سوچے کہ جب ایک چراغ سے ایک ہی کمرہ روشن کیا جا سکتا ہے تو اس پوری کائنات کو ایک سورج کیسے روشن کر سکتا ہے؟ —— بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ابوجہل نے کہی تھی۔ (تفسیر قرطبی: ۹۹/۱۵)

﴿۵﴾ یعنی توحید کی طرف دعوت دینے میں محمد ﷺ کی کوئی غرض ہوگی، مثلاً یہ غرض کہ قوم کے سردار بن جائیں اور قیادت کا مقام حاصل کر لیں۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ط
بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ
الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰
جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱

ہم نے پچھلے مذہب میں تو یہ بات سنی تک نہیں، یہ محض من گھڑت بات ہے،﴿۱﴾ ۝۷ کیا ہم سب میں سے اِسی پر اللہ کا کلام نازل کیا گیا؟'' حقیقت یہ ہے کہ یہ کفر پر اَڑے ہوئے لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں؛ بلکہ (وہ ایسا اس لئے کہتے ہیں کہ) انھوں نے ابھی تک میرا عذاب چکھا نہیں ہے، ۝۸ کیا اُن کے پاس آپ کے زبردست داتا پروردگار کے خزانے ہیں؟ ۝۹ یا کیا اُن کو آسمانوں کی، زمین کی اور اُن کے درمیان کی حکومت حاصل ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو اُن کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں،﴿۲﴾ ۝۱۰ یہ تو بڑے بڑے گروہوں میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو یہیں شکست کھا جائے گا۔﴿۳﴾ ۝۱۱

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ ہمارے آباء واجداد بھی کسی مذہب پر عمل کرتے تھے؛ لیکن انھوں نے کبھی تمام خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف دعوت نہیں دی، اسی طرح جو لوگ آسمانی کتاب کا دعویٰ کرتے ہیں، ان میں آخری مذہب عیسائیوں کا ہے، وہ بھی کم سے کم تین خدا کو مانتے ہیں؛ اس لئے یہ بالکل نئی بات ہے جو محمد ﷺ کہہ رہے ہیں، تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ابوجہل، شیبہ، عتبہ وغیرہ نے کہی تھی، جب وہ حضرت ابوطالب کے مرض وفات میں آئے اور ان سے گزارش کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت ایمان سے باز رکھیں، حضور ﷺ نے قریش کے سرداروں سے فرمایا: اگر آپ لوگ میری ایک بات قبول کرلیں تو آپ پورے عرب کے مالک ہوجائیں گے اور پورا عجم آپ کے سامنے اپنی گردن جھکا دے گا، ابوجہل نے کہا: ایک نہیں، تم ایسی دس باتیں کہو، میں اسے قبول کرلوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: کہو''لا الٰه الا الله''بس یہ سننا تھا کہ وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۹۹)

﴿۲﴾ یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر ہے کہ جس کو چاہیں پیغمبر بنادیں اوران پر اپنی کتاب نازل کردیں؛ کیوں کہ نبوت بھی ایک نعمت ہے، ایسا نہیں کہ قرآن مجید کی مخالفت کرنے والے اِن ایمان سے محروم لوگوں کے ہاتھ میں پروردگار نے اپنا خزانہ رکھ دیا ہو، یا ان کو آسمان وزمین کی حکومت حاصل ہوگئی ہو، اگر آسمان وزمین کی حکومت ان کو حاصل ہے، تو یہ سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وحی لانے والے فرشتہ کو روک دیں۔

﴿۳﴾ یعنی شرک وبُت پرستی میں مبتلا بڑے بڑے گروہ گزر چکے ہیں، جو تعداد، قوت اور وسائل کے اعتبار سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور آخر دعوت حق کے مقابلہ وہ شکست کھا کر رہے، جیسے: قوم فرعون، عاد، ثمود وغیرہ، تو یہ تو چھوٹا سا گروہ ہے، یہ بھی اسی دنیا میں اپنی شکست کا مزہ چکھ لے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۰۱)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ
اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً ع۱۴/۱۰
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى
مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم عاد اور میخوں والے فرعون نے بھی جھٹلایا تھا، ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾ نیز ثمود، لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے بھی، یہی (پیغمبروں کی مخالفت کرنے والے) بڑے گروہ تھے، ﴿۱۳﴾ (ان) سبھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب واقع ہو کر رہا، ﴿۲﴾ ﴿۱۴﴾ یہ لوگ محض ایک سخت چیخ کا انتظار کر رہے ہیں، جس کے بیچ میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا، ﴿۳﴾ ﴿۱۵﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں: ہمارے رب! ہم کو حساب کے دن سے پہلے ہی ہمارا حصہ دے دیجئے، ﴿۴﴾ ﴿۱۶﴾ آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی طاقت والے تھے، یقیناً وہ اللہ سے لو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۵﴾ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ ''میخوں والے'' سے بلند اور مضبوط عمارتوں والے مراد ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۰۲) کیوں کہ عالیشان عمارتوں کے لئے جیسے موجودہ زمانے میں کنکریٹ کے پیلر استعمال کئے جاتے ہیں، اسی طرح اس زمانے میں مضبوط لکڑیوں کے ستون استعمال کئے جاتے تھے اور انھیں میخوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے مربوط کیا جاتا تھا، مقصد یہ ہے کہ فرعون بظاہر اس قدر شان وشوکت کا مالک تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے تباہ وبرباد کر دیا گیا۔

﴿۲﴾ قوم ثمود کا ذکر اعراف: ۷۳-۷۹، قوم لوط کا ذکر اعراف: ۸۰-۸۴ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر اعراف: ۸۵-۹۳ میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ یہاں چیخ سے صور کا پھونکا جانا مراد ہے، یعنی محض صور کی ایک آواز ان سرکش لوگوں کو موت کے نیند سلا دے گی اور پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب زندہ کر دیئے جائیں گے، دودھ دوہنے کے دوران ایک دفعہ دودھ نچوڑنے کے بعد دوسری بار نچوڑنے کے درمیان جو ہلکا سا وقفہ ہوتا ہے، اس کو ''فواق'' کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ صور کی آواز مسلسل ہوگی، اس میں کوئی درمیانی وقفہ نہیں ہوگا۔

﴿۴﴾ یعنی آپ کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ جنت کی جو نعمتیں آخرت میں ملنے والی ہیں، ان میں سے میرا حصہ دنیا ہی میں دے دیجئے؛ تاکہ ہماری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

﴿۵﴾ حضرت داؤد علیہ السلام کے طاقتور ہونے کا ایک مطلب تو بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت عطا فرمائی تھی اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ ہمیشہ غالب رہتے تھے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت کی بھی غیر معمولی طاقت رکھتے تھے، ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن نہیں رکھتے تھے، رات کا آدھا حصہ نماز میں گزار دیتے تھے اور خوب دُعائیں کیا کرتے تھے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۰۴) — یہ بات قابل توجہ ہے کہ جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ طاقت والے تھے، ←

منزل ۶

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝١٨ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗ
اَوَّابٌ ۝١٩ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝٢٠ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ
اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝٢١ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى
بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝٢٢ اِنَّ
هٰذَاۤ اَخِيْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
الْخِطَابِ ۝٢٣ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا
فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝٢٤ (السجدة)

السجدة ۱۰

ہم نے پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر دیا تھا، جو ان کے ساتھ صبح و شام تسبیح پڑھا کرتے تھے، ۝۱۸ اور پرندوں کو بھی جو جمع ہو جاتے تھے، سب کے سب اُن کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے، ﴿۱﴾ ۝۱۹ ہم نے ان کی حکومت کو خوب مستحکم کر دیا تھا اور ان کو حکمت و دانائی اور فیصلہ کن بات (کی صلاحیت) عطا فرمائی تھی، ۝۲۰ کیا آپ کو اُن جھگڑا کرنے والوں کی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ عبادت گاہ کی دیوار پھاند کر ۝۲۱ داؤد کے پاس گھس آئے تو وہ ان کی طرف سے گھبرا گئے، ان لوگوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں، ہم دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے، ناانصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھا راستہ بتا دیجئے، ۝۲۲ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنبی ہے، اب یہ کہتا ہے: وہ بھی مجھے دے دو اور بات چیت میں مجھے دبا دیتا ہے، ۝۲۳ داؤد نے کہا: یہ اپنی دُنبیوں کے ساتھ تمہاری دُنبی کا مطالبہ کر کے واقعی تم پر زیادتی کر رہا ہے اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک عمل کیا، اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں، اور داؤد سمجھ گیا کہ ہم نے اُس کو آزمایا ہے؛ چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی کی درخواست کی، سجدہ میں گر پڑا اور توبہ کی۔ ۝۲۴

← وہیں خاص طور پر اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے بندے تھے، یعنی طاقت وقوت کی بنا پر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے اندر خدائی طاقت رکھتے تھے، بہر حال وہ اپنی تمام تر طاقت وقوت اور آگے جن خصوصیتوں کا ذکر آ رہا ہے، ان خصوصیتوں کے باوجود تھے اللہ کے بندے ہی۔

﴿۱﴾ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پرندے اور پہاڑ بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے، یہ مضمون سورۂ سبا: ۱۰-۱۱ میں بھی آ چکا ہے، وہاں اس کی تشریح دیکھی جا سکتی ہے۔

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى
الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا
خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

ع ۲ / ۱۱

پھر ہم نے اس سے اس کی یہ غلطی معاف کردی اور بے شک ہمارے پاس اُس کا بڑا مرتبہ اور اچھا ٹھکانہ ہے، ﴿۲۵﴾ اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر حاکم بنایا ہے، اس لئے آپ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ یہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹادے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے؛ کیوں کہ انھوں نے حساب و کتاب کے دن کو بھلا دیا تھا، ﴿۱﴾ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو بغیر کسی مقصد کے پیدا نہیں کیا ہے، یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جو ایمان نہیں رکھتے، پس جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کے لئے بڑی بربادی یعنی دوزخ ہے۔ ﴿۲۷﴾

﴿۱﴾ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بھی بنایا تھا، اس لئے لوگ ان کے پاس اپنے آپسی اختلافات لے کر آتے تھے اور آپ انصاف اور خوش اُسلوبی کے ساتھ ان کے فیصلے کیا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان لیا گیا اور وہ یہ کہ دو شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس پہنچ گئے، غالباً یہ فرشتے تھے جو انسانی شکل میں آئے تھے، بظاہر ان دیواروں کو پھاند کر ان تک پہنچنا آسان نہیں تھا؛ اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو ان پر حیرت ہوئی؛ لیکن آنے والوں نے انھیں اطمینان دلایا کہ آپ گھبرائیں نہیں، ہم کسی اور غرض سے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ہمارے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے، آپ اس کا فیصلہ فرمادیجئے اور وہ جھگڑا یہ ہے کہ ہمارے اس ساتھی کے پاس ننانوے بکریاں موجود ہیں، میرے پاس صرف ایک ہے، یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بکری بھی زور زبردستی سے لے لے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا یہ تو یقیناً ظلم و زیادتی کی بات ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ تو کردیا؛ لیکن فوراً ہی آپ کو تنبہ ہوا کہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا امتحان ہوا ہے، اور وہ امتحان یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں اس بات کی اجازت تھی کہ اگر کسی شخص کو دوسرے کی بیوی پسند ہو تو وہ اس کے شوہر سے یہ معاملہ طے کرلے کہ شوہر اس کو طلاق دیدے اور یہ اس کی بیوی سے نکاح کرلے؛ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی فوج کے ایک سپاہی ''اوریا'' نام کے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے ان سے یہی معاملہ طے کیا تھا، اوریا نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، حضرت داؤد علیہ السلام ان سے نکاح کرلیا اور اسی نکاح سے حضرت سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ عمل اگرچہ بنی اسرائیل کی شریعت میں جائز تھا؛ اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا؛ البتہ پیغمبر ہونے کی حیثیت سے یہ بات آپ کے شایانِ شان نہیں تھی؛ اس لئے ایک امتحان لے کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرمادیا ـــــ یہی اس آیت کی صحیح تفسیر ہے، جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ←

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ۝۲۸ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹ وَوَهَبْنَا
لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝۳۰ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝۳۱
فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝۳۲ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ
فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝۳۳

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، کیا ہم ان کو اُن لوگوں کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد مچائے پھرتے ہیں، یا ہم برائی سے بچنے والوں کو بدکاروں کی طرح کر دیں؟﴿۱﴾ ۝۲۸ (یہ) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے آپ کی طرف اس لئے اُتارا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں، ۝۲۹ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، وہ کیا ہی اچھا بندہ تھا، وہ اللہ سے خوب لو لگانے والا تھا، ۝۳۰ جب اس کے سامنے شام کے وقت عمدہ تیز دوڑنے والے گھوڑے پیش کئے گئے، ۝۳۱ تو وہ کہنے لگے: میں نے اپنے پروردگار کے ذکر کے مقابلہ مال کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا (یعنی ڈوب گیا) ۝۳۲ (سلیمان نے کہا:) اُن گھوڑوں کو میرے پاس واپس لاؤ؛ چنانچہ وہ پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔﴿۲﴾ ۝۳۳

← جیسے اکابر صحابہ سے منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۱۰) اس کے علاوہ جو باتیں نقل کی جاتی ہیں کہ انھوں نے کسی سپاہی کو جنگ کے اگلے محاذ پر بھیج کر مروا دیا؛ تاکہ وہ اس کی بیوی سے شادی کرلیں، یہ سب غیر معتبر یہودی روایتیں ہیں۔

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے بعض خاص حالات کے علاوہ ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں، اچھوں اور بُروں کے ساتھ ایک ہی سلوک رکھا ہے، سورج ہر گھر کو روشن کرتا ہے، ہوا ہر شخص کو آکسیجن مہیا کرتی ہے، بادل ہر کھیت کو سیراب کرتا ہے، مصیبتیں اور بیماریاں بھی ہر شخص پر آتی ہیں، نہ نعمتوں کے حاصل ہونے میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق ہے اور نہ مصیبتوں کے آنے میں؛ لیکن آخرت کا نظام یہ نہیں ہوگا کہ اچھوں اور بُروں کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک کیا جائے؛ کیوں کہ ہم نے دنیا کو بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے؛ اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے عمل کا امتحان لیا جائے کہ کون نیکی پر قائم رہتا ہے اور کون برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے؟ تو اگر اس امتحان کے بعد اچھا عمل کرنے والے کو کوئی انعام نہیں دیا جائے اور بُرا کام کرنے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے تو پھر اس لمبی چوڑی کائنات کو بنانے اور اس کو انسانوں سے بسانے کا کیا فائدہ ہوا؟

﴿۲﴾ گذشتہ زمانے میں سفر اور بالخصوص جنگ کے لئے سب سے بہتر سواری گھوڑے کی ہوا کرتی تھی؛ اسی لئے حکومتیں خاص طور پر گھوڑوں کی افزائش پر توجہ دیتی تھیں، حضرت سلیمان علیہ السلام جو اپنے عہد کے بڑے فرمانروا بھی تھے، ان کے پاس بھی بڑی تعداد میں گھوڑے تھے، جو جنگ میں کام آتے تھے، ایک بار آپ نے معائنہ کے لئے ان گھوڑوں کو طلب کیا، اور اُن کا معائنہ کرنے لگے، اگرچہ آپ نے دوپہر میں یہ کارروائی شروع کی؛ لیکن گھوڑوں کی کثرت کی وجہ سے اتنا وقت لگ گیا کہ سورج غروب ہوگیا ←

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَهَبۡ لِىۡ
مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِىۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِىۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے سلیمان کو بھی آزمایا اور اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا، پھر سلیمان (میری طرف) رجوع ہوئے،﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾ اس نے دُعا کی: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دیجئے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرمایئے جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو، یقیناً آپ بڑے داتا ہیں۔ ﴿۳۵﴾

← اور عصر کی نماز ادا کرنا بھول گئے، جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا احساس ہوا تو بڑا پچھتاوا ہوا اور انھوں نے اس کی تلافی کے طور پر ان گھوڑوں کی قربانی کر دی، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۲۸) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جمہور نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۲) —— یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ چُوک تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوئی، خواہ مخواہ گھوڑوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا اور اس طرح مال کا ضیاع بھی ہوا؛ کیوں کہ اول تو نبی کا ہر عمل حکم الٰہی کے تابع ہوتا ہے: اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ حکم دیا ہوگا اور جو عمل اللہ کے حکم سے کیا جائے، وہ گناہ کیسے ہوسکتا ہے؟ دوسرے: آپ کا جانور ذبح کرنا قربانی اور صدقہ کے طور پر تھا اور اس کا گوشت صدقہ کیا گیا ہوگا، تو قربانی اور صدقہ بھی تو ایک عبادت ہے؛ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنی اس چُوک کی تلافی کے لئے اُن دو عبادتوں کو انجام دیا؛ کیوں کہ اگر شریعت کے احکام پر غور کیا جائے تو یہ دونوں عبادتیں —— قربانی اور صدقہ —— گناہ کی تلافی اور غلطی کا کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اسی لئے بہت سے گناہوں کے کفارہ کے طور پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لئے حج میں ہونے والی غلطیوں کی تلافی کے لئے بطور جنایت قربانی واجب قرار دی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اس آیت کی یہی تفسیر ہے جو عام طور پر مفسرین نے کی ہے، دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جہاد کے لئے بہت سارے گھوڑے پال رکھے تھے، اور غالباً کبھی کبھی ان کا معائنہ بھی کرتے رہتے تھے؛ چنانچہ ایک جہاد کے موقع پر آپ نے ان گھوڑوں کو پیش کرنے کا حکم دیا، گھوڑے لائے گئے اور آپ کے سامنے ان کی پریڈ کرائی گئی، فطری طور پر عمدہ اور اچھے گھوڑوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر آپ کو مسرت ہوئی، یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ یہ مسرت اسی نوعیت کی ہے، جو ایک شخص کو اپنی دولت اور اسباب دنیا کو دیکھ کر ہوتی ہے، اس خیال کو دُور کرنے کے لئے آپ نے فرمایا کہ میری ان مالوں سے محبت، مال کی حرص ولالچ کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی کی وجہ سے ہے، یعنی جہاد کی غرض سے مجھے یہ بھلے لگتے ہیں، جب سارے گھوڑے گزر گئے اور آپ کی نظر سے اوجھل ہوگئے تو فرط شوق میں اور مزید جائزہ لینے کی غرض سے آپ نے دوبارہ انھیں بلایا اور محبت کے ساتھ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو تھپ تھپانے لگے، جیسا کہ عام طور پر جانوروں کے پالنے والے اظہار شفقت کے لئے اپنے جانوروں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، اس تشریح کی صورت میں آیت نمبر: ۳۲ اور ۳۳ کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ''تو وہ کہنے لگے: میں نے مال سے محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے کی، یہاں تک کہ جب یہ گھوڑے نظر سے اوجھل ہوگئے تو کہا: ان کو میرے پاس واپس لاؤ، پھر پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے'' امام رازی کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی ایسی تشریح ہے کہ جس میں انبیاء کی عظمت کا پورا لحاظ ہے اور جو پہلی تفسیر ذکر کی گئی ہے، اس کے لحاظ سے بہر حال حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف غلطی کی نسبت کرنی پڑتی ہے۔ (خلاصہ از: مفاتیح الغیب: ۲۵/ ۳۲۷)

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ انبیاء کا بھی امتحان لیا کرتے تھے اور اب بھی نیک بندوں کی آزمائش کی جاتی ہے؛ چنانچہ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ←

← ایک آزمائش کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا، اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تنبہ ہوا اور انھوں نے توبہ واستغفار کیا؛ لیکن دھڑ ڈالنے سے کیا مراد ہے؟ نہ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے اور نہ کہیں حدیث میں؛ اس لئے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور بعض دیگر اہل علم نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جو بات قرآن مجید نے کہی ہے، اس پر یقین رکھا جائے اور اس کی تفسیر و وضاحت میں جانے سے بچا جائے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۴) علماء ہند میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بھی قصص القرآن میں یہی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، (قصص القرآن: ۲/۱۲۱) بائبل میں چوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک دنیا دار بادشاہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے؛ اس لئے بہت سی ایسی باتیں آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جو ہرگز کسی پیغمبر کے شایانِ شان نہیں ہیں؛ البتہ علماء اسلام نے اس سلسلہ میں دو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، ایک یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہوئے اور اتنے نحیف و کمزور ہو گئے کہ ایک احساس وقوت سے محروم جسم کی طرح وہ کرسی پر پڑے رہتے، یہاں تک کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اس دُعا کے اثر سے پھر ان کی صحت بحال ہوگئی، یہ بات نبی کی شان کے خلاف نظر نہیں آتی، امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کا یہی مطلب مراد لیا ہے، (مفاتیح الغیب: ۱۲/۳۳۰-۳۳۱) دوسرا مطلب وہ بیان کیا گیا ہے جس کو بعض دیگر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دن ارادہ کیا کہ آج کی شب وہ اپنی ستر بیویوں سے میاں بیوی کا تعلق قائم کریں گے کہ ہر ایک سے ایک مجاہد پیدا ہو، اس موقع پر وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے؛ چنانچہ صرف ایک بیوی کو حمل ٹھہرا اور ان سے بھی ناقص بچہ پیدا ہوا، یہاں تک کی بات تو حدیث میں آئی ہے، (ترمذی، کتاب النذور، باب ما جاء فی الاستثناء فی الیمین، حدیث نمبر: ۱۵۳۲) آگے مفسرین نے اپنے اجتہاد سے اس واقعہ کو اس آیت کے ساتھ جوڑا ہے کہ وہ ناقص بچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت شاہی پر لا کر رکھ دیا گیا، اس صورت حال کو دیکھ کر انھیں اپنی لغزش کا احساس ہوا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا، (دیکھئے: البحر المحیط: ۷/۳۹۷) —— اُردو کے بعض مفسرین نے اس تفسیر کو اس لئے ناقابل قبول سمجھا ہے کہ ایک مرد کا ایک ہی رات میں ستر عورتوں سے ہم آغوش ہونا ناقابل فہم ہے؛ لیکن یہ بات اس لئے درست نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ یہی ایک تعجب انگیز بات پیش نہیں آئی؛ بلکہ قرآن نے آپ کے جو معجزات ذکر کئے ہیں، وہ سبھی عقل انسانی سے ماوراء ہیں، جیسے: پرندوں کی آواز کا سننا، ہواؤں کا آپ کے حکم سے چلنا وغیرہ، تو اگر اس سلسلہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ عطا کیا گیا ہو تو کیوں کر اس کا انکار کیا جائے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے والے ایک مرد کو سو مردوں کی قوت دی جائے گی؛ اس لئے صرف خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے اس کا انکار درست نظر نہیں آتا؛ البتہ اس واقعہ کا اس آیت سے متعلق ہونا نہ قرآن میں مذکور ہے اور نہ حدیث میں، اس لئے اس کو قیاس و اندازہ تو کہا جا سکتا ہے، آیت کی تفسیر نہیں کہا جا سکتا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی لغزش ہوئی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہوئی اور انبیاء کی شان کے مطابق آپ نے فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا، یہ لغزش وہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس کا بائبل میں ذکر آیا ہے کہ آپ نے آئندہ اپنے بیٹے رُحبعام کو حکمرانی سونپنی چاہی، جو قطعاً اس کی لیاقت نہیں رکھتا تھا، اس کو کرسئ اقتدار پر بٹھانا گویا ایک جسم کو کرسی پر ڈال دینا تھا، پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس پر متنبہ ہوا تو آپ نے رُجوع کر لیا اور اپنے بیٹے کے حق میں حکمرانی کی وصیت نہیں کی، (تفہیم القرآن: ۴/۳۳۸) لیکن یہ بھی قیاس و اندازہ ہی پر مبنی ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ
وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ
مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾
وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

چنانچہ ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا کہ وہ سلیمان کے حکم سے — وہ جہاں پہنچنا چاہتے — آہستہ آہستہ چلا کرتی، ﴿۳۶﴾ اور جنات کو بھی تابع کر دیا، سب کے سب عمارت بنانے والوں اور غوطہ خوروں کو ﴿۳۷﴾ اور دوسرے جناتوں کو بھی جو بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۳۸﴾ (ہم نے ان سے کہا:) یہ ہمارا عطیہ ہے، اب تم (اس کے ذریعہ دوسروں پر) احسان کرو یا خود رکھ لو، کوئی حساب وکتاب نہیں، ﴿۲﴾ ﴿۳۹﴾ اور یقیناً سلیمان کا ہمارے یہاں بہترین درجہ اور بڑا ٹھکانہ ہے، ﴿۴۰﴾ اور ہمارے بندے ایوب کو بھی یاد کیجئے، جب اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور تکلیف پہنچائی ہے، ﴿۴۱﴾ (میں نے حکم دیا:) اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے بھی، ﴿۴۲﴾ اور ہم نے اپنی رحمت سے اور سمجھ دار لوگوں کی عبرت کے لئے ان کو ان کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی عطا فرما دیئے۔ ﴿۴۳﴾

﴿۱﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ دُعا کی کہ ان کو ایسی حکومت دی جائے جو کسی اور کو میسر نہ ہو، وہ اس طرح قبول ہوئی کہ نہ صرف دنیا کے ایک بڑے معلوم خطہ پر ان کی حکومت قائم ہوگئی؛ بلکہ شیطان اور جن بھی ان کے سامنے جھک گئے اور ہواؤں کو بھی ان کے فرمان کے تابع کر دیا گیا— یہاں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہوائیں آہستہ آہستہ چلا کرتی تھیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ نرمی کے ساتھ چلتی تھیں، ہچکولے کھانے کی نوبت نہیں آتی تھی، سورہ انبیاء میں ہے کہ تیز وتند ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی (آیت نمبر:۸۱) اب ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھئے تو مطلب یہ ہوا کہ ہوا کی رفتار تو تیز ہوتی تھی؛ لیکن ایسی کیفیت نہ ہوتی تھی جس میں انسان دائیں بائیں اوپر نیچے ہوتا رہے اور انسان کے لئے تکلیف دہ ہو جائے۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال و دولت، سلطنت وحکومت، جنات وہواؤں پر تو قدرت عطا فرمائی ہی تھی؛ لیکن مزید انعام یہ فرمایا گیا کہ آپ کو ان نعمتوں کے بارے میں کسی خاص حکم کا پابند نہیں بنایا گیا تھا؛ بلکہ انھیں پورا اختیار دیا گیا کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، جو چاہیں خود لیں اور جو چاہیں دوسروں کو دیں، جن جناتوں کو قید کرنا چاہیں، ان کو قید کریں اور جن کو رہا کرنا چاہیں، ان کو رہا کر دیں۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور (ہم نے حکم دیا کہ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لو اور اس سے (اپنی بیوی کو) مار لو اور قسم نہ توڑو، ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، وہ کیا ہی اچھا بندہ تھا، بے شک وہ بڑا لَو لگانے والا تھا۔ ﴿۱﴾ ﴿۴۴﴾

﴿۱﴾ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک اہم شخصیت حضرت ایوب علیہ السلام کی ہے، بائبل کے بیان کے مطابق وہ ''عوض'' نامی جگہ کے رہنے والے تھے، (ایوب: ۱:۱) جو عرب کے حدود سے متصل فلسطین کے مشرقی حصہ پر واقع ہے، (تفسیر ماجدی: ۶/ ۸۲) جیسے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آزمائش کیا کرتے ہیں، اسی طرح آپ کی بھی آزمائش کی گئی اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ سخت بیماری سے دوچار کئے گئے، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا نقل کی گئی ہے: ''أني مسني الضر'' (الانبیاء: ۸۳) یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی فریاد نقل کی ہے کہ شیطان نے مجھ کو رنج و تکلیف پہنچائی ہے، بائبل کے بیان کے مطابق تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے ان کو مبتلاء مصیبت کرنے کی اجازت چاہی اور اللہ تعالیٰ ہی کی اجازت سے اس نے یہ حرکت کی، اسی لئے آپ نے شیطان کے تکلیف پہنچانے کا ذکر کیا؛ لیکن آگے کی آیات کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت بیماری میں مبتلا کیا اور سالہا سال وہ اس بیماری سے دوچار رہے، جس کی مدت ۱۳/ سال سے ۱۸/ سال تک کی ذکر کی گئی ہے، مصیبت کے ان اوقات میں رشتہ داروں میں صرف بیوی نے وفاداری کا حق ادا کیا، جن کا نام ''لیا'' تھا اور وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی تھیں، یا ''رحمت'' اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پوتی تھیں، حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت کو دیکھ دیکھ کر بیوی کی زبان سے غالباً کوئی ایسی بات نکل آئی جو اس صبر و قناعت سے میل نہیں کھاتی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام جس کا عملی نمونہ تھے، اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کو اور رنج پہنچا اور یہ روحانی تکلیف جسمانی تکلیف سے بھی بڑھ گئی، اس صورت حال سے بے چین ہوکر حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے رنج و تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے اور آپ ہی اس کا مداوا فرما سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی آزمائش پوری کر لی تھی اور حضرت ایواب علیہ السلام کا جذبہ صبر و استقامت سامنے آچکا تھا؛ چنانچہ امتحان ختم ہوا اور رحمت خداوندی متوجہ ہوئی، حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ فلاں چشمہ میں غسل کریں اور پانی پئیں، یا تو یہ ایک ہی چشمہ تھا، یا یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل کا حکم دیا گیا تھا اور ایک سے پینے کا، بائبل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو چشمے تھے، غسل کرنے کی وجہ سے جو بیماریاں تھیں، ان سے شفایاب ہوگئے، پانی کے بعض ایسے چشمے ہوتے ہیں، جن کی تہہ میں گندھک اور معدنیات ہوتی ہیں اور اگر ان کے پانی سے غسل کیا جائے تو چمڑے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں، اب بھی گندھک کے ایسے گرم چشمے ملتے ہیں، جہاں ایسے مریضوں کو غسل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، عجب نہیں کہ اسی قسم کا چشمہ رہا ہو، جس میں آپ کو غسل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ کے ذکر کا مقصد ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ آپ تکلیف و مصیبت کی جس گھڑی سے گذر رہے ہیں، پچھلے انبیاء بھی اس سے دوچار ہو چکے ہیں؛ اس لئے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، دوسری طرف مسلمانوں کو تلقین ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور اس امتحان پر اللہ سے شکوہ نہ کریں۔

بائبل میں حضرت ایوب علیہ السلام کے نام سے مستقل ایک صحیفہ ہے، اور اس میں آپ کی علالت کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ←

← گویا آپ بہت ہی قابل نفرت بیماری میں مبتلا تھے اور آپ کے جسم مبارک سے تعفن اُٹھتا تھا، مگر مفسرین نے عام طور پر ان باتوں کو غلط اور غیر معتبر قرار دیا ہے؛ کیوں کہ انبیاء کی ایسی بیماریوں سے حفاظت کی جاتی ہے؛ اس لئے کہ ان کے پاس لوگوں کی آمد ورفت مطلوب ہوتی ہے؛ البتہ یہ بات ممکن ہے کہ کوئی تکلیف دہ بیماری ہوئی ہو اور بیماری کے سلسلہ کے دراز ہو جانے کی وجہ سے رشتہ داروں اور دوستوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہو، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی تو بچھڑے ہوگئے لوگ بھی واپس آگئے، آل واولاد میں بھی اضافہ ہوا، اسی کے متعلق فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو ان کے گھر والے اور ساتھ ساتھ ان کے برابر اور بھی لوگ عطا کردیئے۔

مصیبت کی ان گھڑیوں میں جب بیوی کی زبان کھلی اور شکایت کی کوئی بات نکل گئی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے غصہ میں فرمادیا کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے صحت دیں گے تو میں تم کو سو قمچیاں ماروں گا، اب جب اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی تو ایک طرف وہ بیوی سامنے تھی، جو محبت ووفا کا پیکر اور مشکل وقت کی رفیق وغمگسار تھی، اور دوسری طرف اس کو مارنے کی قسم، تو اللہ تعالیٰ نے خود یہ تدبیر بتائی کہ سو قمچیوں کا ایک مٹھا ہاتھ میں لو اور ایک دفعہ اپنی بیوی کو مار دو، اس طرح ہلکی سی چوٹ لگے گی، وہ تکلیف نہ پہنچے گی، جو سو بار مارنے سے پہنچتی اور قسم بھی پوری ہو جائے گی؛ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اسی پر عمل کیا — بائبل اور تفسیر کی مختلف کتابوں میں اس واقعہ کے بارے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۳۸)

حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ میں عبرت ونصیحت کی کئی باتیں جمع ہیں، اول یہ کہ اللہ کی نعمتوں کو پا کر اللہ کا شکر گزار رہنا نسبتاً آسان ہوتا ہے؛ لیکن مصیبتوں میں رہتے ہوئے زبان پر کوئی حرف شکایت نہ آئے اور صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے، یہ بات بہت دشوار ہوتی ہے، اللہ کے نیک بندوں کی شان یہی ہے کہ وہ اس حال میں بھی اللہ کے فیصلہ پر راضی رہیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، دوسرے: اگر کوئی شخص ایسی مصیبتوں سے پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس کے دُور کرنے کی دُعا کرے تو یہ تقویٰ کے خلاف نہیں اور نہ یہ بے صبری ہے، بے صبری یہ ہے کہ وہ دُعا کرنے کے بجائے اللہ سے شکوہ کرنے لگے، تیسرے: نیک، صالح اور شوہر کی حق شناس بیوی کا کردار یہی ہے کہ وہ آرام کے ساتھ تکلیف میں بھی اور خوشحالی کے ساتھ تنگ دستی میں بھی اپنے شوہر کی وفادار بن کر رہے، چوتھے: ایک مسلمان کو ذاتی رنج کی بنیاد پر تو غصہ نہیں آنا چاہئے اور آئے تو اسے پی جانا چاہئے؛ لیکن دین سے متعلق حکم عدولی پر غصہ آنا چاہئے، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنی بیوی سے ناراضگی ہوئی، پانچویں: اگر آدمی کسی ایسی بات کی قسم کھالے، جو مناسب نہ ہو، یا جو معصیت ونافرمانی کی ہو، تو قسم توڑ لینی چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور اگر اس قسم کو پوری کر سکے تو قسم پوری کرنی چاہئے، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، چھٹے: اگر حیلہ حرام سے بچنے یا ظلم سے بچنے یا بچانے کے لئے کیا جائے تو یہ جائز ہے؛ چوں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ اس سزا کی مستحق نہیں تھیں اور حضرت ایوب علیہ السلام نے محض جوش حق میں قسم کھالی تھی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا، ہاں اگر حیلہ کا مقصد شریعت کے کسی فریضہ سے بچنا ہو، مثلاً کسی شخص کے پاس زکوٰۃ واجب ہونے کے بقدر مال ہو اور وہ چھ ماہ کے بعد اپنی بیوی کو ہبہ کردے؛ تاکہ سال گزرنے نہ پائے اور زکوٰۃ واجب نہ ہو تو یہ جائز نہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے (ہندیہ: ۶/۳۹۱) — اسی سے ایک مسئلہ یہ متعلق ہے کہ اگر کوئی شخص سو دفعہ مارنے کی قسم کھائے اور وہ ایک دفعہ اس طرح کی سو لکڑیاں ہاتھ میں ←

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو بھی یاد کیجیے، جو قوت اور بصیرت والے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۴۵﴾ ہم نے ان کو ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے لئے منتخب فرمایا تھا، ﴿۴۶﴾ اور یہ سب ہمارے یہاں منتخب اور نیک لوگوں میں تھے، ﴿۴۷﴾ نیز آپ اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجیے، یہ سب کے سب بھی نیک لوگوں میں تھے۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۸﴾

← لے کر اس شخص کو مارے تو کیا قسم پوری ہوجائے گی؟ فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ جن شخص کے بارے میں قسم کھائی تھی، اگر وہ اس درجہ مریض ہے کہ ایسی مار برداشت نہیں کرسکتا تو اس سے قسم پوری ہوجائے گی، (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص: ۳۸۲/۴) یہی نقطۂ نظر امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک شخص پر بطورِ سزا سو کوڑے لگانے کی نوبت آگئی؛ لیکن وہ ایسے مریض اور کمزور تھے کہ بہ ظاہر وہ اس سزا کو برداشت کرنے کے لائق نہیں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ایسی ٹہنی لو جس میں سو چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں اور اس سے ایک دفعہ ماردو۔ (ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی إقامۃ الحد علی المریض، حدیث نمبر: ۴۴۷۵)

﴿۱﴾ اس کا اصل ترجمہ تو ہے: ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے؛ لیکن ہاتھ سے مراد قوت ہے اور آنکھ سے مراد دینی و علمی بصیرت ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۱۷/۱۵) اور عربی زبان میں یہ الفاظ ان معنوں کے لئے استعمال ہوا کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ اس آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا نام آیا ہے، یہ سب اپنے اپنے وقت میں اللہ کے پیغمبر تھے، حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ عظیم الشان پیغمبر ہیں، جن کی نسل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، قرآن مجید میں متعدد مواقع پر اس کا ذکر آیا ہے اور بہت ساری حدیثیں بھی ان کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں؛ لیکن حضرت یسع علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے، اور ان میں بھی صرف ان کا تذکرہ ہی ہے، نہ ان کے حالات کی تفصیل ہے اور نہ ان سے متعلق کوئی واقعہ ہے؛ البتہ بائبل اور تاریخ کی کتابوں میں ان کے تذکرے آئے ہیں، مفسرین کا خیال ہے کہ تورات میں جو یسعیاہ نبی کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد حضرت یسع علیہ السلام ہی ہیں، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل سے تھے اور یہ بنی اسرائیل کے ایک اور پیغمبر حضرت الیاس علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشیں تھے، ان کے علاوہ کوئی زیادہ تفصیل ان کے حالات کی نہیں ملتی، سورہ انعام آیت نمبر: ۸۶ میں بھی آپ کا ذکر خیر آیا ہے ـــــ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر یہاں کے علاوہ سورۂ انبیاء آیت نمبر: ۸۵ میں بھی ہے، حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے حالات وواقعات کی کوئی تفصیل نہیں ملتی؛ بلکہ خود تورات میں بھی اس نام سے کسی پیغمبر کا ذکر نہیں ملتا، علماء ہند میں بعض نے حضرت ذوالکفل علیہ السلام کو حضرت ایوب علیہ السلام کا صاحبزادہ قرار دیا ہے، بعض کے نزدیک اس سے حضرت حزقیل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض نے ذوالکفل علیہ السلام کو کپل دیو کا ہم معنی قرار دیتے ہوئے گوتم بدھ مراد لیا ہے؛ کیوں کہ ان کے دارالسلطنت کا نام کپل تھا، مگر ان باتوں پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بس اتنا یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کے پیغمبروں اور نیک بندوں میں ایک آپ کی شخصیت بھی تھی۔

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ
فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا
مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ الثلثة
مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ
مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾
قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ
قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ
مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

یہ ایک نصیحت ہے اور یقیناً نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے بہترین ٹھکانہ ہے، ﴿۴۹﴾ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں،
جن کے دروازے ان کے لئے کھلے رہیں گے، ﴿۵۰﴾ وہ ان باغات میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ بہت سے میوے
اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے، ﴿۵۱﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر بیویاں بھی ہوں گی، ﴿۱﴾ ﴿۵۲﴾ یہ وہ چیز
ہے جس کا روزِ حساب کے لئے تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، ﴿۵۳﴾ یہ ہماری دی ہوئی روزی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی، ﴿۵۴﴾
(ان سے کہا جائے گا:) یہ تو (جنت والوں کا) حال ہے اور (دوسری طرف) سرکشی کرنے والوں (یعنی کافروں کے
سرداروں) کے لئے برا ٹھکانہ ہے، ﴿۵۵﴾ یعنی دوزخ، جس میں وہ داخل ہوں گے، تو وہ کیا ہی بُری جگہ ہے! ﴿۵۶﴾ (ان
سے کہا جائے گا:) یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے، تو دوزخ میں داخل ہونے والے اسے چکھیں، ﴿۵۷﴾ اور بھی اسی شکل کی
طرح طرح کی چیزیں ہیں، ﴿۵۸﴾ (دوزخ میں موجود سردار لوگ کہیں گے:) یہ ایک اور جماعت تمہارے ساتھ داخل
ہونے جارہی ہے، اُن کو بھی خوشی نصیب نہ ہو، یہ بھی دوزخ ہی میں آرہے ہیں، ﴿۵۹﴾ وہ (آنے والے) کہیں گے: بلکہ
تم کو خوشی نصیب نہ ہو، تم ہی تو ہمارے سامنے یہ مصیبت لائے ہو تو یہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے! ﴿۶۰﴾ وہ کہیں گے: اے
ہمارے پروردگار! جو یہ مصیبت ہمارے سامنے لایا ہے، اس کو دوزخ میں دوہرا عذاب دیجئے، ﴿۶۱﴾ اور دوزخی کہیں
گے: کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے؟ ﴿۶۲﴾ کیا ہم نے ان کی
(یونہی) ہنسی اُڑائی تھی یا نگاہیں اُن سے چوک گئی ہیں، (کہ وہ موجود ہیں مگر ہم انھیں دیکھ نہیں پارہے ہیں؟)۔ ﴿۲﴾ ﴿۶۳﴾

﴿۱﴾ جنت میں ہم عمر بیویوں کی خوشخبری دے کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ شوہر و بیوی کی عمر میں بہت زیادہ فرق نہ ہونا چاہئے اور رشتہ کے انتخاب میں عمر کی مناسبت کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

←

ع ۲۴ ۱۳ إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾
أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْأَعْلٰٓى إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ إِنْ يُّوْحٰٓى إِلَيَّ
إِلَّآ أَنَّمَآ أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَإِذَا
سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾

یقیناً یہ بات یعنی دوزخ والوں کا آپس میں جھگڑنا سچی بات ہے، ﴿۶۴﴾ آپ کہہ دیجئے: میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو اکیلا اور زبردست ہے، ﴿۶۵﴾ آسمانوں کا، زمین کا اور ان کے درمیان کی چیزوں کا پروردگار ہے، غالب اور بخشنے والا ہے، ﴿۶۶﴾ آپ کہہ دیجئے: کہ یہ ایک بڑی خبر ہے، ﴿۶۷﴾ جس سے تم لوگ منھ پھیرے ہوئے ہو، ﴿۶۸﴾ مجھ کو تو عالم بالا کی کوئی خبر بھی نہیں تھی، جب کہ وہ آپس میں بحث کررہے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۶۹﴾ میرے پاس صرف اس لئے وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں، ﴿۷۰﴾ جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں، ﴿۷۱﴾ جب میں اس کو پورا بنالوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم لوگ اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ ﴿۲﴾ ﴿۷۲﴾

← ﴿۲﴾ یعنی اہل دوزخ خود جس مصیبت میں مبتلاء ہوں گے، وہی کچھ کم نہیں ہوگی، پھر ان دوستوں کے ساتھ بحث وتکرار بھی جاری رہے گی، جن سے دنیا میں محبت کا تعلق تھا، پھر ان کو اور زیادہ کوفت اس بات سے ہوگی کہ وہ دنیا میں جن لوگوں کو حقیر اور کمتر سمجھتے تھے اور جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ تو منھ لگائے جانے کے لائق بھی نہیں ہیں، ان کو وہ دوزخ میں نہیں پائیں گے اور انھیں اندازہ ہو جائے گا کہ یہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرشتوں سے اور شیطان سے جو گفتگو ہوئی، جس کا ذکر آگے آرہا ہے، اوپر کی دنیا کے ان واقعات کو کوئی انسان خود نہیں جان سکتا تھا، جب تک خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو اس کی خبر نہ دی جائے، یہی بات آپ کے نبی برحق ہونے اور قرآن مجید کے اللہ کی طرف سے اُتارے جانے کی دلیل ہے۔

﴿۲﴾ قرآن مجید میں ایک موقع پر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا ہے: ''وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ'' (النساء:۱۷۱) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ صرف اس قدر ہے کہ ان کا پیدا ہونا فرمانِ الٰہی کا نتیجہ ہے، جو فرمان حضرت مریم علیہا السلام کی طرف جاری کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی ہوئی روح ہیں، عیسائی حضرات اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ''ونفخت فيه من روحي'' جس کے معنی ہیں کہ اس میں میں نے اپنی طرف سے جان ڈال دی، اگر روح کا ←

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ
يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ
رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ۚۖ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾

چنانچہ تمام فرشتے ایک ساتھ سجدہ میں گر پڑے، ﴿۷۳﴾ سوائے ابلیس کے، کہ اس نے تکبر کیا اور وہ انکار کرنے والوں میں سے ہوگیا، ﴿۱﴾ ﴿۷۴﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روک دیا؟ کیا تمہارے اندر غرور آگیا یا (واقعی) تو بلند مرتبہ والوں میں ہے؟ ﴿۲﴾ ﴿۷۵﴾ ابلیس نے کہا: میں اُس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے، ﴿۳﴾ ﴿۷۶﴾ اللہ نے فرمایا: اچھا، تو یہاں سے نکل جا، تو پھٹکارا ہوا ہے، ﴿۷۷﴾ اور تم پر قیامت کے دن تک میری پھٹکار رہے گی، ﴿۷۸﴾ ابلیس نے کہا: مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دیجئے۔ ﴿۷۹﴾

← مطلب یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو پھر اس آیت کی رُو سے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی —نعوذ باللہ— اللہ کا بیٹا ماننا پڑے گا؛ حالاں کہ عیسائی بھی اس کے قائل نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے خیال کے مطابق تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسی غلطی کا ارتکاب کیا، جو اُن کی نسل میں پشت در پشت جاری رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بقول اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ وہ گناہ کا کفارہ بن سکے: ’’ولعنة الله على الكاذبين‘‘۔

﴿۱﴾ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے کسی حکم پر غفلت اور سستی کی وجہ سے عمل نہ کرے تو یہ اگرچہ گناہ ہے؛ لیکن کفر نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص دین کے کسی حکم کا انکار کر جائے اور اس کا سبب اس حکم کو معمولی سمجھنا ہو تو یہ کفر ہے۔

﴿۲﴾ ہاتھوں سے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عام طور پر انسانوں کی پیدائش میں ماں باپ کا واسطہ رکھا ہے؛ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش میں کوئی واسطہ نہیں رکھا گیا ہے؛ بلکہ براہ راست حکم ربانی کے تحت ان کی پیدائش ہوئی ہے۔

﴿۳﴾ یعنی آگ تو نیچے سے اوپر بلندی کی طرف جاتی ہے اور مٹی اوپر سے نیچے پستی کی طرف آتی ہے؛ اس لئے آگ مٹی سے افضل ہے، پس، میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں، افسوس کہ شیطان اس بات کو نہ سمجھ سکا کہ ایک تو خود آگ کو مٹی سے افضل کہنا قابل غور ہے، مٹی تو آگ کو بجھا دیتی ہے اور اس نے بڑے بڑے آتش فشانوں کو اپنے سینے میں دبا رکھا ہے، دوسرے: جو چیزوں کا مالک ہو، اس کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو جہاں چاہے، رکھ دے، وہ چاہے تو ایک اینٹ سے مسجد کا منبر بنائے اور دوسری اینٹ سے بیت الخلاء کا فرش؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کو فضیلت عطا فرمائی، وہی افضل ہے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۸۰ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۸۱ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝۸۲ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۸۳ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝۸۴ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ
مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۵ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ
الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝۸۶ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۸۷ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝۸۸ ع ۵ ۲۴ ۱۴

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کو اُس متعین وقت کے دن تک کی مہلت ہے، ۝۸۰ ۝۸۱ شیطان کہنے لگا: آپ کی عزت کی قسم! میں آپ کے خاص بندوں کے سوا ان سب کو ضرور گمراہ کردوں گا، ﴿۱﴾ ۝۸۲ ۝۸۳ ارشاد ہوا: یہ سچ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں ۝۸۴ کہ میں تم سے اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے، ان سب سے دوزخ کو بھر کر رکھ دوں گا، ۝۸۵ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کسی اُجرت کا طلب گار نہیں ہوں اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں، ۝۸۶ یہ (قرآن) تمام دنیا والوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے، ۝۸۷ اور کچھ ہی دنوں بعد تم اس کی حقیقت جان لوگے۔ ۝۸۸

﴿۱﴾ یعنی یوں تو شیطان کا داؤ پیچ ایسا ہے کہ اچھے اچھے لوگ اس کے فریب میں آجاتے ہیں؛ لیکن جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر ثابت قدم رہتے ہیں، شیطان کی تدبیریں ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

سُورَةُ الزُّمَر

- سورہ نمبر : (۳۹)
- رکوع : (۸)
- آیتیں : (۷۵)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی آیت نمبر: ۷۱، ۷۲ میں زُمر (زا پر پیش، میم پر زبر) کا لفظ آیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ زمر ہے، اس سورہ میں یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ کی زمین کشادہ ہے: ''أرض الله واسعة'' (آیت نمبر: ۱۰) مفسرین کے بیان اور خود آیت کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آیت ہجرت حبشہ کے وقت نازل ہوئی تھی، حبشہ کی طرف پہلی ہجرت بعثت نبوی کے پانچویں سال میں ہوئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سورہ نازل ہوئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کی دلیل اور قرآن کی صداقت پر کائنات میں پھیلی ہوئی مختلف نشانیوں کی روشنی میں گفتگو فرمائی ہے، اسی ضمن میں انسانی تخلیق کے مراحل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ جن کا مقصود دنیا ہے، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور جن کا مقصود آخرت ہے، ان کو آخرت میں تو کامیابی حاصل ہوگی ہی، کچھ حصہ دنیا میں بھی مل جائے گا، قیامت کے ہولناک منظر کو پیش کیا گیا ہے، جس میں دوبار صور پھونکا جائے گا، پہلے صور پر پوری کائنات فنا ہوکر رہ جائے گی اور دوسرے صور پر سارے لوگ زندہ ہو اُٹھیں گے، جنت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ پڑھ کر جنت کا شوق پیدا ہوجائے، اور دوزخ کے ہولناکی کی ایسی تصویر سامنے لائی گئی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

اس سورہ کی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شب سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۲۰)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ
مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّیۡنَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا
نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحۡکُمُ بَیۡنَهُمۡ فِیۡ مَا هُمۡ فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ وقف لازم
اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ مَنۡ هُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ﴿۳﴾ لَوۡ اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ
مَا یَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿۴﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ یہ اللہ تعالیٰ کی اُتاری ہوئی کتاب ہے جو غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے، اس لئے آپ اللہ کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کیجئے، ﴿۲﴾ آگاہ رہو کہ عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے دوست بنالئے ہیں، (وہ کہتے ہیں:) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کررہے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کا مقرّب بنادیں، تو جن باتوں میں یہ اختلاف کررہے ہیں، یقیناً اللہ اِن کے درمیان اُن کا فیصلہ کردیں گے، اللہ ان لوگوں کو ہدایت سے نہیں نوازتے جو جھوٹے اور ناشکرے ہوں، ﴿۳﴾ اگر اللہ بیٹا بنانا ہی چاہتے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتے منتخب کرلیتے (لیکن حقیقت یہ ہے کہ) وہ تو اس سے پاک ہیں، وہی اللہ ہیں، جو اکیلے اور زبردست ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ شرک کرنے والی سب قومیں ایک حد تک اس بات کو مانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہیں؛ لیکن بہت سی دیویوں دیوتاؤں کی یہ کہہ کر پوجا کرتے ہیں کہ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان شخصیتوں کو اللہ کی نزدیکی حاصل ہے؛ اس لئے ہم ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرسکیں گے، یہی صورت حال زمانۂ جاہلیت میں مشرکین عرب کی بھی تھی، وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، فرشتوں کی بھی یہ کہہ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں تو ان کے ذریعہ ہم اللہ کی نزدیکی حاصل کرسکتے ہیں؛ چنانچہ اس سورہ کے شروع ہی میں اس مضمون کو واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی اصل دعوت یہی ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی جائے، اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ ہو، اللہ کی عبات کے لئے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں اور نہ اس کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے کسی کو بیچ میں لانے کی حاجت ہے؛ اسی لئے آیت نمبر: ۲ اور ۳ میں دین سے مراد عبادت اور اطاعت وفرمانبرداری ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۳۳) اور اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کی بنیاد اللہ کو ایک ماننا ہے، مشرکین عرب کی اس نامعقول بات پر کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، رد کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کی ذات تو اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے؛ لیکن اگر اللہ کو اولاد بنانا ہی ہوتا تو وہ فرشتوں کو اپنی بیٹیاں کیوں بناتا؛ حالاں کہ تم لوگ بیٹیوں کو حقیر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنا بیٹا بنالیتے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ
وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۗ يَخْلُقُكُمْ فِیْ
بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾

اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا، یاد رکھو، وہی غالب بھی ہے اور بہت درگذر کرنے والا بھی، ﴿۱﴾ ﴿۵﴾ اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا، نیز تمہارے لئے آٹھ قسم کے نر و مادہ چوپائے پیدا کئے، ﴿۲﴾ اللہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں کے اندر ایک شکل کے بعد دوسری شکل میں بناتے جاتے ہیں، یہی اللہ ہیں، جو تمہارے پروردگار ہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کدھر بہکائے جارہے ہو؟ ﴿۳﴾ ﴿۶﴾

﴿۱﴾ جو چیز لپیٹی جاتی ہے، وہ لپیٹی جانے والی شئے پر چھا جاتی ہے، دن و رات کا نظام بھی یہی ہے کہ جب دن کی روشنی چھا جاتی ہے تو دن نظر آتا ہے اور جب تاریکی چھا جاتی ہے اور روشنی اوجھل ہوجاتی ہے تو رات ہوجاتی ہے، اس ظاہری کیفیت کو لپیٹنے سے تعبیر کیا گیا ہے، اس آیت میں ''یُكَوِّرُ'' کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ اصل میں کسی گول شئے کو لپیٹنے کے معنی میں آتا ہے، اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ دنیا اصل میں گول ہے، جیسا کہ سائنسدانوں کو اس کا اعتراف ہے، (دیکھئے: تفسیر المنیر: ۲۳؍۲۴۷) —— سورج و چاند کے مقررہ وقت تک چلتے رہنے کا مطلب ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں، ایک خاص وقت یعنی قیامت تک یہ چلتے رہیں گے، پھر یہ فنا کردیئے جائیں گے۔

﴿۲﴾ آٹھ قسم سے اونٹ، بیل، دنبہ اور بکرے کے نر و مادہ مراد ہیں، جن کا ذکر سورۂ انعام: ۱۴۳- ۱۴۴ میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ اس میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں، اول یہ کہ اگر کوئی باریک اور پیچیدہ مشین تیار کی جائے تو اس کو تیار کرنے کے لئے گہری روشنی کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن انسان کو دیکھو کہ اس کا وجود کتنی ساری مشینوں کا مجموعہ ہیں اور مشین بھی اتنی پیچیدہ کہ بال سے زیادہ باریک رگوں اور ریشوں پر مشتمل ہے؛ لیکن انسان کی پیدائش کا عمل ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے جو تین تین پردوں میں چھپا ہوا ہے، مفسرین نے عام طور پر ان تین تاریکیوں سے پیٹ، رحم اور وہ جھلی مراد لی ہے، جس میں بچہ لپٹا ہوا ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵؍۲۳۶) لیکن جدید سائنس نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو تخلیق تین پردوں سے ہوتی ہے :

←

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اگر تم ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہیں اور اللہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند نہیں کرتے اور اگر شکر کرو تو اللہ اس کو تمہارے لئے پسند فرمائیں گے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا، ﴿۱﴾ پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے، تو جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اللہ تم کو بتادیں گے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہیں۔ ۝

← (۱) Ecto Derm جس میں جلد اور اس کے متعلقات کی ابتدائی شکلیں اللہ تعالیٰ بناتے ہیں۔
(۲) Meso Derm جس میں اللہ تعالیٰ ہڈیوں اور گوشت کی ابتدائی شکلیں بناتے ہیں۔
(۳) Endo Derm جس میں ہضمی نظام کے اعضاء پیشاب کی تھیلی اور دیگر غدود کی ابتدائی شکلیں بناتے ہیں۔

(قرآن مجید اور عصر حاضر: ۳۳۴، مقالہ: ڈاکٹر سید عبدالرشید)

یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا؛ کیوں کہ سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں؛ لیکن ممکن ہے کہ یہاں تین تاریکیوں یعنی تین پردوں سے یہی پردے مراد ہوں، دوسری بات فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ماں کے پیٹ میں رفتہ رفتہ ایک شکل کے بعد دوسری شکل دے کر پیدا فرماتے ہیں؛ کیوں کہ بچہ اگر ایک ہی دفعہ اپنی آخری شکل اختیار کر لیتا تو ماں کے لئے اس کے بوجھ کو اُٹھانا اور اُٹھائے اُٹھائے پھرنا بڑا دشوار عمل ہوتا؛ اس لئے مختلف مرحلوں میں اس کی تخلیق کا عمل مکمل ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی اگر اہل مکہ ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں، جس سے بڑھ کر اللہ کی ناشکری نہیں ہوسکتی تو اس کی ذمہ داری پیغمبر ﷺ پر نہیں؛ کیوں کہ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کا خود نیکی پر قائم رہنا کافی ہے، یا اس کا خود گناہ سے بچنا کافی ہے، دوسرے بھائیوں کو نیکی کی دعوت دینا اس کے ذمہ نہیں ہے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگر تم دوسروں کو نیکیوں کی طرف بلاؤ اور برائیوں سے روکو؛ لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرے تو اس کے بارے میں اللہ کے یہاں تم سے پوچھ نہیں ہوگی۔

اس ارشاد سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک بنیادی بات واضح فرمادی کہ یوں تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو ارادہ واختیار کی طاقت دی ہے کہ چاہو تو شکر گزار بنو، چاہو تو ناشکرے، اللہ نے تم کو کسی ایک پہلو پر مجبور نہیں کر دیا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی پسند یہ ہے کہ تم شکر گزار بندے بنو، یہ جو ارادہ واختیار کی قوت دی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور اللہ جس بات کو پسند فرماتے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضاء ہے تو انسان کو چاہئے کہ اس عمل کو اختیار کرے، جس میں اللہ کی رضاء وخوشنودی ہو، اس کو اسی کا حکم دیا گیا ہے، اگر وہ اللہ کی ناراضگی والے پہلو کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی بے توفیقی ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ نے اس کے لئے یہی چاہا تھا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا
اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ
رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ۝۹ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا ع ۹ ۱۵
حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ
اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار سے رُجوع ہوکر اسی کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو جس کام کے لئے اس کو پہلے پکار رہا تھا، اس کو بھول جاتا ہے اور اللہ کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے؛ تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستے سے بہکادے، آپ کہہ دیجئے: اپنی ناشکری کے ساتھ چند روز نفع اُٹھالو، کوئی شک نہیں کہ پھر تم دوزخیوں میں سے ہوگے، ۝۸ بھلا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ وقیام کرتے ہوئے، آخرت سے ڈرتے ہوئے اور اپنے رب کی رحمت سے لو لگائے ہوئے عبادت میں لگا ہوا ہے، وہ (بہتر ہے یا یہ ناشکر گزار شرک کرنے والا شخص؟) آپ دریافت کیجئے: جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے، کیا دونوں برابر ہوتے ہیں؟ یقیناً عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ۝۹ آپ کہہ دیجئے: (اللہ فرماتے ہیں:) اے میرے بندو جو ایمان لاچکے ہو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کریں گے، ان کے لئے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے، صبر کرنے والوں کو یقیناً بے حساب اجر عطا کیا جائے گا، ﴿۲﴾ ۝۱۰ آپ فرما دیجئے: مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس طرح اللہ کی عبادت کروں کہ اللہ ہی کے لئے عبادت کو خالص رکھوں۔ ۝۱۱

﴿۱﴾ یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو بھی اور کافروں کو بھی جو نعمتیں حاصل ہیں، اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ کی نظر میں یہ دونوں برابر ہیں؛ کیوں کہ بہتر عمل کرنے والے اور برے عمل کرنے والے، عالم اور جاہل دونوں کیسے برابر ہوسکتے ہیں؟ —— مفسرین نے ایک نکتہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک: عمل، دوسرے: علم، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی فضیلت کی بنیادیں یہی دو چیزیں ہیں: عمل صالح اور علم نافع۔

﴿۲﴾ یعنی اگر کسی جگہ تمہارے لئے اللہ کے دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے، ان کو ہجرت کرکے ایسی جگہ چلا جانا چاہئے، جہاں اللہ کے دین پر عمل کرسکیں —— آیت کے اس مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ لیکن اس کا نزول ہجرت کے قریب ہوا ہے۔

وَاُمِرۡتُ لِاَنۡ اَكُوۡنَ اَوَّلَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۲﴾ قُلۡ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ
عَظِيۡمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّهٗ دِيۡنِىۡ ۙ﴿۱۴﴾ فَاعۡبُدُوۡا مَا شِئۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ ؕ قُلۡ اِنَّ
الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ
الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ
عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَاَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ
الۡبُشۡرٰى ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ
هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾

اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں خود سب سے پہلے مسلمان بنوں ﴿۱۲﴾ کہہ دیجئے: اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بھی بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے، ﴿۱۳﴾ کہہ دیجئے: میں تو اللہ ہی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں، ﴿۱۴﴾ تم اللہ کے سوا جس کو پوجنا چاہو پوج لو، کہہ دیجئے: اصل نقصان اُٹھانے والے وہی لوگ ہیں، جنھوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نقصان میں ڈال دیا، سُن لو کہ یہی کھلا ہوا نقصان ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾ ان کے لئے اوپر سے بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کا فرش، یہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں، پس اے میرے بندو! مجھ ہی سے ڈرو، ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ بتوں کو پوجنے سے باز رہے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے لئے خوشخبری ہے تو میرے ان بندوں کو خوشخبری سنادو، ﴿۱۷﴾ جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے اور یہی ہیں عقل مند لوگ! ﴿۲﴾ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ ''جس کو پوجنا چاہو پوج لو'' کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو کسی عمل پر مجبور نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس کو ارادہ واختیار کی طاقت دی گئی؛ لیکن اگر انسان شرک کرے گا تو وہ آخرت کا نقصان اُٹھائے گا، اصل نقصان تو خود اُٹھائے گا؛ لیکن عام طور پر بال بچے اپنے سرپرست کے راستے پر چلتے ہیں اور جو لوگ شرک وکفر کو اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کے متعلقین بھی اسی میں مبتلا ہوئے ہیں؛ اس لئے انھوں نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے اہل وعیال کو بھی نقصان میں ڈالا۔

﴿۲﴾ قرآن مجید کی یوں تو ہر بات اچھی ہی ہے؛ لیکن شریعت کے بعض احکام جائز کے درجہ میں ہیں اور بعض مستحب کے درجہ میں، مثلاً سفر کی حالت میں روزہ چھوڑ دینا جائز ہے اور رکھ لینا بہتر ہے، جس قدر کسی نے تکلیف پہنچائی، اسی حد تک بدلہ لے لینا جائز ہے اور معاف کردینا بہتر ہے، وضوء میں ایک بار اعضاء وضوء کو دھونا جائز ہے اور تین بار دھونا مستحب ہے، تو سنی ہوئی باتوں میں سے بہتر بات پر عمل کرنے سے یہی مراد ہے کہ وہ صرف جائز پر عمل نہیں کرتے؛ بلکہ مستحب اور افضل پر عمل کرتے ہیں —— ←

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝١٩ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ
لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ
اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝٢٠ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ
يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝٢١ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ ع ۲/۱۲ ۱۶
فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢٢

بھلا جس شخص کے لئے عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہو تو کیا جو شخص دوزخ میں ہے آپ اُسے چھڑا سکتے ہیں؟ ۝١٩ ہاں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے، ان کے لئے ایسے بالا خانے ہیں، جن کے اوپر اور بھی بالا خانے بنے ہوئے ہیں، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے، ۝٢٠ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اس کو زمین میں چشموں کی صورت میں جاری فرما دیا، پھر اسی پانی سے کھیتی اُگاتے ہیں جو رنگ برنگ کی ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد پڑ گئی ہے، پھر اللہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے، ﴿۱﴾ ۝٢١ بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (کیا وہ اور سخت دل ایمان نہ لانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟) اُن لوگوں کے لئے تباہی و بربادی ہے، جن کے دل (سخت ہیں کہ) اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ ﴿۲﴾ ۝٢٢

← مفسرین نے قرآن مجید کے اس فقرہ کے بعض اور معنی بھی بتائے ہیں؛ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۴۴) لیکن یہ ان میں سب سے بہتر تشریح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

﴿۱﴾ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر انسان کو سال بھر کی ضرورت کے لئے مطلوب پانی ایک ساتھ دے دیا جاتا تو سوچئے کہ وہ اس پانی کی حفاظت کا کیا انتظام کر پاتا اور اس پانی کو بدبو، آلودگی اور سڑن سے کیوں کر بچا پاتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پانی کے دو خزانے تیار کر دیئے ہیں، ایک: اس کے اوپر بادلوں کی شکل میں، جو ہزاروں ٹن پانی اُٹھائے اُٹھائے ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر طے کرتا رہتا ہے، دوسرے: زمین کی تہوں میں، جو کنوؤں اور پائپ لائنوں کے ذریعہ اوپر لایا جاتا ہے اور جس کی مقدار بے حد و حساب ہے، اسی پانی سے کھیتی لہلہا اُٹھتی ہے، پھر یہ ہری بھری کھیتی سوکھ کر زرد ہو جاتی ہے اور بعد میں بھوسہ بن جاتی ہے، پھر ایسی قدرت و طاقت والے خدا کے لئے انسان کو موت دینا اور دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟

﴿۲﴾ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کی دو کیفیتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک: شرح صدر، دوسرے: قساوت قلبی ـــ شرح صدر ←

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں، یعنی ایک ایسی کتاب جس کے مضامین باہم ملتے جلتے ہیں اور بار بار دُہرائے جاتے ہیں، ﴿۱﴾ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف (متوجہ ہوجاتے ہیں) ﴿۲﴾ یہی ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت، اللہ اس کے ذریعہ سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں اور جس کو اللہ ہی ہدایت سے محروم کردیں، اس کو کوئی راستہ نہیں دکھا سکتا۔ ﴿۲۳﴾

← کے معنی ہیں: دل کا کھل جانا، یعنی انسان اللہ تعالیٰ کے احکام پر دل کی آمادگی اور رغبت کے ساتھ عمل کرے، جیسے روشنی کو دیکھ کر انسان اس کی طرف بڑھنے لگتا ہے، اسی طرح حکم الٰہی انسان کے لئے اللہ کا نور بن جاتا ہے، شرح صدر کی اس کیفیت کے مختلف درجات ہیں؛ لیکن ہر مسلمان کو اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور حاصل ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایمان پر نہ ہوتا؛ اسی لئے مسلمان کتنا بھی برا ہو، اس کو نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر ضرور خوشی ہوتی ہے، یا جب وہ اپنے بچوں کو دیکھتا ہے کہ وہ دین پر ثابت قدم ہیں تو اس سے ایک اطمینان حاصل ہوتا ہے، حضرت اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ شرح صدر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب دل میں نور داخل ہوجائے، ہم لوگوں نے عرض کیا: اس کی علامت کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: آخرت کی طرف توجہ، دنیا سے بے رغبتی اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری، (قرطبی: ۱۵/۱۶۱) قساوت قلبی سے مراد دل کا سخت ہوجانا ہے، سخت دلی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہے، اور بندوں سے بھی، اللہ کے ساتھ سخت دلی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اس کے دل کو نرم نہ کرے، وہ ارشادات خداوندی کو سنے، مگر اس کا دل پگھلے نہیں اور اس میں خوف وخشیت نہ پیدا ہو، اور بندوں کے حق میں سخت دلی یہ ہے کہ دوسروں کی مصیبت اور محتاجی اسے بے چین نہ کرے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی ضرورت کھلے دل کے لوگوں سے مانگو؛ کیوں کہ میں نے ان کے اندر اپنی رحمت رکھ دی ہے، سخت دل لوگوں سے نہ مانگو؛ کیوں کہ میں نے ان کے اندر اپنا غضب رکھ دیا ہے۔ (قرطبی: ۱۵/۱۶۱)

﴿۱﴾ یعنی باوجود اس کے کہ قرآن مجید طویل عرصے میں تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا گیا ہے اور اس کی ضخامت بھی بہت زیادہ ہے، اس کے باوجود مضامین میں کوئی ٹکراؤ نہیں؛ بلکہ وہ ایک دوسرے کی تائید وتقویت کا باعث ہیں اور ایک ہی مضمون سمجھانے اور ذہن میں راسخ کرنے کے لئے بار بار ذکر کیا جاتا ہے؛ لیکن اس طور پر کہ پڑھنے والے کو کوئی اُکتاہٹ نہیں ہوتی، برخلاف انسانوں کی مرتب کی ہوئی قانون کی کتابوں کے، جن میں ایک مضمون کو ایک ہی مرتبہ نقل کیا جاتا ہے، عام لوگوں کے لئے اس کو ذہن میں محفوظ رکھنا دشوار ہوجاتا ہے، اور انداز بیان بھی ایسا خشک ہوتا ہے کہ جس کو بار بار پڑھا نہیں جا سکتا۔ ←

أَفَمَنْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظّٰلِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ
تَكْسِبُونَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۵﴾
فَأَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُونَ وَرَجُلًا
سَلَمًا لِرَجُلٍ ۚ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۹﴾

وقف لازم

بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے منھ پر روکے گا (جنتی شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: تم جو کچھ کیا کرتے تھے، اُسے چکھو، ﴿۲۴﴾ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آگیا، جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا، ﴿۲۵﴾ تو اللہ نے ان لوگوں کو دنیا کی زندگی ہی میں رسوائی چکھادی اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش! یہ لوگ جانتے ہوتے، ﴿۲۶﴾ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، ﴿۲۷﴾ ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی خامی نہیں؛ تاکہ یہ لوگ ڈریں، ﴿۱﴾ ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ ایک ایسا شخص ہے جس میں کئی آدمی شریک ہیں، جن کے درمیان آپس میں رسہ کشی بھی ہے، اور ایک وہ شخص ہے جو مکمل ایک ہی شخص کا غلام ہے، کیا ان دونوں کا حال برابر ہوسکتا ہے؟ الحمد للہ؛ لیکن ان میں سے اکثر سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۹﴾

← ﴿۲﴾ اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے، جن کے دلوں کو اللہ نے ہدایت کے لئے کھول دیا ہے کہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کا کلام سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، معلوم ہوا کہ ایمان کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کا کلام اسے متأثر کرے، دوزخ کا ذکر اسے لرزا دے اور جنت کا ذکر اس میں شوق کی چنگاری سلگا دے۔

﴿۱﴾ گویا اصل قرآن وہی ہے، جو عربی زبان میں ہے، قرآن کا ترجمہ اس کے مفہوم و مراد کی وضاحت ہے نہ کہ خود قرآن؛ لہٰذا قرآن کا ترجمہ پڑھنے پر تلاوتِ قرآن کا ثواب نہیں ملے گا، اور جیسے قرآن مجید کو چھونے کے لئے وضوء ضروری ہے، ترجمہ کو چھونے کے لئے وضوء ضروری نہیں؛ البتہ بہتر ہے کہ بلا عذر اسے بھی بغیر وضوء کے چھونے سے گریز کیا جائے۔

﴿۲﴾ توحید اور شرک کے لئے کیا خوب مثال دی گئی ہے کہ توحید ایک مالک کی غلامی ہے اور ایک مالک کا حکم بجالانا آسان ہے، مشرک کی حیثیت اس شخص کی ہے جس کی گردن میں کئی کئی مالکوں کی غلامی کا طوق ہو اور پھر ان میں رسہ کشی بھی ہو کہ غلام کے لئے فیصلہ کرنا دشوار ہوجائے کہ وہ کس کا کہا مانے اور کس کا نہ مانے؟

ع ۳/۱۰ ۱۷

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمۡ مَّیِّتُوۡنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ تَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۳۱﴾

اس میں شک نہیں کہ آپ کو بھی مرنا ہے اور ان لوگوں پر بھی موت آنے والی ہے، ﴿۳۰﴾ پھر قیامت کے دن تم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑا پیش کروگے، (اور اللہ خود فیصلہ فرمائیں گے)۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۱﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی موت واقع ہوئی ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ غلبۂ جوش میں کہنے لگے کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کیا، (قرطبی: ۱۵/ ۱۶۵) غرض کہ موت سے کوئی مستثنیٰ نہیں، اور ہر ایک کو مرنے کے بعد حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ جہاں نیکیوں کا بدلہ اور گناہوں کی سزا دیں گے، وہیں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ معاملات اور جھگڑے بھی پیش کئے جائیں گے، جو دنیا میں مختلف لوگوں کے درمیان ہوئے تھے اور جن کا فیصلہ نہیں ہو پایا تھا؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جس کے پاس روپے پیسے نہ ہوں، سامان و اسباب نہ ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کے مفلس لوگ وہ ہیں، جو قیامت کے روز نماز، روزے، زکوٰۃ لے کر آئیں گے؛ لیکن اپنے گناہ بھی ساتھ لائیں گے، کہ فلاں شخص کو برا بھلا کہا، فلاں پر تہمت لگائی، فلاں کا مال کھا گیا، فلاں کا خون بہایا اور فلاں کو مار پیٹ کی؛ چنانچہ ان گناہوں کے بدلے اس شخص کی نیکیاں اس شخص کو دے دی جائیں گی اور جب ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو صاحب حق کے گناہ اس شخص کے ذمہ کر دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، (مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۱) تو اس طرح اللہ تعالیٰ دنیا کے جھگڑوں کو بھی طے فرمائیں گے۔

● ● ●

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۳۲ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۳۳ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۳۴ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۳۵ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۳۶ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۳۷

پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اور سچی بات اس کے پاس آجائے، پھر بھی اسے جھٹلا دے، کیا ایمان نہ لانے والوں کا جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے؟ ۳۲ اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مان لیا وہی لوگ پرہیز گار ہیں، ﴿۱﴾ ۳۳ ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہے، جو وہ چاہیں گے، یہی ہے نیک لوگوں کا بدلہ؛ ۳۴ تاکہ اللہ اُن سے اُن برائیوں کو دُور کر دیں جو انھوں نے کی تھیں، اور ان کو ان کے نیک کاموں کا اجر عطا فرمادیں، ﴿۲﴾ ۳۵ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ یہ لوگ آپ کو اللہ کے ماسوا سے ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ ہدایت سے محروم کر دیں تو کوئی اُسے ہدایت نہیں دے سکتا ۳۶ اور جس کو اللہ نے ہدایت دے دی، اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، کیا اللہ تعالیٰ زبردست اور بدلہ لینے والے نہیں ہیں؟ ﴿۳﴾ ۳۷

﴿۱﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ جو قرآن لے کر آئے اور صحابہ جو اس سچی کتاب پر ایمان لائے۔

﴿۲﴾ یعنی ایمان لانے سے پہلے انھوں نے جو گناہ کئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیں گے اور اب جو نیکیاں کریں گے، ان پر بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔

﴿۳﴾ جو قومیں شرک میں مبتلا ہوتی ہیں وہ توہم پرست بن جاتی ہیں اور کائنات کی ایک ایک چیز سے ڈرنے لگتی ہیں، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی مورتیوں کا بھی خوف ان کے دلوں میں سما جاتا ہے؛ چنانچہ اہل مکہ حضور ﷺ کو ڈراتے تھے کہ اگر آپ ﷺ نے ہمارے دیوتاؤں کو بُرا بھلا کہنا نہ چھوڑا تو وہ آپ ﷺ کو دیوانہ بنادیں گے یا کسی مصیبت میں مبتلا کردیں گے، اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ جب انھوں نے عُزّیٰ نامی بُت کو اپنی کدال سے توڑنا چاہا تو اس مندر کے پجاری کہنے لگے: میں تم کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ایسا طاقتور دیوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی؛ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کی ناک پہ وار کیا اور اپنی کدال سے اسے توڑ کر رکھ دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۲۱۸) اسی طرح کے واقعات کے پس منظر میں یہ بات فرمائی گئی کہ یہ لوگ جھوٹے معبودوں سے ڈراتے ہیں، کیا اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے لئے اللہ کی ذات کافی نہیں ہے؟ جو قومیں شرک میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ اوہام اور اندیشوں کے گھیرے میں رہتی ہیں، کبھی وہ کسی جانور کے گزرنے سے ←

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ
رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ
عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ
اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ ع ۴
مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور جواب دیں گے: اللہ، آپ پوچھئے: تمہارا کیا خیال ہے، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہیں تو اللہ کے سوا تم جن چیزوں کی پوجا کرتے ہو، کیا وہ اس تکلیف کو دُور کردیں گے؟ یا اللہ میرے ساتھ رحم وکرم کا ارادہ فرمائیں تو کیا وہ لوگ اللہ کی رحمت کو روک دیں گے؟ آپ فرمادیجئے: میرے لئے اللہ ہی کافی ہیں اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے، ﴿۳۸﴾ کہہ دیجئے: اے میری قوم! تم بھی اپنی جگہ عمل کئے جاؤ اور میں بھی عمل کررہا ہوں، تم عنقریب جان لوگے، ﴿۳۹﴾ کہ کس پر رُسوا کردینے والا عذاب آتا اور ہمیشہ رہنے والا عذاب اُترتا ہے؟ ﴿۱﴾ ﴿۴۰﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے لوگوں کے لئے آپ پر برحق کتاب اُتاری ہے، تو جو راستہ پر آجائے، وہ اپنے ہی بھلے کے لئے آئے گا، اور جو گمراہ ہوگا، وہ اپنے ہی اوپر گمراہی کا وبال لے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں، ﴿۴۱﴾ اللہ تعالیٰ ہی مرنے کے وقت روحیں قبض کرلیتے ہیں اور جن کی موت واقع نہیں ہوتی سوتے وقت ان کی روحیں لے لیتے ہیں، پھر جس پر موت کا حکم فرمادیتے ہیں، ان کی روح کو روکے رکھتے ہیں، اور دوسروں (یعنی جن کے لئے ابھی موت کا فیصلہ نہیں ہوا) کے پاس ایک مقررہ وقت کے لئے روحوں کو بھیج دیتے ہیں، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو غور وفکر کیا کرتے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۲﴾

← ڈرتی ہیں، کبھی کسی پرندہ کے آجانے سے، کبھی کسی خاص دن یا وقت سے، یہاں تک کہ گذشتہ زمانہ میں اسی وہم کے باعث اولاد اور بالخصوص بیٹوں کی قربانی دی جاتی تھی، شادی کے لئے برکت اور نحس کا وقت معلوم کیا جاتا، یہ سب کچھ ایمان ویقین سے محرومی کا نتیجہ ہے، افسوس کہ آج کل بعض مسلمان بھی ایسے توہمات میں مبتلا ہیں۔

﴿۱﴾ رُسوا کن عذاب سے دنیا کا عذاب مراد ہے، جو اہل مکہ پر غزوۂ بدر کی شکل میں آیا اور جس میں ان کے بڑے بڑے سردار ←

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ
لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

یا کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ سفارشی تیار کر رکھے ہیں؟ کہہ دیجئے کہ چاہے یہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں (پھر بھی ان کو سفارشی ٹھہرائیں گے؟) ﴿۴۳﴾ فرما دیجئے کہ سفارش تو تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں میں اور زمین میں اسی کی بادشاہت ہے، پھر تم لوگ اسی خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے، ﴿۱﴾ ﴿۴۴﴾ اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور جب اللہ کے سوا اَوروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۵﴾

← اُن لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے، جن کو وہ بڑا حقیر خیال کرتے تھے، اور ہمیشہ رہنے والا عذاب آخرت میں آئے گا۔

﴿۲﴾ یعنی نیند انسان کے مرنے اور دوبارہ زندہ کئے جانے کی ایک مثال ہے کہ جب آدمی کو نیند آتی ہے تو زندگی کی بہت سی کیفیات اس سے سلب کرلی جاتی ہیں، نہ آنکھ دیکھتی ہے نہ کان سنتا ہے، نہ ناک کو خوشبو و بدبو کا احساس ہوتا ہے، نہ اس کے ارادۂ واختیار سے اس کے جسم میں حرکت ہوتی ہے، دماغ کے بہت سے افعال رُک جاتے ہیں، پھر جیسے ہی بیدار ہوتا ہے، ایک لمحہ میں ساری صلاحیتیں واپس آجاتی ہیں، اسی طرح جب انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس کو زندہ کرنا وقت طلب اور لمبا چوڑا عمل نہ ہوگا؛ بلکہ جوں ہی اللہ کا حکم ہوگا، ایک لمحہ میں زندگی کی ساری کیفیتیں بحال ہوجائیں گی —— روح کو روکے رکھنے اور ایک مقررہ مدت کے بعد بھیج دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیند ہی کی حالت میں موت کا فیصلہ ہوتا ہے تو اس کے بیدار ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

﴿۱﴾ عام طور پر جو لوگ شرک کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اصل خدا تو ایک ہی ہے، ہمارے یہ دیوی دیوتا سفارشی کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ اللہ کے حضور میں سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ نے دو طریقوں پر اس کی تردید فرمائی ہے، ایک یہ کہ اللہ کے یہاں وہی سفارش کرسکتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سفارش کرنے کی اجازت دی ہو، جب ان کو اللہ کی طرف سے اس کا اختیار ہی نہیں دیا گیا ہے تو یہ سفارش کیسے کرسکتے ہیں؟ دوسرے: سفارش کرنے کے لئے بھی کچھ عقل اور صلاحیتوں کی ضرورت ہے، یہ تو نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں، یہ کیا خاک سفارش کریں گے!

﴿۲﴾ یعنی شرک کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے خودساختہ معبودوں کا بھی ذکر کیا جائے تب تو وہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر تنہا اللہ کا ذکر کردیا جائے تو ان کا دل تنگ ہونے لگتا ہے، یعنی اصل اور حقیقی خدا ہی کے بارے میں ان کے دل میں تنگی پائی جاتی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ
مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا
يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا
مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ
فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۵ ۲

آپ کہیئے : اے اللہ ! جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اور ظاہر و باطن کے جاننے والے ہیں ، آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان اس بات کا فیصلہ فرمائیں گے ، جس میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ، ﴿۴۶﴾ اور اگر ظلم کرنے والوں کو وہ سب کچھ حاصل ہو جائے ، جو زمین میں ہے اور اس کے برابر مزید ، تو قیامت کے دن سخت عذاب سے رہائی کے لئے وہ ضرور یہ سب دے ڈالیں ، اور اللہ کی طرف سے وہ سب چیزیں ان کے سامنے آئیں گی ، جن کا اُن کو گمان بھی نہ رہا ہوگا ، ﴿۴۷﴾ ان کو ان کے بُرے اعمال نظر آجائیں گے اور جس چیز کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے (یعنی عذاب) ، وہ ان کو گھیر لے گا ، ﴿۴۸﴾ پس جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے ، پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو کہتا ہے : یہ تو مجھ کو (میرے) علم و دانش کی بنیاد پر ملی ہے ، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک آزمائش ہے ؛ لیکن ان کی اکثریت سمجھتی نہیں ہے ، ﴿۴۹﴾ یہی بات ان سے پہلے کے لوگ بھی کہہ چکے ہیں تو ان کا عمل ان کے کچھ کام نہ آیا ، ﴿۵۰﴾ پھر ان پر ان کے کرتوتوں کا وبال آگیا اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے عنقریب اُن پر بھی اُن کے کاموں کا وبال آجائے گا اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ، ﴿۵۱﴾ کیا انھیں نہیں معلوم ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں ، روزی کو کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں تنگ کر دیتے ہیں ؟ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں ، جو ایمان لاتے ہیں ۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۲﴾

﴿۱﴾ یعنی دنیا میں دولت و راحت کا حاصل ہونا اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں ، اسی طرح تنگی و مصیبت سے دوچار ہونا اللہ کے یہاں نامقبول ہونے کی علامت نہیں ؛ بلکہ اس میں انسان کی آزمائش ہے کہ کہیں دولت اس کو سرکش تو نہیں بنادیتی اور کہیں وہ مصیبت کی وجہ سے اللہ سے شکوہ تو نہیں کرتا ؟

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ
الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵۳ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۵۴ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۵۵ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى
مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝۵۶ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ
مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۵۷ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸
بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۹

آپ کہہ دیجئے: (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) اے میرے وہ بندو! جو اپنے آپ پر زیادتی کر گذرے ہیں، اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بے حد معاف کرنے والے اور بڑے ہی مہربان ہیں، ۝۵۳ اپنے پروردگار کی طرف واپس آجاؤ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے، اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ، ۝۵۴ اور اس سے پہلے کہ اچانک تم پر عذاب آدھمکے اور تم کو خبر بھی نہ ہو، اس نہایت اچھی کتاب کی — جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے — پیروی کرو، ۝۵۵ کہ کہیں کوئی شخص کہنے لگے: ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی شان میں کی ہے اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہا، ۝۵۶ یا کہنے لگے: اگر اللہ مجھے ہدایت دیئے ہوتے تو ضرور میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا، ۝۵۷ یا جب عذاب دیکھے تو کہنے لگے: کاش میرا پھر ایک بار (دنیا میں) لوٹ کر جانا ہوتو میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوجاؤں، ۝۵۸ (اللہ فرمائیں گے:) ہاں کیوں نہیں، تمہارے پاس میرے احکام پہنچے تھے تو تم نے اس کو جھٹلا دیا، تکبر کیا اور کافروں میں شامل رہا۔ ﴿۱﴾ ۝۵۹

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش کے کچھ لوگوں نے جو قتل وزنا کے بہت سارے گناہ کر چکے تھے، حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں، یقیناً وہ بڑی اچھی بات ہے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم تو بہت سارے گناہ کر چکے ہیں، تو اگر ہم اس کو قبول کرلیں تو کیا ہمارے گناہ معاف ہوجائیں گے اور ہماری توبہ قبول ہوگی؟ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، (بخاری عن ابن عباس، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الزمر، حدیث نمبر: ۴۵۳۲) — اس طرح کے بعض اور واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں کہ ایمان سے محروم بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ ہم نے تو اتنے گناہ کئے ہیں کہ شاید وہ معاف ہی نہ ہوسکیں، قرآن مجید نے اسی پس منظر میں یہ مژدہ سنایا کہ اللہ اتنے کریم ہیں کہ انسان جب ایمان لے آئے اور توبہ کرلے تو ان سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۶۰ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝۶۱ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۶۲ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۳ؑ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّيْٓ
اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝۶۴ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ
لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۵

ع ۶ ۳

آپ قیامت کے دن اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کو دیکھیں گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں، کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟ ﴿۱﴾ ۝۶۰ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کو ان کے کامیاب ہونے کی وجہ سے نجات عطا کریں گے، نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ۝۶۱ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں اور وہی ہر چیز کے نگہبان ہیں، ۝۶۲ اسی کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں ہیں اور جو لوگ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے، وہی نقصان میں رہیں گے، ﴿۲﴾ ۝۶۳ کہہ دیجیے: اے نادانو! کیا تم اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے کا مشورہ دیتے ہو، ۝۶۴ اور (اے پیغمبر!) حالاں کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے کے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو ضرور تمہارا کیا کرایا غارت ہو جائے گا اور یقیناً تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے؟ ۝۶۵

﴿۱﴾ دنیا میں اللہ کی ستاری اور پردہ پوشی کا نظام یہ ہے کہ جیسے جسمانی بیماریوں کی علامت انسان کے جسم پر یا چہرہ پر ظاہر ہو جاتی ہے، گناہوں کی علامت ظاہر نہیں ہوتی، اگر ایسا ہوتا تو کوئی انسان دوسرے انسان کو منھ دکھانے کے لائق نہیں ہوتا؛ لیکن آخرت میں دوزخ کے مستحق لوگوں کے ساتھ رسوائی کا ایک معاملہ یہ بھی ہوگا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور یہی سیاہی ان کے گنہگار ہونے کو ظاہر کر دے گی۔

﴿۲﴾ اللہ کے پاس زمین و آسمان کی کنجیاں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کی ملکیت اور اختیار میں ہیں، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ''لا إله إلا الله والله اكبر ، وسبحان الله والحمد لله واستغفر الله ولا قوة إلا بالله الاول والآخر والظاهر والباطن له الملك وله الحمد بيده الخير وهو على كل شئ قدير '' کو ''آسمان و زمین کی کنجیاں'' (مقاليد السمٰوات والارض) قرار دیا کہ اس کو دس بار صبح میں اور دس بار شام میں پڑھا کرے، گویا جو اس کو پڑھنے کا اہتمام کرے گا، وہ آسمان اور زمین کے خزانے پائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۷۵)

بَلِ اللّٰهَ فَاعۡبُدۡ وَكُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ۖ وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا
قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌۢ بِيَمِيۡنِهٖ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿٦٧﴾ وَنُفِخَ
فِى الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى
فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ ﴿٦٨﴾

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزار بندوں میں شامل رہو، ﴿۱﴾ ﴿٦٦﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اللہ کی تعظیم کا حق ہے؛ حالاں کہ پوری زمین قیامت کے دن اللہ کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اللہ کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، اللہ کی ذات پاک ہے اور وہ جو کچھ شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ اس سے بلند و برتر ہیں، ﴿۲﴾ ﴿٦٧﴾ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین میں جو بھی ہیں، سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ چاہے (کہ وہ بے ہوش نہ ہوں گے)، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یکا یک سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔ ﴿۳﴾ ﴿٦٨﴾

﴿۱﴾ بعض اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ اپنے آباء واجداد کے دین کو غلط کہتے ہیں اور گویا خود اپنے آباء واجداد کو گمراہ قرار دیتے ہیں، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۷۹) مطلب یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری اور اچھے سلوک کا حکم ضرور دیا ہے؛ لیکن یہ ممکن نہیں کہ توحید اور شرک ایک ساتھ جمع ہو جائیں۔

﴿۲﴾ زمین کے مٹھی میں ہونے اور آسمان کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، جیسے کہا جاتا ہے: فلاں چیز میری مٹھی میں ہے، یعنی یہ چیز میرے قدرت اور اختیار میں ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ میں ہو؛ لیکن اللہ کا ہاتھ اللہ کی شان کے مطابق ہوگا، انسان اس کا اندازہ نہیں کرسکتا اور مخلوق کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

﴿۳﴾ غرض کہ دو بار صور پھونکا جائے گا، پہلے صور میں سوائے چند فرشتوں کے پوری کائنات فنا ہو جائے گی، اور دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ زندہ ہو جائیں گے، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جو پہلے صور پر بے ہوش نہیں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، اور ملک الموت، اللہ تعالیٰ اپنی شان اور قدرت کے اظہار کے لئے ملک الموت سے دریافت کریں گے کہ میری مخلوق میں سے کون کون لوگ بچ گئے؟ تو ملک الموت چاروں فرشتوں کا ذکر کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اسرافیل اور میکائیل کی بھی جان نکال لو؛ چنانچہ یہ دونوں بھی مرجائیں گے، پھر ملک الموت کو حکم ہوگا کہ تم بھی مرجاؤ، ان پر بھی موت طاری ہو جائے گی، اخیر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو موت آئے گی۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع
وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى
الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ
طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی، نامۂ اعمال رکھا جائے گا، پیغمبروں کو اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا، ﴿۱﴾
لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان کے ساتھ (ذرا بھی) ناانصافی نہیں ہوگی، ﴿۶۹﴾ اور ہر شخص کو
اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ جو کچھ کیا کرتے تھے، اللہ ان سے خوب واقف ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۷۰﴾
اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا، ان کو گروہ درگروہ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے پاس
پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور دوزخ کے داروغہ ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس
تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے، جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے
اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں کیوں نہیں؛ لیکن ایمان نہ لانے والوں پر
عذاب کا وعدہ پورا ہوکر ہی رہا، ﴿۷۱﴾ ان سے کہا جائے گا: دوزخ کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، جس میں ہمیشہ ہمیش
رہنا ہے، غرض کہ تکبر کرنے والوں کا کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے! ﴿۷۲﴾ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے، ان کو گروہ
درگروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو اس حال میں کہ اس کے
دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور ان کو داروغۂ جنت کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ لوگ ہو، اب ہمیشہ کے لئے
اِس میں داخل ہوجاؤ۔ ﴿۷۳﴾

﴿۱﴾ گواہوں سے مراد پیغمبر، فرشتے اور اُمت محمدیہ ہیں، نیز خود انسان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

﴿۲﴾ غرض کہ قیامت قائم ہونے اور انسان کے حساب وکتاب اور فیصلہ کے سلسلہ میں سات حالتیں پیش آئیں گی، پہلا صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ مرجائیں گے، دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو اُٹھیں گے، تیسرے: زمین روشن ہوجائے گی، ←

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ
فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓىِٕكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۸ ۵ ۵

اور وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ہمیں اس زمین کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں، غرض کہ (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی بہتر اجر ہے! ﴿۱﴾ ﴿۷۴﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں، ﴿۲﴾ اور لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں۔ ﴿۷۵﴾

← چوتھے: نامۂ اعمال سامنے رکھا جائے گا، پانچویں: پیغمبروں اور گواہوں کو لایا جائے گا، چھٹے: ان کے درمیان فیصلہ ہوگا اور ساتواں مرحلہ یہ ہے کہ ان کو ان کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، جیسا کہ آگے کی آیات میں ذکر ہے کہ اہل جنت گروہ در گروہ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور اہل دوزخ گروہ در گروہ دوزخ میں۔

﴿۱﴾ دنیا میں اگرچہ انسان یہاں وہاں آنا جانا کرتا ہے؛ لیکن ہر جگہ بے روک ٹوک آمد و رفت نہیں کر سکتا، ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لئے ویزے کی ضرورت پڑتی ہے، بعض سرکاری دفاتر کی حدود میں عوام کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی، بعض عوامی مقامات میں بھی ٹکٹ لئے بغیر داخل نہیں ہوا جا سکتا؛ لیکن جنت میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہوگی، اپنے اپنے باغات و محلات تو ہوں گے ہی، اس کے علاوہ بھی انسان جہاں چاہے گا آمد و رفت کر سکے گا۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کی تعریف و تسبیح ہی فرشتوں کا نغمہ ہوگا، وہ اسے شوق سے پڑھیں گے اور لذت حاصل کریں گے، ان کا یہ تسبیح پڑھنا عبادت کے طور پر نہیں ہوگا؛ بلکہ خود اپنی لذت کے لئے ہوگا، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۲۸۷) ـــ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جیسے انسانوں کی رہائش جنت میں ہوگی، اسی طرح فرشتوں کا قیام اللہ تعالیٰ کے عرش کے گرد ہوگا اور جیسے انسان کھانے پینے وغیرہ سے لذت اُٹھائیں گے، اسی طرح ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہی لذت کا سامان ہوگی، (دیکھئے: مفاتیح الغیب: ۱۳/ ۴۸۷) دنیا میں بھی ایسے نمونے دیکھنے میں آتے ہیں کہ جو لوگ گانے اور گانے سننے کے رسیا ہوتے ہیں، وہ اس میں اس قدر مست ہو جاتے ہیں کہ کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور وہ بھی فرشتوں کی زبان سے اور اس آواز میں جو آخرت میں ان کو عطا کی جائے، جس میں نہ جانے کتنی نغمگی اور مٹھاس ہوگی، اگر وہ ان کے لئے مزیدار غذا بن جائے تو کیا تعجب؟

سورۃ الغافر / المؤمن

- سورہ نمبر : (۴۰)
- رکوع : (۹)
- آیتیں : (۸۵)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت وغضب بیان کی گئی ہیں، اس میں ایک صفت ہے ''غافر الذنب'' (گناہ کے معاف کرنے والے) اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'غافر' ہے، اس کے علاوہ اس سورہ کو 'سورۂ مؤمن' بھی کہا گیا ہے؛ کیوں کہ اس سورہ میں قوم فرعون کے ایک بلند ہمت مردِ مومن کا ذکر آیا ہے، قرآن مجید میں سات سورتیں وہ ہیں، جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہے، ان میں سے پہلی سورہ یہی ہے 'حم' گروپ کی آخری سور ''سورۂ احقاف'' ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ ساتوں سورتیں یکے بعد دیگر نازل ہوئی ہیں، ان کے درمیان کوئی اور سورہ نازل نہیں ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر چیز کا مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز ''حٰمٓ'' کی سورتیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۸۲)

یہ پوری سورہ بنیادی طور پر ایمانیات، یعنی توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین پر مشتمل ہے اور ان غیبی حقیقتوں پر کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں سے استدلال کیا گیا ہے، اس سورہ میں فرعون اور ہامان و قارون کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا، فرعون کے فرمان کی بنیاد پر بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کا اور بالآخر فرعون کی ہلاکت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے قوم کی نجات پانے کا تفصیلی ذکر آیا ہے، یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے؛ لیکن قوم فرعون میں سے ایک شخص کے مسلمان ہونے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہونے، نیز اپنی قوم کو دردمندی کے ساتھ ایمان کی دعوت دینے کا تفصیلی ذکر اسی سورہ میں ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۲ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ
الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝۳ مَا یُجَادِلُ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْکَ تَقَلُّبُہُمْ فِی الْبِلَادِ ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ حا، میم، ﴿۱﴾ ۝۱ یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے اُتاری گئی ہے، جو زبردست ہیں، ہر چیز کے جاننے والے ہیں، ۝۲ گناہ کے بخشنے والے، توبہ قبول کرنے والے، سخت سزا دینے والے اور فضل و کرم والے ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ان ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ﴿۲﴾ ۝۳ اللہ کی آیتوں کے سلسلہ میں صرف وہی لوگ جھگڑا کرتے ہیں، جو کافر ہیں، تو آپ کو شہروں میں ان کا چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ ﴿۳﴾ ۝۴

﴿۱﴾ اس کی تشریح سورۂ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں گذر چکی ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی چھ صفتوں کو جمع کر دیا گیا ہے، سوائے سورۂ حشر کے آخر کے کہیں ایک جگہ اتنی صفات ذکر نہیں کی گئی ہیں، ان میں بعض صفات اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید دلاتی ہیں اور بعض اللہ کے عذاب کا خوف، اس طرح یہ آیت اللہ تعالیٰ کے بارے میں اسلامی تصور کو واضح کرتی ہے کہ نہ اللہ کا ایسا خوف ہونا چاہئے کہ بندہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہو جائے اور نہ اتنا پر اُمید اور بے خوف ہو جانا چاہئے کہ گناہ پر جری ہو جائے۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑنے سے مراد قرآن مجید پر اعتراض کرنا اور اس کے غلط معنی بیان کر کے دھوکہ دینا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۹۲) جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت 'رحمان' کا بار بار ذکر آیا ہے، اہل مکہ اس کو 'رحمٰن یمامہ' یعنی نبوت کے جھوٹا دعوے دار 'مسیلمہ کذاب' کا نام قرار دیتے تھے، یا جیسے اللہ تعالیٰ نے خیر کے راستہ میں خرچ کرنے کو اللہ کا قرض دینے سے تعبیر کیا ہے، اس کا مقصد خیرات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہے کہ تم کسی اور کو نہیں اللہ کو اپنا مال دے رہے ہو؛ لیکن یہودی کہتے تھے کہ نعوذ باللہ تمہارے اللہ بھی محتاج ہو گئے، یہی قرآن میں جھگڑا کرنا ہے، حدیث میں ایسے طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جھگڑا نہ کرو؛ کیوں کہ اس میں جھگڑنا کفر ہے، (مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۲۸۸۳، مسند احمد، حدیث نمبر: ۷۴۹۹) —— اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ یہ جو ایمان نہ لانے والوں کو ابھی غلبہ حاصل ہے، یہ بے خوف و خطر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور تجارت وغیرہ کرتے ہیں، اس سے آپ ﷺ یہ نہ سمجھ لیجئے کہ یہی غالب رہیں گے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے اور یہ ان کے کامیاب ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ
وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ
وقف لازم كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ وقف النبی ﷺ
حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ
كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷
رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ
فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع ۱

اِن سے پہلے بھی نوح کی قوم اور قومِ نوح کے بعد مختلف گروہوں نے جھٹلایا ہے، ہر اُمت نے اپنے پیغمبر کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے کئے؛ تاکہ اس کے ذریعہ دینِ حق کو مٹا دیں؛ ﴿۱﴾ چنانچہ میں نے ان کو پکڑ لیا تو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی! ۝۵ اسی طرح ایمان نہ لانے والوں پر آپ کے پروردگار کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی ہیں، ۝۶ جو فرشتے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، وہ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے مغفرت کی دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے؛ اس لئے ان لوگوں کو بخش دیجئے، جو توبہ کریں اور جو آپ کے راستے پر چلیں اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے، ﴿۲﴾ ۝۷ اے ہمارے پروردگار! آپ ان کو بھی اور ان کے باپ داداؤں، بیویوں اور اولاد میں سے نیک لوگوں کو بھی ہمیشہ ہمیش رہنے والی بہشتوں میں داخل فرمائیے، جس کا آپ نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے، بے شک آپ زبردست اور حکمت والے ہیں، ۝۸ اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھئے اور آپ نے اس دن جس کو عذاب سے بچا لیا تو یقیناً آپ نے اس پر مہربانی فرمائی اور یہی تو ہے بڑی کامیابی! ۝۹

﴿۱﴾ مفسر قرطبی رحمۃ اللہ نے اس کے معنی مٹانے کے ہی بتائے ہیں: ''أی لیزیلوا''۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۹۳)

﴿۲﴾ فرشتوں میں بھی جو اعلیٰ مرتبے کے فرشتے ہیں، وہ باری تعالیٰ کے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ویسے تو یہ چار فرشتے ہیں؛ لیکن قیامت کے دن اس خدمت پر آٹھ فرشتوں کو مامور کیا جائے گا، جیسا کہ سورۂ حاقہ آیت نمبر: ۱۷ میں ذکر آیا ہے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۷۱۴) اِن فرشتوں کو 'کرّوبی' کہا جاتا ہے، اس کے بعد ان فرشتوں کا درجہ ہے، جن کو عرش کے گرد و پیش جگہ ملی ہے، ان کا کام ہی اللہ کی پاکی بیان کرنا اور اللہ کے نیک بندوں کے لئے دُعا کرنا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى
الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ
تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ
رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ
التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

جولوگ ایمان نہیں لائے، ان کو پکار کر کہا جائے گا کہ تم (آج) اپنے آپ سے جتنا بیزار ہو، اللہ اس سے بڑھ کر (تم سے) اس وقت بیزار تھے، جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے، پھر بھی تم نہیں مانا کرتے تھے، «۱» ﴿۱۰﴾ وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی، «۲» تو اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا اب (اس سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ ﴿۱۱﴾ (ارشاد ہوگا:) یہ اس لئے ہے کہ جب ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے، تو اب اللہ ہی کا فیصلہ ہے، جو بلند و بالا اور بڑا ہے، ﴿۱۲﴾ وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے روزی اُتارتا ہے اور نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں، جو (اللہ کی طرف) رُجوع کرتے ہیں، ﴿۱۳﴾ تو اللہ کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو، اگرچہ کہ کفر کرنے والوں کو ناگوار ہو، «۳» ﴿۱۴﴾ اللہ بلند مرتبہ والے ہیں، عرش کے مالک ہیں، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں، اپنے حکم سے روح (وحی) «۴» اُتار دیتے ہیں؛ تاکہ وہ ملاقات کے دن سے باخبر کردے۔ ﴿۱۵﴾

«۱» یعنی قیامت کے دن ایمان نہ لانے والے خود اپنے وجود سے بیزار ہوں گے کہ ان ہی کی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں آنا پڑا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ یاد دلائیں گے کہ تم ایمان نہ لاکر مجھ کو جو غصہ دلایا کرتے تھے، اس کو یاد کرو۔

«۲» دوبار مردہ حالت میں رکھنے سے مراد تخلیق مکمل ہونے سے پہلے نطفہ اور گوشت کی صورت اور دوسری بار قبر میں رکھنا ہے، اور دوبار کی زندگی سے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی مراد ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۹۷)

«۳» معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت پر عمل کرنے میں کسی کی ناگواری کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

«۴» روح سے مراد وحی اور نبوت ہے؛ کیوں کہ نبی کے ذریعہ جو شریعت آتی ہے، وہ انسان کے لئے گویا زندگی کا سامان ہے، ←

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾
اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾
وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا
شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ اَوَلَمْ ع ۲ ۱۱
يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ
مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

جس دن کہ وہ نکل پڑیں گے اور اللہ پر ان کی کوئی چیز چھپی نہیں رہے گی (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ (پھر خود ہی ارشاد فرمائیں گے:) صرف اللہ کی، جو تنہا اور بڑا زبردست ہے! ﴿۱۶﴾ آج ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے دیا جائے گا، آج کوئی نا انصافی نہیں ہوگی، یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں، ﴿۱۷﴾ اور ان کو قریب آنے والے دن (یعنی قیامت) سے ڈرائیے، جب مارے غم کے کلیجے منھ کو آجائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات قبول کی جائے، ﴿۱۸﴾ اللہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۹﴾ اللہ تو حق کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں اور اللہ کے سوا یہ لوگ جن کو پکارا کرتے ہیں، وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، یقیناً اللہ ہی خوب سننے والے اور دیکھنے والے ہیں، ﴿۲۰﴾ کیا اُن لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے کے لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟ وہ تو ان سے بھی زیادہ طاقتور اور زمین میں چھوڑے ہوئے آثار کے اعتبار سے ان سے بھی بڑھ کر تھے، ﴿۲﴾ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا اور اللہ کے مقابلہ کوئی ان کو بچانے والا نہیں۔ ﴿۲۱﴾

← اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، گویا اس نے اصل زندگی حاصل کر لی، جب کہ اپنی فطرت اور عقل کے اعتبار سے وہ شخص مردہ کے درجہ میں ہے، جو ایمان سے محروم ہے، جیسے جسمانی روح سے جسم زندہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وحی سے دل کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ انسان کے ظاہری اور اندرونی اعضاء میں دو چیزیں ایسی ہیں، جن کے فعل کو قریب سے قریب انسان سے بھی چھپایا جا سکتا ہے، ایک: آنکھ، جو لوگوں سے نظر بچا کر کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے، دوسرے: دل، جس کے ارادے اس کے سوا ہر ایک سے پوشیدہ ہوتے ہیں؛ لیکن ان اعضاء سے کی جانے والی حرکتیں بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتیں۔ ←

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ
فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْۤ
اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾
وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع ۳/۸

یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر بھی انھوں نے انکار کیا تو اللہ نے ان کی پکڑ فرمائی، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ بڑی قوت والے اور سخت سزا دینے والے ہیں، ﴿۲۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل لے کر فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، وہ لوگ کہنے لگے: یہ جادوگر اور جھوٹا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ جب ان کے پاس ہماری طرف سے دین حق آچکا تو وہ بولے: ''جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو'' اور ان کافروں کی سازش ناکام ہی رہی، ﴿۲﴾ ﴿۲۵﴾ فرعون نے کہا: ''مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ اپنے پروردگار کو (اپنی مدد کے لئے) بلا لے، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارے دین کو بدل ڈالے، یا ملک میں فساد پیدا کردے'' ﴿۲۶﴾ موسیٰ نے کہا: میں ہر مغرور شخص سے ـــ جو روزِ حساب پر یقین نہیں رکھتا ـــ اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ ﴿۲۷﴾

← ﴿۲﴾ یعنی انھوں نے زمین پر ایسی بلند و بالا عمارتیں بنائیں، جو ایک تاریخی یادگار کا درجہ اختیار کرگئیں، پھر بھی وہ اللہ کی پکڑ سے بچ نہ سکے، تو ان صحراء نشیں عربوں کا کیا شمار جو تہذیب و ترقی کے اعتبار سے ان سے بہت پیچھے ہیں!

﴿۱﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کے دعویٰ کو جھوٹ اور آپ علیہ السلام کے پیش کئے ہوئے معجزات کو جادو قرار دیتے تھے۔

﴿۲﴾ فرعون کی طرف سے لڑکوں کے قتل کرنے کا واقعہ دو بار پیش آیا، ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے بیٹوں کا قتل، جب نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ایک لڑکا فرعون کے اقتدار کا خاتمہ کردے گا، دوسری بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی بنائے جانے کے بعد، جب بہت سارے لوگ ایمان لے آئے، ان میں بنی اسرائیل کے علاوہ فرعون کی قوم کے بھی بعض لوگ تھے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۰۵) ـــ کافروں کی سازش کو ناکام کردینے سے مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے ثابت قدم رہے اور ان کو حق کے راستہ سے ہٹانے کی کوششیں ناکام و نامراد ہوگئیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ
وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا
يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ
الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ
مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مردِ مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، کہا: ''کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کردو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؛ حالاں کہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے، ﴿۱﴾ اگر (بالفرض) یہ جھوٹا ہوتو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا، اور اگر یہ سچا ہوتو تم کو جس (عذاب) کا خوف دلا رہا ہے، اس کا کچھ حصہ تو تم پر پڑے گا ہی، بے شک اللہ ایسے شخص کو ہدایت عطا نہیں فرماتے، جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو، ﴿۲۸﴾ اے میری قوم! آج تو تمہاری حکومت ہے کہ تم زمین میں غالب ہو تو اگر اللہ کا عذاب آجائے تو اس کے مقابلہ میں تمہاری کون مدد کرے گا'' فرعون نے کہا: جو بات میری سمجھ میں آتی ہے، وہ میں تم کو بھی سمجھاتا ہوں اور میں تم کو وہی راستہ بتارہا ہوں، جس میں بھلائی ہے، ﴿۲۹﴾ اور جو شخص ایمان لاچکا تھا، اس نے کہا: ''اے میرے لوگو! مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر وہی دن نہ آجائے، جو پہلی اُمتوں پر آچکا ہے، (یعنی عذاب کا دن) ﴿۳۰﴾ جو حال قومِ نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا ہوا اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کوئی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ ﴿۳۱﴾

﴿۱﴾ اس مسلمان شخص کا نام غالباً ''شمعان'' تھا، بعض لوگوں نے کچھ اور نام بتائے ہیں، یہ فرعون کی قوم یعنی قبطی نسل سے تھا، یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ فرعون کے چچازاد بھائی تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرعون کی قوم میں سے تین ہی افراد کو ایمان کی توفیق ہوئی، ایک: فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا، دوسرے: وہ شخص جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ آپ کے قتل کے منصوبے بنائے جارہے ہیں، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۹۲) تیسرے: یہ شخص جس نے فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے کا مشورہ دیا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۰۶) ـــــ ٹھیک یہی بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت کفارِ مکہ سے کہی تھی، جب کعبۃ اللہ کے پاس عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں کپڑا لپیٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹ دینے کی کوشش کی تھی۔ (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ المومن، حدیث نمبر: ۴۵۳۷)

وَيٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ ۨالَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اور اے میری قوم! مجھے تم پر اس دن کا ڈر ہوتا ہے، جب آہ وفغاں مچی ہوگی، ﴿۱﴾ ﴿۳۲﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوگے (مگر) تم کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا، ﴿۲﴾ اور جس کو اللہ ہی ہدایت سے محروم کردے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوسکتا، ﴿۳۳﴾ تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف بھی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے تو وہ جو کچھ لے کر آئے، اس کے سلسلہ میں بھی تم برابر شک ہی میں رہے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم کہنے لگے: اللہ ہرگز اس کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجیں گے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ان لوگوں کو گمراہی پر باقی رہنے دیتے ہیں جو حد سے گذر جاتا ہو اور شک کرنے والا ہو، ﴿۳۴﴾ جو بغیر کسی دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیتوں کے سلسلہ میں جھگڑے کرتے ہیں، ان کا یہ جھگڑنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک بڑا ہی ناپسندیدہ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش شخص کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں''۔ ﴿۳﴾ ﴿۳۵﴾

﴿۱﴾ ''تناد'' کے معنی ایک دوسرے کو پکارنے کے ہیں، اس سے کن لوگوں کا پکارنا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے اہل دوزخ کا آہ وواویلا اور حسرت وافسوس کا اظہار کرنا مراد ہے: ''لأن الكافر ينادي فيه بالويل والثبور والحسرة'' (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۱۲) اسی لئے ترجمہ کیا گیا ہے ''جب آہ وفغاں مچی ہوگی''۔

﴿۲﴾ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ کسی مصیبت میں گھِر جاتا ہے تو بچاؤ کے لئے کوئی معمولی سی صورت بھی نظر آئے تو ایک آخری کوشش کے طور پر اس کو اختیار کرتا ہے، یہی حال قیامت میں دوزخیوں کا ہوگا کہ وہ وہاں بھی بھاگنے کی کوشش کریں گے، مگر وہ فرشتوں کے گھیراؤ سے نکل نہ سکیں گے، اب ان کی یہ کوشش یا تو اس وقت ہوگی، جب دوسرا صور پھونکا جائے گا اور سارے لوگ میدانِ حشر میں جمع کئے جائیں گے، یا اس وقت جب ان کے حق میں دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا اور وہ دوزخ کی طرف ہنکائے جارہے ہوں گے، مفسرین سے دونوں باتیں منقول ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۱۱)

﴿۳﴾ یہ ساری باتیں اسی مردِ مومن کی ہیں، جو فرعون کی قوم سے تھا اور جس نے نہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہا؛ بلکہ خود دینِ حق کا داعی اور ترجمان بن کر کھڑا ہوگیا، اور راجح قول کے مطابق یوسف سے وہی حضرت یوسف علیہ السلام مراد ہیں، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى
اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا
ع ۵ كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾
يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا
يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى
النصف النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ
الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا محل بناؤ؛ تاکہ میں ان راستوں سے آسمان کے راستوں پر پہنچ جاؤں، پھر میں جھانک کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور (ویسے تو) میں اس کو جھوٹا ہی خیال کرتا ہوں، اسی طرح فرعون کے لئے اس کی بُری حرکت کو خوشنما بنا دیا گیا، وہ (درست) راستہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر بیکار ہی گئی، ﴿۱﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ اور جو شخص ایمان لاچکا تھا، اس نے کہا: ''اے میرے لوگو! تم میری پیروی کرو میں تم کو بھلائی کا راستہ دکھاؤں گا، ﴿۳۸﴾ اے لوگو! یہ دنیوی زندگی تو محض چندروزہ فائدہ اُٹھانا ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ تو آخرت ہے، ﴿۳۹﴾ تو جو شخص گناہ کرے گا، اس کو برابر سرابر سزا دی جائے گی، اور جو مرد و عورت نیک عمل کریں گے: بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں تو وہ جنت میں داخل ہوں گے، وہاں ان کو بے حساب رزق ملے گا، ﴿۴۰﴾ اور اے میری قوم! کیا بات ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو، ﴿۴۱﴾ تم مجھ کو دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کر جاؤں اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی ٹھہراؤں جس کا مجھے علم نہیں اور میں تمہیں ایسی ذات کی طرف بلاتا ہوں، جو غالب اور بہت بخشنے والا ہے؟ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ یہ واقعہ سورۂ قصص: ۳۸ میں گذر چکا ہے، تدبیر کے بیکار ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہامان کا بنایا ہوا یہ بلند محل جلد ہی زمین بوس ہو گیا، یا تو اس عمارت کا گرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وجہ سے ہوا ہوگا، جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت تو خوب اونچی بنادی ہو اور بنیاد اتنی مضبوط نہ رہی ہو، اس طرح کے واقعات آج کل بھی پیش آتے رہتے ہیں، فرعون کا یہ حکم اور اس کے وزیر کی طرف سے اُس کی اِس تعمیر کا سبب ان کی بے وقوفی بھی ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کی بلندی تک کوئی عمارت نہیں بنائی جاسکتی ہے؛ اس لئے بظاہر ان لوگوں نے یہ حرکت اپنے عوام کو بیوقوف بنانے اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے کی ہوگی۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ
وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٤٣﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ
الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ
فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَاِذْ يَتَحَاۗجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا
كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو، وہ نہ دنیا میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت میں، یقیناً ہم سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی اور جو لوگ حد سے گزرنے والے ہیں، وہی دوزخی ہوں گے، ﴿٤٣﴾ میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں، عنقریب تم اسے یاد کروگے، اور (اب) میں اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ بندوں کو دیکھ رہے ہیں'' ﴿٤٤﴾ تو اللہ نے اس کو ان لوگوں کی بُری سازشوں سے محفوظ رکھا، ﴿١﴾ اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے گھیر لیا، ﴿٤٥﴾ وہ صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (تو ہم حکم دیں گے:) فرعون کے لوگوں کو سخت سے سخت عذاب میں داخل کردو! ﴿٢﴾ ﴿٤٦﴾ اور جب وہ لوگ دوزخ کے اندر آپس میں جھگڑیں گے تو کم درجہ کے لوگ بڑے بننے والوں سے کہیں گے: ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم آگ کا کوئی حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو؟ ﴿٤٧﴾

﴿١﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ قوم فرعون کے اس مسلمان شخص کو اس کی قوم کے لوگوں نے مار ڈالنا چاہا؛ لیکن وہ وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، یہاں تک کہ دریا پار کرتے ہوئے وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم سفر تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی پانی میں غرق ہونے سے بچالیا، (تفسیر قرطبی: ١٥/٣٢٨) —— ان مسلمان داعی نے جب اپنی قوم کو ہر طرح سے سمجھالیا اور انھوں نے مان کر نہیں دیا، تو آخر میں اپنی قوم سے فرمایا: میں اپنا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ کرتا ہوں: ''افوض أمری إلی اللّٰہ'' اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ پہلے تو جہاں تک ممکن ہو، اللہ کے بندے کو دین حق کی طرف بلائے اور محبت وخیر خواہی کے ساتھ سمجھائے، اور جو قوم اس کے باوجود انکار پر ڈٹی رہے تو پھر مزید اُلجھنے کے بجائے اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کردے۔

﴿٢﴾ ان دو آیتوں میں فرعون اور اس کی قوم پر ہونے والے تین عذابوں کا ذکر آیا ہے، اول: وہ پانی میں غرق کردیئے گئے، یہ دنیا کا عذاب ہے، دوسرے: ان کو صبح وشام دوزخ پر پیش کیا جاتا ہے، یہ عالم برزخ کا عذاب ہے؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ فرعون کے ماننے والے اور اسی طرح دوسرے ایمان نہ لانے والوں کی روح ہر دن صبح وشام دوزخ پر پیش کی جاتی ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا اصل ٹھکانہ یہی ہے، (تفسیر قرطبی: ١٥/٢٠٨) اس حدیث میں ←

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي
النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ
ع ۵ ۱۳ ۱۰ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾
اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

جو لوگ بڑے بنتے تھے، وہ کہیں گے: ہم سب کے سب تو اسی میں پڑے ہوئے ہیں، بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکے ہیں، ﴿۴۸﴾ اور دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے: اپنے پروردگار سے دُعا کرو کہ ایک دن ہم سے کچھ تو عذاب ہلکا کردیں، ﴿۴۹﴾ وہ جواب دیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں، آئے تو تھے، فرشتے کہیں گے: پھر تم خود ہی دُعا کرلو اور کافروں کی دُعا تو (اس دن) بس بیکار ہی رہے گی، ﴿۱﴾ ﴿۵۰﴾ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) اس میں شک نہیں کہ ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی مدد کریں گے، جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۵۱﴾

← آلِ فرعون اور اہل دوزخ کا خاص طور پر ذکر ہے؛ لیکن حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی موت ہوتی ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر اہل جنت میں سے ہو تو جنت، اور اہل دوزخ میں سے ہو تو دوزخ، اور اس کو بتایا جاتا ہے کہ یہی تمہارا ٹھکانہ ہے، جب تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے تو تمہیں یہیں آنا ہوگا، (بخاری، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب عرض مقعد المیت من الجنة، حدیث نمبر: ۲۸۶۶، مسلم، کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیه بالغداة والعشی، حدیث نمبر: ۱۳۱۳) —— یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ قبر میں عذاب کا ہونا برحق ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، تیسرا عذاب وہ ہے جو آخرت میں ہوگا اور قیامت قائم ہونے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

﴿۱﴾ یعنی دوزخ میں بھی وہ عذاب سے بچنے یا اس کے ہلکے کئے جانے کے لئے کبھی ہاتھ پاؤں ماریں گے، کبھی داروغۂ دوزخ سے کہیں گے؛ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، نہ عذاب ان سے ہٹے گا اور نہ ہلکا کیا جائے گا۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ دین حق پر قائم رہنے والوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی، آخرت کی مدد جنت جیسی خوشگوار جگہ پر ہمیشہ ہمیش رہنے کا موقع دینا ہے، اور دنیا میں مدد کے دو طریقے پر ہے، ایک: معنوی، دوسرے: ظاہری، معنوی مدد یہ ہے کہ علمی اور فکری اعتبار سے ہمیشہ حق کو غلبہ حاصل رہے گا، جیسا کہ ہم موجودہ زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ اگرچہ اسلام دشمن طاقتیں مادی طاقت کے اعتبار سے غالب ہیں؛ لیکن مغرب و مشرق کی بڑی بڑی شخصیتیں اسلام کے دامن میں آرہی ہیں اور ہزار مخالف پروپگنڈہ کے باوجود جو لوگ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ اس کتاب کے گرویدہ ہو کر رہ جاتے ہیں، ظاہری مدد یہ ہے کہ دین حق پر قائم رہنے ←

يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ الظّٰلِمِيۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى
الۡهُدٰى وَاَوۡرَثۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصۡبِرۡ اِنَّ
وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ
يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰٮهُمۡ ۙ اِنۡ فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا كِبۡرٌ مَّا هُمۡ بِبَالِغِيۡهِ
فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ
النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی، ان کے لئے پھٹکار ہی ہوگی اور ان کے لئے بدترین گھر ہوگا، ﴿۵۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت سے نوازا تھا اور بنی اسرائیل کو (آسمانی) کتاب کا وارث بنایا تھا، ﴿۵۳﴾ جو عقل مندوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور سراپا نصیحت ہے، ﴿۵۴﴾ لہٰذا آپ صبر کیجئے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، اپنی بھول چوک کی معافی مانگتے رہیے اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف اور پاکی بیان کرتے رہیے، ﴿۱﴾ ﴿۵۵﴾ جو لوگ بغیر کسی دلیل کے —— جو اُن کے پاس آئی ہو —— اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑتے رہتے ہیں، ان کے دلوں میں بڑائی کا احساس ہے، جہاں تک وہ پہنچ نہیں سکیں گے، تو اللہ کی پناہ چاہتے رہیے، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۵۶﴾ یقیناً آسمان و زمین کا پیدا کرنا انسان کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۵۷﴾

← والوں کو بالآخر مادی اعتبار سے بھی غلبہ حاصل ہوجاتا ہے، اب یہی دیکھئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے مخالفین کا رویہ کس درجہ تکلیف دہ تھا اور وہ کیسی بے چارگی کی حالت میں دنیا سے اُٹھا لئے گئے؛ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ عیسائیوں کو یہودیوں پر ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ عیسائی حاوی ہوگئے اور یہودی مارے مارے پھرتے تھے، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء کو مجبور ہوکر مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا؛ لیکن کچھ ہی عرصہ گذرا کہ مخالفین میں سے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے، یہاں تک کہ بالآخر مکہ بھی فتح ہوگیا؛ البتہ ضروری نہیں کہ یہ ظاہری مدد ہمیشہ مسلمانوں کے حق میں ظاہر ہوجائے؛ کیوں کہ یہ دنیا امتحان کے لئے ہے اور اگر ہمیشہ ایک ہی گروہ کو غلبہ حاصل ہو تو پھر اس کا حق پر ہونا اس طرح ظاہر ہوجائے گا کہ امتحان و آزمائش کی بات باقی نہیں رہ جائے گی۔

﴿۱﴾ غور کیجئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو استغفار کا اور حمد و تسبیح کا حکم دیا جارہا ہے تو عام اُمتیوں کے لئے یہ اعمال کس قدر اہمیت کے حامل ہیں؟

﴿۲﴾ یعنی آپ ﷺ کے دشمن چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے بجائے ان کو نبوت مل جائے اور وہ قوم کے سردار اور رہنما بن جائیں، یہی حسد اور تکبر کا جذبہ ان کو حق کے قبول کرنے سے روکے ہوا تھا، مگر ان کو نبوت سے نوازا نہیں جائے گا۔

﴿۳﴾ جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو پیدا فرما سکتے ہیں تو انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اور قیامت قائم کرنا کیا دشوار ہے؟

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ
رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ
دٰخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ ع ٦ ١٠ ١١
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وقف لازم
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾

اندھے اور دیکھنے والے، ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے اور بدکار برابر نہیں ہوسکتے، تم لوگ بہت کم غور کرتے ہو، ﴿٥٨﴾ یقیناً قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے؛ لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں ہیں، ﴿٥٩﴾ تمہارے پروردگار کا فرمان ہے: مجھ سے دُعا مانگو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت کرنے سے کتراتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہوکر دوزخ میں داخل ہوں گے، ﴿١﴾ ﴿٦٠﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات اس غرض سے بنائی ہے کہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو روشن بنایا ہے، یقیناً اللہ کا انسانوں پر بڑا ہی فضل و کرم ہے؛ لیکن اکثر انسان شکر ادا نہیں کرتے، ﴿٦١﴾ یہی اللہ ہیں، جو تمہارے پروردگار ہیں اور ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ ﴿٦٢﴾ اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے، ﴿٦٣﴾ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنادیا، تمہاری صورت بنائی اور تمہیں اچھی صورت عطا فرمائی، ﴿٢﴾ نیز تم کو پاکیزہ رزق سے نوازا، یہ ہے اللہ کی ذات جو تمہارا پروردگار ہے، تو بڑی بابرکت ہے اللہ کی ذات جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿٦٤﴾

﴿١﴾ ’’دُعاء‘‘ دین کا ایک اہم ترین عمل ہے؛ اسی لئے قرآن مجید میں اللہ کے پیغمبروں کی بہت سی دُعائیں نقل کی گئی ہیں، اگر انسان آداب کی رعایت کرتے ہوئے دُعا کرے تو ضرور قبول کی جاتی ہیں اور قبولیت کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جس چیز کی دُعا کی جائے، وہی مل جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مصیبت جو اس پر آنے والی تھی ٹل جائے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو اس کا اجر مل جائے، (مستدرک حاکم، کتاب الدعاء والتکبیر، حدیث نمبر: ١٨١٦) مخلوق سے کوئی چیز مانگی جائے تو اسے غصہ آتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ←

هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۵﴾ قُلۡ اِنِّیۡ
نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الۡبَیِّنٰتُ مِنۡ رَّبِّیۡ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ
اُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ
یُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا شُیُوۡخًا ۚ وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی مِنۡ قَبۡلُ
وَ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾

وہی زندہ ہے (جس کو موت نہیں آسکتی)، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اس کو پکارو، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کے رب ہیں، ﴿۶۵﴾ آپ کہہ دیجئے: مجھے اس بات سے منع فرمادیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو، میں ان کی عبادت کروں؛ باوجودیکہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے واضح دلیلیں بھی آچکی ہیں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام عالم کے پروردگار ہی کا فرمانبردار بن کر رہوں، ﴿۶۶﴾ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، وہی پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتا ہے، پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے)؛ تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر (زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہوجاؤ اور تم میں سے بعضوں کی تو پہلے ہی موت ہوجاتی ہے اور (بعضوں کو اللہ زندہ رکھتے ہیں)؛ تاکہ تم سب مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھو۔ ﴿۱﴾ ﴿۶۷﴾

← کی شان کریمی یہ ہے کہ اگر اس سے دُعا نہ کی جائے تب اس کو غصہ آتا ہے: ''من لم یدع الله عزوجل غضب علیه'' (مسند احمد عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۱۰۱۸۱) ــــ دُعا کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''جو لوگ میری عبادت سے کتراتے ہیں، وہ دوزخ میں داخل ہوں گے'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دُعا بجائے خود ایک عبادت ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إن الدعاء هو العبادة''۔ (ابوداؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث نمبر: ۱۴۸۰)

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت دوسری تمام مخلوقات سے ظاہر کے اعتبار سے بھی اچھی بنائی ہے اور جسم کے مختلف اعضاء کے کام کرنے کے لحاظ سے بھی سب سے بہتر بنائی ہے، دوسرے جانوروں کو دیکھئے، وہ کھڑے نہیں ہوسکتے، ان کو اپنا منھ زمین پر رکھ کر کھانا پڑتا ہے، وہ اپنا ہاتھ اپنے پشت کی طرف نہیں لے جاسکتے، بہت سے جانور گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھ نہیں سکتے، دوسرے جانوروں کو انسان کی طرح زمین یا تخت یا سواری پر بیٹھنا میسر نہیں ہے، ان کی زبانوں سے آواز تو پیدا ہوتی ہے؛ لیکن الفاظ پیدا نہیں ہوتے، انسان کی آواز الفاظ کو شامل ہوتی ہے، دوسرے حیوانات کی آواز نغمگی سے محروم ہوتی ہے اور انسان کی آواز بھی حسن کا جادو جگاتی ہے؛ اس لئے انسان نہ صرف اپنی پُرکشش صورت کی وجہ سے؛ بلکہ اپنی مخصوص بناوٹ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ ←

هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ ع ۸ ۱۲
یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰی یُصۡرَفُوۡنَ ﴿ۚۛ۶۹﴾ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۟ۛ
فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسۡحَبُوۡنَ ﴿۷۱﴾ فِی الۡحَمِیۡمِ ۬ۙ ثُمَّ فِی
النَّارِ یُسۡجَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِیۡلَ لَهُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۷۳﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا
عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَیۡـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمۡ بِمَا
كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ ﴿۷۵﴾ اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَكَبِّرِیۡنَ ﴿۷۶﴾

وہی ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، پھر جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرلیتا ہے تو اس سے کہتا ہے: ہوجا، تو وہ ہوجاتی ہے، ﴿۶۸﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، وہ کہاں بھٹکے پھر رہے ہیں؟ ﴿۶۹﴾ جن لوگوں نے کتاب کو اور اس چیز کو جس کو لے کر ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا، جھٹلا دیا تو عنقریب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہوجائے گا، ﴿۷۰﴾ جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی، وہ کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے، پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ پھر ان سے پوچھا جائے گا: وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: وہ سب تو ہم سے غائب ہوگئے؛ بلکہ ہم تو پہلے کسی کو پوجتے ہی نہیں تھے، اسی طرح اللہ ایمان نہ لانے والوں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے، ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ یہ (عذاب) اس لئے ہے کہ تم زمین میں ناحق اِتراتے اور اکڑتے پھرتے تھے، ﴿۷۵﴾ (اب) ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہنے کے لئے اس کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، تو تکبر کرنے والوں کا یہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے! ﴿۷۶﴾

← ﴿۱﴾ مخلوق جب کسی چیز کو بناتی ہے تو اس کی بناوٹ میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلی نہیں آتی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس کی تخلیق میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ایک بدلاؤ سا آتا جاتا ہے، پہلے خون کا لوتھڑا، پھر ایک نازک و کمزور سا بچہ، پھر جوانی اور آخر میں بوڑھاپا، ایک ہی انسان ہے؛ لیکن زندگی کا ہر مرحلہ دوسرے سے مختلف ہے، تخلیق کا مادہ ایک ہی ہے، بظاہر جسم بھی ایک ہی طرح کا ہے؛ لیکن عمریں مختلف ہیں، کوئی بڑھاپے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے اور کوئی بڑھاپے کی عمر میں دنیا سے رُخصت ہوتا ہے، یہ سب خالق کائنات کی بے پناہ قدرت اور غیر معمولی حکمت ودانائی کا مظہر ہے۔

﴿۱﴾ حالاں کہ اس کا کوئی امکان نہ ہوگا کہ اہل دوزخ بھاگ جائیں، پھر بھی ان کے گلے میں طوق ہوگا، پاؤں میں زنجیریں ہوں گی اور انھیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا؛ تاکہ ان کی ذلت ورسوائی میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا
يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ
نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِىَ
بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا ع ۸ ۱۰ ۱۳
وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى
الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

تو (اے پیغمبر!) صبر کیجئے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو یا تو ہم آپ کو ان میں سے بعض چیزیں دکھا دیں گے، جن کا ہم آپ سے وعدہ کر رہے ہیں، یا ہم آپ کو وفات دے دیں، پھر وہ تو ہماری ہی طرف واپس لائے جائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۷۷﴾ ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں، جن میں سے بعض کے حالات تو ہم نے آپ سے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے بیان نہیں کئے ہیں، ﴿۲﴾ اور رسول کے بس میں نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے، پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اس وقت باطل کی پیروی کرنے والے نقصان میں رہ گئے، ﴿۷۸﴾ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی پیدا کئے، جن میں کچھ پر تم سواری کرتے ہو اور کچھ کو کھاتے ہو، ﴿۷۹﴾ اور تمہارے لئے اس میں اور بھی فائدے ہیں، ﴿۳﴾ اور اس لئے بھی پیدا کئے کہ تم اُن پر سوار ہو کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤ اور تم چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار کئے جاتے ہو، ﴿۸۰﴾ اور اللہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے رہتے ہیں تو اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ ﴿۸۱﴾

﴿۱﴾ یعنی ایمان نہ لانے والوں کے لئے اللہ کے عذاب کا جو وعدہ ہے وہ تو پورا ہو کر ہی رہے گا، خواہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہو یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔

﴿۲﴾ غرض کہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن میں جن پیغمبروں کا ذکر ہے، صرف وہی پیغمبر تھے، ان کے علاوہ کوئی اور پیغمبر نہیں آئے؛ بلکہ قرآن مجید میں صرف ان پیغمبروں کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، جو عرب اور اس کے گرد و پیش میں آئے تھے اور جن سے قرآن مجید کے اولین مخاطب کچھ نہ کچھ واقف تھے؛ لیکن ان کے علاوہ بھی بہت سے پیغمبر آئے، جن کا قرآن نے ذکر نہیں کیا ہے؛ اس لئے اگر کسی قوم کے پاس ایسی مذہبی کتاب ہو، جس میں توحید و رسالت اور آخرت کا ذکر ہو تو اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس مذہب کے داعی اپنے وقت کے پیغمبر رہے ہوں، جب تک قرآن تصدیق نہ کر دے، ہم متعین طریقہ سے تو ان پر ایمان نہیں لا سکتے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کے بارے میں زبان کی حفاظت کی جائے؛ کیوں کہ عجب نہیں کہ وہ اپنے وقت کے پیغمبر رہے ہوں۔

﴿۳﴾ جیسے ان کے چمڑوں سے جوتے اور موزے بنانا، ان کے بالوں سے اون اور گرم پوشاک کا حاصل ہونا اور ان کے مختلف اجزاء سے دواؤں کی تیاری۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ
وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا
بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ
لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۹/۱۴

کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا انجام ہوا، جو (تعداد میں) ان سے زیادہ تھے اور طاقت اور زمین میں چھوڑے گئے آثار کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے تھے؟ تو ان کے کارنامے ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے، ﴿۱﴾ ﴿۸۲﴾ پھر جب ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے ہی علم پر اِترانے لگے، ﴿۲﴾ اور (بالآخر) وہ جس (عذاب) کا مذاق اُڑا رہے تھے، اُسی نے اُن کو گھیر لیا، ﴿۸۳﴾ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم شریک ٹھہرایا کرتے تھے، ﴿۸۴﴾ پھر جب انھوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو اب ان کا ایمان لانا کچھ بھی فائدہ مند نہ ہوا، یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہا ہے اور اس وقت کفر کرنے والے نقصان میں رہ گئے۔ ﴿۳﴾ ﴿۸۵﴾

﴿۱﴾ یعنی کوئی قوم سائنس اور ٹکنالوجی میں کتنی ہی آگے بڑھ جائے، اگر وہ ایمان کی دولت اور اللہ کی معرفت سے محروم ہو تو اس کا آخری انجام ناکامی و نامرادی ہی ہے۔

﴿۲﴾ غرض کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغمبروں کے ذریعہ انسان کے پاس جو علم آیا ہے، وہی صد فیصد درست ہے، جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، اس کے سوا دنیا نے جتنی بھی علمی ترقی کی ہے، وہ نقص اور غلطی کے امکان سے خالی نہیں، ان پر پورا بھروسہ کر لینا اور اِترانا کسی مسلمان بلکہ کسی عقلمند انسان کا کام نہیں۔

﴿۳﴾ انسان سے اللہ کے وعدہ پر بن دیکھے ایمان لانا مطلوب ہے، جب غیب کا پردہ ہٹ جائے گا اور انسان سر کی آنکھوں سے اللہ کے عذاب کو دیکھ لے گا تو اب توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس کا تعلق آخرت سے بھی ہے کہ دوزخ میں پہنچنے کے بعد ایمان لانا کچھ کام نہ آئے گا، اور دنیا سے بھی ہے کہ جب موت اس کے آنکھوں کی سامنے آجائے گی تو توبہ قبول نہیں ہوگی؛ چنانچہ فرعون جب ڈوبنے لگا تو بول اُٹھا: میں اسی خدا پر ایمان لایا، جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں؛ لیکن اب اس کا یہ اقرار کام نہ آیا اور ارشاد ہوا: تم اب ایمان لاتے ہو؛ حالاں کہ تم تو پہلے نافرمانی کرتے رہے (یونس: ۹۰-۹۱)، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک آدمی پر غرغرہ کی حالت طاری نہ ہو جائے یعنی انسان کی روح حلق تک نہ پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں۔
(ترمذی، عن ابن عمر، کتاب الدعوات، باب فی فضل التوبۃ والاستغفار، حدیث نمبر: ۳۵۳۷)

سورۃ حٰمٓ السجدۃ / فصلت

- سورہ نمبر : (۴۱)
- رکوع : (۶)
- آیتیں : (۵۴)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی ابتدا بھی 'حٰمٓ' سے ہوتی ہے، حٰمٓ گروپ کی جو دوسری سورتیں ہیں، ان کے مقابلہ میں اس سورہ کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی آیت نمبر: ۳۸، آیتِ سجدہ ہے، اس لئے اس سورت کا نام ''حٰمٓ السجدۃ'' ہے، اسی طرح اس سورہ کے شروع یعنی آیت نمبر: ۳ ہی میں ''فصلت'' کا لفظ آیا ہے؛ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی آیتوں کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے، اس مناسبت سے اس کا ایک نام ''فصلت'' بھی ہے۔

جب قریش کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ترغیب ولالچ کے ذریعہ آپ ﷺ کو آپ کی دعوت سے ہٹانے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے جواب میں اسی سورہ کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں، اس کو سن کر قریش مکہ کا مانا ہوا دانشور اور مقرر عُتبہ دم بخود رہ گیا، اس سے اِس سورہ کی اثر انگیزی، مضامین کی گہرائی اور اُسلوبِ بیان کی شوکت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، سورہ کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آپ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی، جب اہل مکہ کی مخالفت اپنے شباب پر تھی، مفسرین کا اندازہ ہے کہ یہ سورہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی بے پناہ قدرت پر دلیل پیش کی گئی ہے، دعوت کی اہمیت، دعوت کا طریقہ اور داعی کے اوصاف واضح کئے گئے ہیں، اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، انسانی تخلیق کے مختلف مرحلوں میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں؟ یہ بات بھی واضح کی گئی ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۝۳ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ
اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا
عٰمِلُوْنَ ۝۵ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ
وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ حا، میم، «۱» ۝۱ یہ بے حد مہربان اور خوب رحم کرنے والے خدا کی طرف سے اُتارا ہوا کلام ہے، ۝۲ ایسی کتاب جس کی آیتیں واضح ہیں، یعنی قرآن جو عربی زبان میں ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہے جو سمجھ رکھتے ہوں، «۲» ۝۳ جو (نیک لوگوں کے لئے) خوشخبری دینے والا اور (غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو) خبردار کرنے والا ہے؛ لیکن ان کی اکثریت نے منھ موڑ لیا ہے تو وہ سنتے بھی نہیں ہیں، ۝۴ اور کہتے ہیں: ''تم ہمیں جس چیز کی طرف بلاتے ہو، اس سے ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ ہے، تو تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں'' «۳» ۝۵ آپ کہہ دیجئے: میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں؛ (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی خدا ہے، تم سیدھے ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہو اور اسی سے معافی مانگو، اور شرک کرنے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے، ۝۶ جو زکوٰۃ نہیں دیتے، «۴» اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ۝۷

«۱» قرآن مجید میں کل سات سورتیں ہیں جو ''حٰمٓ'' سے شروع ہوتی ہیں، ان سورتوں میں یہ سورہ بھی ہے، یہ حروف مقطعات میں سے ہے، سورہ بقرہ کے شروع میں ایسے حروف کے بارے میں وضاحت آچکی ہے۔

«۲» یعنی قرآن مجید کو اس کے اولین مخاطب 'عربوں' کی رعایت کرتے ہوئے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے؛ لیکن ہے یہ کل انسانیت کے لئے، اگرچہ اس کی آیتیں واضح ہیں؛ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل وفہم سے کام لیں گے، وہی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

«۳» اہل مکہ آپ ﷺ کا مذاق اُڑانے کے لئے ایسی باتیں کہتے تھے کہ ہمارے دل کھلے ہوئے نہیں ہیں، کانوں میں بوجھ ہے: اس لئے ہم آپ ﷺ کی بات سن ہی نہیں سکتے۔

«۴» مشرکین مکہ خیر کے کاموں میں اپنے پیسے خرچ کیا کرتے تھے، خاص کر حجاج کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے، ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے؛ لیکن جو شخص مسلمان ہو جاتا، اس پر حسن سلوک کا دروازہ بند کر دیتے؛ اسی لئے خاص طور پر ←

الثلثة

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ ع ۱/۸ ۱۵
بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ وَجَعَلَ فِيْهَا
رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۱۰
ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا
طَآئِعِيْنَ ۝۱۱ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ
الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۲

اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، ۝۸ آپ دریافت فرمائیے: کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو، جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا فرمادیا؟ اور تم لوگ اس کے شریک ٹھہراتے ہو، وہی سارے جہان کے پروردگار ہیں، ۝۹ اور چار دنوں میں اس نے زمین میں اوپر سے پہاڑ رکھ دیئے، زمین کے اندر برکت رکھ دی اور اس میں سب حاجت مندوں کے لئے اندازہ کرکے ان کی خوراک کا سامان مہیا کردیا، ۝۱۰ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں آجاؤ، خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا: ہم بخوشی حاضر ہیں! ۝۱۱ پھر اللہ نے دو دنوں میں سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں اس (کے مناسب کام) کا فرمان جاری کردیا، نیز آسمانِ دنیا کو چراغوں سے آراستہ اور محفوظ کردیا، یہ اسی خدا کی منصوبہ بندی ہے، جو زبردست ہے اور تمام باتوں کا علم رکھتا ہے۔ ﴿۱﴾ ۝۱۲

← زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کارِ خیر میں خرچ کرنے سے بھی اپنے آپ کو روک لیتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۴۰) —— اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ابھی ایمان نہیں لائے ہیں، اگرچہ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جیسے احکام کے مخاطب نہیں ہیں؛ لیکن یہ دنیا کے احکام کے اعتبار سے ہے، آخرت میں کفر کے عذاب کے ساتھ ساتھ ان پر اِن احکام کو چھوڑنے کا بھی عذاب ہوگا۔

﴿۱﴾ ان آیات میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں :

(۱) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کائنات کی تخلیق کا ذکر آیا ہے؛ چنانچہ ایک جگہ یہ بات صراحت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے کہ آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزیں چھ دنوں میں پیدا کی گئی ہیں: ''وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ'' (سورۂ ق: ۳۸) یہاں آیت نمبر: ۹-۱۲ سے بظاہر ایسا خیال ہوتا ہے کہ دو دنوں میں زمین پیدا کی گئی، چار دنوں میں پہاڑ اور اس کے اندر کی چیزیں اور دو دنوں میں آسمان، تو اس طرح آٹھ دن ہوئے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ زمین پر بحیثیت مجموعی چار دن خرچ ہوئے، دو دن اصل زمین کے بنانے میں، اور دو دن زمین کی سطح پر پہاڑوں کے جمانے اور اس کے اندر کھانے کے لائق اشیاء کو پیدا کرنے میں، تو قرآن نے جو چار دنوں کا لفظ ذکر کیا ہے، وہ پہلے دو دن کو شامل کرتے ہوئے، اور دو دن آسمان کی پیدائش میں، اس طرح دونوں آیتوں میں معنی کے اعتبار سے موافقت پیدا ہوجاتی ہے۔ ←

← (۲) دوسرے اِن آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے زمین پیدا کی گئی ہے، آسمان بعد میں پیدا کئے گئے ہیں؛ لیکن دوسری جگہ صراحت فرمادی گئی ہے کہ آسمان کے بعد زمین بچھائی گئی ہے: ''وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا'' (النازعات: ۳۰) اس سلسلہ میں اہل علم نے مختلف باتیں لکھی ہیں؛ لیکن بظاہر امام رازی کی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ پہلے دو دنوں میں زمین پیدا کی گئی، پھر آسمان پیدا کیا گیا، پھر زمین بچھائی گئی اور ظاہر ہے کہ زمین کے بچھانے میں پہاڑ اور زمین کے اندر رکھی جانے والی صلاحیتیں شامل ہیں، (مفاتیح الغیب: ۱۳/ ۶۰۷) واللہ اعلم۔

(۳) یہ جو فرمایا گیا کہ آسمان دھویں کی شکل میں تھا، موجودہ سائنسی تحقیق بھی اس سے قریب ہے، دھویں سے مراد یہ ہے کہ اس وقت یہ متفرق بے نور اجزاء پر مشتمل تھا، جن کے درمیان اتصال نہیں تھا، (مفاتیح الغیب: ۱۳/ ۶۰۸) موجودہ سائنس دانوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کائنات ابتدا میں منتشر اجزاء کی طرح مادی فضا میں پھیلی ہوئی تھی، سائنس کی موجودہ زبان میں اس کو "Nebula" سے تعبیر کرتے ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر ماجدی: ۶/ ۱۹۷، تفہیم القرآن: ۴/ ۴۴۵)

(۴) یہ جو فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو طلب فرمایا اور ان سے کہا: تم چاہو یا نہ چاہو، حاضر ہو جاؤ —— اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کائنات اس طرح بنانی نہیں پڑی، جیسے ایک معمار گھر کی بنیادیں اور دیواریں بناتا ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اور آسمان وزمین ایک فرمانبردار غلام کی طرح بن کر حاضر ہو گئے، انھوں نے زبان حال سے اس بات کا اعتراف کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے جو ڈیوٹی مقرر ہوئی ہے، ہم اس کو اسی طرح انجام دیتے رہیں گے —— اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو قوت گویائی عطا فرمادی ہو اور وہ بول پڑے ہوں کہ ہم آپ کے فرمانبردار بندے ہیں اور حاضر ہیں۔

(۵) پھر یہ جو بات فرمائی کہ ہم نے ہر آسمان کے لئے اس کے مناسب حکم جاری کردیا: ''وأوحیٰ کل سماء أمرها'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے زمین میں نظر آنے والی چیزیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے نظام کی پابند ہیں، اسی طرح آسمان میں جو مخلوقات ہیں، ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قانون مقرر کردیا ہے اور وہ اس سے باہر نہیں جاتے۔

(۶) ارشاد ہوا کہ آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کردیا ہے اور محفوظ بنادیا ہے —— تو یہاں آسمان سے دنیا کے اوپر پھیلی ہوئی بلند فضائیں مراد ہیں؛ کیوں کہ 'سماء' ہر اونچی چیز کو کہتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے زمین کی فضا میں روشن ستارے رکھ دیئے ہیں، خواہ وہ خود روشن ہوں یا سورج کی روشنی کے عکس سے روشن ہو گئے ہوں —— محفوظ کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ شیطان اس فضا سے گذر کر آسمان تک نہیں پہنچ سکتے، دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ فضا میں بکھرے ہوئے بے شمار ستاروں کے ٹوٹے پھوٹے اجزاء جو کائنات میں گردش کرتے رہتے ہیں، یا سورج سے نکلنے والی حرارت انگیز لہریں، جن کو زمین برداشت نہیں کرسکتی، اللہ تعالیٰ نے فضا میں ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو تحلیل کردیتی ہے اور زمین پر اس کی اتنی ہی مقدار پہنچ پاتی ہے، جو زمین پر بسنے والی مخلوقات کے لئے قابل برداشت ہو۔

(۷) ارشاد فرمایا گیا کہ ''زمین کے اندر برکت رکھ دی اور اندازہ کر کے سب حاجت مندوں کے لئے ان کی خوراک کا سامان مہیا کردیا گیا'' —— یہاں قرآن مجید میں 'سائلین' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، سائلین کے اصل معنی مانگنے والوں کے ہیں، ←

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ﴿۱۳﴾ اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ
بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ
اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا
قُوَّةً ؕ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾

پھر اگر یہ لوگ بے رُخی برتیں تو آپ کہہ دیجئے: میں تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں جیسے عاد و ثمود پر آیا تھا،﴿۱﴾ ﴿۱۳﴾ جب ان کے پاس ان کے آگے اور پیچھے سے پیغمبر آئے (اور انھوں نے کہا:) تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو وہ کہنے لگے: اگر ہمارے پروردگار چاہتے تو فرشتے اُتار دیتے، ہم تو اس بات کو نہیں مانتے، جو تمہارے ذریعہ بھیجی گئی ہے، ﴿۱۴﴾ تو عاد تو زمین میں ناحق تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے: کون ہے جو ہم سے زیادہ طاقتور ہے؟ کیا اُن کو نظر نہیں آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے، وہ تو ان سے بھی زیادہ طاقتور ہے، اور وہ ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے۔ ﴿۱۵﴾

← اور مانگتا وہی ہے جو ضرورت مند ہو؛ اس لئے اس کا ترجمہ حاجت مندوں سے کیا گیا ہے: ''والمعنی وقدر فیھا اقواتھا سواء للمحتاجین'' (تفسیر قرطبی: ۱۵؍۳۴۳) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر علاقہ کے لوگوں کے لئے ایسی چیزیں رکھ دی ہیں، جن سے ان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں، جیسے کہیں چاول کی پیداوار ہوتی ہے، کہیں گیہوں کی، کہیں سیب کے پھل آتے ہیں کہیں کھجور کے، کہیں کوئلہ اور سونا نکلتا ہے تو کہیں پٹرول اور گیس، جن کو بیچ کر غذائی اشیاء حاصل کی جاتی ہیں اور ایک مقام اور دوسرے مقام کے لوگوں کے درمیان تجارت بھی ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت پھیلنے لگی اور قریش نے دیکھا کہ ان کی سختی اور ایذا رسانی کے باوجود لوگ اسلام قبول بھی کر رہے ہیں اور قبول کرنے کے بعد اس پر ثابت قدم بھی ہیں، تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اب لالچ کا ہتھیار استعمال کر کے دیکھنا چاہئے، شاید اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت سے باز آجائیں؛ چنانچہ طے پایا کہ ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے، جو شعر و شاعری، جادو اور جیوتش کے علم سے واقف ہو، اور وہ آپ ﷺ سے گفتگو کر کے کسی نتیجہ پر پہنچے کہ آپ ﷺ کا مقصد اور لوگوں کو متاثر کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے لئے عُتبہ بن ربیعہ کا انتخاب کیا گیا، جو قریش کے اہم سرداروں میں تھے، عتبہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے آباء و اجداد کا نام لے کر کہا کہ آپ بہتر ہیں یا عبد اللہ، عبد المطلب، ہاشم اور قصی بہتر تھے؟ انھوں نے تو دیوی اور دیوتا کا انکار نہیں کیا؛ لیکن آپ ان کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور خود اپنے آباء و اجداد کو گمراہ کہتے ہیں، تو اگر آپ کا مقصود سرداری حاصل کرنا ہو تو ہم سب کو اس پر متفق کر لیتے ہیں کہ آپ جب تک زندہ رہیں، آپ ہی ہمارے سردار رہیں، اور اگر آپ عورت کے خواہش مند ہوں تو قریش کی لڑکیوں میں سے آپ کی پسند کے مطابق دس لڑکیوں کو آپ کے نکاح میں دے دیں گے، ←

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۶ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا
الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۷

آخر ہم نے ان پر چند نحوست بھرے دنوں میں بڑی تیز ہوا چلائی؛ تاکہ انھیں دنیوی زندگی ہی میں ذلت ورسوائی کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور آخرت کا عذاب تو اور زیادہ رسوا کرنے والا ہوگا اور ان کو کوئی مدد بھی نہ ملے گی ، ﴿۱﴾ ۝۱۶ اور وہ جو ثمود تھے تو ہم نے ان کو راستہ دکھایا، مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھے رہنے ہی کو پسند کیا، تو ان کو بھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے رسوا کرنے والے سخت عذاب نے آ پکڑا ۔ ۝۱۷

← اگر آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو ہم سب مل کر آپ کے لئے اتنا مال جمع کردیں گے کہ وہ نہ صرف آپ کے لئے ؛ بلکہ آپ کے بعد آپ کے پسماندگان کے لئے بھی کافی ہوجائے گا اور اگر آپ کو آسیب ہو تو ہم لوگ پیسے خرچ کرکے آپ کا علاج کرادیں گے، رسول اللہ ﷺ خاموشی کے ساتھ ان کی بات سنتے رہے، جب وہ اپنی بات کہہ چکے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا آپ کی بات پوری ہوگئی ؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا آپ بھی میری بات سنیں گے؟ کہنے لگے: ہاں، میں ضرور سنوں گا، آپ ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ؛ بلکہ سورۂ 'حٰمٓ' ابتدا سے لے کر آیت نمبر: ۱۳ تک کی تلاوت کی، جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ میں تم کو عاد و ثمود کے عذاب سے ڈراتا ہوں تو عتبہ نے آپ ﷺ کے منھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگے: آپ خاموش رہیں، وہ وہاں سے واپس ہوگیا اور بجائے قریش کی طرف جانے کے اپنے گھر چلا گیا، ابوجہل نے عتبہ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا: کیا تم کو ان کا کھانا پسند آگیا؟ عتبہ کو بڑا غصہ آیا، اس نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ میں قریش کا سب سے دولت مند شخص ہوں ؛ لیکن ہوا یہ کہ جب میں نے آپ کے سامنے بات رکھی تو آپ نے کسی شعر یا جادو وغیرہ سے میرا جواب نہیں دیا؛ بلکہ ان آیات کی تلاوت کی اور جب انھوں نے کہا کہ میں تم کو عاد و ثمود کے جیسے عذاب سے ڈراتا ہوں تو میں نے ان کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ رُک جائیں ؛ کیوں کہ تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ نے آج تک کوئی جھوٹی بات نہیں کہی ؛ اس لئے مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر عذاب نہ آجائے ، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۸-۳۹) ـــــ اس واقعہ سے ان آیات کا زور بیان اور اس کی اثر انگیزی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جس نے دشمن کو بھی لرزا کر رکھ دیا۔

﴿۱﴾ قوم عاد پر آنے والے عذاب کے لئے اللہ تعالیٰ نے 'صاعقہ' کا لفظ استعمال کیا ہے، صاعقہ کے اصل معنی سخت آواز کے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان پر ہوا کا جو عذاب آیا، اس میں آندھی کے ساتھ ساتھ بھیانک آواز بھی تھی، قرآن مجید میں سورۂ حاقہ (آیت: ۶، ۷) سورۂ ذاریات (آیت: ۴۸) اور سورۂ احقاف (آیت نمبر: ۲۴، ۲۵) میں بھی اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، نیز مفسرین نے بھی واقعات کی تفصیل لکھی ہے، ان سب کو ملا کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ قومِ عاد تکبر کے مرض میں مبتلا تھی اور اپنے آپ کو سب سے طاقتور اور زورآور سمجھتی تھی ، پھر ایسا ہوا کہ تین سال تک بارش نہیں ہوئی ؛ چنانچہ جب گھٹا چھائی تو لوگ بہت خوش ہوئے ←

ع ۲ / ۱۶

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ
شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ
عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے، اور (اللہ سے) ڈرتے تھے، ہم نے ان کو بچالیا، ﴿۱﴾ ﴿۱۸﴾ اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے تو وہ (اکٹھا کرنے کے لئے) روک لئے جائیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ پر پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے بھی ان کے خلاف ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، ﴿۲۰﴾ وہ اپنے چمڑوں (یعنی اعضاء) سے کہیں گے: تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دے رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جس خدا نے ہر چیز کو بولنے کی صلاحیت دی ہے، اسی نے (آج) مجھے بھی بولنے کی صلاحیت عطا کردی ہے، اسی نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم واپس لائے گئے ہو، ﴿۲۱﴾ اور تم اس (ڈر) سے تو (گناہ کرتے وقت) چھپتے نہیں تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی؛ بلکہ تمہارا تو یہ گمان تھا کہ اللہ کو بھی تمہارے بہت سے کاموں کا علم نہیں ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۲﴾

← اور انھوں نے سوچا کہ اب یہ قحط دور ہو جائے گا؛ لیکن اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا؛ چنانچہ بارش ہونے کے بجائے طوفانی ہوا چلنے لگی، جو مسلسل سات دن اور آٹھ رات تک چلتی رہی اور اس نے پوری آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۴۶، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۱۵) —— یہاں عذاب نازل کئے جانے والے دنوں کو نحوست بھرے دن (ایامِ نحسات) سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن اس قوم کے حق میں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے نامبارک اور تکلیف دہ ثابت ہوئے، ورنہ تو اسلام کی نظر میں کوئی بھی دن اور وقت اپنی اصل کے اعتبار سے منحوس نہیں ہے۔

﴿۱﴾ قوم ثمود کا ذکر سورۂ اعراف: ۷۳-۷۹ میں آچکا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اہل دوزخ کا حساب ہوتا جائے اور وہ دوزخ کے حوالہ کردیئے جائیں؛ بلکہ ان کو آگے بڑھانے کے بعد ایک مقام پر روک لیا جائے گا؛ تا کہ تمام اہل دوزخ اکٹھے ہو جائیں، اس کے بعد پھر ان سب کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔

﴿۳﴾ قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بات کہی گئی ہے کہ قیامت کے دن انسان کے اعضاء بھی بولنے لگیں گے اور وہ انسان کے خلاف گواہ بن کر اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور چمڑوں کا غالباً خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا کہ ہر عضو کی اوپری سطح چمڑے کی ہوتی ہے، ←

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ
يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ
قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا ع ۱۷ ۳
لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾

اور تمہاری یہ بدگمانی جو تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کر رکھی تھی، اسی نے تمہارا بیڑہ غرق کر دیا ہے، اور تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو، ﴿۱﴾ ﴿٢٣﴾ تو اگر یہ لوگ صبر کریں، تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے، اور اگر معافی طلب کریں تب بھی تو ان کو معاف نہیں کیا جائے گا، (یعنی ان کو دوزخ ہی میں رہنا ہوگا) ﴿٢٤﴾ اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھی مقرر کر دیئے تھے، ﴿۲﴾ جنھوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال کو ان کی نظر میں خوشنما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں بھی عذاب کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہا، جو ان سے پہلی اُمتوں یعنی جنات وانسان کے لئے ہوا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب نقصان اُٹھانے والے ہیں، ﴿٢٥﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ کہتے ہیں: اس قرآن کو سنو ہی مت، اور (جب تلاوت کی جائے تو) شور مچایا کرو، شاید تم غالب آ جاؤ۔ ﴿۳﴾ ﴿٢٦﴾

← تو جس طرح دنیا میں زبان کی اوپری سطح گویائی کے عمل کو انجام دیتی ہے، اسی طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعضاء کی کھال میں قوت گویائی پیدا فرما دیں گے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان جس فکر کا حامل ہوتا ہے، اسی کے مطابق اس سے اعمال صادر ہوتے ہیں؛ اس لئے سوچ درست ہونی چاہئے، اگر کسی شخص کی سوچ ہو کہ وہ اپنی حرکتوں کو اللہ سے چھپا سکتا ہے تو پھر کوئی چیز اس کو گناہ سے روک نہیں سکتی۔

﴿۲﴾ یعنی انھوں نے اپنے لئے انسان اور جن میں سے ایسے ساتھی اختیار کر لئے تھے، جو اُن کو ان کے گناہوں سے روکنے کے بجائے اور اس پر اُکساتے تھے، یہ ساتھی تو انسان نے خود منتخب کئے تھے؛ لیکن دنیا میں امتحان لینے کے مقصد سے اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ جو شخص غلط راستہ پر جاتا ہے تو اس کے لئے وہی راستہ کھول دیا جاتا ہے، اس کو اس راستہ کے ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو چلنے کی طاقت دی ہے، اب اگر کوئی شخص اس صلاحیت کو مسجد جانے کے لئے استعمال کرے تو وہ اپنی صلاحیت کو اس اچھے کام میں استعمال کر سکتا ہے اور اگر وہ شراب خانہ کی طرف جائے تب بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے قدم تھام لئے جائیں، یہ جو انسان کے ارادے میں رکاوٹ نہ بننے کا نظام قائم ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساتھی مقرر کرنے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿۳﴾ جس گروہ کے پاس دلیل کی قوت نہیں ہوتی، وہ علمی وفکری طور پر مقابلہ کرنے کی بجائے شور و ہنگامہ، بدتمیزی و بے ادبی تمسخر ←

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾
ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ
اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ
عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ
اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا
مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ؕ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ۧ

ع ۴ / ۱۸

تو ہم ضرور ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ان کو ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے، ﴿۲۷﴾ اللہ کے دشمنوں کی یہی سزا ہے یعنی دوزخ، اسی میں ان کے ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے، وہ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے، یہ اسی کی سزا کے طور پر ہے، ﴿۲۸﴾ اور کفر کرنے والے عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہمیں وہ دونوں شیطان وانسان دکھا دیجئے، جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پیروں کے نیچے روند ڈالیں؛ تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں، ﴿۱﴾ ﴿۲۹﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا: اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے، پھر وہ (اسی پر) جمے رہے، ان پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے:) نہ ڈرو اور نہ غم کرو، اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، اس کی خوشخبری سنو، ﴿۳۰﴾ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، تمہارے لئے وہاں وہ سب کچھ ہے، جس چیز کو تمہارا جی چاہے، نیز تمہارے لئے اس میں وہ تمام چیزیں حاضر ہوں گی، جو تم طلب کرو گے، ﴿۳۱﴾ یہ بہت معاف کرنے والے اور نہایت مہربان خدا کی طرف سے مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۲﴾

← اور استہزا کے ذریعہ سچی آواز کو دبانا چاہتا ہے، قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ان کے مخالفین کا یہی رویہ تھا، اسی صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کو بھی گذرنا پڑا اور سچ پوچھئے تو آج بھی دنیا کے حالات ایسے ہی ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی معقولیت، فطرت سے ہم آہنگی اور انسانی ضرورتوں کی تکمیل کی صلاحیت کے لحاظ سے کوئی اس کو رد نہیں کرسکتا؛ لیکن پروپیگنڈوں کے ذریعہ حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

﴿۱﴾ جو لیڈر قسم کے لوگ دنیا میں اپنے رعب و دبدبہ کا استعمال کر کے حق کا راستہ روک رہے ہیں اور دوسروں کو اپنا آلۂ کار بنا رہے ہیں، آخرت میں ان کی خوب حجامت بنے گی، جو لوگ ان کو اپنے سروں اور آنکھوں پر بیٹھاتے تھے، اس روز وہی ان کو اپنے پاؤں تلے روند کر رکھ دیں گے۔

﴿۲﴾ ایمان لانے کے بعد اس پر ثابت قدم رہنا بہت اہم ہے، ایمان پر ثابت قدمی کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ پھر وہ خدانخواستہ ←

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا
تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ
كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اوراس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرمانبردار بندوں میں سے ہوں، ﴿۳۳﴾ بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی (اس لئے برائی کا) ایسے طریقہ سے جواب دیجئے جو بہت اچھا ہو، تو یکا یک جس شخص کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ ایسا ہوجائے گا جیسے کوئی جگری دوست، ﴿۳۴﴾ اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو عطا کی جاتی ہے، جو صبر کرتے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے، جو بڑے نصیب والے ہیں، ﴿۳۵﴾ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، یقیناً اللہ خوب سننے والے، خوب جاننے والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۶﴾

← مرتد نہ ہو، حالات چاہے کتنے ہی ناموافق ہوں، وہ ایمان پر جما رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۱۳) استقامت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ ساتھ ایمان کے تقاضوں پر بھی ثابت قدم رہے؛ چنانچہ بعض صحابہ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے، (حوالۂ سابق) اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ آپ سے سفیان بن عبداللہ ثقفی نے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنا نہ پڑے، آپ نے فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر تم اسی بات پر جم جاؤ، (مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام، حدیث نمبر: ۳۸) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس عمل کا آخرت میں جو اجر ہوگا، وہ تو ہوگا ہی؛ لیکن خاص بات یہ ہے کہ فرشتے اسے آکر خوشخبری سنائیں گے: تمہیں کوئی خوف یا غم نہیں ہونا چاہئے کہ ہم لوگ دنیا میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور وہاں تمہاری ساری خواہشات پوری کی جائیں گی —— فرشتوں کی طرف سے ان کو یہ خوشخبری تین مواقع پر سنائی جائے گی، ایک تو مرنے کے وقت، دوسرے: قبر میں، اور تیسرے: اس وقت جب قیامت قائم ہوگی اور قبر سے اُٹھائے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۲۹) اخیر میں اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا کہ جنت میں انسان کو جو نعمتیں دی جائیں گی، وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ نہیں جیسا کہ کسی محتاج اور گداگر کو دی جاتی ہے؛ بلکہ اس طرح کہ جیسے ایک مہمان کی مہمان نوازی کی جاتی ہے۔

﴿۱﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کی اُمت کو چار باتوں کی تعلیم دی ہے، اول یہ کہ سب سے بہتر بات وہ ہے، جس میں اللہ کی طرف بلایا جائے، شعر و سخن کے ذریعہ داد حاصل کی جاسکتی ہے، ناول اور افسانہ لکھ کر ایوارڈ مل سکتے ہیں، پُرجوش تقریروں کے ذریعہ ووٹ حاصل کئے جاسکتے ہیں اور اپنے پیچھے چلنے والوں کا ایک جتھ تیار کیا جاسکتا ہے؛ ←

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا
لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ
يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة

السجدۃ ۱۱

اور دن ورات نیز سورج اور چاند بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہیں، (اس لئے) نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو، اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اسی کو سجدہ کرو، جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے، ﴿۳۷﴾ پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں (یعنی اللہ کی عبادت نہ کریں تو اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں) کہ جو فرشتے آپ کے پروردگار کے پاس ہیں، وہ دن ورات اس کی پاکی بیان کرتے ہی رہتے ہیں اور (کبھی) اُکتاتے نہیں ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۸﴾

← لیکن یہ سارے فائدے دنیا میں رہ جائیں گے، آخرت تک نہیں پہنچ سکیں گے؛ لیکن جو شخص اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف بلائے اور خود بھی اس پر عمل کرے تو زبان وقلم کا یہ سرمایہ آخرت تک اس کے ساتھ جائے گا، دوسرے: برائی کا جواب برائی سے دینے کی بجائے بہتر سے بہتر سلوک سے دیا جائے؛ کانٹے بچھانے والوں پر پھول برسایا جائے اور گالی دینے والوں کو دُعا دی جائے، بظاہر اس طریقہ میں انسان شکست سے دوچار ہوتا ہوا نظر آتا ہے؛ لیکن انجام کے اعتبار سے اسی میں اس کی کامیابی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان دوسرے فریق کے دلوں کو فتح کرلیتا ہے اور دشمن دوست بن جاتا ہے، اسی ہتھیار کے ذریعہ عہد نبوی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اسلام کے دامن میں لایا گیا اور پھر تو ہمیشہ کے لئے انھوں نے اپنے گلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق ڈال لیا —— بُرائی کا جواب بھلائی سے دینے کا طریقہ کیا ہو؟ یہ تو حالات کے لحاظ سے ہے؛ لیکن اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے متعلق نقل کیا جاتا ہے، کہ ایک صاحب نے آپ کو بُرا بھلا کہا تو آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو اللہ مجھے معاف کردیں، اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں معاف کردیں، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۶۱) بعض حضرات نے قرآن مجید کی اس آیت کو جہاد سے منسوخ قرار دیا ہے؛ لیکن بظاہر اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جہاد کا تعلق ایسے حالات سے ہے، جہاں ظلم کو روکنے کے لئے قوت کا استعمال ضروری ہو، اور اِس آیت کا تعلق عام انسانی سلوک اور طریقہ دعوت سے ہے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ قرار دیا جائے۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ برائی کا جواب بھلائی سے دے سکے، اس کے لئے صبر وتحمل اور بردباری کی صفت چاہئے، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں ہی کو یہ صفت حاصل ہوتی ہے، چوتھی بات یہ ہے کہ بعض دفعہ بردبار شخص کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہوجاتا ہے اور اس پر غصہ وغضب کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو ایسے موقعہ پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے؛ کیوں کہ یہ حرکت شیطان ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان کسی عبادت کو مسلسل کرنے سے تھک جاتا اور اُکتانے لگتا ہے؛ لیکن فرشتوں کی فطرت میں ذکر وعبادت کا کچھ ایسا جذبہ رکھا گیا ہے کہ وہ دن ورات تسبیح پڑھنے کے باوجود تھکتے نہیں ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ
اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ
عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ خشک اور بنجر ہے، ﴿۱﴾ جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں، تب وہ لہلہاتی اور اُبھر آتی ہے ؛ (لہٰذا) یقیناً جس نے زمین کو زندہ کردیا، وہی مردہ کو بھی زندہ کردے گا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۳۹﴾ جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھا پن کا رویہ اختیار کررہے ہیں، وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، بھلا جو شخص آگ میں ڈالا جائے، وہ بہتر ہے، یا جو قیامت کے دن بے خوف ہوکر آئے؟ تم جو چاہو، کرو، اللہ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں، ﴿۴۰﴾ جن لوگوں نے قرآن مجید کا انکار کیا، جب کہ وہ ان کے پاس آچکا ہے، (ان کا حال بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے) اور یقیناً یہ بڑی باوقعت کتاب ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۱﴾

﴿۱﴾ یہاں زمین میں خشوع ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ خشک اور بنجر بن جاتی ہے: ''أي يابسة جديبة''۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۶۵)

﴿۲﴾ قرآن مجید کے انکار کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جس کو آیت نمبر: ۴۰ میں 'الحاد' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، الحاد کے معنی ہے کلام کے صحیح مفہوم کو بدل دینا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۱۲۴، تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۶۶) جیسا کہ قادیانی حضرات کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم قرآنی کے مطابق 'خاتم النبیین' مانتے ہیں؛ لیکن خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے نہیں ہے؛ بلکہ ایسے شخص کے ہیں، جس کی مہر سے آئندہ نبوت کا سلسلہ جاری ہو، اسی طرح قرآن وحدیث میں مطلق سود کو حرام قرار دیا گیا؛ لیکن موجودہ دور میں بعض مغرب زدہ لوگوں کا خیال ہے کہ جس سود کی ممانعت ہے، وہ مہاجنی سود ہے، معاشی اور تجارتی مقاصد کے لئے جو سودی لین دین ہوتا ہے، وہ اس میں شامل نہیں، یا جیسے منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قرآن میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے لئے تھا، جیسے امیر وفرمانروا کی اطاعت عوام پر واجب ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب ان احکام پر عمل کرنا واجب نہیں، یہ طرز عمل قرآن کے ساتھ 'الحاد' ہے، اگر قرآن کی کسی عبارت کا ایسا مطلب لیا جائے جو اجماع یا نص قطعی کے خلاف ہو، تو یہ کفر ہے، اسی لئے قادیانیوں کے کافر ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے، اور اگر یہ ہو تو قرآن کے ظاہر کے خلاف؛ لیکن اس کے مقابلہ میں نص قطعی یا اجماع نہ ہو تو ایسا شخص گمراہ ہے، (اس موضوع پر علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تالیف ''اکفار الملحدین'' بڑی بلند پایہ کتاب ہے، جو قادیانیوں کے دعویٰ اسلام کے پس منظر میں لکھی گئی ہے، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ''کفر و اسلام - قرآن کی روشنی میں'' کے نام سے اُردو زبان میں اس کا خلاصہ تحریر کیا ہے) ←

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ
لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ
جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ
مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ ع ۱۲/۵ ۱۹
رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ
اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

اس میں نہ آگے سے جھوٹ داخل ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے، ﴿۱﴾ یہ حکمت والے بہت ہی قابل تعریف خدا کی اُتاری ہوئی کتاب ہے، ﴿۴۲﴾ آپ سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں، جو آپ سے پہلے کے پیغمبروں سے بھی کہی جا چکی ہیں، بے شک آپ کے پروردگار بخشنے والے بھی ہیں اور دردناک سزا دینے والے بھی، ﴿۴۳﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو غیر عربی قرآن رکھتے تو یہ کہتے: اس کی آیتیں کیوں نہ کھول کھول کر بیان کی گئیں، یہ کیا بات ہے کہ (قرآن تو) عجمی اور (رسول) عربی؟ آپ فرما دیجئے: قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے، جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور قرآن ان کے حق میں اندھا پن کا سبب ہے؛ (گویا) ان لوگوں کو بہت دُور سے پکارا جارہا ہے، ﴿۲﴾ ﴿۴۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا فرمائی تھی، پھر اس میں بھی اختلاف کیا گیا، ﴿۳﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کر ہی دیا جاتا اور یقیناً یہ لوگ قرآن کی طرف سے بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں، ﴿۴﴾ ﴿۴۵﴾ جس نے نیک عمل کیا تو اپنے ہی بھلے کے لئے کیا، اور جو شخص برا عمل کرتا ہے تو اسی پر اس کا وبال ہے، اور آپ کے پروردگار بندوں کے ساتھ ناانصافی کرنے والے نہیں ہیں۔ ﴿۴۶﴾

← قرآن کے انکار کی دوسری صورت وہ ہے جس کا ذکر آیت نمبر: ۴۱ میں ہے، یعنی کوئی شخص کھل کر قرآن مجید کو اللہ کی کتاب تسلیم نہ کرے اور اس کے حکم الٰہی ہونے کا انکار کر دے۔

﴿۱﴾ یہ بات کہ ''اس میں نہ آگے سے جھوٹ ڈال داخل ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے'' محاورہ کے طور پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا ایسا انتظام کیا ہے کہ اس میں کسی ردو بدل کا امکان نہیں، نہ الفاظ میں نہ معنی میں، نہ کوئی چیز بڑھائی جاسکے گی نہ کوئی بات گھٹائی جاسکے گی، نہ شیطان اس میں ردو بدل کرسکتا ہے نہ انسان۔ ←

← ﴿۲﴾ غرض کہ قرآن وہی ہے، جو عربی زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر قرآن کے مطالب ہیں نہ کہ خود قرآن؛ اس لئے قرآن کا جو ترجمہ دوسری زبانوں میں کیا جائے، اس کا حکم بعینہٖ قرآن کا نہیں ہے، اس کو پاکی کے بغیر چھویا اور پڑھا جاسکتا ہے، نیز اس کو پڑھنے میں تلاوت قرآن کا اجر حاصل نہیں ہوگا۔

﴿۳﴾ یعنی اے پیغمبر آپ ﷺ کی قوم میں سے جو بعض لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ اس سے رنجیدہ نہ ہوں؛ کیوں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی تو ان کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ نہیں لائے۔

﴿۴﴾ ''شک مریب'' کا معنی بتایا گیا ہے ''شدید الریبة'' (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۷۰) اسی مناسبت سے اس کا ترجمہ ''بڑے شک'' سے کیا گیا ہے۔

• • •

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ﴿۴۷﴾
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ
مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ ؗ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ
ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ
عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ؗ وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۰﴾
وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ﴿۵۱﴾

قیامت کا علم اللہ ہی کے حوالہ ہے، اللہ کے علم کے بغیر نہ کوئی پھل اپنے گابھوں سے نکلتا ہے، نہ کسی مادہ کو حمل ٹھہرتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، ﴿۱﴾ اور جس دن اللہ ان کو پکاریں گے کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے: ہم نے آپ سے عرض کر دیا کہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویٰ نہیں کرتا، ﴿۲﴾ ﴿۴۷﴾ اور وہ پہلے جن جن کو پکارا کرتے تھے، وہ سب ان سے غائب ہو چکے ہوں گے اور وہ سمجھ جائیں گے کہ (اب) ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، ﴿۴۸﴾ انسان بھلائی کی دُعا کرتے ہوئے تو تھکتا نہیں ہے اور اگر اس کو تکلیف پہنچ جائے تو آس توڑ دیتا ہے اور نااُمید ہو جاتا ہے، ﴿۴۹﴾ اور جو تکلیف پہنچی تھی اگر اس کے بعد ہم اس کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیں تو کہنے لگتا ہے: ''یہ تو میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی، اور (بالفرض) اگر میں اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹا بھی دیا جاؤں تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہوگی'' تو ہم ضرور ایمان نہ لانے والوں کو ان کے سارے کرتوت بتادیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، ﴿۵۰﴾ اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منھ موڑ لیتا اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دُعائیں کرنے لگتا ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۵۱﴾

﴿۱﴾ یعنی قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، جیسے وہ گابھوں سے پھل کے نکلنے اور انسان کے پیدا ہونے کا علم رکھتا ہے، کسی اور کو اس کا یقینی علم نہیں ہے، اسی طرح قیامت کا علم بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔

﴿۲﴾ غرض کہ جب تک ان کی زبان بند نہ کر دی جائے گی اور دنیا کی چیزیں یہاں تک کہ خود ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی نہ دینے لگیں گے، وہ جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم ان کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

﴿۳﴾ یعنی انسان کے مزاج میں جلد بازی اور ناشکری ہے، پریشانی میں خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، تکلیف ہو تو نااُمید ہو جاتا ہے، نعمت سے نوازا جائے تو اس کو اپنا حق سمجھتا ہے اور شیخی بگھارتا ہے۔

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ کَفَرۡتُمۡ بِهٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾
سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ اَوَلَمۡ یَکۡفِ
بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِکُلِّ
شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿۵۴﴾ ع ۶ / ۱۰

آپ فرما دیجئے: (اے ایمان نہ لانے والو!) بتاؤ تو سہی، اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس کو نہ مانو تو ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا، جو پرلے درجہ کی مخالفت میں پڑ گیا ہو؟ ﴿۵۲﴾ ہم جلد ہی ان کو دنیا کے اطراف میں اور خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر واضح ہوجائے گا کہ قرآن برحق ہے، کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر چیز پر گواہ ہے؟ ﴿۱﴾ ﴿۵۳﴾ یاد رکھو کہ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں، سن لو کہ اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿۵۴﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے، اس کی یکتائی کو جاننے اور اس کی قدرت وطاقت کا ادراک کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ انسان کے گرد اس کائنات میں ڈھیر ساری نشانیاں بکھری ہوئی ہیں؛ بلکہ خود اس کے وجود میں اور اس کے ایک ایک عضو میں ایسی نشانیاں موجود ہیں کہ اگر انسان غور وفکر کی نظر سے دیکھے تو ایمان لائے بغیر نہ رہے۔

سُورَةُ الشُّورٰى

- سورہ نمبر : (۴۲)
- رکوع : (۵)
- آیتیں : (۵۳)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

شوریٰ کے معنی مشورہ کے ہیں، اس سورہ کی آیت نمبر: ۳۸ میں یہ بات آئی ہے کہ مسلمانوں کے سارے کام باہمی مشورہ سے ہونے چاہئیں: ''وأمرهم شوریٰ بینهم'' اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''شوریٰ'' ہے۔

اہل مکہ چوں کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اوران کو پہلے مرحلہ میں ایمان کی طرف دعوت دینے کی ضرورت تھی؛ اس لئے دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی عام طور پر توحید ورسالت اور آخرت سے متعلق دلائل ذکر کئے گئے ہیں اور چند بنیادی باتوں پر خصوصیت سے روشنی ڈالی گئی ہے، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ایک ہی ہے، ہر نبی اسی دین کو لے کر آئے تھے، انسانوں کی ملاوٹ کی وجہ سے اس کی صورت مسخ ہوتی گئی، محمد ﷺ اس دین کو اس کی اصل اور ملاوٹ سے پاک شکل میں تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں، دوسرے: اگر آپ نے دنیا حاصل کرنے کے لئے نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوتا تو وہ تم سے اُجرت اور نذرانہ کے طلب گار ہوتے؛ لیکن ان کے سچے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ تم سے کوئی اُجرت نہیں چاہتے، پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب تک آپ نبی نہیں بنائے گئے، کتاب سے بالکل بے خبر تھے، اگر آپ نے خود کتاب لکھی ہوتی تو پہلے سے اس سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہوتی۔

تیسری بات یہ بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں معاشی معیار کے سلسلہ میں مساوات و برابری کا اُصول نہیں رکھا ہے، اس میں یہ مصلحت ہے کہ غریب اپنی ضرورت کے لئے مالداروں کا کام کرتا ہے اور مالدار اپنے کاموں کے لئے غریبوں سے رُجوع ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہوتا اور ایک دوسرے کی ضرورت نہ ہوتی تو دنیا کا نظام معطل ہوجاتا، چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اجتماعی مسائل باہمی مشورہ سے طے کرنے چاہئیں، کوئی شخص کسی ملک کا سربراہ ہو یا جماعت یا ادارہ کا، اس کو ڈکٹیٹر کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے، اسے اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے معاملات کو طے کرنا چاہئے، پانچویں: ظلم وزیادتی کے ردعمل کے سلسلہ میں ایک ایسا اُصول مقرر کیا گیا، جس میں میانہ روی ہے اور جو سماج میں امن وامان کا ماحول فراہم کرتا ہے، وہ یہ کہ اگر کسی شخص کے ساتھ زیادتی ہو تو وہ برابری کا بدلہ لے سکتا ہے، یہ بات درست نہیں ہے کہ اسے جو نقصان پہنچا ہے، وہ اس سے بڑھ کر بدلہ لینے کی کوشش کرے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کے لئے بدلہ سے دست بردار ہوجانا اور معاف کردینا واجب ہو؛ البتہ اگر معاف کردے اور صلح کے ذریعہ آپس میں معاملہ کو طے کرلے تو اس میں اجر وثواب ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ كَذٰلِكَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡكَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۝۳ لَهٗ
مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ
فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۝۵ وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءَ اللّٰهُ حَفِیۡظٌ عَلَیۡهِمۡ ۖ وَمَاۤ اَنۡتَ
عَلَیۡهِمۡ بِوَكِیۡلٍ ۝۶ وَكَذٰلِكَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَهَا
وَتُنۡذِرَ یَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ ؕ فَرِیۡقٌ فِی الۡجَنَّةِ وَفَرِیۡقٌ فِی السَّعِیۡرِ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ حٰمٓ (حا، میم)، ۝۱ عٓسٓقٓ (عین، سین، قاف)، ﴿۱﴾ ۝۲ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو غالب اور حکمت والے ہیں، آپ کی طرف اور آپ سے پہلے کے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجتے رہے ہیں، ۝۳ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب ان ہی کا ہے، وہ بلند رتبہ ہیں اور عظمتوں والے ہیں، ۝۴ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑے، ﴿۲﴾ فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف و پاکی بیان کرتے اور زمین میں رہنے والوں کے لئے مغفرت کی دُعا کرتے رہتے ہیں، خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والے اور مہربان ہیں، ۝۵ اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، اللہ ان کی نگرانی کر رہے ہیں اور آپ ان پر داروغہ تو ہیں نہیں، ۝۶ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن بھیجا ہے؛ تاکہ آپ شہروں کے مرکز (مکہ) اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں اور جمع ہونے (یعنی قیامت) کے دن سے ڈرائیں، جس (کے واقع ہونے) میں کوئی شک نہیں، تو (اس وقت) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔ ﴿۳﴾ ۝۷

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات ہیں، سورۂ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے رعب وجلال، (روح المعانی: ۱۱/۲۵) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرانے کی وجہ سے، (مفاتیح الغیب: ۱۳/۶۶۴) قرآن مجید کی یہ تعبیر اُردو محاورہ سے بھی قریب ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ تم نے ایسی حرکت کی ہے کہ جس سے آسمان پھٹ پڑے یا زمین پھٹ پڑے، مقصود یہ ہے کہ اللہ کے رعب وجلال سے آسمان بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اگر اس پر آسمان پھٹ پڑتا تب بھی باعث تعجب نہ تھا۔

﴿۳﴾ مکہ کو اُم القریٰ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پوری دنیا کا مرکز ہے، اولاً زمین کا یہی حصہ بنایا گیا، پھر یہیں سے مشرق ومغرب ←

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوۡنَ مَا
لَهُمۡ مِّنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۸﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الۡوَلِىُّ وَهُوَ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۹﴾ وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِيۡهِ مِنۡ شَىۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىۡ ع ۹ ۲
عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۖۗ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ﴿۱۰﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتے ؛﴿۱﴾ لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں، اپنی رحمت میں داخل فرماتے ہیں اور ظالموں کے لئے (اس دن) نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار، ﴿۸﴾ کیا انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں؟ تو کارساز تو اللہ ہی کی ذات ہے، وہی مُردوں کو زندہ کریں گے اور وہی ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۹﴾ اور جس کسی چیز میں تم اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے ہے، وہی اللہ میرا پروردگار ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی سے میں لَو لگاتا ہوں ۔﴿۲﴾ ﴿۱۰﴾

← اور شمال وجنوب میں زمین بچھائی گئی، (مفردات القرآن: ۲۹) ''انعام: ۹۲'' میں اس کی تشریح گذر چکی ہے — مکہ کے آس پاس سے مراد پوری دنیا ہے؛ کیوں کہ مکہ کے دنیا کے وسط میں ہونے کے لحاظ سے پوری دنیا اس کے اردگرد میں شامل ہے۔
(تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۳۰، تفسیر قرطبی: ۶/۱۶)

﴿۱﴾ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس بات میں ہے کہ تمام لوگ اسلام پر آجائیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام اختلافِ مذہب پر رکھا ہے؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ اگر تمام اہل مکہ ایمان نہیں لائیں تو اس سے رنجیدہ نہ ہوں، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آخرت کی نجات وکامیابی تو ایمان لانے ہی میں ہے؛ لیکن دنیا میں مسلمانوں کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ دوسرے مذاہب کے وجود کو بھی تسلیم کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ پُر امن طریقہ پر دنیا میں باقی رہنے کا طریقہ اختیار کریں، جیسے ایک سفید فام شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ سیاہ فام لوگوں کے لئے زندہ رہنے کے حق کو تسلیم نہ کرے، یا جیسے عربی زبان بولنے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ چاہے کہ دنیا میں کسی اور زبان کے بولنے والے نہ رہیں، اسی طرح اک مذہب کے ماننے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ چاہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے لوگوں سے دنیا بالکل خالی ہوکر رہ جائے، پس آخرت میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے دُور رہنے والوں کی سخت پکڑ ہوکر رہے گی؛ لیکن دنیا میں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک، خوش اخلاقی، جائز اُمور میں رواداری اور انسانی رشتہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کی رعایت ضروری ہے۔

﴿۲﴾ ''اختلاف والی باتوں میں فیصلہ کو اللہ کے سپرد کرنے'' میں دو باتیں شامل ہیں، ایک یہ کہ ہدایت سے محروم لوگوں سے بحث ومباحثہ کا اگر فائدہ نہ ہو تو اُلجھنے کی بجائے کہہ دیا جائے کہ میں اس معاملہ کو اللہ ہی کے حوالہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا فیصلہ فرمادیں گے، دوسرے: اگر کسی بات کے بارے میں اختلاف پیدا ہوجائے تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کے ←

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ
یَذۡرَؤُكُمۡ فِیۡهِ ؕ لَیۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ
الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ وَمَا وَصَّیۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَمُوۡسٰی وَعِیۡسٰۤی
اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ ؕ كَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِكِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَیۡهِ ؕ اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ
اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۳﴾

وہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہارے لئے تم میں سے نیز چوپایوں میں سے بھی جوڑے پیدا کردیئے ہیں، ﴿۱﴾ اسی طریقے سے تم کو پھیلاتے جاتے ہیں (یعنی تمہاری نسل چلاتے جاتے ہیں)، کوئی بھی چیز اس جیسی نہیں، اور وہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۱۱﴾ اسی کے پاس آسمان وزمین کی کنجیاں ہیں، جس کے لئے چاہتے ہیں روزی بڑھا دیتے ہیں اور جس کی چاہیں کم کردیتے ہیں، یقیناً وہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱۲﴾ (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور (اے رسول!) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعہ بھیجا ہے، نیز جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو، ﴿۲﴾ جس دین کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں، وہ شرک کرنے والوں پر ناگوار گزرتا ہے، اللہ جس کو چاہتے ہیں، اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اپنی طرف آنے کا راستہ اسی شخص کو دکھاتے ہیں، جو اس کی طرف رُجوع کرے۔ ﴿۱۳﴾

← فیصلہ پر عمل کرے، چاہے عقیدہ وعبادت کا مسئلہ ہو یا معاشرت ومالی معاملات کا، یا سیاسی واجتماعی زندگی کا، ہر جگہ مسلمان کی نظر اس بات پر ہونی چاہئے کہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کیا ہے؟

﴿۱﴾ یعنی انسان کا جوڑا مرد یا عورت کی شکل میں انسان ہی میں سے پیدا فرمایا؛ تاکہ وہ ایک دوسرے کی رغبت کا باعث بنیں اور باہم اُنس محسوس کریں، اگر انسان کا جوڑا کسی اور مخلوق کی شکل میں ہوتا تو یقیناً اس کو اس سے وہ دلچسپی پیدا نہیں ہوتی، جو ایک شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے ہوتی ہے، اسی طرح چوپایہ میں نر و مادہ کا جوڑا پیدا کیا، جن سے الگ الگ کام لئے جاسکتے ہیں اور جوان چوپایوں میں افزائش نسل کا ذریعہ بنتے ہیں۔

﴿۲﴾ اس آیت میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: ایک یہ کہ اسلام وحدت دین کا قائل ہے نہ کہ وحدت ادیان کا، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مقبول دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور گذشتہ تمام پیغمبر ←

← اسی دین کو لے کر آئے تھے، آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب برحق ہیں، راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہی ہے، یہ درست نہیں ہے، دوسرے: دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے وہ احکام ہیں، جو تمام پیغمبروں کی مشترکہ تعلیمات ہیں، جن کو مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۰) اس میں عقائد اور اخلاق تو شامل ہیں ہی، ان کے علاوہ عملی زندگی کے وہ تمام احکام شامل ہیں جن کا ہر آسمانی شریعت میں حکم دیا گیا ہے، جیسے: ماں باپ، بیٹا، بیٹی سے نکاح کا حرام ہونا، سود، رشوت، زنا، چوری، قتل وغیرہ کی ممانعت، ان کے مقابلہ میں کچھ احکام وہ ہیں، جن کو 'شریعت' کہا جاتا ہے، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اس میں فرق رکھا ہے اور ہر اُمت کے لئے اس کے مناسب احکامِ شریعت مقرر کئے ہیں: ''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا'' (المائدۃ: ۴۸) چنانچہ بہت سے عملی مسائل میں مختلف اُمتوں کے لئے الگ الگ احکام دیئے گئے ہیں، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی بہن کے درمیان نکاح کی اجازت تھی؛ کیوں کہ اس کے بغیر نسل انسانی کی افزائش ہو ہی نہیں سکتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہفتہ کے دن کسبِ معاش کی ممانعت تھی اور اونٹ کا گوشت حرام کر دیا گیا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں از راہ تعظیم اپنے بزرگ کو سجدہ کرنے کی گنجائش تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں جاندار کے مجسمے بنانے کی ممانعت نہیں تھی، شریعت موسوی میں مالِ غنیمت کو نذرِ آتش کر دینے کا حکم تھا، بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ وہ مسجد میں ہی نماز ادا کریں، اس طرح کے متعدد احکام میں مختلف انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف پایا جاتا تھا؛ لیکن عقیدۂ و اخلاق اور زندگی کے بنیادی قوانین ہمیشہ یکساں رہے، تیسری: قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس میں صرف دین کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا ہے، دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، دین کی پیروی کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے اور دین کے قائم کرنے کا تعلق اپنے آپ سے بھی ہوتا ہے اور دوسروں سے بھی، اپنے آپ پر دین قائم کرنے کا مطلب خود اس پر عمل کرنا ہے، اور دوسروں پر دین قائم کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت اسلامی حکومت اور حکمرانوں کے لئے ہے کہ وہ قانون کی طاقت سے دین کو نافذ کریں، دوسرا طریقہ دعوتِ دین کا ہے، جو علماء اور عوام کے لئے ہے کہ وہ لوگوں کو ترغیب و ترہیب کے ذریعہ دینی زندگی پر آمادہ کریں اور اس مقصد کے لئے اخلاقی طاقت کا استعمال کریں۔

دین قائم کرنے کے ساتھ ساتھ متفرق ہونے اور فرقہ بندی اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا، اس تفرق کا تعلق دین سے ہے، یعنی وہ بنیادی تعلیمات جو ہر شریعت میں تسلیم کی جاتی رہی ہیں، جیسے: عقائد، اخلاق، حرام و حلال کے بنیادی قوانین، ان پر متفق ہونا چاہئے، ان میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں، جیسے کوئی شخص غیر اللہ سے مرادیں مانگنے کو جائز قرار دے، پیغمبر کے احکام کو ضروری نہ سمجھے، سود و شراب کو حلال سمجھے، تو یہ ایسا اختلاف ہے، جو نا قابل قبول ہے؛ البتہ اگر کسی معتبر دلیل کی بنیاد پر فروعی احکام میں اختلاف ہو، جیسے کوئی شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو ضروری سمجھتا ہو اور کوئی ضروری نہیں سمجھتا ہو، کوئی زور سے آمین پڑھنے کو بہتر سمجھتا ہو اور کوئی آہستہ، تو یہ فرقہ بندی نہیں ہے، یہ اختلاف رائے ہے، اور ایسے مسائل میں کسی ایک ہی رائے کو حق سمجھنا، دوسری رائے کو بالکل غلط سمجھنا اور اپنی رائے کی طرف لوگوں کو دعوت دینا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ دعوت دین کی ہے نہ کہ مسلک کی، غرض کہ فقہاء کے درمیان جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے، وہ فرقہ بندی کے دائرہ میں نہیں آتا۔

وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡ لَا کَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِیۡبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ ۚ وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ ۚ وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ لَا حُجَّةَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰهُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ وَاِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۵﴾ؕ

اس کے باوجود کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، محض آپس کی ضد کی وجہ سے لوگ الگ الگ ہو گئے، اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی ایک مقررہ وقت تک مہلت (دینے کا) فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور جن لوگوں کو ان (گذشتہ اُمتوں) کے بعد کتاب دی گئی ہے، وہ اس کتاب کی طرف سے گھرے شک میں پڑے ہوئے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ تو آپ اسی دین کی طرف بلاتے رہئے اور آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسی پر قائم رہئے، ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو بھی کتاب اُتاری ہے، میں اس پر ایمان لایا، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال کی ذمہ داری تم پر ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث وتکرار نہیں، اللہ ہم سب کو (قیامت کے دن) اِکٹھا کر دیں گے اور اسی کی طرف تو لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ یعنی اہل مکہ کا قرآن مجید کو ماننے سے انکار کرنا کسی دلیل کی وجہ سے نہیں ہے، محض ضد کی وجہ سے ہے، اور ان کی حرکتیں تو ایسی ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب آجائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ ابھی انھیں مزید مہلت دی جائے؛ اس لئے وہ بچے ہوئے ہیں، اور محرومی کی بات یہ ہے کہ یہ کتابِ الٰہی سے محروم تھے اور انھیں اللہ تعالیٰ نے کتاب سے نوازا؛ لیکن یہ خواہ مخواہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

﴿۲﴾ یہ پوری سورہ مکی ہے؛ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ آیت بھی آپ ﷺ پر مکہ مکرمہ میں اُتاری گئی ہے، اس وقت مسلمان ایک ایسے سماج میں تھے، جہاں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی، اور مسلمانوں کو سیاسی بالا دستی بھی حاصل نہیں تھی، وہ ایک چھوٹی سی اقلیت تھے، اس آیت میں ان مسلمانوں کے لئے بہترین نصیحت کی گئی ہے، جو اکثر غیر مسلم اکثریت کے درمیان رہتے ہیں، یا جو مختلف مذاہب کے ملے جلے سماج میں رہ رہے ہیں، ان کے لئے پہلی نصیحت یہ فرمائی گئی کہ انھیں اسلام کی دعوت وتبلیغ پر پوری توجہ دینی چاہئے اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا چاہئے، دوسرے: اپنے دین پر ثابت قدم رہنا چاہئے، خواہ کیسی ہی آزمائش آجائے، ان کا قدم لرزنا نہیں چاہئے، تیسرے: ان کو غیر اسلامی نظریات اور غیر مسلم تہذیب وثقافت کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہئے: ''وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ'' (المائدۃ:۴۸) ←

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا
يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ
بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

ع ۲ ۳

جولوگ اللہ کے بارے میں (مسلمانوں سے) بحثیں کرتے ہیں جب کہ وہ اللہ کو مان چکے ہیں، ان کی حجت بازی ان کے پروردگار کے نزدیک بالکل غلط ہے، ان پر (اللہ کا) غضب ہے اوران کے لئے سخت عذاب ہے، ﴿۱۶﴾ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور (عدل وانصاف کے لئے) ترازو اُتاری ہے اور تمہیں کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہی ہو؟ «۱» ﴿۱۷﴾ جولوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، وہی اس کے لئے جلد بازی کرتے ہیں، اور جوایمان رکھتے ہیں، وہ تو اس سے سہمے رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قیامت (کا آنا) برحق ہے، یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں، وہ انتہائی درجہ کی گمراہی کا شکار ہیں، ﴿۱۸﴾ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں، جس کو چاہتے ہیں، روزی دیتے ہیں اور بڑے طاقتور اور زبردست ہیں۔ ﴿۱۹﴾

← چوتھے: انھیں اپنے سماج میں عدل وانصاف کا نمونہ بننا چاہئے اور ہر حال میں انصاف کا دامن نہ چھوڑنا چاہئے، پانچویں: جو لوگ دامن ایمان میں نہ آئیں، ان کے خلاف جبر یا شدت کا رویہ نہیں اختیار کرنا چاہئے؛ بلکہ ہمیں اپنے طریقہ پر قائم رہنا چاہئے اور اگر وہ اپنے مذہب پر عمل کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے: ''لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ '' (الشوریٰ: ۱۵) چھٹے: سنجیدہ طریقہ پر اسلام کی دعوت ضرور پیش کرنی چاہئے؛ لیکن جولوگ کٹ حجتی سے کام لیں اور جانتے بوجھتے حق کو قبول نہ کریں تو ان سے بحث میں اُلجھنا نہیں چاہئے؛ کیوں کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا؛ بلکہ اُلٹے نفرت پیدا ہوجاتی ہے: ''لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ '' (الشوریٰ: ۱۵) ـــــ غور کیجئے تو یہ مسلمان اقلیتوں اور غیر مسلم معاشرہ میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے زندگی گزارنے کے بہترین اُصول ہیں۔

«۱» 'میزان' یعنی ترازو سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مختلف باتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے شریعت مراد ہے، جس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق طے کئے جاتے ہیں، (روح المعانی: ۲۶/۲۵، نیز دیکھئے: تفسیر مظہری: ۱۰/۱۵، اُردو ترجمہ) یہی رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ لوگوں کے حقوق معلوم کرنے کی ترازو شریعت ہی ہے، گویا اللہ کے حقوق کو جاننے کے لئے کتاب اور لوگوں کے حقوق کی تعیین کے لئے شریعت ہے۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ
مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ﴿۲۰﴾ اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ
يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۱﴾
تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ
الَّذِىۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا
الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۲۳﴾

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طلب گار ہوتا ہے تو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھا دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے
تو ہم اس کو دنیا ہی میں سے کچھ دے دیتے ہیں، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، ﴿۱﴾ ﴿۲۰﴾ کیا ان کے لئے
(خدا کے) کچھ شریک ہیں، جنھوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی
ہے، ﴿۲﴾ اور اگر (مہلت دینے کا) فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا تو ان کا تو فیصلہ ہی ہو چکا ہوتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ
ظالموں کے لئے دردناک انجام ہے، ﴿۲۱﴾ آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ یہ اپنے کرتوتوں (کے وبال سے) ڈر رہے
ہوں گے؛ لیکن وہ ان پر پڑ کر ہی رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے،
ان کو اپنے پروردگار کے پاس وہ سب چیزیں ملیں گی، جن کی وہ خواہش کریں گے، یہی تو بڑا فضل و کرم ہے، ﴿۲۲﴾
یہی ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور اچھے عمل کرنے والوں کو دیتے ہیں، آپ فرما دیجئے: میں تم سے
اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، ہاں رشتہ کی محبت (چاہتا ہوں) ﴿۳﴾ اور جو شخص نیکی کرے گا، ہم اس کے حق میں اس کا
ثواب اور بڑھا دیں گے، یقیناً اللہ خوب بخشنے والے اور بڑے قدر دان ہیں۔ ﴿۴﴾ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ یعنی جس شخص کا عمل دنیا کے لئے ہوگا، اس کو اس عمل پر آخرت میں کوئی اجر حاصل نہیں ہوگا، اور جو آخرت کے لئے عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو استحقاق سے زیادہ اجر دیتے ہیں، اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آخرت میں تو دیتے ہی ہیں اور کچھ دنیا میں بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۱۳۵، تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۸)

﴿۲﴾ یعنی دین اور دینی احکام کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ انسانوں کا، تو اللہ کے سوا کیسے کوئی دین مقرر کر سکتا ہے؟

﴿۳﴾ یعنی دعوت دینے والے کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ جن لوگوں کو دعوت دے رہا ہو، ان سے کسی صلہ کا طلب گار ہو؛ کیوں کہ دعوتِ حق ایک عبادت ہے نہ کہ تجارت، دینی خدمت گذاروں کا تنخواہ لینا اس کے خلاف نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ عمل کی اُجرت نہیں لیتے، وقت کی اُجرت لیتے ہیں اور وہ اپنے مدعو سے معاوضہ طلب نہیں کرتے؛ بلکہ مسلم سماج سے اپنی ضروریات زندگی کے لئے بہ قدر ←

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ ؕ وَيَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ
وَيُحِقُّ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ
وَيَعۡفُوۡا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَالۡـكٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ
لَبَغَوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَلٰـكِنۡ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿۲۷﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے؟ تو اگر اللہ چاہیں تو آپ کے دل پر مہر لگا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے ارشادات سے جھوٹ کو مٹا دیتے ہیں اور سچ کو ثابت کر دیتے ہیں، یقیناً اللہ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۴﴾ وہی خدا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے، غلطیوں سے درگذر کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے، ﴿۲۵﴾ ان لوگوں کی عبادت قبول فرماتا ہے، ﴿۲﴾ جو ایمان لائے، جنھوں نے اچھے عمل کئے اور ان کو اپنے کرم سے اور زیادہ عطا فرماتے ہیں، اور جو ایمان نہیں لائے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے، ﴿۲۶﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتے ہیں تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ اندازے سے جس قدر چاہتے ہیں، روزی اُتارتے ہیں، یقیناً وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر اور خوب دیکھنے والے ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۷﴾

← ضرورت مدد حاصل کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جاتی تھیں —— رشتہ کی محبت کا حوالہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کے پیغمبر ہونے کی رعایت نہیں کرتے تو کم سے کم رشتہ کا لحاظ کرتے ہوئے تو میری بات سنو اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

﴿۴﴾ یعنی گناہ کی سزا میں تو اللہ تعالیٰ برابر سرابر کا معاملہ رکھتے ہیں؛ لیکن اچھے کاموں کا اجر دینے میں خصوصی فضل و کرم کا معاملہ فرماتے اور بڑھا کر دیتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر دس اجر عطا فرماتے ہیں۔
(بخاری، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۷۰۶۲)

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر اپنی طرف سے کوئی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اگر آپ اللہ پر کوئی جھوٹی بات کہتے تو اس کو بھلا دیتے اور اس کو اپنے کلام میں باقی رہنے نہ دیتے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ غلط بات کو مٹا دینے اور درست بات کو باقی رکھنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۵، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۱۳۶)

﴿۲﴾ یہاں قبول کرنے سے عبادت کا قبول کرنا مراد ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۶) بعض لوگوں نے دُعا قبول کرنے سے ترجمہ کیا ہے؛ لیکن شاید یہ درست نہیں؛ کیوں کہ دُعا تو اللہ تعالیٰ دنیا کی حد تک کافروں کی بھی قبول فرما لیتے ہیں، جیسے شیطان کی اور اضطرار کی حالت سے دوچار کافروں کی دُعا قبول کرنے کی صراحت خود قرآن مجید میں آئی ہے۔ (الزمر: ۴۸، ۴۹)

﴿۳﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو خوب رزق عطا کر دیتے تو لوگوں میں تکبر اور خود سری پیدا ہو جاتی، کوئی ایک دوسرے کے ←

وَهُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَیَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنۡ
اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِیۡهِمَا مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمۡعِهِمۡ اِذَا یَشَآءُ
قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿۳۰﴾

وہی ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہونے کے بعد بارش برساتا اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، ﴿۱﴾ اور وہی کارساز اور بڑا قابل تعریف ہے، ﴿۲۸﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور ان جانداروں کا پیدا کرنا بھی ہے، جن کو اس نے آسمان وزمین میں پھیلا دیا ہے اور اللہ جب چاہیں، ان کو اکٹھا کر لینے پر قادر ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۲۹﴾ اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہے اور بہت سی (غلطیوں) سے اللہ درگزر فرما دیتے ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۳۰﴾

← کام نہ آتا اور زمین میں ایک طرح کا فساد پھیل جاتا؛ بلکہ دنیا کا پورا انظام معطل ہو کر رہ جاتا، یہ جو اللہ تعالیٰ کبھی روزی کشادہ فرماتے ہیں، کبھی تنگ، آج کسی کو دولت حاصل ہوتی ہے اور کل کسی اور کو، اسی تقسیم کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے کام کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی بارش آبادیوں پر پھیل کر ہوتی ہے، جس سے تمام لوگوں کو کسی خرچ کے بغیر پانی حاصل ہو جاتا ہے، اللہ نے اسے چشمے اور تالابوں کی طرح سمیٹ کر نہیں رکھا ہے کہ اس کا فائدہ ایک ہی جگہ ہو۔

﴿۲﴾ دنیا میں جانداروں کا پیدا ہونا تو بالکل واضح ہے، ہوسکتا ہے کہ آسمانوں میں بھی جاندار ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے فرشتے مراد ہوں۔

﴿۳﴾ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی مصیبت کا سبب دوسروں میں تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہوتا تھا کہ اگر کوئی آزمائش و مصیبت آجاتی تو اس کو پیغمبروں کی نحوست قرار دیتے، قرآن مجید نے انسان کی اس سوچ کو بدلنے کی دعوت دی ہے کہ انسان کو مصیبت و آزمائش کا سبب خود اپنے آپ میں تلاش کرنا چاہئے، کہ گناہ کی وجہ سے تو اس کی پکڑ نہیں ہو رہی ہے؛ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری کوئی رگ پھڑک جائے، لکڑی سے خراش لگ جائے اور پتھر سے چوٹ لگ جائے تو یہ بھی گناہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، (کنز العمال، حدیث نمبر: ۸۶۷۰) اور اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ تمہارے بہت سارے گناہ تو وہ ہیں، جن کو اللہ معاف فرما دیتے ہیں، یعنی اللہ کی طرف سے عفو و درگذر کے باوجود یہ حالت ہے، اگر اللہ کی طرف سے عفو و درگذر کا معاملہ نہ ہوتا تو انسان تو ایک لقمہ کھانے اور ایک گھونٹ پانی پینے کا بھی حقدار نہیں —— البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا میں آنے والی ہر مصیبت گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتی، بعض دفعہ انسان کے صبر و شکر کو آزمانے کے لئے بھی مصیبت آتی ہے، جیسا کہ رسولوں اور پیغمبروں پر مصیبتیں آئی ہیں؛ اس لئے اگر کسی شخص کو مصیبت میں مبتلا دیکھا جائے تو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ لازمی طور پر یہ گناہ ہی کی سزا ہے۔

وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚۖ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنۡ
اٰیٰتِهِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿ؕ۳۲﴾ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَهۡرِهٖ ؕ
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿ۙ۳۳﴾ اَوۡ یُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا وَیَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿۳۴﴾
وَّیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ
الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿ۚ۳۶﴾
وَالَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ ﴿ۚ۳۷﴾ وَالَّذِیۡنَ
اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ ۪ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿ۚ۳۸﴾

اورتم زمین میں (کہیں بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے، اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا کام بنانے والا ہے اور نہ کوئی مددگار، ﴿۳۱﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے پہاڑ جیسے جہاز ہیں، ﴿۳۲﴾ اگر اللہ چاہیں تو ہوا کو ٹھہرا دیں، پھر جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار بندے کے لئے نشانی ہے، ﴿۳۳﴾ یا اُن جہازوں کو ان لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے تباہ ہی کر دیں اور (اگر چاہیں تو) بہتوں کو معاف کر دیں، ﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں، وہ جان لیں کہ ان کے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، ﴿۳۵﴾ تو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے، یہ تو دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں کے لئے زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، ﴿۳۶﴾ اور ان لوگوں کے لئے جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو درگذر سے کام لیتے ہیں، ﴿۳۷﴾ اور ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا ہے، جو نماز قائم کرتے ہیں، جن کا کام آپسی مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۳۸﴾

﴿۱﴾ موجودہ دور میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان اور انسان کے منتقل کرنے کے بہت سے ذرائع وجود میں آگئے ہیں، موٹریں ہیں، ٹرینیں ہیں، ہوائی جہاز ہیں؛ لیکن گذشتہ زمانہ میں دُور دراز کے علاقوں تک اور کثیر مقدار میں تجارتی سامان اور مسافروں کے پہنچانے کا ذریعہ بڑی بڑی کشتیاں تھیں، جو آہستہ آہستہ بھاپ سے چلنے والے جہازوں کی شکل اختیار کر گئے؛ بلکہ آج بھی حمل ونقل کا سب سے بڑا ذریعہ سمندر ہی ہے، جب تک بھاپ کے انجن نہیں ایجاد ہوئے تھے تو کشتیوں میں اونچے اونچے بادبان لگا دیئے جاتے تھے، جب ہوا چلتی تھی تو ان بادبانوں کی وجہ سے کشتیاں ہوا کے رُخ پر تیزی سے چلنے لگتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی نعمت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو حرکت میں نہیں رکھتے تو یہ کشتیاں سطح سمندر پر کھڑی کی کھڑی رہ جاتیں، اور کہیں جانہ سکتیں، تمہاری تجارت ٹھپ ہو کر رہ جاتی، اتنا ہی نہیں کہ اللہ تمہارے سفر کو روک سکتے ہیں؛ بلکہ اگر چاہیں تو ایک طوفان کو بھیج کر تباہ وتاراج بھی کر سکتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا
وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ
مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع ۴ ۵

اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے، تبھی وہ (برابر کا) بدلہ لیتے ہیں، ﴿۳۹﴾ اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، ﴿۴۰﴾ اور جس پر ظلم ہو اور وہ اس کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ان پر کوئی الزام نہیں، الزام ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد مچاتے ہیں، ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہے؛ ﴿۴۲﴾ البتہ جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو یقیناً یہ بڑے حوصلے کی بات ہے، ﴿۱﴾ ﴿۴۳﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر: ۳۶ میں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ دنیاوی زندگی کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، جو اس سے کہیں بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی، پھر آیت نمبر: ۳۶ سے لے کر آیت نمبر: ۴۳ تک ان لوگوں کی آٹھ صفتیں بیان کی گئیں ہیں، جن کو آخرت کی کامیاب زندگی حاصل ہوگی، پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، دنیا کے اسباب پر ان کا یقین نہیں ہے؛ بلکہ وہ اسباب کے پیدا کرنے والے سے لَو لگاتے ہیں، دوسرے: بڑے بڑے گناہوں سے دُور رہتے ہیں، خاص کر ایسی باتوں سے جو بے حیائی اور بے شرمی کی ہو، بچتے ہیں، تیسرے: ان کو جب غصہ آتا ہے اور غصہ کی حالت میں اکثر انسان بے قابو ہوجاتا ہے؛ لیکن اس وقت بھی وہ اپنے آپ پر قابو رکھتے ہیں اور عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں، چوتھے: وہ اپنے پروردگار کا حکم مانا کرتے ہیں، چاہے یہ حکم ان کے مفاد اور جذبات کے خلاف ہوں یا موافق؛ لیکن وہ اللہ کے حکم کو غالب رکھتے ہیں، پانچویں: اللہ کے حکم کو ماننے ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ پابندی اور اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، چھٹے: اہم کاموں میں مشورہ کرتے ہیں، مشورہ میں دو باتیں شامل ہیں، ایک یہ کہ جس کام کا مشورہ کرنا ہو، اس کام سے باخبر اور آگاہ لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے اور ہر چھوٹی چھوٹی بات میں مشورہ کرنا ضروری نہیں، مشورہ اہم کاموں میں ہے، امر کے معنی ہی اہم کام کے ہیں، ساتویں صفت یہ ہے کہ ان میں بخل اور تنگی نہیں ہے؛ بلکہ اللہ نے جو کچھ دیا ہے، اس میں سے خرچ کرنے کا مزاج رکھتے ہیں، آٹھویں: وہ کسی پر زیادتی نہیں کرتے؛ بلکہ جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں، جس کی اجازت ہے، اور معاف کردینا اور صلح کرلینا اس سے بھی بہتر ہے؛ البتہ ظلم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، غور کیا جائے تو یہ آٹھ صفات ایسی ہیں جو انسان کے لئے آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی خوشگوار زندگی کی ضامن ہیں۔

وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَهٗ مِنۡ وَّلِیٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَتَرَی الظّٰلِمِیۡنَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ یَقُوۡلُوۡنَ
هَلۡ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمۡ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡهَا خٰشِعِیۡنَ مِنَ الذُّلِّ یَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ
طَرۡفٍ خَفِیٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِیۡهِمۡ یَوۡمَ
الۡقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابٍ مُّقِیۡمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا کَانَ لَهُمۡ مِّنۡ اَوۡلِیَآءَ یَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ
دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۴۶﴾ اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ
یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا
فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ؕ اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً
فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰہِ مُلۡکُ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿۴۹﴾

اور اللہ جس کو ہدایت سے محروم کردیں تو اس کے بعد اس کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا، اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب عذاب ان کی نظروں کے سامنے آئے گا تو کہیں گے: کیا (دنیا کی طرف) واپس جانے کا کوئی راستہ ہے؟ ﴿۴۴﴾ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس طرح دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے کہ مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے اور کنکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ﴿۱﴾ ایمان والے کہیں گے: یقیناً نقصان اُٹھانے والے لوگ وہی ہیں، جنھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں مبتلا کردیا، یاد رکھو کہ ظالم لوگ ہمیشہ ہمیش کے عذاب میں رہیں گے، ﴿۴۵﴾ اور ان کے لئے کوئی مددگار بھی نہ ہوگا، جو اللہ کے مقابلہ ان کی مدد کرے اور جس کو اللہ ہی ہدایت سے محروم کردیں تو اس کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے، ﴿۴۶﴾ اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جو ٹلے گا نہیں، نہ اس دن تمہارے لئے کوئی ٹھکانہ ہوگا اور نہ تم سے انکار ہی بن پڑے گا، اپنے پروردگار کے حکم کو مان لو، ﴿۴۷﴾ پھر بھی اگر وہ بے رُخی اختیار کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچادینا ہے، اور ہم جب انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوجاتا ہے، اور اگر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے، ﴿۴۸﴾ اللہ ہی کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ ﴿۴۹﴾

﴿۱﴾ یعنی مارے شرم اور خوف کے آنکھ اُٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔

اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُکۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا کَانَ
لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا
یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۵۱﴾ وَکَذٰلِكَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا
الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ
لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ
ع ۵ اِلَی اللّٰهِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾

یا دونوں قسمیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والے اور خوب قدرت والے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۵۰﴾ کسی آدمی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اس سے (براہ راست) گفتگو فرمائیں، سوائے اس کے کہ وحی کے ذریعہ ہو، یا پردہ کے پیچھے سے ہو، یا کسی فرشتہ کو بھیج کر ہو، جو اللہ کے حکم سے جو اس کو منظور ہو، وہ پیغام پہنچا دے، یقیناً اللہ بلند مرتبہ والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۵۱﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک فرشتہ بھیجا، آپ کو معلوم نہیں تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے؛ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک روشنی بنا دیا، جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، راستہ دِکھا دیتے ہیں اور یقیناً آپ ایک سیدھے (درست) راستہ کی رہنمائی کر رہے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۵۲﴾ یعنی اس خدا کے راستہ کی جو آسمان و زمین کی تمام چیزوں کے مالک ہیں، یاد رکھو! اللہ ہی کی طرف تمام کام پہنچیں گے۔ ﴿۵۳﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر بات پر قدرت بھی ہے اور ہر چیز کی مصلحت کا علم بھی، اللہ اپنے علم کے ذریعہ فیصلہ کرتے ہیں اور قدرت کے ذریعہ اس کو نافذ کرتے ہیں؛ چنانچہ کسی کو بیٹا دیتے ہیں، کسی کو بیٹی، کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں، اور کسی کو کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ عام انسانوں ہی کے ساتھ نہیں، اپنے پیغمبروں کے ساتھ بھی رہا ہے کہ جن کو چاہا دیا اور جو چاہا دیا اور جن کو چاہا محروم کر دیا، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک بزرگ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمانے میں پہلے لڑکی کا ذکر کیا ہے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ لڑکے سے پہلے لڑکی کا پیدا ہونا عورت کے لئے برکت کی بات ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۴۸)

﴿۲﴾ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا دیدار کیا، آپ بھی کیوں نہیں اسی طرح اللہ سے بات کرتے اور اللہ کو دیکھتے ہیں، اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی انسان اللہ کو دیکھ نہیں سکتا، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ صرف یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کو دیکھ نہیں سکتا؛ بلکہ انسان اللہ تعالیٰ سے براہ راست گفتگو بھی نہیں کر سکتا، انسان تک اللہ کے کلام کے پہنچنے کی تین ہی صورتیں ہیں: پہلی صورت وحی کی ہے، اور یہاں وحی کے لفظ سے وحی کا ایک خاص طریقہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے دل میں کسی بات کا ←

← اِلقاءفرمادیں، جس کوحدیث میں ''نفث فی الروع'' سے تعبیر کیا گیا ہے، (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، حدیث نمبر: ۳۴۳۳۲) دوسرے: پردے کے پیچھے سے، جیسا کہ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی، یہ گفتگو پردے کے ساتھ تھی، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواہش کی کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام بھیجتے ہیں، جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کا کلام لے کر آتے تھے، اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اسی تیسرے طریقہ سے یعنی فرشتہ کے ذریعہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام اُتار رہے ہیں، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے یہ معلوم نہیں تھا کہ قرآن مجید کیا ہے اور اس میں کیا احکام دیئے گئے ہیں؟

سُورَةُ الزُّخْرُف

- سورہ نمبر : (۴۳)
- رکوع : (۷)
- آیتیں : (۸۹)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی آیت نمبر: ۳۵ میں ’زخرف‘ کا لفظ آیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام زخرف ہے، یہ سورہ اُن سات سورتوں میں سے ایک ہے، جن کی ابتدا ’حٰمٓ‘ سے ہوتی ہے۔

اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کی سازش کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ان سورتوں میں ہے، جو آپ پر مکی زندگی کے اخیر میں نازل کی گئی ہیں، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت اور آخرت کو مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے، اہل مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر اللہ کو پیغمبر بنانا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار کو بنایا جاتا، آپ نہ تو کسی بڑی دولت وثروت کے مالک ہیں، اور نہ آپ کو اپنی قوم میں سرداری کا مقام حاصل ہے، ایسی صورت میں نبوت کا اعزاز آپ کو کیسے عطا کیا جاسکتا ہے؟ قرآن نے اس کا جواب دیا کہ جیسے اللہ تم میں سے کسی کو دولت منداور کسی کو غریب بنا دیتے ہیں، اسی طرح ان کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو نبی بنادیں اور دوسرے لوگوں کو ان کی اتباع اور پیروی کا حکم دے دیں، پھر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کرنے کے لئے فرمایا کہ جو بات تم کہہ رہے ہو، اسی قسم کی باتیں فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ تو بہت معمولی آدمی ہیں، یہ کیسے اللہ کے پیغمبر ہوسکتے ہیں؟ اس کی وجہ سے فرعون کا جو حشر ہوا، وہ معلوم ہے، اس سے تم کو سبق حاصل کرنا چاہئے، اہل مکہ چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے تو اس لئے ان کی دعوتِ توحید بھی نقل کی گئی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے اس اہم بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزاتی طور پر ہوئی، ان کو معجزاتی طور سے آسمان پر اُٹھایا گیا، ایسے ہی معجزاتی طور پر وہ قیامت کے قریب زمین پر اُتارے جائیں گے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

حٰمٓ ۚ ۞ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۞ اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۞ وَاِنَّهٗ فِیۡۤ اُمِّ
الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ۞ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا
مُّسۡرِفِیۡنَ ۞ وَکَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ۞ وَمَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ
یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۞ فَاَهۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۞ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ۞

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ حٰمٓ (حا، میم)، ﴿۱﴾ ① اس واضح کتاب کی قسم ہے، ② جس کو ہم نے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے؛ تا کہ تم سمجھ سکو، ③ اور یقیناً یہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں موجود ہے، جو بلند درجہ والی اور حکمت سے بھری ہوئی (کتاب) ہے، ﴿۲﴾ ④ بھلا کیا ہم تم سے نصیحت کی اس کتاب کو ناراض ہوکر روک لیں گے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو؟ ⑤ ہم نے گزشتہ لوگوں میں بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں، ⑥ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی آتا تھا، وہ ان کا مذاق اُڑایا کرتے تھے ⑦ تو ہم نے اُن لوگوں کو جو ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھے، ہلاک کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی داستان گزر چکی ہے، ﴿۳﴾ ⑧ اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس (اللہ) نے پیدا کیا ہے، جو بہت زبردست اور بہت جاننے والا ہے۔ ⑨

﴿۱﴾ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے، جس کی وضاحت سورۂ بقرہ کے شروع میں ہو چکی ہے۔

﴿۲﴾ ان تین آیتوں میں قرآن مجید کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ یہ کتاب واضح ہے، عام سے عام آدمی بھی اس کے مقصد و مراد کو سمجھ سکتا ہے، دوسرے: چوں کہ اس کتاب کے پہلے مخاطب عرب ہیں؛ اس لئے اس کی زبان عربی رکھی گئی ہے، تیسرے: اس کتاب کی شان اتنی بلند ہے کہ اس کو لوحِ محفوظ میں بھی رکھا گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام چیزوں کا ریکارڈ رکھا ہے، چوتھے: اس کے مضامین بہت ہی حکمت و دانائی پر مبنی ہیں ہے، پھر اگلی آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ تمہاری سرکشی کی وجہ سے تم کو اس کتاب سے محروم کر دیا جاتا تو بے جا نہ ہوتا، مگر اپنی مخلوق سے محبت اور بے پناہ شفقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم تم سے ناراض ہوکر اس کتاب کو روک نہیں لیں، اسی لئے یہ کتاب اُتاری جارہی ہے، جیسے ایک بچہ نہ کھانے کے لئے ضد کرتا ہے، اس کے باوجود ماں کی ممتا اس سے کھانا روک نہیں لیتی، اسی طرح اللہ کی محبت تو ستر ماؤں سے بڑھ کر ہے، وہ اس غذائے روحانی سے انسانیت کو کیسے محروم رکھ سکتا ہے؟

﴿۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مہلت اور ڈھیل دی جاتی رہی ہے، اس سے مشرکین عرب کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے ان سے کہیں طاقتور قوموں کا نام و نشان مٹا دیا ہے، یہ کس گنتی میں ہیں؟

الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ فِیۡهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِیۡ
نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّیۡتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیۡ
خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ
ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡهِ وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا
كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنادیا، نیز اس میں تمہارے لئے راستے بنادیئے؛ تاکہ تم اپنا راستہ پاسکو، ﴿۱۰﴾
اور جس نے ایک اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ مردہ (یعنی خشک) شہر کو زندہ
کردیا، اسی طرح تم بھی (زندہ کرکے زمین سے) نکالے جاؤ گے، ﴿۱۱﴾ اور وہی ہے جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا
کیا، نیز تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے، جن پر تم سواری کرتے ہو؛ ﴿۱۲﴾ تاکہ اس کی پشت پر بیٹھ جاؤ پھر
بیٹھنے کے بعد اپنے رب کے احسان کو یاد کرو اور کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے بس میں کردیا اور ہم
تو اس کو قابو میں نہیں لاسکتے تھے، ﴿۱۳﴾ اور ہم کو اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۹ سے ۱۴ تک اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کے ذریعہ انسان خدا کو پہچان سکتا ہے اور اس کے ایک اور یکتا ہونے کو سمجھ سکتا ہے کہ اللہ ہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے، زمین کو انسان کے رہائش کے لائق بنایا ہے، اس کو ایسا بے نشان بھی نہ بنایا کہ چلنے والے کو راستہ سمجھ میں نہ آئے، سمندر کی طرح ایسی یکسانیت ہو کہ خارجی وسائل سے مدد لئے بغیر رہ گذر کو سمجھ نہ پائے، بارش بھی برساتے ہیں تو اتنی کم نہیں کہ ناکافی ہوجائے اور اتنی زیادہ نہیں کہ ساری چیزیں ڈوب کر رہ جائیں، انسان کے لئے جو چیزیں بنائیں، ان کو جوڑے جوڑے بنایا؛ تاکہ اس میں افزائش اور بڑھوتری کا سلسلہ جاری رہے، کشتیوں کے لئے لکڑیاں پیدا کیں اور انسان کو عقل وفہم عطا کی، جس کا نتیجہ ہے کہ سخت تلاطم میں بھی کشتیاں چلتی رہتی ہیں، چوپائے بنائے؛ تاکہ انسان کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور اپنے اسباب کا لے جانا آسان ہوجائے، ان سب کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرے نہ کہ ناشکری، مگر افسوس کہ انسان قدم قدم پر اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور پھر بھی اپنے محسن کی ناشکری سے باز نہیں آتا، اسی ضمن میں یہ ہدایت بھی آگئی کہ انسان کو سواری پر بیٹھنے کے بعد کیا دُعا پڑھنی چاہئے؟ یعنی ''سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین'' — حدیث میں اس دُعا میں یہ اضافہ بھی منقول ہے :

اللهم أنت الصاحب فی السفر ، والخليفة فی الأهل والمال ، اللهم إنی أعوذ بک من وعثاء السفر ، وكآبة المنقلب ، والحور بعد الكور ، وسوء المنظر فی الأهل والمال ۔ (مسلم، کتاب الحج، باب مایقول إذا رکب إلی سفر الحج، حدیث نمبر: ۱۳۴۲)

اے اللہ! آپ ہی اس سفر کے ساتھی ہیں اور اہل وعیال اور مال واسباب میں ہمارے ←

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَکَفُوۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ؕ۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخۡلُقُ بَنٰتٍ ع۱۵
وَّاَصۡفٰکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا
وَّهُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۱۷﴾

اوران لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جزء (یعنی اولاد) ٹھہرالیا،﴿۱﴾ یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے، ﴿۱۵﴾ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے خود بیٹیاں لے لیں اور تم کو چن کر بیٹے دے دیئے؟ ﴿۱۶﴾ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے، جس کی انھوں نے خدائے رحمان کی طرف نسبت کی ہے (یعنی بیٹی) تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ ﴿۱۷﴾

← نائب ہیں، اے اللہ! میں سفر کی دشواریوں اور واپسی کے مقام کے تکلیف دہ ہونے، حالات کے سنورنے کے بعد بگڑنے اور مال واولاد میں بُرے منظر کے دیکھنے سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

یہ تو سواری کی اصل دُعا ہے؛ لیکن سفر کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کی مکمل سنت اس طرح منقول ہے کہ جب رکاب میں اپنا پاؤں رکھے تو 'بسم اللہ' کہے اور جب سواری پر چڑھ جائے تو 'الحمد للہ' کہے، پھر اس کے بعد وہ دُعا پڑھے، جس کا اوپر ذکر آیا، پھر تین بار 'الحمد للہ واللہ اکبر' پڑھے، اخیر میں یہ دُعا پڑھے :

اللهم لا اِله إلا أنت ظلمت نفسی فاغفرلی إنه لا یغفرالذنوب إلا أنت۔ (مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، حدیث نمبر: ۲۷۰۵)

اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، آپ مجھے معاف کردیجئے کہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا۔

یہ دُعائیں تو خشکی پر سفر کرنے سے متعلق ہیں، اگر دریائی سفر کرنا ہو تو وہ دُعا پڑھی جائے جو حضرت نوح علیہ السلام نے پڑھی تھی :

بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَ مُرۡسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (ہود : ۴۱)

اللہ ہی کے نام سے کشتی چل رہی ہے اور اسی کے نام سے رکی ہوئی ہے، بے شک میرے پروردگار بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں۔

کار، ٹرین، بس اور جہاز کے سفر میں یہ ہوسکتا ہے کہ سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے 'بسم اللہ' اندر داخل ہونے کے بعد 'الحمد للہ' اور جب سواری چلنے لگے تو ''سبحان الذی سخرلنا هذا وما کنا له مقرنین'' پڑھے، اور ہوائی جہاز میں یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ خشکی والی دُعا پڑھی جائے اور جب اُڑان بھرے تو دریائی سفر والی دُعا پڑھے؛ کیوں کہ دریا میں کشتی کے تیرنے اور فضا میں جہاز کے تیرنے کے درمیان کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان کو یا فرشتوں کو اللہ کی اولاد قرار دیا۔

اَوَ مَنۡ يُّنَشَّؤُا فِى الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِى الۡخِصَامِ غَيۡرُ مُبِيۡنٍ ۞۱۸ وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓـئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ
عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ‌ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ‌ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔـلُوۡنَ ۞۱۹ وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ
الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ‌ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ‌ ۗ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۞۲۰ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ
كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ۞۲۱ بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۞۲۲ وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ
اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ۞۲۳ قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا
وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ۞۲۴ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ
النصف كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۞۲۵ ع ۲ / ۸

بھلا جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات بھی نہ کر سکے (یعنی بیٹیاں)، وہ اللہ کی اولاد ہیں؟﴿۱﴾ ۞۱۸ اور انھوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے بندے ہیں، عورت ذات قرار دے رکھا ہے، کیا یہ ان کے پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے (اس کے بارے میں) باز پرس ہوگی، ۞۱۹ اور یہ کہتے ہیں: اگر خدائے رحمان چاہتا تو ہم ان کی پوجا نہیں کرتے، ان کو کچھ تحقیق تو ہے نہیں، یہ صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں، ۞۲۰ کیا ہم نے ان کو قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے، جس کو یہ تھامے ہوئے ہیں؛ ۞۲۱ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ۞۲۲ اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی شہر میں جب بھی کسی خبردار کرنے والے کو بھیجا تو وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ۞۲۳ پیغمبر نے کہا: اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ صحیح راستہ بتانے والا دین لے کر آیا ہوں، جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا (پھر بھی باپ دادا ہی کے طریقہ پر قائم رہو گے؟) ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس دین کو ماننے والے نہیں ہیں، جس کو لے کر تم بھیجے گئے ہو؛ ۞۲۴ چنانچہ ہم نے ان سے بدلہ لیا تو دیکھ لیجیے کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟﴿۲﴾ ۞۲۵

﴿۱﴾ زیور میں پرورش پانے کا مطلب یہ ہے کہ جس میں تگ و دو اور جدوجہد کی صلاحیت اور اس کا حوصلہ نہ ہو؛ کیوں کہ جیسے بلند ہمت مردوں کو اپنے ہتھیاروں سے محبت ہوتی ہے، اسی طرح عورت کو زیورات سے، وہ بمقابلہ مرد کے کمزور ہوتی ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عورتوں کے لئے زیورات کا استعمال جائز ہے اور مردوں کے لئے زیورات پہننا جائز نہیں۔

﴿۲﴾ یعنی اکثر قوموں کی گمراہی کا بنیادی سبب یہی بنا ہے کہ انھوں نے اپنے گمراہ باپ دادا کے طریقہ پر اصرار کیا اور جو خود راستہ سے بھٹکا ہوا ہو، وہ دوسروں کو کیسے راستہ پر لے جا سکتا ہے؟

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ۝۲۶ اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ
سَیَهۡدِیۡنِ ۝۲۷ وَجَعَلَهَا کَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ۝۲۸ بَلۡ مَتَّعۡتُ هٰۤؤُلَآءِ
وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰی جَآءَهُمُ الۡحَقُّ وَرَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ۝۲۹ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ
وَّاِنَّا بِهٖ کٰفِرُوۡنَ ۝۳۰ وَقَالُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ۝۳۱
اَهُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا
بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَیۡرٌ مِّمَّا
یَجۡمَعُوۡنَ ۝۳۲

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ جن چیزوں کو پوجتے ہو، میرا
ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ۝۲۶ مگر ہاں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی مجھ کو راستہ بھی دکھائے گا، ۝۲۷ اور ابراہیم نے اس
(عقیدۂ توحید) کو ایسی بات بنادیا، جو اس کی نسل میں بھی باقی رہی؛ تاکہ یہ لوگ (شرک سے) باز رہیں، ﴿۱﴾ ۝۲۸
حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو سامان واسباب عطا کئے، یہاں تک کہ ان کے پاس دین حق
اور صاف صاف بتلانے والے پیغمبر بھی آگئے، ۝۲۹ اور جب ان کے پاس دین حق آگیا تو (اب) وہ کہنے لگے: یہ تو
جادو ہے اور ہم تو اس کو نہیں مانتے، ۝۳۰ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے
آدمی پر کیوں نہ اُتارا گیا؟ ۝۳۱ کیا آپ کے پروردگار کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کے درمیان ان
کی دنیوی زندگی کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ایک کو دوسرے پر کئی درجہ فوقیت عطا کی ہے؛ تاکہ وہ ایک دوسرے
سے خدمت لیتے رہیں اور آپ کے پروردگار کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے، جو یہ سمیٹتے پھر رہے ہیں۔ ﴿۲﴾ ۝۳۲

﴿۱﴾ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ خود عقیدۂ توحید پر قائم رہے؛ بلکہ انھوں نے اپنی آئندہ نسل کو بھی اس پر باقی رکھنے کی کوشش فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کا خود دین پر قائم رہنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نسلوں میں دین کے باقی رہنے کی تدبیر کرے۔

﴿۲﴾ اہل مکہ کا ایک نامعقول مطالبہ یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو نبی بنانا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے کسی بڑے سردار پر قرآن کیوں نہیں اُتارا گیا؟ بعض مفسرین نے مکہ اور طائف کے بعض سرداروں کے نام بھی ذکر کئے ہیں کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر نبی ہونا ہی تھا تو ان کو ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ نبوت ورسالت تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اللہ اس کے مالک ہیں؛ لیکن یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تقسیم اپنی مرضی سے نہ کریں، اِن لوگوں کی مرضی سے کریں، کوئی بھی سمجھ دار شخص اس بات کو قبول نہیں کرسکتا کہ کوئی چیز ہو تو آپ کی ملکیت؛ لیکن اس کو تقسیم کرنے لگیں دوسرے لوگ، یہ ایسے ہی ہے ←

وَلَوۡ لَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِہِمۡ سُقُفًا مِّنۡ
فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیۡہَا یَظۡہَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُیُوۡتِہِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیۡہَا یَتَّکِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخۡرُفًا
وَاِنۡ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَالۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۵﴾ وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ
ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّہُمۡ لَیَصُدُّوۡنَہُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ
وَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیۡتَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَیۡنِ
فَبِئۡسَ الۡقَرِیۡنُ ﴿۳۸﴾

ع ۳ ۹

اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی دین کے ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمان کا انکار کر رہے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتوں، گھروں پر چڑھنے کے زینوں اور گھروں کے دروازوں کو اور وہ تخت جن پر یہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں، سونے چاندی کے بنا دیتے اور (حقیقت میں) یہ سب کچھ نہیں ہے، صرف دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے اور آپ کے پروردگار کے یہاں (ملنے والی) آخرت تو اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے، ﴿۱﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ اور جو شخص بے حد مہربان خدا کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، جو اس کے ساتھ رہتا ہے، ﴿۳۶﴾ وہ ان کو (درست) راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ درست راستہ پر ہیں، ﴿۳۷﴾ یہاں تک کہ جب یہ شخص ہمارے پاس آئے گا تو (ان سے) کہے گا: کاش! میرے اور تمہارے درمیان پورب وپچھّم کا فاصلہ ہوتا، تو کیا ہی برا ساتھی ہے! ﴿۲﴾ ﴿۳۸﴾

← جیسے تم مال و دولت کو دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زیادہ دے دیتے ہیں اور کس کو کم، یہ اللہ کی مرضی ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اگر سارے کے سارے لوگ دولت و ثروت کے لحاظ سے برابر ہو جائیں تو کوئی دوسرے کی خدمت کرنے والا اور ایک دوسرے کا کام کرنے والا نہ رہے اور زندگی کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جائے، اخیر میں فرمایا گیا کہ ان کو مال و دولت پر ناز ہے اور یہ اسی کو بڑا سمجھتے ہیں، جس کے پاس مال و اسباب ہوں، مگر نبوت و ہدایت اللہ کی ایسی نعمت ہے، جو ان نعمتوں سے کہیں بڑھ کر ہے!

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا اتنی حقیر اور بے وقعت ہے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ ظاہری چمک دمک اور وقتی عیش وعشرت کو دیکھ کر تمام لوگ کفر ہی کا راستہ اختیار کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کے ہاں سونے چاندی اور عیش و آرام کی چیزوں کا ڈھیر لگا دیتے؛ اس لئے مسلمانوں کو ہرگز ایمان نہ لانے والوں کی عارضی ٹیپ ٹاپ کو دیکھ کر متاثر نہیں ہونا چاہئے، مال و دولت کی بہتات نہ کامیابی کی دلیل ہے اور نہ عزت و وقار کا سبب۔

﴿۲﴾ غرض کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ارادہ و اختیار کی قوت کا غلط استعمال کرتا ہے تو شیطانی قوتیں بھی اس کو اسی راستہ پر آگے بڑھاتی جاتی ہیں اور اس کو اس وقت ہوش آئے گا، جب وہ آخرت کی دنیا میں پہنچ چکا ہوگا اور وہاں افسوس کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ
اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾
اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ
اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ع ۴ / ۱۰
مُوْسٰي بِاٰيٰتِنَآ اِلٰي فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور جب تم ظالم قرار پاچکے تو یہ بات کہ تم سب عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ ہو، آج تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی، ﴿۱﴾ ﴿۳۹﴾ (اے پیغمبر!) تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، یا اندھوں کو یا ان لوگوں کو جو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، راستہ دِکھا سکتے ہیں؟ ﴿۴۰﴾ تو اگر ہم آپ کو اُٹھا بھی لیں، تب بھی ہم ان سے ضرور ہی بدلہ لیں گے، ﴿۴۱﴾ یا (یہ بھی ممکن ہے کہ) ہم نے (جس عذاب کا) وعدہ کیا ہے، وہ آپ کو دکھا دیں؛ کیوں کہ ہم کو ان پر ہر طرح کا قابو حاصل ہے، ﴿۴۲﴾ تو جو بات آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے، آپ اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سیدھے راستہ پر ہیں، ﴿۴۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بھی بڑے شرف کی چیز ہے، ﴿۲﴾ اور عنقریب تم سب سے پوچھ ہوگی، ﴿۴۴﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے ہیں، آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا کچھ اور معبود بھی مقرر کئے تھے، جن کی عبادت کی جائے، ﴿۴۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، موسیٰ نے کہا: میں تمام عالم کے پروردگار کا پیغمبر ہوں۔ ﴿۴۶﴾

﴿۱﴾ انسان کی ایک فطرت یہ ہے کہ جب وہ تکلیف میں تنہا ہوتا ہے تو تکلیف کا احساس زیادہ ہوتا ہے، اور اگر اس کے ساتھ بہت سے لوگ اسی تکلیف میں ہوں تو رنج کا احساس کم ہوتا ہے؛ لیکن دوزخ میں ایسا نہیں ہوگا، بے شمار لوگ عذاب کی بھٹی میں تپ رہے ہوں گے؛ لیکن عذاب میں لوگوں کا شامل ہونا ان کے رنج وغم میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔

﴿۲﴾ زیادہ تر اہل علم نے یہاں ذکر سے 'ذکر خیر' مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۹۳، تفسیر رازی: ۱۴/۱۰۴) نیز علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی نیک نامی کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ یہ دولت مال واسباب کی دولت سے بڑھ کر ہے —— بعض اہل علم نے ذکر کا ترجمہ 'نصیحت' سے بھی کیا ہے، ایسی صورت میں معنی ہوگا کہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے نصیحت ہے، (دیکھئے: تفسیر میرٹھی: ۵۶۱) بعض دوسرے اہل علم سے بھی اس آیت کا یہی مفہوم نقل کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۹۳)

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا نُرِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَکۡبَرُ مِنۡ
اُخۡتِهَا ۫ وَ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوۡا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا
عَهِدَ عِنۡدَکَ ۚ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ یَنۡکُثُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَ نَادٰی
فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِهٖ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَ هٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا
تُبۡصِرُوۡنَ ﴿ؕ۵۱﴾ اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ۬ۙ وَّ لَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ
اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ
کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۵۴﴾

پھر جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آگئیں تو وہ ان کا مذاق اُڑانے لگے، ﴿۴۷﴾ ہم ان کو ایک سے بڑھ کر ایک نشانی دکھاتے گئے، ﴿۱﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑلیا؛ تاکہ وہ باز آجائیں، ﴿۴۸﴾ وہ کہا کرتے: اے جادوگر (یعنی موسیٰ!) آپ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دُعا کردیجئے: جس کا اس نے آپ سے وعدہ کررکھا ہے، ہم ضرور درست راستہ پر آجائیں گے، ﴿۴۹﴾ پھر جب ہم ان سے عذاب کو ہٹادیتے تو وہ عہد توڑ دیتے تھے، ﴿۵۰﴾ فرعون نے اپنی قوم کو للکارا: اے میری قوم! کیا مصر کی بادشاہت اور یہ نہریں جو میرے (محل کے) نیچے بہتی ہیں، میری نہیں ہیں؟ کیاتم دیکھتے نہیں ہو؟؟ ﴿۵۱﴾ بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں، جوایک معمولی آدمی ہےاور جوصاف بول بھی نہیں سکتا، ﴿۲﴾ ﴿۵۲﴾ (اگراس کا دعویٰ صحیح ہے) تواس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اُتارے گئے، ﴿۳﴾ یا فرشتے اس کے ساتھ صف بنا کر کیوں نہ آگئے؟ ﴿۵۳﴾ اس طرح فرعون نے اپنی قوم کو بےوقوف بنادیا اور قوم نے بھی اس کی بات مان لی، یقیناً یہ تھے ہی نافرمان لوگ۔ ﴿۵۴﴾

﴿۱﴾ یعنی ان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ان پر جوعذاب آتا تھا، فرعون اوراس کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے کہ یہ عذاب ہٹ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے؛ لیکن عذاب ہٹ جاتا تو پھر اپنے اسی طریقہ پر قائم رہتے، ان نشانیوں کا ذکر ''سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۳۳'' کے حاشیہ میں آچکا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ نہ تو حکومت رکھتے ہیں نہ دولت، یہاں تک کہ اس طرح بول بھی نہیں سکتے کہ لوگوں کو متاثر کرسکیں۔

﴿۳﴾ جیسے آج کل فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کو ستاروں کے بِلّے دیئے جاتے ہیں، کسی کو ایک کا، کسی کو دو کا، کسی کو تین کا، کسی کو اس سے زیادہ، اسی طرح فرعون کے زمانے میں رواج تھا کہ جو بڑے رتبہ ومقام کے لوگ ہوتے، وہ سونے کا کنگن پہنا کرتے؛ اسی لئے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طعنہ دیا کہ ان کے پاس تو وہ علامتی کنگن بھی نہیں ہے۔

فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ ع ۵/۱۱
وَ لَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ یَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ قَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَیۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا
ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡهِ وَ جَعَلۡنٰهُ
مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۵۹﴾

پھر جب انھوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا، ﴿۵۵﴾ چنانچہ ہم نے ان کو بعد کے لوگوں کے لئے گئی گذری قوم اور سامانِ عبرت بنا کر رکھ دیا، ﴿۵۶﴾ اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم کے لوگ ایک دم سے اس بات پر تالیاں بجانے لگے، ﴿۱﴾ ﴿۵۷﴾ اور کہنے لگے: ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان لوگوں نے جو یہ مثال آپ سے بیان کی ہے، وہ صرف جھگڑے کے لئے؛ بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو، ﴿۵۸﴾ عیسیٰ محض ایک بندہ ہیں، جن پر ہم نے کرم فرمایا ہے اور جن کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے (اپنی قدرت کا) نمونہ بنادیا تھا۔ ﴿۲﴾ ﴿۵۹﴾

﴿۱﴾ ''یصدون'' کے اصل معنی خوشی سے شور وغل مچانے کے ہیں: ''أي یصیحون'' (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۰۳) اس غیر معمولی خوشی کے اظہار کو بعض اُردو مترجمین نے چِلاّنے سے تعبیر کیا ہے، جیسے: شیخ الہند رحمہ اللہ اور مولانا تھانوی رحمہ اللہ، بعضوں نے اچھل پڑنے سے، جیسے: مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ، اور بعضوں نے تالیاں بجانے سے جیسے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ، یہاں اسی تعبیر کو لیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۵۶ تا ۵۹ کس پس منظر میں نازل کی گئی ہے؟ اس سلسلہ میں مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تین باتیں نقل کی ہیں، جن میں سے دو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں اور تیسری بات بعض اور مفسرین سے، پہلی روایت جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے سورۂ انبیاء کی آیت نمبر: ۵۸ کی تلاوت کی، جس کا ترجمہ یوں ہے: ''یقیناً تم لوگ اور اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو، وہ سب دوزخ کا ایندھن ہیں'' تو عبداللہ بن الزِبَعریَ نے کہا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کیا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی دوزخ میں داخل کئے جائیں گے؛ حالاں کہ آپ ان کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، اسی سلسلہ میں فرمایا گیا کہ مکہ کے کافروں نے اس اعتراض کو اتنا اہم سمجھا کہ وہ خوشی میں تالیاں بجانے لگے؛ تاہم اگر غور کیا جائے تو عربی زبان کے گرامر کے لحاظ سے خود اس آیت میں اس کا جواب موجود ہے؛ کیوں کہ قرآن کے الفاظ ہیں: ''ما تعبدون'' (تم جس چیز کی عبادت کرتے ہو) عربی میں 'ما' کا لفظ ایسی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے جو عقل نہیں رکھتیں، جیسے: مورتیاں، جانور، دریا، پہاڑ وغیرہ، اس لفظ میں شخصیتیں شامل نہیں ہیں، شخصیتوں کے لئے عربی زبان میں ''من'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اگر ''من تعبدون'' کا لفظ ہوتا تو اس کے معنی ہوتے ''تم جن لوگوں کی عبادت کرتے ہو'' ایسی صورت میں اس اعتراض کی گنجائش ہوسکتی تھی —— دوسرا واقعہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا: ←

وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ يَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ
بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾

اور اگر ہم چاہیں تو تم ہی سے فرشتے پیدا کر دیں، جو تمہاری جگہ زمین میں آباد ہو جائیں، ﴿۱﴾ ﴿۶۰﴾ اور یقیناً عیسیٰ
قیامت کی ایک علامت ہیں، تو تم قیامت کے بارے میں شبہ نہ کرو اور میرا کہا مانو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۶۱﴾

← اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے، اس میں خیر نہیں: "لا خیر فی احد یعبد من دون اللہ" اس پر قریش نے اعتراض کیا کہ آپ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے نیک بندے اور رسول قرار دیتے ہیں؛ حالاں کہ ان کی بھی عبادت کی جاتی ہے، یہ اعتراض بھی غلط فہمی کا نتیجہ ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ اللہ کے ماسوا کی عبادت کرنے میں خیر نہیں ہے، نہ کہ اس شخصیت میں خیر نہیں ہے، جس کو لوگ اپنے طور پر پوجنے لگے ہیں —— تیسرا واقعہ جو قتادہ اور مجاہد وغیرہ سے منقول ہے، یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں تو قریش کہنے لگے: محمد ﷺ اس کو صرف اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا ہے، اسی طرح ہم لوگ ان کو خدا مان لیں، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۰۲) قرآن نے یہاں ان ہی باتوں کی تردید کی ہے کہ قرآن کی تعلیمات تو بالکل واضح ہیں اور یہ صرف جھگڑے کی باتیں ہیں، جو یہ کہہ رہے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انسانوں کی طرح اللہ کے بندے ہیں؛ البتہ وہ نبی و رسول ہیں، نہ عبادت کے لائق ہیں اور نہ دوزخ میں داخل کئے جانے کے مستحق۔

﴿۱﴾ یعنی یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کیسے ہو سکتی ہے؟ دنیا کے معمول اور عادت کے لحاظ سے ایک مخلوق سے دوسری مخلوق پیدا نہیں ہوتی؛ لیکن اللہ کی قدرت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اگر اللہ چاہیں تو ایک مخلوق سے دوسری مخلوق پیدا کر دیں، جیسے انسان ہی سے فرشتے پیدا کر دیں اور ان ہی سے دنیا آباد کر دیں۔

﴿۲﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت کی علامت ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ باپ کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک ایسی بات ہے جو عام عادت کے خلاف ہے، اسی طرح جو انسان مر گیا ہو، اس کا دوبارہ زندہ ہونا بھی خلاف عادت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پہلے کام کو انجام دیا ہے، اسی طرح دوسرے کام کو بھی انجام دیں گے؛ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گویا قیامت قائم ہونے کے لئے ایک دلیل اور علامت ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے اُتارے جائیں گے، بہت سی صحیح و معتبر حدیثیں اس سلسلہ میں منقول ہیں، علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کے نام سے ایسی تمام حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر نازل ہونا قیامت کے قریب ہوگا، اسی وقت امام مہدی بھی ظاہر ہوں گے، دجال بھی ظاہر ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل فرمائیں گے، یہی دوسری تفسیر زیادہ تر اہل علم سے منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۰۵) اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے مسیح ہونے کا دعویٰ بالکل جھوٹ اور دھوکہ ہے، مرزا صاحب قادیان میں چراغ بی بی کے ←

وَلَا یَصُدَّنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ
جِئْتُکُمْ بِالْحِکْمَةِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۶۳﴾
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ
بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ
تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا
الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ؑ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ؗ ع ۶ ۱۱ ۱۲

اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے، یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، ﴿۶۲﴾ اور جب عیسیٰ معجزے لے کر آئے تو انھوں نے کہا: میں تمہارے پاس حکمت کی بات لے کر آیا ہوں اور بعض باتیں، جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، میں ان کو تم پر واضح کردوں گا، لہٰذا اللہ ہی سے ڈرتے رہو اور میرا کہا مانو، ﴿۱﴾ ﴿۶۳﴾ یقیناً اللہ ہی میرے بھی پروردگار ہیں اور تمہارے بھی؛ اس لئے اللہ ہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے، ﴿۶۴﴾ پھر اُن ہی میں سے مختلف فرقے ہوگئے تو جن لوگوں نے ظلم کیا، ان کے لئے دردناک دن کے عذاب (کی وجہ) سے ہلاکت و بربادی ہے، ﴿۲﴾ ﴿۶۵﴾ یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کررہے ہیں کہ ان پر اچانک آپڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو، ﴿۶۶﴾ اس دن خدا سے ڈرنے والوں کے علاوہ جتنے دوست ہیں، سب ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے، ﴿۶۷﴾ اے میرے بندو! ﴿۳﴾ تم لوگوں پر آج نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔ ﴿۶۸﴾

← بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اُتارے جائیں گے اور وہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ قادیانیت کے فتنہ سے اس اُمت کی حفاظت فرمائے۔

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے بعض احکام کے سلسلہ میں بنی اسرائیل کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا تھا، ان ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس اختلاف میں کونسی رائے درست ہے اور کونسی نادرست؟ ہم اس کو واضح کردیں گے۔

﴿۲﴾ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھائے جانے کے بعد عیسائیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور اس اختلاف کی بنا پر وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے، کسی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، کسی نے کہا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ ہیں، کسی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین خداؤں کے مجموعہ میں سے ایک ہیں، تین ماننے والوں میں سے بھی بعض کے نزدیک باپ، بیٹے اور روح القدس ہیں اور بعضوں کے یہاں تیسری شخصیت حضرت مریم علیہا السلام کی ہے، ان کے مقابلہ میں ایک چھوٹا سا گروہ ان لوگوں کا ہوا، جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول مانا اور عیسائیوں کی اکثریت نے ان کو کافر قرار دے دیا، تو وہ تمام لوگ جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدائی میں شریک مانا ظلم کرنے والے لوگ ہیں، جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

﴿۳﴾ یہ خطاب قیامت کے دن اللہ کے نیک بندوں سے ہوگا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾
یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ
وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِیْهَا
فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ
عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ
لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ
كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

جولوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے، ﴿۶۹﴾ (ان سے کہا جائے گا:) تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہوجاؤ؛ کہ تمہارا اعزاز کیا جائے گا، ﴿۱﴾ ﴿۷۰﴾ ان پر سونے کی پلیٹوں اور پیالوں کا دور چلے گا اور جنت میں وہ سب چیزیں ہوں گی، جن کی لوگ خواہش کریں گے اور جو آنکھوں کو بھائیں گی اور تم ہمیشہ یہیں رہوگے، ﴿۲﴾ ﴿۷۱﴾ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے مالک بنادیئے گئے ہو، ﴿۷۲﴾ تمہارے لئے اس میں بہت سارے میوے ہیں، جن میں سے تم کھارہے ہو، ﴿۷۳﴾ البتہ نافرمانی کرنے والے ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے، ﴿۷۴﴾ ان سے عذاب ہلکا بھی نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں نااُمید پڑے رہیں گے، ﴿۷۵﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے؛ لیکن وہ خود ہی (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے، ﴿۷۶﴾ وہ پکاریں گے: اے (داروغۂ دوزخ) مالک! (ہمارے لئے درخواست کرو کہ) تمہارے پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردیں، مالک کہے گا: تم کو تو اسی حال میں رہنا ہے، ﴿۷۷﴾ (اے ایمان نہ لانے والو!) یقیناً ہم نے تم کو سچا دین پہنچادیا؛ لیکن تمہاری اکثریت سچی بات کو ناپسند کرتی ہے، ﴿۷۸﴾ کیا انھوں نے کوئی بات ٹھان رکھی ہے تو ہم نے بھی ایک فیصلہ کرلیا ہے۔ ﴿۷۹﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے 'تحبرون' کا معنی بتایا ہے 'تکرمون' یعنی: تمہارا اعزاز کیا جائے گا، تمہیں عزت دی جائے گی، بعض اہل علم نے اس کا ترجمہ خوش ہونے سے کیا ہے تو ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش جنت میں داخل ہوجاؤ۔

﴿۲﴾ دنیا میں حلال وحرام کے جو قوانین ہیں، اہل جنت سے وہ سب اُٹھالئے جائیں گے؛ چنانچہ دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، (بخاری، کتاب الاشربۃ، باب الشرب فی اٰنیۃ الذھب، حدیث نمبر: ۵۳۰۹) لیکن آخرت کا معاملہ اس سے مختلف ہوگا، وہاں اہل جنت کا ایسے برتنوں سے اعزاز کیا جائے گا۔

اَمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَ نَجۡوٰىهُمۡ ؕ بَلٰی وَ رُسُلُنَا لَدَیۡهِمۡ یَكۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾ قُلۡ اِنۡ
كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ٭ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ
عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَ هُوَ
الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۴﴾ وَ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا ۚ وَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَ لَا یَمۡلِكُ
الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾

کیا ان کا خیال ہے کہ ہم ان کی آہستہ باتوں کو اور کانا پھوسی کو نہیں سنتے ہیں، ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی ہیں، جو لکھتے بھی جاتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۸۰﴾ آپ فرما دیجئے: اگر (بالفرض) خدائے رحمان کا کوئی بیٹا ہوتو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کروں، ﴿۸۱﴾ آسمان وزمین کے پروردگار اور عرش کے مالک کی ذات ان باتوں سے پاک ہے، جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۸۲﴾ تو ان کو بک بک کرنے اور کھیل تماشہ کرنے دیں، یہاں تک کہ جس دن کا وعدہ کیا جارہا ہے، وہ اپنے اس دن کو دیکھ لیں، ﴿۸۳﴾ وہی آسمان میں بھی بندگی کے لائق ہیں اور زمین میں بھی، اور وہ بڑی حکمت والے اور بڑے جاننے والے ہیں، ﴿۸۴﴾ وہ ذات کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں اسی کی بادشاہت ہیں، بڑی بابرکت ہے، اسی کو قیامت کی خبر ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے، ﴿۸۵﴾ اور اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں، ان کو تو سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں، مگر ہاں، جن لوگوں نے دینِ حق کا اقرار کیا اور وہ (اس کا) یقین رکھتے تھے (تو اللہ کی اجازت سے ان کو سفارش کا حق مل سکتا ہے)۔ ﴿۸۶﴾

﴿۱﴾ اہل مکہ کے اس مشورہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں انھوں نے طے کرلیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کردیا جائے اور اس مہم میں ہر قبیلہ کا ایک نمائندہ شامل ہو؛ تاکہ بنی ہاشم ان سے بدلہ لینے کی سوچ نہ سکیں؛ چنانچہ اہل مکہ نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح باہر آگئے کہ ان کی آنکھیں آپ کو دیکھنے سے قاصر رہ گئیں، سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے، ان کے ٹھان لینے سے مراد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش ہے اور اسی سازشی مشورہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ تو ان کی سرگوشیوں کو بھی سنتے ہیں اور اِن کے علاوہ فرشتے بھی ان کی باتوں کو لکھتے جاتے ہیں، اور یہ جو ارشاد ہوا کہ ہم نے بھی فیصلہ کرلیا ہے، اس سے مراد ہے غزوۂ بدر میں ان تمام سرداروں کا قتل کیا جانا جو اس مشورہ میں شامل تھے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۱۸)

﴿۲﴾ یعنی اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہی نہیں کہ جس کا دعویٰ کرکے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی اور مشرکین عرب فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، اگر واقعی خدا کا بیٹا ہوتا تو تم سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

وقف لازم — ع ۲۲ / ۱۳

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹکے چلے جاتے ہیں؟ ﴿۸۷﴾ اور (ان کو خبر بھی ہے) رسول کے یہ کہنے کی کہ اے میرے پروردگار! یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے، ﴿۸۸﴾ تو (اے رسول!) آپ ان سے منھ پھیر لیجئے اور کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں، عنقریب ان کو (اپنا انجام) معلوم ہوجائے گا۔ ﴿۱﴾ ﴿۸۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۸۸ اور ۸۹ میں اہل مکہ کو گویا آخری وارننگ دی گئی ہے کہ ان کی بدنصیبی کا یہ عالم ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے شفیق ومہربان پیغمبر بھی اللہ کی بارگاہ میں ان کی شکایت کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ یہ ایمان نہیں لاتے تو یہ ان کے عذاب کے حقدار ہونے کی گویا آخری شہادت ہے، پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ ان سے رُخ پھیر لیجئے اور بھلی بات کہہ کر اُلجھے بغیر اپنی بات ختم کردیجئے؛ تاکہ آپ کے دل کو صدمہ نہ پہنچے، سلام کرنے سے مراد وہ سلام نہیں ہے، جو ایک دوسرے کو کیا جاتا ہے؛ بلکہ ان سے بے تعلق ہوجانے کی خبر دینا مقصود ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۲۵)

سُوْرَةُ الدُّخَانْ

- سورہ نمبر : (۴۴)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۵۹)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کی آیت نمبر: ۱۰ میں دخان کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی 'دھویں' کے ہیں، اب یا تو یہ لفظ بطور محاورہ کے استعمال ہوا ہے کہ مکہ میں ایسا قحط پڑے گا کہ لوگوں کو آسمان دھواں دھواں نظر آئے گا، یا اس سے قیامت کے قریب ظاہر ہونے والی علامت مراد ہے، جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک دُھویں کا بادل چھا جائے گا، اس لفظ کی مراد جو بھی ہو؛ لیکن اسی لفظ کی نسبت سے اس سورہ کا نام 'دُخان' ہے، اس سورہ کی فضیلت میں مختلف روایتیں منقول ہیں؛ لیکن محدثین کے نزدیک وہ ضعیف و نامعتبر ہیں۔

مکی سورتوں میں نیز حٰمٓ سے شروع ہونے والی دوسری سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی زیادہ تر ایمانیات یعنی توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین ذکر کئے گئے ہیں، بہت اثر انگیز انداز پر قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، ضمنی طور پر اختصار کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم پر عذابِ الٰہی اور بنی اسرائیل کو نجات دیئے جانے کا ذکر بھی آ گیا ہے، نیز سورہ کے آغاز ہی میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید ایک بابرکت رات یعنی شب قدر میں نازل کیا گیا ہے، اور یہ ایسی اہم رات ہے، جس میں قسمتوں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
حٰمٓ ۝۱ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۝۲ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ۝۳ فِيۡهَا يُفۡرَقُ
كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۝۴ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۝۵ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ۝۷ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا (وقف لازم)
هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۸ بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ۝۹ فَارۡتَقِبۡ
يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱۰ يَّغۡشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۱۱ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا
الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۲

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ حٰمٓ (حا، میم)، «۱» ۝۱ اس واضح
کتاب کی قسم، ۝۲ کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے؛ (کیوں کہ) ہم خبردار کرنے والے ہیں، ۝۳
اس رات میں ہمارے ہی حکم سے ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے، یقیناً ہم ہی (آپ کو) پیغمبر بنانے والے
ہیں، «۲» ۝۴ ۝۵ جو آپ کے پروردگار کی رحمت ہے، یقیناً اللہ بہت سننے والے اور بہت جاننے والے ہیں، ۝۶ وہی
آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کے مالک ہیں، اگر تم لوگ واقعی یقین رکھنے والے ہو، ۝۷ اس کے سوا
کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا
پروردگار ہے؛ ۝۸ لیکن یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل کود میں مصروف ہیں، ۝۹ تو آپ اس دن کا انتظار کیجئے
جب آسمان پر ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہوگا، ۝۱۰ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ایک دردناک عذاب ہوگا، ۝۱۱
(کفر کرنے والے بھی بول اُٹھیں گے:) اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیجئے، ہم ایمان لے
آئیں گے۔ ۝۱۲

«۱» یہ حروفِ مقطعات ہیں، سورۂ بقرہ کے حاشیہ نمبر:۱ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

«۲» برکت والی رات سے ’شبِ قدر‘ مراد ہے، جو ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے مفسرین نے اس سے شب قدر ہی مراد لیا ہے، (روح المعانی: ۲۵/۱۱۰) اگرچہ بعض اہل علم نے اس سے ۱۵ر شعبان کی رات بھی مراد لی ہے؛ لیکن اہل علم کے نزدیک یہ رائے قابل قبول نہیں ہے، (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۲۳، تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۷) یہ جو بات مشہور ہے کہ شب براءت میں قسمتوں کے فیصلے لکھے جاتے ہیں تو علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے قاضی ابوبکر ابن عربی رحمہ اللہ اور جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی معتبر روایت موجود نہیں ہے —— اس رات میں حکیمانہ فیصلہ کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ حیات، موت، رزق، کامیابی، ناکامی، اسی دن لوحِ محفوظ سے لکھی جاتی ہے؛ تاکہ فرشتے اس کو نافذ کریں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۷)

وقف لازم
اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿۱۴﴾
اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا
مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ﴿۱۷﴾

(مگر) ان کو نصیحت حاصل کرنا کہاں نصیب ہوگا؛ حالاں کہ ان کے پاس تو کھول کھول کر بیان کردینے والے پیغمبر بھی آچکے، ﴿۱۳﴾ پھر بھی انھوں نے پیغمبر کی طرف سے منھ پھیر لیا اور کہنے لگے: یہ تو سکھایا پڑھایا دیوانہ شخص ہے، ﴿۱۴﴾ ہم تھوڑے دنوں عذاب کو دُور کردیں گے، تم پھر اسی حالت پر آجاؤ گے، ﴿۱۵﴾ جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے تو یقیناً ہم بدلہ لے کر ہی رہیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾ اور اِن سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو بھی آزما چکے ہیں، ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۰ میں آسمان پر نظر آنے والے دھویں کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ قرآن نے اس کو واضح نہیں کیا ہے، مفسرین نے اپنے اجتہاد اور بعض احادیث کی روشنی میں اس کے دو معنی بتائے ہیں، ایک یہ کہ اس سے واقعی آسمان پر دھویں کا چھا جانا مراد ہے، جو قیامت کے قریب پیش آئے گا، اور یہ قیامت کی ان دس غیر معمولی علامتوں میں سے ایک ہے، جن کا آپ ﷺ نے تذکرہ فرمایا ہے، یہ دھواں انسان کے لئے بیمار پڑنے کا سبب بنے گا؛ لیکن ایمان والوں پر اس کا اثر صرف نزلہ زکام کی حد تک ہوگا، اور جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، ان کے جسم میں دھواں اس طرح داخل ہوگا کہ آنکھ، کان، ناک غرض کہ جسم کے تمام راستوں سے باہر نکلے گا، ان کو سانس لینے میں تنگی ہوگی اور ان پر ایسی مدہوشی طاری ہوگی، جو نشہ کی حالت میں ہوتی ہے، چالیس دن ورات مشرق سے لے کر مغرب تک یہ دھواں چھایا ہی رہے گا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۳) —— دوسری رائے کے مطابق اس سے مراد وہ زبردست قحط ہے، جو حضور ﷺ کی بددُعا کی وجہ سے اہل مکہ پر مسلط ہوا اور صورت حال یہ ہوگئی کہ لوگ مردار، ہڈی اور چمڑے تک کھانے پر مجبور ہوگئے، اس قحط کی مصیبت اس بات سے اور بڑھ گئی کہ مکہ میں غذائی اشیاء یمامہ سے آیا کرتی تھی، یمامہ کے سردار حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور انھوں نے اہل مکہ سے کہہ دیا کہ حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے ایک دانہ بھی نہیں آسکتا، جب آدمی سخت بھوک کی حالت میں ہوتا ہے تو ضعف کی وجہ سے انسان کو دھواں دھواں نظر آنے لگتا ہے، اسی کیفیت کو یہاں دھویں کے چھا جانے سے تعبیر فرمایا گیا ہے، علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور بہت سے اہل علم نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر طبری: ۲۲/۱۳) آخر ابوسفیان بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ کو اپنے رشتہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس مصیبت کے دُور ہونے کی دُعاء کریں، اگر یہ مصیبت دُور ہوجائے تو میں ایمان لے آؤں گا، (روح المعانی: ۲۵/۱۱۹) بلکہ سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابوسفیان نے کہا کہ آپ ﷺ نے باپوں کو تلوار سے بدر میں قتل کردیا اور یتیموں کو بھوک سے قتل کر رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا دریائے رحمت جوش میں آگیا، آپ ﷺ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مکہ کو جانے والا غلہ نہ روکا جائے، (سیرت ابن ہشام: ۴/۴۵۲) بلکہ آپ ﷺ نے مزید شفقت بھی فرمائی کہ مکہ کے قحط زدہ لوگوں کی مدد کے لئے اپنی طرف سے پانچ سو دینار یعنی سونے کے سکے بھی ←

اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ
بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ
فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ
مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ
وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا
اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾

الثلثة

(انھوں نے فرعون سے کہا:) اِن اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کردو، میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اور امانت دار ہوں، ﴿۱۸﴾ اور تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں، ﴿۱۹﴾ اور اس بات سے کہ تم مجھ کو پتھر مار مار کر ہلاک کردو، اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں، ﴿۲۰﴾ اور اگر تم مجھ پر یقین نہیں کرتے تو مجھ سے کنارہ ہوجاؤ، ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾ پھر موسیٰ نے اپنے پروردگار سے فریاد کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں، ﴿۲۲﴾ (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا:) تو اب تم میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ، یقینی طور پر تمہارا پیچھا بھی کیا جائے گا، ﴿۲﴾ ﴿۲۳﴾ اور تم دریا کو ٹھہری ہوئی حالت میں چھوڑ دینا، ان لوگوں کا لشکر غرق کردیا جائے گا، ﴿۲۴﴾ یہ لوگ کتنے ہی باغات، چشمے، کھیتیاں، عمدہ مکانات اور سامانِ راحت جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے، چھوڑ گئے، ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ ایسا ہی ہوا اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان کا مالک بنادیا، ﴿۳﴾ ﴿۲۸﴾

← روانہ فرمائے؛ تاکہ ضرورت مندوں میں تقسیم کردیا جائے، (المبسوط للسرخسی: ۱۰/۱۰۱) مگر اس کے باوجود اس وقت تک اہل مکہ کو ایمان کی توفیق نہیں ملی، جب تک مکہ فتح نہیں ہوگیا، آیت نمبر: ۱۲ تا ۱۴ میں اسی کا تذکرہ ہے — ان آیات کے نازل ہونے کا جو پس منظر ہے، ان سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ سورہ مکی ہے؛ لیکن یہ آیات مدنی ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی نہ ایمان لاؤ اور نہ دعوت میں کوئی رکاوٹ پیدا کرو اور نہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے جانے سے روکو، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر مسلمان غیر مسلم سماج میں زندگی گذار رہے ہوں تو ان کو اپنے غیر مسلم اہل وطن سے یہی مطالبہ کرنا چاہئے کہ ہم ایک دوسرے کے معاملہ میں دخل نہ دیں اور کم سے کم یہ تو ہو کہ ہر گروہ کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی رہے۔

﴿۲﴾ بندوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں کہ ان کو لے کر راتوں رات نکل جائیں اور پہلے سے خبردار کردیا گیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا؛ تاکہ عین وقت پر گھبراہٹ نہ ہو۔

﴿۳﴾ یعنی قوم فرعون کی چھوڑی ہوئی اِن تمام چیزوں کا مالک اُس دوسری قوم کو بنادیا، جو فرعون کے بعد مصر میں آباد ہوئی۔

فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ ۝۲۹ وَلَقَدۡ نَجَّيۡنَا بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ع ۱ ۲۹ ۱۴
مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ۝۳۰ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۝۳۱ وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ
عَلٰى عِلۡمٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۳۲ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰيٰتِ مَا فِيۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيۡنٌ ۝۳۳ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوۡلُوۡنَ ۝۳۴
اِنۡ هِىَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِيۡنَ ۝۳۵ فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۳۶
اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ۝۳۷

نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین، اور نہ ان کو مہلت دی گئی، ﴿۱﴾ ۝۲۹ ہم نے بنی اسرائیل کو رُسوا کن عذاب سے نجات عطا کی، ۝۳۰ یعنی فرعون سے، جو بڑا سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا، ۝۳۱ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمجھ بوجھ کر تمام دنیا والوں کے مقابلہ منتخب کیا تھا، ﴿۲﴾ ۝۳۲ اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں، جن میں صریح آزمائش تھی، ﴿۳﴾ ۝۳۳ یہ لوگ کہتے ہیں: ۝۳۴ ہمیں صرف پہلی دفعہ مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، ۝۳۵ (اے محمد!) اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) تو لے آؤ، ﴿۴﴾ ۝۳۶ کیا یہ بڑھے ہوئے ہیں یا تُبّع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، ہم نے ان کو بھی ہلاک کر ڈالا؛ کیوں کہ وہ نافرمانی کرنے والے تھے۔ ﴿۵﴾ ۝۳۷

﴿۱﴾ 'آسمان اور زمین کے نہ رونے' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ظلم و جور کی وجہ سے اتنے ناپسندیدہ تھے کہ ان کے مبتلائے عذاب ہونے پر کسی کو رونا نہ آیا۔

﴿۲﴾ منتخب کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور آسمانی کتاب اُتاری اور جو قوم آسمانی کتاب کی حامل ہوتی ہے، وہی اس زمانہ کی منتخب قوم ہوتی ہے؛ گویا بنی اسرائیل خاص اُس زمانہ کی منتخب قوم تھی نہ یہ کہ وہ ہمیشہ کے لئے منتخب قوم ہے۔

﴿۳﴾ آزمائش سے مراد ظاہری آزمائش بھی ہوسکتی ہے کہ انھیں اللہ کی نعمت دے کر مصیبت میں مبتلا کر کے آزمائے، اور معجزات بھی مراد ہوسکتے ہیں، جیسا کہ من وسلویٰ اُتارے جانے اور سمندر کے درمیان راستہ کے پیدا ہوجانے وغیرہ کے واقعات پیش آئے، بہر حال یہاں بنی اسرائیل کو آزمایا جانا مراد ہے —— حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم بنی اسرائیل کے واقعات متعدد جگہ پر آچکے ہیں۔

﴿۴﴾ یہ ابوجہل وغیرہ کا قول ہے، جو حضور ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ اگر مُردوں کو زندہ کیا جائے گا تو ہمارے باپ دادا میں سے قُصی بن کلاب اور کسی اور ایک خاندانی بزرگ کو زندہ کر کے دکھا دو۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۴۴)

﴿۵﴾ جیسے روم کے بادشاہ کو 'قیصر' ایران کے بادشاہ کو 'کسریٰ' یا چین کے بادشاہ کو 'خاقان' کہا جاتا تھا، اسی طرح یمن کے بادشاہ کو تُبّع کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تقریباً سات آٹھ سو سال پہلے ایک خاندان نے تقریباً ڈھائی سو سال تک یمن کے وسیع علاقہ پر حکومت کی، جس کی سرحدیں اس وقت افریقہ تک پہنچی تھیں، یہ حکمراں 'تبابعہ' کہلاتے ہیں، جو تبع کی جمع ہے، ان میں سے ←

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ
مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ اِنَّ ۲ ع ۱۳ ۱۵
شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے مقصد پیدا نہیں کیا، ﴿۳۸﴾ ہم نے ان کو منصوبہ ﴿۱﴾ کے تحت پیدا کیا ہے؛ لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۳۹﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سب کے (اُٹھائے جانے) کا وقت فیصلہ کا دن ہے، ﴿۴۰﴾ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، ﴿۴۱﴾ سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں، بے شک اللہ بڑے زبردست اور بہت مہربان ہیں، ﴿۴۲﴾ بلاشبہ زقّوم کا درخت، ﴿۲﴾ ﴿۴۳﴾ گنہگار کا کھانا ہوگا، ﴿۴۴﴾ وہ پگھلائے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا، جو پیٹوں میں اس طرح کھولے گا، ﴿۴۵﴾ جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے۔ ﴿۴۶﴾

← ایک بادشاہ جس کا نام ابوکرب یا زید بن یمان تھا، مشرف بہ ایمان ہوا، نقل کیا جاتا ہے کہ اس نے کعبۃ اللہ پر غلاف بھی چڑھایا اور مدینہ سے بھی اس کا گذر ہوا، بعض تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی علماء کے ذریعہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے مستقبل قریب میں معبوث ہونے کا علم ہوا اور اس نے آپ ﷺ کے نام ایک خط چھوڑا، جس میں ایمان کا اقرار اور شفاعت کی درخواست تھی، نسل درنسل یہ خط منتقل ہوتے ہوئے میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچا اور آپ نے اس کو پڑھوا کر سنا؛ لیکن یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہیں، بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں میں ایک بادشاہ نیک اور صالح تھا؛ لیکن اس کے بعد اس کی قوم گمراہ ہوگئی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۴۴، ۱۴۵، تفسیر ماجدی: ۶/ ۳۲۶) حجاز کا علاقہ چوں کہ یمن سے قریب تھا؛ اس لئے ان بادشاہوں کی شان وشوکت، فوجی طاقت، سلطنت کی وسعت اور مال ودولت کی کثرت کا ذکر عربوں کے یہاں عام وخاص کی زبان پر تھا؛ اس لئے قرآن نے متنبہ کیا کہ تبع کی طاقت وقوت کے تم خود معترف ہو؛ لیکن جب انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا، اس سے عبرت حاصل کرو۔

﴿۱﴾ اُردو مترجمین نے 'بالحق' کا ترجمہ یہاں حکمت، تدبیر وغیرہ سے کیا ہے، سب کا حاصل یہی ہے کہ ان کی پیدائش بے وجہ نہیں ہوئی؛ اسی لئے اس حقیر نے ترجمہ کیا ہے "ہم نے ان کو منصوبہ کے تحت پیدا کیا ہے"۔

﴿۲﴾ زقّوم دوزخ میں اُگنے والا ایک درخت ہے؟ سورۂ صافات: ۶۲ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

خُذُوۡہُ فَاعۡتِلُوۡہُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِہٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۸﴾ ذُقۡ
اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ ہٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِہٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ
اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾ یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۵۳﴾ کَذٰلِکَ
وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۵۴﴾ یَدۡعُوۡنَ فِیۡہَا بِکُلِّ فَاکِہَۃٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡہَا الۡمَوۡتَ
اِلَّا الۡمَوۡتَۃَ الۡاُوۡلٰی ۚ وَ وَقٰہُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۵۶﴾ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ
الۡعَظِیۡمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ فَارۡتَقِبۡ اِنَّہُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ع ۳ / ۱۷ / ۱۶

(اللہ فرشتوں سے فرمائیں گے:) اس کو پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ، ﴿۴۷﴾ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی اُنڈیل دو، ﴿۴۸﴾ (اس سے کہا جائے گا: اب) مزہ چکھ، کہ تو تو بڑا معزز سردار ہے، ﴿۴۹﴾ یہی تو وہ چیز ہے جس کے بارے میں تم شک وشبہ کیا کرتے تھے، ﴿۵۰﴾ یقیناً خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے، ﴿۵۱﴾ یعنی باغوں اور چشموں میں ﴿۵۲﴾ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنیں گے اور آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ﴿۵۳﴾ اسی طرح ہوگا اور ہم ان کو بڑی بڑی آنکھوں والی گوری گوری عورتوں سے بیاہ دیں گے، ﴿۵۴﴾ وہ اس میں اطمینان کے ساتھ ہر قسم کے میوے منگایا کریں گے، ﴿۵۵﴾ پہلی موت کے سوا وہ وہاں (اب کسی اور) موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیں گے، ﴿۵۶﴾ یہ آپ کے پروردگار کا فضل وکرم ہے، یہی تو بڑی کامیابی ہے، ﴿۵۷﴾ ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے؛ تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، ﴿۵۸﴾ پس آپ بھی انتظار کیجئے، یہ لوگ بھی انتظار کررہے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

سُورَةُ الجَاثِيَة

- سورہ نمبر : (۴۵)
- رکوع : (۴)
- آیتیں : (۳۷)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’جاثیہ‘ کے معنی ایسے شخص کے ہیں، جو گُھٹنوں کے بَل بیٹھا ہو، اس سورہ کی آیت نمبر: ۲۸ میں یہ مضمون آیا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگوں کو اپنا اپنا نامۂ اعمال دیکھنے کو دِیا جائے گا تو خوف و دہشت اور گھبراہٹ کی وجہ سے لوگوں کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ گُھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام جاثیہ ہے۔

یہ ان سات سورتوں میں سے ایک ہے، جن کا آغاز حٰمٓ سے ہوتا ہے اور جس کی ابتدا قرآن مجید کی صداقت اور عظمت کے بیان سے ہوتی ہے، یہ سورہ بنیادی طور پر مکی ہے؛ لیکن اس کی آیت نمبر: ۱۴ کا جو واقعاتی پس منظر نقل کیا گیا ہے، اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے؛ لیکن زیادہ تر اہل علم کے نزدیک یہ آیت بھی مکہ ہی میں نازل ہوئی ہے؛ البتہ جس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت اُتاری گئی، اسی طرح کا واقعہ مدینہ میں بھی پیش آیا تو حضور ﷺ نے اُس وقت بھی اس آیت کی تلاوت فرمائی، اس سے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت، نبوت محمدی اور آخرت کے مضامین کو کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، عام طور پر مشرکین دیویوں اور دیوتاؤں پر یقین رکھتے تھے؛ لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی تھا، جو سرے سے خدا کا انکار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ’زمانہ‘ کے تحت اپنے آپ یہ کائنات چل رہی ہے، اس سورہ کی آیت نمبر: ۲۴ میں اس گروہ پر رد کیا گیا ہے، غور کیا جائے تو ان لوگوں کے افکار موجودہ دور کے دہریوں سے خاصے ملتے جلتے ہیں۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝۲ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ
لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۳ وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَمَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۝۴ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ
وَالنَّهَارِ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَتَصۡرِیۡفِ
الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝۵ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰهِ
وَاٰیٰتِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ۝۶ وَیۡلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ حٰمٓ (حا، میم)، ۝۱ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری ہوئی ہے، جو زبردست ہیں اور بڑی حکمت والے ہیں، ۝۲ یقیناً آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں، ۝۳ نیز تمہارے پیدا کرنے میں اور ان جانوروں میں جن کو اللہ پھیلا دیتے ہیں، ان لوگوں کے لئے ڈھیر سارے دلائل ہیں، جو یقین کرتے ہیں، ۝۴ رات اور دن کی تبدیلی میں، اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے اُتاری ہے، پھر اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا اور ہواؤں کے ردو بدل میں بھی ان لوگوں کے لئے بہت ساری نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں، ۝۵ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں، جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنایا کرتے ہیں، تو پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ﴿۱﴾ ۝۶ ہر جھوٹے، گنہگار کے لئے ہلاکت ہے۔ ۝۷

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید نے عام طور پر کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں کو پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں جانوروں کی پیدائش اور رات و دن کے نظام کا متعدد جگہ ذکر فرمایا گیا ہے، اگر خدا ایک نہ ہوتا کئی خداؤں کی حکمرانی میں کائنات کا یہ نظام چلتا تو چیزوں کی پیدائش اور اوقات کی اُلٹ پھیر میں جو تسلسل ہے، وہ قائم نہ رہ پاتا، کسی خدا کی رائے ہوتی کہ ہمیں بکروں سے زیادہ شیر پیدا کرنا چاہئے، کسی کی سوچ ہوتی کہ یہ سارے جانور چار پاؤں کے کیوں ہیں، ان کو دو پاؤں کا ہونا چاہئے، کسی کو خیال ہوتا کہ موسم گرما میں رات چھوٹی اور دن بڑا کیوں ہو، اس کے برعکس کیوں نہ ہو، کوئی بارش کو لانا چاہتا اور کوئی روک کر رکھنا چاہتا، کوئی کسی مقام پر پانی برسانا چاہتا اور کوئی کسی اور مقام پر، غرض کہ قدم قدم پر اختلاف رونما ہوتا، پھر اپنی رائے پر اصرار کرتے ہوئے کمزور انسانوں کے درمیان ایسی بھیانک جنگیں ہوتی ہیں، تو طاقتور خداؤں کے درمیان کیسی تباہ کن جنگیں ہوتیں؛ لیکن کائنات میں کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک ہی خدا کی فرمانبرداری میں یہ پوری کائنات اپنا سفر طے کر رہی ہے۔

يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ
اَلِيۡمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡـًٔا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ؕ﴿۹﴾ مِنۡ
وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَيۡـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ ۚ
وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ؕ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ
اَلِيۡمٌ ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَـكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ فِيۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ع ۱۱ / ۱۷
وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۚ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَـكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِىۡ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ
لِيَجۡزِىَ قَوۡمًاۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

جواللہ کی اِن آیتوں کوسنتا ہے، جواُس پر پڑھی جاتی ہیں، پھر بھی تکبر کرتا ہوا (ایمان نہ لانے پر) اس طرح اڑا رہتا ہے کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں، تو اس کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، ﴿۸﴾ اور جب اس کو ہماری کچھ آیتوں کا علم ہوتا ہے تو وہ ان کی ہنسی اُڑاتا ہے، ان ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے، ﴿۹﴾ ان کے آگے دوزخ ہے، انھوں نے جو کچھ کمایا تھا، نہ وہ ان کے کچھ کام آئے گا اور نہ وہ کام آئیں گے جن کو ان لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا ہے، اوران کے لئے سخت عذاب ہے، ﴿۱۰﴾ یہ قرآن سراپا ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے، ﴿۱۱﴾ اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا ہے؛ تا کہ اس میں اللہ کے حکم سے جہاز چلا کریں، تم اس کی (عطا کی ہوئی) روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو، ﴿۱۲﴾ آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۳﴾ آپ مسلمانوں سے فرما دیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں، جو اللہ کے (ثواب وعذاب کے مقرر کئے ہوئے) دنوں کا یقین نہیں رکھتے؛ تا کہ اللہ ان لوگوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا دیں، ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ دنیا کا عام دستور یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے سے کمزور چیز کو اپنے کنٹرول میں رکھتی ہے نہ کہ اپنے سے طاقتور چیز کو، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بکری نے شیر کو اپنے قابو میں رکھا ہو، یا ہرن نے ہاتھی کو اپنی گرفت میں لے لیا ہو، انسان بھی جسم وجان کے اعتبار سے اس کائنات کا ایک کمزور فرد ہے؛ لیکن اللہ کی قدرت ہے کہ وہ سمندر کی سرکش موجوں کے درمیان بڑے بڑے جہازوں کو چلا رہا ہے، فضا کی تند وتیز ہواؤں میں اس کی سواری سفر طے کر رہی ہے، سورج اور چاند جیسی عظیم مخلوقات شب وروز اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی بالاتر طاقت موجود ہے، جو پوری کائنات کو انسان کے قابو میں کئے ہوئی ہے، وہی خدا کی ذات ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا
بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ
بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ
جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

جو شخص نیک کام کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے، اور جو برا عمل کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے، پھر تم کو اپنے پروردگار ہی کی طرف واپس لایا جائے گا، ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت سے نوازا تھا، ہم نے ان کو کھانے کی پاکیزہ چیزیں بھی عطا کی تھیں، ان کو دنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت دی تھی، ﴿۲﴾ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے ان کو دین کے واضح احکام دیئے تھے، تو علم کے آجانے کے باوجود محض آپس کی ضد کی وجہ سے انھوں نے اختلاف کیا، یقیناً آپ کے پروردگار قیامت کے دن اِن کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کردیں گے، جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے، ﴿۱۷﴾ پھر ہم نے آپ کو دین (حق) کی ایک خاص شریعت پر رکھ دیا ہے تو آپ اسی کی پیروی کرتے رہئے اور ان جاہلوں کی خواہش پر نہ چلا کیجئے۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اگر کسی گروہ پر دعوت کا حق ادا کردیا جائے، پھر بھی وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے ساتھ اُلجھنے سے بچا جائے اور درگذر سے کام لیتے ہوئے ان کے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کردیا جائے۔

یہ آیت کس پس منظر میں نازل ہوئی؟ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ غزوۂ بنو مصطلق میں ایک کنویں پر جس کا نام ''مُریسیع'' تھا، رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ نے پڑاؤ ڈالا، قافلہ میں منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی بھی شامل تھا، اس نے اپنے غلام کو پانی لانے کے لئے بھیجا، غلام کی واپسی میں دیر ہوئی، عبداللہ بن اُبی نے سبب پوچھا، غلام نے بتایا کہ کنویں کے منھ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام بیٹھ گیا تھا، اس نے پہلے رسول اللہ ﷺ کا پانی بھرا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا، اس کے بعد ہی وہ وہاں سے ہٹا، اس لئے تاخیر ہوگئی، عبداللہ بن اُبی نے کہا کہ عربوں میں جو کہاوت ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرو؛ تاکہ وہ تمہیں کھا جائے، یہ وہی بات ہوئی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے چاہا کہ عبداللہ بن اُبی کا کام تمام کردیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان سے درگذر کا معاملہ کرنا ہی بہتر ہے، یہ روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد حضرت عطا رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۶۱)

﴿۲﴾ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر انبیاء پیدا فرمائے اور ہر دور میں وہی قوم فضیلت و برتری کی حامل ہوتی ہے جس کو تعلیمات نبوی سے نوازا گیا ہو، جیسے اِس دور میں اُمت محمدیہ۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام عقائد اور اخلاق سے متعلق ذکر کئے ہیں، یہ احکام تمام پیغمبروں کو اور ان کے واسطے سے ان کی ←

اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ
الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآىٕرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ
اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ
وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ ع ۲ ۱۸
نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ اللہ کے مقابلہ آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے، نافرمانی کرنے والے لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تقویٰ والوں کے دوست اللہ ہیں، ﴿۱۹﴾ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے، ﴿۲۰﴾ جن لوگوں نے برائیاں کی ہیں، کیا ان کا خیال ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے، جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے کہ ان کا جینا اور مرنا ایک طرح کا ہو جائے گا؟ کیا ہی غلط دعوے ہیں، جو یہ لوگ کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسے ہونے چاہئیں، ویسے ہی بنائے ہیں؛ تا کہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۲﴾

← اُمتوں کو یکساں طور پر دیئے گئے ہیں، کچھ احکام فروعی اور عملی ہیں، ان میں لوگوں کی قوتوں اور صلاحیتوں میں آنے والی تبدیلیوں اور تمدنی ترقیوں کے اعتبار سے الگ الگ احکام دیئے گئے ہیں، جیسے عبادتوں کے طریقے، نکاح وطلاق اور میراث کے قوانین، جرائم اور ان کی سزائیں وغیرہ، ان کو 'شریعت' کہا جاتا ہے، تو کچھ انبیاء تو وہ تھے جن کو نئی شریعت عطا کی گئی تھی، ان ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور کچھ انبیاء وہ تھے، جن کو نئی شریعت عطا نہیں کی گئی تھی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام وغیرہ، تو اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہم نے آپ کو 'صاحب شریعت' نبی بنایا ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ گذشتہ شریعتیں اس اُمت کے لئے حجت نہیں ہیں، ہاں اگر گذشتہ شریعت کا کوئی حکم نقل کیا گیا اور اس اُمت کے لئے یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی، جیسے قصاص سے متعلق آیت، یا اس اُمت کے لئے اس حکم کے باقی رہنے کی صراحت کر دی گئی، جیسے روزہ سے متعلق حکم، تو اس صورت میں گذشتہ شریعت کا حکم اِس شریعت میں باقی سمجھا جائے گا، تورات وانجیل کے جن احکام کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہو، اس اُمت کے لئے ان کا اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ گذشتہ کتابوں کے جن احکام کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں آیا ہے، ان کے ذکر نہ کئے جانے کا دو ہی سبب ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ وہ انسانی ملاوٹ کا نتیجہ ہو، دوسرے: یہ کہ وہ حکم اُسی اُمت کے لئے رہا ہو، اُمت محمدیہ کے لئے باقی نہیں رہا ہو۔

﴿۱﴾ بعض مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر دوبارہ زندہ کیا ہی گیا، تو وہاں بھی ہماری حالت اِن مسلمانوں سے اچھی ہی رہے گی، یہ اور اس طرح کے دعوے جو سامنے آتے تھے، اسی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ←

اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی
بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا
الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا یُهۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا
یَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾

بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے سمجھ بوجھ کے باوجود اس کو ہدایت سے محروم کردیا، اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ رکھ دیا، تو اب اللہ کے سوا کون اس کو ہدایت پر لاسکتا ہے؟ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ ﴿۱﴾ ﴿۲۳﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیوی زندگی کے سوا کوئی اور زندگی نہیں ہے، (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو مار دیتا ہے؛ حالاں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ صرف اٹکلیں لگا رہے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۴﴾

← ﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو مناسب طریقہ پر پیدا فرمایا ہے — آگے واضح فرمادیا گیا کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے اور اس میں انسانوں کے بسانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کا امتحان ہو اور آخرت میں ان کو جزاء و سزا دی جائے۔

﴿۱﴾ خواہش کو معبود بنانے سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام پر اپنی خواہشات کو غالب رکھنا، دنیا میں زیادہ تر گناہ خواہشات ہی کی پیروی کا نتیجہ ہوتے ہیں، زنا ہو یا چوری، جھوٹ ہو یا غیبت، سود ہو یا رشوت، ظلم و زیادتی ہو یا حق تلفی، اللہ کی عبادت سے غفلت ہو یا شرک و بت پرستی، ان سب کے پیچھے انسان کی خواہشات کارفرما ہیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہش ہمارے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہوجائے، (کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۰۸۴) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں انسان کو ہلاک کردینے والی اور تین چیزیں بچانے والی ہیں تو ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں: بخل جس کی اطاعت کی جائے، خواہش جس کی پیروی کی جائے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اور بچانے والی چیزیں ہیں: تنہائی میں اور لوگوں کے درمیان اللہ کی خشیت، دولت و محتاجی دونوں حالتوں میں اعتدال، غصہ اور خوشی دونوں حالتوں میں عدل، (کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۳۵۹۴، نیز دیکھئے: المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۵۴۵۲) — اس سلسلے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں: جب انسان صبح کرتا ہے تو اس سے متعلق تین چیزیں (علم، عمل، خواہش) جمع ہوتی ہیں، اگر عمل خواہش کے تابع ہوجائے تو اس کا دن بدترین دن ہوتا ہے اور اگر اس کا عمل علم کے تابع ہوجائے تو وہ اس کا بہترین دن ہوتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۶۸)

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے وقت عرب میں جو مشرکین تھے، وہ سب ایک ہی خیال کے نہیں تھے، بعض خدا کو مانتے تھے؛ لیکن قیامت کا انکار کرتے تھے، بعض بالکل انکار تو نہ کرتے تھے؛ لیکن اس کو مشکوک قرار دیتے تھے، بعض کہتے تھے کہ ←

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا کَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ
صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یَجۡمَعُکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ
وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۵ ۱۹

اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کی صرف یہی کٹ حجتی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) لے آؤ، ﴿۲۵﴾ آپ فرمادیجئے: خدا ہی تم کو زندہ رکھتے ہیں، پھر تم کو موت دیں گے، پھر قیامت کے دن جس میں کوئی شبہ نہیں، تم کو اکٹھا کریں گے (نہ کہ پیغمبر)؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۲۶﴾

← کائنات میں جو واقعات پیش آتے ہیں، کسی پیدا کرنے والے اور کائنات کے چلانے والے کی طاقت اس کے پیچھے کارفرما نہیں ہے؛ بلکہ یہ زمانہ کی کرشمہ سازی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں، یہ ٹھیک وہی خیال ہے جو ہمارے زمانے کے مادہ پرست دہریوں کا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ قانونِ فطرت کے تحت ہو رہا ہے، یہ کسی خدا کی کاریگری نہیں ہے، افسوس کہ وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ آخر قانون فطرت کو بھی تو کسی ہستی نے وجود بخشا ہوگا، وہی ہستی اس کائنات کی خدا ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس نے کائنات کے نظام کو فطرت کی مشین کے حوالہ کر دیا ہو اور خود اس سے بے تعلق ہو گیا ہو، اگر بالفرض ایسا ہوتا تو نظام قدرت میں فرق واختلاف اور تنوع و رنگارنگی نہیں ہوتی، ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بچہ آٹھ ماہ ماں کے پیٹ میں رہے اور کوئی نو ماہ، کوئی شخص جوانی میں مرجائے اور کوئی بوڑھاپے کی انتہا تک پہنچے، کسی سال درخت میں پھل آئے اور کسی سال نہ آئے، کبھی دن بڑا ہو جائے اور کبھی چھوٹا، اگر ایک لگے بندھے قانون فطرت کے تحت کائنات کا نظام چلتا تو اس میں مکمل یکسانیت ہوتی، جیسے ایک سانچے سے بننے والی چیزوں میں اور ایک مشین سے ڈھلنے والی اشیاء میں ہوتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں چوں کہ نفع ونقصان اور راحت ومشقت کو ''زمانہ'' کا عمل قرار دیا جاتا تھا؛ اس لئے لوگ زمانہ کو برا بھلا کہا کرتے تھے، بدقسمتی سے خود اُردو زبان میں بھی بعض ایسے محاورات موجود ہیں، جیسے کہا جاتا ہے، بُرا ہو زمانہ کا کہ یوں ہو گیا، یا یہ کہ گردش زمانہ سے ایسا ہو گیا وغیرہ، رسول اللہ ﷺ نے زمانہ کو بُرا بھلا کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اللہ ہی زمانہ ہیں: ''فإن الله هو الدهر'' (مسلم، باب النهی عن سب الدہر، حدیث نمبر: ۲۲۴۶) مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی زمانہ کو پیدا کرنے والے ہیں، پس اگر کسی نے زمانہ کو بُرا بھلا کہا تو گویا اس نے اس کے خالق و مالک کو بُرا بھلا کہا —— مفسر قرطبی نے اس موقع پر خوب بات لکھی ہے کہ یہ تو غیر مسلم تھے، جو خدا کا اور قیامت کا انکار کرتے تھے؛ لیکن اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو مسلمانوں سے ڈرتے ہوئے کھل کر تو ان چیزوں کا انکار نہیں کرتے؛ لیکن ایسی تاویل کرتے ہیں، جو انکار ہی کے درجہ میں ہے، جیسے کہتے ہیں کہ قیامت قائم ہونے سے مراد جسم کا مرجانا ہے اور عذاب وثواب سے مراد حقیقی عذاب وثواب نہیں ہے؛ لیکن کچھ خیالات واحساسات ہیں جو روح میں پیدا ہوتے ہیں، ان ہی خیالات کو جنت و دوزخ سے تعبیر کر دیا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ ان کا شر کافروں کے شر سے بھی بڑھا ہوا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۷۲) غور کیجئے کہ اِس زمانہ کے بعض نام نہاد مسلمان دانشور جو کچھ کہتے ہیں، وہ اس سے ذرا بھی مختلف ہے؟

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى
كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۚ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا
كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾
وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ
اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور آسمان و زمین میں اللہ ہی کی بادشاہت ہے، جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن اہل باطل نقصان میں پڑ جائیں گے، ﴿۲۷﴾ اور آپ ہر اُمت کو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا دیکھیں گے، ہر گروہ کو ان کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، (ان سے کہا جائے گا:) آج تم کو تمہارے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، ﴿۲۸﴾ یہ ہمارا (تیار کرایا ہوا) ریکارڈ ہے، جو تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کردے گا، تم جو کچھ کرتے تھے، ہم اس کو لکھواتے جاتے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۲۹﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے تو ان کو ان کے پروردگار اپنی رحمت میں داخل فرمائیں گے، یہی تو کھلی ہوئی کامیابی ہے، ﴿۳۰﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے (ہم ان سے کہیں گے:) کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں، پھر تم نے تکبر کیا اور تم تھے ہی نافرمان لوگ، ﴿۳۱﴾ اور جب اِن سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت (کے واقع ہونے) میں کوئی شبہ نہیں تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے؟ بس ایک خیال سا ہم کو بھی ہوتا ہے (لیکن) ہمیں یقین نہیں۔ ﴿۳۲﴾

﴿۱﴾ ہندوستان میں بعض آریہ سماجی مبلغین اعتراض کرتے تھے کہ ایسا نامۂ اعمال جس میں زندگی کے سارے اعمال لکھے گئے ہوں، یقیناً غیر معمولی ضخامت کا ہوگا، کیوں کر ممکن ہوگا کہ اسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور وہ اس کا مطالعہ کریں، اُس عہد کے علماء نے ان کے اس اعتراض کا جواب بھی دیا تھا؛ لیکن موجودہ دور میں کمپیوٹر کی ترقی نے اس کو سمجھنا بالکل آسان کردیا ہے، کمپیوٹر کے اندر جو ایک چھوٹی سی چِپ ہوتی ہے، وہ کتنے ہزار ہا ہزار صفحات کا مواد اور واقعات کا ریکارڈ اپنے اندر محفوظ کرلیتی ہے، آج ہر شخص کے پاس موبائل ہے اور ایک چھوٹے سے موبائل میں کتابوں کی سینکڑوں جلدیں محفوظ کردی جاتی ہیں، اس سے نامۂ اعمال کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ اُٹھا کر انسان یہ سب کچھ کرسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک مختصر کتاب میں انسان کی پوری زندگی کا ریکارڈ محفوظ کردینا کیا دشوار ہے؟

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ
نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾
ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ
مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ
الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع ۲۰

اوران پر ان کی بداعمالیاں ظاہر ہوجائیں گی اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے، وہ ان کو گھیر لے گا، ﴿۳۳﴾
اور ان سے کہا جائے گا: جیسے تم نے اپنے اِس دن کے آنے کو بُھلا رکھا تھا، اِسی طرح آج ہم بھی تم کو بھلاتے ہیں،
تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں، ﴿۳۴﴾ یہ اس لئے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اُڑائی تھی
اور دنیوی زندگی نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا تھا، تو آج نہ یہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی معذرت قبول
کی جائے گی، ﴿۳۵﴾ پس ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو آسمان وزمین کا اور تمام جہانوں کا رب ہے، ﴿۳۶﴾
آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے اور وہی غالب اور حکمت والے ہیں۔ ﴿۳۷﴾

سُورَةُ الأَحْقَاف

- سورہ نمبر : (۴۶)
- رکوع : (۴)
- آیتیں : (۳۵)
- نوعیت : مکی

احقاف، حقف (حاء پر زیر) کی جمع ہے، جو ریت کے بل کھاتے ہوئے ٹیلے کو کہتے ہیں، ریت اور اس کے ٹیلوں کی مناسبت سے یہ یمن کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں قوم عاد آباد تھی، حضرت ہود علیہ السلام کو اس قوم کو توحید کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجا گیا تھا اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس پوری قوم کو بے نام ونشان کر دیا گیا، سورہ کی آیت: ۲۱ میں اس کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے سورہ کا نام سورۂ احقاف ہے۔

اس سورہ میں جنات کے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کے اسلام لانے کا ذکر آیا ہے، یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ اہل مکہ کی طرف سے نا اُمید ہو کر طائف تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، مگر وہ ایمان تو کیا لاتے ان کا رویہ اہل مکہ سے بھی زیادہ خراب رہا، جب آپ وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے، تو جنات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی دل داری تھی کہ اگر کچھ انسانوں نے آپ کی دعوت کو رد کر دیا ہے تو آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں، کہ جنات جیسی مخلوق آپ کی دعوت کے سامنے سر جھکا رہی ہے، سیرت کا یہ واقعہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال کے اخیر یا گیارہویں سال کے شروع میں پیش آیا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورہ مکی زندگی کے اخیر میں نازل ہوئی، اس سورہ کے مضامین سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں دشمنوں کی طرف سے آپ کی مخالفت اور اذیت رسانی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

سورہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید، بُت پرستی کی تردید اور آخرت کے واقع ہونے کو ثابت کیا گیا ہے، نیز وحی، نبوت اور قرآن پر جو شبہات ان کی طرف سے کئے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی، لائق اور نالائق اولاد کے طرز عمل کا نقشہ کھینچا گیا ہے، حضرت ہود علیہ السلام کے واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، جنات کے ایمان لانے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور سورہ کے اخیر میں اس وقت آپ ﷺ جن حالات سے دوچار تھے، ان کے پس منظر میں صبر کی تلقین کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ گذشتہ عالی مقام پیغمبروں کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ
اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ
يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ حٰمٓ (حا، میم)، ﴿۱﴾ یہ اللہ کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے، جو غالب اور بڑے حکیم و دانا ہیں، ﴿۲﴾ ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو حکمت و مصلحت کے ساتھ اور ایک مقررہ وقت تک کے لئے پیدا کیا ہے، اور ایمان نہ لانے والوں کو جس بات کی نصیحت کی جاتی ہے، وہ اس سے منھ پھیر لیتے ہیں، ﴿۳﴾ آپ کہہ دیجئے: بتاؤ تو سہی کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو مجھ کو دکھاؤ کہ انھوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا کیا آسمان میں ان کی کچھ ساجھے داری ہے؟ اگر تم سچے ہو تو میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی (آسمانی) کتاب یا علم و دانش سے متعلق کوئی نقل ہوتی ہوئی بات لے آؤ، ﴿۱﴾ ﴿۴﴾ اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوسکتا ہے، جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے، جو قیامت تک اس کو جواب تک نہ دے سکے اور ان کو لوگوں کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو؟ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ عام طور پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر دلیلیں پیش کی گئی ہیں؛ لیکن بعض مواقع پر خود مشرکین سے دلیل طلب کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ جن چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان کے شریک ہونے پر دلیل پیش کریں، یہاں یہی لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے، دلیل یا تو انسان کی عقل ہے یا معتبر کتابوں یا شخصیتوں سے منقول کلام؛ چنانچہ پہلے فرمایا گیا کہ خدا تو وہی ہوسکتا ہے، جو چیزوں کو وجود میں لانے والا ہو، تو تم جن کو شریک ٹھہراتے ہو، بتاؤ کہ انھوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ یہ تو عقلی پہلو سے دلیل کا مطالبہ ہوا، دوسری شکل یہ ہوسکتی تھی کہ کسی آسمانی کتاب میں ان کے خدا ہونے کا ذکر آیا ہو، تو آسمانی کتابیں جیسے تورات وانجیل تو کجا، جو دوسری مذہبی کتابیں ہیں، جیسے ہندوؤں کے یہاں ویدیں اور پُران وغیرہ، ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کو واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے اور مخلوق کی عبادت کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تیسری شکل یہ تھی کہ علم و فضل والے جیسے اللہ کے پیغمبروں اور ان کے برگزیدہ متبعین نے شرک کی تعلیم دی ہو؛ لیکن ایسا بھی نہیں ہے تو پھر تم کیسے کائنات کی مختلف چیزوں کو یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی مورتیوں کو پوجتے ہو؟ —— قرآن مجید کے اس ارشاد سے دعوت کا اُسلوب معلوم ہوا کہ داعی کو کبھی اسلام کی حقانیت پر دلیلیں پیش کرنی چاہئیں اور کبھی کفر کا راستہ اختیار کرنے والوں سے ان کے کفر کی دلیل بھی طلب کرنی چاہئے۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ
كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ
وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹

اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہ (من گھڑت) معبود ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے، ۝۶ اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ انکار کرنے والے لوگ اس حق بات کے متعلق جو اُن تک پہنچ چکی ہے، کہتے ہیں: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، ۝۷ یا کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے: اگر میں نے اس کو (اللہ پر) گھڑ لیا ہو تو اللہ کے مقابلہ تم مجھے ذرا بھی کام نہ آسکو گے، ﴿۱﴾ تم قرآن کے بارے میں جو کچھ کہتے ہو، اللہ اس سے خوب واقف ہیں، میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے وہی کافی ہیں اور وہ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ۝۸ آپ فرما دیجئے: میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور خود میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ میں تو صرف اسی بات پر چلتا ہوں، جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو محض صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔ ﴿۲﴾ ۝۹

﴿۱﴾ اگر انسان پر کوئی تہمت باندھی جائے تو انسان کو سخت غصہ آتا ہے اور اگر وہ جھوٹی تہمت باندھنے والوں کو کوئی سزا دے سکتا ہو تو سزا بھی دیتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اللہ پر جھوٹ باندھے اور اللہ اس کو یوں ہی چھوڑ دیں؛ چنانچہ اس کی مثال مرزا غلام احمد قادیانی ہے کہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اس کی زبان وقلم سے ایسی بے ہودہ اور ناشائستہ باتیں نکلیں، غیر اخلاقی افعال صادر ہوئے اور اس کی پیشین گوئیوں کا جھوٹ ظاہر ہو گیا کہ اس کا جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا راز نہ رہا، اللہ نے دنیا میں بھی اس کو رسوا کر دیا اور آخرت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔

﴿۲﴾ کس قدر سامان عبرت ہے قرآن مجید کی یہ آیت کہ اللہ کے پیغمبر کہہ رہے ہیں کہ اس کے باوجود کہ میں نبی اور رسول ہوں، اللہ کا میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا، میرے دو ہی کام ہیں: اللہ کے احکام پر خود چلنا، اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچانا، اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود عجز وبندگی کا یہ اعتراف اللہ کے پیغمبروں یا ان کے سچے پیروکاروں ہی کے یہاں مل سکتا ہے، اس ارشاد میں دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، پیغمبر کو اگرچہ غیب کی بہت ساری باتیں بتائی جاتی ہیں؛ بلکہ دکھائی بھی جاتی ہیں؛ لیکن وہ بھی غیب کی تمام باتوں سے واقف نہیں ہوتے، دوسرے: کوئی انسان کتنا ہی دین دار اور نیک ہو؛ لیکن یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ جنتی ہے، ہاں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ میرا ←

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى
مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۱
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ
قَدِيْمٌ ۝١١

آپ کہہ دیجئے: اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کو نہیں مانا، اور بنی اسرائیل میں سے کوئی اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی کرتے رہ جاؤ (تو تمہارا کیا انجام ہوگا؟) یقیناً اللہ ناانصافی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے، ﴿۱﴾ ۝١٠ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ مسلمانوں کے بارے میں کہتے ہیں: ''اگر (دین اسلام) بہتر ہوتا تو یہ لوگ ہمارے مقابلہ میں اس کی طرف سبقت نہیں کرتے'' اور جب ان لوگوں کو قرآن کے ذریعہ ہدایت نصیب نہ ہوسکی تو اب وہ کہیں گے: یہ پرانا جھوٹ ہے۔ ﴿۲﴾ ۝١١

← گمان ہے کہ اللہ اس کو جنت میں جگہ دیں گے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ایک صحابی نے ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اللہ نے تمہارے ساتھ عزت واکرام کا معاملہ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کو ٹوکا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کے ساتھ انعام واکرام کا معاملہ کیا؟ صحابی نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اگر ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کن کو حاصل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اس کے بارے میں خیر ہی کی اُمید رکھتے ہیں، خدا کی قسم! مجھے اُمید ہے کہ اس کو جنت عطا کی جائے گی؛ لیکن پیغمبر ہونے کے باوجود مجھے بھی نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، (بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت: ۱۱۸۶) اس سے معلوم ہوا کہ کسی گذرنے والے مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے؛ لیکن یقین کے ساتھ یہ نہ کہنا چاہئے کہ فلاں شخص جنتی ہے، افسوس کہ آج کل جہاں بادشاہوں اور حکمرانوں کے لئے جنت مکان اور بہشت پناہ کی تعبیر اختیار کی جاتی ہے، وہیں لوگ عقیدت میں غلو کرتے ہوئے اپنے مشائخ کے بارے میں بھی ایسی باتیں کہتے اور لکھتے ہیں کہ گویا ان کے لئے جنت طے کردی گئی ہے؛ اس لئے ایسی باتوں کو کہنے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہئے۔

﴿۱﴾ یعنی: اے مکہ والو! ہم اور تم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اگر تم نے کچھ اس قرابت مندی اور رشتہ داری کا احترام نہ کیا اور ایمان نہ لائے اور آئندہ بنو اسرائیل میں سے کوئی ایمان لے آئے تو اللہ تم سے کس قدر ناراض ہوں گے کہ تم کو ہمارا اولین مخاطب بنایا گیا؛ لیکن تم نے نہ اس شرف واعزاز کا خیال کیا اور نہ رشتہ وقرابت کا، اور دوسرے لوگ ایمان لے آئے، یہاں بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے اسلام لانے کا تذکرہ ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل علم کے نزدیک ان سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۸۹) یہ آیت اگرچہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ لیکن اس سے مراد مستقبل میں بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کا اسلام قبول کرنا ہے۔

﴿۲﴾ ہر زمانہ میں جن لوگوں کو سماج پر اقتدار اور غلبہ حاصل رہا ہے، ان کو یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ ہمارے نوکر چاکر، خادم مزدور ←

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ
وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ
اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ
ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (لوگوں کے لئے) رہنما اور باعث رحمت تھی اور یہ کتاب عربی زبان میں (موسیٰ ہی کی کتاب کی) تصدیق کرنے والی ہے؛ تاکہ ان لوگوں کو خبردار کردے جو ظلم کررہے ہیں اور اچھے عمل کرنے والوں کو خوشخبری سنائے، ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے کہا: ''ہمارے پروردگار اللہ ہیں'' پھر اسی پر جم گئے تو نہ ان کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ﴿۱۳﴾ یہی جنتی لوگ ہیں جو اپنے نیک اعمال کے بدلہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، ﴿۲﴾ ﴿۱۴﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا ہے اور تکلیف ہی کے ساتھ اس کو پیدا کیا ہے، اس کو پیٹ میں رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو دُعا کرتا ہے: ''اے میرے پروردگار! مجھے اس بات کی توفیق دیجئے کہ جو نعمتیں آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا کروں اور ایسے نیک عمل کرتا رہوں، جن سے آپ راضی ہوں اور میرے لئے میری اولاد کو بھی صالح بنادیجئے، میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں''۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۵﴾

← اور سماج کے کمزور طبقہ کے لئے ذلت اور پستی ہی مقدر ہے، اس لئے جب اہل مکہ نے دیکھا کہ ان کے غلام اسلام قبول کررہے ہیں تو کہنے لگے: یہ بات خود اس دین کے غلط ہونے کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اگر یہ دین برحق ہوتا تو ہمیں پہلے اس کی توفیق ہوتی، وہ اس بات کو نہیں سمجھ پاتے تھے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، یہاں کسی انسان کا راحت وآرام کے ساتھ رہنا اس کے مقبول ہونے کی دلیل نہیں اور کسی شخص کا مادی اعتبار سے پیچھے رہ جانا اللہ کی بارگاہ میں اس کے محروم ہونے کی علامت نہیں۔

﴿۱﴾ یعنی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ان کے زمانے میں انسان کی رہنمائی کا ذریعہ تھی، وہی مقام اب قرآن مجید کو حاصل ہے، جس کو عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے؛ تاکہ عرب جو طویل عرصہ سے کتاب الٰہی سے محروم ہیں، وہ اس کو آسانی سے سمجھ لیں۔

﴿۲﴾ یہ بظاہر ایک مختصر سی بات ہے کہ اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جم جائے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں پورا دین شامل ہے، ←

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ
وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ
أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ
حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾

یہی لوگ ہیں جن کے بہتر کاموں کو ہم قبول کرتے ہیں اور ان کے گناہوں سے درگزر کرتے ہیں، (یہ) جنت والوں میں سے ہوں گے، یہ سچا وعدہ ہے، جو اُن سے کیا جاتا تھا، ﴿۱۶﴾ اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تُف ہے تم دونوں پر، کیا تم مجھ سے اس بات کا وعدہ کررہے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا؛ حالاں کہ مجھ سے پہلے بھی بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں؛ باوجودیکہ وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں (اور بیٹے سے کہتے ہیں:) ہائے تیری بدنصیبی! تو ایمان لے آ، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو یہ کہتا ہے: یہ تو صرف پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

← غرض کہ انسان کی کامیابی کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، ایک: ایمان، دوسرے: ایمان پر استقامت، یعنی ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالانا — اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ انسان کے لئے ایمان اسی وقت نجات کا باعث بنے گا، جب کہ آخری سانس تک اس پر قائم رہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر ثابت قدم رکھیں۔

﴿۳﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کئی احکام دیئے ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے ''وَصَّيْنَا'' کے معنی ہیں کہ ہم نے ماں باپ کے ساتھ بہ تاکید اچھے سلوک کا حکم دیا، دوسرے: ماں کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا کہ اولاد کے وجود کے آنے میں ماں بڑی مشقتوں کو انگیز کرتی اور تکلیفوں کو سہتی ہے؛ اس لئے اس کا حق باپ سے بھی بڑھا ہوا ہے، تیسرے: دُودھ پلانے اور پیٹ میں رکھنے کی مجموعی مدت ڈھائی سال ہے، اس میں چھ ماہ تو کم سے کم مدت حمل ہے اور دُودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، جیسا کہ اکثر فقہاء کی رائے ہے، اسی لئے اگر نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب اس مرد سے ثابت ہوجائے گا، چوتھے: انسان کی زندگی میں دو مرحلے آتے ہیں ایک وہ مرحلہ جب آدمی بالغ ہوجائے اور اس میں اچھی طرح عقل و شعور آجائے، دوسرا مرحلہ جب وہ ادھیڑ عمر کا ہوجائے جو چالیس سال کی عمر ہوتی ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ بوڑھاپے کی طرف قدم بڑھانے لگتا ہے تو ان مرحلوں میں اسے خاص طور پر اللہ سے اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے دُعا کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ہمیں شکر ادا کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمایئے، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اس جانب اشارہ ہے کہ جب آدمی چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو خاص طور پر توبہ و استغفار کا اہتمام کرنا چاہئے، (تفسیر ابن کثیر: ۱۲۷/۴) اس آیت کا مضمون اگرچہ عام ہے اور ہر مسلمان کے لئے یہ حکم کے درجہ میں ہے؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس آیت کے اولین مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے ابتدائے بلوغ سے لے کر اخیر تک یعنی نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی وفاداری کا حق ادا فرمایا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹۴/۱۶)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ
إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ
الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ ع ۲
وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾

یہی لوگ ہیں کہ جن پر جنات وانسان میں سے گزشتہ قوموں کی طرح (عذاب کا) وعدہ پورا ہوکر رہا، یقیناً یہ نقصان اُٹھانے والے لوگ ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۸﴾ اور لوگوں نے جیسا عمل کیا ہوگا، اسی کے مطابق ان کا درجہ ہوگا اور ایسا اس لئے ہے کہ ہر ایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾ اور جس دن ایمان نہ لانے والے دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا:) تم دنیوی زندگی میں اپنے مزے لے چکے اور اس سے فائدہ اُٹھا چکے، تو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا؛ کیوں کہ تم زمین میں ناحق تکبر اور نافرمانی کیا کرتے تھے ﴿۲۰﴾ اور آپ عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجئے، جب انھوں نے سرزمین احقاف میں اپنی قوم کو خبردار کیا ——— اور ان سے پہلے اور بعد میں بھی بہت سے ڈرانے والے گزر چکے ہیں ——— کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کہ میں تم پر بڑے دن (یعنی قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ ایک شخص جو اپنے مسلمان والدین کا نافرمان تھا اور باوجود والدین کی مخلصانہ دعوت کے وہ ایمان نہیں لایا، وہی شخص اس سے مراد ہے؛ البتہ اس شخص کا نام نہ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے نہ حدیث میں آیا ہے، بعض لوگوں نے اس کا مصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے کہ ان کے والد اور والدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت اُم رومان نے ان سے یہ بات فرمائی تھی؛ لیکن آگے جو آیت آرہی ہے، اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق قرار دینا غلط ہے؛ کیوں کہ اس شخص کے بارے میں آیت نمبر:۱۸ میں یہ بات آئی ہے کہ والدین کی بات نہ ماننے والے اس بیٹے پر پچھلی قوموں کی طرح اللہ کا عذاب نازل ہوکر رہا؛ حالاں کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ایمان کی توفیق ملی اور ان کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوا؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار والی روایت زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے، (التفسیر المنیر: ۲۶/۴۳) اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعہ کی نسبت کو ضعیف و نامعتبر قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۷/۱۵۸)

﴿۲﴾ کیوں کہ انسان کو اس کی نیکی کا پورا پورا بدلہ اور اس کے گناہ کی پوری پوری سزا دنیا میں نہیں مل سکتی، آخرت میں ملے گی۔ ←

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا
الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ
عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ
فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا
وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ
كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۳

وہ کہنے لگے: ''کیا تو ہمارے پاس اسی لئے آیا ہے کہ ہمارے معبودوں سے دُور کردے، تو اگر تو سچا ہے تو جس چیز کا ہم سے وعدہ کررہا ہے اس کو لے ہی آ'' ﴿۲۲﴾ پیغمبر نے کہا: ''(اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے، میں تو تم کو وہ پیغام پہنچائے دیتا ہوں، جس کو لے کر مجھے بھیجا گیا ہے؛ لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو'' ﴿۲۳﴾ پھر جب ان لوگوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا، نہیں نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی (عذاب) ہے، جس کے لئے تم لوگ جلدی کررہے تھے، ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے، ﴿۲۴﴾ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس کردے گی؛ چنانچہ ان کی حالت یہ ہوگئی کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۵﴾ اور ہم نے ان کو ایسے ایسے کاموں کی قدرت دی تھی، جن کی تم کو نہیں دی، اور ہم نے ان کو کان، آنکھ اور دل بھی دیئے، مگر ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے دل کچھ بھی کام نہ آئے؛ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور ان کو اسی عذاب نے گھیر لیا، جس کی وہ ہنسی اُڑایا کرتے تھے۔ ﴿۲۶﴾

← ﴿۳﴾ ''احقاف'' حقف کی جمع ہے، یہ ریت کے بَل کھاتے ہوئے ٹیلوں کو کہتے ہیں، یہ اس طویل علاقہ کا نام ہے جو مشرق ومغرب میں عمان سے یمن تک اور شمال وجنوب میں عدن سے حضر موت تک چلا گیا ہے اور جس کا رقبہ تین لاکھ مربع میل ہے، آج کل یہ علاقہ 'ربع خالی' کہلاتا ہے، جس میں نہ کہیں کوئی درخت اور گھاس ہے نہ کوئی انسان آبادی اور نہ جانوروں کی نقل وحرکت، اس بڑے صحرا میں جابجا ریت کے ایسے دلدل پائے جاتے ہیں، جن میں کوئی بھی چیز گرے تو چند لمحات میں اندر چلی جاتی ہے، ریگستانوں میں سفر کے ماہر بدّو اور دنیا کے بڑے بڑے مہم جو سیاح کو بھی یہاں جانے کی ہمت نہیں ہوتی، یہی ویران اور بے آب وگیاہ خطہ ہے جو کسی زمانے میں قوم عاد کا مسکن تھا، اس کی سرسبزی وشادابی کے دُور دُور تک چرچے تھے، جب حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو یہ شہر صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور آج یہ ویرانۂ عبرت کی شکل میں موجود ہے۔
←

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْ لَا
نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ
وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا
حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا
كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ
مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو بھی غارت کر دیا اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں ظاہر کر دی تھیں؛ تاکہ وہ کفر سے
باز آجائیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۷﴾ تو اللہ کے سوا جن کو انھوں نے نزدیکی حاصل کرنے کے لئے معبود بنالیا تھا، انھوں نے کیوں نہ
ان کی مدد کی ؛ بلکہ وہ سب تو ان سے غائب ہو گئے ، یہ محض ان کا جھوٹ تھا اور ان کی گھڑی ہوئی بات تھی ، ﴿۲۸﴾
اور اس وقت کو یاد کیجئے : جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا ، جو قرآن سننے لگے ، پھر جب
وہ پیغمبر کے پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے : خاموش رہو ، پھر جب (پڑھنا) تمام ہوا تو وہ اپنی قوم کو
خبر دینے کے لئے ان کی طرف واپس ہو گئے ، ﴿۲۹﴾ وہ کہنے لگے : "اے ہماری قوم ! ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے ،
جو موسیٰ کے بعد اُتاری گئی ہے ، جو اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا قرار دیتی ہے اور سچے دین اور سیدھے راستہ کی رہنمائی
کرتی ہے ، ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم ! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ ، اللہ تمہارے
گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھیں گے ، ﴿۳۱﴾ اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کی
بات کو نہیں مانے گا تو (سمجھ لے) کہ وہ زمین میں (بھاگ کر) خدا کو عاجز نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اللہ کے سوا اس کا
مددگار ہوگا ، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں" ۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۲﴾

← ﴿۱﴾ یعنی قوم عاد پر بادل کی گھٹا چھائی ، پہلے تو وہ بہت خوش ہوئے کہ بارش کی آمد آمد ہے ؛ لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ عذاب ہے ، جو آندھی کی شکل میں آیا ہے ۔

﴿۱﴾ اہل مکہ کی آس پاس کی بستیوں سے مراد وہ قومیں ہیں ، جو یمن ، عراق ، شام اور فلسطین وغیرہ میں آباد تھیں ، جیسے : قوم عاد ، قوم ثمود اور قوم لوط وغیرہ اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے شکار ہوئے اور ان کا نام ونشان تک مٹ گیا ۔ ←

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ
الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ
هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کیا وہ نہیں سمجھتے کہ جس خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں نہیں تھکا، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے، ہاں ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے، ﴿۳۳﴾ اور جس دن ایمان نہ لانے والے دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: ضرور، ہمارے پروردگار کی قسم! اللہ فرمائیں گے: تم جو کفر کیا کرتے تھے، اس کا عذاب چکھو۔ ﴿۳۴﴾

← ﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جیسے انسانوں کے نبی تھے، اسی طرح جنوں کی طرف بھی نبی بنا کر بھیجے گئے تھے؛ چنانچہ بارگاہ نبوی میں ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی جنوں کے وفد حاضر ہوتے اور ایمان لاتے رہے، ان ہی واقعات میں سے ایک وہ ہے، جس کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے، جب حضرت ابوطالب کی وفات ہوگئی اور آپ ﷺ کو مکہ میں جو ظاہری پناہ حاصل تھی، وہ ختم ہوگئی تو آپ نے طائف کا سفر فرمایا اور وہاں کے سرداروں کو ایمان کی دعوت دی؛ کیوں کہ حجاز میں مکہ کے بعد سب سے اہم شہر طائف ہی تھا، اگر یہاں کے لوگ ایمان لے آئیں تو ہوسکتا ہے کہ پورا عرب ایمان کی طرف متوجہ ہوجائے؛ لیکن افسوس کہ اہل طائف کا رویہ اہل مکہ سے بھی بُرا رہا، آپ صدمہ ورنج کے ساتھ طائف سے واپس ہوئے تو راستہ میں وادی نَخلہ میں اُترے، یہاں آپ نے فجر کی یا تہجد کی نماز میں قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، وہاں سے جنوں کا ایک قافلہ گذر رہا تھا، قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا تھا، قرآن کی اثر انگیزی، پھر زبان رسول اللہ ﷺ کی، ٹوٹے اور چوٹ کھائے ہوئے دل کی آواز، جنوں کا وفد متاثر ہوئے بغیر نہ رہا، وہ نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے؛ بلکہ انھوں نے اپنی قوم میں دعوتِ اسلام کا کام بھی شروع کردیا، اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۱۶) یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی دلداری اور تسلی کا انتظام تھا کہ آپ مکہ اور طائف کے سرکشوں کے ایمان نہ لانے سے متاثر نہ ہوں کہ جنوں جیسی مخلوق آپ کی دعوت پر لبیک کہہ رہی ہے — آیت نمبر: ۳۱ میں اپنی قوم کو دعوت دینے والا جِن کہہ رہا ہے کہ ایمان لے آؤ، اللہ تم کو دوزخ سے نجات دے دیں گے؛ اس لئے اس پر تو اتفاق ہے کہ ایمان انسانوں کی طرح جنوں کے لئے بھی باعث نجات ہوگا اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو ایمان سے محروم رہیں گے، وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے؛ لیکن کیا ایمان لانے والے جنات میں بھی جائیں گے، اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول تو یہ منقول ہے کہ انھیں مٹی بنادیا جائے گا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۱۷) اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے توقف اختیار فرمایا ہے، جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ انھیں ان کی نیکیوں پر انسانوں ہی کی طرح جنت ملے گی۔

(روح المعانی: ۲۶/ ۳۳، مدارک التنزیل: ۱/ ۱۱۳۱، تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۱۸)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا
يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۹ ۴

پس (اے پیغمبر!) جیسے بلند ہمت پیغمبروں نے صبر کیا تھا، آپ بھی صبر کیجئے، ﴿۱﴾ اور اِن لوگوں کے بارے میں جلدی نہ کیجئے، جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے تو (ان کو ایسا لگے گا کہ) گویا یہ (دنیا میں) ایک گھڑی ہی رہے ہیں، یہ تو پیغام کا پہنچا دینا ہے، اب وہی لوگ ہلاک کئے جائیں گے، جو نافرمانی کرنے والے ہیں۔ ﴿۳۵﴾

﴿۱﴾ کیوں کہ تمام ہی پیغمبر بلند ہمت، صابر اور ثابت قدم رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو مثال دی جارہی ہے کہ گذشتہ پیغمبروں نے صبر کے ساتھ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا تھا، آپ بھی اسی طرح کرتے رہیں۔

سُورَةُ مُحَمَّد

- سورہ نمبر : (۴۷)
- رکوع : (۴)
- آیتیں : (۳۸)
- نوعیت : مدنی

اس سورہ کی آیت : ۲ میں رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی ''محمد'' ذکر کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام سورۂ محمد ہے، قرآن مجید میں اس کے علاوہ تین اور مواقع پر آپ ﷺ کا نام آیا ہے، (آل عمران : ۱۴۴، احزاب : ۴۰، فتح : ۲۹) —— اس سورہ کی آیت نمبر : ۴ میں جہاد کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے اور جہاد سے متعلق بعض احکام کی رہنمائی فرمائی گئی ہے؛ اس لئے اس کا ایک نام 'سورۃ القتال' بھی ہے۔

اس سورہ میں بنیادی طور پر جہاد کا حکم دیا گیا ہے، جو دشمن مدینہ میں بسنے والی اس چھوٹی سی نو آباد مسلم بستی کو اُجاڑ دینا چاہتے تھے، حکم دیا گیا کہ ان سے مقابلہ کرنے میں ذرا بھی بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کی جائے، نیز جہاد میں ظاہری وسائل پر نظر نہ رکھی جائے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھا جائے، جنگ کے قیدیوں کے احکام بھی ذکر کئے گئے ہیں، مسلمانوں کی صفوں میں منافقین کا گروہ بھی چھپا ہوا تھا، جو ظاہر تو کرتا تھا اپنے آپ کو مسلمان؛ لیکن وہ اندر سے مسلمان نہیں تھا اور ایک طرف یہودیوں سے اور دوسری طرف اہل مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا، جہاد میں ان کا کیا رویہ سامنے آئے گا؟ اس کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

سورہ کے ان مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز میں اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، (طبرانی فی الاوسط، حدیث نمبر : ۱۷۴۲) —— اس سے اس سورہ کی خصوصی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ۝۱ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ
وَاَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ۝۲ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا
الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ۝۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جو لوگ ایمان نہیں لائے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا، ﴿۱﴾ ۝۱ اور جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کیا اور ان سب چیزوں پر ایمان لائے، جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہیں ـــــ اور وہی ان کے پروردگار کی طرف سے (بھیجا ہوا) سچا طریقہ ہے ـــــ تو اللہ ان سے، ان کے گناہوں کو دُور کر دیں گے اور ان کی حالت سنوار دیں گے، ﴿۲﴾ ۝۲ یہ اس وجہ سے کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے، انھوں نے جھوٹی بات کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے، انھوں نے سچے دین کی پیروی کی، جو اُن کے پروردگار کی طرف سے ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتے ہیں۔ ﴿۳﴾ ۝۳

﴿۱﴾ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، وہ بھی انسانی بھلائی کے بہت سے کام کرتے رہتے ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی اصل فطرت میں یہ بات شامل رکھی ہے کہ وہ اچھے کاموں کو پسند کرے اور ان کو انجام دے کر خوش ہو، جیسے غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کی مدد، والدین کا اور بڑوں کا احترام، چھوٹوں کے ساتھ شفقت و پیار، ہمسایوں کا خیال، لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا احترام وغیرہ، ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے یہ نیکیاں آخرت میں کام نہیں آئیں گی، دنیا ہی میں ان کو اس کا بدلہ مل جائے گا، خواہ آرام و آسائش کی شکل میں ہو، یا اس طور پر ہو کہ اس شخص کو ایمان کی توفیق میسر آجائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''أسلمت علی ما أسلفت من خیر''۔

(بخاری، کتاب الزکاۃ، باب من تصدق فی الشرک ثم أسلم، حدیث نمبر: ۱۳۶۹)

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے اس حقیقت کو پوری طرح واضح فرما دیا کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد جب تک کوئی شخص قرآن پر، رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اور آپ کی دی ہوئی تعلیمات پر ایمان نہ لائے اور شریعت محمدی کی پیروی کو ضروری نہ سمجھے، اس کو آخرت کی نجات حاصل نہیں ہو سکتی، یہ سمجھنا غلط ہے کہ خدا اور آخرت پر ایمان لانا اور اچھے عمل کرنا نجات کے لئے کافی ہے، چاہے وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا ہو اور اسی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف وہی شخص دائرۂ ایمان سے باہر نہیں ہوگا، جو پورے دین کا انکار کر جائے؛ بلکہ شریعت کے جو احکام یقینی طور پر ثابت ہوں، ان میں سے ایک بات کا انکار بھی انسان کو ایمان کے ←

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا
مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڗ ذٰلِكَ ڔ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ
وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴
سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

تو جب تمہارا مقابلہ ایمان نہ لانے والوں سے ہوجائے (یعنی وہ تمہارے مقابلہ پر آجائیں) تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو پھر مضبوطی کے ساتھ قید کرلو، اب اس کے بعد یا تو احسان کرو (یعنی بلا معاوضہ چھوڑ دو) یا معاوضہ لے کر رہا کردو، جب تک لڑنے والے ہتھیار نہ ڈال دیں، یہ حکم بجالاؤ، اگر اللہ چاہتے تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتے؛ لیکن (چاہتے ہیں) کہ تم کو ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائیں اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں مارے گئے، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کریں گے، ۝۴ اللہ ان کو مقصود تک پہنچائیں گے اور ان کی حالت سنوار دیں گے، ۝۵ اور ان کو اسی جنت میں داخل کریں گے، جس سے اللہ ان کو واقف کرا چکے ہیں۔ ﴿۱﴾ ۝۶

← دائرہ سے باہر کردے گا، مثلاً ایک شخص سارے احکام کو مانتا ہو؛ لیکن زکوٰۃ کو فرض اور سود کو حرام نہ سمجھتا ہو تو وہ شخص مسلمان باقی نہیں رہے گا۔

﴿۳﴾ غرض کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں جو دین معتبر ہے، وہ صرف اسلام ہے، جس کی مکمل، آخری اور ملاوٹ سے محفوظ شکل رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانیت تک پہنچ چکی ہے، اس کے علاوہ دنیا میں جو مذاہب ہیں، وہ معتبر بھی نہیں ہیں اور انسانی ملاوٹوں کے شامل ہوجانے کی وجہ سے جھوٹ سے محفوظ بھی نہیں ہیں؛ اس لئے جو لوگ وحدت ادیان کی باتیں کرتے ہیں کہ راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہے، ان کا خیال درست نہیں ہے۔

﴿۱﴾ قرآن مجید کی یہ آیات کب نازل ہوئیں؟ اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ یہ ہجرت کے فوراً بعد غزوۂ بدر سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اس سے پہلے جہاد کے فرض ہونے کا حکم آچکا تھا اور صورتِ حال واضح کر رہی تھی کہ مسلمانوں کا سکون وعافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہنا اہل مکہ کو گوارہ نہیں اور وہ مسلمانوں پر ہلّہ بولنے کی کوشش کریں گے؛ اس لئے ان آیات میں قانون جنگ کو واضح کیا گیا کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو جنگ کے دوران تمہارا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ اور جو لوگ قید ہوئے ہیں، ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا طرز عمل اپنانا چاہئے؟ دوسری بات وہ ہے جو مشہور مفسر امام قتادہ سے منقول ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی ہے، عین اس وقت جب بہت سے مسلمان زخموں سے چور تھے، مکہ کے مشرکین، ہُبل نامی بُت کی بڑائی کا نعرہ لگا رہے تھے اور مسلمان اللہ کی کبریائی کا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۳۰) اس پس منظر میں اس آیت کا مقصد صحابہ کو متوجہ کرنا ہوگا کہ تم نے ←

← غزوۂ بدر میں بجائے اس کے کہ پوری طرح دشمنوں کی کمر توڑ دیتے، ان کی بڑی تعداد کو قیدی بنایا اور پھر رہا کر دیا، ان ہی قیدیوں میں سے بہت سے لوگوں نے مکہ پہنچ کر نفرت اور دشمنی کی آگ سلگائی اور اِس وقت تمہیں کے نتیجہ میں بڑا جانی نقصان پہنچا؛ اس لئے جو دشمن تم سے آمادۂ جنگ ہوں، ان کے ساتھ تمہارا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ پہلے اچھی طرح ان کی طاقت کو توڑ دو، پھر اس کے بعد فوجیوں کو قیدی بنالو اور مصلحت کے اعتبار سے ان کے ساتھ معاملہ کرو۔

قیدیوں کے سلسلہ میں اسلام نے بنیادی طور پر پانچ باتوں کی گنجائش رکھی ہے، یہاں ان میں سے دو کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان میں پہلی صورت احسان وحسن سلوک کی ذکر کی گئی ہے؛ چنانچہ مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو فدیہ دیئے بغیر رہا فرما دیا، جیسے خود غزوۂ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا تھا کہ اگر مُطعِم بن عدِی زندہ ہوتے اور ان قیدیوں کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتے تو میں اِن کو چھوڑ دیتا، (بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۳۷۹۹) صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے ۸۰ مشرکین رات کے آخری حصہ میں تَنعیم کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور سب کے سب گرفتار کر لئے گئے، آپ نے موقع کی نزاکت اور مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے ان سب کو رہا فرما دیا، (مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۴۷۸۲) قبیلۂ بنو ہوازن کا واقعہ معروف ہے؛ حالاں کہ انھیں غلام و باندی بنالیا گیا تھا اور صحابہ میں تقسیم کر دیا گیا تھا؛ لیکن جب بنو ہوازن کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے قیدیوں کے رہائی کی درخواست کی تو آپ کی خواہش پر یہ سارے قیدی آزاد کر دیئے گئے، جن کی تعداد چھ ہزار بتائی گئی ہے، (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۵۲) ان کے علاوہ بھی مختلف جنگوں میں انفرادی طور پر بعض قیدیوں کو آپ نے ان کے خصوصی حالات کی بنیاد پر بلا معاوضہ رہا فرمایا ہے۔

قیدیوں کے ساتھ روا رکھی جانے والے دوسرے جس عمل کا اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے، وہ ہے فدیہ لے کر رہا کر دینا، جیسا کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ نے معاملہ فرمایا، یہ فدیہ مال کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے، حضور ﷺ نے اس موقع پر قیدیوں کی معاشی حالت کے اعتبار سے ایک ہزار درہم سے لے کر چار ہزار درہم تک فدیہ مقرر فرمایا، (الدر المنثور: ۴/ ۱۰۹) اور فدیہ عمل اور محنت کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے؛ چنانچہ بدر کے قیدیوں میں جن لوگوں کو لکھنا اور لکھی ہوئی چیزوں کو پڑھنا آتا تھا، آپ ﷺ نے ان کا فدیہ یہی مقرر فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۲/ ۲۲) البتہ حضور ﷺ کے اس عمل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر پیسوں کے بجائے محنت کو فدیہ بنایا جائے تو اس کو متعین اور محدود ہونا چاہئے نہ کہ غیر محدود، جیسا کہ یورپ کی استعماری طاقتوں نے ایشیائی و افریقی ملکوں کے ساتھ سلوک کیا کہ ان سے غیر متعین مدت کے لئے بیگار لینا شروع کر دیا اور ان پر بڑے مظالم ڈھائے گئے، پھر اس بات کی بھی ہدایت کی گئی کہ جب تک قیدیوں کو قید میں رکھا جائے، ان کو بنیادی ضرورتوں سے محروم نہ کیا جائے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کو لوگوں پر تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرو؛ چنانچہ صحابہ اپنے سے بہتر کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور جب ان قیدیوں کو رہا کرنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ان کو نئے جوڑے پہنا کر رُخصت کیا۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۶۴۴)

تیسری صورت قیدیوں کے تبادلہ کی ہے کہ اگر کچھ مسلمان دشمنوں کے پاس قید ہیں تو ان قیدیوں کو دے کر ان کو حاصل کر لیا جائے؛ چنانچہ بنو عُقَیل کے ایک شخص مسلمانوں کے پاس گرفتار ہو کر آئے، یہ بنو ثقیف کے حریف تھے، جو طائف میں آباد تھے، آپ ﷺ نے ان کو طائف بھیج کر دو مسلمانوں کو رہا کرا لیا، جو اہل طائف کی قید میں تھے۔ (مسلم عن عمران بن حصین، حدیث نمبر: ۱۶۴۱) ←

← چوتھی صورت یہ ہے کہ ان قیدیوں کو غلام اور باندی بنالیا جائے اور وہ سماج کا ایک حصہ بن جائیں، غلام اور باندی بنانے کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کی اجازت ہو اور جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جائے، جیسا کہ اہل مغرب کی تاریخ رہی ہے کہ وہ غلاموں کو آپس میں لڑاتے اور ان کے قتل کا تماشہ دیکھتے، درندے جانوروں سے ان کا مقابلہ کراتے اور اس درندگی پر تالیاں بجاتے، ان کو تیروں کا نشانہ بنایا جاتا، ان پر ہتھیاروں کی آزمائش کی جاتی، ان کو بے لباس رکھا جاتا، معمولی غلطی پر دردناک سزائیں دی جاتیں اور بھوکا رکھا جاتا؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمہارے بھائی ہیں، (بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۰۵۰) غلاموں اور باندیوں کو تقریباً وہی حقوق دیئے گئے جو آزاد لوگوں کو حاصل ہیں، غلاموں کو آزاد کرنے کی فضیلت بیان کی گئی؛ اس لئے صحابہ نے بڑی تعداد میں غلاموں کو آزاد کیا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی دور میں غلام اور آزاد کردہ غلام اپنے وقت کے بڑے علماء شمار کئے گئے، انھیں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز کیا گیا، نیز رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ایسی فضیلت بیان کی اور مختلف گناہوں کے لئے غلام کی آزادی کو کفارہ بنایا کہ غلامی کا جو رواج نامعلوم تاریخ سے دنیا کی تمام قوموں میں موجود تھا، آپ کی تعلیمات کی برکت سے آہستہ آہستہ مکمل طور پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

پانچویں صورت قیدی کو قتل کردینے کی ہے، یہ جنگ کے عمومی طریقہ کے خلاف ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک جنگ جاری رہے، دشمن کو قتل کرنا چاہئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جنگ ختم ہوجائے تو اب اصل طریقہ یہ نہیں ہے کہ قیدی کو قتل کیا جائے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے ایک قیدی ان کے حوالہ کیا کہ وہ اسے قتل کردیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کیا اور فرمایا: جب کسی کو قید کرلیا جائے تو پھر اسے قتل کرنا درست نہیں، (تفسیر طبری: ۱۳/ ۵۵) لیکن خصوصی حالات میں جنگی مصلحت کے پیش نظر قیدیوں کو قتل کرنے کی بھی گنجائش ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر کے قیدی میں سے عُقبہ بن ابی مُعیط، نَضر ابن حارث اور غزوۂ اُحد میں شاعر ابو عزّہ اور فتح خیبر کے موقع سے ابن ابی حُقَیق کے قتل کا حکم جاری کیا، اسی طرح فتح مکہ کے موقع سے آپ ﷺ نے ہلال ابن خَطَل، مِقْیَس بن صُبابہ یا حبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور چند اور لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ غلافِ کعبہ سے بھی لٹک جائیں، تب بھی ان کو قتل کردو، (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۹۱) ان کے قتل کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھے اور اس لئے بھی نہیں دیا گیا تھا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے آئے تھے؛ بلکہ اس لئے کہ یہ نہایت شریر، بدعہد اور عام انسانی تقاضوں کو بھی پامال کرنے والے لوگ تھے اور انھوں نے ایسی حرکتیں کی تھیں کہ اگر ایک انسان کو کئی بار قتل کیا جانا ممکن ہوتا تو وہ واقعی اس کے مستحق تھے۔

جن لوگوں پر فتح حاصل کرلی جائے، ان کے ساتھ یہ صورت بھی اختیار کرنے کی گنجائش ہے کہ نہ ان کو غلام بنایا جائے، نہ ان سے فدیہ لیا جائے؛ بلکہ ان کو ملک کا شہری بنالیا جائے، اور جیسے مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے، ویسے ہی ان سے جزیہ لیا جائے، نیز جیسے مسلمانوں سے زرعی پیداوار میں عُشر لیا جاتا ہے ان سے خراج لیا جائے، اور ان کو سارے شہری حقوق حاصل ہوں —— زکوٰۃ وعشر کے بجائے جزیہ وخراج اس لئے لیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ وعشر ایک عبادت اور مذہبی عمل ہے اور غیر مسلموں کو اسلام نے جو مذہبی آزادی دی ہے، یہ بات اس کے مغائر ہے کہ ان کو مسلمانوں کے کسی مذہبی حکم کا پابند بنایا جائے، مگر ظاہر ہے کہ حکومت کی ضروریات کے لئے آمدنی بھی ضروری ہے؛ اس لئے ان پر ایک خصوصی ٹیکس جزیہ اور خراج کی صورت میں عائد کیا گیا۔ ←

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا
مَوْلٰى لَهُمْ ۝ ع ۵

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے قدم جما دیں گے، ﴿۱﴾ ۝ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے، اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے، ۝ یہ اس لئے کہ خدا نے جو کتاب نازل فرمائی، انھوں نے اس کو ناپسند کیا تو اللہ نے بھی ان کے اعمال کو ضائع کردیا، ﴿۲﴾ ۝ کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟ اللہ نے ان کو تباہ و برباد کردیا اور اِن ایمان نہ لانے والوں کے بھی ایسے ہی حالات ہونے والے ہیں، ۝ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کام بنانے والے ہیں اور ایمان نہ لانے والوں کا کوئی کام بنانے والا نہیں۔ ۝

← اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں جو اچھی طرح دشمن کی طاقت کو ختم کرنے اور فوجیوں کو نشانہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے، یہ عام حالات میں نہیں ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ کسی گروہ سے مسلمانوں کی جنگ ہو؛ اس لئے فرمایا گیا: ''فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' (سورۂ محمد: ۴) اور پھر یہ جنگ بھی صرف کفر کی بنیاد پر نہیں ہے؛ بلکہ شر و فساد اور ظلم وعناد کی بنیاد پر ہے؛ کیوں کہ اس آیت میں بنیادی طور پر اہل مکہ سے متوقع جنگ کی طرف اشارہ ہے، اور یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنے یہاں تک کہ ان کو بے وطن کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی — نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عین حالت جنگ میں آپ نے عورتوں پر، بچوں پر، بوڑھوں پر، غلاموں پر ہاتھ اُٹھانے سے منع فرمایا، (ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دُعاء المشرکین، حدیث نمبر: ۲٦۱٦) یہاں تک کہ صحابہ نے ان مذہبی پیشواؤں کو بھی جو مقابلہ پر نہ آئے ہوں، قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۱۷۹۳۳)

﴿۱﴾ اللہ کی مدد کرنے سے مراد ہے: اللہ کے دین کی مدد کرنا، اور دین کی مدد ہے، خود دین پر عمل کرنا، دین کی دعوت دینا اور دین کی حفاظت کے لئے جیسی قربانی مطلوب ہو، وہ پیش کرنا۔

﴿۲﴾ ناپسند کرنے کا تعلق انسان کے دل سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو صرف زبان سے مان لینا یا جبراً قہراً قبول کرلینا کافی نہیں ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ دل کی آمادگی کے ساتھ اس کو قبول کیا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ
قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ
عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ
مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ چند دنوں کے لئے مزے لوٹ رہے ہیں اور جیسے جانور کھاتے ہیں ایسے ہی کھا رہے ہیں؛ لیکن ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾ بہت سی ایسی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے آپ کی بستی والوں — جنھوں نے آپ کو جلاوطن کردیا — سے زیادہ طاقتور تھے، ہم نے ان کو ہلاک کردیا، پھر ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوا، ﴿۲﴾ ﴿۱۳﴾ بھلا وہ شخص جو اپنے پروردگار کے (مقرر کئے ہوئے) روشن طریقہ پر ہو، ان لوگوں کی طرح ہوسکتا ہے جس کو اس کے برے کام خوشنما کرکے دکھا دیئے گئے ہوں اور وہ اپنی خواہشات پر چلتے ہوں؟ ﴿۱۴﴾ اس جنت کی کیفیت جس کا اللہ سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی ایسی نہریں ہیں، جس میں بدبو نہیں ہوگی، دودھ کی ایسی نہریں ہیں، جس کے مزہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، شراب کی ایسی نہریں ہیں، جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور صاف وشفاف شہد کی نہریں بھی ہوں گی، ان کو وہاں ہر طرح کے پھل میسر ہوں گے اور ان کو اپنے پروردگار کی طرف سے بخشش حاصل ہے، (بھلا یہ لوگ) ان لوگوں کی طرح ہوسکتے ہیں، جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گا۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ غذا کی ضرورت انسانوں کی طرح جانوروں کو بھی ہے، تو اگر انسان صرف کھانے سے تعلق رکھے، کھانے دینے والے سے تعلق نہ رکھے، نعمت سے محبت رکھے اور جس نے نعمت عطا فرمائی ہے، اس سے کوئی محبت نہ رکھے تو اس میں اور جانور میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔

﴿۲﴾ یعنی جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ان میں سے زیادہ تر اہل مکہ سے کہیں طاقتور اور مالدار لوگ تھے؛ لیکن یہ طاقت ودولت اللہ کے عذاب کے مقابلہ ان کو کچھ کام نہ آئی۔

←

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ‌ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا‌ ۚ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ ﴿۱۶﴾

ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں، جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جن کو علم بخشا گیا ہے، کہتے ہیں: بھلا انھوں نے ابھی کیا کہا؟ یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلا کرتے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾

← ﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں میں سے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، اول پانی کی نہریں؛ لیکن یہ پانی عام پانی کی طرح نہیں ہوگا، جو ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بدبودار ہوجاتا ہے اور اس میں سڑن پیدا ہوجاتی ہے؛ بلکہ ہمیشہ صاف وشفاف رہے گا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ نہریں مشک کے پہاڑ سے رواں ہوں گی: ''نهار الجنة تفجر من جبل المسک'' (کنز العمال: ۱۴/۲۱۷، حدیث نمبر: ۳۹۷۷۲) دوسرے: دودھ کی نہریں، اور وہ بھی ایسی کہ جن وقت گذرنے کی وجہ سے باسی پن پیدا نہ ہوگا نہ اس کے مزے میں تبدیلی ہوگی، آپ ﷺ سے مروی ہے کہ یہ جانوروں کے تھن سے نکلنے والا دُودھ نہ ہوگا: ''لم یخرج من ضروع الماشیة'' (کنز العمال: ۱۴/ ۲۴۷، حدیث نمبر: ۳۹۷۸۱) تیسرے: شراب کی نہریں، اور شراب بھی ایسی کہ پینے والوں کے لئے سراپا لذت، نہ بدبو ہوگی نہ کڑواہٹ، نہ اس کی وجہ سے آدمی بدمست ہوگا، (صافات: ۴۷) اور نہ اس کو پی کر سر میں درد اور چکر کی شکایت ہوگی، (واقعہ: ۱۹) دیکھنے میں بھی بالکل سفید اور صاف شفاف ہوگی، (صافات: ۴۶) چوتھی نہر شہد کی ہوگی اور شہد بھی ایسا جو انتہائی صاف وشفاف، نہ بدبو نہ میل کچیل، نہ مکھیوں کے جسم کے ٹوٹے ہوئے اجزاء، نہ اس کے موم کے ٹکڑے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شہد مکھیوں کے پیٹ سے نکلا ہوا نہ ہوگا: ''لم یخرج من بطون النحل'' (کنز العمال: ۱۴/ ۲۴۷، حدیث نمبر: ۳۹۷۸۱) یہ تو مشروبات ہوئے اور کھانے کی بات یہ ہے کہ ہر طرح کا پھل میسر ہوگا، مختلف رنگوں کے، مختلف ذائقوں کے، موسم کی بھی قید نہ ہوگی، ہر زمانہ میں ہر پھل دستیاب ہوگا —— اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ کھانے میں پھل اجناس اور گوشت سے زیادہ بہتر ہیں، جو براہ راست قدرت کے ہاتھوں پیدا ہوتے ہیں اور ان پھلوں میں تر اور خشک دونوں میوے شامل ہیں، اگرچہ جنت میں انسان کی خواہش کے مطابق تمام غذائیں انسان کو ملیں گی؛ لیکن انسان کو وہاں بھوک نہیں لگے گی، اس لئے یہ غذائیں ضرورت پوری کرنے کے لئے نہیں دی جائیں گی، لذت اور ذائقہ کے لئے دی جائیں گی، لذت اور ذائقہ کے اعتبار سے پھل دوسری غذاؤں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور خاص کر میٹھا پھل، غالباً اسی لئے قرآن مجید میں اہل جنت کے لئے پھلوں کا اور میٹھے پھلوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو مسلمانوں کے ساتھ ان کی صفوں میں گھسے ہوئے منافقین بھی ہوتے تھے، آپ کے خطبہ میں نفاق کا طریقہ اختیار کرنے والوں کی مذمت بھی آجایا کرتی تھی، تو جب منافقین مجلس سے باہر آتے تو صحابہ میں سے اصحابِ علم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مذاق اُڑانے کے طور پر دریافت کرتے کہ محمد (ﷺ) نے ←

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ
تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ
وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ ع
فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ
الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿٢٠﴾

اور جو لوگ ہدایت پر ہیں، اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت سے نوازتے ہیں اور ان کو پرہیزگاری کی توفیق سے نوازتے ہیں، ﴿۱۷﴾ تو کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آجائے؟ اس کی نشانیاں تو آ ہی چکی ہیں، پھر جب خود قیامت ان پر آپہنچے گی تو اس وقت انھیں نصیحت قبول کرنا کیا کام آئے گا؟ ﴿۱﴾ ﴿۱۸﴾ پس (اے پیغمبر!) آپ یقین رکھئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اپنی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی غلطیوں کی معافی مانگتے رہیے اور اللہ آپ کے چلنے پھرنے اور رہنے کی جگہ کی خبر رکھتے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾ اور ایمان والے کہتے ہیں کہ (جہاد کے حکم کے بارے میں) کوئی سورہ کیوں نہیں اُتاردی جاتی؟ پھر جب کوئی واضح سورہ اُتاردی جائے گی اور اس میں جہاد کا ذکر ہوگا تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس طرح آپ کی طرف تکتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہوگئی ہو تو ان کے لئے خرابی ہے! ﴿۳﴾ ﴿۲۰﴾

← ابھی کیا کہا؟ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ آپ کی بات کوئی ایسی بات نہیں ہوتی کہ اس پر دھیان دیا جائے؛ اس لئے میں نے بے توجہی سے ان کی بات سنی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۳۸) ان کی اسی حرکت کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿۱﴾ قیامت کی نشانیوں سے مراد ہیں: آخری نبی یعنی رسول اللہ ﷺ کا تشریف لانا، اور اُن اخلاقی برائیوں کا ظاہر ہونا، جن کو قیامت کی نشانیوں میں سے قرار دیا گیا ہے، احادیث میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے اور محدثین نے ''کتاب الاشراط'' کے تحت ان کو نقل کیا ہے۔

﴿۲﴾ ''ذنب'' کا لفظ ہر طرح کی غلطی کے لئے بولا جاتا ہے، چاہے وہ گناہ کے درجہ کی ہو یا معمولی لغزش اور بھول چوک ہو، اس آیت میں اسی عام معنی میں فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی اور مسلمانوں کی غلطیوں کی معافی مانگا کیجئے، انبیاء سے ایسی غلطی نہیں ہوسکتی، جو گناہ کے درجہ کی ہو؛ البتہ بھول چوک ہوسکتی ہے، یہاں آپ ﷺ کے حق میں بھول چوک مراد ہے اور اُمت کے حق میں ہر طرح کے بڑے چھوٹے گناہ۔

﴿۳﴾ ''جن کے دلوں میں بیماری ہے'' سے مراد منافقین ہیں کہ جہاد کے حکم سے مسلمانوں کو خوشی ہوتی تھی اور منافقین کو یہ حکم ←

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ
عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ
اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ
سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ
بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

فرمانبرداری اور اچھی بات ہی ان کے حق میں بہتر ہے، ﴿۱﴾ پھر جب جہاد کا حکم پختہ ہوگیا تو اب اگر یہ لوگ اللہ کے ساتھ سچے رہیں تو ان ہی کے حق میں بہتر ہوگا، ﴿۲۱﴾ تو کچھ بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے، ﴿۲﴾ تو زمین میں فساد کرنے لگو اور رشتوں ناطوں کو کاٹ ڈالو، ﴿۲۲﴾ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ نے ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا ہے، ﴿۲۳﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟ ﴿۲۴﴾ بے شک جن لوگوں نے ہدایت کے واضح ہوجانے کے باوجود پیٹھ پھیر لیا ہے، شیطان ہی نے ان کو یہ بات سُجھائی ہے اور انھیں جھوٹی اُمیدیں دلائی ہیں (کہ اگر تم جہاد میں گئے تو مارے جاؤ گے، نہیں گئے تو زیادہ دنوں تک زندہ رہو گے) ﴿۲۵﴾ یہ اس لئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں، ان لوگوں نے ان سے کہا کہ ہم بعض باتوں میں تمہارا کہا مان لیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشورہ کرنے سے بھی واقف ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۶﴾

← بہت ہی ناگوار ہوتا تھا؛ کیوں کہ مسلمانوں کو شہادت پر آخرت کے اجر کا یقین تھا اور یہ اس یقین سے محروم تھے۔

﴿۱﴾ عربی زبان میں بہت سی جگہ بعض الفاظ ذکر نہیں کئے جاتے اور آگے پیچھے کی گفتگو سے ان کی مراد متعین کی جاتی ہے، یہاں پر بھی یہی صورت ہے؛ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''تقدیرہ خیر لھم''۔ (مفاتیح الغیب: ۲۸۱/۲۷)

﴿۲﴾ ''تولیتم'' کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تم کو حکومت حاصل ہوجائے، اسی کے مطابق یہاں ترجمہ کیا گیا ہے، اُردو ترجمہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ وغیرہ نے یہی ترجمہ کیا ہے، ''تولیتم'' کے دوسرے معنی کنارے ہوجاؤ اور منھ پھیر لو وغیرہ کے بھی ہوسکتے ہیں، اُردو ترجمہ کرنے والوں میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ نے اس دوسرے معنی کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے اور دونوں ہی معنی کی گنجائش ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۴۸/۱۶)

﴿۳﴾ ان آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے اور احکام کو ناپسند کرنے والوں سے مراد مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود ہیں، مطلب یہ ہے کہ منافقین مشرکین مکہ اور یہودیوں سے کہتے ہیں کہ محمد ﷺ پر کوئی کلام وغیرہ نازل نہیں ہوا ہے؛ اس لئے ہم تمہارے مشوروں کو مانیں گے اور کچھ باتوں میں تمہاری اطاعت کریں گے، جیسے: رسول اللہ ﷺ سے عداوت، آپ کے احکام کی مخالفت، جہاد میں ←

فَكَيۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ
اَسۡخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۲۸﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ع ۳ ۹ ۷
اَنۡ لَّنۡ يُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ؕ
وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اَعۡمَالَكُمۡ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ
الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ ۙ وَنَبۡلُوَا۟ اَخۡبَارَكُمۡ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ
سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡهُدٰى ۙ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡــًٔا ؕ
وَسَيُحۡبِطُ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۳۲﴾

پھر جب فرشتے ان کے منھ اور پیٹھ پر مارتے ہوئے ان کی جان نکالیں گے، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ ﴿۲۷﴾ یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور جس میں اللہ کی خوشنودی ہے، اس کو انھوں نے پسند نہیں کیا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے، ﴿۲۸﴾ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ (سینوں میں چھپے ہوئے) ان کے کینے ظاہر نہیں کریں گے؟ ﴿۲۹﴾ اگر ہم چاہیں تو آپ کو ان لوگوں کو دکھادیں، تو آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیں اور (بلکہ) آپ تو ان کو ان کے اندازِ گفتگو ہی سے پہچان لیں گے اور اللہ تم سبھوں کے اعمال سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۳۰﴾ اور ہم تم لوگوں کو ضرور آزمائیں گے: تاکہ تم میں سے جو لوگ جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، ان کو ہم دیکھ لیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں، ﴿۳۱﴾ بے شک جو لوگ ایمان نہیں لائے، انھوں نے اللہ کے راستے سے روکا اور اس کے باوجود کہ ان پر ہدایت کا راستہ واضح ہو چکا تھا، انھوں نے پیغمبر کی مخالفت کی، وہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور اللہ ان کے سب کئے کرائے کو غارت کردیں گے۔ ﴿۳۲﴾

← شریک نہ ہونا وغیرہ، منھ پر مارنے میں ایک تو ذلیل کرنے کا پہلو ہے، دوسرے: چہرے پر جو اعضاء ہیں، وہ زیادہ نازک ہیں: اس لئے اس میں مارنے کی تکلیف بھی زیادہ ہوگی، پیٹھ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جسم کے دوسرے حصوں کے مقابلہ پیٹھ پر چوٹ کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اگرچہ منافقین کے چھپائے ہوئے کفر پر پردہ ڈال رکھا ہے؛ لیکن قیامت میں یہ ساری چیزیں ظاہر ہوجائیں گی اور اللہ چاہیں تو دنیا ہی میں آپ کو ان کی پہچان کرادیں، پھر فرمایا گیا کہ اگرچہ تمام منافقین کے بارے میں آپ کو صراحتاً نہیں بتایا گیا ہے؛ لیکن اللہ نے آپ کو ایسی ایمانی فراست عطا فرمائی ہے کہ آپ ان کی بات چیت اور چال ڈھال سے ہی ان کے نفاق کا پتہ لگالیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۳۳ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۳۴ فَلَا تَهِنُوْا
وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۳۵ اِنَّمَا
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ
اَمْوَالَكُمْ ۳۶ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۳۷

اے مسلمانو! اللہ کی اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عمل کو ضائع نہ کرو، ﴿۱﴾ ۳۳ یقیناً جو لوگ ایمان نہیں لائے اور انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا، پھر وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو اللہ ہرگز ان کو معاف نہیں کریں گے؛ ۳۴ لہٰذا تم لوگ ہمت نہ ہارو اور (کمزوری کے ساتھ) صلح کی طرف مت بلاؤ، تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہیں، اللہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہیں کریں گے، ﴿۲﴾ ۳۵ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل تماشہ ہے، اگر تم ایمان رکھو اور پرہیزگار بنے رہو تو اللہ تم کو تمہارا اجر عطا فرمائیں گے اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کریں گے، ۳۶ اگر اللہ تم لوگوں سے مال طلب کریں پھر تم سے زیادہ سے زیادہ کا مطالبہ فرمائیں تو تم بخل کرنے لگو گے اور یہ بخل تمہاری اندرونی ناگواری کو ظاہر کردے گا۔ ﴿۳﴾ ۳۷

﴿۱﴾ عمل کو ضائع کرنے والی باتیں مختلف ہیں، جیسے گناہوں کا ارتکاب کہ اس سے نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں، ریا اور دکھاوا، احسان جتانا، یہاں تک کہ بعض منافقین وہ تھے، جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے اور رسول اللہ ﷺ پر احسان جتاتے کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے، غرض کہ اس آیت میں عمل کے ضائع کرنے سے عمل کا اجر وثواب ضائع کرنا مراد ہے، فقہاء حنفیہ و مالکیہ نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ جب کوئی نفل عبادت شروع کرلی جائے تو پھر اب اس کو پورا کرنا واجب ہے، شروع کرنے کے بعد توڑ دینا جائز نہیں اور توڑ دے تو قضاء واجب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نفل اعمال شروع کرنے کے بعد بھی واجب نہیں ہوتے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۵۵، البحر الرائق: ۱/ ۲۶۲)

﴿۲﴾ یعنی دشمنوں کی تعداد کی کثرت اور جنگی وسائل کی بہتات سے خوف نہ کھاؤ، تمہاری کامیابی اللہ کی مدد سے ہے نہ کہ مادی وسائل سے، اور صلح کرنا تو اچھی بات ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے دشمن صلح کرنے پر آجائیں تو تم بھی صلح کرلو، (انفال: ۶۱) لیکن کم ہمتی کی وجہ سے دب کر صلح نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھو۔

﴿۳﴾ عام طور پر مفسرین نے اس کا یہی مطلب بتایا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۵۷) حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''یخرج'' (ظاہر کردے گا) کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری کو ظاہر کردے گا۔

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا
یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الۡغَنِیُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَكُمۡ
ثُمَّ لَا یَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ ﴿۳۸﴾ ع ۴ / ۸

ہاں، تم ایسے لوگ ہو کہ تمھیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے، وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے (یعنی اسی پر بخل کرنے کا وبال ہوگا) اور اللہ تو کسی کے محتاج نہیں ہیں، تم محتاج ہو، اگر تم سرکشی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو پیدا کردیں گے، پھر وہ تمھاری طرح نہیں ہوگی۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۸﴾

﴿۱﴾ یعنی وہ تم سے زیادہ اللہ کی فرمانبردار، اسلام کے لئے جدو جہد کرنے والی اور شریعت پر ثابت قدم قوم ہوگی، بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ران پر مارتے ہوئے فرمایا: یہ اور اس کے ساتھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، اگر ایمان ثریا پر چلا جائے، تب بھی فارس کے کچھ لوگ اسے پالیں گے، (کنز العمال: ۱۱/ ۱۰۶۸، حدیث نمبر: ۳۴۳۴۲) چنانچہ عہد صحابہ کے بعد مختلف میدانوں میں اسلام کی عظیم الشان خدمت کا سہرا اہل ایران ہی کے سر رہا، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسے فقیہ، امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدث، حسن بصری رحمہ اللہ جیسے تصوف و احسان کے امام اور نہ معلوم علم و عمل کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب اسی سرزمین سے اُٹھے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے صرف اہل ایران ہی مراد ہیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُمت محمدیہ ﷺ کبھی بانجھ نہیں ہوگی؛ بلکہ ہر دور میں ایک تازہ دم قوم اسلام کا جھنڈا لے کر آگے بڑھتی رہے گی۔

سُورَۃ الفَتح

- سورہ نمبر : (۴۸)
- رکوع : (۴)
- آیتیں : (۲۹)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ہی فتح مبین یعنی کھلی ہوئی واضح فتح کی خوشخبری سے ہوئی؛ اسی لئے اس کا نام فتح ہے، ہجرت کے چھٹے سال آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا ہے، نبی کا خواب بھی حکم الٰہی کے درجہ میں ہوتا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ سب لوگ عمرہ کے لئے روانہ ہوں؛ چنانچہ یکم ذی قعدہ ٦ ؍ ہجری میں مسافران شوق کا یہ قافلہ مکہ کی سمت روانہ ہوا، اہل مکہ کو اطلاع ہوچکی تھی، اور وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے کے روادار نہیں تھے، جب کہ آپ ﷺ جنگ سے بچنا چاہتے تھے؛ اس لئے آپ ﷺ معروف راستہ سے ہٹ کر حدیبیہ پہنچ گئے، جو بالکل حرم کی سرحد پر واقع ہے اور اہل مکہ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا کہ وہ جنگ وجدال کے لئے نہیں؛ بلکہ صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، بالآخر گفتگو شروع ہوئی اور وہ مشہور صلح طے پاگئی، جس کو سیرت کی کتابوں میں 'صلح حدیبیہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس میں بعض ایسی شرطیں تھیں جو بہ ظاہر مسلمانوں کی شکست پر مبنی محسوس ہوتی تھیں؛ اس لئے اگرچہ صحابہ ان شرطوں کو حکم نبوی کی تعمیل میں قبول کرلیا؛ لیکن وہ اس سے بہت رنجیدہ اور افسردہ تھے؛ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے مدینہ واپس ہوتے ہوئے یہ پوری سورہ نازل ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی کہ اس ظاہری شکست کے اندر ایک عظیم فتح چھپی ہوئی ہے اور وہ ہے فتح مکہ جو ۸ ؍ ہجری میں ہوئی، اس سورہ میں واقعہ حدیبیہ ہی کے تحت ایک تو ان صحابہ کی تعریف کی گئی ہے جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے، دوسرے ان منافقین کی مذمت کی گئی ہے، جو مدینہ کے گردو پیش دیہاتوں میں آباد تھے اور جو بہانہ بنا کر اس سفر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

اس سورہ کے اخیر میں دو بڑی اہم باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں: ایک یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اللہ اس دین کو غالب رکھے گا (آیت:۲۸)، دوسرے: صحابہ کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ آپس میں رحم دل اور دوسروں کے مقابلہ میں سخت ہیں (آیت:۲۹)، یہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک بنیادی اُصول ہے، جس پر ان کو قیامت تک قائم رہنا چاہئے کہ :

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند ہے۔ (الدر المنثور: ۷؍۵۰۷)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۝۱ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ
نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۝۲ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ۝۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے آپ
کو کھلی ہوئی فتح عطا کی ہے ؛ ۝۱ تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی بھول چوک کو معاف کر دیں ، آپ پر اپنی نعمت پوری
فرما دیں اور آپ کو سیدھے راستہ پر چلاتے رہیں ، ۝۲ اور اللہ آپ کی بھرپور زبردست مدد فرمائیں ۔ ﴿۱﴾ ۝۳

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کو جب نبوت سے سرفراز کیا گیا ، اس وقت آپ اپنے وطن مکہ مکرمہ میں مقیم تھے ، آپ ﷺ تیرہ سال تک لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور شب و روز اسی میں لگے رہے ؛ لیکن اہل مکہ اور اہل طائف نے شدید مخالفت کی ، یہاں تک کہ نبوت کے تیرہویں سال آپ ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی ، مدینہ آنے کے بعد بھی مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو چین وسکون کے ساتھ رہنے نہیں دیا اور مدینہ پر حملہ کرتے رہے ، ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر ہوئی ، تیسرے سال غزوۂ اُحد اور پانچویں سال غزوۂ خندق ، جس میں یہودیوں کے بشمول تمام اسلام دشمن طاقتیں اکٹھا ہوگئیں ، اللہ تعالیٰ نے ان تمام سازشوں کو ناکام و نامراد کر دیا ، کئی ایسے اسباب جمع ہوگئے ، جن کی بنا پر رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ مکہ مکرمہ جانا چاہتے تھے ، ایک تو بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کا اشتیاق ، دوسرے : آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اہل مکہ سے تعلقات بہتر ہوجائیں اور باہمی آمد و رفت شروع ہوجائے ؛ تاکہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے اور پُرامن ماحول میں اسلام کی دعوت پیش کی جائے ، تیسرے : یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز خیبر شہر تھا ، غزوۂ خندق میں ایک یہودی قبیلہ بنوقریظہ کی سرکوبی کی وجہ سے اس میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے جذبات اُبل رہے تھے اور اہل مکہ کے ساتھ ان کا اس طرح کا معاہدہ ہوگیا تھا کہ اگر مسلمان مکہ کی طرف بڑھیں تو خیبر کے یہودی مدینہ پر چڑھ جائیں اور اگر انھوں نے خیبر کی طرف پیش قدمی کی تو اہل مکہ مدینہ پر حملہ کر دیں ؛ اس لئے آپ ﷺ کی مصلحت یہ تھی کہ دو دشمنوں میں سے ایک کی طرف سے اطمینان حاصل ہوجائے ؛ تا کہ دوسرے دشمن کی سرکوبی آسان ہوجائے ، (شرح سیر کبیر للسرخسی : ۱/۲۰۱)
چنانچہ آپ ﷺ نے خواب میں اپنے آپ کو عمرہ کرتے ہوئے دیکھا اور مدینہ اور قرب و جوار کے مسلمانوں میں اعلان کرا دیا کہ سب لوگ عمرے کے لئے چلیں ؛ چنانچہ آپ ﷺ صحیح تر روایت کے مطابق چودہ سو رفقاء کے ساتھ رجب ۶ ہجری میں احرام کا لباس پہن کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے ، حالتِ احرام میں جنگ تو کیا کسی شکار کو مارنا بھی جائز نہیں ؛ تا کہ اہل مکہ کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ مسلمان کسی جنگی منصوبہ کے تحت آئے ہیں ؛ لیکن اہل مکہ کو اس طرح پُرامن طریقے پر بھی مسلمانوں کا مکہ آنا گوارا نہ ہوا اور انھوں نے طے کیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دینا ہے ، مکہ کے قریب جہاں سے حرم کی حدود شروع ہوتی ہیں ، حُدَیبیہ نامی ایک مقام ہے ، یہ مقام جِد اور مکہ کے قدیم راستہ پر ہے ، اور جدہ و مکہ کے نئے راستے پر حدیبیہ ہی کے مقابل 'شمیسی' واقع ہے ، آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کے ساتھ وہیں قیام فرمایا اور اپنا نمائندہ بنا کر حضرت عثمان غنی ؓ کو اہل مکہ کے پاس بھیجا ؛ چوں کہ ←

← حضرت عثمان ﷛ بنواُمیہ میں سے تھے، اس وقت مکہ پر اسی خاندان کا اقتدار تھا اور مشرکین مکہ کے سب سے بڑے قائد ابوسفیان اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے؛ اس لئے آپ نے ازراہ مصلحت ان کو بھیجا، ان کی واپسی میں تاخیر ہوئی اور مشہور ہوگیا کہ آپ شہید کردیئے گئے، اس موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی کہ ہم عثمان (﷛) کا انتقام لے کر ہی واپس ہوں گے، بعد کو یہ خبر غلط ثابت ہوئی؛ لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اہل مکہ پر مسلمان کا رُعب بیٹھ گیا، پھر اہل مکہ کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی نمائندے آئے اور اخیر میں یہ معاہدہ طے پایا کہ دس سال تک نہ اہل مکہ مسلمانوں پر حملہ کریں گے نہ مسلمان اہل مکہ پر، دوسرے: اس سال مسلمان واپس ہوجائیں گے، آئندہ سال وہ عمرہ کے لئے آئیں گے؛ لیکن سوائے تلوار کے کوئی ہتھیار ساتھ نہ رکھیں گے، اور تین دنوں سے زیادہ مسلمانوں کو مکہ میں قیام کی اجازت نہیں ہوگی، تیسرے: اگر مکہ کا کوئی شخص بھاگ کر مدینہ جائے تو مسلمان اس کو واپس کردیں گے اور مدینہ کا کوئی شخص مرتد ہوکر مکہ آجائے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے، چوتھے: عرب کے دوسرے قبائل کو بھی حق ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے یا اہل مکہ کے حلیف بن جائے اور ان پر بھی اسی معاہدہ کا اطلاق ہوگا، یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف اور اہل مکہ کے حق میں محسوس ہوتی تھیں، خاص کر یہ بات کہ مسلمان اس سال واپس ہوجائیں، آئندہ سال آئیں اور اس وقت بھی تین دنوں سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں، اور یہ بات کہ کوئی مسلمان مدینہ جائے تو مسلمان اسے واپس کردیں، اور کوئی مسلمان مرتد ہوکر اہل مکہ کے پاس آجائے تو اسے واپس نہ کیا جائے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے سامنے دعوتِ دین کی مصلحت تھی کہ اس طرح صلح وامن کے ماحول میں اہل مکہ کو اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے گا اور اسلام کی کشش ان کے دلوں کو فتح کرلے گی؛ چنانچہ یہی ہوا، بقول ابن شہاب زہری ﷫ صلح حدیبیہ سب سے بڑی فتح تھی؛ کیوں کہ اس موقع سے چودہ سو صحابہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور صرف دو سال بعد ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع سے جب مسلمان مکہ آئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۶۸) اس صلح کے نتیجہ میں ایک طرف مسلمانوں کے لئے خیبر پر فوج کشی آسان ہوگئی اور خیبر فتح کرلیا گیا اور دوسری طرف آپ ﷺ کو عرب سے باہر علاقہ میں اسلام کی دعوت دینے کا اور خود عرب کے مختلف قبائل میں اسلام کی اشاعت کا موقع ملا۔

اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی اور اس میں صلح حدیبیہ کو کھلی ہوئی عظیم فتح قرار دیا گیا، جب حضرت عمر ﷛ اور بعض پرجوش مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کی شرطوں کی وجہ سے یہ احساس ہوا کہ گویا ان کی ہار ہوئی ہے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہی فتح ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ فتح ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۶۱) بلکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صلح ''اعظم الفتوح'' یعنی تمام فتوحات میں سب سے بڑی فتح ہے؛ (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۶۰) چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے دو واقعات ایسے ہیں، جو بظاہر شکست معلوم ہوتے ہیں؛ لیکن وہی آئندہ کی تمام کامیابیوں کے لئے بنیاد واساس ثابت ہوئے، ایک: ہجرت، دوسرے: صلح حدیبیہ۔

اللہ تعالیٰ نے اس فتح کی اطلاع دینے کے بعد آگے چار باتوں کا ذکر فرمایا ہے، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کردیا، یہاں بظاہر آپ ﷺ سے خطاب ہے؛ لیکن اصل مراد صحابہ کرام ہیں کہ حدیبیہ تک پہنچنے میں صحابہ نے جس ہمت اور جان فروشی سے کام لیا تھا، وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، گویا وہ اپنا سر ہتھیلی پر لے کر آئے تھے، نیز اتنی مشقت اُٹھا کر حدیبیہ پہنچے اور یہاں ایسی شرطوں پر صلح کرنی پڑی، جو ان کی غیرت اور جذبۂ جہاد کے خلاف تھی، پھر بھی انھوں نے صبر سے کام لیا، ←

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۴ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ
فَوْزًا عَظِيْمًا ۵ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ
ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ
وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۶

وہی خدا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا کردیا ہے؛ تاکہ ان کو پہلے سے جو ایمان حاصل ہے، اس میں مزید اضافہ ہو، اللہ ہی کے لئے آسمان وزمین کے سارے لشکر ہیں اور اللہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ ۴ تاکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ رہیں گے، نیز اللہ ان سے اُن کے گناہ دُور کردیں گے اور یہی اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے، ۵ اور تاکہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ کے ساتھ برا گمان رکھتے ہیں، عذاب دیں، ان ہی پر برا وقت آئے گا، ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور پھٹکار ہوگی، اللہ نے ان کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ۶

← یہ ایسا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اور آپ کے رفقاء کے اگلے پچھلے قصوروں کو معاف فرمادیا، دوسرے: فرمایا گیا کہ آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری فرمادی، اس سے غالباً فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہی صلح مستقبل میں فتح مکہ کا ذریعہ بنی، تیسرے: یہ بات کہ آپ ﷺ کو سیدھے راستہ پر چلاتا رہے، سے مراد یہ ہے کہ آئندہ مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی اور مسلمان اللہ کی ہدایت کے مطابق آزادی کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہیں گے، (مفاتیح الغیب: ۱۴/۳۰۶) چوتھے: اللہ کے بھرپور مدد فرمانے سے مراد یہ ہے کہ اب آئندہ تمام اسلام دشمنوں کی طاقت ٹوٹ کر رہ جائے گی، خواہ وہ اہل مکہ ہوں یا اہل طائف، یہود ہوں یا منافقین۔

﴿۱﴾ مسلمانوں کا کم تعداد میں ایک حد تک غیر مسلح اور جنگی تیاری سے خالی ہونے کے باوجود اپنے دشمنوں کی سرحد پر موجود ہونا ایسی بات تھی کہ جو اچھے سے اچھے دل گردہ والوں کو بھی لرزا کر رکھ دے؛ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو ایسا سکون عطا کیا کہ وہ نہ صرف جمے رہے؛ بلکہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کا عہد بھی کیا، غالباً اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو خوف کھانے اور گھبرانے سے محفوظ رکھا اور جب انھوں نے دیکھا کہ اس بے سروسامانی میں ان کے دشمن مرعوب ہوکر رہ گئے تو ان کے ایمان ویقین میں مزید اضافہ ہوا۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ
عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ ع ۱۰/ ۹

آسمان وزمین کے سارے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ ۝۷ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، ﴿۲﴾ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، ۝۸ تاکہ اے مسلمانو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، پیغمبر کی مدد کرو، ان کی تعظیم کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کیا کرو، ۝۹ یقیناً جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں، وہ اللہ سے بیعت کررہے ہیں، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے، پھر جو شخص عہد توڑے گا تو عہد توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا تو اللہ اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ ﴿۳﴾ ۝۱۰

﴿۱﴾ جب اہل مکہ سے صلح ہوگئی اور جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی طاقت کا سکہ بیٹھ گیا تو بعض منافقین کہنے لگے: کیا محمد ﷺ سمجھتے ہیں کہ اب ان کا دشمن باقی نہیں رہا، آخر ابھی روم وایران کی سوپر طاقتیں بھی تو موجود ہیں؟ غالباً اسی پس منظر میں فرمایا گیا کہ آسمان وزمین کی ساری طاقتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جب جس کو چاہیں غالب کردیں اور جس کو چاہیں مغلوب کردیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۶۵)

﴿۲﴾ یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کے سامنے دینِ حق کی گواہی دینے والا بنایا گیا ہے۔

﴿۳﴾ یہ اسی بیعت کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے کے بعد صحابہ سے لی تھی، اس بیعت کو 'بیعت رضوان' کہا جاتا ہے، یہ معمولی واقعہ نہیں تھا، بظاہر اگر اس وقت مسلمان اور مشرکین مکہ کے درمیان جنگ ہوتی تو تعداد اور اسباب ووسائل کے اعتبار سے شاید ایک شخص بھی مدینہ واپس نہ ہو پاتا؛ لیکن اس کے باوجود صحابہ نے پوری جرأت کے ساتھ حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آخر دم تک لڑنے کا وعدہ کیا، آپ ﷺ نے حضرت عثمان کی طرف سے خود اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر بیعت کی؛ گویا اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام بنایا اور بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے گویا موت پر یہ بیعت کی تھی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۷۶) اسی لئے اس بیعت میں شریک ہونے والے صحابہ بڑے عالی مرتبہ مسلمان شمار کئے گئے، ان کی عظمت ومقام کے اظہار کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے بیعت کی، تو ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا —— یہ جو بات فرمائی گئی کہ جن لوگوں نے بیعت کی شکل میں عہد کیا ہے، انھیں اس عہد کو پورا کرنا چاہئے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ بیعت چاہے جس قسم کی ہو، امیر کی اطاعت کی ہو یا جہاد کی، یا عمل صالح پر قائم رہنے اور گناہوں سے توبہ کرنے کی، بیعت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو پورا کرے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ
بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا
اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ
الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ
وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

اب پیچھے رہ جانے والے دیہات کے لوگ آپ سے کہیں گے : ہم کو تو ہمارے مال و اسباب اور بال بچوں نے مشغول کر دیا ، آپ ہمارے لئے دُعاءِ مغفرت فرما دیجئے ، وہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے ، آپ فرما دیجئے : اگر اللہ تم کو نقصان یا نفع پہنچانا چاہیں تو اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار رکھتا ہے ؟ بلکہ اللہ تو ان تمام کاموں سے واقف ہیں جو تم کر رہے ہو ، ﴿۱۱﴾ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے سمجھ رکھا تھا کہ رسول اور مسلمان اپنے بال بچوں کی طرف کبھی واپس نہ آسکیں گے ، یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی لگی اور تم نے برے برے خیال قائم کر لئے اور تم ہی لوگ ہلاکت و بربادی میں پڑ گئے ، ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو (یاد رکھے) کہ ہم نے ایمان نہ لانے والوں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ، ﴿۱۳﴾ اور اللہ ہی کے لئے تمام آسمان و زمین کی بادشاہت ہے ، اللہ جس کو چاہیں معاف کر دیں ، اور جس کو چاہیں سزا دیں ، اور اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں ۔ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جب عمرہ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے مدینہ کے علاوہ مدینہ کے گرد و پیش کے لوگوں کو بھی اس سفر میں ساتھ چلنے کی ہدایت دی تو دیہاتوں کے قبائل جن کے نام غِفار ، مُزینہ ، جُہینہ ، اَشجع اور دِیل وغیرہ تھے ، وہ سفر میں ساتھ نہیں ہوئے اور اپنے کام کاج میں لگے رہے ، جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو اب لگے معافی مانگنے اور بہانہ کرنے ، کہ ہم اپنے بال بچوں اور کاموں کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ نہ جاسکے ؛ اس لئے ہمیں معاف کر دیجئے ، قرآن نے یہاں اسی غلط بیانی سے پردہ اُٹھایا ہے کہ درحقیقت انھیں کوئی کام وغیرہ نہیں تھا ، یہ صرف خوف کے مارے سفر پر آمادہ نہیں ہوئے ، اور یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان تو واپس ہی نہیں آسکیں گے ، اگر ان کا یقین اللہ پر ہوتا تو وہ ایسا نہیں سوچتے ، (خلاصہ از : تفسیر قرطبی : ۱۶ / ۲۶۸ ، ۲۶۹) —— اس آیت کا مضمون صاف طور پر بتاتا ہے کہ یہ جھوٹا عذر کرنے والے مسلمان نہیں تھے ؛ بلکہ یہ منافقین تھے ، جو ہمیشہ دیوار کی بلّی بن کر رہتے تھے اور جدھر کچھ وقتی فائدہ دیکھا ، اُدھر ٹوٹ پڑتے تھے ۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ
تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ
اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا
حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

عنقریب جب تم مالِ غنیمت لینے کو چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، وہ کہیں گے: ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں، یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں، آپ فرما دیجئے: تم لوگ ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فرما دیا ہے تو اب وہ کہیں گے: بلکہ تم لوگ تو ہم سے حسد کرتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾ آپ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے: جلد ہی تم کو ایک سخت جنگجو قوم کے مقابلہ میں بلایا جائے گا کہ تم ان سے جنگ کرتے رہو گے، یا وہ فرمانبرداری قبول کر لیں، پس اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تم کو بہتر اجر عطا فرمائیں گے اور اگر تم اسی طرح منھ پھیر لو گے جیسے پہلے منھ پھیر لیا تھا تو اللہ تم کو دردناک سزا دیں گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۶﴾

﴿۱﴾ اس آیت میں غزوۂ خیبر کی طرف اشارہ ہے، رجب ۶ ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور محرم ۷ ھ میں یہودیوں کی طرف سے ہونے والی مختلف سازشوں کی وجہ سے آپ نے غزوۂ خیبر کا ارادہ فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے سفر میں ساتھ تھے، صرف ان ہی کو غزوۂ خیبر میں شرکت کی اجازت ہوگی، خیبر چوں کہ بہت ہی دولت مند علاقہ تھا؛ اس لئے جو منافقین حدیبیہ کے سفر میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ بھی خواہش مند تھے کہ انھیں غزوۂ خیبر میں شرکت کا موقع دیا جائے؛ کیوں کہ یہاں کامیابی کی کافی توقع تھی اور ڈھیر سارا مال ملنے کی بھی اُمید تھی، پھر جب ان کو اس قافلہ میں شریک نہیں کیا گیا تو وہ کہنے لگے: مسلمان ہم سے حسد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مالِ غنیمت میں ہم شریک نہ ہو جائیں، اس آیت میں اسی پر تبصرہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ نادم ہوں اور اپنے غلطی کو محسوس کریں، یہ ان کی کم فہمی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وفادار اور جانباز ساتھیوں پر تہمت ڈالتے ہیں ـــــ یہ جو بات فرمائی گئی کہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ''جو لوگ حدیبیہ کے سفر میں شریک نہیں تھے، غزوۂ خیبر میں ان کو شامل نہ کیا جائے'' غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو قرآن کے علاوہ بھی بعض احکام دیئے جاتے تھے، جس کو ''وحی غیر متلو'' کہتے ہیں اور جو حدیث نبوی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے؛ لہٰذا حدیث بھی حجت اور دلیل شرعی ہے اور اس کا انکار کرنا بھی سخت قسم کی گمراہی ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت میں گذشتہ جنگوں کے مقابلہ ایک زبردست جنگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے، جس میں دشمن زیادہ طاقتور ←

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۷ النصف ع ۱۰ ۲
لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۱۸ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۹ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ
النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲۰ وَّاُخْرٰى لَمْ
تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۱

اندھے، لنگڑے اور بیمار پر (جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو روگردانی کرے گا، اللہ اس کو دردناک عذاب دیں گے، ﴿۱﴾ ۝۱۷ مسلمان جب درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوئے اور ان کے دلوں میں جو (جذبات) ہیں، اللہ نے انھیں جان لیا، پھر ان کو اطمینانِ قلب عطا فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح کے انعام سے نوازا، ۝۱۸ اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں جن کو یہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غالب اور بڑی حکمت والے ہیں، ۝۱۹ اللہ نے تم سے 'ڈھیر سارا مالِ غنیمت جو تم حاصل کروگے' کا وعدہ فرمایا ہے تو تم کو جلد ہی یہ عطا فرمادیں گے اور تم سے لوگوں کے ہاتھ روک دیں گے؛ تاکہ یہ مسلمانوں کے لئے قدرت کا ایک نمونہ ہو اور اللہ تم کو سیدھے راستے پر چلاتے رہیں، ۝۲۰ اور ایک اور فتح بھی حاصل ہوگی، جس پر تم ابھی قادر نہیں ہو (لیکن) اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۲﴾ ۝۲۱

← اور جنگی وسائل سے مالا مال ہوگا اور یہ جنگ طویل ہوگی، یہ بالآخر مسلمان کی فتح پر ختم ہوگی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری رحمہ اللہ اور بہت سے مفسرین نے اس سے ایران وروم سے مسلمانوں کی جنگ مراد لی ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی، یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۲۷۲)

﴿۱﴾ یعنی جو شخص واقعی کسی عذر کی بنا پر جہاد میں شریک ہونے سے قاصر ہو، اس کے شریک نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لہٰذا اوپر جو حدیبیہ کے سفر میں ساتھ نہ جانے والوں کی مذمت کی گئی ہے، اس میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں، جو معذور ہیں۔

﴿۲﴾ جن لوگوں نے صلح حدیبیہ کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، ان کی خوش نصیبی اور بارگاہِ خداوندی میں مقبولیت کے کیا کہنے کہ اللہ تعالیٰ خود ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمارہے ہیں؛ اسی لئے اس بیعت کو 'بیعت رضوان' کہا جاتا ہے، یہ بیعت بیری کے ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی، بعد میں لوگ کثرت سے اس درخت کی زیارت کو جانے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ←

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ
الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ
عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ
مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ
تَطَــــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ
تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

اور اگر تم سے ایمان نہ لانے والے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر نہ ان کو کوئی دوست ملتا نہ کوئی مددگار، ﴿۲۲﴾ اللہ کا یہی دستور ہے جو پہلے سے ہوتا آیا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی رد و بدل نہیں پائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۲۳﴾ وہی خدا ہے جس نے کافروں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ کافروں سے مکہ کی سرحد پر اس کے باوجود روکے رکھا کہ اللہ نے تم کو ان پر غالب کر دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں، ﴿۲۴﴾ یہ وہی تو ہیں جنھوں نے کفر کیا، تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو جوڑ کے رہ گئے، اپنی جگہ پر پہنچنے سے روک دیا، اگر کچھ ایسے مسلمان مرد و عورت نہ ہوتے، جن کو تم جانتے بھی نہیں ہو (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم ان کو رونڈ ڈالو گے، جس کے نتیجے میں خود تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (تو اسی وقت فیصلہ کن جنگ ہو جاتی؛ لیکن اس لئے دیر کی گئی) تا کہ اللہ جس کو چاہیں اپنی رحمت میں داخل فرما لیں، اگر مسلمان وہاں سے نکل گئے ہوتے تو ان میں سے جو کفر پر جمے ہوئے ہیں ہم انھیں دردناک سزا دیتے۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۵﴾

← محسوس کیا کہ یہ بتدریج غلو اور بدعت کے پھیلنے کا ذریعہ بن جائے گا؛ اس لئے آپ نے اس کو کٹوا دیا، (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلاۃ، باب فی الصلاۃ عند قبر النبیؐ، حدیث نمبر: ۷۵۴۵) چنانچہ بیعت رضوان کا ذکر کرنے کے بعد آیت نمبر: ۱۸-۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے چار باتیں فرمائی ہیں: اول یہ کہ جلد ہی تم کو ایک بڑی فتح سے نوازا جائے گا، اس سے مراد فتح مکہ ہے، جس کا واقعہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد پیش آیا، دوسرے یہ کہ تم کو ڈھیر سارا مال غنیمت عطا کیا جائے گا، اس سے غزوۂ خیبر مراد ہے، جس سے مسلمانوں کو بڑی مقدار میں مالِ غنیمت حاصل ہوا، تیسرے یہ کہ لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے جائیں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ اب اہل مکہ کو یا یہودیوں کو تم پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوگی؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، چوتھے ایک اور فتح کی خوشخبری دی گئی اور بتادیا گیا کہ تم ابھی اس پر قادر نہیں ہو، اس سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول روم و ایران اور بعد کی فتوحات مراد ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۷۹) —— چنانچہ بہت کم عرصہ میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ایشیاء و افریقہ اور یورپ کا ایک بڑا خطہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگیا۔ ←

اِذۡ جَعَلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الۡجَاهِلِيَّةِ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى
رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ التَّقۡوٰى وَكَانُوۡۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهۡلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۲۶﴾ ع ۱۱ ۹ ۳

جس وقت ایمان نہ لانے والوں نے اپنے دلوں میں جاہلیت والی ضد بٹھالی تو اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر اطمینان نازل فرمایا اور ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ تھے ہی اس کے لائق اور اس کے اہل ، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں ۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۶﴾

← ﴿۱﴾ یعنی اگر اہل مکہ حدیبیہ میں تم سے جنگ پر تُل جاتے تب بھی انھیں شکست ہوتی اور تم ہی غالب ہوتے ؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہی یہی ہے کہ اپنے نیک بندوں کو کچھ آزمانے کے بعد پھر ان کو غلبہ اور کامیابی عطا فرماتے ہیں ۔

﴿۲﴾ گفتگو صلح حدیبیہ ہی کے سلسلہ میں چل رہی ہے کہ بظاہر حالات ایسے تھے کہ اس موقع سے تمہارے اور اہل مکہ کے درمیان جنگ ہوجاتی ؛ کیوں کہ تمہارے حوصلہ بلند تھے اور مسجد حرام کے طواف سے روک دیا گیا تھا ، یہاں تک کہ قربانی کے جانور بھی تمہارے ساتھ تھے ، ان کو بھی حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا گیا ، صورتِ حال یہ پیش آئی کہ اہل مکہ میں سے اسّی (۸۰) لوگ تنعیم کی طرف سے مسلح ہوکر رات کے آخری حصہ میں جو غفلت کا وقت ہوتا ہے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے ، اور مسلمانوں نے ان کو کسی جنگ کے بغیر گرفتار کرلیا ، اگر مسلمان ان قیدیوں کو قتل کردیتے یا قیدی بنالیتے تو یہی ایک واقعہ جنگ چھڑنے کے لئے کافی ہوجاتا ؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یہ قیدی رہا کردیئے گئے ، اس طرح جنگ کی نوبت نہیں آئی اور اس کی ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ بہت سے دبے کچلے مسلمان مکہ مکرمہ میں مقیم تھے ، جو مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر پائے تھے اور انھوں نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا ، ایسے وقت میں اگر جنگ کی نوبت آجاتی تو یہ بے قصور مسلمان بھی اس کی زد میں آجاتے ؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس وقت جنگ کو روک دیا ، اگر یہ مسلمان وہاں پھنسے ہوئے نہ ہوتے تو اہل مکہ پر اللہ کا عذاب آچکا ہوتا —— اس سے معلوم ہوا کہ اگر کہیں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ملی جلی آبادی ہو تو اگر چہ غیر مسلموں کی طرف سے زیادتی ہو اور ان پر حملہ کرنے کا جواز ہو تب بھی احتیاط اور ضرورت و مصلحت کے لحاظ سے درگذر اور تحمل سے کام لینا چاہئے ۔ (تفسیر قرطبی : ۸۶/۱۶)

﴿۱﴾ یعنی اہل مکہ کی طرف سے ایسی ضد اور ہٹ دھرمی سامنے آرہی تھی کہ اگر مسلمان صلح کے ارادے پر جمے نہ رہتے تو صلح طے نہ ہو پاتی ، مثلاً جب آپ ﷺ نے صلح نامہ میں 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' لکھانا چاہا تو وفد قریش کے نمائندہ سہیل ابن عمرو نے انکار کیا اور کہا کہ : 'باسمک اللھم' لکھا جائے اور جب معاہدہ کے ایک فریق کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کا نام محمد رسول اللہ لکھا گیا تو سہیل ابن عمرو نے کہا کہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے ، یہ باتیں ایسی اشتعال انگیز تھیں کہ صلح کا ٹوٹ جانا بالکل بعید نہیں تھا ؛ لیکن آپ ﷺ نے ان سب باتوں کو نظر انداز کرکے صلح فرمائی ، یہ صبر اس وقت اللہ ہی کی طرف سے عطا فرمایا گیا تھا ۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ
مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ
ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ
مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع ۴ ۱۲

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا اور واقعہ کے مطابق خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم ضرور امن واطمینان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے، بے خوف وخطر تم میں سے کچھ سروں کے بال منڈائیں گے اور کچھ کتروائیں گے، پس جو باتیں تم کو معلوم نہ تھیں، اللہ کو ان کا علم تھا، تو اللہ نے اس (بڑی فتح) سے پہلے ہی ایک قریبی فتح عطا فرمائی، ﴿۱﴾ ﴿۲۷﴾ وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے؛ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور اللہ کی گواہی کافی ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۸﴾ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ ایمان نہ لانے والوں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل، آپ ان کو دیکھئے کہ وہ رُکوع کررہے ہیں، سجدہ کررہے ہیں اور اللہ کے فضل وکرم اور خوشنودی کے طلب گار ہیں، ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ان کا نشان نمایاں ہے، ان کے یہی اوصاف تورات میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی، گویا ایک کھیتی ہے، جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا تو وہ موٹی ہوگئی، پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی جو کسانوں کو بھلی لگتی ہے؛ تاکہ ان کے سبب کافروں کا دل جلائے، جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ نے ان سے مغفرت کا اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ ﷺ عمرہ فرمارہے ہیں، نبی کا خواب بھی اللہ کی طرف سے ایک وحی ہے، اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے صحابہ کو عمرہ کا احرام باندھنے اور مکہ کے سفر پر چلنے کی ہدایت فرمائی، جب مسلمان صلح حدیبیہ کے بعد واپس آگئے اور مکہ میں داخل نہ ہو پائے تو بعض منافقین کہنے لگے کہ مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہوئے اور یہ خواب خواب ہی رہ جائے گا؛ چنانچہ ان آیات میں ان کے اس خیال کی تردید کی گئی، اور فرمادیا گیا کہ عنقریب تم لوگ امن اور اطمینان کے ساتھ مسجد حرام میں ←

← داخل ہوں گے ؛ چنانچہ آئندہ ہی سال ۷ ھ میں صلح حدیبیہ کے مطابق مسلمانوں نے عمرہ کیا، یہ یقیناً ایک بڑی فتح تھی اور اس سے پہلے قریبی وقت میں ایک اور فتح خیبر کی شکل میں مسلمانوں کو حاصل ہوچکی تھی ۔ (تفسیر قرطبی: ۲۹۱/۱۶)

﴿۲﴾ غلبہ سے مراد حجت اور دلیل کے اعتبار سے غلبہ ہے، مسلمان چاہے مغلوب ہوجائیں ؛ لیکن اسلام اپنی استدلالی قوت کے اعتبار سے کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا ؛ چنانچہ آج پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم و جور کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں ؛ لیکن اسلام کی استدلالی قوت اور فکری بلندی کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے زر و زمین پر قبضہ کرنے والے اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنے والے اسلام کے ہاتھوں شکست کھا جاتے ہیں ؛ چنانچہ آج یورپ اور امریکہ میں اور خود ہندوستان میں بڑی تعداد میں لوگ دامنِ اسلام میں آرہے ہیں ۔

﴿۳﴾ یہ قرآن مجید کی طویل آیتوں میں سے ایک ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعریف کی ہے اور ان سب کے لئے مغفرت اور اجر کا وعدہ فرمایا ہے، اس میں صحابہ کے پانچ بنیادی اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں، جو یقیناً پوری اُمت کے لئے اُسوہ ہیں، اول یہ کہ وہ ایمان نہ لانے والوں کے معاملہ میں سخت ہیں، دوسرے : آپس میں رحمدل اور باہمی اختلافات میں درگذر کرنے والے ہیں، تیسرے : کثرت سے نماز پڑھنے والے ہیں، جس میں رُکوع و سجدہ کیا جاتا ہے، چوتھے : وہ اپنے ہر کام میں اللہ کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار رہتے ہیں اور دنیا طلبی سے دور رہتے ہیں، پانچویں : اعمال کی کثرت کی وجہ سے ان اعمال کا نور ان کے جسم سے ظاہر ہوتا ہے ؛ چنانچہ ان کے چہروں پر کثرت نماز اور کثرت سجدہ کی علامت نمایاں ہے، اس سے صحابہ کی عظمت واضح ہورہی ہے، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ تمام صحابہ عادل، اللہ کے ولی اور انبیاء کے بعد تمام مخلوقات سے افضل ہیں، (تفسیر قرطبی: ۲۹۹/۱۶) اسی لئے صحابہ کی شان میں گستاخی محرومی کے سوا کچھ اور نہیں ؛ کیوں کہ قرآن نے یہاں کافروں کے بارے میں کہا ہے کہ صحابہ سے ان کو بغض ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے بقول جو صحابہ سے بغض رکھتا ہو تو وہ اس آیت میں اپنی جگہ دیکھ لے، (تفسیر قرطبی: ۲۹۷/۱۶) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحُد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ میں سے کسی کے ایک یا آدھا مُد، خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوگا ۔ (بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر: ۳۶۷۰)

آیت کے اخیر میں دعوت حق کے پنپنے اور پروان چڑھنے کو مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے پودا ایک دم سے درخت نہیں بن جاتا ؛ بلکہ ایک کونپل نکلتی ہے، پھر وہ مضبوط اور موٹی ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایسے ہرے بھرے سرسبز و شاداب کھیت کی شکل میں لہلہا اُٹھتی ہے، جس سے کسانوں کا دل باغ باغ ہوجاتا ہے، اسی طرح جب بھی کسی خطہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوتی ہے تو وہ آہستہ آہستہ پروان چڑھتی ہے ــــ اگر اس سے دعوت حق کی اشاعت میں درجہ بدرجہ ترقی کی طرف اشارہ ہو تو اب بھی تورات و انجیل میں باوجود بہت سی تحریفات کے ان اوصاف کا تذکرہ موجود ہے ۔ (دیکھئے : تفسیر ماجدی : ۴۳۲/۶ ، ۴۳۳)

سُورَةُ الحُجُرَات

- سورہ نمبر : (۴۹)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۱۸)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’حجرات‘ حجرہ کی جمع ہے، حجرہ کے معنی کمرہ کے ہیں، اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کا ادب بتایا گیا ہے کہ اگر حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو تو مناسب وقت میں اور ادب کے ساتھ حاضر ہوا کرو، ایسا نہ ہو کہ آپ کی ازواج مطہرات کے کمروں (حجرات) کے باہر ہی سے زور زور سے آپ کو پکارنا شروع کردو، کہ یہ ادب کے خلاف ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’حجرات‘ ہے۔

اگرچہ کہ یہ سورہ مختصر ہے اور صرف اٹھارہ آیت پر مشتمل ہے ؛ لیکن اس میں اخلاق اور سماجی زندگی کے آداب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، جو خوشگوار تعلقات اور شائستہ زندگی کے لئے بہترین اُصول کا درجہ رکھتے ہیں ؛ چنانچہ اس میں حضور ﷺ کو کس طرح مخاطب کیا جائے ؟ اس کا ادب سکھایا گیا، نصیحت کی گئی ہے کہ بلا تحقیق کسی خبر پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے ، مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ، اسلامی اُخوت کے رشتہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی ، پوری قوت سے یہ بات فرمائی گئی ہے کہ خاندانوں کا اختلاف تعارف اور پہچان کے لئے ہے، خاندانی نسبتوں کی وجہ سے نہ کوئی نیچا ہوتا ہے اور نہ کوئی اونچا، انسان کے بہتر ہونے کا معیار تقویٰ ہی ہے، جو اللہ سے جتنا زیادہ ڈرنے والا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اسی قدر لائق اکرام ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۝۱

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر پہل نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ۝۱

﴿۱﴾ یہ اور اس کے بعد والی آیت میں رسول اللہ ﷺ کا ادب سکھایا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب کوئی بات فرمائیں تو آپ کی پیروی اور اتباع کرو، آپ کے حکم کے مقابلہ کوئی مشورہ پیش کرنے سے بچو، نیز اگر کوئی معاملہ پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے طور پر کوئی حکم لگانے اور فیصلہ کرنے سے بچو؛ چنانچہ حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ بنو تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے، یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ پر کسی کو امیر مقرر کیا جائے؟ آپ ﷺ کے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس پر قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گذارش کی کہ ان کی بجائے اقرع بن حابس کو امیر بنانا بہتر ہوگا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس بات پر ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا: تمہارا مقصد میری رائے کی مخالفت کرنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا مقصود آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے؛ چنانچہ بات تیز ہوگئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الحجرات، حدیث نمبر: ۴۵۶۶) مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو انتظار کرنا چاہئے تھا کہ خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ اگر رسول اللہ ﷺ مشورہ طلب کرتے تو رائے دی جاتی، تاہم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے جو رائے دی، وہ غلطی کے دائرہ میں نہیں آتی؛ کیوں کہ انھوں نے اخلاص کے ساتھ اُس بات کا مشورہ دیا جس کو وہ بہتر سمجھ رہے تھے، ان حضرات کا مقصد آپ ﷺ کی بات کو کاٹنا نہیں تھا، اسی طرح ان کا آپسی اختلاف کسی دنیوی غرض یا طرفداری کے پہلو سے نہیں تھا؛ بلکہ جس نے جس رائے کو مسلمانوں کے مفاد میں سمجھا، اس کے مطابق رائے پیش کی، مفسرین نے اس کے علاوہ اس آیت کے پس منظر کے سلسلہ میں بعض اور واقعات بھی نقل کئے ہیں؛ لیکن اس میں کوئی تعارض نہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی اور موقع پر بھی اس طرح کی صورت حال پیش آئی ہو، آپ ﷺ نے ان کو متنبہ کرنے کے لئے یہ آیت تلاوت فرمائی ہو اور سننے والوں نے سمجھ لیا ہو کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہو رہی ہے۔

یہاں جو ''رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے'' اس کا تعلق صرف رائے دینے اور فیصلہ کرنے میں ہی آگے بڑھنا نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی ہے کہ چل رہے ہوں تو حضور ﷺ کے پیچھے چلیں، کھا رہے ہوں تو آپ ﷺ کے کھانے کے بعد کھانا شروع کریں، سواری پر چل رہے ہوں تو آپ ﷺ کی سواری سے اپنی سواری پیچھے رکھیں، اسی میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ یہی سلوک انسان کا اپنے بڑوں جیسے ماں باپ، اساتذہ، ذمہ دار وغیرہ کے ساتھ بھی ہونا چاہئے کہ اپنے آپ کو ان سے پیچھے رکھا جائے، ایک باپ بیٹے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیٹا باپ سے آگے چل رہا تھا، آپ ﷺ نے منع کیا اور بیٹے کو باپ کے پیچھے پیچھے چلنے کی ہدایت فرمائی، (الدر المنثور: ۵/۲۵۸) —— اس آیت سے شرعی دلیلوں کے مراتب پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، کہ پہلا درجہ قرآن مجید کا ہے، دوسرا احادیث نبوی کا، تیسرا اجتہاد وقیاس کا، قیاس واجتہاد کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ
اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ
اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

مسلمانو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے زور سے بات کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، ﴿۲﴾ جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی ہوئی آواز میں بولا کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے آزما لیا ہے، ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے، ﴿۱﴾ ﴿۳﴾ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثروں کو عقل نہیں ہے، ﴿۴﴾ اگر وہ صبر سے کام لیتے؛ یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس باہر نکل آئیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ ان دونوں آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کا ایک اور ادب بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسی بلند آواز سے بات نہیں کرنی چاہئے، جیسی آپس کی گفتگو میں کی جاتی ہے؛ بلکہ ادب کے ساتھ پست آواز میں بات کرنی چاہئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ —— جن کی آواز فطری طور پر بلند تھی —— اتنا آہستہ گفتگو کرنے لگے کہ حضور ﷺ کو ان سے دوبارہ دریافت کرنا پڑتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۰۸) البتہ اگر رسول اللہ ﷺ کی راحت اور آپ کو تکلیف سے بچانے کے لئے کوئی شخص بلند آواز میں بات کرے تو یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ غزوۂ حنین کے موقع سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلند آواز میں واپس آنے کو کہا —— اہل علم نے لکھا ہے کہ جیسے زندگی میں آپ ﷺ کا احترام واجب تھا اور آپ ﷺ کے سامنے زور سے کہنے کی اجازت نہیں تھی، اسی طرح آپ ﷺ کے بعد بھی آپ ﷺ کے روضۂ اطہر پر اونچی آواز میں درود و سلام نہ پیش کرنا چاہئے، اسی طرح جیسے آپ کی گفتگو سنتے ہوئے آپ ﷺ کی آواز سے بلند آواز میں جواب دینے کی ممانعت تھی، آپ ﷺ کے بعد اگر آپ ﷺ کے ارشادات سنائے جائیں تو توجہ سے سننا اور بلند آواز میں گفتگو کرنے سے بچنا چاہئے۔ (احکام القرآن لابن العربی: ۴/ ۱۷۰۳)

﴿۲﴾ یہاں رسول اللہ ﷺ کا تیسرا ادب سکھایا جارہا ہے کہ جب آپ ﷺ اندر آرام فرما رہے ہوں تو باہر سے آواز لگانا اور نام لے کر پکارنے کی بجائے پیغمبر کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنا چاہئے؛ چنانچہ بنو تمیم جو دیہات کے رہنے والے لوگ تھے اور جن کی تعداد ستر یا بعض لوگوں کی روایت کے مطابق انیس تھی، نے عین اس وقت حجرۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہوکر اے محمد! اے محمد! کہہ کر پکارنا شروع کیا، جب آپ ﷺ دولت خانہ میں قیلولہ کے لئے سو گئے تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ بیدار ہوئے اور باہر تشریف لائے، ←

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞۶

اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم کسی گروہ کو ناواقفیت میں نقصان پہنچادو، پھر تم کو اپنی حرکت پر پچھتانا پڑے۔ ﴿۱﴾ ۞۶

← اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۰۹، ۳۱۰) کہ پیغمبر کا ادب یہ ہے کہ ان کے آرام میں خلل پیدا کرنے کی بجائے ان کے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے —— عام حالات میں بھی یہ بڑی اہم نصیحت ہے کہ جب آدمی کسی کے پاس جائے تو آنے کا وقت اپنی سہولت سے نہ رکھے؛ بلکہ جس کے یہاں جارہا ہے، اس کی سہولت، راحت اور مشغولیت کا لحاظ رکھتے ہوئے وقت کا انتخاب کرے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے عُقبہ بن اَبی مُعیط کے بیٹے ولید کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے قبیلۂ بنی مصطلق میں بھیجا، قبیلہ کے لوگ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے، انھیں خوف ہوا کہ شاید وہ ان کے قتل کے ارادہ سے آرہے ہیں؛ چنانچہ یہ واپس آگئے اور حضور کو اطلاع دی کہ بنو مصطلق تو میرے قتل پر آمادہ تھے اور انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمالیا، اتنے میں ان کا وفد آپہنچا، وفد نے عرض کیا: ہم نے آپ ﷺ کے قاصد کے بارے میں سنا، ان کے اعزاز واکرام کے لئے باہر نکلے اور اس لئے بھی کہ ہم نے جو زکوٰۃ دینا قبول کیا ہے، وہ ان کے حوالہ کردیں، مگر وہ واپس لوٹ آئے اور ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے سمجھا کہ ہم ان سے لڑائی کے لئے نکل رہے تھے؛ حالاں کہ ہمارا یہ مقصد نہیں تھا، اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ کی تحقیق بھی کرائی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۱۱) اس سے سماجی زندگی کا ایک اہم حکم معلوم ہوا کہ کسی بات پر بلا تحقیق یقین نہ کرلینا چاہئے کہ بعض اوقات یہ جلد بازی انسان کو باہمی جنگ وجدال تک پہنچادیتی ہے۔

آیت میں چند باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ ایک شخص کی خبر اس وقت قبول کی جائے گی، جب وہ دین دار اور معتبر ہو اور شریعت کی اصطلاح میں وہ عادل ہو، فاسق شخص کی خبر قبول نہیں کی جائے گی اور جب خبر کے لئے یہ حکم ہے تو گواہی کے لئے بھی یہی حکم ہوگا کہ فاسق شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور اگر قاضی فاسق گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر بھی دے تو وہ گنہگار ہوگا، (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۵۸) اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس شخص کا نہ عادل ہونا معلوم ہو نہ فاسق ہونا، تو اس کی خبر وگواہی قبول کی جائے گی، یہی حنفیہ کا نقطۂ نظر ہے، (حوالۂ سابق) دوسرے: ولید بن عُقبہ صحابی تھے اور ان کو اس آیت میں فاسق کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے بھی گناہ اور فسق کا ارتکاب ہوسکتا ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مختلف گناہوں پر شرعی سزائیں جاری ہوئیں؛ البتہ صحابہ اس گناہ پر قائم نہ رہتے تھے؛ بلکہ اس سے توبہ کرلیتے تھے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رضا اور خوشنودی کا مقام عطا فرمایا تھا، ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ''۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ
اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۟ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ
تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۱۳

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر (موجود) ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے؛ لیکن اللہ نے تمہارے اندر ایمان کی محبت پیدا کر دی ہے، اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تمہارے اندر نفرت پیدا کر دی ہے، یہی لوگ اللہ کے فضل و کرم سے درست راستہ پر ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۷﴾ اور اللہ خوب واقف اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۸﴾ اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والوں سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ پر آجائیں، پھر اگر وہ رُجوع کر لیں تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، ﴿۹﴾ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں؛ اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تمہارا جوشِ جہاد ایک اچھے جذبہ کے تحت تھا کہ فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا جائے؛ لیکن اگر رسول تمہاری بات مان لیتے تو تمہارے لئے یہ مشقت و تکلیف کا سبب بنتا کہ ایک تو بے فائدہ جنگ کرنی ہوتی اور دوسرے جب تمہیں معلوم ہوتا کہ جو لوگ مارے گئے ہیں، وہ بھی مسلمان ہی ہیں، تو اس سے اور بھی رنج ہوتا؛ لیکن یہ اللہ کی توفیق ہے کہ اللہ کے رسول کی طرف سے جب جب کوئی فیصلہ آجاتا ہے، تم اس کے آگے سر جھکا دیتے ہو۔

﴿۲﴾ صحابہ بھی بہرحال انسان تھے اور بشری تقاضوں کے تحت جو باتیں پیش آتی ہیں، وہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا کرتی تھیں، ایسی ہی بشری عادتوں میں سے ایک کسی وجہ سے باہمی اختلاف کا پیدا ہو جانا ہے، اور یہ ہونا بھی ضروری تھا؛ کیوں کہ اُمت کے لئے ہر طرح کی صورتِ حال میں نمونہ مطلوب ہے، تو جن باتوں کا پیش آنا رسول اللہ ﷺ کے شایانِ شان نہیں تھا، اللہ کی مشیت کے مطابق وہ باتیں صحابہ کو پیش آئیں، اور اُمت کے لئے ایسے ناخوشگوار واقعات میں رہنمائی مہیا ہو گئی؛ چنانچہ مفسرین نے اس آیت کی شانِ نزول کے سلسلہ میں صحابہ کے اختلافات و نزاعات کے مختلف واقعات نقل کئے ہیں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۱۵) —— یہاں بنیادی طور پر چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے، اول یہ کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کی نوبت آجائے تو ان کے ←

الثلثة

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ
نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ
الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ
بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے مسلمانو! (مردوں کا) ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اُڑائے، ممکن ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اُڑایا کریں، ہوسکتا ہے کہ وہ دوسری عورتیں اِن سے بہتر ہوں، نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے باوجود برا نام (رکھنا) گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کرے، وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں، ﴿۱۱﴾ اے ایمان والو! بہت سارے گمانوں سے بچو؛ کیوں کہ بعض گمان (یعنی بدگمانی) گناہ ہوتے ہیں اور ٹوہ میں نہ پڑا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو، کیا تم میں سے کسی کو یہ بات اچھی لگے گی کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تم نفرت کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں، ﴿۱۲﴾

← درمیان صلح کرادو، یہاں دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا؛ بلکہ صلح کرانے کا حکم دیا گیا، فیصلہ میں تو بے کم وکاست ہر فریق اپنا حق حاصل کرتا ہے اور صلح میں کمی بیشی اور کسی قدر ایثار کے ذریعہ معاملہ حل کرلیا جاتا ہے، فیصلہ سے معاملہ حل ہوجاتا ہے؛ لیکن دلوں کی دوریاں ختم نہیں ہوتیں، اور صلح سے نفرت محبت میں اور دشمنی دوستی میں تبدیل ہوجاتی ہے؛ اسی لئے صلح کرانے کا حکم دیا گیا، دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اگر ایک فریق صریحاً زیادتی پر تلا ہوا ہو اور اس کی وجہ سے معاملہ طے نہ ہو پاتا ہو تو جو مظلوم ہے، ظالم کے مقابلہ میں اس کی مدد کی جائے؛ تاکہ زیادتی کرنے والا بھی اللہ کا حکم ماننے پر مجبور ہوجائے، تیسرا حکم یہ ہے کہ اگر بعد ہی میں سہی، وہ صحیح طریقہ پر معاملہ طے کرنے پر آمادہ ہوجائے تو پھر لڑائی پر اصرار نہ کیا جائے؛ بلکہ صلح کرادی جائے، چوتھے: جو کچھ بھی ہو، انصاف کا دامن چھوٹنے نہ پائے، ایسی صلح نہ ہو جو کھلی ہوئی نافرمانی یا شریعت کی حکم عدولی پر مبنی ہو، پانچویں بات یہ فرمادی گئی کہ چاہے دو مسلمانوں کے درمیان کسی قدر اختلاف ہو؛ لیکن ان کے درمیان اسلامی اُخوت اور دینی بھائی چارہ کا رشتہ باقی رہے —— آیت نے اس بات کو بھی واضح کردیا کہ مسلمان اگر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں تو اگرچہ یہ ایک کافرانہ فعل ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح اسلامی حکومت کے خلاف کوئی گروہ باغی ہوجائے تو اس کے خلاف جہاد کرنا چاہئے؛ لیکن اگر وہ مسلمان ہو تو بغاوت کی وجہ سے ان کو کافر نہیں کہا جاسکتا؛ چنانچہ جن لوگوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کافر و منافق ہیں، تو آپ نے فرمایا: نہیں، ہمارے ہی بھائی ہیں؛ لیکن انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجمل، حدیث نمبر: ۳۷۷۶۳)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور مختلف خاندان اور کنبے بنا دیئے ہیں؛ تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو، یقیناً اللہ بہت جاننے والے اور بہت باخبر ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۱ تا ۱۳ میں مختلف اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں، پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اُڑائیں، نہ ایک مرد کو دوسرے مرد کا مذاق اُڑانے کی اجازت ہے نہ ایک عورت کو دوسری عورت کا، دوسرے: کسی کو طعنہ نہ دو، طعنہ سے مراد ہے کسی کو اس کا عیب ذکر کر کے شرمندہ کرنا، خواہ یہ عیب جسمانی ہو یا اخلاقی، یا کسی کے خاندان یا پیشہ کو حقیر سمجھا جاتا ہو اور اس کا ذکر کیا جائے، تیسرے: کسی کو غلط نام سے نہ پکارا کرو، جیسے کسی شخص کے پاؤں میں لنگ ہو اور اس کو لنگڑا کہہ کر پکارا جائے، کسی کی آنکھیں نہ ہوں اور اس کو اندھا کہہ کر پکارا جائے، کوئی نومسلم ہو اور اس کو کافر کا بیٹا کہا جائے وغیرہ؛ بلکہ اُس کا جو بہتر سے بہتر نام ہو، اس سے پکارنا چاہئے؛ البتہ اگر کسی کی شہرت عیب ظاہر کرنے والے نام سے ہی ہو اور وہ اس کو برا نہ مانتا ہو تو اس نام کے لینے میں حرج نہیں، جیسے تیمور لنگ وغیرہ، چوتھے: کسی کے بارے میں بدگمانی رکھنے اور غلط سوچنے سے بچو؛ کیوں کہ اکثر و بیشتر بدگمانی ہی سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور جھگڑے لڑائی تک نوبت پہنچتی ہے، پانچویں: کسی کی ٹوہ نہ کرنی چاہئے، یعنی کسی کی کمزوریاں نہ تلاش کی جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی مسلمان کی کمزوریوں کو تلاش کرتا ہے، اللہ اس کی کمزوریوں کو تلاش کرتے ہیں اور اس کو اسی کے گھر میں رسوا کر دیتے ہیں، چھٹے: غیبت نہ کی جائے، غیبت سے مراد یہ ہے کہ جس شخص میں کوئی جسمانی یا اخلاقی عیب اور ایسی بات ہو جس کا ظاہر ہونا اسے پسند نہ ہو، اس کا دوسروں سے ذکر کیا جائے، یہ بھی حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں ہے، اس کی شناعت اور برائی اس مثال سے واضح ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ یہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی طرح ہے کہ جیسے مردہ کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ کون اس کا گوشت کھا رہا ہے؟ اسی طرح جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے، اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے؛ البتہ کسی شخص کو ظلم سے بچانے اور ضرر سے بچانے کے لئے غیبت کرنا یا ظالم کے ظلم کے خلاف فریاد کرنا جائز ہے، اسی طرح جو شخص علی الاعلان کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہو اور اس کو اس پر کوئی ندامت اور شرمندگی نہ ہو تو اس کی اس کمزوری کو بیان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، ساتویں: ان ہی ہدایات کے پس منظر میں یہ بات کہی گئی کہ خاندان اور قبیلہ کی تقسیم اونچ نیچ کی بنیاد نہیں ہے، کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیدائشی طور پر معزز اور دوسرے کو حقیر سمجھے؛ کیوں کہ معزز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق انسان کے عمل اور تقویٰ سے ہے نہ کہ خاندان سے، یہ بات اس لئے فرما دی گئی کہ عربوں میں خصوصاً اور دنیا کی دوسری مختلف قوموں میں عموماً خاندانی اونچ نیچ کا تصور رہا ہے اور اوپر جن برائیوں سے منع کیا گیا ہے، جیسے مذاق اُڑانا، طعنہ دینا، ناشائستہ نام سے پکارنا وغیرہ، ان میں اس احساس کا بڑا اثر ہوتا ہے —— یہاں خاندان کے لئے شعوب اور قبائل دو الفاظ استعمال کئے گئے، شعوب اوپر کی شاخ سے بنتا ہے اور اس لئے اس کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، اور قبیلہ نیچے کی قریبی شاخ ہوتی ہے؛ اس لئے اس کا دائرہ نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے۔

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ
قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَا یَلِتۡکُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ
رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ
وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ﴿۱۵﴾ قُلۡ اَتُعَلِّمُوۡنَ اللّٰہَ بِدِیۡنِکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ
یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡکَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ
قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَیَّ اِسۡلَامَکُمۡ ۚ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ہَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ
صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾ ع ۲/۸ ۱۴

گاؤں والے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے: تم ایمان نہیں لائے؛ لیکن یہ کہو کہ ہم نے سر جھکا دیا ہے اور (لیکن) ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے، اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہیں کریں گے، یقیناً اللہ بڑے بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں، ﴿۱۴﴾ پورے مؤمن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر کسی شک وشبہ میں نہیں پڑے اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ جہاد کیا، یہی ہیں سچے لوگ! ﴿۱۵﴾ آپ فرما دیجئے: کیا تم اللہ پر اپنی دین داری جتاتے ہو؟ حالاں کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے، اللہ کو ان سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱۶﴾ وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوگئے؟ آپ کہہ دیجئے: تم مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ جتاؤ، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر احسان فرما رہے ہیں کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا، اگر تم سچے ہو، ﴿۱۷﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتے ہیں اور تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ ایک سال قحط سالی کے موقع پر بنو اَسَد بن خُزَیمہ کے دیہاتی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، کلمہ پڑھا، اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور رسول اللہ ﷺ پر احسان جتانے لگے کہ ہم مسلمان ہوگئے اور فلاں فلاں قبیلے کی طرح ہم نے آپ سے جنگ نہیں کی؛ اس لئے آپ ہمیں صدقہ عطا فرمائیے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۴۸) جب کہ یہ حقیقت میں مسلمان نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ منافق تھے، اسی لئے فرمایا گیا کہ تمہارا دعویٰ ایمان صحیح نہیں ہے، ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم مطیع وفرمانبردار ہوگئے ہیں، غرض کہ مومن کا کردار یہ ہے کہ وہ نیکی کرے اور بھول جائے، دین کی کوئی نصرت اور مدد اس کے ہاتھوں سے ہوجائے تو وہ اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بنے نہ کہ اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوجائے اور اپنی نیکی کا بہ طور احسان ذکر کرتا پھرے۔

سُوۡرَةُ قٓ

- سورہ نمبر : (۵۰)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۴۵)
- نوعیت : مکی

یہ سورہ بالاتفاق مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس سورہ کی ابتدا حروف مقطعات میں سے ایک حرف ''قٓ'' سے ہوتی ہے؛ اسی لئے اس کا نام ''قٓ'' ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی بڑی فضیلت ہے، حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں ''قٓ والقرآن المجید'' پڑھا کرتے تھے: **''كان يقرأ في الفجر قٓ والقرآن المجيد''** (مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۴۵۸) اور اُم ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا ہے کہ ہر جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے: **''يقرأها كل يوم جمعة على المنبر''** (مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، حدیث نمبر: ۸۷۳) نیز ابو واقد لیثی روایت کرتے ہیں کہ نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ میں آپ کا معمول سورۂ قٓ اور سورۂ قمر کی تلاوت کا تھا، (مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر: ۸۹۱) —— اس کی جو مصلحت سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ جمعہ اور عیدین کا موقع مسرت اور خوشی وانبساط کا ہوتا ہے اور سورۂ قٓ میں قیامت اور حشر ونشر کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، تو مقصد یہ ہے کہ آدمی خوشی اور مسرت کے اس موقع پر آخرت کو بھول نہ جائے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت، آخرت، شرک کی تردید کے مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، نیز اجمالی طور پر ان گذشتہ اقوام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، جن پر دین حق کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۝۱ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ فَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا شَیۡءٌ
عَجِیۡبٌ ۝۲ ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ۝۳ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ ۚ
وَعِنۡدَنَا كِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ۝۴ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ فَهُمۡ فِیۡۤ اَمۡرٍ مَّرِیۡجٍ ۝۵ اَفَلَمۡ
یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَیۡفَ بَنَیۡنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ۝۶ وَالۡاَرۡضَ
مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَیۡنَا فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِیۡجٍ ۝۷ تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰی لِكُلِّ
عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ۝۸ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۝۹
وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ ۝۱۰

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قٓ (قاف)، ﴿۱﴾ قرآن مجید کی قسم ہے (کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں)؛﴿۲﴾ ۝۱ لیکن ان کو اس بات پر تعجب ہے کہ ان کے پاس اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آ گیا؛ اس لئے انکار کرنے والے لوگ کہنے لگے: یہ تو عجیب بات ہے! ۝۲ کیا جب ہم مرجائیں گے، مٹی ہوجائیں گے (تو پھر ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟) یہ دوبارہ زندہ ہونا (تو عقل سے) بعید ہے، ۝۳ (اُن سے بتادیجئے:) زمین (کھا کھا کر) اُن (کے جسموں) میں سے جتنا کم کرتی جاتی ہے، وہ بھی ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے، ۝۴ حقیقت یہ ہے کہ جب ان کے پاس سچی بات پہنچتی ہے تو وہ اس کو جھٹلا دیتے ہیں، غرض کہ وہ ایک اُلجھی ہوئی بات میں پڑے ہوئے ہیں، ۝۵ کیا انھوں نے آسمان پر نگاہ نہیں کی، جو ان کے اوپر ہے؛ کہ ہم نے اس کو کس طرح بنایا اور سنوارا ہے؟ اور اس میں کہیں کوئی شگاف تک نہیں، ۝۶ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو ڈال دیا، نیز اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائیں، ۝۷ جو اللہ سے لو لگانے والے ہر بندہ کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ ہے، ۝۸ نیز ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا، پھر اس سے باغات اور کھیتی کے اناج اُگائے، ۝۹ اور لمبے لمبے کھجور کے درخت بھی، جن کے گچھے تہہ بہ تہہ ہیں۔ ۝۱۰

﴿۱﴾ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے، سورۂ بقرہ کے حاشیہ نمبر :۱ میں حروفِ مقطعات کی وضاحت آچکی ہے۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قسم کھائی ہے؛ لیکن کس بات کی قسم کھائی جارہی ہے؟ صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ہے؛ تاہم آگے جو بات ذکر کی جارہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر برحق ہونے کی قسم کھانا مقصود ہے۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ
وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ
كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

تاکہ بندوں کو رزق فراہم کریں، اسی پانی کے ذریعہ ہم نے مردہ زمین کو زندہ کردیا، اسی طرح (قیامت کے دن مُردوں کا) زمین سے نکلنا ہوگا، ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾ اُن سے پہلے نوح کی قوم، کنویں والے اور ثمود، ﴿۱۲﴾ عاد، فرعون، لوط کی برادری، ﴿۱۳﴾ بَن کے رہنے والے اور تُبّع کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے، سبھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا پھر (ان پر) میرا عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ دونوں باتیں مشرکین کو بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں، ایک تو انسان ہی میں سے اللہ کا پیغمبر بنایا جانا، دوسرے: انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کیا جانا؛ تاکہ انھیں حساب و کتاب اور جزا و سزا کے مرحلہ سے گذارا جائے؛ حالاں کہ انسان کے جسم کو دوبارہ وجود میں لانے کے لئے ایک تو علم کی ضرورت ہے کہ انسان کا کون کونسا جز کہاں کہاں ہے؟ اس کی واقفیت ہو اور پھر ان سب کو جوڑ کر پہلی حالت پر لایا جائے، تو اللہ کے علم کا حال یہ ہے کہ کیڑے کھا کھا کر انسان کے مردہ جسم میں جو کمی کرتے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بھی واقف ہیں، اور اِن سب کا تحریری ریکارڈ بھی اللہ کے پاس موجود ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت کا حال یہ ہے کہ اس نے نہ صرف انسان کو پیدا کیا ہے؛ بلکہ اس سے کہیں بڑی مخلوقات آسمان، زمین، پہاڑ، دریا، بارش، زمین سے پیداوار کا حاصل ہونے والا نظام، یہ سب اس کی قدرت کے کھلے ہوئے مظاہر ہیں، ان پر غور کرنے کے بعد کسی شخص کو اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا فرما سکتے ہیں۔

﴿۲﴾ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد، فرعون نیز حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اصحابِ ایکہ کا ذکر بار بار آچکا ہے اور سورۂ دخان میں قوم تُبع کا ذکر بھی آچکا؛ البتہ کنویں والے (اصحاب الرس) کا تذکرہ یہاں کے علاوہ صرف سورۂ فرقان میں آیا ہے، قرآن مجید میں اس قوم سے متعلق زیادہ تفصیل نہیں آئی ہے اور نہ حدیث میں ان کا ذکر ہے، ممکن ہے کہ اہل مکہ ان کے بارے میں واقف رہے ہوں؛ اس لئے زیادہ تفصیل کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، مفسرین کے یہاں بھی اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعضوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو مراد لیا ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ وہی 'اصحابُ الاخدود' ہیں جن کا تذکرہ سورۂ بروج میں آئے گا، (مفاتیح الغیب: ۱۴/۴۳۲) بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے، حضرت صالح علیہ السلام کے ہاتھوں پر تقریباً چار ہزار افراد ایمان لائے تھے، جب آپ کی قوم پر عذاب آیا تو یہ لوگ بچالئے گئے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ جب عذاب آتا ہے تو پیغمبر پر ایمان لانے والے حضرات اللہ کی طرف سے بچالئے جاتے ہیں، حضرت صالح علیہ السلام ان ایمان لانے والوں کے ساتھ یمن کی طرف ہجرت کر گئے، یہاں ان حضرات نے ایک ایسے مقام کو آباد ہونے کے لئے منتخب کیا، جہاں ایک کنواں واقع تھا ''رس'' ←

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ع ۱۵/۱۵
وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى
الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾

تو کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ پھر سے پیدا کئے جانے کے بارے میں محض (بے جا) شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، ﴿۱۵﴾ یقیناً ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں، ہم اس سے بھی واقف ہیں اور ہم تو اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾ اور (جب انسان کوئی کام کرتا ہے) تو دو لکھنے والے جو دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ہیں، لکھتے جاتے ہیں، ﴿۱۷﴾ وہ کوئی بھی بات زبان سے نکالتا ہے تو اس کے پاس ایک نگران تیار رہتا ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۸﴾

← کچی دیواروں کے کنویں کو کہتے ہیں، یہیں پر وہ اپنے مویشیوں کے ساتھ مقیم تھے؛ اسی لئے 'اصحاب الرس' کہلائے، رفتہ رفتہ یہ قوم بھی شرک و بت پرستی میں مبتلا ہوگئی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، نہ کنواں باقی رہا نہ پُرشوکت عمارتیں رہیں، پوری آبادی تہس نہس ہوگئی۔ (البحر المحیط: ۷/ ۴۵۷)

﴿۱﴾ یعنی انسان ہر وقت ہماری قدرت اور ہمارے علم کے احاطہ میں ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنے کے لئے یا اس کی پکڑ کرنے کے لئے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورہو اور ہمیں اپنی کارروائی انجام دینے میں دیر لگے۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ یوں تو براہ راست انسان کے لحہ لحہ، اس کے ایک ایک بول اور اس کے ایک ایک عمل سے واقف ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ریکارڈ بھی مرتب کراتے جارہے ہیں اور اس کے لئے دو فرشتے مقرر ہیں، ایک: دائیں طرف، دوسرا: بائیں طرف، دائیں طرف کے فرشتے نیکیوں کو لکھتے جاتے ہیں اور بائیں طرف کے برائیوں کو؛ چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نیکیوں کے لکھنے والے فرشتے انسان کے دائیں جانب ہیں اور گناہوں کو لکھنے والے بائیں جانب، جب کوئی شخص نیکی کا کام کرتا ہے تو نیکیوں کو درج کرنے والے فرشتے ایک کے بدلہ دس نیکیاں لکھتے ہیں اور جب انسان برائی کرتا ہے تو نیکیوں کو لکھنے والے فرشتے اپنے ساتھی فرشتہ سے کہتے ہیں کہ سات لحات رُک جاؤ، شاید وہ اللہ کی تسبیح کرے یا استغفار کرے، (الدر المنثور: ۷/ ۵۹۵) یہاں فرشتوں کے بیٹھے ہوئے ہونے سے مراد فرشتوں کا موجود ہونا ہے، ضروری نہیں کہ وہ دائیں اور بائیں کاندھے ہی پر بیٹھے ہوئے ہوں —— دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ انسان اپنی زبان سے جو کچھ بولتا ہے، اس کا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہوتا جاتا ہے، قول و فعل کا یہی ریکارڈ انسان کا نامۂ اعمال ہے، جو قیامت میں انسان کے سامنے پیش کیا جائے گا، پہلے زمانہ میں جب کہ چیزوں کا ریکارڈ کرنے کے تیز رفتار وسائل ایجاد نہیں ہوئے تھے تو نامۂ اعمال کو سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی؛ لیکن موجودہ دور کی الکٹرانک ترقی اور نہایت چھوٹی سی شئے میں وسیع تر تحریر، آواز اور تصویر کا ریکارڈ محفوظ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت کے بعد اب اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔

وَ جَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ ﴿۱۹﴾ وَ نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمُ
الۡوَعِيۡدِ ﴿۲۰﴾ وَ جَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيۡدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا
فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ﴿۲۲﴾ وَ قَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ ؕ ﴿۲۳﴾
اَلۡقِيَا فِىۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيۡدٍ ۙ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبِ ۙ ﴿۲۵﴾ اۨلَّذِىۡ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ فَاَلۡقِيٰهُ فِى الۡعَذَابِ الشَّدِيۡدِ ﴿۲۶﴾

اور موت کی بے ہوشی یقیناً آ کر رہے گی، یہی تو وہ چیز ہے جس سے تو بِدکا کرتا تھا، ﴿۱﴾ ﴿۱۹﴾ اور صور پھونکا جائے گا، یہ
عذاب کے وعدہ کا دن ہوگا، ﴿۲۰﴾ اور ہر شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانکنے والا اور ایک
(فرشتہ) گواہی دینے والا ہوگا، ﴿۲۱﴾ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) تو اس دن کی طرف سے غفلت میں تھا، اب ہم نے
تجھ سے تیرا پردہ ہٹادیا تو آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۲﴾ اور اس کا ساتھی (فرشتہ) عرض کرے گا کہ یہ جو
(اس کا نامۂ اعمال) میرے پاس تھا، وہ حاضر ہے، ﴿۲۳﴾ ہم فرشتوں کو حکم دیں گے: تم دونوں ہر کافر و سرکش، بھلائی سے
روکنے والے، حد سے گذر جانے والے اور شبہ پیدا کرنے والے کو دوزخ میں ڈال دو، ﴿۳﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ جس نے اللہ
کے ساتھ دوسرا معبود بھی بنا رکھا ہے تو ایسے ہر شخص کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ عموماً انسان کے مرنے کے قریب اس پر غشی طاری ہوتی ہے، جس میں تکلیف کی شدت بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات انسان کے ظاہری ہوش و حواس ختم ہوجاتے ہیں، اس آیت میں اسی کا تذکرہ ہے کہ تم جس موت سے بِدکتے اور بھاگتے ہو، وہ اپنی اس کیفیت کے ساتھ ضرور ہی تم کو دبوچ لے گی، خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنی وفات کے وقت اس سے گذارا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ پانی میں ہاتھ ڈالتے اور ہاتھوں سے اپنے چہرہ کو پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے: لا الٰہ الا اللہ، یقیناً موت کے ساتھ بڑی سختیاں ہیں، پھر آپ ﷺ نے دست مبارک اُٹھایا اور رفیق اعلیٰ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے، اور آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ نیچے آگئے۔ (بخاری، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۵۱۴)

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں تو تم جن چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے، جیسے: فرشتے اور عالم آخرت کی چیزیں، آج ان کو بھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

﴿۳﴾ یعنی دنیا میں جو فرشتے انسان کے اعمال لکھنے پر رکھے گئے تھے، قیامت کے دن ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کردی جائیں گی، ایک کو کہا جائے کہ وہ اہل دوزخ کو ہنکا کرلے چلے اور ایک کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ نامۂ اعمال ساتھ ساتھ لے کر چلے، آیت نمبر: ۲۱ میں ان کا ذکر آیا ہے، پھر جس فرشتے کے پاس نامۂ اعمال ہے، وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ یہ تو وہ مجرم ہے جس کو ہنکا کرلایا گیا ہے، اور یہ ہے اس کا نامۂ اعمال جو حاضر خدمت ہے، آیت نمبر: ۲۳ میں اس کا ذکر ہے، پھر اللہ تعالیٰ دونوں کو حکم فرمائیں گے کہ انھیں جہنم میں جھونک دو، اس کا ذکر آیت نمبر: ۲۴، ۲۵ میں ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ
قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ ع ۲/۱۴ ۱۶
لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾
هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾

اس کا ساتھی (یعنی شیطان) کہے گا: اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا؛ بلکہ یہ خود ہی پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا، ﴿۲۷﴾ ارشاد ہوگا: میرے پاس جھگڑے نہ کرو، میں تو پہلے ہی تم کو عذاب کی دھمکی دے چکا تھا، ﴿۲۸﴾ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۹﴾ جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے: کیا تو بھر چکی ہے؟ اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہیں؟ ﴿۲﴾ ﴿۳۰﴾ اور جب جنت تقویٰ والوں کے قریب کردی جائے گی، یہاں تک کہ ذرا بھی دُور نہ رہے گی، ﴿۳۱﴾ ہم فرمائیں گے: تم سے اللہ کی طرف رُجوع کرنے اور یاد رکھنے والے ہر شخص کے لئے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا تھا، وہ یہی ہے، ﴿۳۲﴾ یعنی جو بغیر دیکھے ہوئے خدائے رحمٰن سے ڈرا اور خدا سے لو لگانے والا دل لے کر حاضر ہوا۔ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ جیسے فرشتے رکھے ہیں، اسی طرح ایک شیطان بھی رکھا ہے، جو انسان کو گناہوں پر اُکساتا ہے، تو جب اللہ کے دربار میں مشرکین حاضر کئے جائیں گے اور وہاں شیطان بھی ہوگا تو وہ کہیں گے: ہم نے اسی بدبخت کے بہکانے میں غلط راستہ اختیار کیا تھا؛ لیکن شیطان اس دن اپنا دامن جھٹک دے گا اور کہے گا کہ گمراہ تو یہ خود ہی تھے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اب یہاں لڑائی جھگڑے کا کوئی موقع نہیں، تم کو ہمارے ثواب وعذاب کا پورا قانون بتادیا گیا تھا اور میرا قانون بدلتا نہیں ہے، اور میرا فیصلہ کیوں بدلے کہ میں جو حکم دے رہا ہوں، یہ ظلم نہیں ہے؛ بلکہ یہ تمہارے اعمال ہی کا نتیجہ ہے، جن کے بارے میں پہلے ہی وارننگ دے دی گئی تھی۔

﴿۲﴾ یعنی دوزخ اتنی بڑی ہوگی کہ ڈھیر سارے لوگوں کے داخل کئے جانے کے باوجود بھی جیسے ایک بھوکے شخص کو خوب سے خوب تر کھانے کی طلب رہتی ہے، اسی طرح جہنم کا غیظ وغضب اس طرح بھڑکا ہوا ہوگا کہ وہ آسودہ نہیں ہوگی اور چاہے گی کہ اور زیادہ اس کو اس کی غذا فراہم کی جائے، حدیث میں ہے کہ اس کا پیٹ اس وقت بھرے گا، جب اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک اس پر رکھ دیں گے، (بخاری، کتاب الفقر، باب تفسیر سورۃ ق، حدیث نمبر: ۴۵۶۹) دوزخ کے بات کرنے کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ اس روز اس کو بولنے کی قوت دے دی جائے، یا جیسے بجلی کی کڑک بارش کا پتہ دیتی ہے، جہنم خوفناک آواز کے ذریعہ اظہار کرے گی کہ ہمیں مزید دوزخی چاہئیں، اور رہ گیا اللہ تعالیٰ کا قدم ڈالنا تو اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے، ہم مخلوق کے قدم اور قدم ڈالنے پر اللہ رب العزت کی ذات کو قیاس نہیں کرسکتے۔

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ
اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖۗ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا
يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾

تم لوگ اس (بہشت) میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ، یہ ابدی زندگی کا دن ہے، ﴿۳۴﴾ ان لوگوں کو وہاں، جو کچھ چاہیں گے، ملے گا اور ہمارے پاس اور زیادہ بھی ہے، ﴿۱﴾ ﴿۳۵﴾ ہم ان سے پہلے بہت سی ایسی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، جو ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں (پھر جب ہمارا عذاب آیا) تو وہ شہروں میں مارے مارے پھرتے تھے کہ کیا کوئی بھاگنے کی جگہ بھی ہے؟ ﴿۳۶﴾ یقیناً اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو صاحبِ دل ہو، یا جو کان لگا کر متوجہ ہوکر سنتا ہو، ﴿۳۷﴾ ہم نے آسمانوں کو، زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں ہوئی، ﴿۲﴾ ﴿۳۸﴾ تو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے۔ ﴿۳۹﴾

﴿۱﴾ یعنی ان کے علاوہ ایسی نعمتیں بھی ہیں جن کو تم نے کبھی سوچا نہیں اور ان زائد نعمتوں میں اہم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے، جو اہل جنت کو حاصل ہوا کرے گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ''لدینا مزید'' (ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے) کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۱)

﴿۲﴾ آسمان وزمین کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے؛ لیکن یہاں اس بات کی صراحت کردی گئی کہ اللہ کو اس سے تکان نہ ہوئی اور آرام کی ضرورت نہ پڑی، یہ بات اس لئے صراحت ووضاحت سے فرمائی گئی کہ تورات میں متعدد جگہ یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں آسمان وزمین اور ساری چیزوں کو پیدا فرمایا اور ساتویں دن آرام کیا، (خروج: ۲۰:۱۱، ۳۱:۱۷، عبرانیون: ۴:۴) اور آرام کی ضرورت اسی وقت پڑتی ہے، جب تکان ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات بھی کسی کام کو انجام دینے میں تھک جائے، یقیناً یہ تورات میں کی جانے والی تحریف اور ملاوٹ ہے، اس لئے قرآن نے واضح کردیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی تکان نہیں ہوئی اور نہ آرام کی ضرورت پڑی —— حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں اس وضاحت کا تذکرہ اس کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل کئے جانے کی واضح دلیل ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تورات کی زبان سے واقف تھے، نہ آپ ﷺ نے اس کا مطالعہ کیا تھا، نہ تورات کے کسی عالم سے آپ کا تعلیم وتعلم کا تعلق رہا۔

وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ ﴿۴۰﴾ وَاسۡتَمِعۡ يَوۡمَ يُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ ﴿۴۱﴾
يَّوۡمَ يَسۡمَعُوۡنَ الصَّيۡحَةَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡيٖ وَنُمِيۡتُ وَاِلَيۡنَا
الۡمَصِيۡرُ ﴿۴۳﴾

اور رات کے کچھ حصوں میں بھی اور نمازوں کے بعد بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے ، ﴿۱﴾ ﴿۴۰﴾ اور سن لو کہ جس دن ایک پکارنے والا نزدیک ہی کی جگہ سے پکارے گا ، ﴿۲﴾ ﴿۴۱﴾ جس روز اس تیز آواز کو یقیناً سب لوگ سن لیں گے ، تو وہی (قبروں سے) نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا ، ﴿۴۲﴾ یقیناً ہم ہی زندگی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ۔ ﴿۳﴾ ﴿۴۳﴾

﴿۱﴾ حمد و تسبیح کے معنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں ، اس کی دو صورتیں ہیں ، ایک صورت ہے نماز کا ادا کرنا ؛ کیوں کہ نماز میں کثرت سے حمد و تسبیح بیان کی جاتی ہے ، تکبیر ، ثناء ، سورۂ فاتحہ ، رُکوع وسجدہ کی تسبیحات اور تشہد ، غور کیجئے کہ ان تمام اذکار میں یا تو اللہ تعالیٰ کی حمد ہے یا تسبیح یا دونوں ، اس لحاظ سے آیت نمبر : ۳۹ اور ۴۰ کا خلاصہ یہ ہوا کہ آفتاب کے نکلنے سے پہلے بھی نماز پڑھئے یعنی نماز فجر ، اور آفتاب کے ڈوبنے سے پہلے بھی یعنی نماز عصر ، اور چوں کہ نماز ظہر آفتاب کے ڈھلنے کے بعد اور ڈوبنے سے پہلے ادا کی جاتی ہے ؛ اس لئے اس کو بھی اس میں شامل سمجھا جاسکتا ہے ، تیسرے : رات میں نماز ادا کیجئے یعنی نماز عشاء ، اور چوں کہ رات ہی کے ابتدائی حصہ میں نماز مغرب ادا کی جاتی ہے تو وہ بھی اس میں آگئی ، اور ''أدبار السجود'' میں 'سجود' سے فرض نماز مراد لی گئی ہے ؛ کیوں کہ سجدہ نماز کا ایک اہم ترین رکن ہے اور قرآن مجید میں بعض دوسرے مواقع پر بھی سجدہ بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے ، تو ایسی صورت میں '' أدبار السجود '' سے وہ نفل نمازیں مراد ہوں گی ، جن کا فرض نماز کے بعد پڑھا جانا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو ، بعض مفسرین نے رات کی نماز سے نماز تہجد بھی مراد لی ہے ـــــ تسبیح و تحمید کے دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ نماز سے باہر سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ تعالیٰ کی پاکی کے دوسرے کلمات پڑھے جائیں ، تو اس کا مطلب ہوگا کہ یوں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی جاسکتی ہے ؛ لیکن خاص کر صبح و شام اور رات میں تسبیحات پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے ، اور ''أدبار السجود'' کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اوقات کے علاوہ فرض نمازوں کے بعد بھی تسبیحات پڑھنے کا اہتمام کیا جائے ۔

(خلاصہ از : تفسیر قرطبی : ۱۷/۲۴ ، ۲۵ ، احکام القرآن للجصاص : ۳/۴۱۰ ، تفسیر طبری : ۲۱/۴۷۳ ، تفسیر بیضاوی : ۵/۹۴ ، مفاتیح الغیب : ۱۴/۴۶۹ ، ۴۷۰)

﴿۲﴾ یعنی وہ آواز اتنی واضح ، صاف اور کرخت ہوگی کہ ہر شخص اس کو پوری طرح اور یکساں طریقہ پر سن لے گا ۔ (مفاتیح الغیب : ۱۴/۴۸۵)

﴿۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہی پیدا بھی کرتے ہیں ، موت بھی دیتے ہیں اور پھر زندہ بھی کریں گے ، دنیا کی بعض قوموں میں یہ تصور تھا کہ کئی خدا ہیں اور وہ الگ الگ کام کیا کرتے ہیں ، جیسے ہندوؤں کے نزدیک برہما جی پیدا کرتے ہیں ، وشنو جی پرورش کرتے ہیں ، اور شیو جی ہلاک کرتے ہیں ، تو قرآن نے واضح کر دیا کہ ایسا کچھ نہیں ہے ، تنہا اللہ ہی ان سب کو انجام دیتے ہیں ۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ع ۳/۱٦ ۱۷

اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی ، وہ تیز تیز دوڑ رہے ہوں گے ، ﴿۱﴾ یہ اکٹھا کر لینا ہمارے لئے بہت ہی آسان ہے ، ﴿۴۴﴾ وہ جو کچھ کہتے ہیں : ہم اس سے خوب واقف ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے تو ہیں نہیں ؛ لہٰذا جو میری تنبیہ سے ڈرتا ہے ، اس کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیۓ ۔ ﴿۴۵﴾

﴿۱﴾ یعنی سارے لوگ میدانِ حشر کی طرف دوڑ رہے ہوں گے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میدان حشر شام کی طرف قائم ہوگا ۔ (تفسیر قرطبی : ۱۷/ ۲۷ ، بحوالہ سنن ترمذی ، عن معاویۃ بن حیدۃ)

سُورَةُ الذّٰارِيَاتْ

- سورہ نمبر : (۵۱)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۶۰)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کے شروع ہی میں 'ذاریات' یعنی ان ہواؤں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، جو غبار کو اُڑا کر بکھیر دیتی ہیں، اسی لفظ سے اس سورہ کا نام رکھا گیا ہے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ پوری سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ کا خصوصی مضمون قیامت کا قائم ہونا، حساب و کتاب کیا جانا اور انسان کا جنت یا دوزخ میں داخل ہونا ہے، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی مختلف نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کے ساتھ جو یہ ناروا برتاؤ کرتے ہیں، یہاں تک کہ جادوگر اور دیوانہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے، یہی سلوک آپ کے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے، اس سورہ میں بھی مختصر طور پر ان مختلف قوموں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا ۝۱ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۝۲ فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا ۝۳ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۝۴ اِنَّمَا
تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّيۡنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُكِ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ان ہواؤں کی قسم! جو غبار اُڑا کر بکھیر دیتی ہیں، ۝۱ پھر بوجھل بادلوں کو اُٹھاتی ہیں، ۝۲ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہیں، ۝۳ پھر ایک اہم چیز (یعنی پانی) تقسیم کرتی ہیں، ﴿۱﴾ ۝۴ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جارہا ہے، وہ بالکل سچ ہے، ۝۵ اور جزا و سزا ضرور ہی واقع ہونے والی ہے، ۝۶ جالی دار آسمان کی قسم۔ ﴿۲﴾ ۝۷

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کی قسم کھائی ہے اور پھر ان کی چار صفتیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ وہ غبار کو اُڑاتی ہیں اور فضا میں بکھیرتی رہتی ہیں، دوسرے: وہ خود ہلکی ہوتی ہیں؛ لیکن بوجھل بادلوں کو لئے لئے پھرتی ہیں، تیسرے: غبار اُڑاتے وقت ان کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے؛ لیکن جب بادلوں کو اُٹھا کر چلتی ہیں تو آہستہ آہستہ سبک خرامی کے ساتھ چلتی ہیں، چوتھے: وہ بادلوں کو اس طرح ٹکڑوں میں بکھیر دیتی ہیں کہ ساری بارش ایک ہی جگہ نہ ہوجائے؛ بلکہ قدرتی طور پر مختلف علاقوں میں پانی تقسیم ہوجائے، اسی تشریح کے مطابق یہاں ترجمہ کیا گیا ہے؛ لیکن بعض اہل علم نے ان کو 'ہوا' کی صفت نہیں مانا ہے؛ بلکہ کہا ہے کہ ان چار آیتوں میں چار الگ الگ چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، پہلی آیت میں ہوا کی، دوسری آیت میں بادل کی، تیسری آیت میں کشتیوں کی، جو آہستہ آہستہ دریاؤں پر بہتی رہتی ہیں، اور چوتھی آیت میں فرشتوں کی، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بارش کو مختلف علاقوں میں تقسیم کردیتے ہیں ـــــ دونوں ہی معنوں کی گنجائش ہے۔

﴿۲﴾ آسمان سے مراد فضا بھی ہوسکتی ہے اور ''حبک'' کے معنی راستوں کے ہوسکتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ فضا میں سیاروں کی گردش کے راستے بنائے گئے ہیں، ان کی قسم کھائی جارہی ہے اور آسمان سے حقیقی آسمان بھی مراد ہوسکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جیسے زمین میں یہاں کی مخلوقات کے چلنے کے راستے ہیں، اسی طرح وہاں فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں ـــــ ''حبک'' کے ایک معنی جالیوں اور اس طرح کی دھاریوں کے بھی ہیں جو کپڑوں پر بُنی ہوتی ہے اور ان لہروں کے بھی جو ہوا کی وجہ سے ریگستانوں میں بن جاتی ہیں، ایسی صورت میں ''جالیوں والے آسمان'' کے معنی ہوں گے، یہ عجیب بات ہے کہ موجودہ دور میں سائنس دانوں نے جو اتھاہ اور نہ ختم ہونے والی فضاؤں کی تصویر لی ہے، تو وہ فضا میں مختلف سیاروں کی گردش کی وجہ سے بالکل ایسی ہی نظر آتی ہیں، جیسے خوبصورت جالیاں بُنی ہوئی ہوں، عجب نہیں کہ قرآن نے اسی کائناتی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہو، قرآن اس ذات کا کلام ہے جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے تو اگر اس کے الفاظ ایسی حقیقتوں کی طرف اشارہ کریں جسے انسان پہلے نہیں جانتا تھا تو یہ باعث حیرت نہیں۔

اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۸ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۹ؕ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۱۰ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ
غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۱۱ۙ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۱۲ؕ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۱۳ ذُوْقُوْا
فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۱۴ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۱۵ۙ
اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۱۶ؕ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا
يَهْجَعُوْنَ ۱۷ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۱۸ وَفِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۱۹

بے شک تم لوگ متضاد باتیں کرتے ہو، «۱» ﴿۸﴾ اس سے وہی پھر جاتا ہے جو (بھلائی سے) پھیر دیا گیا ہو، ﴿۹﴾ اٹکل
سے بات کرنے والے ہلاک ہوجائیں، ﴿۱۰﴾ جو غفلت میں پڑ کر بھولے ہوئے ہیں، ﴿۱۱﴾ وہ پوچھتے ہیں: بدلہ کا دن
کب واقع ہوگا؟ ﴿۱۲﴾ اس دن کہ جب وہ آگ پر بھونے جائیں گے، ﴿۱۳﴾ ہم کہیں گے: اپنی شرارت کا مزہ چکھو، یہی
وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے، ﴿۱۴﴾ بے شک اللہ سے ڈرنے والے لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں
گے، ﴿۱۵﴾ ان کو ان کے پروردگار نے جو عطا فرمایا ہوگا، وہ اسے لے رہے ہوں گے؛ (کیوں کہ) وہ اس سے پہلے
نیک عمل کیا کرتے تھے، ﴿۱۶﴾ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے، ﴿۱۷﴾ اور رات کے آخری حصہ میں مغفرت کی دُعا کیا
کرتے تھے، ﴿۱۸﴾ اور ان کے مال میں مانگنے والے اور (نہ مانگنے والے) تنگ دست شخص کا حصہ ہوتا تھا۔ «۲» ﴿۱۹﴾

«۱» یعنی تم کبھی رسول اللہ ﷺ کو جادوگر کہتے ہو، کبھی کہتے ہو کہ خود ان پر جادو کردیا گیا ہے، کبھی دیوانہ کہتے ہو، کبھی شاعر، اسی طرح قرآن مجید کے بارے میں کبھی کہتے ہو کہ یہ کاہنوں کا قول ہے، کبھی کہتے ہو کہ شاعری ہے، کبھی اس کو پہلوں کی کہانیاں اور داستانیں قرار دیتے ہو، کبھی کہتے ہو کہ آپ ﷺ نے اہل کتاب سے سیکھ لیا ہے اور کبھی آپ کی تصنیف قرار دیتے ہو۔

«۲» آیت نمبر: ۱۷ تا ۱۹ میں اہل جنت کے تین خصوصی اوصاف ذکر کئے گئے ہیں، اول یہ کہ وہ رات میں بہت کم سوتے ہیں، یعنی رات کا بڑا حصہ عبادت میں گذرتا ہے اور وہ تہجد کا اہتمام کرتے ہیں، دوسرے: رات کے آخری حصہ میں دُعاء واستغفار کیا کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ دُعا کی قبولیت کا وقت ہے؛ کیوں کہ اس وقت انسان تنہا اور یکسو ہوتا ہے، اللہ کی طرف توجہ میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ انھیں کیفیات کے ساتھ کی گئی دُعاؤں کو قبول فرماتے ہیں، غور کیا جائے تو یہ دونوں عمل اللہ کے ساتھ انسان کے تعلق کی علامت ہیں، جو لوگ دین سے دور اور خشیتِ الٰہی سے عاری ہوتے ہیں، ان کی رات کا ابتدائی حصہ شراب نوشی اور بے حیائی کے کاموں میں گذرتا ہے اور رات کا آخری حصہ سونے میں، تیسری صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ اپنے مال میں دوسروں کا حق محسوس کرتے ہیں، ان لوگوں کا بھی جو اُن کے سامنے اپنی ضرورت رکھیں اور ان لوگوں کا بھی جو اگرچہ دستِ سوال نہ پھیلائیں؛ لیکن ضرورت مند ہوں، یعنی وہ ضرورت مند کے زبان کھولنے اور ہاتھ پھیلانے کا بھی انتظار نہیں کرتے۔

وقف لازم

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا
تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ هَلْ اَتٰىكَ ع ۲۳ / ۱۸
حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ
مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾
فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سی نشانیاں (موجود) ہیں، ﴿۲۰﴾ اور خود تمہاری ذات میں بھی، کیا تم کو دِکھائی نہیں دیتا ہے؟ ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾ اور تمہاری روزی اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، وہ آسمان میں ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۲﴾ تو آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ (قرآن) اسی طرح یقینی ہے جیسے تمہارا باتیں کرنا، ﴿۳﴾ ﴿۲۳﴾ کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کے واقعہ کی خبر پہنچی ہے؟ ﴿۲۴﴾ جب (فرشتے) ان کے پاس آئے تو ان کو سلام کیا، ابراہیم نے بھی سلام کیا (اور دل ہی دل میں کہا:) یہ تو کچھ انجانے لوگ ہیں، ﴿۲۵﴾ پھر اپنے گھر والوں کی طرف گیا اور ایک موٹا تازہ (بھنا ہوا) بچھڑا لے آیا، ﴿۲۶﴾ پھر اس کو ان کے سامنے پیش کیا، ابراہیم نے کہا: آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں؟ ﴿۲۷﴾ (جب اس کے باوجود مہمانوں نے نہیں کھایا) تو ابراہیم دل ہی دل میں ان سے خوف کھانے لگے، مہمانوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں، (ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں) انھوں نے ابراہیم کو ایک دانش مند لڑکے کی خوشخبری سنائی۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں کائنات میں بھی پھیلی ہوئی ہیں اور خود انسان کے وجود میں بھی، جن کو دیکھ کر اور جن میں غور کر کے انسان اپنے خدا کو پاسکتا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی تمہاری روزی اور جو چیزیں تمہیں دنیا وآخرت میں پیش آنے والی ہیں، کا فیصلہ زمین پر نہیں آسمان پر ہوتا ہے، یعنی جو کچھ آرام وتکلیف پہنچتا ہے، سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے؛ اسی لئے اس کی ایک تفسیر کی گئی ہے کہ یہ ساری چیزیں لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۷/۴۱)

﴿۳﴾ انسان سب سے زیادہ یقینی طور پر اس چیز کو جانتا ہے، جس کو وہ اپنے جسمانی اعضاء کے ذریعہ محسوس کرتا ہے، جیسے: دیکھنا، سننا، چکھنا، بولنا؛ لیکن بولنے کے علاوہ احساس بخشنے والے جو دوسرے افعال ہیں، وہ بھی بعض دفعہ مشتبہ ہوجاتے ہیں، جیسے دوری یا بینائی کی کمی کی وجہ سے دیکھنے میں فرق ہوجاتا ہے، کان کے بوجھل ہوجانے کی وجہ سے سننے میں غلطی ہوجاتی ہے، بیماری کی وجہ سے زبان کے چکھنے کی صلاحیت متاثر ہوجاتی ہے؛ لیکن انسان خود جو بولتا ہے، چاہے سننے والا اس کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے؛ لیکن وہ خود اپنی بولی ہوئی بات اچھی طرح سمجھتا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بولنے کی مثال دی کہ جیسے تم کو اپنے ادا کئے ہوئے الفاظ اور کہی ہوئی بات کا یقین ہوتا ہے، قرآن مجید کا برحق ہونا اسی قدر یقینی ہے۔

فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِیۡ صَرَّةٍ فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا وَقَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوۡا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۰﴾

تو ابراہیم کی بیوی چلاتی ہوئی آئی اور اپنا منہ پیٹتے ہوئے کہنے لگی: ایک بانجھ بڑھیا (کو اولاد ہوگی؟) ﴿۲۹﴾ فرشتوں نے کہا: (ہاں) تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، یقیناً اللہ بڑی حکمت والے اور خوب جاننے والے ہیں۔ ﴿۳۰﴾

• • •

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ
عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ
يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى
بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ
عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ
كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾

ابراہیم نے کہا: اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا مقصد کیا ہے؟ ﴿۳۱﴾ فرشتوں نے جواب دیا: ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں؛ ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں، ﴿۳۳﴾ جس پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نشان بھی لگے ہوئے ہیں، (یہ) حد سے گذر جانے والوں کے لئے ہیں، ﴿۳۴﴾ تو وہاں جو مسلمان تھے، ہم نے ان کو نکال لیا، ﴿۳۵﴾ تو ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا، ﴿۳۶﴾ اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں، ہم نے ان کے لئے اس بستی میں نشانِ (عبرت) چھوڑ دیا، ﴿۱﴾ ﴿۳۷﴾ اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے، ہم نے اس کو روشن دلیل دے کر فرعون کی طرف بھیجا، ﴿۲﴾ ﴿۳۸﴾ تو وہ اپنی قوت کے بل پر اَکڑ گیا اور کہنے لگا: یہ (موسیٰ) یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ، ﴿۳۹﴾ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور وہ کام ہی ملامت کے لائق کیا کرتا تھا، ﴿۳﴾ ﴿۴۰﴾ اور عاد کے قصہ میں بھی نشانی ہے، جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی ہَوا بھیج دی، ﴿۴۱﴾ وہ جس چیز پر بھی گزرتی، اس کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی، ﴿۴﴾ ﴿۴۲﴾ اور ثمود میں بھی نشانی ہے، جب ان سے کہا گیا کہ تھوڑے دنوں عیش کر لو۔ ﴿۴۳﴾

﴿۱﴾ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان فرشتوں کے آنے کا ذکر ہے، جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے تھے، اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آیت نمبر: ۳۴ میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ ان پر بطورِ عذاب جن کنکروں کی بارش ہوئی، ان پر ایک خاص طرح کا نشان موجود تھا، یہ عام سے کنکر نہیں تھے، یہ نشان کس قسم کا تھا؟ قرآن یا حدیث میں اس کا ذکر نہیں آیا ہے ـــ یہ واقعہ سورۂ اعراف: ۸۰ - ۸۴ میں گذر چکا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی معجزہ دے کر۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر سورۂ اعراف: ۱۰۴ اور اس کے بعد کی آیات میں گذر چکا ہے۔

﴿۴﴾ قومِ عاد اور ان کی طرف بھیجے گئے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر سورۂ اعراف: ۶۵ - ۷۲ میں آچکا ہے۔

فَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِيَامٍ
وَّمَا كَانُوۡا مُنۡتَصِرِيۡنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۴۶﴾ وَالسَّمَآءَ
بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ
خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۚ﴿۵۰﴾ وَلَا
تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ
مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوۡا بِهٖ ۚ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ۚ﴿۵۳﴾

ع ۲ / ۲۳ / ۱

پھر وہ اپنے رب کے حکم کے مقابلہ سرکشی کرنے لگے تو ان کو ایک کڑک نے آ پکڑا اور وہ دیکھتے رہ گئے؛ ﴿۴۴﴾ چنانچہ نہ تو وہ اُٹھ سکے اور نہ بدلہ لے سکے، ﴿۱﴾ ﴿۴۵﴾ اور اس سے پہلے ہم نوح کی قوم کو بھی (ہلاک کر چکے)، وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے، ﴿۲﴾ ﴿۴۶﴾ اور ہم نے آسمانوں کو اپنی قدرت سے بنایا ہے، ﴿۳﴾ اور کوئی شک نہیں کہ ہم کو ساری قدرت حاصل ہے، ﴿۴۷﴾ اور زمین کو بھی ہم نے ہی بچھایا، تو ہم کیا ہی اچھے بچھانے والے ہیں، ﴿۴۸﴾ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کئے: تا کہ تم نصیحت حاصل کرو، ﴿۴﴾ ﴿۴۹﴾ تو اللہ ہی کی طرف دوڑو، میں تو اللہ کی طرف سے تم کو صاف صاف خبر دار کر دینے والا ہوں، ﴿۵۰﴾ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ، یقیناً میں تم کو اللہ کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں، ﴿۵۱﴾ اسی طرح ان سے پہلے کے لوگوں کے پاس بھی جو پیغمبر آئے تو انھوں نے یہی کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے، ﴿۵۲﴾ کیا یہ ایک دوسرے کو اسی کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ ﴿۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب سرکش لوگ ہیں۔ ﴿۵۳﴾

﴿۱﴾ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا واقعہ سورۂ اعراف: ۷۳-۷۹ میں آچکا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: اعراف: ۵۹، ہود: ۲۶-۴۹۔

﴿۳﴾ اصل ترجمہ تو ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے؛ لیکن تقریباً ہر زبان میں ہاتھ کا استعمال طاقت وقوت کے معنی میں بھی ہوتا ہے، خاص کر عربی زبان میں یہ استعمال بہت عام ہے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے طاقت وقدرت کے معنی مراد لئے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۵۲) اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

﴿۴﴾ یعنی دنیا کی ہر چیز اس طرح بنائی گئی ہے کہ ایک چیز کے مقابل دوسری چیز ہے، جیسے مرد عورت، آسمان زمین، دن رات، روشنی تاریکی، صبح شام، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۵۳) اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ جب ہر چیز جوڑا پیدا کی گئی تو دنیا کا بھی کوئی جوڑا ہونا چاہئے اور وہ ہے آخرت۔

﴿۵﴾ حقیقت میں ایسا نہیں ہے کہ ایک نسل نے دوسری نسل کو نبیوں کے انکار کی وصیت کی ہو؛ لیکن ان کا طرز عمل ایسا ہی ہے کہ گویا ایک نسل کے لوگوں نے مرتے وقت بعد کی نسل والوں کو انبیاء کی مخالفت پر جمے رہنے کی نصیحت کی ہو۔

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقۡتُ
الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ مَاۤ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذَنُوۡبًا مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ اَصۡحٰبِهِمۡ فَلَا
يَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ يَّوۡمِهِمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۰﴾ ع ۳/۱۴/۲

تو آپ ان سے منھ پھیر لیجئے ، آپ پر کوئی الزام نہیں ، ﴿۵۴﴾ اور سمجھاتے رہئے : کیوں کہ سمجھانا ایمان والوں کو فائدہ پہنچاتا ہے ، ﴿۵۵﴾ ہم نے جنات اور انسان کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ، ﴿۱﴾ ﴿۵۶﴾ میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ کہ مجھے کھانا کھلائیں ، ﴿۵۷﴾ یقیناً اللہ ہی روزی دینے والے ، قوت والے اور زبردست ہیں ، ﴿۵۸﴾ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان ظالموں کی بھی اسی طرح باری آنے والی ہے ، جیسے ان کے ساتھیوں کی آچکی ہے ؛ اس لئے وہ مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کریں ، ﴿۵۹﴾ غرض کہ جس دن کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے ، اس دن ان لوگوں کے لئے بڑی خرابی و بربادی ہے ۔ ﴿۶۰﴾

﴿۱﴾ انسان سے اگرچہ اور بھی بہت سے کام متعلق کئے گئے ہیں ؛ لیکن اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے ، اب اصل عبادت تو وہ ہے جس سے اللہ کے سامنے عاجزی اور خضوع کا اظہار ہوتا ہو ، جیسے : نماز و روزہ ، حج و زکوٰۃ و قربانی ، اور دوسرے درجہ میں وہ تمام اعمال عبادت میں داخل ہیں ، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی غرض سے اور اس کی رضا و خوشنودی کی نیت سے کئے جاتے ہیں ، جیسے رسول اللہ ﷺ نے ماں باپ کو محبت کی نظر سے دیکھنے ، (کنز العمال ، حدیث نمبر : ۴۳۴۹۴ ، نیز دیکھئے : الدر المنثور : ۲۵۸/۵) بیوی کے منھ میں لقمہ ڈالنے ، (بخاری ، کتاب النفقۃ ، باب فضل النفقۃ علی الأھل ، حدیث نمبر : ۵۰۳۹) یہاں تک کہ پودے لگانے جس سے جانور اپنی غذا حاصل کرلیں ، (مسلم ، کتاب المساقاۃ ، باب فضل الغرس والزرع ، حدیث نمبر : ۱۵۵۲) کو بھی صدقہ قرار دیا ہے ، بعض اہل علم نے یہاں عبادت سے توحید کا معنی مراد لیا ہے ، یعنی ہم نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری خدائی کو تسلیم کریں ، (تفسیر قرطبی : ۵۵/۱۷) لیکن غور کیا جائے تو عقیدۂ توحید پر ایمان اللہ کے سامنے تذلل اور عاجزی کا حصہ ہے ؛ اس لئے اس میں تمام عبادتیں شامل ہیں اور ان میں اول درجہ توحید کا عقیدہ اور اس کا اقرار کرنا ہے ۔

سُورَۃ الطُّور

- سورہ نمبر : (۵۲)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۴۹)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’طور‘ اس پہاڑ کا نام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی، اس سورہ کے شروع ہی میں اس پہاڑ کی قسم کھائی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام طور ہے، اس سورہ کا آغاز قیامت کے ذکر سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ توحید، آخرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، آپ پر کئے جانے والے اعتراضات کا رد، اہل جنت پر انعامات اور اہل دوزخ پر عذاب وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذکر و تسبیح کی تلقین کی گئی ہے۔

یہ ان سورتوں میں سے ہے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازوں میں تلاوت کیا کرتے تھے، اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے بیت اللہ شریف کے بازو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھنے کے دوران سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الطور، حدیث نمبر: ۴۸۵۷) نیز حضرت جُبَیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں کچھ قیدیوں کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت فجر کی نماز ادا کررہے تھے اور سورۂ طور کی تلاوت میں مشغول تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت نمبر: ۷، ۸ پر پہنچے تو عذاب نازل ہونے کے خوف سے میں نے اسلام قبول کرلیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورہ کی آیت نمبر: ۳۵، ۳۶ پڑھی تو ایسا لگا کہ میرا کلیجہ اُڑ جائے گا۔ (الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴/ ۴۱۲)

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاۗءُ
مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ
يَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝۱۳ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۴ وقف لازم
اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے طور (نامی پہاڑ) کی، ﴿۱﴾ ۝۱ اس کتاب کی جو کھلے ہوئے ورق میں لکھی ہوئی ہے، ﴿۲﴾ ۝۲ ۝۳ اور بیت المعمور کی، ﴿۳﴾ ۝۴ بلند چھت کی، ﴿۴﴾ ۝۵ اُبلتے ہوئے دریا کی، ۝۶ کہ آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا، ۝۷ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا، ۝۸ جس دن آسمان لرزنے لگیں گے، ۝۹ اور پہاڑ چلنے لگیں گے، ۝۱۰ تو اس دن (دینِ حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے، ۝۱۱ جو بے ہودہ باتوں میں کھیل رہے ہیں، ۝۱۲ اس دن ان کو دھکے دے دے کر دوزخ کی آگ کی طرف لایا جائے گا، ۝۱۳ (اور ان سے کہا جائے گا:) یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ۝۱۴ اب بھلا کیا یہ جادو ہے یا تم کو سوجھتا نہیں ہے؟ ۝۱۵

﴿۱﴾ طور ایسے پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر پودے اُگا کرتے ہیں، یہ اس خاص پہاڑ کا نام بھی ہے جو مصر کے علاقہ سیناء میں واقع ہے، اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی تھی، اس خصوصی شرف کی وجہ سے اس پہاڑ کی قسم کھائی گئی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۵۸)

﴿۲﴾ ''رق'' ہرن وغیرہ کی جھلی کو کہتے ہیں، جس پر قدیم زمانہ میں لکھا جاتا تھا، یہاں ''رق'' میں لکھی ہوئی کونسی کتاب مراد ہے؟ اس سلسلہ میں تین باتوں کا امکان ہے، اول: خود قرآن مجید، گویا یہاں قرآن کی قسم کھائی جارہی ہے، دوسرے: اس سے گذشتہ آسمانی کتابیں، جیسے تورات وانجیل وغیرہ، تیسرے: نامۂ اعمال، جس میں شب وروز ہر انسان کا عمل لکھا جارہا ہے، تینوں ہی معنی کی گنجائش ہے اور مفسرین سے تینوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۵۹)

﴿۳﴾ ''معمور'' کے معنی آباد کے ہیں، جیسے زمین میں کعبۃ اللہ ہے، اسی طرح آسمان پر گویا یہ فرشتوں کا کعبہ ہے، ہر دن ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے واقعۂ معراج کی جو تفصیل منقول ہے، اس میں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ جب آپ ﷺ ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے اپنی پشت لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر: ۴/۲۸۸)

﴿۴﴾ بلند چھت سے مراد آسمان ہے؛ چنانچہ خود قرآن مجید میں دوسری جگہ آسمان کو صراحتاً چھت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ''وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا''۔ (الانبیاء: ۳۲)

اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٦﴾ اِنَّ
الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِيۡمٍ ﴿١٧﴾ فٰكِهِيۡنَ بِمَاۤ اٰتٰٮهُمۡ رَبُّهُمۡ ۚ وَوَقٰٮهُمۡ رَبُّهُمۡ عَذَابَ
الۡجَحِيۡمِ ﴿١٨﴾ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓــًٔا ۢ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٕيۡنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصۡفُوۡفَةٍ ۚ
وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَـقۡنَا بِهِمۡ
ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَـتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ كُلُّ امۡرِیءٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيۡنٌ ﴿٢١﴾

اس میں داخل ہوجاؤ پھر صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے حق میں برابر ہے، ﴿١﴾ تم جو کیا کرتے تھے تم کو اسی کا تو بدلہ مل رہا ہے، ﴿١٦﴾ جو لوگ اللہ سے ڈرتے تھے، وہ بلاشبہ جنتوں اور نعمتوں میں رہیں گے، ﴿١٧﴾ ان کو ان کے پروردگار نے جو نعمتیں دی ہیں، وہ اس پر خوش خوش ہوں گے اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، ﴿١٨﴾ اپنے ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے، مزے سے کھاؤ پیو، ﴿١٩﴾ وہ تختوں پر' جو برابر میں بچھائے ہوئے ہیں' تکیے لگائے ہوں گے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کی شادی کردیں گے، ﴿٢٠﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلتی رہی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ کردیں گے، اور ہم ان کے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہیں کریں گے، ہر آدمی اپنے کئے ہوئے عمل کے بدلے گروی ہے۔ ﴿٢﴾ ﴿٢١﴾

﴿١﴾ یعنی اگر صبر کروگے تو ایسا نہ ہوگا کہ صبر کی وجہ سے کوئی رحم دلی کی جائے اور چیخ پکار کروگے تو ایسا نہیں ہوگا کہ اس سے متاثر ہو کے تم کو معاف کردیا جائے۔

﴿٢﴾ انسان کو اس بات سے بھی خوشی ہوتی ہے کہ اس کے بچے اور اس کے خاندان کے لوگ اس کے ساتھ رہیں؛ لیکن جنت میں داخل ہونے کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے؛ اس لئے مسلمانوں کے غیر مسلم رشتہ داروں کو تو جنت میں جگہ نہیں ملے گی؛ مگر جو مسلمان رشتہ دار ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے ساتھ کردیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کے عمل کچھ کم بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ عدل کا معاملہ کرنے کے بجائے فضل کا معاملہ کرتے ہوئے انھیں جنت میں داخل کردیں گے، اور ایسا بھی نہ ہوگا کہ ان کے اعمال کی کمی ان نیک لوگوں کے عمل سے پوری کی جائے، جن کے ساتھ ان کے رہنے کا انتظام کیا جائے گا؛ بلکہ ان کے عمل میں کمی کئے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انھیں اونچا مقام عطا فرمادیں گے؛ البتہ ایمان نہ لانے والے لوگ جنت میں اس لئے داخل نہ کئے جاسکیں گے کہ اس معاملہ میں ہر شخص کے ساتھ اسی کے عمل کے لحاظ سے معاملہ کیا جائے گا، ایک کا ایمان دوسرے کے کام میں نہیں آئے گا، اس مضمون کی وضاحت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں مومنوں کے خاندان کو درجہ کی ترقی دے کر ان کے ساتھ پہنچادیں گے، چاہے خود ان کا عمل اس لائق نہ ہو؛ تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں: ''إن اللہ لیرفع ذریة المؤمن معه فی درجته فی الجنة''۔ (مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الطور: ٣٧٧٤)

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا
تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ
السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ ع ۴۸/۳
رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا
فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور ہم ان کی خواہش کے مطابق پھل اور گوشت عطا کرتے رہیں گے، ﴿۲۲﴾ وہ (تفریح کے طور پر) ایک دوسرے کے ہاتھ سے جھپٹ جھپٹ کر شراب کا جام حاصل کریں گے، نہ اس میں کوئی بے ہودہ بکواس ہوگی نہ کوئی گناہ کی بات، ﴿۲۳﴾ اور ان کے پاس ایسے کم عمر لڑکے آنا جانا کریں گے کہ گویا وہ غلاف میں رکھے ہوئے موتی ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۴﴾ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت بھی کریں گے، ﴿۲۵﴾ وہ کہیں گے: ''اس سے پہلے تو ہم اپنے گھر والوں میں (اللہ کے عذاب سے) ڈرتے رہتے تھے، ﴿۲﴾ ﴿۲۶﴾ تو اللہ نے ہم پر بڑا ہی احسان فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی گرم ہوا کے عذاب سے بچا لیا، ﴿۲۷﴾ ہم پہلے اللہ سے دُعائیں کرتے رہتے تھے، یقیناً اللہ بڑے محسن اور مہربان ہیں'' ﴿۲۸﴾ تو (اے پیغمبر) آپ سمجھاتے رہئے کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل وکرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانے، ﴿۳﴾ ﴿۲۹﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں جن کے لئے ہم زمانہ کی گردش (یعنی حادثات) کا انتظار کر رہے ہیں؟ ﴿۳۰﴾ آپ فرما دیجئے: تم انتظار کرتے رہو، تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی انتظار کر رہا ہوں، ﴿۳۱﴾ کیا ان کی عقلیں ان کو یہ بات سکھا رہی ہیں یا یہ ہیں ہی شریر لوگ؟ ﴿۳۲﴾

﴿۱﴾ عام طور پر جو لڑکے کم عمر ہوتے ہیں، ان کو دیکھ کر انسان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں؛ اسی لئے چھوٹے بچوں سے انسان کھیلتا اور تفریح کرتا ہے؛ چنانچہ اہل جنت کی خدمت اور میوے، کھانے، مشروبات لانے لے جانے کے لئے خوش شکل اور کم عمر لڑکوں کو وجود بخشا جائے گا، جو ہمیشہ اسی شکل وصورت کے ساتھ رہیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۶۹)

﴿۲﴾ یعنی ہم دنیا میں غفلت اور لا پرواہی کی زندگی نہیں گزارتے تھے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر ڈر کر رہتے تھے۔

﴿۳﴾ کاہن کے معنی جیوتشی اور غیب کی خبر بتانے والے کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ آپ ﷺ دیوانہ بھی نہیں ہیں، اس اعتراض کا جواب دے دیا، جو آج بھی خدا کی معرفت سے محروم اور اسلام دشمنی سے معمور اہل مغرب نزول وحی کی کیفیت کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ یہ ایک دماغی عارضہ تھا، جس کا آپ ﷺ پر دورہ پڑا کرتا تھا، غور کیجئے کہ کوئی شخص مرگی اور جُنون کے دورہ کی حالت میں اتنا بامعنی اور زبان وبیان کے اعتبار سے اتنا خوبصورت کلام پیش کرسکتا ہے!

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ
خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا
يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ
فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ
اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ
كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

یا وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خود قرآن کو بنا لیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ (اللہ پر) ایمان ہی نہیں رکھتے، ﴿۳۳﴾ تو اگر یہ سچے
ہیں تو ان کو اسی طرح کا کوئی کلام پیش کرنا چاہئے، ﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾ کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر اپنے آپ پیدا ہو گئے ہیں یا وہ
خود پیدا کرنے والے ہیں، ﴿۳۵﴾ یا انھوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ یقین ہی نہیں
رکھتے، ﴿۲﴾ ﴿۳۶﴾ کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ لوگ داروغہ ہیں؟ ﴿۳۷﴾ یا ان کے پاس کوئی
سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (آسمان کی باتیں) سن آیا کرتے ہیں، تو جو سننے والا شخص ہے، اس کو واضح دلیل پیش کرنی
چاہئے، ﴿۳﴾ ﴿۳۸﴾ کیا اللہ کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے؟ ﴿۳۹﴾ کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے
ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۴۰﴾ یا ان کو غیب کا علم حاصل ہے، جسے وہ لکھ لیتے ہیں؟ ﴿۴۱﴾ یا یہ کوئی
چال چلنا چاہتے ہیں؟ تو یہ کافر خود ہی چالبازی (کے وبال میں) گرفتار ہو جائیں گے۔ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ قرآن کا یہ چیلنج آج بھی ان لوگوں کے لئے باقی ہے، جو قرآن کو انسانی تصنیف سمجھتے ہیں اور اللہ کا کلام باور نہیں کرتے، مگر نہ اُس زمانہ میں کسی کو ہمت ہوئی کہ اس چیلنج کو قبول کرے، نہ آج کسی کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ قرآن کے مقابلہ کوئی کتاب پیش کرے۔

﴿۲﴾ یعنی کائنات میں بہت سی چیزوں کا پیدا ہونا دلیل ہے کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہی پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

﴿۳﴾ اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کی طرف اشارہ تھا، اور آیت نمبر: ۳۷، ۳۸ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے خزانہ کے مالک ہیں اور جیسے مادی اسباب اس کے خزانہ کا حصہ ہیں، اسی طرح نبوت کی صورت میں نعمت روحانی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے خزانہ کا حصہ ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے خزانہ سے عطا کی جاتی ہے، اور اللہ جسے چاہیں اپنی نعمت سے نواز دیں، تو کیا اس خزانہ کے مالک یا اس کے نگران و ذمہ دار یہ ایمان نہ لانے والے حضرات ہیں کہ وہ جس کو چاہیں نبوت دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں، یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس سے عالم بالا تک پہنچ کر انھوں نے معلوم کر لیا ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا
یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ یَوْمَ لَا
یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ
وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع ۲

یا اللہ کے سوا ان کے کچھ اور معبود ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے، ﴿۴۳﴾ اور اگر یہ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہیں گے کہ یہ تو تہہ بہ تہہ جما ہوا بادل ہے، ﴿۱﴾ ﴿۴۴﴾ تو آپ ان کو چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ وہ دن ان کے سامنے آجائے، جس میں یہ بے ہوش کردیئے جائیں گے، ﴿۴۵﴾ اس دن ان کی چالبازی ان کو کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ ان کو مدد ملے گی، ﴿۴۶﴾ اور ان ظالموں کے لئے اس عذاب سے پہلے ایک اور عذاب بھی ہے؛ لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے، ﴿۲﴾ ﴿۴۷﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر پر قائم رہئے، آپ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ﴿۳﴾ نیز اُٹھتے وقت اپنے رب کی تعریف اور پاکی بیان کیجئے، ﴿۴۸﴾ اور رات کے کچھ حصہ میں نیز ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد بھی اللہ کی تسبیح کیا کیجئے۔ ﴿۴﴾ ﴿۴۹﴾

﴿۱﴾ جب کسی انسان کے اندر ضد پیدا ہوجاتی ہے اور وہ دشمنی وعناد کی وجہ سے سچائی کا انکار کرنے لگتا ہے تو پھر بڑی سے بڑی نشانی اس کو راستہ دکھانے سے قاصر رہ جاتی ہے؛ چنانچہ ان مشرکین کا حال یہ ہے کہ اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی بطور معجزہ کے نیچے گرنے لگے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو محض تہہ بہ تہہ جما ہوا بادل ہے —— ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے؟ اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ آپ ان کو نظر انداز کرتے رہئے اور کوشش کیجئے کہ ان سے اُلجھنے کی نوبت نہ آئے۔

﴿۲﴾ یعنی آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی وہ مختلف عذاب سے دوچار کئے جائیں گے، جو قحط، جنگ میں شکست اور قدرتی آفات کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

﴿۳﴾ اس میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی ودل داری ہے کہ آپ ﷺ ان کی حرکتوں سے پریشان اور فکرمند نہ ہوں، آپ ﷺ پوری طرح ہماری حفاظت اور امان میں ہیں۔

﴿۴﴾ آیت نمبر: ۴۷، ۴۸ میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور خاص طور پر تین مواقع کا ذکر فرمایا گیا ہے، اول: اُٹھتے وقت، دوسرے: رات کے کچھ حصے میں، تیسرے: ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد، —— آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجلس سے اُٹھتے وقت ''سبحانک اللّٰهم وبحمدک ، أشهد أن لا إله إلا أنت ، استغفرک وأتوب إلیک'' (اے اللہ! تیری ذات پاک اور قابل تعریف ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں آپ سے مغفرت چاہتا ہوں اور آپ ہی کی ←

← تو طرف توبہ کرتا ہوں) پڑھے گا اس مجلس میں جو بھی غلط بات کی ہو، اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے، (ترمذی، کتاب الدعوات باب مایقول إذا قام من المجلس، حدیث نمبر: ۳۴۳۳) دوسرا معنی نماز کے لئے اُٹھنے کا ہوسکتا ہے کہ جب آدمی نماز کے لئے اُٹھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح بیان کرے؛ چنانچہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نماز کے لئے اُٹھتے وقت یہ کلمات پڑھے: ''اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً، وسبحان اللہ بکرۃ وأصیلاً'' (اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے لئے بہت ساری تعریفیں ہیں، میں صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں) (تفسیر قرطبی: ۷۹/۱۷) تیسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جب آدمی نیند سے بیدار ہو، اس وقت تسبیح پڑھے، حضرت عبادہ ﷜ نے رسول اللہ ﷺ سے اس موقع کے لئے یہ دُعا نقل کی ہے :

لا إلٰه إلا اللہ وحده لا شریک له ، له الملک وله الحمد وهو علی کل شئ قدیر ، والحمد للہ و سبحان اللہ ، و اللہ أکبر ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ ۔

ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ کی ذات پاک ہے، اللہ سب سے بڑے ہیں، طاقت اور سہارا اللہ ہی سے ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد مغفرت کی یا کسی اور بات کی دُعا کی جائے تو وہ قبول ہوگی، پھر اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو نماز بھی قبول ہوجائے گی، (بخاری، ابواب التہجد، حدیث نمبر: ۱۱۰۳) —— رات میں تسبیح پڑھنے سے مراد یا تو ذکر وتسبیح ہی ہے یا نماز تہجد؛ کیوں کہ نفل نماز کو بھی تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے —— ستاروں کے ڈوبنے کے بعد تسبیح پڑھنے سے مراد فجر کی فرض نماز سے پہلے فجر کی دو رکعت سنت ہے؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس ﷠ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إدبار النجوم'' (ستاروں کے ڈوبنے کے بعد) سے مراد فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الطور، حدیث نمبر: ۳۲۷۵)

سُورَةُ النَّجْمِ

- سورہ نمبر : (۵۳)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۶۲)
- نوعیت : مکی

سورہ کا آغاز ''ستارہ'' کی قسم کھانے سے ہوتا ہے اور ایسے ستارہ کی قسم کھائی گئی ہے، جو ڈوبنے کے قریب ہو؛ کیوں کہ ایسے ہی ستارہ سے سمت معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کے ذریعہ سمندری اور ریگستانی سفر میں لوگ اپنا راستہ متعین کرتے ہیں، جب ستارہ بیچ آسمان میں ہوتا ہے، اس سے چلنے والوں کو سمتِ سفر کا علم نہیں ہوتا — اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''والنجم'' ہے۔

اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا گیا ہے، بعض بتوں کے بارے میں نام لے لے کر بتایا گیا ہے کہ یہ معبود نہیں ہوسکتے، ستارہ کی اور فرشتہ کی بندگی کرنے سے منع کیا گیا ہے، سورہ کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعۂ معراج کا، عالم بالا کی غیبی حقیقتوں کے دیکھنے کا اور فرشتہ کا اس کی اصلی صورت میں دیدار کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ پہلی سورہ ہے، جس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم شریف میں اعلانیہ تلاوت فرمائی، (تفسیر قرطبی: ۸۱/۱۷) نیز یہ پہلی سورہ ہے، جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ مشرکین نے بھی سجدہ کیا؛ البتہ اُمیہ بن خلف اور بعض روایتوں کے مطابق ابولہب نے ایک مٹھی اُٹھا کر اس کو اپنی پیشانی سے لگالیا اور کہنے لگا کہ یہی کافی ہے؛ چنانچہ بعد میں اُمیہ بن خلف کفر کی حالت میں مارا گیا۔ (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۂ والنجم: ۴۵۸۲)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

وَالنَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ۝۲ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ۝۳ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے ستارے کی جب کہ ڈوبنے لگے! ۝۱ تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) نہ بھٹک گئے ہیں اور نہ بہک گئے ہیں، ۝۲ نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ۝۳ یہ (قرآن) تو وحی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے۔ ۝۴

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرمایا کرتے تھے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوا کرتا تھا، آپ ﷺ کی کہی ہوئی باتوں میں سے بعض تو وہ ہیں، جن کے بارے میں آپ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ان کو 'حدیث قدسی' کہا جاتا ہے، یا جن کی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بات کا حکم دیا ہے، فلاں کام کو حلال یا حرام قرار دیا ہے اور فلاں عمل کو پسند یا ناپسند فرمایا ہے تو ایسی باتوں کا اللہ کی طرف سے ہونا بالکل واضح ہے، دوسرے: وہ باتیں ہیں جن کی آپ ﷺ نے صراحتاً اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کی ہے؛ لیکن ان کو انسان اپنی عقل اور فکر واجتہاد کے ذریعہ نہیں سمجھ سکتا، جیسے: عبادات اور حلال وحرام کے احکام، آپ ﷺ کے زیادہ تر ارشادات اسی نوعیت کے ہیں، ان کا بھی اللہ کی طرف سے ہونا ظاہر ہے؛ کیوں کہ جب ان کو عقل کے ذریعہ نہیں سمجھا جاسکتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آپ ﷺ کو اس کا علم عطا کیا گیا ہوگا، تیسری قسم کی باتیں وہ ہیں جن کو آپ ﷺ نے اجتہاد کی بناء پر ارشاد فرمایا؛ لیکن اگر آپ ﷺ سے اجتہاد میں خطا ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرمادیتے، جیسا کہ بعض اُمور میں تنبیہ کی گئی، خود قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر نکیر نہ کیا جانا اس بات کی علامت ہے کہ وہی منشاء الٰہی ہے، چوتھی قسم کی بات وہ ہے جسے آپ ﷺ زبان حال سے فرمایا کرتے تھے، یعنی زبان سے تو آپ ﷺ نے کچھ نہیں کہا؛ لیکن آپ ﷺ نے عمل فرمایا، جیسے ایک صاحب نے نماز کا طریقہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو، (بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر الخ، حدیث نمبر: ۶۰۵) یا آپ ﷺ کے سامنے کوئی بات کہی گئی اور آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی، یا آپ ﷺ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، یہ خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اس بات کو درست قرار دیا، تو یہ احکام بھی جو زبان حال سے دیئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں، گویا رسول اللہ ﷺ نے دینی اُمور میں جو بھی احکام دیئے ہیں، وہ سب اللہ کی طرف سے القاء کی جانے والی تعلیمات پر مبنی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور کسی قول وفعل پر آپ ﷺ کی خاموشی جس کو حدیث وسنت کہتے ہیں، بھی شرعاً حجت ہے اور دین وشریعت کے احکام کا بڑا حصہ اسی دلیل شرعی پر مبنی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ
الْمَاْوٰى ۝۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

اس کو بڑے طاقتور (فرشتے) نے تعلیم دی ہے،﴿۱﴾ ۝۵ جو بڑا زبردست ہے، پھر وہ اپنی اصل صورت میں آ کھڑا ہوا، ۝۶ حالت یہ تھی کہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا، ۝۷ پھر وہ نزدیک ہوا، پھر اور نزدیک آ گیا، ۝۸ تو دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، ۝۹ پھر اللہ کو جو کچھ نازل فرمانا تھا، اپنے بندے پر نازل فرمایا، ۝۱۰ پیغمبر نے جو کچھ دیکھا، ان کے دل نے اس میں کوئی جھوٹ نہیں ملایا، ۝۱۱ تو کیا تم پیغمبر سے ان کی دیکھی ہوئی چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو؟﴿۲﴾ ۝۱۲ اور اس نے فرشتہ کو ایک اور دفعہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا تھا، ۝۱۳ ۝۱۴ جس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے، ۝۱۵ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر جو چیز چھا رہی تھی، وہ چھا رہی تھی، ۝۱۶ پیغمبر کی نظر نہ ہٹی اور نہ حد سے آگے بڑھی، ۝۱۷ اس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔﴿۳﴾ ۝۱۸

﴿۱﴾ یعنی پیغمبر ﷺ پر اللہ کے کلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے طاقتور فرشتہ نے پہنچایا؛ اس لئے اس میں شیطان کی دخل اندازی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۶ سے ۱۲ تک حضرت جبرئیل علیہ السلام اور ان کے ذریعہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے کلام کے اُترنے کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام ان دیکھی شکل میں یا کسی انسانی صورت میں وحی لے کر آیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب وہ انسانی شکل میں آتے ہیں تو زیادہ تر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے ہیں؛ لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ اپنی اصل شکل میں آپ ﷺ کے سامنے آئے اور ایسا کم سے کم دو مرتبہ ہوا، پہلی بار کا واقعہ معراج سے پہلے کا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کی خواہش پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے اپنی اصل شکل میں ظاہر ہوئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان کے کنارہ پر تھے، پھر زمین سے قریب ہوتے گئے اور رسول اللہ ﷺ سے اتنے قریب ہوگئے کہ آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان دو کمان کے برابر فاصلہ بھی باقی نہیں رہا، اس وقت اللہ تعالیٰ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ ﷺ پر جو آیات نازل کرنی مقصود تھیں، وہ آپ ﷺ پر نازل کی گئیں، رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کو اچھی طرح محفوظ کیا اور اس میں کوئی غلطی نہیں کی، پھر اہل مکہ سے فرمایا گیا کہ جو چیز پیغمبر نے اپنے سر کے آنکھوں سے دیکھی ہے کیا تم اس کا انکار کرتے ہو اور اس کو جھوٹ قرار دیتے ہو؟

﴿۳﴾ آیت نمبر: ۱۳ سے ۱۸ تک دوسری بار حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دیکھنے کا ذکر کیا گیا، جو معراج کے موقع سے پیش آیا، ←

← اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ دیدار سدرۃ المنتہیٰ پر ہوا ہے، ''سِدرۃ'' کے معنی بیری کے ہیں، اور ''منتہیٰ'' وہ مقام ہے جہاں کسی چیز کی انتہا ہو، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹے یا ساتویں آسمان پر 'سدرۃ المنتہیٰ' واقع ہے، جو بیری کے درخت کی طرح ہے، فرشتوں کے لئے یہ آخری منزل ہے، یہیں اللہ کی طرف سے احکام اُترتے ہیں اور فرشتے اسے لے کر واپس آتے ہیں اور یہیں فرشتے انسان کے اعمال کو لے کر جاتے ہیں اور وہاں سے اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھا لئے جاتے ہیں، (مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ: ۱۷۳) بیری کے درخت کی طرح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا کے درختوں کی طرح ہے؛ بلکہ وہ عالم بالا کی شان کے مطابق ہے، سایہ اتنا گھنا ہے کہ سوار اس میں سو سال تک چلتا رہے اور پتنگے جو اس درخت پر گرتے ہیں، وہ سونے کے بنے ہوئے ہیں اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں، (ترمذی عن اسماء بنت اَبی بکر، کتاب صفۃ الجنۃ: ۲۵۴۱) پھر سدرۃ المنتہیٰ کا محلِ وقوع بیان کیا گیا کہ وہیں پر جنت المأویٰ واقع ہے، مأویٰ کے معنی ٹھکانہ کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ جنت عرش باری تعالیٰ کے دائیں جانب ہے، جنت المأویٰ سے کونسی جنت مراد ہے؟ قرآن اور حدیث میں اس کی وضاحت نہیں آئی ہے، مفسرین نے مختلف رائیں قائم کی ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ وہی جنت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کا ٹھکانہ بنا تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خاص جنت ہے، جس میں ایمان والوں کی روحیں رکھی جاتی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ یہاں شہداء کی روحوں کا قیام رہتا ہے، ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہی وہ جنت ہے کہ جس میں آخرت میں اہل جنت داخل کئے جائیں گے، بہر حال یہ ساری رائیں اندازہ پر مبنی ہیں، قرآن مجید سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ایک جنت ہے جس کا نام 'جنت المأویٰ' ہے۔

آیت نمبر: ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر جو چیز چھا رہی تھی، بس وہ چھا رہی تھی، مطلب یہ ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر ایک ایسی خوشگوار چیز چھائی جا رہی تھی، جس کے حسن و جمال کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ اللہ کا نور اسے ڈھانپے جا رہا تھا، وہ ایسا تھا کہ کوئی شخص اسے دیکھ نہ سکتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۹۶/۱۷)
—— پھر فرما دیا گیا کہ پیغمبر کی نظر نہ دائیں بائیں ہوئی اور نہ مقررہ حد سے آگے بڑھی، یعنی جس چیز کے دیکھنے کی اجازت دی گئی، ان کو دیکھا اور آنکھ بھر کے دیکھا، اور جن کو دیکھنے کا حکم نہیں ہوا، وہاں نظر بھی نہیں ڈالی، پوری طرح اللہ کے حکم کے تابع بن کر رہے، اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیوں کا دیدار فرمایا، جیسے: انبیاء اور اچھے اور بُرے لوگوں کی روحیں، جنت اور دوزخ، رَفرَف کی سواری جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کے قریب تک لے گئی۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہے کہ واقعۂ معراج کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا؛ بلکہ آپ نے دو موقعوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی شکل میں دیکھا ہے، ان میں سے ایک موقع معراج کا تھا، (احکام القرآن للجصاص: ۴۱۲/۳) اور اس سورہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی کے دیدار کا ذکر ہے، جمہور کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے؛ البتہ اس بات پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ اگرچہ دنیا میں انسان کو جو آنکھیں عطا کی گئی ہیں، وہ اس لائق نہیں ہیں کہ اللہ کا دیدار کر سکیں؛ لیکن آخرت میں اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا اور جب وہ اللہ کا دیدار کریں گے تو محسوس کریں گے کہ اب تک انھوں نے جو نعمتیں پائی تھیں، وہ سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ
اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ؕ
اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ؗۖ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ؑ ع ۵

بھلا تم نے لات، عزیٰ اور تیسرے کم وقعت منات کو دیکھا ہے؟ ﴿۱﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹی؟ ﴿۲۱﴾ یہ تو بڑی نا منصفانہ تقسیم ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۲﴾ یہ تو محض کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے اس کی کوئی دلیل نہیں اُتاری، یہ صرف اٹکل اور اپنے نفس کی خواہشات پر چل رہے ہیں؛ حالاں کہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے، ﴿۲۳﴾ کیا انسان کی ہر تمنا پوری ہو جاتی ہے؟ ﴿۳﴾ ﴿۲۴﴾ آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ لات، منات اور عزیٰ یہ عرب کے تین بڑے بُت تھے، لات کا بُت قبیلۂ بنوثقیف میں تھا، جب بنوثقیف نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے اس بُت کو منہدم کرنے کے لئے مکہ کے دو نو مسلم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اہل طائف کی خواہش تھی کہ اس بُت کو ابھی برقرار رہنے دیا جائے اور اس کو منہدم کرنے کے لئے تین سال کی مہلت دی جائے، حضور ﷺ نے یہ شرط قبول نہیں کی، وہ لوگ گھٹاتے گھٹاتے اس مدت کو ایک مہینہ تک لے آئے، مگر آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول نہیں فرمایا اور آخر اس بُت کو توڑ دیا گیا، عزیٰ قریش اور بنو کنانہ کی دیوی سمجھی جاتی تھی، قریش اس بُت کا بڑا احترام کرتے تھے، یہ لات کے بعد بنائے گئے تھے، اس کے بنانے والے کا نام تھا ''ظالم بن اسعد'' اسلام کے بدترین دشمن ابولہب کا اصل نام ''عبدالعزیٰ'' ہی تھا، یہ ذات عرق سے اوپر وادی نخلہ میں واقع تھا، اس مورتی کا استھان اس نے ایک مکان کی شکل میں بنایا تھا، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اس کو منہدم کردیں، انھوں نے بُت خانے کو توڑ دیا اور بُت کو ریزہ ریزہ کر دیا، تیسرا بُت منات تھا، یہ عربوں کے گمان کے مطابق تقدیر کی دیوی تھی، یہ بُت مکہ اور مدینہ کے درمیان نصب تھا اور مشرکین مکہ کی نظر میں اس کا مرتبہ لات اور عزیٰ کے بعد تھا، فُضَیل، خُزاعہ اور بنو ہلال کے قبائل خاص طور پر اس کی پوجا کیا کرتے تھے، فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسمار کر دیا۔

(خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۷/۹۹، التفسیر المنیر: ۲۷/۱۰۹، تفسیر ماجدی: ۷/۷۵، ۷۷)

﴿۲﴾ یعنی خود بیٹے چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں فرض کئے ہوئے ہو، یہ تو بڑی نا منصفانہ تقسیم ہے!

﴿۳﴾ لہٰذا اے مشرکین مکہ! تم جو یہ اُمید لگائے ہوئے ہو کہ یہ بُت دنیا یا آخرت میں تمہارے کچھ کام آجائیں گے، یہ غلط ہے، یہ تمہاری ایسی تمنائیں ہیں جو کبھی پوری نہیں ہوسکتیں۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝٢٦ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝٢٧
وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۝٢٨
فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ۬ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝٢٩ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ
الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝٣٠ وَلِلّٰهِ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا
بِالْحُسْنٰى ۝٣١ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ
الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ
فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝٣٢

آسمان میں بہت سے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش بھی کچھ کام نہیں آسکتی ، مگر اس کے بعد ہی کہ اللہ جس کے لئے چاہیں (سفارش کرنے کی) اجازت دے دیں اور اس پر راضی ہوں ، ﴿۱﴾ ۝٢٦ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ، وہ عورتوں کے نام سے فرشتوں کے نام رکھتے ہیں ، ۝٢٧ ان کو اس کا کوئی علم نہیں ، وہ محض بے بنیاد گمان کی پیروی کررہے ہیں اور ایسا وہم وگمان حق کے معاملہ میں کچھ کام نہیں آتا ، ۝٢٨ لہٰذا جو ہماری یاد سے روگردانی کرتا ہے اور صرف دنیوی زندگی کا طلب گار ہے ، آپ بھی اس سے توجہ ہٹا لیجئے ، ۝٢٩ ان کے علم کی یہی انتہا ہے ، ﴿۲﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص سے خوب واقف ہیں ، جو اللہ کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور اس کو بھی خوب جانتے ہیں جو درست راستے پر ہیں ، ۝٣٠ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے ، وہ اللہ ہی کا ہے ؛ تاکہ برے عمل کرنے والوں کو ان کے عمل کی سزا دے اور نیک عمل کرنے والوں کو بہتر اجر عطا فرمائے ، ۝٣١ جو لوگ ہلکے پھلکے گناہوں کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں (تو اللہ ان کو معاف کردیتے ہیں) ﴿۳﴾ یقیناً اللہ خوب معاف کرنے والے ہیں ، اللہ تم کو خوب جانتے ہیں ، جب تم کو زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے ؛ اس لئے اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ ، ﴿۴﴾ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے ، اللہ ہی اس سے بخوبی واقف ہیں ۔ ۝٣٢

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش اسی وقت قبول ہوگی کہ اللہ نے جس کو سفارش کرنے کی اجازت دی ہو ، وہ سفارش کرے ، اور اللہ تعالیٰ اس کے حق میں سفارش کرنے پر راضی بھی ہوں دنیا میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی بات پر راضی نہیں ہوتا ؛ لیکن مصلحت یا دباؤ کے تحت اس کو قبول کرلیتا ہے ، ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے ؛ کیوں کہ وہ قادر مطلق ہے ۔

﴿۲﴾ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی مادی چیزوں کا علم کتنا بھی بڑھ جائے ، اس سے انسان آخرت کی کامیابی کا نسخہ ←

اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ تَوَلّٰىۙ ﴿۳۳﴾ وَاَعۡطٰى قَلِيۡلًا وَّاَكۡدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡغَيۡبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمۡ لَمۡ
يُنَبَّاۡ بِمَا فِىۡ صُحُفِ مُوۡسٰىۙ ﴿۳۶﴾ وَاِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰۤىۙ ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰىۙ ﴿۳۸﴾ وَاَنۡ
لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰىۙ ﴿۳۹﴾

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے منھ پھیر لیا؟ ﴿۳۳﴾ تھوڑا سا دیا اور ہاتھ روک لیا، ﴿۳۴﴾ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے؟ ﴿۱﴾ ﴿۳۵﴾ کیا اُس کو اُن باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ ﴿۳۶﴾ اور ابراہیم —— جو پوری طرح اللہ کے احکام بجالائے —— کے صحیفوں میں ہیں، ﴿۳۷﴾ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا؟ ﴿۳۸﴾ اور یہ بات کہ ہر انسان کو وہی ملے گا، جو اس نے کیا ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۹﴾

← نہیں جان سکتا؛ کیوں کہ اس علم کی انتہاء صرف مادی نفع ونقصان ہے، آخرت کے نفع ونقصان کے لئے وہ علم ضروری ہے، جو انبیاء کے ذریعہ انسانیت تک پہنچا ہے۔

﴿۳﴾ بڑے گناہوں سے مراد ایسے گناہ ہیں، جن کے لئے شرعی سزائیں مقرر ہوں یا جن کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت یا دوزخ کی وعید کی گئی ہو، اور ''لمم'' سے دو طرح کے گناہ مراد ہیں، ایک: کبیرہ گناہوں کے مقابلہ نسبتاً کم درجہ کے گناہ، دوسرے: وہ گناہ جو اتفاقی طور پر کبھی کبھار ہو جائیں، انسان اس گناہ کا عادی نہ ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۸، ۱۰۷)

﴿۴﴾ زمین سے پیدا کرنے سے مراد انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہے، جو مٹی کے ذریعہ ہوئی، یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کے وجود میں جو اجزاء پائے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر زمین ہی سے نکلنے والے ہیں، جیسے: مٹی، چونا، نمک، لوہا، پتھر اور پانی وغیرہ، پھر ہر انسان کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ سے ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ بہت ہی معمولی اجزاء سے تمہاری تخلیق ہوتی ہے؛ اس لئے تم سے کچھ نیکیاں ہو جائیں تو غرور میں مبتلا نہ ہو اور اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھنے لگو کہ جو کچھ اچھا عمل کر لیتے ہو، وہ بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

﴿۱﴾ ولید ابن مغیرہ نے جب قرآن مجید کی آیتیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سنے تو اسلام قبول کرنے کی طرف اس کا جھکاؤ ہوا، اس پر بعض مشرکین نے عار دلائی کہ تم اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑ رہے ہو؟ ولید نے کہا: مجھے اللہ کے عذاب سے خوف ہوتا ہے، مشرکین نے کہا: اگر تم کچھ مال ہمیں دے دو تو ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو ہم اُٹھا لیں گے اور تم اپنے مشرکانہ مذہب کی طرف واپس آجاؤ؛ چنانچہ ولید نے اسی معاہدہ پر اپنا کچھ مال دے دیا، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے تھوڑا سا دیا، یعنی ابھی تو پورا مسلمان بھی نہیں ہوا تھا، صرف دین حق کی طرف جھکاؤ پیدا ہوا تھا ''اور ہاتھ روک لیا'' سے مراد یہ ہے کہ ہدایت کی طرف بڑھنے کے بجائے شرک کی طرف واپس ہو گیا، پھر ارشاد ہوا کہ کیا اس کو غیب کا علم ہے کہ آخرت میں کوئی اور شخص اس کے عذاب کا بوجھ اُٹھا لے گا؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۱۱۱)

←

← ﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا ایمان دوسرے شخص کے کام نہیں آئے گا، ایسا نہیں ہے کہ ماں باپ کے ایمان لانے کی وجہ سے کافر اولاد کی اور اولاد کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کافر والدین کی مغفرت ہوجائے؛ البتہ اگر کوئی نیک عمل کرکے اس کا ثواب کسی مسلمان کو پہنچایا جائے تو اس کو وہ ثواب پہنچے گا؛ چنانچہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر گزرے ہوئے شخص کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اس کو ثواب پہنچے گا؛ چنانچہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا میری والدہ کا انتقال ہوگیا، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کرسکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، حضرت سعد نے پوچھا: کونسا صدقہ بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا: پانی کا انتظام، (نسائی، کتاب الوصایا: ۳۶۶۴) اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر انسان کوئی ایسا اچھا کام کرکے جائے، جس کا نفع بعد میں بھی لوگوں کو پہنچتا رہے، جیسے: مسجد بنادے، کنواں کھودوادے اور لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے رہیں تو اس کا ثواب بھی اس کو پہنچتا رہے گا، اسی طرح کوئی شخص کوئی علمی خدمت چھوڑ کر جائے، جیسے اس نے شاگردوں کو پڑھایا ہو، کتابیں تصنیف کی ہوں، تعلیم وتصنیف کے ادارے قائم کئے ہوں اور بعد میں اس سے علمی نفع کا سلسلہ جاری رہے تو اس کا بھی ثواب اس کو ملتا رہے گا، حدیث میں صراحتاً اس کا ذکر موجود ہے، (مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ: ۱۶۳۱) اسی طرح دُعا بھی ایک عمل ہے، زندہ لوگوں کی دُعا مردوں کے کام آئے گی؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا، جس کا نفع انسان کو موت کے بعد بھی ملتا رہے گا، ان میں دو چیزوں کا ذکر تو اوپر آچکا ہے، صدقہ جاریہ اور علم نافع اور تیسری چیز وہ صالح اولاد ہے، جو اپنے ماں باپ کے لئے دُعا کرے: ''ولد صالح یدعو لہ'' (مسلم، کتاب الوصیۃ: ۱۶۳۱) اسی لئے قرآن مجید نے والدین کے لئے دُعا سکھائی ہے: ''رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا'' (الاسراء: ۲۴) اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی دُعائے مغفرت کی ترغیب دی گئی ہے: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ'' (الحشر: ۱۰) بدنی عبادات میں سے حج کے بارے میں بھی قریب قریب اتفاق ہے کہ مُردوں کے طرف سے کیا جاسکتا ہے، (المغنی: ۳؍۲۴۴) مالکیہ حالاں کہ بدنی عبادتوں سے ایصالِ ثواب کے قائل نہیں ہیں؛ لیکن ایصالِ ثواب کے لئے حج نفل کو وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۷؍۱۱۴) احناف اور جمہور کے نزدیک بدنی عبادتوں سے بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں متعدد احادیث وآثار نقل کئے ہیں، جن سے بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصالِ ثواب کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے، (تفسیر مظہری: ۹؍۱۲۶-۱۳۰) تلاوتِ قرآن کے علاوہ دوسری بدنی عبادتوں کا حکم بھی یہی ہوگا؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے لئے اعتکاف فرمایا، (تفسیر قرطبی: ۱۷؍۱۱۴) بعض احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ گزرے ہوئے شخص کی طرف سے نماز پڑھی جاسکتی ہے، روزہ رکھا جاسکتا ہے، (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز: ۱۲۰۸۴) اس کی مراد یہی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے لئے نماز، روزہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرسکتا ہے، (البحر الرائق: ۳؍۱۰۵) اکثر مفسرین نے ربیع ابن انس رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا تعلق ایمان نہ لانے والوں سے ہے، رہ گئے ایمان والے تو ان کو دوسرے کا عمل بھی کام آسکتا ہے: ''واما المومن فلہ ما سعی وما سعی لہ غیرہ'' (قرطبی: ۱۷؍۱۱۴) باوجودیکہ امام مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اُصولی طور پر بدنی عبادتوں کا ایصال نہیں ہوسکتا، پھر بھی علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے جو مالکی ہیں اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے جو شافعی ہیں، جمہور کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۷؍۱۱۴، روح المعانی: ۲۷؍۶)

وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ
هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾
مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ
الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰی ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰی ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ
كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰی ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰی ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ
تَتَمَارٰی ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾

اور جلد ہی اس کی کوشش دیکھی جائے گی، ﴿۴۰﴾ پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، ﴿۴۱﴾ اور یہ کہ (تمام انسانوں کو) آپ
کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے، ﴿۴۲﴾ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے، ﴿۴۳﴾ مارتا اور زندگی عطا کرتا ہے، ﴿۴۴﴾ وہی دونوں
قسمیں نر اور مادہ کو نطفے سے بناتا ہے، جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے، ﴿۴۵﴾﴿۴۶﴾ اور یہ بات کہ اسی کے ذمہ دوبارہ پیدا
کرنا ہے، ﴿۴۷﴾ اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا اور مفلس بناتا ہے، ﴿۴۸﴾ اور یہ کہ وہی شِعریٰ نامی ستارے کا بھی پروردگار
ہے، ﴿۱﴾ ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ اسی نے قدیم قومِ عاد کو ہلاک کیا، ﴿۲﴾ ﴿۵۰﴾ اور ثمود کو بھی کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا، ﴿۵۱﴾ اور اس سے
پہلے قومِ نوح کو بھی، جو سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے، ﴿۵۲﴾ اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو پٹخ ڈالا، ﴿۵۳﴾ پھر اس پر چھایا
جو چھایا، ﴿۳﴾ ﴿۵۴﴾ تو (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرتا رہے گا؟ ﴿۵۵﴾ یہ (محمد ﷺ) پہلے
پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں، ﴿۵۶﴾ قیامت قریب آچکی ہے، ﴿۵۷﴾ اللہ کے سوا کوئی اسے ہٹا نہیں سکتا۔ ﴿۵۸﴾

﴿۱﴾ شِعریٰ آسمان کا بہت روشن ستارہ ہے، عرب اس کی پوجا کیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس کی پوجا کا آغاز 'ابن ابی کبشہ جو نانیہال کی طرف سے آپ ﷺ کے خاندانی بزرگوں میں تھے' سے ہوا، خاص طور پر قبیلہ خُزاعہ اور حِمیر کے لوگ اس کے پرستاروں میں تھے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۱۶) چوں کہ ستارہ بلندی پر ہوتا ہے اور اس کی بڑھی ہوئی روشنی اور زیادہ متاثر کرتی ہے؛ اسی لئے خاص طور پر فرمایا گیا کہ اس ستارہ کی روشنی اور اس کی فضا میں بلندی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ تمہارا معبود ہے؛ بلکہ اس کے پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

﴿۲﴾ عاد ابن اِرم کی اولاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے، پھر اس عاد کی اگلی نسل سے قومِ ثمود کا تعلق ہے، جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے؛ اسی لئے قوم عاد کو عاد اولیٰ اور قومِ ثمود کو عاد ثانی کہا جاتا ہے۔

﴿۳﴾ اس سے قومِ لوط کی آبادی مراد ہے، جس کو اُلٹ دیا گیا اور پھر اس پر پتھر کی ایسی بارش ہوئی، جو گویا اس بستی پر چھا گئی، —— آیت نمبر: ۳۸ سے ۴۷ تک ان باتوں کا بیان ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ذکر کی گئی ہیں۔

السجدۃ ۱۲

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾
فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدۃ ع

ع ۳ / ۷

(اے ایمان نہ لانے والو!) کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو؟ ﴿۵۹﴾ ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ ﴿۶۰﴾ اور تم کھیل کود میں پڑے ہوئے ہو، ﴿۶۱﴾ اب تو اللہ کے سامنے جھک جاؤ اور عبادت کرو۔ ﴿۶۲﴾

سُورَۃُ القَمَر

- سورہ نمبر : (۵۴)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۵۵)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

'قمر' کے معنی چاند کے ہیں، اس سورہ کے شروع ہی میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا ذکر آیا ہے، جو آپ کے معجزہ کے طور پر تھا؛ اسی لئے اس سورہ کا نام سورۂ قمر ہے، یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے زمانہ حج میں منیٰ کے میدان میں ظاہر ہوا، بظاہر یہ سورہ بھی ان ہی دنوں میں نازل ہوئی ہوگی، اس سورہ میں قیامت کے قریب ہونے کا، معجزہ شق القمر کا اور اس سلسلہ میں مشرکین کے بے جا انکار اور تکرار کا ذکر کیا گیا ہے۔

قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم فرعون کے انکار اور ان پر اللہ کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے ہر واقعہ کے اخیر میں فرمایا گیا ہے کہ تم نے دیکھ لیا کہ میرا عذاب اور ڈرانا کس طرح واقع ہوا ہے اور ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟: ''فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ، وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ '' (القمر: ۲۱، ۲۲) آخری آیات میں اس کائناتی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو توازن اور ایک قانون کے تحت پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے احکام کو نافذ کرنے میں لمبے چوڑے وقت کی ضرورت نہیں پڑتی؛ بلکہ پلک جھپکتے ہی منشاء ربانی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ (آیت نمبر: ۴۹، ۵۰)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید اور بقر عید میں سورۂ ق اور اِس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے —— اس سے ان مضامین کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں ذکر فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب ما یقرء بہ فی صلاۃ العیدین، حدیث نمبر: ۸۹۱)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾ وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَ یَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴿۲﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا، ﴿۱﴾
یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو جادو ہے، جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ ہجرت فرمانے سے پانچ سال پہلے حج کے موقع پر منیٰ میں قریش نے آپ ﷺ سے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا، یہ چودھویں شب تھی، جس میں چاند پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہوتا ہے اور مکمل ہوتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا حراء پہاڑ کی ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف نظر آنے لگا، لوگوں نے اسے اچھی طرح دیکھا اور پھر فوراً ہی دونوں حصے آپس میں مل گئے، امام ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دس صحابہ سے یہ روایت منقول ہے اور یہ تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے، کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا، (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۱۴) مشہور مفسر علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور میرے نزدیک بھی درست بات یہی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ معجزہ تواتر سے ثابت ہے، (روح المعانی: ۲۷/ ۷۴) اور احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں تھا؛ بلکہ معجزہ تھا؛ کیوں کہ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ سے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا، جب کہ یہ دونوں ٹکڑے حراء کی دونوں جانب تھے، (بخاری، کتاب المناقب، باب سوال المشرکین الخ: ۳۴۳۸) قرآن مجید نے خود بھی اس واقعہ کو آیت نمبر: ۲ میں نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور قرآن مجید میں عام طور پر 'آیات' سے احکام، کائنات اور انسان کے وجود میں پھیلی ہوئی قدرت کی نشانیاں اور معجزات مراد لئے جاتے ہیں۔

ویسے تو جو باتیں اللہ کے حکم سے واقع ہوتی ہیں، عقلی اعتبار سے ان کے ممکن اور ناممکن ہونے کی بحث بے محل معلوم ہوتی ہے، انسان کے عاجز وجود کے لئے ممکن اور ناممکن کی تقسیم درست ہے؛ لیکن جس کے پاس تمام قدرتوں کا خزانہ ہے، اس کے لئے ممکن اور ناممکن کیا ہے؟ یہ تو ذرہ کو آفتاب پر اور قطرہ کو سمندر پر قیاس کرنے کے مترادف ہے؛ البتہ بعض اہل علم نے عقلی اعتبار سے بھی اس کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس طرح کہ ممکن ہے کہ چاند کے اندر زمین کی طرح آتش فشانی مادہ موجود ہو اور چاند کے وسط میں پایا جانے والا یہ مادہ اس قوت کے ساتھ پھٹ پڑا ہو کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں اور پھر ان دونوں ٹکڑوں میں جو قوت کشش ہے، اس نے ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچا ہو اور اس طرح وہ دوبارہ مل گئے ہوں۔ (خلاصہ از: تفہیم القرآن: ۵/ ۲۳۰)

یہاں پر معجزہ شق القمر کا ذکر کر کے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا، ایک تو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کہ یہ ایک واضح معجزہ تھا، جو آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا، دوسرے: مشرکین کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ کائنات کا یہ نظام جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے، اس میں تبدیلی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے، یہ کیسے ہوگا کہ سورج اور چاند لپیٹ دیئے جائیں، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں، پوری دنیا کی زمین ایک ہموار اور چٹیل زمین بن جائے اور قیامت قائم ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے چاند کے ٹکڑے کر کے مشرکین کو دکھا دیا کہ کائنات کی ←

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝﴿۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ
مُزْدَجَرٌ ۝﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝﴿۵﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ
نُّكُرٍ ۝﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى
الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝﴿۸﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا
وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ
بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰي
ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝﴿۱۳﴾

وقف لازم

انھوں نے جھٹلایا، اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام (وقت مقررہ تک کے لئے) ٹھہرا ہوا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۳﴾ اور ان کو (گزشتہ لوگوں کے) ایسے حالات پہنچ چکے ہیں جن میں عبرت، ﴿۴﴾ (اور) انتہائی عقل وحکمت کی بات ہے، پھر بھی یہ متنبہ کرنے والی چیزیں ان کے لئے مفید نہ ہوسکیں، ﴿۵﴾ تو آپ بھی ان کی پرواہ نہ کیجئے، جس دن پکارنے والا (فرشتہ) ان کو ایک ناخوشگوار چیز کی طرف بلائے گا، ﴿۶﴾ تو ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اس طرح قبروں سے نکلیں گے جیسے بکھری ہوئی ٹڈیاں، ﴿۷﴾ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جارہے ہوں گے، ایمان سے محروم لوگ کہیں گے کہ یہ تو بڑا کٹھن دن ہے، ﴿۸﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے؛ چنانچہ اس نے ہمارے بندے (نوح) کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور ان کو دھمکی دی گئی، ﴿۹﴾ پس، نوح نے اپنے رب سے دُعا کی کہ میں (ان کے مقابلہ میں) کمزور ہوں؛ اس لئے آپ ہی ان سے بدلہ لے لیجئے، ﴿۱۰﴾ چنانچہ ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیئے، ﴿۱۱﴾ اور زمین سے چشمے جاری کردیئے، پھر اس کام (یعنی عذاب) کے لئے پانی جمع ہوگیا، جو (پہلے سے) طے تھا، ﴿۱۲﴾ اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی کشتی پر سوار کردیا۔ ﴿۱۳﴾

← ان بڑی بڑی چیزوں میں اللہ کے حکم سے کسی تبدیلی کا پیدا ہونا چنداں دشوار نہیں ـــــ اس معجزہ پر بجائے اس کے کہ اہل مکہ ایمان لے آتے، کہنے لگے: یہ بھی ایک جادوگری ہے اور جادوگری تو ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ـــــ ''مستمر'' کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ ایک جادو ہے جو ختم ہوجائے گا، اس کا اثر زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہے گا، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اسی معنی کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے۔

﴿۱﴾ یعنی یہ مشرکین جھٹلا کر یہ نہ سمجھیں کہ ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی، پکڑ ضروری ہوگی؛ البتہ وقت کا انتظار ہے؛ کیوں کہ ہر کام اللہ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر ہی ہوتا ہے۔

تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدۡ تَّرَکۡنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۵﴾ فَکَیۡفَ
کَانَ عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۷﴾ کَذَّبَتۡ عَادٌ فَکَیۡفَ
کَانَ عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡ یَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنۡزِعُ
النَّاسَ ۙ کَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ ﴿۲۰﴾

جو ہماری آنکھوں کے سامنے تیر رہی تھی،﴿۱﴾ نوح کے ساتھ جو نا قدری کی گئی، یہ اسی کا بدلہ تھا،﴿۱۴﴾ اور ہم نے اس کو ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟﴿۲﴾﴿۱۵﴾ تو (غور کرو) کہ کیسا ہوا میرا عذاب اور کیسی رہیں میری تنبیہات؟﴿۱۶﴾ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟﴿۳﴾﴿۱۷﴾ عاد نے بھی (اپنے پیغمبر کو) جھٹلایا تو (عبرت حاصل کرو کہ) میرا عذاب اور میرا اڈرانا کیسا ہوا؟﴿۱۸﴾ ہم نے ان پر نہ ختم ہونے والی نحوست بھرے دن میں تیز آندھی چلائی،﴿۱۹﴾ جو لوگوں کو جڑوں سے اُکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنوں کی طرح اُکھاڑ پھینک رہی تھی۔﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھی۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں اس کا ریکارڈ محفوظ کرا دیا؛ تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کشتیٔ نوح کے کچھ آثار باقی تھے جس کو اُمت محمدیہ کے ابتدائی دور میں دیکھا گیا، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۱۳۳) —— حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیل سورۂ ہود: ۲۶-۴۹ میں گذر چکی ہے۔

﴿۳﴾ ذکر کے ایک معنی تو نصیحت کے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے کہ ایک طرف اپنے زمانہ کے بڑے بڑے اہل علم و دانش اس کی معنویت پر حیرت زدہ ہیں اور اسے ایک ایسا سمندر پاتے ہیں کہ جب بھی کوئی علم و تحقیق کا غوطہ زن اس میں اُترتا ہے تو وہ اس میں سے لعل و گہر لے کر ہی واپس ہوتا ہے، اور دوسری طرف قرآن مجید کا پیغام اتنا واضح ہے کہ عامی سے عامی، کم تعلیم یافتہ بلکہ غیر تعلیم یافتہ شخص بھی اس کے مضامین کو سن لے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ میرے مالک کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے؛ اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قرآن مجید آسان ہے؛ لیکن یہ آسانی نصیحت حاصل کرنے کے اعتبار سے ہے؛ قرآن مجید کی تفسیر اور اس سے اخذ و استنباط کرنے کا کام آسان نہیں، اس کے لئے قرآن و حدیث سے گہری واقفیت، سلف صالحین کے علوم سے آگہی اور عربی زبان و ادب کی رمز شناسی بھی ضروری ہے —— ذکر کا ایک اور معنی حفظ سے کیا گیا ہے، ایسی صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ ہم نے قرآن کو زبانی یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۱۳۴) اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آج دنیا میں کسی شہر اور قصبہ میں پہنچ جائیں، اگر وہاں مسلمانوں کی آبادی ہو تو کچھ نہ کچھ حفاظ قرآن مل جائیں گے، اگر پوری دنیا کا حساب کیا جائے تو حفاظ کرام کی تعداد لاکھوں میں ہوگی، دنیا کی کسی مذہبی اور غیر مذہبی کتاب کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے کہ کوئی اس پوری کتاب کا حافظ ہو، یہاں تک کہ اس کو ایسے لوگوں نے بھی حفظ کر لیا ہے، جو عربی زبان کے ایک لفظ سے بھی واقف نہیں ہیں۔

ع ۲۲ ۸ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ كَذَّبَتْ
ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ
الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا
مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ
شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ
نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾

تو غور کرو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ﴿١﴾ ﴿٢١﴾ اور (پھر خبر دار کیا جاتا ہے کہ) ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے، تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿٢٢﴾ ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلایا، ﴿٢٣﴾ وہ کہنے لگے: بھلا ہم اپنے ہی میں سے ایک آدمی کی پیروی کرنے لگیں؟ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ ایک بڑی غلطی اور دیوانگی ہوگی، ﴿٢٤﴾ کیا ہم میں سے اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؛ بلکہ یہ سخت جھوٹا اور شیخی بگھاڑنے والا شخص ہے، ﴿٢٥﴾ عنقریب کل انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا؟ ﴿٢٦﴾ اللہ نے فرمایا: (اے صالح!) ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی کو نکالنے والے ہیں تو آپ ان کو دیکھتے رہئے (کہ وہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟) اور صبر سے کام لیجئے، ﴿٢٧﴾ نیز ان کو خبر دار کر دیجئے کہ ان کے درمیان پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے تو ہر ایک (باری والے) کو باری پر ہی آنا چاہئے، ﴿٢٨﴾ تو ان لوگوں نے اپنے ساتھی کو بلایا، اس نے دست درازی کی اور (اونٹنی کو) مار ڈالا، ﴿٢٩﴾ تو (غور کرو کہ) کیسا رہا میرا عذاب اور کیسی ہوئیں میری تنبیہات؟ ﴿٣٠﴾ پھر ہم نے ان پر ایک ہی زبردست چیخ بھیجی، تو وہ کانٹوں کی روندی ہوئی باڑ کی طرح ہو گئے، ﴿٢﴾ ﴿٣١﴾ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟ ﴿٣٢﴾ لوط کی قوم نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا تھا، ﴿٣٣﴾ اور ہم نے ان پر پتھروں کا مینھ برسا دیا، سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ ہم نے ان کو اخیر رات میں بچالیا۔ ﴿٣٤﴾

﴿١﴾ قومِ عاد پر عذاب کا ذکر سورۂ اعراف: ٦٥ - ٧٢ میں آچکا ہے — نحوست بھرے دن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی وقت منحوس ہوتا ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ دن ان کے گناہوں کا منحوس اثر لے کر آیا۔

﴿٢﴾ حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کے تذکرہ کے لئے دیکھئے: اعراف: ٧٣-٧٩۔

نِّعۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدۡ اَنۡذَرَهُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا
بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدۡ رَاوَدُوۡهُ عَنۡ ضَيۡفِهٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدۡ
صَبَّحَهُمۡ بُكۡرَةً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ ۚ﴿۳۸﴾ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ
فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۚ﴿۴۰﴾ وَلَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ النُّذُرُ ۚ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذۡنٰهُمۡ اَخۡذَ ع ۱۸ ۲ ۹
عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓـئِكُمۡ اَمۡ لَـكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ۚ﴿۴۳﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ
نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿۴۴﴾

یہ ہماری مہربانی تھی، ہم شکر ادا کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۳۵﴾ اور لوط ان کو ہماری پکڑ سے باخبر کر چکے تھے تو وہ خبر دینے والوں ہی سے جھگڑنے لگے، ﴿۳۶﴾ اور وہ لوگ لوط کو ان کے مہمان کے بارے میں پھنسلانے لگے تو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں، ﴿۱﴾ (اور کہا کہ) اب میرے عذاب کا اور ڈرانے کا مزہ چکھو، ﴿۳۷﴾ اور صبح سویرا ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آپہنچا، ﴿۳۸﴾ تو (ہم نے کہا:) اب میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھ ہی لو، ﴿۲﴾ ﴿۳۹﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی ہے سمجھنے والا؟ ﴿۴۰﴾ اور فرعون کے لوگوں کے پاس باخبر کرنے والے آئے، ﴿۴۱﴾ انھوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا؛ اس لئے ہم نے ان کو اس طرح پکڑا جیسے ایک زبردست اور طاقت والا شخص پکڑتا ہے، ﴿۳﴾ ﴿۴۲﴾ (اے مشرکین مکہ!) کیا تمہارے ایمان نہ لانے والے تمہارے اُن ساتھیوں (یعنی گزشتہ کافروں) سے (طاقت میں) بہتر ہیں یا تمہارے لئے پہلی کتابوں میں معافی کا حکم لکھ دیا گیا ہے؟ ﴿۴۳﴾ یا یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب ہی رہے گی؟ ﴿۴﴾ ﴿۴۴﴾

﴿۱﴾ یعنی جب قوم لوط نے مہمانوں کی شکل میں آنے والے فرشتوں کو اپنا نشانہ بنانا چاہا تو ان کی آنکھوں کو اس طرح مٹا دیا گیا کہ وہ چہرہ کے برابر ہو گئیں، یا یہ صورت ہوئی کہ وہ اندھے بنا دیئے گئے، یا ایسا ہوا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے؛ لیکن انسانی شکل میں آنے والے فرشتے ان کو نظر نہیں آئے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۱۴۴) بہر حال قرآن کے الفاظ کے لحاظ سے ان میں سے پہلی صورت زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے واقعہ کے لئے دیکھئے: اعراف: ۸۰-۸۴۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا واقعہ کئی جگہ آچکا ہے۔

﴿۴﴾ یعنی گذشتہ قومیں جو اللہ کے عذاب سے دو چار ہو چکی ہیں، وہ تم سے زیادہ طاقتور تھیں؛ لیکن انھیں کوئی چیز نہیں بچا سکی، تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی طاقت کے بل پر اللہ کی پکڑ سے بچ جاؤ گے؟

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ
الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ
سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ
اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ
مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

وقف لازم

ع ۱۵ ۳ ۱۰

عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، ﴿۱﴾ ﴿۴۵﴾ لیکن ان کے وعدہ کا (اصل) وقت قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور نہایت کڑوی ہے، ﴿۲﴾ ﴿۴۶﴾ یقیناً مجرم لوگ بڑی غلطی اور بے عقلی میں مبتلا ہیں، ﴿۴۷﴾ اس دن کو یاد کیجئے، جس دن یہ اوندھے منھ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے، (ان سے کہا جائے گا:) اب آگ میں جلنے کا مزہ چکھو، ﴿۴۸﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے، ﴿۴۹﴾ اور ہمارا کام تو بس پلک جھپکتے پورا ہو جاتا ہے، ﴿۵۰﴾ اور ہم تو تمہارے ہم مذہبوں کو ہلاک کر چکے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ ﴿۵۱﴾ یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں، سب نامۂ اعمال میں ہے، ﴿۵۲﴾ اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے، ﴿۵۳﴾ جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں، وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے، ﴿۵۴﴾ یعنی عزت والی جگہ میں، جو ایسے بادشاہ کے پاس ہوگی، جو بے حد قدرت و طاقت والا ہے، (یعنی اللہ تعالیٰ)۔ ﴿۵۵﴾

﴿۱﴾ اس آیت میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اہل مکہ تعداد کے زیادہ ہونے کے باوجود شکست سے دوچار ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت آپ ﷺ پر بدر کے واقعہ سے سات سال پہلے نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۴۶) پس یہ آیت ایک پیشین گوئی ہے، جو اس کے نازل ہونے کے وقت ناقابلِ یقین تھی؛ لیکن چند ہی سال کے عرصہ میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

﴿۲﴾ یعنی ان کو ان کے جرم کی اصل سزا آخرت میں ملے گی۔

سُوۡرَةُ الرَّحۡمٰن

- سورہ نمبر : (۵۵)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۷۸)
- نوعیت : مدنی

'رحمٰن' کے معنی بے حد مہربان کے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مبارک صفت ہے، اس سورہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی اسی صفاتی نام سے ہوتا ہے، اسی لئے اس کا نام سورۂ رحمٰن ہے۔

اگرچہ بعض اہل علم نے اس سورہ کو مدنی قرار دیا ہے؛ لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس سلسلہ میں دو حدیثیں بہت واضح ہیں :

اول یہ کہ صحابہ نے آپس میں گفتگو کی کہ قریش مکہ نے آج تک قرآن کو زور سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا ہے تو کون شخص ہے جو ان کو قرآن سنائے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ میں سناؤں گا، صحابہ نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ تمہارے ساتھ زیادتی کریں، ہماری مراد ہے کہ وہ شخص قرآن سنائے، جس کا خاندان یہاں موجود ہو؛ تاکہ وہ ان کی حفاظت کرے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اصلاً مکہ کے متوطن نہیں تھے، مگر حضرت ابن مسعودؓ اپنی رائے پر قائم رہے، اور مقام ابراہیم میں کھڑے ہوکر باآواز بلند سورۂ رحمٰن کی تلاوت شروع کردی، قریش نے پہلے تو غور کیا، پھر آپس میں پوچھا کہ یہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ پھر ان ہی میں سے بعض نے جواب دیا کہ یہ وہی کلام پڑھ رہے ہیں، جن کے بارے میں محمد ﷺ کا خیال ہے کہ یہ ان پر اُتارا گیا ہے؛ چنانچہ سب نے مل کر اتنی مار پیٹ کی کہ ان کے چہرے پر زخم کے نشانات پڑ گئے، (قرطبی: ۱۷/۱۵۱) دوسرے: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رفقاء پر سورۂ رحمٰن کی شروع سے آخر تک تلاوت کی، انھوں نے خاموشی کے ساتھ سنا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے جنات والے واقعہ کی رات میں جنوں پر پڑھا تو انھوں نے تم سے بہتر طور پر اس کا جواب دیا، میں جب بھی پڑھتا تھا: ''فبای آلاء ربکما تکذبٰن'' تو وہ بول پڑتے تھے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، یقیناً ساری تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں''۔ (ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورۃ الرحمٰن، حدیث نمبر: ۳۲۹۱)

یہ دونوں حدیثیں واضح کرتی ہیں کہ یہ سورہ مکی زندگی میں نازل ہوئی ہے؛ کیوں کہ جنوں والا واقعہ طائف سے لوٹتے ہوئے مکی زندگی ہی میں پیش آیا تھا۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے اور اس کو واضح کرنے کے لئے اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں اور ان میں قدرت الٰہی کی جلوہ فرمائیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور پھر اخیر میں جنت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ہر انسان کو جنت کا شوق پیدا ہوجائے، اور دوزخ کی ایسی تصویر کھینچی گئی ہے کہ ہر انسان لرز اُٹھے — عام طور پر قرآن میں اصل خطاب انسانوں سے کیا گیا ہے، ان کے ضمن میں جنات بھی مخاطب ہیں؛ لیکن اس سورہ میں انسان اور جنات کو احکام الٰہی کی مکلف دو مستقل مخلوق کی حیثیت سے مخاطب بنایا گیا ہے۔

اس سورہ میں زبان و بیان کی ایسی رعنائی سمودی گئی ہے اور اتنا خوبصورت صوتی آہنگ پایا جاتا ہے کہ جس شخص کو عربی زبان کا ایک حرف بھی نہ آتا ہو، وہ بھی اس کو پڑھ کر متاثر اور لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، غالباً اسی لئے آپ نے اس سورہ کو قرآن مجید کی دُلہن (عروس القرآن) قرار دیا ہے: ''لکل شئی عروس وعروس القرآن سورۃ الرحمٰن''۔

(شعب الایمان للبیہقی، عن علی، فصل فی فضائل السور والآیات الخ، حدیث نمبر: ۲۲۶۵)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلرَّحۡمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۝۳ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ۝۴ اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ
بِحُسۡبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ رَفَعَہَا وَوَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بے حد مہربان خدا نے، ۝۱ قرآن کی تعلیم دی، ۝۲ اسی نے انسان کو پیدا کیا، ﴿۱﴾ ۝۳ اور اس کو بولنا سکھایا، ﴿۲﴾ ۝۴ سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں، ﴿۳﴾ ۝۵ تارے اور درخت دونوں (اسی کے سامنے) سجدہ ریز ہیں، ﴿۴﴾ ۝۶ اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ ۝۷

﴿۱﴾ بظاہر پہلے انسان کی پیدائش کا ذکر ہونا چاہئے تھا، پھر قرآن مجید کی تعلیم کا؛ کیوں کہ پہلے انسان پیدا ہوتا ہے، پھر ایک عمر کو پہنچنے کے بعد وہ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے یا دینے کے لائق ہوتا ہے؛ لیکن اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ انسان کو سب سے بڑی اور سب سے قابل قدر نعمت جو دی گئی ہے، وہ قرآن مجید ہے، پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا گیا، پھر انسان کی پیدائش کا۔

﴿۲﴾ 'بیان' سے مراد ایسی گویائی ہے، جس کے ذریعہ انسان اپنے دل کی بات کو زبان پر لا سکے اور اپنے مقصد و منشاء کو ظاہر کر سکے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس سے تمام جانداروں میں سے صرف انسان کو نوازا گیا ہے، دوسری جاندار مخلوقات کو صرف آواز یا اشارہ کی صلاحیت دی گئی ہے، کوئی چرند اپنی آواز سے اس خواہش کا اظہار نہیں کر سکتا کہ مجھے آم کے پتوں کی بجائے امرود کے پتے چاہئیں، یا کوئی درندہ جانور اپنی آواز کے ذریعہ اس تمنا کا اظہار نہیں کر سکتا کہ اس کو بکرے کے گوشت کی بجائے بیل کا گوشت چاہئے؛ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خواہش کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے اور دوسرے کو سمجھا سکتا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی سورج اور چاند کو اس طرح رکھا گیا ہے اور ان کی گردش کے دائرے متعین کئے گئے ہیں کہ وہ ایک ہی نظام الاوقات کے پابند ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دن مسلسل ۴۸ گھنٹے کا ہو جائے اور ایک ہی خطہ کے لوگوں کو رات کی تاریکی کے ساتھ تیس گھنٹہ چاند نظر آتا رہے، ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کی کاریگری ہے۔

﴿۴﴾ 'نجم' کے معنی تو تاروں کے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے؛ چنانچہ بعض مفسرین نے اس کا یہی معنی مراد لیا ہے؛ لیکن نجم کے ایک اور معنی ایسے پودوں کے ہیں جن کے تنے نہ ہوں، بیلیں ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں اس سے یہی معنی مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۵۳) —— دونوں ہی معنی مراد لینے کی گنجائش ہے، تاروں کی مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے سورج اور چاند کا ذکر آیا، اور بیلوں کی مناسبت یہ ہے کہ اس کے بعد درخت کا ذکر آیا ہے، درختوں اور بیلوں کے سجدہ ریز ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کا پابند رہنا ہے، یعنی جیسے فضا میں تیرتے ہوئے سورج اور چاند جیسے عظیم سیارے حکم الٰہی کے تابع ہیں، اسی طرح زمین سے نکلنے والے پودے بھی احکام خداوندی ہی کے پابند ہیں۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾ وَالْاَرْضَ
وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ
وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾
وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾

تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو، ﴿٨﴾ انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول میں کمی نہ کرو، ﴿١﴾ ﴿٩﴾ اور اسی نے
مخلوق کے لئے زمین بچھادی، ﴿١٠﴾ جس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں، جن کے خوشوں پر غلاف چڑھے
ہوئے ہوتے ہیں، ﴿١١﴾ اور جس میں بھوسے والا اناج اور خوشبودار پھول ہوتا ہے، ﴿٢﴾ ﴿١٢﴾ تو (اے انسان و جنات!)
تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿١٣﴾ اس نے انسان کو ٹھیکری جیسی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے، ﴿١٤﴾
اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا فرمایا ہے۔ ﴿٣﴾ ﴿١٥﴾

﴿١﴾ میزان کا ترجمہ عام طور پر اُردو میں ترازو سے کیا جاتا ہے، جو عدل وانصاف قائم کرنے کا اہم ذریعہ ہے؛ اس لئے یہاں اس کا ترجمہ ترازو سے کیا گیا ہے؛ لیکن عام طور پر مفسرین نے اس کے مفہوم کو عام رکھا ہے اور اس سے مراد لیا ہے: عدل، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۱۵۴) مطلب یہ ہے کہ اور چیزیں تو تکوینی اور قدرتی طور پر احکام الٰہی کی پابند ہیں؛ لیکن انسان کے اختیاری طور پر احکام الٰہی پر عمل کرنے اور اِن احکام کے جاننے کا ذریعہ قرآن مجید ہے اور ان احکام کا خلاصہ عدل کو قائم کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو انصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بھی عدل وتوازن قائم رکھا ہے، اسی توازن کا اثر ہے کہ چاند، ستارے اور کتنے ہی سیارے ہیں جو فضا میں ایک ساتھ گردش کرتے ہیں؛ لیکن ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ہیں، درخت جب اُگتے ہیں تو تنے پر اُٹھتے ہیں، زمین پر پھیلتے نہیں، اور بیلیں جو نکلتی ہیں، وہ زمین میں پھیلتی ہیں، تنوں کے ساتھ اونچی نہیں اُٹھتیں، عدل اور توازن کے اس نظام کو دنیا میں قائم رکھنے کی جو ذمہ داری انسانوں کو دی گئی، اس کا ایک اہم ذریعہ ترازو اور پیمائش کے آلات ہیں اور انسان کا فریضہ ہے کہ کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح وہ اپنے آپ کو بھی انصاف کے معیار پر قائم رکھے۔

﴿٢﴾ یعنی اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ جن پھلوں پر کیڑے لگنے اور مکھیوں کے بیٹھنے وغیرہ کا اندیشہ تھا، ان پر قدرتی غلاف چڑھا دیئے گئے، کھجور کے شیرہ بھرے گودے کے اوپر ایک باریک پرت موجود ہے، جس کی وجہ سے اس پر مکھیاں نہیں لگتیں، اسی طرح گیہوں اور جَو پر ایسے غلاف چڑھا دیئے گئے ہیں، جو اُن کو کیڑوں کی خوراک بننے سے بچاتے ہیں اور بعد میں بھوسوں کی شکل میں انسان کی دوسری ضرورتوں میں کام آتے ہیں، انسان کو ایک معمولی سا عطر تیار کرنے کے لئے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھولوں کے اندر خوشبو رچا بسا دی ہے، جو بغیر کسی محنت کے حاصل ہوجاتی ہے۔

﴿٣﴾ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ
الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ ع ۱۱ ۴۵
وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۲۷﴾

النصف

پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۶﴾ وہی دونوں مشرقوں کا اور دونوں مغربوں کا رب ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۷﴾
پھر اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۸﴾ اسی نے دو ایسے سمندر جاری کئے، جو آپس میں ملتے ہیں، ﴿۱۹﴾
(لیکن) ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے، ﴿۲﴾ ﴿۲۰﴾ تو اپنے پروردگار کی
کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۱﴾ ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں، ﴿۳﴾ ﴿۲۲﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں
جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۳﴾ اور سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اُٹھے ہوئے جہاز بھی اسی کے ہیں، ﴿۲۴﴾ تو اپنے رب کی کیا کیا
نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۵﴾ جو کچھ بھی زمین پر ہے، سب فنا ہونے والا ہے، ﴿۲۶﴾ اور آپ کے رب کی بزرگی وعظمت والی
ذات ہی باقی رہ جائے گی۔ ﴿۴﴾ ﴿۲۷﴾

﴿۱﴾ دو مشرقوں سے مراد ہے ایک پورب کے اُفق کا وہ حصہ جہاں سے موسم گرما میں سورج طلوع ہوتا ہے، اور دوسرے وہ حصہ جہاں سے موسم سرما میں سورج نکلتا ہے، اسی طرح دو مغربوں سے مراد پچھّم کی طرف گرمی اور ٹھنڈک کے موسم میں سورج کے ڈوبنے کی الگ الگ جگہیں ہیں، غرض کہ ایک سمت کے دو کناروں سے سورج کا نکلنا اور ڈوبنا ایک اتفاقی بات نہیں ہے؛ بلکہ یہ رب کائنات کے قائم کئے ہوئے نظام کا ایک حصہ ہے۔

﴿۲﴾ دنیا میں بہت سے مقامات پر کھارے اور میٹھے پانی کے دریا ملتے ہیں، بظاہر ان دونوں پانیوں کو ایک دوسرے سے مل جانا چاہئے؛ لیکن ایسا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ دُور دُور تک ایک ساتھ چلنے کے باوجود ان کی لہریں الگ الگ بہتی رہتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ سمندر کے اندر کہیں میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہوتا ہے اور اتنے سارے کھارے پانی کے درمیان رہنے کے باوجود اس کی مٹھاس قائم رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اس کرشمہ کو بتاتے ہوئے اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ پانی پر ایک ایسی پَرَت موجود ہوتی ہے، جو دریا کے تیز بہاؤ اور سمندر کے تلاطم کے باوجود قائم رہتی ہے، جو ایک کو دوسرے کے ساتھ ملنے نہیں دیتی، سائنس کی دنیا آج اس حقیقت پر پہنچی ہے، اسی کو برزخ یعنی آڑ اور پرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿۳﴾ کہا جاتا ہے کہ موتی اور مونگے صرف کھارے پانی سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے پانی سے؛ اس لئے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ جو میٹھے اور کھارے پانی کی لہریں ایک ساتھ چلتی ہیں یا اوپر نیچے چلتی ہیں، ان کے مجموعہ سے موتی اور مونگے نکالے جاتے ہیں اور خالص کھارے پانی سے جو موتی اور مونگے نکالے جاتے ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾
یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا
شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

تو پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے؟ ﴿۲۸﴾ آسمان وزمین میں جو لوگ بھی ہیں، وہ سب اسی سے مانگتے ہیں، ﴿۱﴾ ہر روز اس کی ایک شان ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۹﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۰﴾ اے جنات وانسان! عنقریب ہم تمہارے (حساب وکتاب کے) لئے فارغ ہوجائیں گے، ﴿۳﴾ ﴿۳۱﴾ توتم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۲﴾ اے جنات وانسان کے گروہ! اگر تم آسمان وزمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل بھاگو، مگر تم بغیر زبردست قوت کے نہیں نکل سکتے (جو تم کو میسر نہیں) ﴿۴﴾ ﴿۳۳﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۴﴾ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہیں کرسکو گے۔ ﴿۵﴾ ﴿۳۵﴾

← ﴿۴﴾ یہاں تک کہ آخر میں ملک الموت اور فرشتوں پر بھی موت طاری ہوگی اور کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جو فنا سے محفوظ رہ جائے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد نے اس بات کو بھی واضح کردیا کہ کائنات میں مادہ ہو یا روح، ہر چیز فنا ہوجائے گی، بعض فلاسفہ کا یہ کہنا کہ کوئی مادہ ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، یا بعض مذاہب کا یہ تصور کہ روح فنا نہیں ہوتی ہے، وہ باقی رہتی ہے اور مختلف جسموں کا لباس بدلتی رہتی ہے، جس کو 'آواگون' یا 'پُنر جنم' کہتے ہیں، درست نہیں ہے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان ہو یا جنات یا فرشتے، سب اپنی ضرورتوں کے لئے اسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

﴿۲﴾ یہاں ہر روز سے مراد یہ ہے کہ دن ورات کے ہر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کائنات کی تدبیر میں لگے رہتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ خدا نے کائنات بنا کر چھوڑ دی ہو اور خود اس سے بے تعلق ہوگئے ہوں؛ بلکہ وہ کائنات کے اُمور کو انجام دیتے ہیں، کسی کو پیدا کرتے ہیں، کسی کو موت دیتے ہیں، کسی کی روزی بڑھاتے ہیں، کسی کی گھٹاتے ہیں۔

﴿۳﴾ یعنی جب بھی قیامت قائم ہوگی، کائنات فنا کردی جائے گی اور اس دنیا میں تدبیر وانتظام کے جن اُمور کو ہم انجام دیتے تھے، ان کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، پھر ہم پوری طرح تمہارے حساب وکتاب کی طرف متوجہ رہیں گے۔

﴿۴﴾ یعنی کوئی شخص حساب سے فرار کا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔

﴿۵﴾ یہ دوزخ میں ہونے والے عذاب کا ذکر ہے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اس لئے شمار کیا گیا ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والی مصیبت سے قبل از وقت آگاہ کردیا گیا؛ تاکہ انسان نجات اور بچاؤ کی تدبیر اختیار کرلے، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٦ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝٣٧ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٨ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝٣٩ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝٤٠ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝٤١ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٤٢ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝٤٣ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ وقف لازم
ع ۲ ۱۲ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝٤٤ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٤٥ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝٤٦ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٤٧

تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ۝٣٦ پھر جب آسمان پھٹ جائے گا اور تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہوجائے گا، ﴿١﴾ ۝٣٧ توتم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۝٣٨ اس دن (واقفیت کے لئے) کسی انسان اور جنات سے اس کے جرم کے متعلق پوچھا نہیں جائے گا، ﴿٢﴾ ۝٣٩ توتم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۝٤٠ (اس دن) گنہگار اپنے چہرے سے پہچان لئے جائیں گے، پھر وہ پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے (تاکہ ان کو گھسیٹا جائے) ۝٤١ توتم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۝٤٢ یہی وہ دوزخ ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے، ۝٤٣ وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے، ﴿٣﴾ ۝٤٤ توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۝٤٥ اور جو شخص اپنے پرودگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا، اس کے لئے دو باغ ہوں گے، ۝٤٦ توتم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۝٤٧

﴿١﴾ عربی گرامر کے لحاظ سے ''دِھان'' دُھن کی جمع ہے، جس کے معنی تیل کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب تیل کڑکا یا جاتا ہے اور اس کا تلچھٹ جلتے جلتے سُرخ ہوجاتا ہے، اسی طرح آسمان سرخ ہوجائے گا؛ چنانچہ اُردو مترجمین میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے یہی معنی مراد لیا ہے —— 'دہان' کے ایک اور معنی خالص سرخ چمڑے کے بھی ہیں، جیسا کہ بعض اہل لغت نے ذکر کیا ہے؛ اس لئے بعض حضرات نے ترجمہ کیا ہے کہ آسمان چمڑے کی طرح سرخ ہوجائے گا، اُردو کے زیادہ تر مترجمین نے یہی معنی لیا ہے —— حاصل یہ ہے کہ آج جو نیلگوں آسمان نظر آتا ہے، وہ اس دن سرخ ہوجائے گا اور یہ سرخی شدت حرارت کی وجہ سے ہوگی۔ (تفسیر قرطبی: ١٧/ ١٧٣)

﴿٢﴾ مطلب یہ ہے کہ انسان کی نیکیاں اور اس کی بداعمالیاں پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور پھر تحریری طور پر ان کے نامۂ اعمال میں بھی محفوظ ہیں؛ اس لئے ان کو جاننے کے لئے کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں ہوگی؛ البتہ ان پر حجت پوری کرنے اور شرمندگی اور رسوائی کو بڑھانے کے لئے ان کا حساب وکتاب ہوگا اور سوال وجواب بھی کیا جائے گا۔

﴿٣﴾ یعنی دوزخ میں جب پیاس کی شدت ہوگی تو وہ پانی کے حوض کی طرف دوڑے گا؛ لیکن وہاں بھی گرم کھولتا ہوا پانی ہوگا، جس سے ان کی پیاس کا کوئی علاج نہ ہوسکے گا تو پھر دوزخ کی طرف واپس آئے گا، اسی کیفیت میں ان کا وقت گذرے گا۔

ذَوَاتَآ اَفۡنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ تَجۡرِیٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِیۡهِمَا مِنۡ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوۡجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی
فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ وَجَنَا الۡجَنَّتَیۡنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾
فِیۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ ۙ لَمۡ یَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ کَاَنَّهُنَّ الۡیَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلۡ جَزَآءُ
الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

دونوں باغ بہت سی ٹہنیوں والے ہوں گے، ﴿٤٨﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿٤٩﴾ دونوں میں دو
چشمے بہہ رہے ہوں گے، ﴿٥٠﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥١﴾ ان باغوں میں ہر میوے دو دو قسموں
کے ہوں گے، ﴿١﴾ ﴿٥٢﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٣﴾ (جنّتی لوگ) ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھے
ہوں گے، جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے میوے قریب ہی (جھکے ہوئے) ہوں گے، ﴿٥٤﴾
تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٥﴾ ان میں نیچی نظر رکھنے والی حوریں ہوں گی، جن کو ان سے پہلے نہ
کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کسی جن نے، ﴿٢﴾ ﴿٥٦﴾ تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ﴿٥٧﴾ وہ
حوریں (ایسی ہوں گی) کہ گویا یاقوت اور مرجان ہیں، ﴿٥٨﴾ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٩﴾ بھلا
احسان (یعنی نیک عمل) کا بدلہ احسان (یعنی بہتر اجر) کے سوا کچھ اور بھی ہوسکتا ہے؟ ﴿٦٠﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا
نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦١﴾

﴿١﴾ دوزخ کے تذکرے کے بعد آیت نمبر:٤٦ سے اہل جنت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ جیسے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر جنتی کو دو دو باغ عطا فرمائیں گے، پھر ہر باغ میں ایسے درخت ہوں گے، جس میں بہت ساری ٹہنیاں ہوں گی اور جب ٹہنیاں زیادہ ہوں گی تو پھل بھی زیادہ ہوگا، نیز انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور تفریح کے لئے ہر باغ میں دو دو اُبلتے ہوئے چشمے ہوں گے اور باغات میں جو پھل ہوں گے، اس میں بھی ہر طرح کے پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی؛ کیوں کہ جنت میں کھانا پینا اور رہنا سہنا ضرورت کے تئیں نہیں ہوگا؛ بلکہ فرحت و راحت اور دل و نگاہ کی شادکامی کے لئے ہوگا اور انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ چیزوں کی کثرت اس کے لئے خوشی اور فرحت کا باعث بنتی ہے۔

﴿٢﴾ نگاہیں نیچی رکھنا، ان کی عفت و پاکدامنی اور اپنے آپ کو اپنے شوہر کے لئے مخصوص رکھنے کو بھی واضح کرتا ہے اور شرم و حیا کو بھی، اور شرم و حیا کی کیفیت عورت کے حسن میں اضافہ کرتی ہے، گویا حوریں صرف اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے ہی حسین نہیں ہوں گی؛ بلکہ اپنی نسوانی صفات کے لحاظ سے بھی حسن و جمال کا پیکر ہوں گی۔

وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدۡهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِیۡهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخۡلٌ
وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾ فِیۡهِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمۡ یَطۡمِثۡهُنَّ
اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕیۡنَ عَلٰی رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ
وَّعَبۡقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾

اوران دو باغوں کے علاوہ دو اور باغ بھی ہوں گے، ﴿٦٢﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٣﴾ جو
دونوں گہرے سبز رنگ کے ہوں گے، ﴿۱﴾ ﴿٦٤﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٥﴾ ان دونوں باغوں
میں دو اُبلتے ہوئے چشمے بھی ہوں گے، ﴿٦٦﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٧﴾ ان میں میوے، کھجور
اور انار ہوں گے، ﴿٦٨﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٩﴾ ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں بھی
ہوں گی، ﴿٧٠﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧١﴾ خیموں میں محفوظ گوری گوری رنگت والی حوریں بھی
ہوں گی، ﴿٧٢﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧٣﴾ ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ان کو ہاتھ لگایا ہوگا
اور نہ کسی جِن نے، ﴿٧٤﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧٥﴾ (اہل جنت) سبز قالینوں اور نفیس و نادر
فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ﴿٧٦﴾

﴿۱﴾ ’’مِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ‘‘ میں عربی زبان کے لحاظ سے ’’دُون‘‘ کے دو معنی ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ بہ نسبت دوسری چیز کے وہ سطح کے اعتبار سے نیچے واقع ہو، گویا دو باغات اونچی سطح پر ہوں گے اور دو نیچے کی سطح پر، دوسرا معنی یہ ہے کہ درجہ و مرتبہ کے اعتبار سے نسبتاً کم درجے کا ہوگا، گویا ہر جنتی کو چار چار باغات عطا کئے جائیں گے، دو اعلیٰ ترین درجہ کے، دو ان سے کسی قدر کم درجہ کے —— ایک اور مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ان دو باغات والے خصوصی اہل جنت کے علاوہ دوسرے اہل جنت کو بھی دو اور باغات حاصل ہوں گے، جو درجہ و مقام کے اعتبار سے پہلے سے کمتر ہوں گے؛ لیکن اس میں بھی چشمے، میوے، پھل، خوبصورت حوریں، اعلیٰ قسم کے فرش موجود ہوں گے، جیسا کہ اگلی آیتوں میں ذکر آرہا ہے، اس معنی کے لحاظ سے پہلے جن دو باغات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اعلیٰ درجے کے لوگوں کے لئے ہوں گے، اور دوسرے جو باغات ہیں، وہ ان سے کم درجہ کے جنتیوں کے لئے ہوں گے، اگرچہ دونوں معنی مراد لینے کی گنجائش ہے اور مفسرین نے مراد بھی لئے ہیں؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ دوسرا معنی مراد لیا ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں ایک دوسرے موقع پر اہل جنت کے دو درجے کئے ہیں، ایک: مقربین، دوسرے: اصحاب الیمین، (الواقعہ: ۸-۱۲) تو پہلے دو باغات مقربین کے لئے ہوں گے اور بعد کے دو باغات اصحاب الیمین کے لئے۔

ع ۳ ۳۳ ۱۳

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۷﴾ آپ کے پروردگار، جو بڑے جلال وعظمت والے ہیں، کا نام بڑا ہی بابرکت ہے! ﴿۷۸﴾

سُورَةُ الوَاقِعَة

- سورہ نمبر : (۵۶)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۹۶)
- نوعیت : مکی

واقعہ کے معنی ہیں: واقع ہونے والی بات؛ چوں کہ قیامت کا واقع ہونا یقینی ہے؛ اس لئے قیامت کا ایک نام ’واقعہ‘ بھی ہے، اس سورہ کے پہلی ہی آیت میں قیامت کا یہ نام ذکر فرمایا گیا ہے، اس لئے اس سورہ کا نام واقعہ ہے۔

اس سورہ میں قیامت میں پیش آنے والی کیفیتیں تفصیل سے ذکر کی گئی ہیں، انجام کے اعتبار سے تین گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے: اصحابُ الیمین، اصحابُ الشمال، سابقین، اور آخرت میں ان کے انجام کو واضح کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور آخرت کے ممکن ہونے پر انسان کی، پودوں کی، پانی اور آگ کی تخلیق اور کائنات کی نشانیوں سے دلیل پیش کی گئی ہے، نیز قرآن مجید کی صداقت اور حفاظت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس سورہ کی متعدد فضیلتیں حدیثوں میں منقول ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے، وہ کبھی فاقہ سے دوچار نہیں ہوگا: ’’لن تصبه فاقة ابداً‘‘ (شعب الایمان، فصل فی فضائل السورۃ، تخصیص سور منھا بالذکر: ۴/۱۱۹، حدیث نمبر: ۲۲۶۹) بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورۂ غنیٰ ہے، (الفردوس للدیلمی: ۳/۱۰، حدیث نمبر: ۴۵۰۰) یعنی یہ سورہ محتاجی کو دُور کرنے والی ہے، نماز فجر میں جن سورتوں کے پڑھنے کا معمول تھا، ان میں ایک سورۂ واقعہ بھی ہے، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۰۹۹۵) اس طرح کی اور بھی روایتیں اس سورہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۝۱ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۝۲ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۝۳ اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۝۴
وَّ بُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَکَانَتۡ ہَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۝۶ وَّ کُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً ۝۷ فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ
مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۝۸ وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۝۹ وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۝۱۰
اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۝۱۱ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ۝۱۲ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝۱۳ وَ قَلِیۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ ۝۱۴

وقف لازم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اس وقت کو یاد کرو، جب قیامت واقع ہوجائے گی، ۝۱ جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں، ﴿۱﴾ ۝۲ (کسی کو) نیچا کرے گی اور (کسی کو) اونچا، ﴿۲﴾ ۝۳ جب زمین بھونچال سے لرزادی جائے گی، ۝۴ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، ۝۵ پھر وہ بکھرے ہوئے غبار (کی طرح) ہوجائیں گے، ۝۶ اور تم لوگوں کی تین قسمیں ہوجائیں گی: ۝۷ (ایک) تو داہنی طرف والے، داہنی طرف والے کیسے (بہتر حال میں) ہوں گے! ۝۸ اور (دوسرے:) بائیں طرف والے، بائیں طرف والے کیسے (بُرے حال میں) ہوں گے! ۝۹ اور (تیسرے:) آگے بڑھ جانے والے، (ان کا کیا کہنا کہ) وہ تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں، ۝۱۰ یہی ہیں جن کو اللہ سے خصوصی نزدیکی حاصل ہوگی، ۝۱۱ وہ نعمتوں والے باغوں میں ہوں گے، ۝۱۲ ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا، ۝۱۳ اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ ﴿۳﴾ ۝۱۴

﴿۱﴾ یعنی قیامت کا واقع ہونا بالکل یقینی ہے، اس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں ہے، دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۱۹۵)

﴿۲﴾ دنیا میں جو لوگ ظاہری غربت وافلاس کی وجہ سے پست سمجھے جاتے تھے، آخرت میں اپنے اعمال کی وجہ سے ان کو سربلندی حاصل ہوگی، اور دنیا میں جو لوگ مادی اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے اور ان کو ظاہری عزت وسربلندی حاصل تھی، آخرت میں اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ذلت ورسوائی اور پستی سے دوچار ہوں گے۔

﴿۳﴾ آیت نمبر: ۵ سے ۱۴ تک اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے تین گروہوں کا ذکر فرمایا ہے، پہلا گروہ: اصحاب الیمین یعنی دائیں طرف والے، دوسرا گروہ: اصحاب الشمال یعنی بائیں طرف والے، اصحاب الیمین کو دائیں طرف والا اس لئے کہا گیا کہ ان کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور دوسرے گروہ کو ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یا اس لئے کہ عالم ارواح میں پہلے گروہ کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب ہیں، اور دوسرے گروہ کی روحیں بائیں جانب ہیں، جیسا کہ واقعہ معراج میں آیا ہے، بعض اور اقوال بھی اس سلسلہ میں نقل کئے گئے ہیں؛ لیکن ان دونوں میں سے پہلی وجہ کو قرآن کی اور دوسری ←

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّکِـِٕیۡنَ عَلَیۡہَا مُتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۱۶﴾ یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ﴿۱۷﴾
بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ ۬ۙ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا یُصَدَّعُوۡنَ عَنۡہَا وَ لَا یُنۡزِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ فَاکِہَۃٍ مِّمَّا
یَتَخَیَّرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَہُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ حُوۡرٌ عِیۡنٌ ﴿۲۲﴾ کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ ﴿۲۳﴾
جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّ لَا تَاۡثِیۡمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾
وَ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ﴿۲۷﴾

وہ لوگ سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے، ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ ان کی خدمت میں ایسے لڑکے 'جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے' آب خورے، آفتابے، صاف وشفاف شراب کے جام جس سے نہ سر میں درد ہو اور نہ عقل میں خلل، نیز ان کی پسند کے میوے اور ان کو مرغوب پرندوں کے گوشت لئے پھریں گے، ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۱﴾ اور (ان کے لئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی ایسی عورتیں ہوں گی، ﴿۲۲﴾ جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی، ﴿۲۳﴾ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا، ﴿۲۴﴾ وہ نہ اس میں بے کار باتیں سنیں گے اور نہ کوئی بے ہودہ گفتگو، ﴿۲۵﴾ صرف سلام ہی سلام کی آواز آئے گی، ﴿۲۶﴾ اور (رہ گئے) داہنی طرف والے، تو داہنی طرف والے بھی کیا ہی (اچھے) حال میں ہوں گے! ﴿۲۷﴾

← وجہ کو حدیث کی تائید حاصل ہے، تیسرا گروہ: سابقون کا ہے، سابقون کے معنی ہیں سبقت حاصل کرنے والے، اس سے اُمت میں سے وہ لوگ مراد ہیں، جو ایمان وعمل میں سبقت حاصل کرنے والے ہیں؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سایۂ الٰہی کی طرف سبقت کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق دیا گیا تو انھوں نے اس کو قبول کرلیا اور جب ان سے کسی چیز کا مطالبہ کیا گیا تو انھوں نے اس کو خرچ کیا اور لوگوں کے لئے اسی طرح فیصلہ کیا، جیسے خود اپنے لئے فیصلہ کرتے ہیں، (مسند احمد، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۲۴۴۲۴) —— آیت نمبر: ۱۳، ۱۴ میں فرمایا گیا کہ سابقین کی بڑی تعداد پہلے لوگوں میں سے ہوگی اور تھوڑی تعداد آخرین یعنی بعد کے لوگوں میں سے ہوگی، اس میں اولین سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک آنے والے انبیاء اور دعوت کو قبول کرنے والی اُمتیں مراد ہیں، اور آخرین سے مراد قیامت تک آنے والی اُمت محمدیہ ہے، سابقہ اُمتوں میں اولین میں چوں کہ بڑی تعداد ہوگی؛ اس لئے ان کو کثیر قرار دیا گیا، صحابہ کو یہ سن کر گراں گزرا کہ جنت میں اُمت محمدیہ کی تعداد گویا دوسروں کے مقابلہ کم ہوجائے گی، تو پھر اسی سورہ کی آیت نمبر: ۳۹، ۴۰ نازل ہوئی کہ اولین میں سے بھی بہت سے لوگ ہوں گے اور آخرین میں سے بھی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ سابقین میں نصف یا دو تہائی اس اُمت کے ہوں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۰۱) —— بظاہر اولین میں تعداد کی کثرت مقام ومرتبہ کے اعتبار سے ہے؛ کیوں کہ اس میں انبیاء کی بڑی تعداد شامل ہوگی اور آخرین میں عددی کثرت کے اعتبار سے؛ کیوں کہ اُمت محمدیہ اپنی تعداد میں ساری اُمتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ
كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾
فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ ع ۳۸/۱۴
الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ
يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى
الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ
اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ
مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾

وہ ان باغوں میں ہوں گے، جہاں بغیر کانٹے کی بیریں ہوں گی، ﴿۲۸﴾ تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے، ﴿۲۹﴾ لمبی چھاؤں ہوں
گی، ﴿۳۰﴾ بہتا ہوا پانی ہوگا، ﴿۳۱﴾ بہت سارے میوے ہوں گے، ﴿۳۲﴾ جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا، ﴿۳۳﴾
اونچے اونچے فرش ہوں گے، ﴿۳۴﴾ ہم نے (ان کے لئے) حوریں بنائی ہیں، ﴿۳۵﴾ جن کو کنواری ﴿۳۶﴾ پیاری پیاری اور ہم عمر
بنایا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۳۷﴾ جو داہنی طرف والوں کے لئے ہیں، ﴿۳۸﴾ ان کی ایک بڑی جماعت اگلے لوگوں میں سے ہے، ﴿۳۹﴾
اور ایک بڑی جماعت پچھلے لوگوں میں سے، ﴿۴۰﴾ اور (رہ گئے) بائیں طرف والے، تو بائیں طرف والوں کا کیا (بُرا)
حال ہوگا! ﴿۴۱﴾ وہ آگ کی لپٹ، کھولتے ہوئے پانی، ﴿۴۲﴾ اور سیاہ دھویں کے سائے میں ہوں گے، ﴿۴۳﴾ جو نہ ٹھنڈا ہوگا
اور نہ فرحت بخش، ﴿۴۴﴾ یہ لوگ تو اس سے پہلے بڑے ناز میں پلے ہوئے تھے، ﴿۴۵﴾ اور بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک)
پر بضد رہتے تھے، ﴿۴۶﴾ اور کہا کرتے تھے: جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ
زندہ کئے جائیں گے؟ ﴿۴۷﴾ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟ ﴿۴۸﴾ آپ فرما دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب کے سب ﴿۴۹﴾
ایک مقررہ دن پر ضرور اکٹھے کئے جائیں گے، ﴿۵۰﴾ پھر اے گمراہو اور جھٹلانے والو! یقیناً تم۔ ﴿۵۱﴾

﴿۱﴾ حوریں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کسی عورت کے پیٹ سے ولادت نہ ہوگی؛ بلکہ ولادت کے عام نظام سے ہٹ کر
انھیں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لئے بنائیں گے، نیز جو مسلمان عورتیں جنت میں داخل ہوں گی، ان کو ایک نئی شکل وصورت
دی جائے گی، وہ سب جوان اور خوبصورت ہوں گی، ایک روایت میں آپ ﷺ نے ان کے کنوارے ہونے کی وضاحت کرتے
ہوئے فرمایا کہ ان کی خصوصیت یہ ہوگی کہ میاں بیوی کے تعلق کے بعد ان کا کنوارپن واپس آجائے گا اور ہر بار جب ان کی باہمی
ملاقات ہوگی تو وہ کنواری ہی رہیں گی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۱۱)

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾
فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا
تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ
قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا
تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ
تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

زقّوم کے درخت کھاؤ گے، ﴿۱﴾ ﴿۵۲﴾ اور اسی سے پیٹ بھرو گے ﴿۵۳﴾ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے، ﴿۵۴﴾ اور پیو گے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح، ﴿۲﴾ ﴿۵۵﴾ قیامت کے دن یہی ان کی مہمان نوازی ہوگی، ﴿۵۶﴾ ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے تو پھر تم (دوبارہ زندہ کئے جانے کو) سچ کیوں نہیں مانتے؟ ﴿۵۷﴾ بھلا دیکھو تو سہی، جو منی تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو ﴿۵۸﴾ اس کو تم انسان بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟ ﴿۵۹﴾ ہم نے ہی تمہارے لئے مرنا طئے کر دیا ہے، (کہ ہر شخص پر موت آتی ہے) اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں، ﴿۶۰﴾ کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے کسی اور کو لے آئیں اور تمہاری ایسی صورت بنا دیں، جس کا تم کو کوئی علم بھی نہیں، ﴿۳﴾ ﴿۶۱﴾ اور تم تو پہلی پیدائش سے واقف ہی ہو، تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۶۲﴾ دیکھو تو سہی کہ تم جو کچھ بوتے ہو ﴿۶۳﴾ اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟ ﴿۶۴﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر ڈالیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ ﴿۶۵﴾ (تم کہنے لگو:) ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا ﴿۶۶﴾ بلکہ ہم تو بالکل ہی خالی ہاتھ رہ گئے۔ ﴿۴﴾ ﴿۶۷﴾

﴿۱﴾ زقّوم دوزخ میں اُگنے والا ایک درخت ہوگا، جو دیکھنے میں بھی خوفناک ہوگا، اور کھانے میں بھی بہت ہی بدمزہ ہوگا، سورۂ صافات، آیت نمبر: ۶۲ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

﴿۲﴾ اونٹ کی ایک بیماری ایسی ہوتی ہے، جس میں اسے بے حد پیاس لگتی ہے اور کتنا بھی پانی پیئے پیاس بجھتی نہیں ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۱۵) اہل دوزخ کی پیاس کی یہی کیفیت ہوگی کہ پانی ایسا کھولتا ہوا ہوگا کہ جس سے ذرا بھی سکون حاصل نہیں ہوگا، مگر پھر بھی وہ اسے پیتے ہی چلے جائیں گے۔

﴿۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اگر ابھی چاہیں تو تمہاری صورتیں مسخ کر دیں اور تم کو بندر یا سور وغیرہ کی شکل دے دیں، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۱۷)

﴿۴﴾ یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خرچ زیادہ ہوجائے اور آمدنی کم ہو یا آمدنی کچھ بھی حاصل نہ ہو۔

اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَؕ ﴿۶۸﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾
لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡلَا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَؕ ﴿۷۱﴾ ءَاَنۡتُمۡ
اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِئُوۡنَ ﴿۷۲﴾ نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ ۚ﴿۷۳﴾
ع ۲ ۳۶ ۱۵ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۴﴾ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ۙ﴿۷۵﴾

الثلثۃ

پھر بتاؤ تو سہی کہ تم جس پانی کو پیتے ہو ﴿۶۸﴾ اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟ ﴿۶۹﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۷۰﴾ پھر دیکھو تو سہی جو آگ تم سلگاتے ہو، ﴿۷۱﴾ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے؟ ﴿۷۲﴾ ہم نے اس کو یاد دہانی کرنے والا اور مسافروں کے لئے نفع بخش بنایا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۷۳﴾ تو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجئے، ﴿۷۴﴾ چنانچہ میں ستاروں کی منزلوں کی قسم کھاتا ہوں۔ ﴿۲﴾ ﴿۷۵﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۷۱، ۷۲ میں جس درخت کا ذکر آیا ہے، اس سے یا تو ہر درخت مراد ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کو اس لائق نہیں بنایا کہ آدمی اس کو سلگا سکے اور اس سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکے، صرف نباتات میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ آسانی سے سلگ جاتا ہے اور اس سے انسان الاؤ اور دوسری ضرورتیں پوری کرتا ہے، یا اس سے دو خاص درخت مراد ہیں، جن کو ''مَرخ اور عفاء'' کہا جاتا ہے، ان کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر ان کی ٹہنیوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا جائے تو اس سے آگ سلگ اُٹھتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۲۱) جس دور میں ماچس اور لائٹر ایجاد نہ ہوا ہوگا، اس دور میں اس درخت کی یقیناً بڑی اہمیت رہی ہوگی، جب کہ نہ بجلی تھی اور نہ گیس کی سہولت، پھر آیت نمبر: ۷۳ میں آگ کے دو فائدے بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ یہ آگ یاد دلانے والی ہے، یعنی دنیا کی یہ آگ انسان کو آخرت کی آگ کی طرف متوجہ کرتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۲۱) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جو آگ استعمال کی جاتی ہے، وہ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، (ترمذی، کتاب صفۃ جہنم: ۲۵۸۹) دوسرا فائدہ یہ بتایا گیا کہ یہ مسافروں کے لئے منفعت بخش ہے، مسافروں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان کو اس کی ضرورت خاص کر زیادہ پیش آتی تھی، وہ آگ نہ صرف کھانا پکانے کے لئے استعمال کرتے تھے؛ بلکہ گرمی حاصل کرنے کے لئے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے بھی کیا کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۲۲)

﴿۲﴾ ستاروں کی منزلوں سے ان کے مدار مراد ہیں، ستارے اپنی گردش کے درمیان مقررہ جگہوں ہی سے گذرتے ہیں اور اس سے باہر نہیں جاتے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار ہیں، اگر یہ اپنے مقررہ مراکز سے ہٹ جائیں تو نظام کائنات بکھر کر رہ جائے؛ لیکن یہ ایک مستحکم نظام کے ساتھ موجود ہیں؛ بلکہ مسلسل گردش کر رہے ہیں، نہ آپس میں ٹکراتے ہیں، نہ اپنی قوت کشش کو کھو کر دوسرے سے جا ملتے ہیں اور نہ دوسرے کی قوت کشش کو توڑ کر انھیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں ـــــ ان کی قسم کھانے کی یہ حکمت ہوسکتی ہے کہ جیسے کہکشاں کا یہ نظام استحکام پر قائم ہے اور ہر طرح کے خلل سے محفوظ ہے، اسی طرح کلام ربانی ایک محکم کلام ہے ←

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا
الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾
وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ
تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ
مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾

اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے، ﴿٧٦﴾ کہ یہ بڑا ہی قابل احترام قرآن ہے، ﴿٧٧﴾ جو ایک محفوظ کتاب میں (درج) ہے، ﴿٧٨﴾ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگاتا، ﴿٧٩﴾ یہ تمام عالم کے پروردگار کی طرف سے اُتارا ہوا ہے، ﴿١﴾ ﴿٨٠﴾ کیا تم اس کلام کا انکار کرتے ہو؟ ﴿٨١﴾ اور اپنا حصہ یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلا رہے ہو؟ ﴿٢﴾ ﴿٨٢﴾ تو جب جان گلے تک آ پہنچتی ہے ﴿٨٣﴾ اور تم اس وقت (مرنے والے کو) تک رہے ہوتے ہو ﴿٨٤﴾ اور ہم تمہارے مقابلے اس شخص سے زیادہ قریب ہوتے ہیں؛ لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ﴿٨٥﴾ تو اگر تم کسی اور کے قابو میں نہیں ہو۔ ﴿٨٦﴾

← اور اس میں خلل واقع ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے —— 'مواقع النجوم' سے ستاروں کی منزلوں کا معنی مشہور محدث اور فقیہ عطاء ابن ابی رباح ؒ نے مراد لی ہے، جب کہ بعض حضرات نے اس سے ستاروں کے ڈوبنے کی جگہ بھی مراد لیا ہے، نیز بعض اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۲۳)

﴿١﴾ محفوظ کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے، اور پاک لوگوں سے فرشتے مراد ہیں، یعنی ایک طرف تو یہ کتاب لوح محفوظ میں بھی درج کر دی گئی ہے؛ اس لئے اس میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں، پھر جو اس لوح محفوظ کو ہاتھ لگاتے اور زمین پر لے کر آتے ہیں، وہ بھی ایسے لوگ ہیں، جو جھوٹ، دھوکہ اور گناہوں سے پاک ہیں؛ اس لئے ان کی طرف سے کسی کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں —— اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ قرآن کو پاکی کی حالت میں ہی چھونا چاہئے، بے وضوء یا بے غسل اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہئے؛ البتہ اگر قرآن مجید ایسے غلاف میں ہو، جس کو توڑے بغیر الگ کرنا ممکن ہو تو اس غلاف کے اوپر سے چھوا جا سکتا ہے، (الہندیہ، کتاب الطہارۃ، الفصل الثالث فی الاستحاضۃ: ۱/۴۳، بیروت، لبنان) نیز اگر موبائل کی اسکرین پر قرآن مجید کھلا ہوا ہو تو اس کو بھی بے وضوء ہاتھ لگانا درست نہیں، اگر موبائل کے اندر قرآن مجید محفوظ ہو؛ لیکن وہ اسکرین پر نہ ہو تو وہ قرآن کے حکم میں نہیں ہے، اسے وضوء کے بغیر چھونے کی گنجائش ہے۔

﴿٢﴾ یعنی یہ تمہاری کس قدر محرومی و بدنصیبی ہے کہ تم کو اللہ نے اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے اور بجائے اس کے کہ تم اس پر ایمان لاتے اور اسے اپنی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بناتے تم اس کو جھٹلا کر آخرت کی محرومی کا سودا کر رہے ہو!

تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ
وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ
ع ۳ ۲۲ ۱۶ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

تو اس جان کو کیوں نہیں واپس لے آتے اگر تم سچے ہو؟ ﴿۱﴾ ﴿۸۷﴾ تو اگر (مرنے والا) خدا کے مقرب بندوں میں سے ہے، ﴿۸۸﴾ تو (اس کے لئے) آرام ہی آرام، خوشبو ہی خوشبو اور نعمت بھری جنت ہے، ﴿۸۹﴾ اور اگر وہ داہنی طرف والوں میں سے ہے ﴿۹۰﴾ تو (اس سے کہا جائے گا:) تیرے لئے سلامتی ہے کہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے، ﴿۹۱﴾ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے تھا ﴿۹۲﴾ تو کھولتے ہوئے پانی سے میزبانی ہوگی ﴿۹۳﴾ اور (اسے) دوزخ میں داخل ہونا ہوگا، ﴿۹۴﴾ بے شک یہ یقینی بات ہے، ﴿۹۵﴾ تو آپ اپنے عظمتوں والے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجئے۔ ﴿۲﴾ ﴿۹۶﴾

﴿۱﴾ یعنی ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا عزیز اسی دنیا میں باقی رہے، وہ اس سے محروم نہ ہو، اور جان بچانے کی آخری حد تک جتن کرتا ہے؛ لیکن جب موت آتی ہے تو ساری تدبیریں ناکام ہو کر رہ جاتی ہیں، تو اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں نہیں ہے، تمہارے اختیار میں ہے تو مرنے والوں کو بچا کیوں نہیں لیتے؛ لیکن تمہارا یہ عاجز ہونا ظاہر کرتا ہے کہ تمہاری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے؛ لہٰذا اللہ نے جیسے تمہیں پہلی بار وجود بخشا ہے، دوبارہ بھی زندہ کرسکتا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رُکوع میں یہ تسبیح پڑھو، اور جب ''سبحان ربی الاعلیٰ'' نازل ہوئی تو ارشاد فرمایا: اسے سجدہ میں پڑھو، (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ: ۸۶۹) اسی لئے رُکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' اور سجدہ میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھی جاتی ہے۔

سُوۡرَةُ الحَدِیۡد

- سورہ نمبر : (۵۷)
- رکوع : (۴)
- آیتیں : (۲۹)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’حدید‘ کے معنی لوہے کے ہیں، اس سورہ کی آیت نمبر: ٢٥ میں لوہے کے فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ حدید ہے، مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اس سورہ کے مدنی ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔

اس سورہ میں ایمان، جہاد، اللہ تعالیٰ کے راستے میں انفاق، آسمان وزمین کی تخلیق، اہل ایمان اور منافقین کے بنیادی اوصاف، دنیا وآخرت کی حقیقت وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور سورہ کے اخیر میں دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ایک یہ کہ کتاب الٰہی کو نازل کرنے کا بنیادی مقصد دنیا میں انصاف کرنا اور اسی کے ضمن میں لوہے کے فوائد کا ذکر آیا ہے، شاید اس لئے کہ بہت سی دفعہ انصاف قائم کرنے کے لئے لوہے کی طاقت کا استعمال کرنا پڑتا ہے، دوسرے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ بنیادی طور پر تمام انبیاء ایک ہی دین کو لے کر آئے تھے، وہی دین اسلام ہے، جو شروع سے ہے اور آخر تک رہے گا۔

نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے ان سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے، جن کی ابتدا ’’سبح للّٰہ‘‘ سے ہوتی تھی اور جن کو ’’مسبحات‘‘ کہا جاتا ہے اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیت سے بڑھ کر ہے اور پھر آپ ﷺ اس سورہ کے آیت نمبر: ٣ کا ذکر کرتے تھے: ’’ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم‘‘۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ
یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲﴾ ہُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاہِرُ وَ الۡبَاطِنُ ۚ وَ ہُوَ بِکُلِّ
شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ
یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ
مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴﴾ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ
تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، وہی غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ آسمان و زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، وہی زندگی عطا کرتا ہے، موت سے دوچار کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ﴿۲﴾ وہ سب سے پہلے بھی ہے اور آخر بھی (یعنی شروع سے ہے، جس کی کوئی ابتداء نہیں، اور ہمیشہ رہے گا، جس کی کوئی انتہاء نہیں)، وہ (یعنی اس کا وجود دلائل کے اعتبار سے) ظاہر ہے اور (ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ بھی ہے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے، «۱» ﴿۳﴾ وہی ہے جس نے چھ دنوں میں آسمان و زمین کو پیدا کیا، پھر عرش پر قیام فرمایا، «۲» زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے اور جو اس سے باہر نکلتی ہے، آسمان سے جو چیز اُترتی ہے اور جو چیز اس کی طرف چڑھتی ہے، اللہ کو وہ سب معلوم ہیں، تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے، اور جو کچھ تم کررہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں، «۳» ﴿۴﴾ زمین و آسمان کی حکومت اسی کی ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ ﴿۵﴾

«۱» یعنی اس کی ذات کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

«۲» اللہ تعالیٰ کا عرش پر قائم ہونا اس کی شان کے اعتبار سے ہے، جس کی کوئی کیفیت متعین نہیں کی جاسکتی۔

«۳» یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے دائرہ سے باہر نہیں ہے، اگر اناج کا ایک دانہ اور زمین پر رینگنے والا ایک کیڑا بھی زمین کے اندر داخل ہو، اور چھوٹا سے چھوٹا پودا، یا پتھر کی چٹان، یا پانی کا چشمہ زمین سے باہر نکلے، یا اوپر سے ہونے والی بارش ہو، یا نیچے سے چڑھنے والے بخارات اور فضائی ذرات ہوں، نیز انسان جہاں کہیں بھی ہو، کھلے میدان میں یا بند کمرے کی تاریکی میں، کوئی چیز نہیں جو اس کی اطلاع سے باہر ہو —— اوپر چڑھنے والی چیز سے انسان کے اعمال بھی مراد ہوسکتے ہیں، جن کو لے کر فرشتے اوپر چڑھتے ہیں۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٦ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ
اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝٧ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ
اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٩ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٠ ع ١٠ ١٧

وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے راز سے بھی واقف ہے، ﴿٦﴾ اللہ پر، اس کے
رسول پر ایمان لاؤ، اور جس مال کا اللہ نے دوسروں کے بعد تم کو مالک بنا دیا ہے، اس میں سے خرچ کرو، ﴿١﴾ تو تم
میں سے جو لوگ ایمان لائے اور خرچ کرتے رہے، ان کے لئے بڑا اجر ہے، ﴿٧﴾ اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر
ایمان نہیں لاتے ہو؛ حالاں کہ پیغمبر تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ اور اللہ تم سے
اس کا عہد لے چکے ہیں، اگر تم واقعی ماننے والے ہو، ﴿٢﴾ ﴿٨﴾ وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اُتارتا ہے؛
تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور یقیناً اللہ تم پر بڑے شفیق اور مہربان ہیں، ﴿٩﴾ کیا وجہ ہے کہ تم
اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے؛ حالاں کہ سب آسمان و زمین آخر میں اللہ ہی کے لئے رہ جائیں گے، تم میں سے
جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ (دوسرے مسلمانوں کے) برابر نہیں، ان کا درجہ بعد میں خرچ
کرنے اور جہاد کرنے والوں سے بڑھا ہوا ہے، اور (البتہ) اللہ نے سبھوں سے بہتر (انجام) کا وعدہ فرمایا ہے
اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ کو اس کی پوری پوری خبر ہے۔ ﴿٣﴾ ﴿١٠﴾

﴿١﴾ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انسان کو کس قدر لرزا دینے والا ہے کہ اپنی دولت کے بارے میں یہ مت سمجھو کہ یہ تمہاری موروثی چیز ہے، اور ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی اور خرچ کرنے کی وجہ سے تم اس سے محروم ہو جاؤ گے؛ بلکہ یاد رکھو کہ یہ دوسرے کے پاس تھی، تمہارے پاس آئی ہے اور پھر کسی اور کے پاس چلی جائے گی؛ اس لئے خرچ کرنے میں بخل نہیں ہونا چاہئے۔

﴿٢﴾ 'عہد' سے وہ عہد مراد ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی پیدائش کے بعد عالم ارواح میں ان سے لیا تھا، جس کو 'عہد اَلَست' کہا جاتا ہے، یہ عہد تو انسان کو یاد نہیں؛ لیکن اس عہد کا اثر یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خدا کا اقرار اور اس کی محبت موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک خدا کا اقرار کرنے والوں کے مقابلہ میں خدا کا انکار کرنے والا آٹے میں نمک کے برابر رہے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ←

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَ لَہٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ یَوۡمَ تَرَی
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُہُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ بُشۡرٰىکُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۲﴾

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہتر طور پر (یعنی اخلاص کے ساتھ) قرض دے، پھر اللہ اس کے اس قرض کو بڑھاتے چلے جائیں اور اس کے لئے باعزت اجر ہے،﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾ جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا ،﴿۲﴾ (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہارے لئے ایسے باغوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، یہی تو بڑی کامیابی ہے! ﴿۱۲﴾

← لوگوں نے فطرت کی اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے خدا کی ذات وصفات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ورنہ وہ انبیاء کی تعلیمات تک پہنچ جاتے اور ضرور دینِ حق کی روشنی کو پالیتے۔

﴿۳﴾ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن صحابہ نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیا، اللہ کے راستہ میں خرچ کیا اور جان و مال کی قربانی دی، ان کا درجہ بڑھا ہوا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ میں سب سے زیادہ دین کے لئے خود سپردگی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے؛ اسی لئے بعض حضرات نے اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات مراد لی ہے؛ لیکن یہ آیت عام ہے اور بظاہر صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق قرار دینا صحیح نظر نہیں آتا، اور اس سے ان کے مقام ومرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا؛ کیوں کہ کس مسلمان کو اس سے انکار ہوسکتا ہے کہ انبیاء کے بعد پوری انسانیت میں سب سے افضل شخصیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، دوسری بات اس سے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اخذ کی ہے کہ جیسے آخرت میں پہلے اور بعد کے اعتبار سے اونچا اور نیچا درجہ متعین ہوگا، اسی طرح دنیا میں بھی علم وعمل یا سن وسال کے اعتبار سے جو بڑا ہو، اس کو آگے رکھنا چاہئے؛ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو سب سے بہتر قرآن پڑھتا ہو، وہ لوگوں کی امامت کرے، (مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامۃ، حدیث نمبر: ۶۷۳) اور ایک موقع پر یہ بھی فرمایا: کہ تم لوگوں میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے، (مستدرک حاکم، کتاب الامامۃ الخ، حدیث نمبر: ۸۸۶) چنانچہ فقہاء نے اس دوسری روایت کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں سب برابر ہوں تو جن کی عمر زیادہ ہو، ان کو امام بنانا چاہئے، (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۲/۲۹۵، بیروت) تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ بہتر اجر کا وعدہ سبھوں سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، اگرچہ ان کا درجہ پہلے مسلمان ہونے والوں کے مقابلہ کم ہے؛ مگر وہ بھی ان شاء اللہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

﴿۱﴾ اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسے لازماً قرض واپس کیا جاتا ہے، اسی طرح ان کو ضرور ان کے اِس عمل کا اجر حاصل ہوگا۔

﴿۲﴾ دنیا میں روشنی تیل، گیس اور الیکٹرک وغیرہ کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہے، آخرت میں ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ روشنی پیدا ہوگی، جب انسان پُل صراط پر چلے گا تو یہی روشنی اس کے کام آئے گی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی کی روشنی ←

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ
ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ
وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝۱۳ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ
الْغَرُوْرُ ۝۱۴ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ
مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

اس دن منافق مرد و عورت مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، تو جواب دیا جائے گا: تم پیچھے کی طرف واپس لوٹ جاؤ، پھر کوئی روشنی تلاش کرلو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب، ﴿۱﴾ ۝۱۳
یہ منافق مسلمانوں کو آواز دیں گے: کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے: ہاں تھے تو سہی؛ لیکن تم نے اپنے آپ کو خود ہی گمراہی میں پھنسا رکھا تھا، اور تم (ہمارے لئے مصیبتوں کے) انتظار میں رہتے تھے، نیز شک میں پڑے ہوئے تھے اور تم کو (تمہاری جھوٹی) اُمیدوں اور آرزوؤں نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا اور اللہ کے بارے میں دھوکہ باز (شیطان) تم کو دھوکہ دیتا رہا، ۝۱۴
تو آج نہ تم سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جو (کھلے طور پر) کافر رہے، تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، وہی تمہارا ساتھی ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ ۝۱۵

← کھجور کے درخت کے برابر ہوگی، کسی کی قد آدم ہوگی، کسی کی بہت کم اس کے پاؤں کے انگوٹھے کے برابر، جو کبھی جلے گی اور کبھی بجھے گی، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۴۴) اگر دنیا میں تیل اور گیس کے ذریعہ روشنی ہو اور اللہ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ اُٹھا کر انسان بجلی پیدا کرے اور روشنی حاصل کرے تو اس میں کیا تعجب کہ اس روز اللہ تعالیٰ ان وسائل کے بغیر اہل ایمان کے لئے اعمال کے چراغ کو روشن کردیں۔

﴿۱﴾ یعنی پل صراط کی یہ روشنی اہل جنت کو حاصل ہوگی تو ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ایمان سے محروم لوگ کہیں گے کہ ذرا اپنی روشنی سے ہمیں بھی فائدہ اُٹھانے کا موقع دو؛ لیکن اس دن ایمان سے محروم لوگوں کے لئے کوئی رعایت نہیں ہوگی؛ چنانچہ مسلمانوں کے اور ان کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی، جس کے ایک طرف جنت ہوگی، جس میں رحمت ہی رحمت ہوگی، اس میں مسلمان رہیں گے، اور دیوار کی دوسری جانب دوزخ ہوگی اور وہ منافقین کا ٹھکانہ ہوگا۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُونُوا
كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ط وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ
فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ
أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ط لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ط وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
ع ٢/٩/١٨ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾

کیا مسلمانوں کے لئے ابھی تک اس بات کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور جو حق (اللہ کی طرف سے) نازل ہوا ہے، اس سے اُن کے دل پگھل جائیں، اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر جب ان پر لمبی مدت گذر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں، ﴿١﴾ ﴿١٦﴾ جان لو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرماتے ہیں، ہم نے نشانیوں کو اسی لئے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے کہ تم سمجھ لو، ﴿١٧﴾ یقیناً خیرات کرنے والے مردوں اور عورتوں کو اور ان لوگوں کو جنھوں نے اللہ کو بہتر طور پر (یعنی اخلاص کے ساتھ) قرض دیا، بڑھا کر ادا کیا جائے گا، اور ان کے لئے بڑا ہی باعزت بدلہ ہے، ﴿٢﴾ ﴿١٨﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے، وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق و شہید ہیں، ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا، وہی ہیں دوزخی! ﴿٣﴾ ﴿١٩﴾

﴿١﴾ غور کیجئے اور ذہن میں لایئے صحابہ کی عبادت واطاعت، زہد وتقویٰ اور ایثار وقربانی، اس کے باوجود انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی جا رہی ہے تو عام لوگوں کا کیا شمار؟ یہ ایسی لرزا دینے والی آیت ہے کہ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور شیخ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ جیسے عارفین جن کی ابتدائی زندگی غفلت کی تھی، اس آیت کو سن کر کانپ گئے اور وہی ان کے تائب ہونے کا سبب بنی، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۵۱) —— اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ایک علامت ہے کہ قرآن مجید سن کر انسان کا دل نرم ہو اور اس پر اللہ کی خشیت کے آثار ظاہر ہوں۔

﴿٢﴾ اللہ تعالیٰ نے خیرات کرنے والے مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے مردوں کو اپنی املاک میں سے خرچ کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے دولت کو خرچ کرنے کا اختیار ہے؛ البتہ غلط راستے میں خرچ کرنا نہ کسی مرد کے لئے درست ہے اور نہ کسی عورت کے لئے۔

﴿٣﴾ صدیق سے وہ لوگ مراد ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ کی باتوں پر بھرپور یقین ہو: ''البالغون فی التصدیق'' (جلالین: ۷۲۲) ←

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ
وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ
حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا
مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿٢٠﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ
اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾

جان لوکہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشہ، ظاہری ٹیپ ٹاپ، ایک دوسرے پر فخر اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش ہے، (اس کی مثال ایسی ہی ہے) جیسے بارش؛ کہ اس سے اُگنے والی کھیتی کاشتکاروں کو بھلی لگتی ہے، پھر وہ سوکھ جاتی ہے، پھر تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد ہوگئی، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے،﴿۱﴾ اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکہ کا سامان ہے،﴿٢٠﴾ دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف، جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، یہ اللہ کا کرم ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے کرم والے ہیں،﴿٢١﴾ کوئی بھی آفت جو زمین میں یا خود تم پر آتی ہے، وہ اس کے پیدا ہونے کے پہلے سے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے، یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے۔﴿٢٢﴾

← شہداء سے بعض حضرات نے ان لوگوں کو مراد لیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں؛ لیکن زیادہ تر لوگوں نے یہاں شہداء سے مخلص مسلمان مراد لئے ہیں، (معالم التنزیل: ۵/ ۳۱) صدیقین اور شہداء کے علاوہ قرآن مجید میں ایک اور موقع پر صالحین کا ذکر آیا ہے، (سورۂ نساء: ٦٩) اس سے معلوم ہوا کہ سب سے اونچا درجہ انبیاء کا ہے، پھر صدیقین کا، پھر شہداء کا، پھر صالحین کا، (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۵۳) غرض کہ اہل ایمان میں بھی سب ایک درجہ کے نہیں ہیں؛ چوں کہ قرآن مجید میں صدیقین، شہداء اور صالحین کی صفات مومنوں کے لئے بیان کی گئی ہیں؛ اس لئے قیامت تک مسلمانوں میں ان تینوں درجات کے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے؛ البتہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا، رسول اللہ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔

﴿۱﴾ یعنی جیسے ہری بھری کھیتی کو سوکھنے اور بھوسا بن جانے میں زیادہ وقت نہیں لگتا، دنیا کی مثال ایسی ہی ہے، اس کی رونقیں فانی اور بے اعتبار ہیں، اور آنکھ بند ہوتے ہی یہ عارضی نعمت و راحت رخصت ہو جائے گی۔

لِّكَيۡلَا تَأۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ ۙ﴿۲۳﴾
الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ وَيَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿۲۴﴾
لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ
وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ
بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۲۵﴾ ع ۳ ۱۹

(اورہم نے یہ بات اس لئے بتادی ہے) کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، تم اس پر رنج نہ کرو اور جو کچھ اللہ تم کو عطا فرمائیں، اس پر اِتراؤ نہیں، اور اللہ کسی متکبر شیخی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتے، ﴿۱﴾ ﴿۲۳﴾ جو خود بھی بخل کرتے ہوں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کی ترغیب دیتے ہوں اور جو شخص منھ پھیر لے تو اللہ بے نیاز اور بڑی خوبیوں والے ہیں، ﴿۲۴﴾ ہم نے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ (آسمانی) کتاب اور ترازو بھی اُتارا؛ تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، ﴿۲﴾ اور ہم نے لوہا بھی پیدا کیا، جس میں بڑی طاقت اور لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں، ﴿۳﴾ اور اس لئے کہ جو لوگ بِن دیکھے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں، اللہ ان کو دیکھ لیں، یقیناً اللہ ہی طاقتور اور غالب ہیں۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ یعنی جب نعمتوں کا لینا اور دینا اللہ کی طرف سے ہے، تمہارا اس پر کوئی اختیار نہیں، تو جب نعمتیں چھن جائیں، تو غم نہ ہو کہ جو مالک تھا، اس نے اپنی چیز واپس لے لی، اور جب نعمتیں حاصل ہوں تو تکبر پیدا نہ ہو؛ کیوں کہ تکبر تو اپنی چیز پر ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی دی ہوئی چیز پر۔

﴿۲﴾ انصاف سے مراد ہے حقوق کو متعین کرنے کا پیمانہ، مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک اہم فریضہ دنیا میں انصاف قائم کرنا ہے اور انصاف قائم کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک: صحیح طور پر حقوق کا متعین کرنا، دوسرے: جو حقوق متعین ہیں، ان کو ادا کرنا، تو حقوق کو جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اُتاری اور اس کی صحیح صحیح ادائیگی کے لئے پیمانے مقرر فرمائے، یہ پیمانہ مختلف اشیاء کے لئے ان کے لحاظ سے ہوگا، کہیں لوہے کی ترازو ہوگی، کہیں ایسے الیکٹرانک میٹر ہوں گے، جن کے ذریعہ مقدار جانی جاسکے، کہیں مسافت پیمانہ ہوگی کہ جتنی دُور کا سفر ہو، اتنا کرایہ ادا کیا جائے، کہیں وقت پیمانہ ہوگا کہ جتنا وقت مقرر ہو، وہ پورا پورا وقت دیا جائے۔

﴿۳﴾ یعنی لوہا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اُتارے گئے تو انھیں دنیا میں بسنے کے لئے جو چیزیں ساتھ دی گئیں، ان میں ایک لوہا بھی تھا، جس کے کئی اوزار اُن کو دیئے گئے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۶۱) لوہے کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں، آج ایک سوئی سے لے کر ٹرین اور ہوائی جہاز، ایک خنجر سے لے کر تباہ کن بحری اور فضائی بیڑہ اور معمولی فرنیچر سے لے کر آسمان کو چھوتی ہوئی عمارتیں تک ہر جگہ لوہا بنیادی کردار ادا کرتا ہے، ←

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّاِبۡرٰهِیۡمَ وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ۚ
وَكَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّیۡنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیۡنَا بِعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ
وَاٰتَیۡنٰهُ الۡاِنۡجِیۡلَ ۙ وَجَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ رَاۡفَةً وَّرَحۡمَةً ؕ وَرَهۡبَانِیَّةَ ۣ ابۡتَدَعُوۡهَا
مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَیۡهِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ۚ وَكَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھی پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو جاری رکھا تو ان میں سے بعض تو ہدایت پر آ گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہی رہے، ﴿۲۶﴾ پھر ان کے پیچھے ہم اپنے پیغمبروں کو بھیجتے رہے، ان کے بعد مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا، ان کو انجیل عطا فرمائی اور ان کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم دلی پیدا کر دی، اور (البتہ) دنیا سے کنارہ کشی کو انھوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خود ایجاد کر لیا، جس کو ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، پھر جیسا اس کو نباہنا چاہئے تھا، نباہ بھی نہ سکے، تو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے، ان کو ہم نے ان کا اجر عطا کر دیا اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہی ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۷﴾

← اللہ کی قدرت ہے کہ یہ سب سے مضبوط چیز ہے، جس سے بڑے بڑے پہاڑ توڑ دیئے جائیں؛ لیکن دوسری طرف اس کو موم کی طرح پگھلایا اور ہر طرح سانچے میں ڈھالا بھی جا سکتا ہے۔

﴿۱﴾ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو نرم بنایا ہے، ایک نبی کی اُمت کا سلسلہ اسی وقت تک قائم رہتا ہے، جب تک اگلا نبی نہ آ جائے؛ اس لئے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ متبعین مراد ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی حقیقی تعلیمات پر عمل کرتے رہے، اگر آج مغرب سے لے کر مشرق تک ہر جگہ عیسائی طاقتوں نے ظلم و بربریت کا بازار قائم کر رکھا ہے اور لاکھوں انسانوں کا خون بہانے کے باوجود بھی ان کی پیاس بجھ نہیں پاتی ہے، تو وہ اس میں شامل نہیں ہیں؛ کیوں کہ وہ حقیقی عیسائی ہیں ہی نہیں، عیسائیوں کا ایک دور رہبانیت اور دنیا سے کنارہ کشی کا گزرا ہے، جس میں نہ وہ نکاح کرتے تھے، نہ لذیذ غذا استعمال کرتے تھے، نہ میاں بیوی کا تعلق رکھتے تھے، یہاں تک کہ نہاتے اور دھوتے بھی نہیں تھے، پروفیسر لیکی نے ''تاریخ اخلاق یورپ'' میں تفصیل سے اُن کے اِن حالات کا ذکر کیا ہے، قرآن نے ان کے اسی عمل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا یہ طریقہ خود ساختہ تھا، اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی نہیں تھا، پھر جب انھوں نے یہ غیر فطری طرز زندگی اختیار کیا اور اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا تو اس کو نباہ بھی نہ سکے —— اس ارشاد باری سے معلوم ہوا کہ اجر و ثواب کی نیت سے اپنے اوپر حلال کو حرام کر لینا دین داری نہیں ہے؛ بلکہ یہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے؛ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے کسی خاص چیز سے اجتناب کیا جائے، جیسے ڈاکٹر کے مشورے سے پرہیز کیا جائے، یا رغبت نہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو ←

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ
نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو
الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ع ٢٠

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو اللہ تم کو اپنی رحمت سے دوہرا حصہ عطا کریں گے، ﴿۱﴾ تم کو ایک ایسا نور عطا کریں گے کہ تم اس کو لئے ہوئے چلو گے ﴿۲﴾ اور تم کو معاف فرمادیں گے، اور اللہ بہت معاف کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں، ﴿۲۸﴾ (یہ بات اس لئے واضح کی گئی ہے) کہ گذشتہ کتاب والے اس سے ناواقف نہ رہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ان کو کوئی قدرت حاصل نہیں ہے، اور یہ کہ سارا فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۹﴾

← استعمال نہ کرے تو یہ صورتیں اس میں شامل نہیں ہیں — اللہ تعالیٰ نے یہ جو بات فرمائی کہ وہ اس کو نباہ نہ سکے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز واجب تو نہ ہو؛ لیکن اس کا کرنا پسندیدہ ہو، جیسے: نفل نماز، نفل روزے، اور اس کی نذر مان لی جائے تو نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اسی طرح احناف اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک اگر کوئی نفل عبادت شروع کر دی جائے تو وہ بھی نذر ماننے کے درجے میں ہو جاتی ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۵)

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت میں ''ایمان والوں'' سے ان لوگوں کو خطاب فرمایا گیا ہے، جو اہل کتاب تھے اور انبیاء بنی اسرائیل پر ایمان رکھتے تھے کہ اگر وہ ایمان لائیں گے تو ان کو دوہرا اجر عطا فرمایا جائے گا، ایک اجر انبیاء بنی اسرائیل پر ایمان کا، اور دوسرا اجر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا، (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۸۵) یہ مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔ (بخاری، کتاب العلم، باب تعليم الرجل أمته وأهله، حدیث نمبر: ۹۷)

﴿۲﴾ یہاں نور سے قرآن اور ہدایت کا نور مراد ہے، جو دنیا سے لے کر آخرت تک اور خاص کر پُل صراط پر کام آئے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۶۷)

﴿۳﴾ یعنی اہل کتاب کو جو بغض ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کی بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کیوں آ گئی اور محمد ﷺ نبی کیوں بنا دیئے گئے؟ ان کا یہ سمجھنا زیادتی ہے؛ کیوں کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنی نعمت سے جسے چاہیں نواز دیں۔

سُورَةُ المُجَادِلَة

- سورۃ نمبر : (۵۸)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۲۲)
- نوعیت : مدنی

'مجادلہ' کے معنی ہیں بحث وتکرار کرنے والی، رسول اللہ ﷺ کی ایک صحابیہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ ان کے شوہر نے ان سے ظہار کرلیا تھا، ظہار کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، اسلام سے پہلے اس کو طلاق کی ایک صورت سمجھا جاتا تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے قدیم طریقہ کے مطابق اس کو طلاق قرار دیا، انھوں نے اپنے اور اپنے شوہر کے بوڑھاپے کا حوالہ دیتے ہوئے اصرار کیا کہ ان کے لئے کوئی راستہ نکالا جائے، اس لئے قرآن مجید نے ان کا ذکر مجادلہ یعنی بحث کرنے والی خاتون سے کیا ہے، اوراسی نام پر اس سورہ کا نام ہے، یہ پوری سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے؛ البتہ بعض اہل علم نے اس کی بعض آیات کو مکی قرار دیا ہے، اس کے مضامین کو سامنے رکھتے ہوئے بعض اہل علم کا اندازہ ہے کہ یہ سورہ غزوۂ احزاب (شوال ۵ ہجری) کے بعد نازل ہوئی۔

اس سورہ میں مدنی سورتوں کے عام مزاج کے مطابق بہت سے احکام کا ذکر آیا ہے، جیسے: ظہار کا حکم اور اس کا کفارہ، آپسی سرگوشی کا حکم، مجلسوں کے آداب، رسول اللہ ﷺ سے تنہائی میں بات کرنی ہو تو پہلے صدقہ کرنے کا حکم (جو بعد میں منسوخ ہوگیا) وغیرہ، اسی کے ساتھ ساتھ منافقین کی سازشوں، یہودیوں کے ساتھ ان کا تعلق اور اللہ اور رسول کے ساتھ ان کی عداوت وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ
اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ
غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ
ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اللہ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کرتی تھی، اللہ آپ دونوں کی گفتگو کو سن رہے تھے، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ① تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں تو (اس کی وجہ سے) وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں، جنھوں نے ان کو جنا ہے، اور یقیناً وہ ایک نامعقول اور جھوٹی بات اپنی زبان سے نکال رہے ہیں اور بے شک اللہ خوب خوب معاف کرنے والے ہیں، ② اور جو لوگ اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھیں، پھر اپنی بات سے رُجوع کر لیں تو اُن کے ذمہ ایک دوسرے سے ہم بستری کرنے سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، تم کو اس کی ہدایت دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہیں، ③ پھر جس کو غلام میسر نہ ہو، اس کو ہم بستری سے پہلے مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھنے چاہئیں، جو شخص یہ بھی نہ کر سکے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱﴾ ④

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جن خاتون کا ذکر فرمایا ہے، وہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہیں، وہ حضرت اوس ابن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اکابر صحابہ کی نظر میں ان کی کیا قدر و منزلت تھی؟ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں گدھے پر سوار ہو کر گزر رہے تھے، کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ تھے کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور کسی رُو رعایت کے بغیر دیر تک بات کرتی رہیں، کہنے لگیں: اے عمر! ایک زمانہ تھا کہ لوگ تم کو عمیر کہا کرتے تھے، عمیر کے معنی چھوٹے عمر کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں تھا، پھر لوگ تم کو عمر کہنے لگے، اب وقت آیا کہ تم کو امیر المومنین کہا جاتا ہے ←

← تو اے عمر! اللہ سے ڈرو، جس کو موت کا یقین ہوتا ہے، وہ ڈرتا رہتا ہے کہ کوئی ضروری کام رہ نہ جائے، اور جس کو حساب و کتاب کا یقین ہوتا ہے، وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر ٹھہرے ان کی بات سنتے رہے، لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اس بڑھیا کے لئے آپ اتنی دیر ٹھہرے رہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر یہ مجھے صبح سے شام تک بھی روکے رکھتیں تو میں سوائے فرض نماز کے یہاں سے نہیں ہٹتا، تم جانتے ہو، یہ بوڑھی خاتون کون ہیں؟ یہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہیں، جن کی فریاد اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سنی ہے، کیا رب العالمین تو ان کی بات سنیں اور عمر نہ سنے؟

اسلام سے پہلے طلاق دینے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ شوہر بیوی کو اپنی ماں سے اور اکثر اپنی ماں کی پیٹھ سے تشبیہ دیتا تھا، کہتا تھا کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح ہو، اس کے بعد سمجھا جاتا تھا کہ وہ عورت اس کے لئے ماں کے درجہ میں آگئی، آیت نمبر: ۲ میں اس کا اشارہ موجود ہے اور گمان کیا جاتا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؛ بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے ماں کی طرح حرام ہوگئی، حضرت اوس ابن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا دونوں خاصے بوڑھے ہو چکے تھے، کسی بات پر حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور انھوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا: تم مجھ پر میرے ماں کی پشت کی طرح ہو، پھر فوراً ہی رُجوع کرنا چاہا تو حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم نہ کرلیا جائے تم میرے قریب بھی نہ آؤ، پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں: میرا شوہر میری جوانی کو کھا چکا، میرے پیٹ کو نچوڑ چکا، اب جب میں بوڑھی ہو رہی ہوں تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی، وہ اصرار کرتی رہیں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق کے الفاظ نہیں کہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے، اور یہ بھی فرمایا کہ میرے اوپر اس سلسلہ میں کوئی حکم نہیں اُترا، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ہر مسئلہ میں آپ پر وحی آتی رہتی ہے، اس معاملہ میں نہیں آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، بات یہی ہے جو تم کہہ رہی ہو، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اب میں اللہ کے رسول سے نہیں اللہ ہی سے شکایت کرتی ہوں، اپنے فاقہ کی، اپنی تنہائی اور وحشت کی، اور شوہر سے جدائی کی، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر سے فرمایا: ایک غلام آزاد کردو، وہ اپنی گردن پکڑ کر عرض کرنے لگے: میں اِس کے یعنی اپنے آپ کے سوا کسی کا مالک نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھ لو، حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں دن میں تین بار نہ کھاؤں تو میری تو بصارت ہی متاثر ہو جائے، ارشاد ہوا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو، کہنے لگے: پھر آپ ہی اس سلسلہ میں مدد فرمائیے، یہ بھی میرے بس میں نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا اور اس طرح انھوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کیا۔

ظہار کے شرعی حکم سے پہلے ذرا رُک کر ان واقعات پر غور کیجئے، اس سے ایک سبق تو یہ ملا کہ عہد نبوی میں خواتین کھل کر اپنا مدعا پیش کرتی تھیں اور پوری جرأت کے ساتھ اپنے مسائل کو رکھتی تھیں، عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں عورت کو بہت دبا کر رکھا جاتا ہے اور ان کو زبان کھولنے کی بھی اجازت نہیں ملتی ہے، یہ غلط ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جرأت مندانہ گفتگو کا کوئی برا نہیں مانا؛ بلکہ کمال شفقت کا معاملہ فرمایا اور کفارہ کی ادائے گی میں حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تواضع دیکھئے کہ امیر المومنین ہونے کے باوجود حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی ایسی بات کو جس میں زجر و تنبیہ کا پہلو بھی تھا، کس قدر صبر کے ساتھ سنا، یہ کیفیت کسی انسان میں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی خشیت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ ←

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ ع

جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اسی طرح ذلیل وخوار ہوں گے، جیسے ان سے پہلے کے لوگ ہوئے، اور ہم تو صاف صاف احکام نازل کر چکے ہیں، تو جو نہیں مانتے، اسی کے لئے رسوا کن عذاب ہے، ۝۵ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے تو ان سب کا کیا ہوا ان کو بتا دیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں۔ ۝۶

← آیت نمبر: ۲ سے ۴ تک تین احکام ذکر کئے گئے ہیں، اول یہ کہ بیوی کو ماں کہنا یا ماں کی طرح کہنا گناہ کی بات ہے، یہ جھوٹ بھی ہے واقعہ کے خلاف بھی ہے اور بیوی کی ایذاء رسانی بھی ہے؛ اس لئے اگر کوئی ایسا کر گزرے تو اس گناہ کی معافی کے لئے توبہ کرنی چاہئے کہ اللہ خوب معاف کرنے والے ہیں، دوسرا حکم یہ بتایا گیا کہ اگر کوئی شخص ایسا کر گزرے تو اس کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ البتہ جب تک وہ کفارہ ادا نہ کر دے، اس کی بیوی سے اس کے لئے ہم بستری جائز نہیں ہوگی، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ظہار کا کفارہ ترتیب کے ساتھ اس طرح ہے: اگر غلام آزاد کر سکتا ہو تو غلام آزاد کرے، اگر غلام آزاد نہیں کر سکتا تو ساٹھ روزے رکھے، روزے بھی نہیں رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، ان صریح احکام کے علاوہ اشارۃً ان ہی آیات سے کچھ اور احکام بھی واضح ہوتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ ہم بستر ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دینا چاہئے، کفارہ کی ادائے گی سے پہلے یا ادائے گی کے درمیان ہم بستر ہونا جائز نہیں، دوسرے: روزے رکھنے کا جو حکم ہے، اس میں تسلسل ضروری ہے کہ مسلسل دو ماہ روزے رکھے جائیں، تیسرے: ظہار مرد کی طرف سے معتبر ہے نہ کہ عورت کی طرف سے، یعنی اگر عورت شوہر سے کہے میں تم پر تمہاری ماں کی طرح ہوں یا تم مجھ پر میرے باپ کی طرح ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

فقہاء نے ظہار سے متعلق بعض اور احکام کی احادیث اور قیاس واجتہاد کی روشنی میں وضاحت کی ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ ظہار اپنی بیوی کو کسی محرم رشتہ دار سے یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینے کا نام ہے، جس کو دیکھنا حرام ہے، اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح یا میری ماں کی ران کی طرح ہو تو یہ صریحاً ظہار ہے، اور اگر کوئی کہتا ہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح ہو تو اس میں دو معنوں کا احتمال ہے، ایک یہ کہ وہ کہنا چاہتا ہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو تو اس صورت میں یہ ظہار ہوگا، اور اگر وہ اس نیت کا اظہار کرے کہ تم شکل وصورت میں میری ماں کی طرح ہو، یا میری نظر میں ماں کی طرح محبوب ومحترم ہو تو یہ ظہار نہیں ہوگا، یہ صورت کنایہ کی ہے، دوسرا قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا؛ لیکن نہ کفارہ ادا کرتا ہے اور نہ بیوی کا صنفی حق ادا کرتا ہے تو اسے قاضی مجبور کرے گا کہ یا تو وہ کفارہ ادا کر کے بیوی کا حق ادا کرے، یا پھر اسے طلاق دیدے۔ (ملخص از: تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۶۹ تا ۲۸۸، ہندیہ، باب التاسع فی الظہار: ۱/ ۵۰۷)

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ
رَابِعُهُمۡ وَلَا خَمۡسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ وَلَاۤ اَدۡنٰى مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمۡ اَيۡنَ مَا
كَانُوۡا‌ ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝٧ اَلَمۡ تَرَ اِلَى
الَّذِيۡنَ نُهُوۡا عَنِ النَّجۡوٰى ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَيَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ
وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُوۡلِ وَاِذَا جَآءُوۡكَ حَيَّوۡكَ بِمَا لَمۡ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوۡلُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ
لَوۡلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ‌ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ‌ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا‌ ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝٨

آپ نے دیکھا نہیں کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کو معلوم ہے، کہیں تین آدمیوں میں کانا پھوسی نہیں ہوتی، مگر ان میں کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور پانچ آدمیوں میں کانا پھوسی نہیں ہوتی، مگر ان میں چھٹی اللہ کی ذات ہوتی ہے، اور نہ اس سے کم یا زیادہ ہوں؛ مگر اللہ ان کے ساتھ ہوتے ہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہوں، پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کئے ہوئے کام بتادیں گے، یقیناً اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿١﴾ ۝٧ آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کانا پھوسی کرنے سے منع کر دیا گیا تھا؟ پھر بھی وہ لوگ وہی کام کرتے ہیں، جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے لئے کانا پھوسی کرتے ہیں، ﴿٢﴾ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے الفاظ میں سلام کرتے ہیں، جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ (اگر آپ سچے رسول ہیں تو) اللہ ہم کو ہماری اس بات کی وجہ سے عذاب کیوں نہیں دیتے؟ (اے پیغمبر!) ان کے لئے تو دوزخ ہی کافی ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ کتنی بری جگہ ہے! ﴿٣﴾ ۝٨

﴿١﴾ اگلی آیات میں سرگوشی اور کانا پھوسی سے متعلق بعض احکام آئے ہیں: اس لئے اس سے پہلے بنیادی بات فرمادی گئی کہ چھپ چھپا کر کانا پھوسی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ جیسے وہ انسانوں سے اپنی بات چھپا رہے ہیں، اسی طرح اللہ سے بھی اپنی بات چھپانے میں کامیاب ہو جائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری ایک ایک بات سن رہے ہیں، چاہے تم تین ہو، یا چار، پانچ ہو، یا چھ، یا اس سے زیادہ یا اس سے کم، یہ نہ سمجھو کہ تمہاری آپس میں باتیں اللہ تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔

﴿٢﴾ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت یہودیوں اور منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، صورت حال یہ تھی کہ وہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے؛ لیکن جب مسلمانوں کو دیکھتے تو رازدارانہ گفتگو کرنے لگتے اور مسلمانوں کو دیکھ کر باہم ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے، اس سے مسلمانوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی، صحابہ نے آپ ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اس حرکت سے منع فرمایا؛ لیکن منع کرنے کے باوجود وہ اس سے باز نہیں آئے، (تفسیر قرطبی: ١٧/٢٩١) —— معلوم ہوا کہ جہاں چند لوگ ہوں، وہاں ایک دو آدمی کو آپس میں رازدارانہ انداز سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے کہ جس سے دوسروں کو بدگمانی و غلط فہمی پیدا ہو، یا ان کو یہ احساس ہو کہ ہمیں قابل بھروسہ مند نہیں سمجھا گیا۔

←

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَيۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُوۡلِ
وَتَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجۡوٰى مِنَ
الشَّيۡطٰنِ لِيَحۡزُنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَيۡسَ بِضَآرِّهِمۡ شَيۡــًٔا اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ
الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۰

اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کے کان میں بات کرو تو گناہ، ظلم و زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی بات نہ کیا کرو، ہاں، نیکی اور پرہیز گاری کی بات کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے، ۝۹ کانا پھوسی کرنا تو شیطانی حرکت ہے؛ تاکہ مسلمانوں کو رنج پہنچائیں اور وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، سوائے اس کے کہ اللہ کو یہی منظور ہو اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱﴾ ۝۱۰

← ﴿۳﴾ یہودیوں کا عجب مزاج یہ تھا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچا کر خوشی ہوتی تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ وہ تو انبیاء بنی اسرائیل اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تکلیف پہنچا چکے تھے؛ چنانچہ کچھ یہودی خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ''السام علیک'' سام کے معنی موت کے ہیں، ''السام علیک'' کے معنی ہوئے: تم پر موت آئے، گویا اس طرح سلام کیا کہ رسول اللہ ﷺ تو اس کو سلام سمجھیں اور حقیقت میں یہ دُعا کے بجائے بددُعائیہ فقرہ ہوجائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، ان سے برداشت نہ ہوسکا، انھوں نے پلٹ کر یہی فقرہ ان یہودیوں سے کہا اور کچھ اور بھی بددُعائیں دیں، آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو روکا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ بدکلامی کو پسند نہیں فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ ﷺ نے سمجھا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ارشاد ہوا: تم نے میرا جواب نہیں سنا کہ میں نے کہا ''وعلیکم'' (بخاری، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۶۰۳۸) اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ آپ ﷺ کی مجلس میں آکر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقۂ سلام کے بجائے بے ادبی کی باتیں کرتے، پھر اس کے ساتھ ایک غلط بات دل میں یہ ہوتی کہ اگر آپ ﷺ واقعی سچے دین کی دعوت دے رہے ہیں، تو ہماری ان حرکتوں کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا؛ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر فوراً عذاب نہ آئے تو وہ خوشی نہ منائیں؛ کیوں کہ ان کی سزا کے لئے دوزخ ہی کافی ہے۔

﴿۱﴾ رازداری کے ساتھ جو بات کی جاتی ہے وہ اس شخص پر اثر انداز ہوتی ہے، جس سے بات کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاً تو کانا پھوسی سے بچو؛ کیوں کہ کانا پھوسی زیادہ تر دوسروں کو نقصان پہنچانے اور شکوہ و شکایت کے لئے کی جاتی ہے؛ لیکن اگر کبھی اس کی ضرورت پڑ جائے تو اچھے مقصد کے لئے کرو، مثلاً کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو علی الاعلان ٹوکنے کے بجائے آہستگی سے رازداری کے ساتھ اس کی غلطی پر متنبہ کردو اور اصلاح کی بات کرو تو یہ بہتر عمل ہوگا؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تین آدمی ہوں تو ایک آدمی کو الگ کرکے آپس میں کانا پھوسی نہ کی جائے؛ کیوں کہ اس سے تیسرے شخص کو تکلیف پہنچتی ہے، (بخاری، کتاب الاستئذان، باب لا تناجی اثنان دون الثالث، حدیث نمبر: ۵۹۳) —— اس میں تین کی تعداد بطور مثال کے ہے، اگر اس سے زیادہ لوگ ہوں اور ایک دو افراد کو چھوڑ کر بات کی جائے تب بھی یہی حکم ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ
وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا
بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝۱۲

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں گنجائش پیدا کرو تو گنجائش پیدا کیا کرو، اللہ بھی تمہارے لئے کشادگی پیدا فرمادیں گے اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کر کھڑے ہو جایا کرو، تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا، اللہ ان کے درجے بلند کردیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے واقف ہیں،《۱》 ۝۱۱ اے ایمان والو! جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ خیرات کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ طریقہ ہے اور اگر تم کو (خیرات کرنے کے لئے کوئی چیز) میسر نہ ہو تو اللہ خوب معاف کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ ۝۱۲

《۱》 رسول اللہ ﷺ صفہ میں تشریف فرما تھے، جمعہ کے دن کی وجہ سے جگہ تنگ ہوگئی، معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ حاضرین میں سے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین و انصار کا خصوصی اکرام فرمایا کرتے تھے، آج ایسا ہوا کہ جگہ پُر ہوگئی، پھر کچھ بدری صحابہ جن میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے، تشریف لائے اور حضور ﷺ کے سامنے کھڑے رہے کہ شاید ان کے لئے لوگ جگہ نکالیں؛ لیکن لوگوں کو اس طرف توجہ نہ ہوسکی، یہ بات آپ ﷺ کو گراں گزری اور آپ نے کچھ حضرات سے فرمایا کہ تم کھڑے ہو جاؤ، وہ تعمیل حکم میں کھڑے تو ہو گئے؛ لیکن حضور ﷺ کی قربت سے محرومی ان پر گراں گزری اور آپ ﷺ نے ان کے چہروں کے تاثر سے محسوس کرلیا، منافقین ایسے مواقع کی تاک میں لگے رہتے تھے، وہ ایک دوسرے کو آنکھ مارنے اور بڑبڑانے لگے کہ ان بے چاروں کے ساتھ انصاف نہیں ہوا، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۷/۲۹۷) جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی مصلحت کی وجہ سے اُٹھ جانے کا حکم دیا جائے تو اُٹھ جایا کرو، اگر کچھ لوگ عمر اور درجہ و مقام میں تم سے بڑھے ہوئے ہوں اور ان کے احترام میں تم کو کھڑا ہونا پڑے تو یہ نہ سمجھو کہ اس میں تمہارا درجہ کم ہوگیا؛ بلکہ جو لوگ ایمان رکھتے ہوں اور اہل علم بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے درجہ کو بلند فرمائیں گے —— مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم ہر ایسی مجلس کے لئے ہے جس میں مسلمانوں کا اجتماع ہو، چاہے مشورے کی ہو، ذکر کی ہو، جمعہ کے دن کی نسبت سے ہو، ایسی مجلسوں میں جو اہم شخصیتیں بعد میں آئیں، اپنی بیٹھک میں گنجائش پیدا کرکے ان کو بھی جگہ دینی چاہئے؛ البتہ یہ حکم خاص حالات میں ہیں، ورنہ عمومی حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہیں بیٹھا ہوا ہو تو دوسرے شخص کے لئے درست نہیں کہ اس کو اُٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، (ترمذی، کتاب الادب، باب کراھیۃ ان یقام الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه: ۲۷۴۹) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے گنجائش پیدا کرنے کا حکم فرمایا نہ کہ اُٹھ جانے کا، ←

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٣﴾ اَلَمْ تَرَ ع ٢
اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى
الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾
اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٦﴾

کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ (رسول کے ساتھ) سرگوشی کرنے سے پہلے خیرات دیا کرو؟ پھر بھی جب تم یہ نہیں کر سکے اور اللہ نے تم سے درگذر فرمایا تو اب نماز کے پابند رہو، زکوٰۃ دیا کرو، اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ کو اس کی پوری خبر ہے، ﴿١﴾ ﴿١٣﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں، جن پر اللہ کا غضب ہے، یہ لوگ نہ تمہارے ہیں اور نہ ان کے، اور وہ جانتے بوجھتے جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں، ﴿١٤﴾ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ جو کچھ کرتے ہیں وہ یقیناً برا ہے، ﴿١٥﴾ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں تو ان کے لئے ذلت بھرا عذاب ہے۔ ﴿٢﴾ ﴿١٦﴾

← آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص بیٹھ گیا ہو اور کسی وجہ سے وہ وہاں سے اُٹھے اور پھر واپس آئے تو وہی شخص اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے: ''من قام من مجلسه ثم رجع إليه فهو أحق به''۔ (مسلم، کتاب السلام: ٢١٧٩)

﴿١﴾ رسول اللہ ﷺ سے لوگ کثرت سے سوالات کرتے تھے اور دیر تک بات کرنے کی کوشش کرتے تھے؛ اس لئے حکم دیا گیا کہ پیغمبر ﷺ سے اگر تنہائی میں گفتگو کرنی ہو تو پہلے صدقہ کیا کرو، اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو تب بھی ضروری گفتگو کر سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی یہی تشریح فرمائی ہے اور اس میں ایمان والوں کو خطاب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مسلمانوں کے لئے بھی تھا، منافقین آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے لئے تنہائی میں طویل اور بے ضرورت گفتگو کیا کرتے تھے، ان کا دیکھا دیکھی سادہ لوحی میں بعض مسلمان بھی ایسا کرنے لگے؛ البتہ یہ بات غریب صحابہ کو گراں گزری کہ ایک تو ہم زیادہ صدقہ کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے، دوسرے: اگر ہم اپنی غربت کی وجہ سے رُخصت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے صدقہ کئے بغیر آپ ﷺ سے تنہائی میں بات کریں تو پتہ نہیں اللہ کے نزدیک ہم اس رُخصت کے مستحق بھی ہیں کہ نہیں؟ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت نمبر: ١٢ کے نازل ہونے کے بعد دن کا کچھ ہی حصہ گذرا تھا کہ آیت نمبر: ١٣ نازل ہوئی اور صدقہ کا یہ حکم ختم کر دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ٤/٣٩٣)

﴿٢﴾ آیت نمبر: ١٤، ١٥ میں منافقین کا ذکر ہے اور 'جن پر اللہ کا غضب ہے' سے مراد یہود ہیں، یعنی یہ منافقین ظاہر تو کرتے ہیں کہ ←

لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِیْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ
اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓىِٕكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۱﴾

اللہ کے مقابلہ میں ان کے مال واولاد ان کے ذرا بھی کام نہ آئیں گے، یہی دوزخی لوگ ہیں، ہمیشہ وہیں رہیں گے، ﴿۱۷﴾
جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کریں گے تو یہ اللہ کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے، جس طرح
تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اور خیال کریں گے کہ انھیں بھی کوئی سہارا حاصل ہے، خوب سن لو کہ یہ لوگ
بڑے ہی جھوٹے ہیں، ﴿۱۸﴾ شیطان نے ان پر قابو پالیا ہے، اس نے ان کو خدا فراموشی میں مبتلا کر دیا ہے، یہی ہے
شیطان کا گروہ، یقیناً شیطانی گروہ ہی نقصان اُٹھانے والا ہے، ﴿۱۹﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے
ہیں، بے شک وہی سب سے ذلیل لوگ ہیں، ﴿۲۰﴾ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب ہوں گے،
یقیناً اللہ طاقتور اور غالب ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾

← ہم مسلمان ہیں؛ لیکن ان کی دوستی ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے عناد رکھنے والے ہیں، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے کہ ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ایسا شخص داخل ہوگا، جس کا دل تکبر سے بھرا ہوا ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اتنے میں عبد اللہ ابن نَبْتَل داخل ہوا، حضور ﷺ نے اس سے پوچھا: تم اور تمہارے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟ وہ قسم کھانے لگا کہ میں نے برا بھلا نہیں کہا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایسا کیا ہے، پھر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا اور ان لوگوں نے بھی قسم کھائی کہ انھوں نے آپ ﷺ کو بُرا بھلا نہیں کہا، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مختلف حضرات سے اس آیت کا یہی پس منظر منقول ہے، (الدر المنثور: ۸/ ۸۵) —— اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم مسلمانوں سے عناد رکھتے ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں، مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان سے دوستی رکھیں؛ البتہ حسن سلوک تو ہر انسان کے ساتھ ہونا چاہئے۔

﴿۱﴾ بعض صحابہ نے کہا کہ اگر اللہ نے ہمیں مکہ اور طائف میں فتح عطا فرمائی تو ایک وقت آئے گا کہ ہم روم اور فارس پر بھی غلبہ حاصل کرلیں گے، بعض منافقین کہنے لگے کہ تم نے جو چند گاؤں پر غلبہ حاصل کرلیا ہے تو روم اور فارس کے بارے میں یہی گمان رکھتے ہو، ان کی بہت بڑی تعداد ہے اور وہ تمہارے گمان سے بھی بڑھ کر طاقتور ہیں، اسی سلسلہ میں ارشاد ہوا کہ اصل طاقت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ نے طے کر دیا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۳۰۶)

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا
اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِیۡمَانَ
وَاَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَیُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ
عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾

ع ۳

آپ اب نہیں پائیں گے کہ جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی کریں، چاہے وہ ان کے باپ بیٹے، بھائی یا خاندان کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے اور اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، اللہ ان سے راضی رہیں گے اور وہ اللہ سے، یہی ہے اللہ تعالیٰ کا گروہ، سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ اس آیت میں صحابہ کی تعریف ہے کہ یا تو منافقین ہیں، جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخالفین سے دوستی گانٹھے ہوئے ہیں، یا آپ ﷺ کے صحابہ ہیں، جو رشتۂ ایمان کے مقابلہ میں خونی رشتہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے؛ چنانچہ صحابہ کے کئی ایسے واقعات پیش آئے، جن میں بیٹے کے مقابلے میں باپ اور باپ کے مقابلہ میں بیٹے شمشیر بکف ہو گئے؛ کیوں کہ انھوں نے اپنے ان قریب ترین رشتہ دار کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سرگرم پایا، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی منافق کے مخلص صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے واقعات مفسرین نے نقل کئے ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۷/۳۰۷)

سُورَةُ الحَشْر

- سورہ نمبر : (۵۹)
- رکوع : (۳)
- آیتیں : (۲۴)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’حشر‘ کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اس میں یہودیوں کے جمع کئے جانے اوران کے نکالے جانے کا ذکر ہے، جوسورہ کی آیت نمبر: ۲ میں آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ حشر ہے؛ چوں کہ اس میں یہودیوں کے جس قبیلہ کے نکالنے کا ذکر آیا ہے، وہ بنونضیر ہے؛ اس لئے اس سورہ کا ایک نام بنونضیر بھی ہے، نیز یہ سورہ بنیادی طور پر بنونضیر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر خازن: ۲۶۶/۴)

اس سورہ میں بنی نضیر کی جلاوطنی، دشمن سے صلح کے ذریعہ حاصل ہونے والے مالِ فیئ اور جنگ کے ذریعہ حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے احکام ذکر کئے گئے ہیں، منافقین اور یہود کے باہمی تعلقات جن کا مقصد مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا تھا، ان کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید کی عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے، آیت نمبر: ۲۲ تا ۲۳ میں ایک ہی جگہ اللہ تعالیٰ کے اتنے اسماء حسنیٰ جمع کر دیئے گئے ہیں، جن کا اکٹھا ذکر کہیں اور نہیں آیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝١ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا مِنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِھِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕؔ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَظَنُّوۡۤا
اَنَّھُمۡ مَّانِعَتُھُمۡ حُصُوۡنُھُمۡ مِّنَ اللّٰہِ فَاَتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَقَذَفَ فِیۡ
قُلُوۡبِھِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَھُمۡ بِاَیۡدِیۡھِمۡ وَاَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی
الۡاَبۡصَارِ ۝٢ وَلَوۡ لَاۤ اَنۡ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمُ الۡجَلَآءَ لَعَذَّبَھُمۡ فِی الدُّنۡیَا ؕ وَلَھُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ
عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ۚ وَمَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ
الۡعِقَابِ ۝٤

وقف النبی ﷺ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آسمان وزمین میں جو چیزیں ہیں، سب اللہ کی پاکی بیان کرنے میں لگی ہوئی ہیں، اللہ ہی غالب اور حکمت والے ہیں، ۝١ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ایمان نہ لانے والوں کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال باہر کیا، تمہیں گمان بھی نہ تھا کہ یہ سب نکلیں گے اور خود انھوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ ان کو ان کے قلعے اللہ سے بچالیں گے تو ان پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے آپہنچا، جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو اُجاڑ رہے تھے، تو اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو، ۝٢ اور اگر اللہ نے ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو اللہ ان کو دنیا ہی میں عذاب دے دیتے اور آخرت میں بھی ان کے لئے آگ کا عذاب ہے، ۝٣ یہ اس لئے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو (اس کو جان لینا چاہئے کہ) یقیناً اللہ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ﴿١﴾ ۝٤

﴿١﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورۂ حشر قبیلہ بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے؛ اسی لئے اسے 'سورۂ بنو نضیر' بھی کہا جاتا ہے، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۂ حشر، حدیث نمبر: ٤٦٠١) رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے تین قبائل آباد تھے: بنو قُریظہ، بنو نَضیر اور بنو قَینُقاع، ان سے معاہدہ ہوا تھا کہ مسلمان اور وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، بنو نضیر کا سردار کعب بن اشرف تھا، جب غزوۂ اُحد میں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کا کافی نقصان ہوا تو یہودیوں کے مختلف قبائل کے حوصلے بڑھنے لگے؛ چنانچہ کعب بن اشرف چالیس افراد کے وفد کے ساتھ مکہ گیا اور اس نے قریش کے ساتھ کعبہ کے پاس عہد کیا کہ ہم دونوں مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، رسول اللہ ﷺ کو اس منصوبہ کی اطلاع مل گئی تھی؛ چوں کہ اِس پوری سازش کا دماغ کعب بن اشرف تھا، اور وہ ویسے بھی وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا؛ ←

← اس لئے آپ ﷺ نے حفاظتی نقطۂ نظر سے اس کے خفیہ قتل کا حکم جاری کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ایک جاں نثار صحابی محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وہ مارا گیا، پھر ۴؍ہجری میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے، آپ سے درخواست کی کہ صحابہ کی ایک جماعت ہمارے یہاں بھیجی جائے، جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دے اور جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، انھیں دینی تعلیم دے، رسول اللہ ﷺ نے ستر صحابہ کی ایک جماعت ان کے یہاں بھیجی، مگر وہ لوگ دھوکہ باز نکلے اور انھوں نے ان مسلمانوں کو شہید کر دیا، سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ 'بئر معونہ' کے نام سے آیا ہے، اس واقعہ میں صرف ایک صحابی عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کسی طرح بچ کر آسکے، وہ جب مدینہ تشریف لا رہے تھے تو ان کو دو غیر مسلموں کا سامنا ہوا، حضرت عمر بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ایمانی بھائیوں کی لاشوں کو خاک وخون میں تڑپتا ہوا دیکھا تھا؛ اس لئے وہ جوش انتقام میں بھرے ہوئے تھے؛ چنانچہ ان دونوں کو قتل کر دیا، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ بنو عامر کے لوگ تھے، جن سے مسلمانوں کا معاہدۂ صلح تھا، اس بنیاد پر آپ ﷺ نے دونوں مقتولوں کا خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں سے اس سلسلہ میں تعاون لیا، ساتھ ساتھ قبیلہ بنونضیر میں بھی اسی مقصد سے تشریف لے گئے؛ تاکہ وہ بھی باہمی معاہدہ کے تحت اس میں شریک ہوں، وہ بظاہر بہت اچھی طرح پیش آئے، آپ کو ایک دیوار سے متصل بیٹھایا اور کہنے لگے: ہم ابھی رقم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں؛ لیکن ایک دوسری سازش میں لگ گئے کہ فصیل کے اوپر سے پتھر کی ایسی چٹان گرادی جائے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کا کام تمام ہو جائے، آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس کا علم ہو گیا، اور آپ ﷺ وہاں سے نکل کر مدینہ تشریف لے آئے، ان کی یہ سازش اس بات کے لئے کافی تھی کہ ان پر حملہ کر دیا جائے؛ لیکن آپ ﷺ نے صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے ان کو دس دنوں کی مہلت دی کہ وہ اپنے سامان واسباب لے کر کسی اور جگہ منتقل ہو جائیں؛ لیکن منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی اور اس کے رفقاء نے ان کو اُکسایا کہ وہ اس کو قبول نہ کریں اور مقابلہ کریں، ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے؛ مگر جب مسلمانوں نے فوج کشی کی تو منافقین کو باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہوئی، اکیس دنوں تک محاصرہ جاری رہا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رُعب پیدا کر دیا کہ وہ جلاوطن ہونے کے لئے تیار ہو گئے، آپ ﷺ کی طرف سے اجازت تھی کہ وہ ہتھیار کے علاوہ جو چیز بھی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہوں لے جائیں؛ چنانچہ وہ اس طرح نکلے کہ گھر کے دروازے تک توڑ کر ساتھ لے گئے، ان کی بڑی تعداد تو خیبر چلی گئی، جہاں پہلے ہی سے یہودی آباد تھے، ان کے بڑے بڑے سردار حیی بن اخطب، سلّام ابن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع وغیرہ نے اپنے لئے خیبر کا ہی انتخاب کیا اور کچھ لوگ شام کی طرف چلے گئے، وہاں بھی پہلے سے یہودیوں کی آبادی تھی، سورۂ حشر میں ان ہی واقعات کا ذکر ہے، یہ واقعہ ربیع الاول ۴؍ہجری میں پیش آیا اور بنونضیر کی جلاوطنی اس لئے ضروری ہو گئی تھی کہ ان کا قلعہ مدینہ منورہ سے صرف دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۸؍۱، تفسیر ابن کثیر: ۴؍۳۹۷) سیرت کی کتابوں میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں: اول یہ کہ یہاں 'اول الحشر' یعنی پہلی بار اکٹھا کر کے نکالنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوسری بار بھی اکٹھے کر کے نکالے جائیں گے، تو اس پر تو اتفاق ہے کہ پہلی بار سے یہی واقعہ بنونضیر مراد ہے؛ لیکن دوسری بار کے نکالنے سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے، بعضوں نے کہا کہ قیامت میں جمع کیا جانا مراد ہے، ←

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾
وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ
رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾

تم نے کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا اس کو اس کی جڑوں پر رہنے دیا تو یہ اللہ ہی کے حکم سے تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو رُسوا کرے، ﴿۱﴾ ﴿۵﴾ اور اللہ نے اپنے رسول کو اُن (یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر) سے جو کچھ دلایا (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں)؛ کیوں کہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ؛ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتے ہیں، غالب کردیتے ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ﴿۶﴾

← بعض حضرات کے نزدیک اس سے قربِ قیامت کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ مقصود ہے؛ لیکن زیادہ تر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ دوسری بار سے واقعہ خیبر کی طرف اشارہ ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو وہاں سے جلاوطن کیا تھا اور اس کے بعد یہودیوں نے شام میں بودوباش اختیار کرلی تھی۔ (مفاتیح الغیب: ۲۹/ ۲۴۳)

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ آیت نمبر: ۲ میں فرمایا گیا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے بھی گھروں کو اُجاڑ رہے تھے اور مسلمان بھی اُجاڑ رہے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان تو قلعہ کے باہر سے عمارت کو نقصان پہنچا رہے تھے: تاکہ وہ قلعہ چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں اور جب یہ بات طے پاگئی کہ وہ قلعہ سے نکل جائیں گے تو پھر خود انھوں نے بھی اپنے مکانات کی توڑ پھوڑ شروع کی، اور اس کے دو مقاصد تھے، ایک یہ کہ وہ زیادہ سے زیادہ سامان اپنے ساتھ نکال کر لے جائیں، یہاں تک کہ کمروں کی چوکھٹیں اور دروازے بھی نکال لے گئے، دوسرا مقصد یہ تھا کہ ان کے مکانات بہت آراستہ اور سجے سجائے تھے، انھوں نے ان کو کچھ اس طرح تباہ و ویران کردیا کہ مسلمان اس سے فائدہ نہیں اُٹھاسکیں، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۴) —— یہ بات بھی فرمادی گئی کہ جلاوطنی کا معاملہ پھر بھی ان کے ساتھ ایک رعایت والا معاملہ ہوا؛ ورنہ ان پر دنیا ہی میں اللہ کا عذاب نازل ہوسکتا تھا؛ کیوں کہ رسول کی مخالفت کسی قوم کو راس نہیں آتی۔

﴿۱﴾ قبیلۂ بنو نضیر کے کھجور کے بہت سے باغات تھے، جب محاصرہ طویل ہونے لگا تو بعض مسلمانوں نے کھجور کے کچھ درخت کاٹ دیئے اور جلادیئے، یہودیوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ آپ کا تو گمان ہے کہ آپ نبی ہیں اور اصلاح کرتے ہیں تو کیا درختوں کا کاٹنا یا جلانا اصلاح میں شامل ہے اور کیا آپ کے دین میں فساد کی اجازت ہے؟ آپ ﷺ کو یہ بات گراں گذری اور مسلمانوں کے دو گروہ ہوگئے، ایک نے کہا: ہمیں درختوں کو کاٹنا چاہئے؛ تاکہ دشمن کا غیظ و غضب بڑھے اور وہ اپنی مجبوری کو دیکھ کر ہتھیار ڈالیں، دوسرے گروہ کی رائے تھی کہ درختوں کو نہ کاٹا جائے؛ تاکہ یہ باغ بھی مسلمانوں کے کام آئیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی رائے کو درست قرار دیا؛ کیوں کہ ان دونوں کی نیت درست تھی، ویسے شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ جنگ کے ←

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ
الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٧
لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ
اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٩

وقف لازم

اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے جو مال دِلوایا ہے، تو وہ اللہ، رسول، (رسول کے) قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے؛ تاکہ تم میں سے مال داروں ہی کے درمیان (دولت) گردش نہ کرتی رہے اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں، اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں، ۝٧ (یہ مال) ان ضرورت مند مہاجرین کا حق ہے، جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے بے دخل کردیئے گئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کیا کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں، ۝٨ نیز یہ ان لوگوں کا حق ہے، جو ہجرت کرنے والوں (کی آمد) کے پہلے سے اِس جگہ (یعنی مدینہ) میں آباد ہوئے ہیں، ایمان لائے ہیں اور وہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کرکے آئے اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے، اس سے اپنے دل میں کوئی خلش نہیں رکھتے اور اگرچہ خود فاقہ سے دوچار ہوں، اپنے اوپر اُن کو ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنی طبیعت کی حرص سے محفوظ رکھا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ۝٩

← دوران بلاوجہ درختوں اور کھیتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اور عام حالات میں بھی بلاوجہ درختوں کو کاٹنا بہتر نہیں، امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ اجتہادی ہو اور دو فریقوں کا اجتہاد الگ الگ نتیجہ پر پہنچے تو دونوں کے اجتہاد کو صواب اور درست سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ بعض صحابہ کا درختوں کو کاٹنا اور بعض کا نہ کاٹنا دونوں کی بنیاد اجتہاد تھی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کے عمل کو درست ٹھہرایا۔ (احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۲۹)

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾ ع ۱۰/۴ رکوع

نیز یہ اُن لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے اور جو دُعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دیجئے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں کوئی کینہ نہ رہنے دیجئے، یقیناً آپ ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ غیر مسلموں سے جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ دو قسم کا ہے، ایک وہ جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہو، اس کو 'مالِ غنیمت' کہتے ہیں، سورۂ انفال میں اس کا حکم آچکا ہے، دوسرے: وہ جو صلح کے ذریعہ بغیر جنگ کے حاصل ہو، یہ مال فَیٔ ہے، مالِ غنیمت بنیادی طور پر مجاہدین کا حق ہے اور مالِ فَیٔ بیت المال کی ملکیت ہے، تو آیت نمبر: ۶ میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ بنونضیر سے جو مال مسلمانوں کو ملا ہے، وہ مالِ غنیمت نہیں ہے، مال فَیٔ ہے؛ اس لئے اُصولی طور پر یہ اس مہم میں شریک رہنے والوں کا حق نہیں ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ جیسے چاہیں، اس کی تقسیم فرمائیں، اللہ کی طرف سے آپ کو اختیار ہے؛ چنانچہ آیت نمبر: ۷ کے شروع ہی میں فرمایا گیا کہ چوں کہ تم کو ان سے نہ باضابطہ جنگ کرنی پڑی، نہ گھوڑے اور اونٹ دوڑانے پڑے؛ بلکہ پیدل گئے اور اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رُعب پیدا کردیا کہ وہ خود جلاوطنی پر مجبور ہوگئے؛ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست ملکیت ہے، اس وضاحت کے بعد دو باتیں بتائی گئی ہیں، ایک یہ کہ اس مال کے مصرف کون کون لوگ ہیں؟ دوسرے: کس قسم کے لوگوں میں سے ان مصارف کا انتخاب کیا جائے گا؟ —— تو مصارف پانچ بتائے گئے: اللہ کے رسول ﷺ؛ تاکہ آپ کی خانگی ضروریات پوری ہوں، دوسرے: آپ کے قرابت دار؛ کیوں کہ وہ آپ کی نصرت واعانت میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور آزمائش کے وقت بھی آپ کے ساتھ کھڑے رہے، نیز ان کے لئے زکوٰۃ بھی حرام کردی گئی تھی، تیسرے: یتیموں کی مدد کی جائے، ایک تو اس وقت مسلمانوں پر جو حملہ کئے جارہے تھے، اس کی وجہ سے یتیم بچوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی تھی، دوسرے خیال ہوسکتا تھا کہ جب بچے ملک کے دفاع میں شریک نہیں ہوسکتے تو ان کو ان میں سے حصہ بھی نہیں ملنا چاہئے؛ اس لئے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا، چوتھے: مسکین، اور پانچویں: مسافر، ان کو محتاج اور ضرورت مند ہونے کی وجہ سے شامل کیا گیا، یہ تو مالِ فَیٔ کے مصارف ہوئے، اب آگے اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا، جن پر ان مصارف میں سے خرچ کرنے کی گنجائش ہے، اول: مہاجرین جو ہجرت کرکے مدینہ گئے اور جن کو ان کے گھر بار تک سے بے دخل کردیا گیا، ان کا تذکرہ آیت نمبر: ۸ میں ہے، دوسرے: وہ انصار جو مدینہ منورہ میں پہلے سے آباد ہیں، جنھوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے لئے پیش کردیا اور جن کے ایثار وقربانی کا حال یہ ہے کہ چاہے خود فاقہ سے دوچار ہوں؛ لیکن اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد سے ان کا دل خوش ہوتا ہے، ان کا ذکر آیت نمبر: ۹ میں ہے، تیسرے: وہ لوگ جو مکہ سے آنے والے مہاجرین اور مدینہ میں آکر بسنے والے انصار کے بعد مدینہ آگئے، ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلوں کے قدرداں اور مرتبہ شناس ہیں، ان کا ذکر آیت نمبر: ۱۰ میں ہے؛ چنانچہ جب بنونضیر کا مال آیا، جو اس وقت تک مسلمانوں کے پاس آنے والی سب سے بڑی دولت تھی، تو آپ ﷺ نے انصار کو جمع کیا اور پہلے تو ان کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھا ←

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو نفاق میں مبتلا ہیں، وہ اپنے ان بھائیوں کو جو ایمان نہیں لائے اور وہ اہل کتاب میں سے ہیں، کہتے ہیں: ''اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، تمہارے بارے میں کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے'' اور اللہ گواہ ہیں کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۱﴾

← اور اپنے مال و اسباب میں شریک رکھا، پھر ان کے سامنے یہ مشورہ رکھا کہ اگر تم چاہو تو بنو نضیر سے ملنے والے مال کو میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کردوں اور جیسے ابھی تمہارے ساتھ مہاجرین کی رہائش ہے، اسی طرح وہ آئندہ بھی رہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ میں یہ مال مہاجرین کو دے دوں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل کر اپنی دنیا آپ بسائیں، انصار کے قائدین حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جو کچھ مال حاصل ہوا ہے، سب مہاجرین میں تقسیم کردیا جائے اور ان کی رہائش بھی پہلے ہی کی طرح ہمارے گھروں میں باقی رہے، یہ سننا تھا کہ انصار چیخ پڑے، ہم اس فیصلہ پر راضی ہیں اور ہمیں یہ پسند ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس ایثار سے متاثر ہوکر خصوصی طور پر دُعا فرمائی کہ اے اللہ! انصار پر اور ان کی اولاد پر رحم فرما؛ چنانچہ آپ ﷺ نے سارا مال مہاجرین میں تقسیم فرمادیا، انصار میں سے صرف تین صحابہ کو ان کی محتاجی کی وجہ سے اس تقسیم میں شامل فرمایا، ایک: ابودُجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ، دوسرے: سَہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ، تیسرے: حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ، (تفسیر قرطبی: ۲۳/۱۸) — حقیقت یہ ہے کہ انصار کی قربانی اور خود سپردگی کی ایسی مثال آسمان کے آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے مالِ فئ کے احکام بیان کرتے ہوئے آیت نمبر: ۷ میں دو اُصولی باتوں کی طرف اشارہ فرمادیا: ایک یہ کہ اسلام ایسے معاشی نظام کو پسند نہیں کرتا، جس میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے، جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام ہے، اسلام سے پہلے عربوں میں میراث صرف خاندان کے بالغ مردوں کو ملا کرتی تھی، عورتوں اور بچوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، اس طرح چند ہاتھوں میں پورا ترکہ آجاتا تھا اور بقیہ لوگ محروم رہ جاتے تھے، شریعتِ اسلامی نے ایسا قانون میراث دیا، جس میں زیادہ سے زیادہ ترکہ کی تقسیم ہو اور اس کے حقداروں میں عورتوں اور بچوں کو بھی شامل رکھا، اسی طرح جنگ میں حاصل ہونے والا مال صرف لڑنے والوں کی یا ان کے سرداروں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی، اسلام نے اس سے بھی عوام کا حق متعلق کردیا، اسی طرح سود اور جوا کو حرام کردیا گیا، جس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آجاتی تھی؛ تاکہ دولت اور اس کے وسائل کا زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ ہو اور سماج کے لوگوں کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے۔ ←

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اگر وہ جلا وطن کئے جائیں گے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اگر ان سے لڑائی ہوگی تو یہ ان کی مدد بھی نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد بھی کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی، ﴿۱۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے مقابلہ تمہارا ڈر زیادہ ہے، یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے، ﴿۱﴾ ﴿۱۳﴾ تم سے وہ سب مل کر بھی لڑ نہیں سکتے؛ سوائے اس کے کہ قلعہ بند بستیوں میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں، ان کی آپسی لڑائی ہی بڑی تیز ہے، تم ان کے بارے میں گمان کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں؛ حالاں کہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں، ایسا اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ ﴿۱۴﴾

← دوسرا اُصولی حکم یہ دیا گیا کہ جو کچھ رسول دے دیں، اُسے لے لیں، اور جس سے منع کریں، اس سے رُک جائیں، اس ارشاد کا تعلق صرف غزوۂ بنو نضیر میں حاصل ہونے والے مال ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ آپ سے ملنے والے تمام احکام و ہدایات کا ہے، کہ حضور ﷺ جن باتوں کا حکم کریں، ان پر عمل کرو اور جن باتوں سے منع کریں، ان سے رُک جاؤ، معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث حجت ہیں اور احکامِ الٰہی کا جاننے کا بہت اہم ذریعہ ہیں۔

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۱ سے ۱۳ تک منافقین کا ذکر ہے، جو خاندان کے اعتبار سے انصار میں سے تھے؛ لیکن انصار کی طرح وہ اخلاص کے ساتھ ایمان نہیں لائے؛ بلکہ اپنے دل میں کفر کی بیماری چھپائے رہے اور مسلمانوں کے خوف سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہے، ان کی زیادہ دوستی بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے تھی اور انھوں نے ان کو یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے مقابلہ میں محمد ﷺ کی بات نہیں مانیں گے، اگر جنگ ہوئی تو تمہارے ساتھ ساتھ لڑیں گے اور نکالے گئے تو تمہارے ساتھ نکل پڑیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو وہ اس وعدہ کو پورا نہیں کر پائیں گے؛ چنانچہ یہی ہوا کہ بنو نضیر نکالے گئے؛ لیکن منافقین اپنے گھروں میں چھپے رہے، اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف نہیں ہے، ورنہ وہ دل سے مسلمان ہوجاتے اور ظاہری طور پر مسلمان ہوجانا اس بات کی علامت ہے کہ ان کے دلوں میں تمہارا خوف بھرا ہوا ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ
الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع ۲/۵
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

(ان کی مثال) ان لوگوں کی سی ہے، جو اِن سے تھوڑی ہی مدت پہلے اپنے کیئے کی سزا بھگت چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۵﴾ ان کی مثال شیطان کی ہے، جو انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہوجا، پھر جب وہ کافر ہوجاتا ہے تو کہتا ہے: میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، ﴿۲﴾ ﴿۱۶﴾ پھر ان دونوں کا انجام یہی ہے کہ دونوں دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ وہیں رہیں گے، ظالموں کی سزا یہی ہے، ﴿۱۷﴾ اے مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل (یعنی قیامت کے دن) کے لئے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ ہی سے ڈرتے رہو، تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اس سے باخبر ہیں، ﴿۱۸﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنھوں نے اللہ کو جھٹلا دیا تو اللہ نے ان کو ایسا کردیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے، ﴿۳﴾ یہی ہیں نافرمان لوگ! ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۴، ۱۵ میں یہودیوں کا ذکر ہے کہ ان کے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ کھل کر تمہارے مقابلہ پر آجائیں، زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے کہ قلعوں اور مکانوں میں بند ہوجائیں، پھر بالآخر بنونضیر اور بنوقریظہ کے یہودیوں کا بھی وہی حشر ہوگا، جو حشر اس سے پہلے بنوقینقاع کے یہودیوں کا ہوچکا ہے، جنھیں ان کے قلعہ سے جلاوطن کردیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ اگرچہ مسلمانوں کی عداوت نے انھیں متحد کر رکھا ہے؛ لیکن خود ان کے اندر بھی خاصا اختلاف ہے اور ان کے دل ایک دوسرے سے ٹوٹے ہوئے ہیں؛ چنانچہ بنوقریظہ، بنونضیر، بنوقینقاع کے درمیان بڑی چپقلش تھی، صرف اسلام دشمنی نے ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا تھا، آج بھی عیسائی دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ بڑی عداوتیں ہیں، یہاں تک کہ ان کے درمیان دو عظیم جنگیں ہوچکی ہیں، اسی طرح عیسائی یہودی سے اور یہودی عیسائی سے سخت نفرت کرتے ہیں، مشرق و مغرب کے درمیان سرد جنگیں چل رہی ہیں؛ لیکن صرف اسلام دشمنی نے ان کو ایک دوسرے سے قریب کر رکھا ہے اور کیوں نہ ہو کہ تاریکی کا سبب کچھ بھی ہو، وہ چاہتی ہے کہ روشنی نہ پھیلے!

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں لوگوں کو کفر پر اُکساتا ہے اور آخرت میں پہنچ کر شیطان اپنا پیچھا چھڑا لے گا اور کہے گا کہ ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں۔

﴿۳﴾ اپنے آپ کو بھولنے سے مراد یہ ہے کہ وہ نہ اپنے نفع کو سمجھتے ہیں اور نہ نقصان کو۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا
هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۳/۶

دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہوسکتے، جنتی تو کامیاب ہیں، ﴿۲۰﴾ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تم اس کو بھی دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پست ہوجاتا اور پھٹ پڑتا، یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں؛ تاکہ وہ غور کریں، «۱» ﴿۲۱﴾ وہی اللہ ہیں، جن کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے ہیں، وہ بڑے مہربان اور بے حد رحم کرنے والے ہیں، ﴿۲۲﴾ وہی اللہ ہیں، جن کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہیں، (ہر عیب سے) پاک ہیں، سلامتی عطا کرنے والے اور امن بخشنے والے ہیں، نگہبان ہیں، غالب ہیں، خود مختار اور بڑی عظمتوں والے ہیں، اللہ کی ذات ان لوگوں کے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے، ﴿۲۳﴾ وہی اللہ پیدا کرنے والے ہیں، ایجاد کرنے والے اور صورتیں بنانے والے ہیں، ان کے اچھے اچھے نام ہیں، «۲» آسمان وزمین میں جو چیزیں ہیں، سب ان کی پاکی بیان کرتی ہیں اور وہی ہیں غالب اور بڑی حکمت والے! ﴿۲۴﴾

«۱» یعنی پہاڑ تو پتھر کے ہوتے ہیں، جو سب سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اگر ان کو کچھ سمجھ دے دی جاتی اور ان پر اللہ کا کلام اُتار دیا جاتا تو وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہوجاتے؛ کیوں کہ کسی فرد یا گروہ پر اللہ کا کلام اُتارے جانے سے دو بنیادی ذمہ داریاں متعلق ہیں، ایک: خود اس پر عمل کرنا، دوسرے: اَوروں کو عمل کی دعوت دینا، ان دونوں ذمہ داریوں کو نباہنا آسان نہیں، اس کے علاوہ خود کلامِ الٰہی کے اُترنے کا بوجھ کچھ ایسا ہے کہ اس کو برداشت کرنا معمولی کام نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ پر وحی کے نازل ہونے کے وقت جو کیفیت ہوتی تھی، حدیثوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ (بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر: ۲)

«۲» اسماء حسنیٰ کا ذکر سورۂ اعراف: ۱۸۰ میں آچکا ہے، حدیثوں میں ان کی تعداد ننانوے آئی ہے، قرآن مجید میں ایک ہی جگہ اللہ تعالیٰ کے جتنے اسماء حسنیٰ ان دو آیتوں میں جمع ہیں، قرآن میں کہیں ایک جگہ اتنے سارے ناموں کا ذکر نہیں آیا ہے۔

سُورَةُ المُمتَحَنَة

- سورہ نمبر : (٦٠)
- رکوع : (٢)
- آیتیں : (١٣)
- نوعیت : مدنی

اس سورہ کی آیت نمبر: ۱۰ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب کوئی خاتون مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ آجائے تو اس کو غیر مسلموں کی طرف سے واپس نہ کیا جائے؛ البتہ اس کا امتحان لیا جائے کہ کیا وہ واقعی مسلمان ہے؟ اسی لحاظ سے اس سورہ کا نام 'ممتحنہ' ہے، یعنی وہ عورت جس کا امتحان لیا جائے۔

یہ سورہ مدنی ہے اور دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں بھی اہم احکام ذکر کئے گئے ہیں اور خاص طور پر مسلم اور غیر مسلم تعلقات کے بنیادی اُصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ جو غیر مسلم اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر کمر بستہ ہیں، ان سے مسلمانوں کو دُور رہنا چاہئے، ان سے دوستی نہیں کرنی چاہئے، جن مسلمان مردوں کی بیویاں مکہ میں رہ گئی تھیں، اور جو مسلمان عورتیں غیر مسلموں کے نکاح میں تھیں اور وہ مدینہ آگئیں، ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے؟ اس پر روشنی ڈالی گئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوہ پیش کیا گیا کہ انھوں نے ایمان کی خاطر اپنی اس قوم سے بے تعلقی کا اظہار فرمادیا، جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، غیر مسلموں سے تعلقات کے سلسلہ میں یہ بنیادی اُصول بھی واضح کردیا گیا کہ غیر مسلموں کے جس گروہ کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ مناسب ہو، عداوت اور جنگ وجدال کا نہ ہو، ان کے ساتھ دوستی رکھنے اور حسن سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواتین کے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے اور ان مضامین کا بھی جن پر بیعت لی جانی چاہئے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ
كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ط
اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا
اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ط وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١﴾ اِنْ
يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا
لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٢﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ط
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان لوگوں کو دوستی کا پیغام بھیجو، جنھوں نے تمہارے پاس آنے والے دین برحق کا انکار کر دیا اور جو رسول کو اور تم لوگوں کو اس بنیاد پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اللہ پر — جو تمہارا پروردگار ہے — ایمان رکھتے ہو، اگر تم میرے راستہ میں جہاد کے لئے اور میری خوشنودی کو تلاش کرنے کے لئے نکلے ہو (تو کیا بات ہے) کہ تم ان کی طرف چپکے چپکے دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، اور تم جو کچھ چھپاتے ہو، میں اس سے بھی واقف ہوں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اس سے بھی، اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا، وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا، ﴿١﴾ اگر وہ تم کو پالیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں چلائیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ، ﴿٢﴾ قیامت کے دن ہرگز نہ تمہارے رشتے ناتے کام آئیں گے نہ تمہاری اولاد، اللہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اور تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ ﴿١﴾ ﴿٣﴾

﴿١﴾ رسول اللہ ﷺ کے ایک مخلص صحابی حضرت حاطب ابن بلتعہ رضی اللہ عنہ تھے، جو غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں میں سے تھے، وہ اصل میں یمن کے رہنے والے تھے، مکہ میں ان کا اپنا خاندان بھی تھا؛ لیکن حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے اور ان کے خاندان بنو اسد بن عبد العزیٰ کی پناہ میں تھے، آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے کے بعد ایمان لائے اور مدینہ ہجرت فرمائی، ہجرت کے آٹھویں سال جب اہل مکہ نے حدیبیہ میں ہونے والی صلح کو توڑ دیا تو آپ ﷺ اہل مکہ کے خلاف فوجی کارروائی کی تیاری کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ مکہ والوں کو اس کی خبر نہ ہو؛ تاکہ آپ اچانک مکہ پہنچیں، مناسب جنگی تیاری نہ ہونے کی بنا پر اہل مکہ ہتھیار ڈال دیں اور حرم شریف میں خون خرابہ کی نوبت نہ آئے، اسی زمانے میں سارہ نامی ایک خاتون مکہ سے مدینہ پہنچیں، جو اصل میں گانا بجانا کیا کرتی تھیں اور اپنی غربت و محتاجی کے وجہ سے آپ ﷺ سے مدد کی طلب گار ہوئیں؛ حالاں کہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہجرت کی ←

← نیت سے آئی تھیں، پھر بھی آپ ﷺ کی رحم دل طبیعت نے دشمنوں کی طرف سے آئی ہوئی ایک خاتون کے ساتھ بے مروتی کی اجازت نہیں دی اور آپ ﷺ نے اپنے لوگوں سے ان کی مدد کرائی، مکہ کے بیشتر مہاجرین کے کچھ نہ کچھ رشتہ دار مکہ میں موجود تھے اور انھیں اپنے اپنے خاندان کی حفاظت حاصل تھی؛ لیکن حضرت حاطب رضی اللہ عنہ چوں کہ اصل میں مکہ کے رہنے والے نہیں تھے؛ اس لئے بظاہر آپ کے کنبہ کے لوگوں کو وہاں کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا، انھیں خیال پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ جب مسلمان مکہ پر حملہ کریں تو اہل مکہ انتقامی کارروائی کے طور پر ان لوگوں کو نشانہ بنائیں، جن کے رشتہ دار مسلمان ہو چکے تھے تو اور لوگ تو شاید بچ جائیں؛ لیکن میرے خاندان کو تو کسی طرف سے کوئی تحفظ ہی حاصل نہیں ہو پائے گا؛ اس لئے انھوں نے سارہ کو دس دینار والی چادر دی اور اس کے ساتھ ایک خط دیا کہ یہ اہل مکہ کو پہنچا دو اور خط میں لکھا کہ ''رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس ایک ایسی فوج کے ساتھ آرہے ہیں، جو گویا ایک رات کی طرح ہے، یعنی بہت بڑی فوج، جو پانی کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہے اور میں تمھیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ تنہا بھی مکہ آجائیں، تب بھی اللہ آپ ﷺ کو تم لوگوں کے مقابلہ میں فتح عطا فرمائیں گے اور تم پر فتح پانے کا وعدہ پورا کردیں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے دوست اور مددگار ہیں'' بعض روایتوں میں یہ اضافہ ہے کہ: ''لہٰذا تم اپنے بچاؤ کا انتظام کرلو''۔

رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اطلاع کردی گئی اور مقام بھی بتادیا گیا کہ 'روضۂ خاخ' نامی مقام پر وہ خاتون اس خط کو لے کر پہنچ چکی ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو اس کے تعاقب میں بھیجا، اِن کو ٹھیک اسی مقام پر وہ خاتون ملی، ان حضرات نے اس سے خط کا مطالبہ کیا، پہلے تو اس نے انکار کیا، اس کے سامان کی تلاشی لی گئی، مگر خط نہیں ملا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات فرمائی ہے، وہ جھوٹی نہیں ہوسکتی؛ اس لئے خط نکالو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے نکلوادیں گے، جب اس نے دیکھا کہ اب خط نکالنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، تب اس نے اپنے بال کے جوڑے یا اپنی تہبند کی بندش کے پاس سے خط نکالا اور یہ حضرات واپس آئے، جب رسول اللہ کے پاس پہنچے اور خط کھولا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کردوں، حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور ان سے دریافت کیا، انھوں نے عرض کیا: میں جیسے پہلے مسلمان تھا، اب بھی مسلمان ہوں، میں نہ کافر تھا اور نہ مرتد ہوا ہوں، مسلمان ہونے کے بعد کفر پر راضی ہونے کا سوال ہی نہیں؛ البتہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کا تعلق خود مکہ سے ہے اور مہاجرین کے کنبہ کے لوگ ہاں موجود ہیں، اگر ان کے قرابت داروں پر کوئی آفت آئی تو وہ ان کو بچالیں گے؛ لیکن میرے کچھ قرابت دار وہاں ہیں، ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا تو ہم نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جس فتح کا وعدہ فرمایا ہے، وہ تو بہر حال آپ کو حاصل ہوکر رہے گی؛ لیکن میرے اس عمل کی وجہ سے میرے کنبہ کے لوگوں کو تحفظ حاصل ہوجائے گا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حاطب نے سچ کہا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''حاطب بدر میں شریک رہے ہیں اور تمھیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا: اب تم جو بھی چاہو عمل کرو، میں نے تم لوگوں کو معاف کردیا''۔

(خلاصہ از: صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل اہل بدر الخ: ۲۴۹۴ تفسیر قرطبی: ۵۰۵۱/۱۸)

اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں، ان سے تمہاری ایسی دوستی نہ ہونی چاہئے کہ وہ تمہارے راز کی باتوں سے بھی واقف ہوجائیں؛ حالاں کہ پہلے انھوں نے ہی تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، ←

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا
مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ
وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ
اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ④ رَبَّنَا لَا
تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ
لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ⑥ ع

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے رفقاء (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور اللہ کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، ان سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارا (یعنی تمہارے معبودوں کا) انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور نفرت پیدا ہوگئی ہے، یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ، ہاں، ابراہیم کی اپنے والد سے یہ بات ضرور ہوئی تھی کہ میں آپ کے لئے مغفرت کی دُعا کروں گا اور (لیکن) میں آپ کے لئے اللہ کے مقابلہ کوئی اختیار نہیں رکھتا، ابراہیم نے دُعا کی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا آپ ہی پر بھروسہ ہے اور ہم آپ ہی کی طرف رُجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف واپس لوٹ کر جانا ہے، ④
اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا دیجئے اور ہم کو معاف کر دیجئے، اے ہمارے پروردگار! یقیناً آپ غالب اور حکمت والے ہیں، ⑤ بے شک تمہارے لئے ان لوگوں میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے، یعنی ان لوگوں کے لئے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا یقین رکھتے ہوں، اور جو شخص منھ پھیر لے گا تو یقیناً اللہ بے نیاز اور بڑی خوبیوں والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ⑥

← اور اب بھی ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم کو پالیں تو کوئی رعایت نہ کریں؛ اس لئے دین کے مقابلہ میں قرابت داری اور رشتہ مندی کا لحاظ نہ کرو — ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام نے مطلقاً کافروں کی دوستی کو منع نہیں کیا ہے؛ بلکہ ان لوگوں کی دوستی کو منع کیا ہے، جو مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور جنھوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے، جیسا کہ اس آیت میں اہل مکہ کی صورتحال بیان کی گئی ہے، دوسرے: ایسا نہیں ہے کہ اسلام نے ہر غیر مسلم کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے؛ بلکہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے، جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے کی تاک میں رہتے ہیں، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کی جاسوسی کرے تو اگرچہ یہ سخت گناہ ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم لگایا نہیں جا سکتا، ہاں، حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس کو سزا دے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۵۳) ←

عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۷ لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ
مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۸ اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ
عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤی اِخْرَاجِكُمْ اَنْ
تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان —— جن سے تمہاری دشمنی ہے —— دوستی پیدا کردیں اور اللہ بڑی قدرت والے ہیں اور وہ خوب معاف کرنے والے، بڑے مہربان ہیں، ﴿۷﴾ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتے، جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، ﴿۸﴾ اللہ صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتے ہیں جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں لڑائی کی ہے، تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا ہے اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہے اور جو اُن سے دوستی کرے، وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۹﴾

← ﴿۱﴾ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ تم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہئے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلہ میں خاندانی رشتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ان سے بے تعلقی کا اظہار فرمایا؛ البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل سے روک دیا گیا کہ شروع میں انھوں نے اپنے مشرک والد کے لئے استغفار کیا تھا؛ لیکن تمہارے لئے اس کی اجازت نہیں ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کے لئے اسی وقت تک دُعا کی، جب تک کہ ان کو اُمید تھی کہ شاید یہ ایمان لے آئیں گے اور جب تک ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُعا کرنے سے منع نہیں کر دیا گیا؛ چنانچہ سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۱۱۳ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۷ تا ۹، مسلم غیر مسلم تعلقات کے بارے میں ایک اہم اُصول کو واضح کرتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور ان سے دوستی رکھنے کی مطلقاً ممانعت ہے؛ بلکہ یہ ممانعت ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مسلمانوں سے آمادۂ جنگ ہیں اور جنھوں نے مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کر دیا ہے، ورنہ جن لوگوں کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا نہیں ہے، ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو نقصان سے بچاتے ہوئے دوستی رکھنی چاہئے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اس قدر لحاظ فرمایا کہ جب اہل مکہ قحط سے دوچار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مدد کے طور پر پانچ سو دینار بھیجے، (سیر کبیر: ۱/۹۶) مشرکین مکہ کے قائد ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے خود نکاح فرمایا، فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مغنیہ عورت کی مدد فرمائی، جو مدد کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھی؛ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ یہی حسن سلوک آئندہ ان کے مسلمانوں سے قریب ہونے اور دوست بن جانے کا ذریعہ ثابت ہو؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے اہل مکہ جو اس وقت مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے، وہ بعد میں اسلام کے جاں نثار سپاہی بن کر کھڑے ہوئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ
لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ
وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ
مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان (کے ایمان لانے) کی جانچ کرلو، ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتے ہیں، پھر اگر تم کو معلوم ہوجائے کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر مرد) ان عورتوں کے لئے، اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو، وہ دے دو، اور تم ان کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کرلو تو تم پر کچھ حرج نہیں ہے، اور تم بھی کافر عورتوں کی عصمت پر قبضہ نہ جماؤ (یعنی اگر غیر مسلم عورت نکاح میں ہو تو اس سے تعلق باقی نہ رکھو) اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے، مانگ لو اور ان کافروں کو بھی چاہئے کہ جو کچھ انھوں نے خرچ کیا ہے، وہ مانگ لیں، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، وہی تمہارے درمیان فیصلہ فرماتے ہیں اور اللہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۱۰﴾ اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کی طرف چلی جائے (اور کافروں کی طرف سے مہر وصول نہ ہو) پھر تم کو بدلہ لینے کا موقع مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں، انھوں نے جتنا خرچ کیا تھا، وہ ان کو ادا کردو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾

﴿۱﴾ سنہ ۶ ہجری میں جب حدیبیہ میں مشرکین مکہ کے ساتھ صلح ہوئی، تو صلح میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص مدینہ آجائے تو مسلمان اسے واپس کردیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدہ پر پورا پورا عمل فرمایا اور جو مرد مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ آئے، آپ نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کو واپس کردیا اور ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ فرمادیا، پھر اس کے بعد کچھ خواتین بھی مسلمان ہوئیں اور مکہ سے بھاگ کر مدینہ آگئیں، جیسے سبیعہ بنت حارث اسلمیہ، اُم کلثوم بنت عقبہ ابن معیط، اُمیمہ بنت بشر، سعیدہ زوجہ صیفی بن راہب، اسی سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں، (التفسیر المنیر: ۲۸/۱۴۰) کہ صلح حدیبیہ میں مکہ سے آنے والوں کو واپس کرنے والی بات مردوں سے متعلق ہے نہ کہ عورتوں سے؛ اس لئے ان کو ان کے کافر شوہروں کی طرف واپس نہیں کریں، اگرچہ معاہدہ میں ←

← مرد وعورت کے تفریق کے بغیر مطلق تحریر لکھی گئی تھی؛ لیکن یہ بات پہلے سے رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں تھی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ابھی حدیبیہ ہی میں تھے کہ حضرت سبیعہ بنت حارث اسلمیہ مکہ سے آئیں، پیچھے سے ان کے شوہر بھی آ گئے اور مطالبہ کیا کہ ابھی تو معاہدہ کی روشنائی خشک بھی نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے آپ ان کو واپس کر دیں، اسی موقع پر قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ان کو واپس نہیں کیا گیا، (اسباب النزول للواحدی: ۲۴۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا اس معاہدہ سے باہر ہونا معاہدہ کا جزء ہو گیا اور پھر دونوں کے ساتھ برابر کا معاملہ کیا گیا، اگر اہل مکہ میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر مدینہ آ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے اور اگر کوئی عورت مرتد ہو کر مکہ چلی جائے تو مسلمان بھی اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں؛ چنانچہ اس طرح کا صرف ایک واقعہ پیش آیا کہ اُم حکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ چلی گئیں۔

ان آیات میں سات احکام دیئے گئے، اول: یہ کہ اگر کوئی مسلمان عورت مسلمانوں کی طرف ہجرت کر کے آ جائے اور اپنے کافر خاندان کی طرف نہ جانا چاہے تو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کو واپس کر دیں، دوسرے: مسلمان عورت کسی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، نہ اب نکاح کر سکتی ہے اور نہ پہلے کا نکاح باقی رہ سکتا ہے، آج کل بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر غیر مسلم ہو تو نکاح ختم نہیں ہوگا، چاہے کتنی ہی مدت گذر جائے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے، تیسرا حکم یہ معلوم ہوا کہ اگر مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کا مہر ان کے غیر مسلم شوہروں نے ادا کر دیا تھا تو ان غیر مسلم مردوں کو ان کی رقم واپس کر دی جائے؛ تاکہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، چوتھے: جب وہ عورتیں مسلمانوں کے پاس آ گئیں تو اب مسلمان مرد کے لئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے؛ البتہ نکاح مہر کے ساتھ ہوگا اور ان کا مہر ادا کرنا واجب ہوگا، پانچواں حکم یہ ہے کہ اگر کچھ غیر مسلم عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں ہوں تو ان کو چھوڑ دینا چاہئے، اس وقت تک چوں کہ غیر مسلم اور مسلمان کے درمیان نکاح کی ممانعت نہیں ہوئی تھی؛ اس لئے کئی صحابہ کی بیویاں مکہ میں مقیم تھیں اور وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں قریبہ بنت ابی اُمیہ اور اُم کلثوم بنت عمرو خزاعیہ؛ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو طلاق دے دی، قریبہ سے حضرت معاویہ نے نکاح کر لیا اور اُم کلثوم سے ابوجہم ابن حذافہ نے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۶۵) چھٹا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی غیر مسلم عورتیں کافروں کے پاس ہوں تو ان کے مسلمان شوہروں کو حق ہے کہ وہ جو مہر ادا کر چکے ہیں، وہ ان کے موجودہ شوہر سے وصول کر لیں، ساتواں حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شادی شدہ خاتون اس کی مرضی کے بغیر یا مرتد ہو کر کافروں کی طرف چلی جائے تو ایسی صورت میں ان کے غیر مسلم شوہر کو چاہئے تھا کہ وہ ان کے سابق مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر واپس لوٹا دیتے؛ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا تو اب مسلمانوں لئے گنجائش ہے کہ وہ ان سے اس طرح اس کا بدلہ لے لیں کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئی ہیں، وہ بھی غیر مسلم شوہروں کو ان کے مہر واپس نہ کریں اور وہی رقم ان مسلمان مردوں کو دے دیں، جن کی دی ہوئی مہر کی رقم غیر مسلموں نے واپس نہیں لوٹائی ہے، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم کو بدلہ لینے کا اس طور پر موقع مل جائے کہ تم کو مالِ غنیمت ہاتھ لگ جائے تو تم اس میں سے مہر کے بہ قدر رقم ان مردوں کو جن کو مہر کی رقم واپس نہیں ملی، ادا کر دو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ
وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ
وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے پیغمبر! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئیں تو آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں: ''وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی بہتان باندھیں گی، جس کو اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان گھڑ لیں، اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی'' تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دُعا بھی فرمائیے، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کے موقع سے مکہ تشریف لائے تو مکہ کی خواتین نے آپ ﷺ سے بیعت کی، اسی طرح مدینہ میں مسلمان خواتین اور بالخصوص وہ خواتین جو کہیں سے ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں، آپ سے بیعت کرتی تھیں، آپ ﷺ ان سے اِن ہی اُمور پر بیعت لیا کرتے تھے کہ وہ شرک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالیں گی، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا اور نہ بدکاری کے ذریعہ حاصل ہونے والی اولاد کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کریں گی اور نہ آپ ﷺ کی نافرمانی کریں گی؛ چوں کہ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت کی خواتین ان برائیوں میں مبتلا تھیں؛ اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان باتوں کا عہد لیا گیا، اس سلسلہ میں چند باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ تین طرح کی بیعت لیا کرتے تھے، ایک: بیعت امارت، یہ سربراہ حکومت کی حیثیت سے لی جانے والی بیعت تھی، جس میں اطاعت وفرماں برداری کی بیعت لی جاتی تھی، دوسرے: بیعت جہاد، جیسا کہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع سے لیا تھا، یہ جہاد میں ثابت قدمی کی بیعت ہوتی تھی، تیسرے: عمل صالح کی بیعت، جیسا کہ خواتین سے لی جانے والی یہ بیعت ہے، اس مضمون کی بیعت مردوں سے بھی لی جاتی تھی، حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے اس کی صراحت منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۷۹) اس کو 'بیعت توبہ' کہتے ہیں، احسان وسلوک کی راہ میں جو بیعت لی جاتی ہے، وہ یہی بیعت ہے، نیز اس آیت سے اور متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ مردوں سے ہاتھ سے بیعت لینے کا معمول تھا؛ لیکن عورتوں سے آپ ﷺ نے کبھی ہاتھ پر بیعت نہیں لی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی اجنبی عورت کا ہاتھ نہیں چھویا؛ (مسلم، باب کیفیة بیعة النساء: ۱۸۶۶) البتہ اس کی گنجائش ہے کہ بیعت لینے والا کپڑا یا ڈوری کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ میں لے اور عورتیں اس کے دوسرے حصہ کو تھام لیں؛ کیوں کہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لینے کے لئے پانی کا ایک بڑا برتن منگایا، اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور عورتوں سے فرمایا کہ وہ بھی اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈبو دیں، (الدر المنثور: ۸/۱۴۳) دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ بیعت لیتے ہوئے آپ ﷺ نے نیکیوں کو بجالانے کی بجائے گناہوں سے بچنے کا عہد لیا، معلوم ہوا کہ گناہوں سے بچنا طاعات کے بجالانے سے زیادہ اہم ہے، اسی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم ←

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ
الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

النصف ع ۲/۸

اے مسلمانو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو، جن پر اللہ کا غضب ہے، جس طرح کافروں کو مُردوں کے جی اُٹھنے کی اُمید نہیں، اسی طرح اِن کو بھی آخرت کی اُمید نہیں۔ ﴿۱﴾﴿۱۳﴾

← دیا گیا ہے، وہ تو محدود وقت میں کی جاتی ہیں اور جن باتوں سے منع فرمایا گیا ان سے بچنے کا حکم دائمی ہے —— تیسرے فرمایا گیا کہ عورتیں آپ ﷺ سے معروف یعنی بھلائی کے حکم میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی، یعنی اطاعت کا حکم ان چیزوں میں ہے جو جائز ہیں، جب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے میں یہ شرط قائم رکھی گئی، جس کا مقصد تاکید ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ تو ہمیشہ بھلائی ہی کا حکم دیں گے تو عام لوگوں کا کیا شمار؟ ان کی تو بدرجۂ اولیٰ جائز کاموں ہی میں اطاعت کی جائے گی نہ کہ ناجائز کاموں میں۔

﴿۱﴾ مدینہ کے بعض مسلمانوں کی یہودیوں سے دوستی تھی اور اس طرح بعض اوقات ان تک مسلمانوں کی خبریں پہنچ جاتی تھیں، پہلے تو اہل مکہ سے دوستی کو منع کیا جاچکا ہے، جس کے نتیجے میں حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا، اب یہودیوں کی دوستی سے منع کیا جارہا ہے کہ مشرکین کا تو آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے؛ اس لئے وہ آخرت کی اُمید نہیں رکھتے؛ لیکن یہودیوں کا حال یہ ہے کہ وہ آخرت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ لیکن تعصب، ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے؛ اس لئے وہ آخرت کے بہتر انجام سے اسی قدر نا اُمید ہیں، جتنا آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے اس بات سے کہ قبر میں دفن کئے ہوئے لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ (خلاصہ از: قرطبی: ۱۸/۷۶)

سُوْرَةُ الصَّفِّ

سورہ نمبر : (٦١)

رکوع : (٢)

آیتیں : (١٤)

نوعیت : مدنی

اس سورہ کی آیت نمبر: ۴ میں 'صف' کا لفظ آیا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے، جو صف باندھ کر اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام سورۂ صف ہے، یہ مدینہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے، اس سورہ کا بنیادی موضوع جہاد، اللہ کے راستہ میں قربانی کی فضیلت وغیرہ کا بیان ہے، جہاد کا ادب بتایا گیا ہے کہ صف باندھ کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جہاد کرنا چاہئے، بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو تکلیف پہنچاتے تھے، اس کا ذکر ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو خوشخبری سنائی تھی، وضاحت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو غالب کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؛ اس لئے یہ غالب ہوکر رہے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایمان رکھنے والوں کو ان کا انکار کرنے والوں پر غالب رکھیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ کچھ صحابہ بیٹھ کر مذاکرہ کررہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہوجاتا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو ہم خاص طور پر اس عمل کا اہتمام کرتے، اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے ہم لوگوں پر اس کی تلاوت فرمائی۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۰۹)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲﴾ کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۴﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ جو کچھ آسمان و زمین میں ہیں، سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہی غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ اے ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ ﴿۲﴾ اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں، ﴿۳﴾ بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو اللہ کے راستہ میں صف بستہ ہو کر اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ صحابہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے اثر سے نیکیوں کو انجام دینے کا جذبہ ہر وقت موجزن رہتا تھا؛ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت ایک بار صحابہ نے آپس میں گفتگو کی تو کہنے لگے: اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم لوگ اس پر خوب اچھی طرح عمل کرتے، اسی موقع پر سورۂ صف نازل ہوئی، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۲۹) لیکن جب جہاد کا حکم آیا تو جہاد کی مشقت کے تحت بہت سے لوگوں کو خیال ہوا کہ مکہ میں تو تیرہ سال ابتلاء و آزمائش میں گزارے، اب مدینہ آکر تھوڑی سی سہولت حاصل ہوئی ہے تو ابھی اگر حکم جہاد نہ آیا ہوتا تو اچھا ہوتا، اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال میں سے اس وقت سب سے زیادہ محبوب جہاد کرنا ہے، تو پہلے سے تو تم دعویٰ کرتے تھے کہ جو عمل اللہ کو محبوب ہوگا، ہم اسے کریں گے؛ لیکن اب اس سے بچنا چاہتے ہو، یہاں تک کہ غزوۂ اُحد میں تم بھاگ کھڑے ہوئے؛ اس لئے جو کام نہیں کرتے ہو، یا جس کے کر پانے کا یقین نہ ہو، اس کا دعویٰ نہ کیا کرو — اس میں ایک تنبیہ تو یہ ہے کہ کرنے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ لمبے چوڑے دعوے کئے جائیں، یہ درست نہیں، جیسا کہ عموماً ہم جیسے کوتاہ عمل لوگوں سے ہوتا رہتا ہے، ظاہر ہے کہ صحابہ کی یہ صورت حال نہیں تھی، وہ جو کچھ کہتے تھے، اس کے پیچھے پختہ ارادہ کارفرما ہوتا تھا، دوسری تنبیہ یہ ہے کہ کرنے کا ارادہ ہو تب بھی دعویٰ کرنے سے بچو؛ کیوں کہ کسی کام کو کرنے کے لئے صرف تمہارا ارادہ کافی نہیں، اسباب و وسائل کا فراہم ہونا بھی ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمہارے دل کی وہی کیفیت برقرار رہے، جو اِس وقت ہے، ہوسکتا ہے کہ تمہارے ارادے میں تبدیلی آجائے، اس مفہوم کے اعتبار سے صحابہ بھی اس کے مخاطب تھے — اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی خود جس کام پر عمل نہ کر رہا ہو، دوسروں کو اس کی دعوت بھی نہ دے؛ کیوں کہ عمل مستقل فریضہ ہے اور دعوتِ عمل مستقل فریضہ، یہاں دوسروں کو دعوت دینے کی ممانعت نہیں ہے: بلکہ خود دعویٰ کرنے کی ممانعت ہے کہ جس بات کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہو یا ارادہ ہو؛ لیکن ضروری نہیں کہ تم اس کو پورا بھی کر سکو، اس کا دعویٰ مت کیا کرو۔

فقہاء نے اس سے دو فقہی احکام بھی مستنبط کئے ہیں، ایک یہ کہ انسان جس بات کی نذر مان لے، اس کو پورا کرنا واجب ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۷۹) دوسرے: اگر کسی شخص سے کسی بات کا وعدہ کرلے تو اس وعدہ کو وفاء کرنا ضروری ہے، یہ اخلاقی ←

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَقَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ۝۵ وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝۶

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے لوگو! تم مجھ کو کیوں ستاتے ہو؛ حالاں کہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں؟ پھر جب ان لوگوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا تو اللہ نے بھی اُن کے دلوں کو ٹیڑھا بنا دیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے، ۝۵ (اور اس وقت کو بھی یاد کیجئے) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، جو مجھ سے پہلے (نازل ہوئی) ہے اور ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں، جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام ''احمد'' ہوگا، تو جب وہ رسول ان کے پاس معجزات لے کر آگئے تو وہ کہنے لگے: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۱﴾ ۝۶

← اعتبار سے تو واجب ہے ہی؛ لیکن امام مالک کے نزدیک اگر وہ وعدہ کسی خاص سبب سے مربوط ہو تو اس سبب کے پائے جانے کے وقت اس کو پورا کرنا قانوناً بھی واجب ہے، (حوالۂ سابق: ۱۸/ ۸۰) جیسے کسی شخص سے وعدہ کیا کہ اگر تم اپنا مکان گرالو گے تو نئے مکان کی تعمیر کے لئے ہم تمہیں اتنی رقم قرض دیں گے اور اس نے اپنا مکان منہدم کر دیا، تو اب وعدہ کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ اس کو قرض دے، آج کل اسلامی مالیاتی اداروں میں اسی پر عمل ہے۔

﴿۱﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین باتیں نقل کی ہیں، اول یہ کہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لئے اچھے سے اچھے بندے کا انتخاب کرتے ہیں، نہ کہ ایسے شخص کا جس کا نسب ہی درست نہیں تو اس طرح یہودیوں کا بھی رد ہو گیا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ ''ولد الزنا'' قرار دیتے تھے، دوسری بات فرمائی کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں، یہ اس بات کا اعلان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نبی نہیں تھے؛ بلکہ آپ تورات ہی کی شریعت کے پابند تھے، تیسرے: یہ خوشخبری دی کہ میرے بعد ''احمد'' نام کے ایک نبی آنے والے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس کا مصداق کون ہیں؟ غور کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نام کے اعتبار سے بھی احمد ہیں اور وصف کے اعتبار سے بھی، نام اس لئے کہ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: میرے کئی نام ہیں، میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی: ''إن لي أسماء أنا محمد وأنا أحمد'' (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الصّف: ۴۶۱۴) وصف کے اعتبار سے یوں کہ احمد کے معنی ہیں اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، تو یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ←

← حمد کو اپنی اُمت کے اعمال کا جزء بنا دیا ہے، اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی، عبادتوں میں تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح رکھی ہی ہے، نماز کا ہر عمل ’اللہ اکبر‘ سے شروع ہوتا ہے، ہر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، حج میں تلبیہ اور عید الاضحیٰ میں تکبیرات تشریق پڑھی جاتی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی حمد ہی کے کلمات ہیں، یہاں تک کہ جو افعال عادۃً انجام دیئے جاتے ہیں، جیسے: کھانا پینا، سونا اور نیند سے بیدار ہونا، یہاں تک کہ استنجاء سے فارغ ہونا، ہر موقع کے لئے آپ ﷺ نے ایسا ذکر مقرر فرمایا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے؛ اس لئے کوئی شبہ نہیں کہ پوری انسانی تاریخ کو آپ ﷺ نے جس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا سکھایا، اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی؛ اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ’’احمد‘‘ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہی مراد ہے، قادیانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی ہیں، یہ نہ صرف دیدہ دلیری ہے؛ بلکہ یہ جہالت اور بے وقوفی بھی ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی شخص کا نام ’عبد اللہ‘ ہو اور وہ کہنے لگے: میں اللہ ہوں، ایسی باتیں وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ انجیلوں میں نبوت محمدی ﷺ کی بشارت موجود ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سی تحریف وتبدیلی کے باوجود اب بھی اس کا ذکر موجود ہے، کسی میں نام کی صراحت کے ساتھ ہے، کسی میں نام کا ترجمہ ہے اور کسی میں آپ ﷺ کی صفات کا ذکر ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری ’برناباس‘ نامی بزرگ تھے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول مانتے تھے، ان کی انجیل ۳۲۵ء تک معتبر تسلیم کی جاتی تھی، ۳۲۵ء میں عیسائی عالموں کی نیقیا کانفرنس ہوئی، جس میں جمہور کی رائے کے برخلاف توحید کی بجائے تثلیث عیسائی مذہب قرار پایا اور چوں کہ انجیل کے کئی نسخے عبرانی زبان میں تھے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا رسول مانا گیا تھا نہ کہ خدا کا بیٹا؛ اس لئے حکومت کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں ہیں، ان سب کو ضائع کر دیا جائے اور جس کے پاس یہ انجیل ملے، اس کی گردن اُڑا دی جائے، اس کی زد میں برناباس کی انجیل بھی آئی؛ لیکن اس انحیل کے بعض نسخے بچ گئے، جو بعض ذاتی لائبریریوں میں رہ گئے تھے، اولاً اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا، پھر ۱۹۰۷ء میں اس کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا، اب اس کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے؛ چوں کہ اس میں عیسائیت کے موجودہ عقائد کی واضح طور پر نفی کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت ’’احمد‘‘ اور ’’محمد‘‘ کے نام سے ہے؛ اسی لئے موجودہ عیسائیوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ برناباس کی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے، جو عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوا اور یہ کتاب لکھ کر برناباس کی طرف منسوب کر دیا، انجیل برناباس میں یوں تو کثرت سے ایسی بشارتیں موجود ہیں، جن میں صفات بیان کرتے ہوئے بعثت محمدی ﷺ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؛ لیکن کم سے کم دو ایسی عبارتیں ہیں، جن میں واضح طور پر آپ ﷺ کے نام سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے :

(۱) ’’مسیحا کا نام قابل تعریف‘‘ ہے، اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمان آب وتاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا، الہ نے فرمایا: ’’اے محمد! انتظار کرو میں نے تمہاری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے، ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے، جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا، تیری بات سچی ہوگی، آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں؛ لیکن تیرا دین فنا نہیں ہو سکتا‘‘ آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے۔ (باب: ۹۷) ←

← (۲) طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے؛ لیکن جب محمد تشریف لائیں گے، جو خدا کے مقدس رسول ہیں، تب میری بدنامی اختتام پذیر ہوگی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا؛ کیوں کہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے یہ انعام دے گا، لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ (باب: ۱۱۳)

دوسری انجیلیں جن کو عیسائی معتبر مانتے ہیں، انجیل متیٰ، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا، یہ چاروں انجیلیں بائبل کے عہد جدید کا حصہ ہیں، صورت حال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل زبان سریانی تھی، کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۷۰ سال بعد سریانی زبان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل مرتب ہوئی؛ لیکن اول: تو انجیل کی کوئی سند موجود نہیں ہے، دوسرے: مرتب کرنے والوں کی طرف سے کوئی ریکارڈ بھی موجود نہیں ہے کہ ان کی تحقیق اور تصدیق کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا گیا تھا؟ تیسرے: جیسی کچھ بھی مرتب ہوئی ہو، آج دنیا میں کہیں اس اصل نسخہ کا بھی نام ونشان نہیں ہے؛ بلکہ جو سب سے قدیم نسخہ ہے، وہ یونانی زبان کا ترجمہ ہے اور وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۳۰۰ سال بعد کا ہے، اس کے باوجود انجیلوں خاص کر 'انجیل یوحنا' میں متعدد ایسی عبارتیں موجود ہیں، جن میں واضح طور پر رسول اللہ ﷺ کی آمد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، جن میں 'مددگار' کے لفظ سے آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی ہے اور بائبل کے حاشیہ پر مددگار کے معنی وکیل یا شفیع کے لکھے گئے ہیں؛ چنانچہ انجیل یوحنا کی چند عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (انجیل یوحنا: ۱۴: ۱۶، ۱۷)

(۲) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا؛ کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا: ۱۴: ۳۱)

(۳) لیکن جب وہ مددگار آئے گا، جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی 'سچائی کا رُوح' جو باپ سے صادر ہوتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو؛ کیوں کہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا: ۱۵: ۲۶، ۲۷)

(۴) لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے؛ کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا؛ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا: ۱۶: ۸، ۹)

(۵) مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے؛ مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے؛ لیکن جب وہ یعنی 'سچائی کا رُوح' آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا؛ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا؛ لیکن جو کچھ سنے گا، وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔ (یوحنا: ۱۶: ۱۳، ۱۴) ←

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾
هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ
ع الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا، جو اللہ پر جھوٹ باندھے؛ حالاں کہ اس کو اسلام کی طرف بلایا جارہا ہو؟ اور اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے، ﴿۷﴾ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منھ سے اللہ کی روشنی کو بجھادیں اور اللہ تو اپنی روشنی کو پوری کر کے ہی رہیں گے، چاہے کافروں کو ناگوار گزرے، ﴿۸﴾ وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے؛ تاکہ اس کو تمام مذاہب پر غالب کردے، اگرچہ کہ شرک کرنے والوں کو برا لگے، ﴿۱﴾ ﴿۹﴾ اے مسلمانو! کیا میں تم کو ایسی تجارت نہ بتاؤں، جو تم کو ایک دردناک عذاب سے محفوظ رکھے! ﴿۲﴾ ﴿۱۰﴾

← ان عبارتوں میں جو مددگار کا لفظ آیا ہے، یہ اصل میں یونانی لفظ "Periclytos" ہے، جس کو سیرت ابن ہشام میں ''برقلیطس'' کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے، (سیرت ابن ہشام: ۱/۲۵۱) اس کا معنی ہے: وہ شخص جس کی تعریف کی گئی، گویا یہ بالکل 'محمد' کا ہم معنی ہے، اسی کے قریب ایک لفظ "Paracletus" ہے، دونوں کے تلفظ میں بڑی قربت ہے، اس دوسرے لفظ کے معنی مددگار کے ہیں، افسوس کہ بائبل کے مترجمین نے رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی پر پردہ رکھنے کے لئے حقیقی لفظ کے بجائے اس سے قریبی دوسرے لفظ کو لیتے ہوئے اس کا ترجمہ 'مددگار' سے کردیا، (اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''اظہار الحق'' کا مطالعہ کرنا چاہئے، جس کا اُردو ترجمہ مولانا اکبر علی صاحب رحمہ اللہ نے کیا ہے اور مولانا محمد تقی عثمانی کے حواشی نے اس کی افادیت میں اور اضافہ کردیا ہے، نیز اس موضوع پر مختصر اور جامع مطالعہ کے لئے تفہیم القرآن: ۵/۴۶۱ تا ۴۷۵ سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے)۔

﴿۱﴾ بعض مفسرین نے اس سے مادی غلبہ مراد لیا ہے اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے؛ چنانچہ بہت کم عرصہ میں اسلام جزیرۃ العرب کو پار کر کے ایشیاء و افریقہ اور یورپ میں دُور دُور تک پہنچ گیا اور پھر قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، اس وقت بھی پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوجائے گا؛ لیکن ایک غلبہ وہ ہے جو دین حق کو ہمیشہ حاصل رہا ہے اور آئندہ بھی حاصل رہے گا، اور وہ ہے استدلالی غلبہ، یعنی وہ دلیل کی طاقت اور اپنی معقولیت کی وجہ سے تمام مذاہب کے مقابلہ غالب ہوجائے گا، یہ غلبہ اسلام کو کل بھی حاصل تھا، آج بھی حاصل ہے اور قیامت تک حاصل رہے گا، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۸۶)

﴿۲﴾ یعنی اور تجارتیں تو وہ ہیں، جن میں کبھی نفع ہوتا ہے، کبھی نقصان اور کبھی انسان بالکل ہی ڈوب جاتا ہے؛ لیکن اللہ اور اس کے ←

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا
قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ
فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ
فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع ۲ ۱۰

کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، اگر تم سمجھ دار ہو تو یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے، ﴿۱۱﴾ اللہ تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف کر دیں گے، تم کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ایسے عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں واقع ہیں، یہی ہے بڑی کامیابی! ﴿۱۲﴾ اور دوسری چیز بھی عطا فرمائیں گے جس کو تم پسند کرتے ہو، یعنی: اللہ کی مدد اور جلد ہی حاصل ہونے والی فتح، اور مسلمانوں کو خوشخبری سنا دیجئے، ﴿۱﴾ ﴿۱۳﴾ اے مسلمانو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ، جیسا کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے حواریوں سے کہا تھا: کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار بنیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر ہی رہا؛ چنانچہ ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ مدد کی، آخر کار وہ غالب ہو گئے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۴﴾

← رسول کا ایمان لانا اور اس کے لئے جان و مال کی قربانی دینا ایسی تجارت ہے، جس میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اور جس میں ایسا نفع ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں۔

﴿۱﴾ اس آیت میں خوشخبری دی گئی ہے کہ آخرت میں جو نعمتیں حاصل ہوں گی، وہ تو ہوں گی ہی؛ لیکن دنیا میں بھی جلد ہی تمہارے لئے فتوحات کا دروازہ کھل جائے گا، سرزمین عرب کا مرکز' مکہ فتح ہوگا اور روم و ایران کی بادشاہتیں تمہارے قدموں میں آ جائیں گی۔

﴿۲﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کو 'حَوَارِی' کہا گیا ہے، حَوَار سفیدی کو کہتے ہیں اور حواری دھوبی کو؛ کیوں کہ دھوبی میلے کپڑوں کو صاف کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے اور اخیر تک ان کے وفادار بنے رہے، وہ پیشے کے اعتبار سے دھوبی تھے: اسی لئے وہ حواری کہلائے؛ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر اُٹھائے جانے سے پہلے پوچھا کہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی راستہ میں میری مدد کریں گے؟ تو بارہ حضرات تیار ہوئے، ان ہی کو آپ نے مختلف علاقوں میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ وہ وہاں جا کر ←

← دینِ حق کی تبلیغ کریں، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۹۰) اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے بہت کم حضرات تھے اور ان کا انکار کرنے والے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان لانے والے کم تعداد لوگوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا، یہاں تک کہ جب یونانیوں نے عیسائیت قبول کرلی تو یہودی سمٹ کر رہ گئے اور عیسائیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والی قومیں دو ہیں، ایک: مسلمان، دوسرے: موجودہ عیسائی، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے تو ہیں؛ لیکن غلو کے ساتھ، ان دونوں قوموں کا اگر یہودیوں سے مقابلہ کیا جائے تو تعداد کے اعتبار سے رائی اور پہاڑ کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

سُورَةُ الجُمُعَةِ

- سورہ نمبر : (۶۲)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۱۱)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

جمعہ کا دن، جمعہ کی نماز اور جمعہ کی اذان کا اس سورہ میں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے، اسی لئے اس کا نام سورۂ جمعہ ہے۔

یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے اور یہود مدینہ میں تھے نہ کہ مکہ میں۔

اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں کہ تلاوتِ آیات، تزکیہ نفوس اور کتاب وسنت کی تعلیم آپ کا فریضہ منصبی ہے، یہودیوں کی بعض خباثتوں کا ذکر ہے کہ وہ تورات پر عمل تو کرتے نہیں ہیں؛ لیکن اپنے بارے میں سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ سے بہت قریب ہیں، اس پر انھیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو ذرا موت کی تمنا تو کر کے دیکھو۔

سورہ کے دوسرے رُکوع میں جمعہ کی نماز کی اہمیت اور خطبہ کے آداب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے کہ پہلے پوری توجہ کے ساتھ نماز ادا کرو، پھر حلال روزی کی تلاش میں پھیل جاؤ، اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ما یقرأ فی صلاۃ الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۷۷)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝۱ ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝۲

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں، جو بادشاہ ہیں، (تمام عیبوں سے) پاک ہیں، غالب اور حکمت والے ہیں، ۝۱ وہی خدا ہیں، جنھوں نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، ﴿۱﴾ جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، ان کو (عقیدہ وعمل کی گندگیوں سے) پاک صاف کرتے ہیں، ﴿۲﴾ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں؛ حالاں کہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ ۝۲

﴿۱﴾ ''اُم'' کے معنی ماں کے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک عورت ہی انسان کی ماں بن سکتی ہے، عربوں کا مزاج یہ تھا کہ عورتوں کو لکھنا نہیں سکھاتے تھے، اسی سے 'اُمی' کا لفظ ماخوذ ہے، یعنی ایسا شخص جس کو لکھنا اور لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا نہ آتا ہو، اسلام سے پہلے عربوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہیں تھا، اگرچہ وہ لکھنے کے فن سے بالکل نابلد بھی نہیں تھے، قرآن مجید میں خود ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے حالت سفر میں موت کے وقت اپنے تمام سامان کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں ڈال دی تھی، (المائدۃ:۱۰۶) اسی طرح مکہ کے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف بائیکاٹ کا معاملہ لکھا کر اُسے غلافِ کعبہ سے لٹکا دیا تھا، (زادالمعاد: ۳/۳۰) اس لئے ایسا بھی نہیں تھا کہ عرب بالکل لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں؛ لیکن لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، بعض سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ جب آپ ﷺ نبی بنائے گئے، تو مکہ میں صرف تیرہ لوگ ایسے تھے جن کو لکھنا آتا تھا، (فتوح البلدان: ۱/۲۴۹) اور انھیں اپنے اُمی ہونے پر فخر بھی تھا، قدرت کی طرف سے ان کو تحریر اور کتابت کا بدل یہ ملا تھا کہ ان کا حافظہ بہت قوی ہوتا تھا، سینکڑوں اشعار نوک زبان ہوتے تھے؛ اس لئے انھیں اُمی ہونے پر پچھتاوا نہیں تھا، اسی پس منظر میں قرآن نے عربوں کو 'اُمیوں' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد دلائی گئی ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک نبی بھیجا، رسول اللہ ﷺ کا اُمی ہونا آپ ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل اور بعض غلط فہمیوں کے دُور ہونے کا ذریعہ ہے، اگر آپ کو لکھنا آتا ہوتا تو لوگوں کے لئے یہ شبہ کرنے کی گنجائش ہوتی کہ شاید آپ نے پچھلی کتابوں سے نقل کر کے لکھ لیا ہے؛ لیکن چوں کہ حضور کو لکھنا اور لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا نہیں آتا تھا؛ اس لئے اس اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

﴿۲﴾ پاک صاف کرنے کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے، عمل سے بھی اور اخلاق سے بھی، یعنی: آپ لوگوں کے دماغ کو کفر وشرک سے ان کی عملی زندگی کو گناہوں سے اور ان کی عادتوں کو بُرے اخلاق سے پاک کر دیں۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ
الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ
النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
ع ۸/۱۱ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اوران دوسرے لوگوں کی طرف بھی بھیجا جو ابھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں ملے (لیکن آئندہ وہ ایمان لائیں گے) ﴿۱﴾ اور اللہ ہی غالب اور حکمت والے ہیں، ۝۳ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے کرم والے ہیں، ۝۴ جن لوگوں کو تورات دی گئی، پھر انھوں نے اس کو نہیں اُٹھایا (یعنی عمل نہیں کیا) ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے، جو بہت سی کتابیں لادے ہوا ہو، کتنی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے، ۝۵ آپ کہہ دیجئے: اے یہودیو! اگر تمہارا گمان ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا تو کرو، ۝۶ اور وہ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے جو پہلے کر چکے ہیں، کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ان ظالموں سے خوب واقف ہیں، ۝۷ آپ کہہ دیجئے: جس موت سے تم بھاگتے ہو، وہ ضرور ہی تم پر آ کر رہے گی، پھر تم اس خدا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے، جو پوشیدہ کو بھی جانتا ہے اور ظاہر کو بھی، پھر وہ تم کو تمہارے کیے ہوئے کام بتا دے گا۔ ﴿۲﴾ ۝۸

﴿۱﴾ 'اُمّیین' سے مراد تو عرب ہو گئے، اور 'آخرین' یعنی جو بعد میں آملیں گے، سے قیامت تک مسلمان ہونے والے تمام لوگ مراد ہیں، ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تشریح دریافت کی، اتفاق سے اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے، آپ نے ان کے اوپر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو ان میں سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ اسے پالیں گے، غرض کہ آپ ﷺ نے اس جانب اشارہ فرمایا کہ وہ عجم جو بعد میں ایمان لائیں گے، اس میں شامل ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۹۳)

﴿۲﴾ یہود کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، ابھی بھی یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو خدا کے یہاں خصوصی درجہ حاصل ہے، ان سے فرمایا گیا کہ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو تم کو تو موت کا آرزومند ہونا چاہئے؛ تاکہ جلد سے جلد اپنی محبوب چیز کو پاسکو؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ وہی سب سے زیادہ موت سے بھاگتے ہیں، اس سلسلہ میں تین باتیں قابل ذکر ہیں: ایک یہ کہ یہودی واقعی ایسی قوم ہیں، جو مرنے سے بہت خوف کھاتی ہے؛ چنانچہ اگر ایک یہودی کی بھی موت ہو جائے تو پورا اسرائیل چیخ اُٹھتا ہے، ←

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا
الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي
الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً
اَوْ لَهْوَا اِنْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ
ع ۲ ۱۲ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

اے مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذاں دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو، اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، ﴿۹﴾ پھر جب نماز پوری ہوجائے تو اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ، اللہ کی روزی تلاش کرو اور اس کو کثرت سے یاد کرتے رہو؛ تاکہ تم فلاح پاؤ، ﴿۱۰﴾ اور جب یہ تجارت یا کھیل تماشہ دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کھیل تماشہ اور خرید وفروخت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر روزی دینے والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾

← مجھے برطانیہ میں بعض احباب نے بتایا کہ یہودی حضرات یہاں ایسی کار استعمال کرتے ہیں، جو دوہری باڈی کی بنی ہوتی ہے؛ تاکہ ان کی جان کو کم سے کم خطرہ ہو، دوسری قابل ذکر بات ہے کہ یہاں ان کو موت کی تمنا کرنے کا حکم بطور چیلنج دیا گیا ہے؛ تاکہ ان کے دعویٰ کی تردید ہوسکے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کو موت کی تمنا کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ یہاں موت سے بھاگنے کی مذمت کی گئی ہے؛ لیکن غور کیا جائے تو ہر انسان موت سے بچنا چاہتا ہے، خود شریعت نے علاج کرانے کا حکم دیا ہے، خطرات کے مواقع سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، جیسے آپ ﷺ نے سونے سے پہلے چراغ بجھانے کی تلقین کی کہ اس سے کہیں آگ نہ لگ جائے، (بخاری، کتاب الاشربہ، حدیث نمبر: ۵۳۰۱) تنہا جنگل اور پہاڑ میں جانے کو روکا کہ کہیں جنات ان کو اُچک نہ لیں، (المعجم الکبیر: ۴۶/۱۷، حدیث نمبر: ۱۰۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل کے اندیشہ سے مصر سے نکل گئے، (القصص: ۲۱) رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر اپنے آپ کو خطرات سے بچانے کی پوری کوشش فرمائی، تو یہاں موت سے بھاگنے کی جس صورت سے منع کیا گیا ہے، وہ ہے ایک ایسے مجرم کی حیثیت سے بھاگنا جو جانتے بوجھتے جرم کرتا رہا ہو، جیسا کہ یہودی حضور ﷺ کی نبوت سے واقف ہوجانے کے باوجود ایمان نہیں لائے تھے، موت کی تکلیف کا جو طبعی خوف ہوتا ہے، اس کی وجہ سے موت سے بھاگنا اس میں شامل نہیں ہے۔

﴿۱﴾ جمعہ 'م' کے سکون، پیش اور زبر کے ساتھ یعنی تینوں طرح استعمال ہوتا ہے، اس دن کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں، عرب اس دن کو 'یوم العروبہ' کہا کرتے تھے، پہلی بار اس دن کو 'جمعہ' کا نام قریش کے ایک بزرگ کعب بن لُوی نے اور بعض حضرات کی رائے پر انصار مدینہ نے دیا، مکی زندگی میں ایسے حالات نہیں تھے کہ مسلمان ایک جگہ اِکٹھا ہوکر ←

← جمعہ کی نماز پڑھ سکیں؛ لیکن آپ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے ہی مدینہ میں مسلمان جمعہ کرنے لگے تھے، بعض روایتوں کے مطابق پہلی بار حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ منعقد کیا، اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ نے جن کو رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کی تربیت کے لئے بھیجا تھا، عجب نہیں کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کی مدد سے لوگوں کو جمع کیا ہو؛ اس لئے بعض لوگوں نے جمعہ کے آغاز کی نسبت حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہو اور بعض نے اسعد بن زرارہ کی طرف۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار ہجرت کے موقع سے جمعہ ادا فرمایا، آپ ۱۲/ربیع الاول پیر کے دن، دن چڑھے قبا پہنچے، اور قبیلۂ عمرو بن عوف میں قیام فرمایا، جمعرات تک آپ کا قیام یہیں رہا، اس درمیان آپ نے مسجد قباء کی بنیاد بھی رکھی، پھر جمعہ کے دن آپ ﷺ مدینہ منورہ کے لئے نکلے، جب قبیلۂ نبو سالم بن عوف میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آگیا، وہاں لوگوں نے نماز کے لئے جگہ تیار کر رکھی تھی، وہیں جمعہ ہوا اور آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

سورۂ جمعہ کا یہ پورا دوسرا رُکوع نماز جمعہ کے احکام وآداب سے متعلق ہے، ان آیات کے نازل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں قحط کی کیفیت تھی، اشیاء کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں، اسی حال میں ایک جمعہ کو لوگ جمعہ کے لئے اکٹھا تھے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہو چکے تھے، اسی درمیان ایک تجارتی قافلہ آیا، جس کے پاس ڈھیر ساری غذائی اشیاء تھیں، اس وقت تک چوں کہ جمعہ کے آداب مسلمانوں کے سامنے نہیں آئے تھے اور خطبہ کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، ان کا خیال تھا کہ نماز میں ادھر اُدھر جانے کی ممانعت ہے نہ کہ خطبہ میں؛ اس لئے چند حضرات کو چھوڑ کر سب کے سب تجارتی قافلہ کی طرف چلے گئے، ۸، ۱۱، ۱۲ اور ۱۴۰ افراد کا ذکر آیا ہے کہ وہیں رُکے رہے، ممکن ہے پہلے زیادہ لوگ رہے ہوں، پھر نکلتے نکلتے کم رہ گئے ہوں؛ اس لئے روایت میں یہ اختلاف پایا جاتا ہو، اسی موقع پر سورۂ جمعہ سے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ (خلاصہ از تفسیر قرطبی: ۱۸/۹۷)

ان آیات میں جمعہ سے متعلق جو آداب واحکام بیان کئے گئے ہیں، ان کا نیچے نمبر وار ذکر کیا جاتا ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے جمعہ کے دن سبھوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز پڑھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے؛ البتہ اس سے عورتیں، بچے، معذورین اور مسافر بالاتفاق مستثنیٰ ہیں، اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر ایک دن جمعہ اور عید دونوں پڑ جائے تو عید کی نماز پڑھ لینا اور جمعہ کو چھوڑ دینا درست نہیں ہے۔

(۲) جمعہ کے دن اذان کے ساتھ ہی مسجد کے لئے نکل پڑنا واجب ہے؛ کیوں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف آنے کا حکم دیا گیا ہے اور زیادہ تر حضرات کے نزدیک یہاں ذکر سے مراد خطبہ ہے نہ کہ نماز؛ لہٰذا عام نمازوں میں تو نماز سے پہلے پہنچ جانا کافی ہے؛ لیکن جمعہ میں خطبہ سے پہلے پہنچنا واجب ہے۔ (ہندیہ: ۱/۱۴۹)

(۳) جمعہ کے لئے جمعہ کی اذان پر سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سعی کے معنی ہیں: دوڑ کر چلنا؛ لیکن یہاں مقصود دوڑنا نہیں ہے؛ بلکہ تیز تیز چلنا اور جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کرنا مراد ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے جاؤ تو دوڑ کر نہ جاؤ، سکون ووقار کے ساتھ جاؤ۔ (مسلم، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۰۲)

(۴) سوال یہ ہے کہ اس اذان سے کونسی اذان مراد ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ←

← جمعہ کی ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی ، جو خطبہ شروع ہوتے وقت منبر کے سامنے دی جاتی ہے، اس وقت مدینہ کی آبادی مختصر تھی اور یہ اذان کافی ہو جاتی تھی ، بعد میں آبادی کا پھیلاؤ ہوا تو حضرت عثمان غنی ﷛ نے اس اذان سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا، جو مسجد کی بجائے مارکٹ میں ' زَوْرَاء ' نامی مقام پر دی جاتی تھی ،صحابہ نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا، گویا اس اذان کے درست ہونے پر اجماع ہے،اس طرح اقامت کے علاوہ دو اذانیں ہونے لگیں ،ایک : نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد، اور ایک : ٹھیک خطبہ سے پہلے ،اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس اذان پر مسجد کے لئے نکل پڑنے اور کاروبار بند کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے کونسی اذان مراد ہے؟ خطبہ سے پہلے دی جانے والی اذان یا پہلی اذان ،ایک پہلو سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ خطبہ کے وقت والی اذان مراد ہے ؛ کیوں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں ، اس وقت صرف یہی اذان دی جاتی تھی ، ایک اور پہلو سے دوسری رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ پہلی اذاں ہی سے مسجد کے لئے نکل پڑنا اور کاروبار بند کرنا واجب قرار پائے اور وہ یہ کہ اس کا مقصد خطبہ کو پانا ہے، اگر خطبہ کے وقت شروع ہونے والی اذان کے بعد لوگ مسجد کے لئے نکلیں تو ان کا خطبہ پانا دشوار ہوگا ؛ بلکہ جو لوگ مسجد سے دور ہوں تو ان کے لئے ممکن نہ ہوگا ؛ اس لئے دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ مسجد سے فاصلہ پر ہوں ، ان کے لئے تو پہلی اذان کے بعد ہی مسجد کے لئے نکلنا واجب ہوگا ؛ تاکہ خطبہ میں ان کی شرکت ہو سکے، جو لوگ مسجد کے بالکل اڑوس پڑوس میں ہوں ، ان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ دوسری اذان کے شروع ہوتے ہی مسجد کے لئے نکل جائیں ۔ واللہ اعلم

(۵) یہ بھی واجب ہے کہ اذاں ہوتے ہی کاروبار بند کر دیا جائے ؛ تاکہ مالک اور ملازمین سب کے سب مسجد جا سکیں ، اس پر تو اتفاق ہے کہ اذان کے بعد کاروبار جاری رکھنا جائز نہیں ہے، (ہندیہ : ۱/۱۴۹) لیکن اگر کوئی شخص اس وقت خرید و فروخت کر ہی لے تو اس کا کیا حکم ہوگا ؟ حنفیہ کے نزدیک اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا ؛ لیکن خرید و فروخت کی وجہ سے خریدار سامان کا اور بیچنے والا روپیہ کا مالک ہو جائے گا اور جو نفع ہوا ہے ، وہ حلال ہوگا ، یہ ایسا ہی ہے جیسے غصب کی ہوئی زمین میں نماز ادا کی جائے کہ اس کا یہ فعل گناہ تو ہوگا ؛ لیکن نماز ادا ہو جائے گی ؛ البتہ اگر کسی جگہ کئی مسجدوں میں الگ الگ اوقات میں جمعہ ہوتا ہو اور دکان میں کئی لوگ ہوں ، کچھ لوگ ایک مسجد میں چلے جائیں ، کچھ لوگ دوسری مسجد میں ، کاروبار بھی چلتا رہے اور سبھوں کی نماز بھی ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے ؛ کیوں کہ یہ خرید و فروخت اصل مقصد میں رکاوٹ نہیں بنی ۔

(۶) نماز ادا کرنے کے بعد زمین میں پھیل جانے اور روزی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ حکم جائز ہونے کے معنی میں ہے نہ کہ واجب ہونے کے، یعنی اب دوبارہ کاروبار میں لگا جا سکتا ہے، اس میں اس بات کا بھی اشارہ موجود ہے کہ مسلمان کو کسبِ معاش کی طرف توجہ دینی چاہئے ، جہاں عبادت کے اوقات میں عبادت کی جائے ، وہیں دوسرے اوقات میں روزی حاصل کرنے پر توجہ دی جائے ؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حلال رزق حاصل کرنا فرض نماز کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے ۔
(کنز العمال : ۱۶/۴ ، حدیث نمبر : ۹۲۳۱)

(۷) روزی تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، ذکر کا تعلق زبان سے بھی ہے، ←

← دل سے بھی ہے اور عمل سے بھی، زبان سے ذکر یہ ہے کہ آدمی جہاں اور جس حال میں رہے، اگر اس وقت اللہ کا نام لینا خلافِ ادب نہ ہو تو زبان کو اللہ کے نام سے تر رکھے، دل سے ذکر یہ ہے کہ اللہ کی یاد دل میں بسی رہے اور عمل کے ذریعہ ذکر یہ ہے کہ جیسے نماز اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ادا کی، اسی طرح کاروبار کو بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہی انجام دے؛ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہاں 'ذکر' سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت مراد لی ہے۔

(۸) جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یا دین کی کسی بات کو سننے سنانے میں مشغول ہو تو اس وقت اس کو چھوڑ کر تجارت اور کھیل تماشوں میں لگ جانا درست نہیں ہے، خواہ کسی دینی اجتماع کا موقع ہو، دینی مدارس میں تعلیم کا موقع ہو یا اس طرح کا کوئی اور موقع۔

(۹) فرمایا گیا کہ ان حضرات نے آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ وعیدین وغیرہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے، (ردالمحتار: ۴۱/۳) البتہ اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دے تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمر بڑھ جانے کے بعد بوڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر بھی خطبہ دیا ہے۔

(مجمع الزوائد: ۲۲۱/۲، حدیث نمبر: ۳۱۴)

(۱۰) یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ میں خطبہ ضروری ہے؛ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے۔

(۱۱) یہ بات کہ ''اذانِ جمعہ کے بعد لوگ کاروبار نہ کریں'' میں ایک خفیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ چھوٹے دیہاتوں میں جہاں مارکٹ نہ ہوں، تجارت وغیرہ نہ ہوتی ہو اور بنیادی ضرورت کی چیزیں دستیاب نہ ہوں، جمعہ نہ ہوگا، جمعہ ایسی ہی جگہوں میں ہونا چاہئے جو شہر یا بڑا قصبہ ہو —— حنفیہ کی یہی رائے ہے۔ (ردالمحتار: ۵/۳)

سُورَةُ المُنَافِقُون

- سورہ نمبر : (٦٣)
- رکوع : (٢)
- آیتیں : (١١)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو دو طرح کے دشمنوں سے سابقہ تھا، ایک اعلانیہ دشمن، اور وہ تھے: مشرکین، دوسرے بغلی دشمن، اور وہ تھے منافقین، اس سورہ میں بنیادی طور پر منافقین کے رویہ کا ذکر آیا ہے؛ بلکہ آیت شروع ہی ہوتی ہے ان کے تذکرہ سے؛ اسی لئے اس کا نام سورۂ منافقون ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورہ آپ پر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے؛ کیوں کہ منافقین کا مرکز اصل میں مدینہ ہی تھا۔

اس سورہ میں منافق کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ ایمان پر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، لوگوں کو دین سے روکتا ہے؛ لیکن ان میں حد درجہ بزدلی بھی ہے، پھر مسلمانوں کو تربیت دی گئی ہے کہ وہ مل جل کر رہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہیں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہیں —— منافقین کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اُس واقعہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو غزوۂ بنو مصطلق کے موقع سے پیش آیا تھا ہے اور مہاجرین اور انصار کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی گئی تھی؛ لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔

رسول اللہ ﷺ اکثر نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورۂ منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، (مسلم، کتاب الجمعۃ، باب مایقرأفی صلاۃ الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۷۷) —— اس سے اس سورہ کی فضیلت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

وقف لازم

اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَاللّٰہُ
یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ
اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ
لَا یَفۡقَہُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ اِذَا رَاَیۡتَہُمۡ تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُہُمۡ ؕ وَ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِہِمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ
خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ ؕ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡہِمۡ ؕ ہُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡہُمۡ ؕ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ ۫ اَنّٰی
یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۴﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ (اے رسول!) منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تو جانتے ہی ہیں کہ آپ اس کے رسول ہیں اور (لیکن) اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں، ﴿۱﴾ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے؛ چنانچہ (ایمان کیا لاتے کہ) یہ تو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، یقیناً ان کے اعمال بہت ہی بُرے ہیں، ﴿۲﴾ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے؛ لہٰذا ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اب وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں، ﴿۳﴾ اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ڈیل ڈول آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سنتے رہ جائیں؛ گویا کہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے لگا دی گئی ہیں، ہر زور کی آواز کو یہ اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں، یہی لوگ دشمن ہیں، آپ ان سے بچ کر رہئے، اللہ ان کو ہلاک کر دے؛ یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں؟ ﴿۱﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یہ پوری سورہ 'منافقین' کے بارے میں ہے، عربی زبان میں ایک لفظ 'نافقاء' آیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ لومڑی اپنے بِل کے لئے دو سوراخ بناتی ہے، ایک سوراخ تو سامنے نظر آتا ہے، اور دوسرا ایک خفیہ سوراخ ہوتا ہے، جب شکاری پیچھا کرتا ہے تو ظاہری طور پر جو بِل نظر آتا ہے، اس سے داخل ہوتی ہے اور دوسری طرف سے نکل جاتی ہے، (لسان العرب: ۱۰/۳۵۷) اسی سے منافق کا لفظ ہے، منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے؛ لیکن اندر سے مسلمان نہیں ہو، مدینہ میں منافقین کی اچھی خاصی تعداد تھی؛ چوں کہ مدینہ کی اکثریت مسلمان ہو چکی تھی؛ اس لئے یہ ڈر سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے؛ لیکن خفیہ ساز باز یہودیوں سے رکھتے تھے، عبد اللہ بن ابی ان کا سردار تھا اور اس کے نفاق کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے وہی انصار مدینہ کا سردار تھا، وہ چاہتا تھا کہ اہل مدینہ اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں اور اس کی پوری تیاری بھی ہو چکی تھی؛ لیکن جب آپ ﷺ نبی بنائے گئے اور آپ کے مدینہ ہجرت کرنے کا واقعہ پیش آیا تو اس کی یہ اُمید خاک میں مل گئی، ←

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ط وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول استغفار کریں گے تو سر جھٹک دیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے منھ پھیر لیتے ہیں، ۝۵ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، اللہ ہرگز ان کو معاف نہیں کریں گے، یقیناً اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے، ۝۶ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ''جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس رہتے ہیں، ان پر خرچ نہ کیا کرو، یہاں تک کہ وہ (خود ہی) تتر بتر ہو جائیں'' اور آسمان وزمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے تو ہیں؛ لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ ۝۷

← اس لئے اس کو بڑا بغض تھا، اور وہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، ان ہی کی طرف سے ایک خاص واقعہ پیش آیا، جس کا آگے کی آیات میں ذکر ہے، اس گروہ کے بعض اوصاف کا سورہ کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے؛ چنانچہ اِن آیات میں اُن کا ایک وصف یہ بتایا گیا کہ وہ جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھانے میں ماہر ہیں اور جھوٹی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں کہ اس کو اپنے بچاؤ کے لئے ڈھال بنالیں، ان کی یہ کیفیت اس لئے ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، دلوں پر مہر لگنا اس لئے ہے کہ پہلے تو وہ زبان سے ایمان لائے، پھر دل سے کفر کیا، گویا ایمان لانے کے بعد پھر ایمان سے پھر گئے، اور کسی شخص کے ایمان نہ لانے سے زیادہ بُرا وہ شخص ہے، جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائے، دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ دیکھنے میں بڑے پُرکشش ہیں، عبداللہ بن اُبی، جد بن قیس اور معتب بن قشیر بڑے خوبصورت تھے کہ جن پر نگاہیں جم کر رہ جائیں، تیسرا وصف یہ ہے کہ بڑے چرب زبان اور باتونی بھی واقع ہوئے ہیں اور لوگوں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، چوتھا وصف یہ ہے کہ ان کا ظاہر تو بہت اچھا ہے؛ لیکن باطن کھوکھلا ہے، ان کی مثال ایسی مردہ کھوکھلی لکڑیوں کی ہے، جو صرف دیکھنے میں اچھی لگتی ہیں، اور پانچواں وصف یہ ہے کہ چوں کہ دن ورات اسلام کے خلاف سازشوں میں لگے رہتے ہیں؛ اس لئے اگر کہیں کوئی بات سننے میں آئے، یا کسی شور کی آواز کان میں آئے تو دل کا چور فوراً انھیں گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتا ہے کہ کہیں ہماری کوئی سازش کھل تو نہیں گئی اور ہمارے خلاف تو باتیں نہیں کی جارہی ہیں۔

آیت نمبر: ۱ میں منافقین کی بات نقل کی گئی ہے، کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؛ لیکن اس میں صراحتاً قسم کا ذکر نہیں ہے، مگر آیت نمبر: ۲ میں ان کی اس بات کو قسم قرار دیا گیا ہے، اس سے فقہاء نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ''فلاں بات اس طرح ہے'' تو اگرچہ اس میں قسم کے الفاظ نہیں ہیں، پھر بھی یہ قسم ہی سمجھی جائے گی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۶۰۲) اور اگر کہے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، تب تو سبھوں کے نزدیک یہ قسم شمار کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۱۲۴)

يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ ع ۸ ۱۳

وہ کہتے ہیں: ''اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کردے گا'' حالاں کہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو حاصل ہے؛ لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۸﴾

﴿۱﴾ شعبان ۶ ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق کا واقعہ پیش آیا، جس کو مُریسیع بھی کہا جاتا ہے، بنو مصطلق اس لئے کہ اسی قبیلہ سے یہ جنگ ہوئی تھی، اور مریسیع اس لئے کہ یہ جنگ ایک کنویں کے قریب ہوئی، جس کا نام مریسیع تھا، اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، فتح کے بعد آپ چند دن وہیں رُکے رہے، اس بار فوج میں بہت سے دیہاتی بھی شامل تھے، جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خادم جَہجاہ ابن سعید غِفاری بھی تھے، یہ دیہاتی لوگ چشمہ پر پہلے پہنچ جاتے اور کنویں کو گھیر لیتے، اِدھر ایک انصاری صحابی سنان بن وبرہ جہنی پانی لینے کے لئے آئے، جہجاہ نے رکاوٹ پیدا کی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی، جہجاہ نے سنان کو تھپڑ مار دیا اور انھیں تھوڑا سا زخم آگیا، زمانۂ جاہلیت کے طریقہ کے مطابق جہجاہ نے مہاجرین کو پکارا اور سنان نے انصار کو، اور یہ دو افراد سے بڑھ کر گویا دو گروہوں کے درمیان لڑائی کی شکل ہوگئی، رسول اللہ ﷺ کو جونہی اطلاع ہوئی، آپ فوراً تشریف لائے اور دونوں فریقوں سے فرمایا کہ ''تم نے کیسے جاہلیت کے نعرے لگانے شروع کردیئے، یہ تو بڑی گندی بات ہے'' بہرحال اس میں زیادتی جہجاہ کی تھی، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے سنان کو سمجھا بجھا کر معاف کرادیا، اور اس طرح معاملہ رفع دفع ہوگیا، منافقین ایسے موقع کو ایک سنہرا موقع تصور کرتے تھے، جب منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کو اس کی اطلاع ملی تو کہنے لگا کہ ہماری اور ان کی مثال پہلے لوگوں کے اس محاورہ کی ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرو؛ تاکہ وہ تم ہی کو کھا جائے، خدا کی قسم! اگر ہماری مدینہ کی طرف واپسی ہوئی، تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا، عزت والے سے اس نے اپنے آپ کو مراد لیا اور دوسرے لفظ سے رسول اللہ ﷺ کو، اس نے انصار مدینہ سے بھی کہا کہ تم لوگ محمد ﷺ کا کھانا پینا روک دو اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں، ان پر خرچ نہ کرو، تو وہ لوگ خود ہی چلے جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو ابھی نوعمر تھے، اس مجلس میں موجود تھے، انھوں نے عبداللہ بن اُبی سے کہا: خدا کی قسم! تم ہی اپنی قوم میں ذلیل اور کمتر ہو اور محمد ﷺ کو تو اللہ کی طرف سے عزت اور مسلمانوں کی طرف سے محبت حاصل ہے، عبداللہ بن ابی نے جواب دیا: ''خاموش بیٹھو، میں تو یوں ہی مذاق سے کہہ رہا تھا'' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع کردی، ادھر عبداللہ بن ابی نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی شفقت اور مثالی رواداری کی وجہ سے اس کی معذرت قبول کرلی، نتیجہ یہ ہوا کہ خود حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بعض لوگ بُرا بھلا کہنے لگے، اسی موقع پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے طور پر سورۂ منافقین نازل ہوئی، جب یہ بات صحابہ میں پھیل گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ عبداللہ بن ابی کا سر قلم کردیا جائے؛ لیکن آپ ﷺ نے منع فرمایا، جب مجاہدین کا لشکر مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو عبداللہ بن ابی کے مخلص صاحبزادے، جو اپنے والد کے ہمنام تھے، بے نیام تلوار کے ←

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ
ع ۲ ۱۴ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

اے مسلمانو! تم کو تمہارے مال واولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں، اور جو ایسا کریں گے، وہی نقصان اُٹھانے والے ہوں گے، ۝۹ اور ہم نے جو کچھ تم کو عطا کیا ہے، اس میں سے اُس وقت سے پہلے پہلے کہ تم میں سے کسی پر موت آجائے، اللہ کے راستے میں خرچ کرلو، پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! کاش آپ نے مجھے تھوڑی اور مدت تک مہلت دی ہوتی تو میں خیرات دیتا اور نیک بندوں میں ہوجاتا، ۝۱۰ اور جب کسی کی (موت) کا وقت آجائے تو اللہ ہرگز مہلت نہیں دیں گے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہیں۔ ۝۱۱

← ساتھ اپنے والد کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے کہ جب تک حضور ﷺ اجازت نہ دے دیں تم مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے، آخر رسول اللہ ﷺ نے صاحبزادے کو منع فرمایا کہ وہ اپنے والد کا راستہ نہ روکیں، اور اس کے بعد ہی عبداللہ بن ابی مدینہ میں داخل ہوسکا، عبداللہ بن ابی کی اس حرکت کے ظاہر ہوجانے کے بعد خود اس کے خاندان کے لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ بہتر ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کی دُعا کردیں؛ لیکن عبداللہ بن ابی کے دل میں اس طرح اسلام کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا کہ اس نے تمسخر کے انداز میں اپنا سر ہلایا اور آپ ﷺ سے کوئی درخواست نہیں کی، بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا: ''تم نے مجھے ایمان لانے کو کہا تو میں ایمان لایا، زکوٰۃ دینے کو کہا تو میں نے زکوٰۃ دی، اب صرف یہی بات باقی رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں''۔ (خلاصہ از: بخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۳۳۰، نیز دیکھئے: الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۶۵، تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۱۲۱)

اس پوری سورہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی بُری عادتوں کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے؛ چنانچہ آیت نمبر: ۴، ۵ میں عبداللہ بن ابی کو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے استغفار کے لئے آپ سے رُجوع کرنے کا جو مشورہ دیا تھا، اس کا ذکر ہے، نیز فرمایا گیا کہ اس کا اس سے انکار کرنا محض تکبر کی وجہ سے ہے، اور آیت نمبر: ۷، ۸ میں عبداللہ بن ابی کی وہ بے ہودہ گفتگو نقل کی گئی ہے، جو اس نے حضور ﷺ کے بارے میں کی تھی اور فرمایا گیا کہ اصل عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہے اور منافقین اگر کسی کو بے عزت کرنا بھی چاہیں اور اللہ کو یہ منظور نہ ہو تو یہ ایک بے فائدہ اور بے کار کوشش ہے۔

سُورَةُ التَّغَابُن

- سورہ نمبر : (۶۴)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۱۸)
- نوعیت : مدنی

تغابن کے معنی نقصان اور خسارہ کے ہیں، قیامت کا دن جہاں ایمان رکھنے اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے بے حد خوشی، فائدہ اور کامیابی کا دن ہوگا، وہیں ایمان نہ لانے والوں کے لئے گھاٹے اور نقصان کا دن ہوگا؛ اس لئے قیامت کے دن کا ایک نام 'یوم التغابن' بھی ہے، سورہ کی آیت نمبر: ۹ میں اس کا ذکر آیا ہے۔

یہ سورہ مدنی ہے؛ لیکن عام مدنی سورتوں کے برخلاف اس میں زیادہ تر عقائد اور ایمانیات کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے، گذشتہ اُمتوں کی ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پکڑ ہوئی، اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، شوہر و بیوی اور بال بچوں کے بارے میں تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ ہیں، اس لئے زندگی کی راہ میں سنبھل کر چلنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ انسان کو اس کے خالق و مالک سے غافل کردے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلقین کی گئی ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عفو و درگذر اور صرفِ نظر کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، یہ آپ کے واسطہ سے پوری اُمت کے لئے نصیحت ہے کہ ایک داعی کو راستہ کے کانٹوں سے اُلجھنا نہیں چاہئے؛ بلکہ ان سے دامن بچاتے ہوئے آگے بڑھ جانا چاہئے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ
قَدِیۡرٌ ۝۱ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۝۲
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ۝۳ یَعۡلَمُ مَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَیَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۴
اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حدمہربان اورنہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آسمان وزمین کی ساری چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، ان ہی کی بادشاہت ہے، وہی قابل تعریف ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں، ۝۱ وہی اللہ ہیں جنھوں نے تم کو پیدا کیا، پھرتم میں سے کچھ ایمان نہ لانے والے اور کچھ ایمان لانے والے ہیں اورتم جو کچھ کررہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں، ۝۲ اللہ نے آسمان وزمین کوٹھیک طور پر پیدا فرمایا ہے، تمہاری صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، ۝۳ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اللہ کو وہ سب معلوم ہیں، اور اللہ دلوں کے راز سے بھی واقف ہیں، ﴿۱﴾ ۝۴ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، جنھوں نے پہلے (ایمان لانے سے) انکار کیا تھا تو انھوں نے اپنی شامتِ اعمال کا مزا چکھ لیا؟ اوران کے لئے آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے۔ ۝۵

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کی تعریف وتسبیح کے بعد یہاں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفتیں بیان کی گئی ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ حمد وتسبیح کے مستحق ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسانوں کو پیدا کیا ہے اور دوسری مخلوقات کے مقابلہ تمہارے ساتھ یہ خصوصیت برتی گئی کہ تم کو عقل وسمجھ دی گئی، ارادۂ واختیار کی قوت عطا کی گئی، اس کا تقاضا تھا کہ سب کے سب انسان مسلمان ہوتے؛ لیکن کچھ لوگ تو واقعی صاحب ایمان ہوئے اور کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہوئے اپنے لئے کفر کا راستہ اختیار کرلیا، اللہ تعالیٰ کا دوسرا انعام یہ ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، جس سے انسان کی ساری ضرورتیں متعلق ہیں، تیسری صفت یہ ہے کہ اس نے تم انسانوں کو دوسری تمام مخلوقات کے مقابلہ بہتر شکل میں بنایا، یہ تین اوصاف تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں، چوتھی صفت یہ ہے کہ اللہ کو آسمان وزمین کے ذرہ ذرہ کا علم ہے اور پانچویں صفت یہ ہے کہ انسان جن باتوں کو ظاہر کرتا ہے، ان سے تو اللہ واقف ہیں ہی؛ لیکن جن باتوں کو چھپاتا ہے، ان سے بھی واقف ہیں، جب اللہ تعالیٰ تخلیق اور علم جیسی عظیم صفات کے اس کامل درجہ پر ہیں تو پھر ان سے بڑھ کر کون تسبیح وتحمید کا مستحق ہوسکتا ہے!

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا
وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٦ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ
لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝٧ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ
الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٨ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ
التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٠ ع ۱۰ ۱۵ الثلثة

یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آتے تھے تو وہ کہتے تھے: کیا انسان ہم کو ہدایت دیں گے؟ غرض کہ انھوں نے انکار کردیا اور رُوگردانی کی، اور اللہ نے بھی (ان کی) پرواہ نہیں کی اور اللہ تو ہیں ہی بے نیاز اور خوبیوں والے! ۝٦ ایمان نہ لانے والے دعوے کرتے ہیں کہ ان کو ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، آپ کہہ دیجئے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تم کو ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پھر تم کو تمہارے اعمال کی خبر دی جائے گی اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے، ۝٧ اس لئے اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس نور ﴿۱﴾ پر جو ہم نے اُتارا ہے ایمان لے آؤ اور اللہ تمہاری ساری حرکتوں سے باخبر ہیں، ۝٨ اللہ تعالیٰ حشر کے دن جب تم سب کو اکٹھا کریں گے تو وہی (اصل) ہار جیت ﴿۲﴾ کا دن ہوگا، اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ اس سے اس کے گناہوں کو دُور کردیں گے اور ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ ہمیش وہیں رہیں گے، یہی تو بڑی کامیابی ہے، ۝٩ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ دوزخی ہیں، جو ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ۝١٠

﴿۱﴾ نور سے مراد قرآن مجید ہے، جو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی عطا کرتا ہے۔

﴿۲﴾ یہاں قیامت کے دن کے لئے دو نام اختیار کئے گئے ہیں، ایک: 'یوم الجمع' اکٹھا کئے جانے کا دن؛ اس لئے کہ اس دن کائنات کے آغاز سے لے کر قیامت قائم ہونے تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں، جنوں، آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع کیا جائے گا، دوسرے: یوم التغابن، تغابن ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک فریق جیت جائے اور دوسرا فریق ہار جائے، اور قیامت کا دن اہل جنت کے لئے جیتنے کا دن ہوگا، جو ہمیشہ کے لئے اچھا ٹھکانہ حاصل کرلیں گے، اور اہل دوزخ کے لئے ہار اور گھاٹے کا دن ہوگا، یہ نام ہی انسان کو چونکا دینے؛ بلکہ لرزا دینے کے لئے کافی ہیں کہ انسان دنیا کی چکا چوند کو دیکھ کر مطمئن نہ ہو جائے اور آخرت کی فکر میں لگا رہے کہ کہیں وہاں اس کے لئے ہار مقدر نہ ہو۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ
اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو درست
راستہ دکھا دیتے ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾ اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو، ﴿۲﴾ پھر اگر تم منھ پھیر
لوگے تو (یاد رکھو کہ) ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، ﴿۱۲﴾ اللہ کے سوا کوئی
عبادت کے لائق نہیں اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے، ﴿۱۳﴾ اے ایمان والو! تمہاری بیویوں
اور تمہاری اولاد میں سے بعض (دین کی نسبت سے) تمہارے دشمن ہیں تو تم ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف
کر دو، نظر انداز کر دو اور بخش دو تو اللہ بڑے بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ﴿۱۴﴾ یقیناً تمہارا مال اور تمہاری اولاد
آزمائش کا ذریعہ ہے، اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ بعض دفعہ یہ خیال ہوتا ہے کہ جب مسلمان صحیح راستہ پر ہیں تو وہ مصیبت میں کیوں مبتلا کئے جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس کا جواب موجود ہے کہ مصیبت وآزمائش ہمیشہ سزا اور عذاب کے طور پر نہیں ہوتی؛ بلکہ اللہ کی طرف سے امتحان کے طور پر بھی ہوتی ہے، تو جو مخلص مسلمان ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ثابت قدم رکھتے ہیں، وہ صحیح راستہ پر قائم رہتے ہیں اور یہی بات اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے جزا کے حاصل ہونے کا سبب اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

﴿۲﴾ یہاں اور متعدد جگہ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے قرآن مجید حجت ہے، اسی طرح حدیث بھی مستقل طور پر حجت ہے۔

﴿۳﴾ بعض حضرات جو ایمان لا چکے تھے، چاہتے تھے کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئیں؛ لیکن بیوی بال بچے رکاوٹ بن جاتے، بعض صحابہ جب جہاد کے لئے جانا چاہتے تو ان کے بیوی بچے روکنے کی کوشش کرتے، اسی پس منظر میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ تمہارے بیوی بچے اس اعتبار سے تمہارے دشمن ہیں کہ وہ تمہارے لئے دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں؛ لیکن یہ رکاوٹ بننا اس لئے نہیں ہے کہ ان کو تم سے ذاتی دشمنی ہے؛ بلکہ ان کا عمل نتیجہ کے اعتبار سے تمہارے لئے نقصان دہ ہو جاتا ہے، اور نقصان پہنچانا دشمن کا کام ہے؛ اسی لئے تمہیں صرف یہ کرنا چاہئے کہ تم ہوشیار رہو اور ایسے مواقع پر ان کی باتوں میں نہ آؤ؛ لیکن چوں کہ ان کا یہ فعل اسلام کی مخالفت کی بناء پر نہیں ہے؛ بلکہ طبعی طور پر پیدا ہونے والے احساس جدائی کی وجہ سے ہے؛ ←

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ
نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٦ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝١٧ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١٨

ع ۲ ۸ ۱۶

تو جہاں تک ہو سکے، اللہ سے ڈرتے رہو، سنو اور مانو اور خرچ کیا کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا، اور جس شخص کو اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں، ۝١٦ اگر تم اللہ کو بہتر قرض دو گے (یعنی اخلاص کے ساتھ خرچ کرو گے) تو اللہ تمہارے لئے اس کو بڑھاتے چلے جائیں گے اور تم کو معاف بھی کردیں گے اور اللہ بڑے قدردان اور بردبار ہیں، ۝١٧ وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے ہیں، غالب ہیں اور حکمت والے ہیں۔ ۝١٨

← اس لئے ان کے ساتھ عفو و درگذر کا ہی معاملہ رکھو — یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فرمایا گیا کہ ’’ تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں‘‘ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ کچھ ہی لوگ ایسے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ سب کے سب لوگ ایسا مزاج رکھتے ہوں اور دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ بن جاتے ہوں۔

آگے ایک اُصولی بات فرمادی گئی کہ مال و اولاد اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمہارے لئے آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں، انسان اپنے لئے جو گناہ نہیں کرتا، وہ بال بچوں کے لئے کر گذرتا ہے، اپنے آپ حرام کمائی سے بچنا چاہتا ہے؛ لیکن بیوی بال بچوں کی وجہ سے کسبِ حرام کے گناہ میں پڑ جاتا ہے؛ اس لئے جب ان کی طرف سے اللہ کو ناراض کرنے والی بات آئے تو ان کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔

سُورَةُ الطَّلَاق

- سورہ نمبر : (٦٥)
- رکوع : (٢)
- آیتیں : (١٢)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں طلاق سے متعلق بہت سے احکام ذکر کئے گئے ہیں؛ بلکہ سورہ کا آغاز ہی طلاق کے مسئلہ سے ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا نام سورۂ طلاق ہے، یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

سورہ کے آغاز میں طلاق دینے کا طریقہ بتایا ہے کہ طلاق اس طرح دی جائے کہ طلاق شدہ عورت کے لئے عدت طویل نہ ہوجائے اور وہ تکلیف سے دوچار نہ ہو، رجعت کا حکم بتایا گیا ہے کہ عدت گذرنے سے پہلے رجعت کرنی چاہئے؛ بشرطیکہ نیک نیتی کے ساتھ رشتۂ نکاح کو باقی رکھنا چاہتا ہو اور اگر بیوی کو لوٹایا تو اس پر گواہ بھی بنانا چاہئے، پھر عورتوں کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے عدت بیان کی گئی ہے، عمر رسیدہ عورت کی عدت جن کے حیض کا سلسلہ بند ہوگیا ہے، نابالغہ کی عدت جن کو حیض آتا ہی نہ ہو اور حاملہ عورت کی عدت۔

پھر حالت عدت میں عورت کے جو حقوق ہیں ان کو واضح کیا گیا ہے کہ ان کے لئے عدت گذرنے تک رہائش کا انتظام اور نفقہ واجب ہے، نیز اگر عدت کے بعد وہی عورت بچے کو دودھ پلائے تو دودھ پلانے کی اُجرت بھی اس کے باپ پر واجب ہوگی —— سورہ کے اخیر میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، ان کی کیسی پکڑ ہوتی ہے اور ان کے مقابلہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر قائم رہتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کتنا عظیم اجر وثواب ہے؟

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ۝۱

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے پیغمبر! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت کے لحاظ سے طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، جو تمہارے پروردگار ہیں، نہ تم ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوائے اس کے کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے آپ ہی پر ظلم کیا، تمہیں نہیں معلوم کہ شاید اللہ طلاق کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں۔ ﴿۱﴾ ۝۱

﴿۱﴾ طلاق اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کو حلال رکھا گیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے: ''إن ابغض الحلال إلی اللہ تعالیٰ الطلاق'' (ابن ماجہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۱۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ طلاق نہ دیا کرو؛ کیوں کہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش ڈول جاتا ہے، (کشف الخفاء: ۱/ ۲۹) لیکن جب میاں بیوی کے درمیان محبت کا تعلق نفرت میں بدل جائے اور ازدواجی زندگی سکون کا ذریعہ بننے کی بجائے تناؤ کا سبب بن جائے تو ایسے موقع پر زندگی کے دو مسافر کے لئے ایک دوسرے سے الگ ہوجانا اور مستقبل کے لئے نیا راستہ تلاش کرنا بہتر ہوتا ہے؛ اس لئے ایک سماجی ضرورت کی حیثیت سے اسلام نے طلاق کی گنجائش رکھی ہے، دنیا کے دو بڑے مذاہب —— عیسائیت اور ہندو دھرم —— میں طلاق کی اجازت نہیں تھی؛ لیکن بالآخر انھیں اپنے مذہب کے دائرہ سے باہر نکلنا پڑا اور طلاق کی گنجائش پیدا کرنی پڑی؛ چنانچہ اس سورہ کا بڑا حصہ طلاق سے متعلق احکام وآداب پر مشتمل ہے۔

آیت نمبر: ۱ میں خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر آپ طلاق دیں تو عدت کی رعایت کرتے ہوئے دیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق رجعی دی تھی اور پھر رُجوع فرمالیا تھا، رہ گئی یہ بات کہ یہاں ''طَلَّقۡتُمُ'' (تم لوگ طلاق دو) کی تعبیر عربی گرامر کے لحاظ سے جمع یعنی دو سے زیادہ لوگوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے، تو اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سی دفعہ یہ تعبیر احترام کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے زیادہ تر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۱۴۸) —— رسول اللہ ﷺ کے طلاق دینے میں کوئی برائی نہیں ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اُمت کے لئے نمونہ ہیں؛ اس لئے جو باتیں اُمت کو پیش آسکتی تھیں اور وہ جائز ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ان کاموں کو کرایا ہے؛ تاکہ اُمت کے لئے اُسوہ ونمونہ باقی رہے —— بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس میں بظاہر تو رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے؛ لیکن اصل میں آپ کے واسطہ سے آپ کی اُمت سے خطاب کرنا مقصود ہے۔ ←

← اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار احکام دیئے ہیں: اول یہ کہ طلاق دیتے ہوئے عدت کا لحاظ رکھا جائے، عدت کا لحاظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق نہ دی جائے؛ کیوں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے سے عدت طویل ہوجائے گی؛ اس لئے کہ حیض اور اس کے بعد پاکی کا وقفہ گذارنا ہوگا اور پھر تین حیض گذارنے ہوں گے، گویا ایک حیض کا کچھ حصہ اور ایک مکمل پاکی کے زمانہ کا عدت میں اضافہ ہوجائے گا، دوسرے: جس پاکی کے دوران بیوی سے صحبت کرچکا ہو، اس میں طلاق نہیں دے؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ حمل ٹھہر جائے تو ولادت تک اسے عدت گذارنی ہوگی اور عدت لمبی ہوجائے گی؛ اس لئے ایسی پاکی کے وقفہ میں طلاق دی جائے، جس میں بیوی سے صحبت نہ کی ہو، اس صورت میں عدت طویل نہیں ہوگی۔

دوسرا حکم دیا گیا کہ عدت کا حساب رکھو، یعنی اس کا خیال رکھو کہ عدت کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوگی؟ یہ حکم عورت کے لئے تو ہے ہی؛ کیوں کہ عدت اسی کو گذارنی ہے؛ لیکن مردوں کی بھی ذمہ داری ہے؛ اسی لئے یہاں مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے؛ کیوں کہ اسی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شوہر کے لئے کب تک لوٹانے کی گنجائش ہے اور کب یہ گنجائش ختم ہوجائے گی؟ اور اسے کب تک عدت کے اخراجات دینے ہوں گے؟ وغیرہ۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ عدت کی حالت میں عورت کے لئے رہائش فراہم کرنا واجب ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ طلاق شدہ بیوی کو گھر سے نکال یا جائے؛ البتہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ عورت کی طرف سے کوئی زیادتی ہو اور وہ کوئی بے حیائی کا کام کرگذرے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس میں تمام گناہ شامل ہیں، زنا، چوری، بدزبانی وغیرہ، اگر ایسی صورت پیش آئے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس مکان کو چھوڑ دے؛ البتہ اس کی متبادل جگہ فراہم کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے؛ کیوں کہ عدت تک اس کی رہائش کا نظم سابق شوہر کے ذمہ ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ عدت گذارنے والی عورت کا خود بھی وہاں سے نکلنا جائز نہیں؛ البتہ اس سے ایسی صورت مستثنیٰ ہے جب کہ عورت کی جان و مال اور عزت وآبرو کو خطرہ ہو، (المبسوط للسرخسی، باب العدۃ: ۶/۳۴) لیکن فقہاء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ کیا اس بات کی اجازت ہے کہ عورت دن کو باہر نکلے اور رات اپنے لئے فراہم کردہ رہائشی جگہ پر گذارے؟ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلّقہ کے لئے تو اس کی گنجائش نہیں، وہ کسبِ معاش کے لئے بھی باہر نہیں نکل سکتی؛ کیوں کہ اس کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ ہے؛ البتہ اگر شوہر نفقہ ادا نہیں کرے تو فقہاء احناف کی بعض صراحتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں عورت کسبِ معاش کے لئے باہر نکل سکتی ہے، (ہندیہ، باب العدۃ: ۱/۵۵۹) اور اگر عدت وفات گذار رہی ہو تو چوں کہ اس صورت میں اس کا نفقہ شوہر کے ترکہ میں واجب نہیں؛ اس لئے دن میں وہ کسبِ معاش کی غرض سے باہر بھی نکل سکتی ہے، (المبسوط للسرخسی، باب العدۃ: ۶/۳۲) ہاں، اگر کوئی شخص اس کا نفقہ ادا کرنے پر تیار ہو تو پھر اس کو بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں، (البحر الرائق، باب العدۃ: ۴/۲۵۹) البتہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقہ عورت بھی دن کے وقت اپنی معاشی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۵۴) کیوں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق ہوگئی تھی انھوں نے کھجور توڑنے کے لئے باہر نکلنا چاہا تو ایک صاحب نے نکلنے سے منع کیا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور فرمایا: ←

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ
مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَمَنْ
يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ
حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

پھر جب وہ عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو ان کو بہتر طریقہ پر روک لو یا بہتر طریقہ پر چھوڑ دو، اور اپنے میں سے دو معتبر لوگوں کو گواہ بنالو اور اللہ کے واسطے ٹھیک گواہی دو، جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو اس کی نصیحت کی جاتی ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتے ہیں، ﴿۲﴾ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہ تھا اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے تو اس کے لئے اللہ ہی کافی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتے ہیں اور اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۳﴾

← اُمید ہے کہ تم اس سے صدقہ کروگی یا کوئی اور بھلا کام کروگی، (مسلم، کتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدۃ البائن، حدیث نمبر: ۱۴۸۳)
—— البتہ دن کا وقت ہو یا رات کا اور طلاق کی عدت ہو یا وفات کی، ہر صورت میں علاج کے لئے باہر نکلنے کی گنجائش ہے۔

اخیر میں فرمایا گیا کہ ''شاید اللہ طلاق کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں'' اس سے مراد یہ ہے کہ ابھی تو طلاق کا عزم کئے ہوئے ہو؛ لیکن ہوسکتا ہے کہ پھر دونوں کے دل جڑ جائیں اور طلاق پر قائم رہنے کے بجائے طلاق سے رُجوع کرلیں، ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوگا، جب کہ طلاق رجعی دی گئی ہو، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ اگر طلاق دینی ہی ہو تو طلاق رجعی دو، طلاق رجعی سے مراد ہے طلاق کے صریح لفظ سے بیوی کو ایک بار یا زیادہ سے زیادہ دو بار طلاق دینا۔ (ہندیہ: ۱/۳۵۴)

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲ میں دو احکام دیئے گئے ہیں: اول یہ کہ طلاق رجعی کے بعد عدت گذرنے سے پہلے پہلے تک ان کو غور کرنے کا موقع ہے، اگر سمجھ میں آئے کہ رشتہ کو باقی رکھنا چاہئے اور بہتر طریقہ پر زندگی گذارنے کا ارادہ ہو تو رُجوع کرلے، اور اگر رشتہ ختم ہی کرنے کا ارادہ ہو تو عدت گذر جانے دے؛ لیکن ختم کرے تو وہ بھی خوشگوار طریقہ پر، خوشگوار طریقہ پر رشتہ ختم کرنے میں تین باتیں شامل ہیں: ایک یہ کہ خواہ مخواہ ستانے اور تکلیف دینے کے لئے رُجوع نہ کرے، دوسرے: طلاق کی وجہ سے جو دوسرے حقوق عائد ہوتے ہیں، ان کو ادا کرے، یہ دونوں تو واجب ہیں، اور تیسرا عمل مستحب ہے کہ عورت کو رُخصتانہ دے کر رُخصت کردے، جس کو قرآن مجید میں 'متاع' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، (البقرۃ: ۲۴۱) دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اپنے میں سے دو معتبر افراد کو گواہ بھی بنالو، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس میں طلاق پر گواہ بنانے کا حکم ہے، بعض کے نزدیک طلاق اور رجعت دونوں پر، اور اکثروں کے نزدیک رجعت پر؛ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک گواہ بنانا واجب نہیں ہے، مستحب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے ←

وَالّٰٓـِٔىْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴿۴﴾

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض آنے سے نا اُمید ہو چکی ہوں تو اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور یہی ان عورتوں کی بھی عدت ہے، جن کو ابھی حیض آنے کی نوبت ہی نہیں آئی، اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کو ولادت ہو جائے اور جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے آسانی پیدا کردیں گے۔ ﴿۱﴾ ﴿۴﴾

← نزدیک رجعت پر گواہ بنانا واجب ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۱۵۸) — حقیقت یہ ہے کہ گواہی دینے کا تعلق رجعت سے ہے، اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رجعت نکاح کی طرح ہے اور نکاح میں گواہ بنانا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

آگے ایک حکم سماج کے لئے ہے کہ گواہوں کو ٹھیک ٹھیک گواہی دینی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ گواہی دینے کی نوبت آئے تو رشتہ داری کا خیال کرتے ہوئے غلط گواہی دے دی جائے، یا گواہی دینے سے انکار کر جائے، آیت نمبر: ۲ کے آخر اور آیت: ۳ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اہم بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جب رشتہ نکاح ختم ہوتا ہے تو عام طور پر لڑکی اور اس کے والدین وغیرہ بہت پریشان ہوتے ہیں کہ اب اس کے گذر بسر کا کیا نظم ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی ہدایت فرمائی: ایک یہ کہ وہ تقویٰ اختیار کریں؛ کیوں کہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے روزی کا انتظام کردیتے ہیں، جس کا گمان بھی نہ ہو، دوسرے: توکل اختیار کرنا چاہئے، یعنی اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے؛ کیوں کہ جب انسان اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ تقویٰ صرف آخرت ہی کی کامیابی کا ذریعہ نہیں ہے؛ بلکہ دنیا میں بھی رزق کا ذریعہ ہے؛ چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کی طرف یکسو ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں، جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا اور جس کی پوری توجہ دنیا ہی کی طرف ہوتی ہے، اس کو دنیا کے حوالہ کردیتے ہیں، (الدر المنثور: ۸/ ۱۹۸) اللہ کی طرف یکسو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رزق کے لئے کوشش تو کرتا ہے؛ لیکن اس کا یقین اور بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ اس آیت میں ان عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے جن کو حیض نہ آتا ہو، یہ تین قسم کی عورتیں ہیں: ایک وہ جو ابھی بالغ ہی نہ ہوئی ہوں، اس بناء پر ان کو حیض نہ آتا ہو، دوسرے: وہ جن کا حیض عمر کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بالکل ہی بند ہو گیا ہو، تیسرے: وہ جو حمل کی حالت میں ہوں، اس وجہ سے اسے حیض نہ آرہا ہو، تو پہلی دونوں قسم کی عورت کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کی عدت تین مہینے ہے اور تیسری صورت یعنی حاملہ کی عدت ولادت ہے، اور یہ جو فرمایا گیا کہ: اگر تم کو شبہ ہو: ''إن ارتبتم'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم کو معلوم نہ ہو کہ آئسہ اور نابالغہ کی عدت کیا ہے؟ اور اس وجہ سے تمہیں اس مسئلہ میں شبہ ہو رہا ہو تو سمجھ لو کہ ان کی عدت تین ماہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے ←

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾
اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ
اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ﴿۶﴾ لِيُنْفِقْ
ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾ ع ۱۷

یہ اللہ کا حکم ہے، جو اس نے تم لوگوں کی طرف اُتارا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا، اللہ اس سے اس کے گناہوں کو دُور کردیں گے اور اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے، ﴿۵﴾ طلاق دی ہوئی عورتوں کو جہاں تم رہتے ہو، وہیں اپنی گنجائش کے مطابق رہائش کی جگہ دو، ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ ہونے تک ان کا نفقہ ادا کرتے رہو، پھر اگر وہ عورتیں تمہاری خاطر (یعنی تمہارے بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اُجرت عطا کردو اور آپس میں مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم آپس میں ایک دوسرے کو تنگ کروگے تو پھر اس کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی، ﴿۶﴾ وسعت والے کو چاہئے کہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے، اور جس کی کم آمدنی ہو تو اللہ نے جو دیا ہے، اسی کے مطابق خرچ کرے، اللہ نے جس کو جتنا دے رکھا ہے، اس کو اس سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تنگدستی کے بعد آسانی پیدا فرمادیں گے۔ ﴿۱﴾ ﴿۷﴾

← اس کے معاملہ کو آسان کردیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے سنت کے مطابق طلاق دے گا، یعنی طلاق رجعی دے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے سہولت کا راستہ یعنی رجعت کی گنجائش پیدا کردیں گے اور ایسی صورت بن جائے گی کہ پھر سے دونوں کے تعلقات بہتر ہوجائیں۔

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۶، ۷ میں اللہ تعالیٰ نے سات احکام دیئے ہیں: اول یہ کہ طلاق دینے کے وقت وہ جس گھر میں رہتی تھی، اس کو وہاں سے باہر نکالا نہ جائے، وہیں اس کو عدت گذارنے کا موقع دیا جائے؛ کیوں کہ نئی جگہ میں جانے سے آدمی کو وحشت ہوتی ہے، اب اگر طلاق رجعی دی ہے تو پردہ کی ضرورت نہیں اور اگر طلاق بائن اور مغلظہ دی ہے تو ایک دوسرے سے پردہ کرنا ہوگا، دوسرا حکم یہ ہے کہ عدت میں رہائش کا انتظام مرد اپنی گنجائش کے لحاظ سے کرے گا، عورت کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کی صلاحیت سے بڑھ کر رہائش کی سہولت کا مطالبہ کرے، تیسرا حکم یہ ہے کہ عورت کو تنگ نہ کرے، تنگ کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، نفقہ میں کمی کرکے، رہنے کی جگہ کو تنگ کرکے، یا طعنہ و تشنیع کے ذریعہ، چوتھا حکم یہ ہے کہ عدت گذرنے تک صرف اس کی رہائش ہی کا نظم نہیں کرنا ہے؛ بلکہ اس کی ضروریات کا بھی نظم کرنا ہے، جس کو 'نفقہ' کہتے ہیں، یہ حکم ہر مطلّقہ عورت کے لئے ہے؛ لیکن حاملہ کا ذکر خاص ←

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا
عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾
رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾

بہت سی بستی والوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبر کے حکم کے مقابلہ سرکشی کی تو ہم نے ان سے سخت حساب لیا اور ان پر ایسا عذاب نازل کیا، جو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا، ﴿۸﴾ تو انھوں نے اپنی شامتِ اعمال کا مزہ چکھ لیا اور انجام کار اُن کو نقصان ہی ہوا، ﴿۹﴾ اللہ نے ان کے لئے بھی سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، تو اے عقل والو جو ایمان لاچکے ہو! اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ نے تمہارے پاس نصیحت کی کتاب (قرآن مجید) بھیج دی ہے، ﴿۱۰﴾ (اور) ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا ہے جو تم کو صاف صاف اللہ کے احکام پڑھ کر سناتے ہیں؛ تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، یقیناً اللہ نے ان کو بہترین روزی دے رکھی ہے۔ ﴿۱۱﴾

← طور پر غالباً اس لئے کیا گیا کہ اس کی عدت عموماً طویل ہوتی ہے تو کہیں اس کی وجہ سے شوہر نفقہ ادا کرنے سے کترائے، پانچواں حکم یہ ہے کہ اگر مطلقہ کو شیر خوار بچہ ہو اور وہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے تو شوہر دودھ پلانے کی اُجرت ادا کرے، ماں کی ممتا کا فائدہ اُٹھا کر مفت میں دودھ نہ پلوائے؛ البتہ یہ حکم طلاق کے ذیل میں دیا گیا ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شوہر نے طلاق دے دی ہو، تب وہ اس سے دودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے؛ لیکن اگر وہ اس کے نکاح میں ہو تو شوہر سے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت طلب نہیں کرسکتی؛ کیوں کہ یہ اس کا اخلاقی فریضہ ہے، (رد المحتار: ۳۴۸/۵-۳۴۷) پھر یہ بھی ہدایت کردی گئی کہ یہ اُجرت آپسی مشورہ سے طے ہونی چاہئے، چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان دودھ پلانے کے معاملہ پر اتفاق رائے نہ ہوسکے، شوہر اُجرت دینے کو تیار نہ ہو یا عورت اُجرت لے کر بھی دودھ پلانے کو تیار نہ ہو تو پھر مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی اور عورت سے دودھ پلوائے، یا کسی اور طریقہ سے دودھ کا انتظام کرے، ساتواں حکم یہ ہے کہ مرد پر جو اس کی بیوی کا یا بچہ کا نفقہ ادا کرنا واجب ہے، اس میں ایک طرف عورت اور بچہ کی رعایت ضروری ہے کہ نفقہ کم سے کم اتنا ہو کہ ان کی ضروریات پوری ہوجائیں، اور دوسری طرف خود اس مرد کی بھی رعایت ضروری ہے کہ وہ اپنی گنجائش کے معیار کا نفقہ ادا کرے، غرض کہ اس آیت میں بنیادی طور پر اولاد کے نفقہ کی بحث ہے؛ کہ نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے نہ کہ ماں پر۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

ع ۲ ۵ ۱۸

اللہ ہی کی ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو اور ان ہی کی طرح زمینوں کو پیدا کیا، ان کے درمیان حکم الٰہی اُترتا رہتا ہے؛ تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو اور ان ہی کی طرح زمینوں کو پیدا کیا، اس کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آسمان ہی کے پیدا کرنے کی طرح اللہ نے زمین بھی پیدا کی، یعنی مماثلت پیدا کرنے میں ہے نہ کہ تعداد میں، علامہ آلوسی ؒ نے اس کی ایک یہی تفسیر نقل کی ہے، (روح المعانی: ۲۸/ ۱۴۴) اور علماء ہند میں مولانا عبدالماجد دریابادی ؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے، (تفسیر ماجدی: ۷/ ۲۵۴) اور اگر تعداد میں مماثلت بتانی مقصود ہو کہ جیسے سات آسمان پیدا کئے، ویسے ہی سات زمینیں پیدا کی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے اندر ہی اندر سات تہیں ہیں؛ لیکن وہ ہیں ملی ہوئی، ان کے درمیان کوئی خلا نہیں، یہ رائے ضحاک کی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۱۷۵) یا یہ مطلب ہے کہ جس گیلا کسی میں زمین واقع ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے زمین کے مماثل چھ اور سیارے پیدا کئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان سیاروں میں بھی آکسیجن پانی وغیرہ فراہم ہو؛ لیکن انسان کی نگاہِ جستجو ابھی وہاں تک پہنچ نہیں پائی ہو —— رہ گیا حضرت عبداللہ عباس ؓ کا قول، جو بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ہر زمین میں آدم کی طرح آدم، نوح کی طرح نوح، اور رسول اللہ ﷺ کی طرح رسول ہیں، تو یہ روایت من گھڑت اور غیر معتبر ہے، علامہ ابوالحیان اندلسی ؒ کا بیان ہے: ''وھذا حدیث لا شک فی وضعه''۔ (البحر المحیط: ۸/ ۲۱۰)

یہ جو بات فرمائی گئی کہ آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام اُترتے رہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کر کے چھوڑ دیا ہے اور اپنے آپ یہ نظام چل رہا ہے؛ بلکہ مسلسل کائنات کی تمام چیزوں پر ان کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کے احکام جاری ہوتے رہتے ہیں اور وہ ان ہی احکام کے مطابق ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔

سُورَةُ التَّحْرِيم

- سورہ نمبر : (۶۶)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۱۲)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’تحریم‘ کے معنی حرام کرنے کے ہیں، سورہ کے شروع ہی میں رسول اللہ ﷺ کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ آپ کو حق نہیں ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام فرمادیں، گویا بنیادی اُصول بتادیا گیا ہے کہ جیسے کوئی انسان کسی حلال کو حرام نہیں کرسکتا ہے، اسی طرح وہ کسی حرام کو حلال نہیں کرسکتا، اس سورہ کے مضامین ہی سے واضح ہے کہ یہ آپ ﷺ پر مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ میں خاص طور پر اُمہات المومنین سے خطاب کیا گیا ہے کہ انھیں چاہئے کہ اگر آپ ﷺ نے کوئی بات رازدارانہ طور پر کہی ہو تو دوسری ازواج کے سامنے اس کو ظاہر نہ کریں، اسی ذیل میں نیک خاتون کی صفات بیان کی گئی ہے کہ وہ احکام الٰہی کے سامنے سر جھکا دینے والی، ایمان کی حامل، فرمانبردار، توبہ کرنے والی، عبادت گذار اور روزہ دار ہوا کرتی ہیں، مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے اہل وعیال کو بھی دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہئے اور اللہ کے سامنے توبہ واستغفار کو اپنا طریقہ بنانا چاہئے۔

سورہ کے اخیر میں دو قسم کی خواتین کی مثالیں دی گئی ہیں، کافر عورتوں کی اور اس حیثیت سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور مسلمان عورتوں کی اور اس حیثیت سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ‌ۚ تَبۡتَغِىۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱
قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَـكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ‌ۚ وَاللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝۲ وَاِذۡ اَسَرَّ
النَّبِىُّ اِلٰى بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ حَدِيۡثًا‌ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِهٖ وَاَظۡهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهٗ وَاَعۡرَضَ
عَنۡۢ بَعۡضٍ‌ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَكَ هٰذَا‌ؕ قَالَ نَبَّاَنِىَ الۡعَلِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ۝۳ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ
اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا‌ۚ وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ۚ وَالۡمَلٰۤٮِٕكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ۝۴ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ يُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَيۡرًا
مِّنۡكُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓٮِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓٮِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبۡكَارًا ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسی چیز کو کیوں حرام کئے دیتے ہیں، جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اور اللہ بڑے بخشنے والے اور بڑے ہی مہربان ہیں، ۝۱ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی پابندی سے نکلنے (کا طریقہ) مقرر کردیا ہے اور اللہ ہی تمہارے کارساز ہیں، اور وہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ۝۲ اور جب پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات چپکے سے فرمائی، پھر جب اُن بیوی نے اس کو ظاہر کردیا اور اللہ نے پیغمبر کو اس سے مطلع فرمادیا تو پیغمبر نے (ان بیوی کو) اس میں سے کچھ تو بتادیا اور کچھ کو ٹال گئے، پھر جب پیغمبر نے اس بیوی کو اس بات (یعنی راز ظاہر کرنے) کے بارے میں بتایا تو وہ دریافت کرنے لگیں: آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ پیغمبر نے فرمایا: مجھے اس ذات نے خبر دی ہے، جو سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے بڑھ کر باخبر ہے، ۝۳ (اے پیغمبر کی دونوں بیویو!) اگر تم نے اللہ کے سامنے توبہ کرلی (تو بہتر ہے)؛ کیوں کہ تمہارے دل کج ہوگئے ہیں، اور اگر پیغمبر کے مقابلہ (تکلیف پہنچانے کے لئے) ایک دوسرے کا تعاون کروگی تو (یاد رکھو کہ) یقیناً اللہ، جبرئیل اور نیک مسلمان پیغمبر کے حامی ہیں، نیز ان کے علاوہ اور فرشتے بھی مددگار ہیں، ۝۴ اگر پیغمبر تم لوگوں کو طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار جلد ہی ان کو تمہارے بدلے تم سے بہتر (بیویاں) عطا فرمادیں گے، جو مسلمان، صاحب ایمان، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں، کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔ ﴿۱﴾ ۝۵

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے یہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے، نیز آپ ﷺ میٹھی چیزیں پسند فرماتے تھے؛ اس لئے اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ اپنے پاس شہد رکھتی تھیں ←

← اور جب آپ ﷺ تشریف لاتے تھے تو آپ کو پیش کرتی تھیں، غالباً اس کی وجہ سے ان کے یہاں آپ ﷺ کے ٹھہرنے کا وقفہ کچھ زیادہ ہو جاتا تھا، جہاں محبت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کم توجہی کا شکوہ زیادہ ہوتا ہے؛ اس لئے بعض ازواج مطہرات کو یہ بات گراں گذرنے لگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی تدبیر کرنی چاہئے؛ چنانچہ یہ بات طے پائی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں سے نکل کر حضور ﷺ ہم میں سے جس کے پاس بھی تشریف لے جائیں، وہ کہے کہ آپ کے منھ سے 'مغافیر' کی بو آرہی ہے، کہیں آپ ﷺ نے مغافیر تو نہیں کھایا ہے؟ مغافیر 'عُرْ فُطِ' نامی درخت کے گوند کو کہتے تھے، جس سے بِساند آتی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے مغافیر تو نہیں کھایا ہے؛ لیکن زینب کے پاس شہد پیا ہے، آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں آئندہ نہیں پیوں گا؛ لیکن کسی کو اس کی خبر نہ دینا، (بخاری، عن عائشہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۴۹۶۶) بعض روایتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر ہے کہ ان سب نے اسی بات کو دہرایا؛ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۱۸۳-۱۸۴) صحیح واقعہ وہی ہے جو اوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے اور اسی واقعہ کے پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں؛ چنانچہ آیت نمبر: ۱ میں آپ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا ہے، آپ نے کیسے ان کو اپنے اوپر حرام کرلیا کہ اس کے نہ کھانے کی قسم کھالی؟ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کسی حرام کو حلال کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی حلال کو حرام کرنا بھی جائز نہیں، آج کل بعض مسلم حکومتیں ایسی چیزوں پر پابندی لگا رہی ہے، جو شرعاً جائز ہیں، جیسے مرد کا دوسرا نکاح یا نابالغ کا نکاح، اور کہتی ہیں کہ یہ سب صرف جائز ہی تو ہیں، حکومت کے لئے گنجائش ہے کہ وہ ان میں سے ایک پہلو کو نافذ کر دے؛ لیکن یہ غلط ہے، جن اُمور کا جائز ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہو، ان میں کسی ایک پہلو کو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ تحریمِ حلال ہے؛ البتہ انتظامی قوانین، جن کے بارے میں نص موجود نہ ہو، ان میں ایک پہلو کو مصلحتاً لازم کیا جاسکتا ہے، جیسے قانون بنا دیا جائے کہ ہر شخص کو سڑک پر دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے چلنا ہوگا؛ البتہ اگر کوئی شخص کسی جائز کام کو نہ کرنے کی قسم کھائے —— اور یہاں یہی مراد ہے —— تو یہ اصل میں قسم ہے نہ کہ تحریم حلال، اور اگر آدمی طبعی ناپسندیدگی کی بنیاد پر اس طرح کی قسم کھالے تو یہ جائز ہے؛ اس لئے حضور ﷺ کا یہ عمل جائز تھا؛ البتہ آپ کی شان کے اعتبار سے یہ خلافِ اولیٰ عمل تھا؛ اس لئے آپ کو اور آپ کے واسطہ سے اُمت کو تنبیہ کی گئی ہے —— بہر حال جس چیز کا حلال ہونا معتبر دلیل سے ثابت ہو، اس کو اگر کوئی شخص حرام قرار دیدے اور اس کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھے تو یہ کفر ہے۔

آیت نمبر: ۲ میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ بتا دیا ہے، یعنی قسم کا کفارہ بیان کیا جاچکا ہے، (المائدہ: ۸۹) اب سوال یہ ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا یا نہیں؟ تو صحیح یہ ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے کفارہ ادا نہیں کیا؛ کیوں کہ آپ ﷺ تو پہلے سے بخشے بخشائے اور مغفور ہیں؛ اس لئے آپ ﷺ کو کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں تھی، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۱۸۵) لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی؛ اس لئے کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا میں آپ وہی عمل کیا کرتے تھے، جو اُمت کے لئے نمونہ بن سکے۔

آیت نمبر: ۳ میں اس کا تذکرہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے خواہش کی کہ اس کا کہیں ذکر نہ کرنا کہ اگر یہ خبر مشہور ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوئی تو ان کو تکلیف ہوگی؛ لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ←

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا
مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧ ع ۱/۱۹

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر سخت مزاج اور زبردست فرشتے متعین ہیں، اللہ ان کو جو کچھ حکم فرماتے ہیں، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے، اسی کو بجالاتے ہیں، ﴿۱﴾ ۝٦ (اس دن ان سے کہا جائے گا) اے ایمان نہ لانے والو! آج بہانے مت بناؤ، تم کو صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جارہی ہے، جو تم کیا کرتے تھے۔ ۝٧

← اس کا تذکرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کردیا، گویا پہلے تو ایسی تدبیر اختیار کی کہ حضور ﷺ شہد کے کھانے سے رُک جائیں اور پھر آپ نے جس بات کو راز رکھنے کا حکم دیا، اس عہد کو بھی پورا نہیں کیا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ سے مطلع فرمادیا، اب اگر آپ یہ ساری باتیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بتاتے کہ تم لوگوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں شہد پینے سے روکنے کی کیا تدبیر کی اور پھر تم نے اس راز کو کس کے پاس فاش کردیا؟ تو ان کو اور ندامت ہوتی؛ اس لئے تنبیہ کی غرض سے وعدہ خلافی کا ذکر فرمایا اور دوسری باتوں کو ٹال دیا، اس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حیرت ہوئی اور انھوں نے سمجھا کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بتادیا ہے؛ لیکن آپ ﷺ نے بتادیا کہ مجھے یہ اطلاع خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے؛ تاکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بدگمانی نہ ہو۔

چوتھی اور پانچویں آیتوں میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم کو اپنی اس غلطی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرنی چاہئے، پیغمبر کی تکلیف کا سبب نہیں بننا چاہئے اور یہ بھی خیال نہ کرنا چاہئے کہ آپ ﷺ کو تمہاری جیسی بیویاں نہیں ملیں گی؛ بلکہ اللہ تم سے کہیں بہتر بیویاں عطا کردیں گے۔

اس طرح کے واقعات کی وجہ سے ازواج مطہرات کی طرف سے دل میں کوئی کھوٹ نہیں پیدا ہونی چاہئے، سوکنوں کے درمیان چشمک ایک فطری چیز ہے اور شوہر جتنا محبوب ہو، یہ جذبہ بھی اسی قدر بڑھ جاتا ہے، تو ان کا یہ عمل حضور ﷺ سے محبت کی بنا پر تھا اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ ایسے واقعات آپ کی زندگی میں پیش آئیں؛ تاکہ اُمت کے لئے نمونہ بن جائے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان کا صرف خود اچھا عمل کرنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کی اچھی تربیت کرے؛ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو بھی دوزخ سے بچانے کی تدبیر کرے اور اپنے متعلقین کو بھی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کا ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس کی سرزنش کرو، (ابوداود، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۹۴) آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں بنیادی بات فرمائی کہ تم میں سے ہر شخص اپنے زیر اثر لوگوں کے بارے میں جواب دہ ہے: ''كلكم مسئول عن رعيته''۔ (بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۴۹۰۴)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ
سَيِّاٰتِكُمۡ وَيُدۡخِلَكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ يَوۡمَ لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ
وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا
نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿٨﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ
وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوا
امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّامۡرَاَتَ لُوۡطٍ ؕ كَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَيۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَيۡنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمۡ
يُغۡنِيَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا وَّقِيۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيۡنَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ
اٰمَنُوا امۡرَاَتَ فِرۡعَوۡنَ ۘ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِىۡ عِنۡدَكَ بَيۡتًا فِى الۡجَنَّةِ وَنَجِّنِىۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وقف لازم
وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ ﴿١١﴾

اے مسلمانو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو، ﴿١﴾ اُمید ہے کہ تمہارے پروردگار تم سے تمہارے گناہوں کو دُور کردیں گے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کردیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس دن اللہ پیغمبر اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں فرمائیں گے، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرمادیجئے اور ہم کو بخش دیجئے، یقیناً آپ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿٨﴾ اے پیغمبر! آپ ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے، ﴿٢﴾ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے، ﴿٩﴾ اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں کے لئے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان فرماتے ہیں، یہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر ان دونوں بیویوں نے ان دونوں کے ساتھ خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلہ ان کے کچھ کام نہ آسکے اور حکم دیا گیا کہ تم دونوں بھی (دوزخ میں) داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوجاؤ، ﴿١٠﴾ اور اللہ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرماتے ہیں، جب اس نے کہا: اے میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنادیجئے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل سے محفوظ رکھئے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا کیجئے۔ ﴿١١﴾

﴿١﴾ اللہ تعالیٰ نے یہاں ’ توبۃ النصوح ‘ کا حکم دیا ہے، توبۃ النصوح سے مراد ہے ایسی توبہ جس میں گناہ پر ندامت وشرمندگی اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا عزم مصمم ہو۔

﴿٢﴾ جو جس کام کا محل ہے، اس وقت وہی عمل ہونا چاہئے، اسی لئے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کہا کہ سختی اور نرمی اپنی اپنی جگہ پر بہتر ہے، صلح وامن کے ماحول میں تو نرمی اور عفو ودرگذر کا رویہ ہونا چاہئے؛ لیکن جب میدان جنگ ہو تو وہاں سختی ہونی چاہئے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ

رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲ / ۵ / ۲۰

اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کرتے ہیں جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس میں اپنی (طرف سے) ایک روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے احکام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی رہی اور وہ فرمانبردار بندوں میں سے تھی۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۰ تا ۱۲ میں دو ایسی عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو پیغمبر کے نکاح میں ہونے کے باوجود دوزخ میں جائیں گی، اور دو ایسی خواتین کا ذکر کیا گیا یعنی فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور نیز حضرت مریم علیہا السلام کا، جو خواتین عالم میں سے منتخب خواتین تھیں، یہ گویا اُمہات المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تنبیہ ہے کہ پیغمبر کی بیوی ہونے پر مطمئن نہ ہو جاؤ، جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو اللہ کے رسولوں سے ازدواجی رشتہ کام نہیں آیا تو ایسا نہ ہو کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچا کر اللہ کی پکڑ میں آجاؤ، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام 'والہہ' اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام 'واقعہ' تھا، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۲۱۹) —— حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام دنیا کی خواتین میں سے چار کو سب سے اونچا درجہ حاصل ہوگا: حضرت مریم علیہا السلام، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا، (ترمذی، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۸۷۸) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مضمون کی ایک روایت ہے، جس میں آپ ﷺ نے چار عورتوں کو اہل جنت کی سب سے افضل عورت قرار دیا ہے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۹۰۳)

سُورَةُ المُلْك

- سورہ نمبر : (٦٧)
- رکوع : (٢)
- آیتیں : (٣٠)
- نوعیت : مکی

ملک کے معنی حکومت وسلطنت کے ہیں، پہلی ہی آیت میں یہ مضمون آیا ہے کہ پوری کائنات کی بادشاہت (ملک) اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ملک ہے، یہ سورہ مکہ مکرمہ میں اُتاری گئی ہے؛ چنانچہ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی زیادہ تر ایمانیات کا ذکر فرمایا گیا ہے، خاص طور پر قیامت کا منظر اور آخرت کی جزا وسزا کا نظام پیش کیا گیا ہے اور اس کے لئے کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اپنے پڑھنے والے کے لئے شفاعت کرے گی، یہاں تک کہ اس کی مغفرت کرا کر چھوڑے گی، (ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۲۸۹۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے نجات دلائے گی، (حوالۂ سابق، حدیث نمبر: ۲۸۹۰) خود رسول اللہ ﷺ کا معمولِ مبارک تھا کہ سفر ہو یا حضر، کسی شب آپ دونوں سورتوں کی تلاوت کا ناغہ نہیں فرماتے تھے، (حوالۂ سابق، عن جابرؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۲) اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ یہ سورہ میری اُمت کے ہر فرد کو یاد ہو۔

(معجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۱۶۱۶)

○ ○ ○

الجزء ۲۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

تَبٰرَكَ الَّذِىۡ بِيَدِهِ الۡمُلۡكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرُ ۝١ الَّذِىۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ
لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۝٢ الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ
مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝٣ ثُمَّ ارۡجِعِ
الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ ۝٤ وَلَقَدۡ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا
بِمَصَابِيۡحَ وَجَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّيٰطِيۡنِ وَاَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابَ السَّعِيۡرِ ۝٥

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ۝١ جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا؛ تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے؟ اور وہ غالب اور خوب بخشنے والا ہے، ﴿۱﴾ ۝٢ جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان پیدا کئے، تو (اے دیکھنے والے!) تم خدائے مہربان کی تخلیق میں کوئی خلل دیکھتے ہو؟ ﴿۲﴾ پھر نظر اُٹھا کر دیکھو کہ کہیں تم کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ ۝٣ پھر بار بار نظر ڈالو، تب بھی نظر تمہاری طرف ناکام اور تھک کر ہی واپس ہوگی، ۝٤ اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے سجادیا ہے ﴿۳﴾ اور ان کو شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ بھی بنایا ہے، ﴿۴﴾ نیز ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۝٥

﴿۱﴾ یعنی زندگی اور موت دینا کسی دیوی دیوتا وغیرہ کے ہاتھ میں نہیں؛ بلکہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کیا جانا اور پھر دنیا سے اُٹھالینا بے مقصد نہیں ہے؛ بلکہ اس لئے ہے کہ انسان کا امتحان ہو کہ وہ زندگی کو بہتر اعمال میں گذارتا ہے یا برے کاموں میں؟

﴿۲﴾ تفاوت کے معنی تناقض وتباین یعنی ٹکراؤ سے کیا گیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۲۰۸) یعنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی بے ربطی نہیں ہے، ساری چیزیں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ پوری طرح ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

﴿۳﴾ آسمان دنیا سے مراد وہ فضا ہے، جس میں ہم تاروں کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جہاں دن میں سورج کے ذریعہ ہمیں روشنی حاصل ہوتی ہے، وہیں اندھیری رات میں تاروں کی کہکشاں ایک ایسا منظر پیش کرتی ہے کہ آنکھیں انھیں دیکھ کر لطف اندوز ہوتی ہیں، اگر یہ تارے نہ ہوں تو رات کی گھٹا گھور تاریکی بڑی خوفناک نظر آئے گی۔

﴿۴﴾ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا خیال تھا کہ کاہنوں کے پاس ایسے شیاطین ہیں جو عالم غیب تک پہنچ جاتے ہیں، اور وہاں سے صحیح خبریں معلوم کر کے آجاتے ہیں، اس آیت نے واضح کردیا کہ شیطان جانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں؛ لیکن وہ پہنچ نہیں پاتے؛ ←

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا
شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝٧ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖۚ اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١٠
فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١١ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝١٢

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا، ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے، ۝٦ جب یہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیخنا چلانا سنیں گے ﴿۱﴾ اور وہ اس طرح جوش مار رہی ہوگی، ۝٧ کہ گویا مارے غصے کے پھٹ پڑے گی، جب جب کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کے داروغے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ ۝٨ وہ کہیں گے: ہاں، ڈرانے والا تو ہمارے پاس ضرور آیا تھا، (مگر) ہم نے جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نہیں اُتاری ہے، تم لوگ حد درجہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہو، ۝٩ اور یہ بھی کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھ داری سے کام لیتے تو دوزخیوں میں سے نہیں ہوتے، ۝١٠ غرض کہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرلیں گے، تو لعنت ہے دوزخ والوں پر! ۝١١ یقیناً جو لوگ بغیر دیکھے ہوئے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ﴿۲﴾ ۝١٢

← اس لئے ان کی دی ہوئی خبریں جھوٹ اور اٹکل پر مبنی ہوتی ہیں 'شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ ہونے' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ستارے ہی شیطانوں پر پھینک دیئے جاتے ہیں؛ بلکہ ان ستاروں میں وقتاً فوقتاً انفجار پیدا ہوتا رہتا ہے، جس سے شہاب ثاقب نکل کر فضا میں آجاتے ہیں اور یہی شیطان کو بھگانے کا ذریعہ اور وہاں تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتے ہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ''فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ''۔ (صافات: ۱۰)

﴿۱﴾ یعنی یا تو یہ آواز خود دوزخ کی ہوگی، انسان کو تو بجلی کی کڑک گھبرا دیتی ہے تو دوزخ کی آواز کا کیا حال ہوگا؟ بعض حضرات کے نزدیک یہ دوزخ میں ڈالے جانے والوں کی آواز ہوگی، ''شھیق'' کے اصل معنی خچر کی آواز کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس وقت دوزخیوں کی چیخ پکار گدھوں اور خچروں کی آواز کی سی ہوگی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۲۱۲)

﴿۲﴾ ایک تو سماج کے، حکومت اور قانون کے، پولیس اور فوج کے اور خاندان اور رشتہ داروں کے خوف کی وجہ سے کسی گناہ سے بچنا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر نہیں ہے، مغفرت اور اجر اس وقت ہے، جب وہ اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے؛ حالاں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے، یہ گناہ سے بچنے کا ایسا محرک ہے، جو دن کی روشنی کی طرح رات کی تاریکی اور بازار کے اژدہام کی طرح کمرے کی تنہائی میں بھی انسان کو گناہ سے بچاتا ہے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ
ع ۱۴ ۱ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ
رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ
تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾

تم اپنی بات آہستہ کہو یا زور سے، یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کے راز سے بھی خوب واقف ہیں، ﴿۱۳﴾ بھلا جس (خدا) نے پیدا کیا ہے، وہ ناواقف ہوگا؟ حالاں کہ وہ بہت ہی باریک بیں اور پوری طرح باخبر ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم بنایا؛ تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو، اور اس کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ، ﴿۲﴾ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہوکر جانا ہے، ﴿۱۵﴾ کیا تم اس ذات سے مطمئن ہوگئے جو آسمان میں ہے کہ تم کو زمین میں دھنسا دے، پھر یکایک زمین لرزنے لگے؟ ﴿۳﴾ ﴿۱۶﴾ یا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے کہ جو آسمان پر ہے، وہ تمہارے اوپر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ تو عنقریب تم کو معلوم ہوجائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو کچھ کہتے اور منصوبہ بناتے تھے، وحی کے ذریعہ آپ کو اطلاع کردی جاتی تھی؛ اس لئے وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: تم لوگ آہستہ بات کرو، کہیں محمد ﷺ کا رب سن کر اس کو بتا نہ دے؟ ان کے اس احمقانہ خیال کی تردید ہے کہ تم خالق کو مخلوق پر قیاس کرتے ہو، وہ تو ان باتوں سے بھی واقف ہے، جو تمہاری زبان پر ابھی تک نہیں آئی ہے اور تم نے ان کو دلوں میں چھپا رکھا ہے، جو خالق ہے، وہ کیسے ناواقف ہوگا؟ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۱۴) —— آیت نمبر: ۱۴ کے ابتدائی فقرہ کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے جن کو پیدا کیا ہے، کیا ان ہی سے ناواقف ہوگا؟ (حوالۂ سابق)

﴿۲﴾ یعنی زمین کو پتھر اور لوہے کی طرح سخت نہیں بنایا؛ بلکہ زمین نرم بنائی گئی ہے، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم اس میں راستہ بناتے ہو، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے پودے نکلتے ہیں اور تم انھیں کھاتے ہو۔

﴿۳﴾ ''جو آسمان میں ہے'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ تو کسی مقام اور جگہ میں محدود نہیں ہیں؛ لیکن آسمان میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے نافذ ہونے کی ذمہ داریاں فرشتوں سے متعلق رکھی ہیں اور فرشتے اسے آسمان سے نافذ کرتے ہیں، گویا آسمان کی حیثیت اس کائنات کے دار الحکومت کی سی ہے، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو ایک باندی کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا: اللہ کہاں ہیں؟ اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے نبی ہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اس باندی کو مسلمان شمار کرتے ہوئے آزاد کرنے کی اجازت دے دی۔
(مسلم عن معاویہ بن حکم سلمی، حدیث نمبر: ۱۱۹۹)

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ
وَّيَقْبِضْنَ ؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ وقف لازم
لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ
يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ
اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں تو کیسا ہوا میرا عذاب؟ ﴿۱۸﴾ کیا انھوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف
نہیں دیکھا، جو (کبھی) اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور (کبھی) سکیڑ لیتے ہیں، ان کو خدائے رحمان کے سوا کوئی
تھامے ہوا نہیں ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں، «۱» ﴿۱۹﴾ خدائے رحمٰن کے سوا تمہارا کونسا لشکر ہے جو تمہاری مدد
کرے؟ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ﴿۲۰﴾ اگر اللہ تعالیٰ تم سے اپنی روزی روک لیں تو کون ہے جو تم کو
روزی مہیا کر سکے؟ مگر یہ تو سرکشی اور نفرت پر ہی اڑے ہوئے ہیں، ﴿۲۱﴾ بھلا جو شخص اپنے منھ کے بل اوندھا ہو کر
چلے، وہ سیدھے راستے پر ہے یا وہ شخص جو سیدھے راستہ پر ٹھیک طریقہ سے چلے؟ «۲» ﴿۲۲﴾ آپ فرما دیجئے: وہی ہے
جس نے تم کو پیدا کیا ہے، تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے ہیں: (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو، «۳» ﴿۲۳﴾
آپ فرما دیجئے: وہی خدا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا دیا، پھر اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے ﴿۲۴﴾ اور ایمان
نہ لانے والے کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) کہ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۲۵﴾

«۱» یعنی بظاہر فضا میں کوئی وزنی چیز ٹھہر نہیں پاتی؛ لیکن جیسے اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے، اسی طرح فضا کو پرندوں کے لئے؛ کہ وہ نہ صرف اس میں اُڑ سکتے ہیں؛ بلکہ اپنے پَر سکیڑ کر ٹھہر بھی سکتے ہیں۔

«۲» یعنی کافر کی مثال ایسے شخص کی ہے، جو جانور کی طرح سر اوندھا کئے چل رہا ہو، نہ آگے دیکھتا ہو نہ دائیں نہ بائیں، اور مومن کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سر اُٹھا کر چلے، راستہ بھی سیدھا ہو اور راستہ کے نشیب و فراز بھی اس کے سامنے ہوں۔

«۳» یعنی کان بنائے جس سے تم اللہ کی باتوں کو سن سکتے تھے، آنکھیں بنائیں، جن سے تم اللہ کی نشانیوں کو دیکھ سکتے ہو اور دل بنائے جس سے تم سمجھ سکتے ہو؛ لیکن تمہاری ناشکری یہ ہے کہ تم ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے استعمال نہیں کرتے، جب کہ یہ علم و معرفت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ
رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ
فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ
يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

آپ کہہ دیجئے: اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف طور پر خبر دار کر دینے والا ہوں، ﴿۲٦﴾ آخر کار جب وہ اس وعدہ کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے تو جو ایمان نہیں لائے، ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: یہی وہ چیز ہے جس کا تم مطالبہ کیا کرتے تھے، ﴿۲۷﴾ آپ فرما دیجئے: تم یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ (تمہاری خواہش کے مطابق) مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دیں یا (ہمارے یقین کے مطابق) ہم پر رحم فرمائیں، تو کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچالے؟ (اس لئے تمہیں تو اپنی فکر کرنی چاہئے) ﴿۱﴾ ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے: وہ بڑا مہربان ہے، ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسہ کیا، تو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ﴿۲۹﴾ کہہ دیجئے: بھلا دیکھو تو سہی، اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو کون تمہارے لئے چشمے کا بہتا ہوا پانی لے آئے گا؟ ﴿۲﴾ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دینی شروع کی تو اہل مکہ نے جہاں اور طریقوں سے آپ ﷺ کو تکلیفیں پہنچائیں، وہیں وہ آپ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ کو کوستے بھی تھے اور اپنے عقیدہ کے مطابق بددُعا بھی کرتے تھے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا گیا کہ اگر فرض کرو کہ ہمیں ہلاک بھی کر دیا جائے تو کیا اس کی وجہ سے تم اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ گے؟

﴿۲﴾ انسان کو کائنات میں جو چیزیں دی گئی ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جن میں ظاہری طور پر انسان کی کوششوں کو دخل ہے، وہ سیمنٹ، لوہے، گارے کی مدد سے اپنا مکان بناتا ہے، میاں بیوی کے تعلق سے بچے کی پیدائش ہوتی ہے، زمین میں بیج ڈالتا ہے، جس سے درخت اور پودے نکلتے ہیں؛ لیکن زمین سے پانی کے نکلنے میں یا آسمان سے پانی کے برسنے میں انسان کی محنت و کوشش کا کوئی دخل نہیں؛ حالاں کہ ہوا کے بعد پانی ہی اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے، یہ صرف اور صرف اللہ کی قدرت اور مہربانی سے حاصل ہوتا ہے۔

سُورَةُ الْقَلَم

- سورہ نمبر : (۶۸)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۵۲)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کے شروع میں قلم کی قسم کھائی گئی ہے، اسی لئے اس کا نام سورۂ قلم ہے؛ چوں کہ شروع میں حروف مقطعات میں سے نون کا حرف بھی آیا ہے، اس لئے اس کو سورۂ ''ن'' بھی کہا جاتا ہے۔

اس سورہ میں حضور ﷺ کی نبوت پر اہل مکہ کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے، آپ کی بلند اخلاقی کی خود اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے، بعض سردارانِ مکہ جو آپ کی مخالفت میں آگے آگے رہا کرتے تھے، ان کی دس بد اخلاقیوں کا ذکر آیا ہے، یمن میں ایک باغ والوں کا واقعہ بطور عبرت ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ان کی ناشکری کی وجہ سے ان کا سرسبز اور لہلہاتا ہوا باغ ویرانہ میں تبدیل ہوگیا؟ رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور دلداری کے لئے حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَۙ۝۱ مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍۚ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍۚ۝۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ نٓ (نون)، قلم کی اور ان چیزوں کی قسم ہے جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں! ﴿۱﴾ ۝۱ آپ اپنے پروردگار کے کرم سے دیوانے نہیں ہیں، ۝۲ اور آپ کے لئے بے انتہا اجر ہے۔ ۝۳

﴿۱﴾ ''نٓ'' حروف مقطعات میں سے ہے، جس کی مراد سے اللہ ہی واقف ہیں؛ لیکن نون کے معنی دوات کے بھی ہیں، بعض عرب شعراء نے اس کو دوات کے معنی میں استعمال کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی معنی منقول ہے، (مفاتیح الغیب: ۱۵/۶۴۳) اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے دوات اور قلم کی قسم کھائی ہے —— دوسرا لفظ اس میں قلم کا ہے، قلم وہ آلہ ہے جس سے کوئی چیز لکھی جائے، اور یہ آلہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے بدل سکتا ہے، جیسے کسی زمانہ میں لکڑی کا پین استعمال ہوتا تھا، پھر ہولڈر پین استعمال ہونے لگا، جس کو دوات میں ڈبو کر روشنائی لگائی جاتی تھی، پھر فاؤنٹن پین آیا، جس میں الگ سے روشنائی لینی نہیں پڑتی تھی؛ بلکہ اس کے اندر ڈال دی جاتی تھی، پھر اس کی اور زیادہ ترقی یافتہ قسم کے پین سامنے آئے، اور اِس دور کا سب سے بڑا قلم کمپیوٹر ہے، جس کے ذریعہ یہ بات ممکن ہوگئی ہے کہ کوئی چیز ہندوستان میں لکھی جائے اور وہ مثلاً امریکہ میں پڑھی جائے، قلم جس قِسم کا بھی ہو، اِس قِسم میں شامل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ یہ علم کو محفوظ کرنے کا اور دُور دُور تک پہنچانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، اس تشریح کے مطابق یہاں قلم میں ہر طرح کا قلم شامل ہے —— دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس میں قلم سے وہ قلم مراد ہے جس سے کائنات کی تقدیر لکھی گئی ہے؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اللہ کے حکم سے قلم نے ان تمام واقعات کو لکھ دیا، جو اس کائنات میں شروع سے آخر تک پیش آنے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۲۳)

اس آیت میں تیسرا لفظ ہے ''وما یسطرون'' (جو وہ لکھتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ فرشتے جو کچھ لکھتے ہیں، خاص کر انسانوں کے اعمال، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی قسم کھائی ہے؛ کیوں کہ نامۂ اعمال ہی پر انسان کی آخرت موقوف ہے، اس سے اس کی اہمیت ظاہر ہے، ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے صرف فرشتے ہی مراد نہیں ہیں؛ بلکہ ہر لکھنے والا اس میں شامل ہے: ''ویراد بہ کل مایسطر'' (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۲۵) ایسی شکل میں مطلب یہ ہوا کہ لکھنے والے جو کچھ لکھتے رہے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے، ان سب کی قسم کھائی گئی ہے، ایسی صورت میں علم و تحقیق کا پورا دفتر اس میں شامل ہوگیا؛ کیوں کہ ایجاد واختراع میں قلم کا بنیادی رول رہا ہے؛ البتہ قلم کی نوعیت بدلتی رہی ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ
تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۱۴

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے حامل ہیں، ﴿۱﴾ ۝۴ تو اب جلد ہی آپ بھی دیکھ لیں گے
اور یہ لوگ بھی، ۝۵ کہ تم میں سے کون دماغی خلل میں مبتلا ہے؟ ﴿۲﴾ ۝۶ یقیناً آپ کے رب اس شخص سے خوب واقف
ہیں، جو اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور وہ درست راستے پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتے ہیں، ۝۷ تو آپ
جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیے، ۝۸ وہ چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں، ﴿۳﴾ ۝۹ اور نہ
کسی ایسے شخص کی بات مانیے جو بہت قسمیں کھاتا ہے، ذلیل ہے، ۝۱۰ طعنے دیتا ہے، چغلیاں کرتا پھرتا ہے، ۝۱۱
اچھے کام سے روکتا ہے، حد سے گزر جانے والا اور بڑا ہی گنہگار ہے، ۝۱۲ بد اخلاق ہے اور اس کے علاوہ بد ذات بھی
ہے، ۝۱۳ (اس کی یہ کیفیت) اس وجہ سے ہے کہ وہ مال و اولاد والا ہے۔ ۝۱۴

﴿۱﴾ خالق سے بڑھ کر مخلوق کے مقام و مرتبہ اور اخلاق و کردار سے کون واقف ہوگا؟ اور خود خالق تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں کہ آپ اخلاق کے اعلیٰ معیار پر ہیں۔

﴿۲﴾ یعنی جب دنیا کا پردہ ہٹ جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی تو اس وقت تم کو پتہ چل جائے گا کہ اصل پاگل کون لوگ تھے، پاگل تو وہی ہے جس کو نفع و نقصان کی تمیز نہ ہو، تو اس پاگل پن میں تو دراصل وہ لوگ مبتلا ہیں، جو ایمان نہیں لائے۔

﴿۳﴾ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے دین سے تھوڑا سا ہٹ جائیں اور کفر و شرک کی کچھ باتوں کو قبول کر لیں تو وہ بھی آپ کی مخالفت ترک کر دیں گے؛ چنانچہ مشرکین حضور سے مطالبہ کیا کرتے تھے کہ ہم لوگ مدت کی تقسیم کر لیں، کچھ دن ہم آپ کے خدا کی عبادت کر لیں اور کچھ دن آپ ہمارے خدا کی عبادت کر لیں، قرآن نے صاف کہہ دیا کہ آپ کو ایسے لوگوں کی بات ماننی نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے تو ایسی باتوں کے ماننے کا سوال ہی نہیں تھا؛ لیکن دراصل آپ کے واسطہ سے اُمت کو خطاب کرنا مقصود ہے کہ جیسے روشنی اور تاریکی اور دن اور رات اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جیسے ایک چیز ایک ہی وقت میں سفید اور سیاہ نہیں ہو سکتی، اسی طرح کفر و ایمان کا اجتماع نہیں ہو سکتا، اس میں ان لوگوں کے لئے خاص طور پر تنبیہ ہے، جو رواداری کے نام پر مشرکانہ افعال اور مذاہبِ کفر کے شعائر تک کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، رواداری کا مطلب اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کی دل آزاری سے بچنا ہے، نہ کہ خود اپنی ڈگر سے ہٹ جانا —— آج کل کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ تمام مذاہب ایک ہی ہیں، صرف راستے جدا ہیں، قرآن کے اس بیان سے اِس کی بھی تردید ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ راستے الگ الگ ہیں، ایک راستہ جنت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسرا راستہ دوزخ کی طرف۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٥ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٦ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا
بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝١٧ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝١٨ فَطَافَ
عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝١٩ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝٢٠ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝٢١
اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝٢٢ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝٢٣ اَنْ لَّا
يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝٢٤

جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں، ۝١٥ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگادیں گے، ﴿١﴾ ۝١٦ ہم ان لوگوں کو اسی طرح آزما رہے ہیں، جیسے باغ والوں کو آزمایا تھا، جب انھوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور صبح ہوتے ہی باغ کا پھل توڑلیں گے، ۝١٧ اور انھوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا، ۝١٨ پھر اس پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک آفت پھر گئی اور وہ سوئے ہی رہے، ۝١٩ چنانچہ صبح کو وہ باغ ایسا ہوگیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی، ۝٢٠ پھر صبح صبح وہ ایک دوسرے کو آواز دینے لگے، ۝٢١ کہ اگر تم کو پھل توڑنا ہے تو سویرے ہی اپنے کھیت پر چلو، ۝٢٢ چنانچہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے، ۝٢٣ کہ آج تمہارے پاس باغ کے اندر کوئی فقیر نہ آنے پائے۔ ۝٢٤

﴿١﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کا ذکر کیا ہے جس میں نو بُری صفات جمع ہیں اور پھر ان کی ایک خصوصی سزا کا ذکر کیا گیا ہے، یوں تو کوئی بھی شخص جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں، اس کا مصداق ہوسکتا ہے؛ لیکن عام طور پر ایک شخص میں اتنی مذموم صفات کا جمع ہونا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے؛ اس لئے مفسرین نے اس سے ولید بن مغیرہ کو مراد لیا ہے، وہ بہت شریر اور اسلام دشمن تھا، قرآن نے یہاں اس کی نو صفات بیان کی ہیں، آخری صفت ہے 'زنیم' یعنی ایسا شخص جس کا نسب صحیح نہیں ہو؛ چنانچہ اس کے پیدائش کے اٹھارہ مہینے کے بعد اس کے باپ نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ اس کا بیٹا ہے، (تفسیر قرطبی: ١٨/ ٢٣٤) اخیر میں قرآن نے کہا کہ اس کی یہ سرکشی اس لئے ہے کہ ہم نے اس کو مال و اولاد سے نواز رکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ اہل منیٰ کو حج کے موقع سے تین دن تک ایک خاص کھانا جو کھجور اور پنیر سے تیار کیا جاتا تھا اور جس کو 'حیص' کہتے تھے، کھلایا کرتا تھا، یہاں تک کہ بیس ہزار سے زیادہ ایک حج میں خرچ کیا کرتا تھا؛ لیکن کسی مسکین کو ایک درہم بھی دینے کا روادار نہیں ہوتا تھا، (حوالۂ سابق) اور قرآن مجید کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ کوئی خاص کلام نہیں ہے، صرف پہلے لوگوں کی خیالی کہانیاں ہیں —— اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سزا کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ اس کے ناک پر ایک داغ لگادیا جائے گا، ناک چوں کہ چہرے کا سب سے اُبھرا ہوا حصہ ہے؛ اس لئے اس پر لگا ہوا داغ سب سے زیادہ بدنما نظر آتا ہے؛ تاکہ لوگ اس کو دیکھتے ہی سمجھ جائیں کہ یہ بڑا شریر اور بدمعاش قسم کا آدمی ہے، اصل میں تو یہ داغ آخرت میں لگے گا؛ لیکن دنیا میں بھی وہ اس داغ سے محفوظ نہیں رہ سکا؛ کیوں کہ غزوۂ بدر میں اس کی ناک پر کسی مجاہد نے ایسا وار کیا کہ اس کا نشان اس پر آخر دم تک قائم رہا۔ (تفسیر قرطبی: ١٨/ ٢٣٦، مفاتیح الغیب: ١٥/ ٦٥٨)

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ
اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا
خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۴ ۲۳

وقف لازم

اور صبح سویرے یہ سمجھ کر چلے کہ وہ (اپنا) ارادہ (پورا کرنے پر) قادر ہیں، ﴿۲۵﴾ پھر جب ان لوگوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے: یقیناً ہم راستہ بھول گئے ہیں (یعنی کسی اور باغ میں آ گئے ہیں)، ﴿۲۶﴾ نہیں؛ بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ہے، ﴿۲۷﴾ ان میں جو بہتر شخص تھا، اس نے کہا: میں نے تم لوگوں سے کہا نہیں تھا کہ اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۱﴾ ﴿۲۸﴾ سب بول اُٹھے: ہمارے پروردگار پاک ہیں، ہم ہی قصوروار ہیں، ﴿۲۹﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے آپس میں لعن طعن کرنے لگے، ﴿۳۰﴾ کہنے لگے: ہائے ہماری بدنصیبی! یقیناً ہم ہی زیادتی کر رہے تھے، ﴿۳۱﴾ بعید نہیں کہ ہمارے پروردگار ہمیں اس سے بہتر عطا فرما دیں، ہم اپنے پروردگار کی طرف رُجوع کرتے ہیں، ﴿۳۲﴾ اسی طرح عذاب آیا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ تسبیح سے مراد ہے انشاء اللہ کہنا، اُس اُمت میں انشاء اللہ کی جگہ 'سبحان اللہ' کہا جاتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۴۴) یعنی یہ نہ کہو کہ ہم کل پھل توڑ کر لے آئیں گے؛ بلکہ کہو کہ انشاء اللہ ہم کل پھل توڑ کر لے آئیں گے۔

﴿۲﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، تفسیر کی کتابوں میں مختصر طور پر اس کا ذکر آیا ہے، یمن میں صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر زروان یا زوران نام کی ایک آبادی تھی، یہاں ایک نیک آدمی کی کھیتی تھی، وہ غریبوں کا بڑا خیال رکھتا تھا، جو لوگ آتے تھے، ان کو اپنی پیداوار میں سے کھلاتا تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا اور یہ باغ اس کے تین بچوں کے ہاتھ میں آ گیا تو ان کو خیال آیا کہ ہمارا بہت سارا مال غریبوں کو چلا جاتا ہے؛ اس لئے ہم بالکل صبح صبح جب کہ رات کا دھندلکا باقی ہو، آ کر اپنے پھل توڑ لیں کہ اس وقت غرباء نہیں آسکیں گے اور پوری پیداوار ہم لوگ اپنے گھر لے جائیں گے؛ چنانچہ یہ صبح اُٹھے اور چپکے چپکے اپنے باغ کی طرف چلے، اب جو دیکھا تو باغ کچھ اس طرح اُجڑ چکا تھا کہ اولاً تو انھیں خیال ہوا کہ شاید ہم غلط جگہ پر پہنچ گئے ہیں؛ لیکن جب غور سے دیکھا تو انھیں اندازہ ہوا کہ ہم پہنچے تو ہیں صحیح جگہ پر؛ لیکن اللہ کی طرف سے ان کے پھل ضائع کر دیئے گئے اور انھیں محروم کر دیا گیا، بہر حال اب ان میں جو بھائی نسبتاً بہتر تھے، انھوں نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کی تسبیح بیان کرو، یعنی انشاء اللہ کہو، اللہ سے توبہ کرو اور جو منصوبہ بنا چکے ہو، اس سے باز آ جاؤ؛ چنانچہ سب کو تنبیہ ہوئی اور سب نے اقرار کیا کہ ہم سے واقعی زیادتی ہوئی ہے، پھر ایک دوسرے کو بھی بُرا بھلا کہنے لگے کہ تمہارے ہی مشورہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، ←

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ
كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ
اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ
سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ
كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک نعمتوں والے باغ ہیں، ﴿۳۴﴾ کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے؟ ﴿۳۵﴾ تم کو کیا ہوگیا ہے (اور) تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو؟ ﴿۳۷﴾ کہ تم کو آخرت میں وہی ملے گا جو تم پسند کروگے؟ ﴿۳۸﴾ یا تم نے ہم سے ایسی قسمیں لے رکھی ہیں، جو قیامت کے دن تک باقی رہیں گی کہ جس چیز کا تم حکم کروگے، وہ تم کو مل ہی جائے گی؟ ﴿۳۹﴾ ان سے دریافت کیجئے کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ لیتا ہے (کہ قیامت کے دن ان کی خواہش پوری کرادے؟) ﴿۴۰﴾ یا ان کے کچھ اور شریک بھی ہیں؟ اگر یہ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو پیش کریں، ﴿۱﴾ ﴿۴۱﴾ جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو سجدہ کرنے کو بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہیں کرسکیں گے، ﴿۴۲﴾ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہی لوگ (اس وقت) سجدے کے لئے بلائے جاتے تھے، جب یہ صحیح سالم تھے۔ ﴿۲﴾ ﴿۴۳﴾

← آخر وہ اپنے جرم کا اعتراف کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے والد کی طرح کام کریں، تو پہلے باغ میں جو پھل لگے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہتر پھل دے دیں، قرآن مجید میں تو واقعہ کا بیان یہیں تک ہے؛ لیکن تفسیر کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت ہے کہ اِس رات تو باغ اُجڑ گیا تھا؛ لیکن توبہ کرنے کے بعد اگلی رات پھر باغ پہلے سے بھی زیادہ لہلہا اُٹھا، (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۲۴۵، ۲۴۴، مفاتیح الغیب: ۱۵/ ۶۴۷، ۶۴۶) —— اہل مکہ کے لئے اس میں عبرت ہے کہ جیسے لوگ پھل توڑنے کے لئے گئے اور محروم واپس آئے، ایسا ہی حشر تمہارا ہونے والا ہے کہ تم مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے نکلو گے اور خود شکست کھا کر آؤ گے۔

﴿۱﴾ یعنی مشرکین کہا کرتے تھے کہ اول تو قیامت قائم ہی نہیں ہوگی اور اگر قائم ہوگی تو جیسے یہاں ہمیں مال واسباب حاصل ہیں، وہاں بھی ہمیں مال واسباب حاصل ہوں گے، اسی کا جواب ہے کہ آخر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس پر تو نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی کتابی دلیل۔ ←

فَذَرۡنِیۡ وَمَنۡ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمۡلِیۡ
لَهُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۴۵﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ اَمۡ عِنۡدَهُمُ
الۡغَیۡبُ فَهُمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾

تو اب رہنے بھی دیجئے مجھ کو اور ان لوگوں کو، جو اس کلام کو جھٹلایا کرتے ہیں، ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پر کھینچ لیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی، ﴿۴۴﴾ اور میں ان کو ڈھیل دیتا جا رہا ہوں، یقیناً میری تدبیر بہت مضبوط ہے، ﴿۴۵﴾ کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۴۶﴾ یا ان کو غیب کا علم ہے کہ وہ لکھ لیا کرتے ہیں؟ ﴿۱﴾ ﴿۴۷﴾

← ﴿۱﴾ عربی زبان میں کسی چیز کی شدت کو بتانے کے لئے پنڈلی کھولنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: '' شمرت الحرب عن ساقها '' (المعجم الوسیط: ۱/۴۹۳) تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے شاگردوں سے منقول ہے کہ یہاں روزِ قیامت کی شدت مراد ہے، یعنی جب قیامت کے دن کا کرب اپنے شباب پر پہنچ جائے گا تو لوگوں کو حکم ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں، تو وہی لوگ سجدہ کر سکیں گے، جو حقیقت میں اہل ایمان تھے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۴۹) اس کی دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو لوگ معبودانِ باطل پر یقین رکھتے تھے، قیامت کے دن اُن معبودوں کو پیش کیا جائے گا اور ہر ایک کے پیروؤں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اس فرضی معبودوں کے پاس اکٹھے ہو جائیں اور وہیں سے انھیں ان کے معبود کے ساتھ ہی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، اس طرح سارے کے سارے لوگ چلے جائیں گے، صرف وہ لوگ رہ جائیں گے، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اقرار کیا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کی تجلی دکھائیں گے، جتنے مخلص مسلمان ہیں، وہ سجدہ میں گر پڑیں گے اور منافقین کی پیٹھیں اس طرح اکڑ جائیں گی کہ وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے؛ چنانچہ وہ بھی جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے، اب جو مسلمان بچ جائیں گے وہ جنت میں لے جائے جائیں گے، اس مضمون کی روایت بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، (بخاری، کتاب التفسیر، باب التفسیر سورۂ قلم، حدیث نمبر: ۴۶۳۵) اس تفسیر کے مطابق پنڈلی کا کھولنا اپنے اصل معنی میں ہے؛ لیکن پنڈلی سے مراد اس طرح کی پنڈلی نہیں ہے، جو انسانوں اور جانوروں میں نظر آتی ہے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوگی، جس میں نہ جسامت ہوگی اور نہ محدودیت، خالق کے وجود کو مخلوق کے وجود کی مثال سمجھنا ایسا ہی ہے، جیسے ذرہ کو آفتاب اور قطرہ کو سمندر کے سمجھنے کے لئے معیار بنا لیا جائے۔

﴿۱﴾ یعنی کیا وہ علم غیب کے ذریعہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقف ہوتے جاتے اور اس کو نقل کرتے جاتے ہیں؛ اس لئے ان کو قرآن سے ہدایات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ۝۴۸ لَوْ لَآ اَنْ
تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝۴۹ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝۵۰ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝۵۱ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۵۲

تو آپ اپنے پروردگار کے فیصلہ (کے انتظار میں) صبر کرتے رہئے اور مچھلی والے (یعنی حضرت یونس) کی طرح نہ ہوجایئے، جب انھوں نے اس حال میں دُعا کی کہ وہ غم سے بھرے ہوئے تھے، ﴿۱﴾ ۝۴۸ اگر آپ کے پروردگار کی مہربانی ان کے شاملِ حال نہ ہوتی تو وہ چٹیل میدان میں پھینک دیئے جاتے اور وہ برے حال میں ہوتے، ۝۴۹ پھر ان کے پروردگار نے ان کو نواز دیا اور ان کو نیک بندوں میں شامل رکھا، ﴿۲﴾ ۝۵۰ اور یہ ایمان نہ لانے والے جب قرآن سنتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ آپ کو اپنی تیز نگاہوں کے ذریعہ پھسلا دیں گے ﴿۳﴾ اور کہتے ہیں کہ یہ تو ضرور دیوانہ ہے، ۝۵۱ اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن تو تمام جہان کے لئے سراپا نصیحت ہے۔ ۝۵۲

﴿۱﴾ مقصد یہ ہے کہ جیسے حضرت یونس علیہ السلام نے حکم ربانی کا انتظار کئے بغیر اپنے شہر کو چھوڑ دیا؛ گویا ایک حد تک عجلت سے کام لیا، اسی طرح آپ عجلت سے کام نہ لیں، صبر کریں، نیز اللہ سے دُعا کرنے کا اور مخلوق کو دعوت دینے کا سلسلہ جاری رکھیں۔

﴿۲﴾ حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ سورۂ یونس: ۹۸، صافات: ۱۳۹-۱۴۸ میں گذر چکا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی آپ کو غضبناک نگاہوں سے ایسا گھور گھور کر دیکھتے ہیں کہ گویا آپ کو کھا جائیں گے، غرض کہ آپ ﷺ کے ساتھ ان کی غیر معمولی عداوت و دشمنی کا ذکر ہے، (مفاتیح الغیب: ۱۵/۴۷۹) اس کی ایک دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے نظرِ بد مراد ہے، یعنی وہ نظرِ بد کے ذریعہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں، کہتے ہیں کہ عربوں میں بعض لوگ نظر لگانے کے ماہر تھے، یہاں تک کہ ان کے سامنے سے اچھی فربہ گائے یا اونٹنی گذرتی تو ایسی نظر گڑاتے کہ کچھ ہی دیر میں وہ مرکر ہی رہتی، اسی طرح کا ایک شخص تھا جو پہلے دو تین روز بھوکا رہتا، پھر اس ریاضت سے اس کی آنکھوں میں ایسی قوت پیدا ہوجاتی کہ کوئی اونٹ یا بکرا اس کے سامنے سے گذرتا اور وہ اس کی تعریف کرتا تو تھوڑی ہی دیر میں وہ جانور تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچانے کے لئے اہل مکہ نے اس شخص کی خدمات حاصل کیں؛ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ ان کی سازش ناکام و نامراد ہوکر رہی، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۵۵) —— جہاں تک نظر کی بات ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر لگنا حق ہے، یعنی نظر کا اثر ہوتا ہے۔ (بخاری، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۵۷۴۰)

سُوْرَةُ الحَاقَةِ

- سورہ نمبر : (۶۹)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۵۲)
- نوعیت : مکی

'حاقہ' کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو یقینی طور پر واقع ہو کر رہے گی، قیامت بھی ایسی ہی چیز ہے؛ اس لئے قیامت کے کئی ناموں میں سے ایک نام حاقہ بھی ہے، اس سورہ کے شروع ہی میں حاقہ کے لفظ سے قیامت کا ذکر آیا ہے؛ اس لئے اس کا نام حاقہ رکھا گیا ہے۔

اس سورہ میں قیامت کی ہولناکی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، آخرت میں نیک لوگوں کو کیا انعامات ملیں گے اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں پر کیسا عذاب ہوگا؟ اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، سورہ کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت و دیانت اور آپ کے نبی برحق ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان شکوک وشبہات کی تردید کی گئی ہے، جو مشرکین کی طرف سے اُٹھائے جاتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے، جو اُن کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا دل دکھانے اور آپ کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے گھر سے نکلے، رسول اللہ ﷺ حرم کعبہ میں داخل ہو چکے تھے اور نماز میں مشغول تھے، حضرت عمرؓ نے آپ سے قریب ہو کر سننا شروع کیا کہ آخر یہ کیا پڑھتے ہیں، جب قرآن جیسا بلیغ کلام سنا تو حیران وششدر رہ گئے، دل میں خیال گذرا کہ آپ بڑے اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں، اتنے میں آپ نے پڑھا: ''وما هو بقول شاعر قليلاً ما تؤمنون'' (یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم بہت کم ایمان لاتے ہو) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ بڑے اعلیٰ درجے کے کاہن ہیں، جبھی تو آپ نے میرے دل کی بات جان لی، فوراً ہی حضور ﷺ نے تلاوت فرمائی: ''ولا بقول كاهن قليلاً ما تذكرون'' (یہ کسی کاہن کا بھی قول نہیں ہے، کم ہی تم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہو) حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اسی وقت اسلام میرے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلۡحَآقَّۃُ ۝۱ مَا الۡحَآقَّۃُ ۝۲ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحَآقَّۃُ ۝۳ كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌۢ بِالۡقَارِعَۃِ ۝۴ فَاَمَّا
ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِیَۃِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَیۡهِمۡ
سَبۡعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوۡمًا ۙ فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِیۡهَا صَرۡعٰی ۙ كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ
خَاوِیَۃٍ ۝۷ فَهَلۡ تَرٰی لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِیَۃٍ ۝۸ وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ
بِالۡخَاطِئَۃِ ۝۹ فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَۃً رَّابِیَۃً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰكُمۡ
فِی الۡجَارِیَۃِ ۝۱۱

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قیامت! ۝۱ قیامت کیا چیز ہے؟ ۝۲
اور آپ نے سمجھا کہ قیامت ہے کیا؟ ﴿۱﴾ ۝۳ ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑا ڈالنے والی چیز کو جھٹلا دیا تھا، ۝۴ تو ثمود
تو سخت چیخ کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے، ۝۵ اور رہ گئے عاد تو وہ نہایت تیز ہوا سے غارت کر دیئے گئے، ۝۶ اللہ تعالیٰ
نے اس آندھی کو ان پر مسلسل سات رات اور آٹھ دن مسلط رکھا، (اگر آپ وہاں ہوتے) تو آپ ان لوگوں کو اس
طرح پڑا ہوا دیکھتے کہ گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں، ۝۷ تو کیا آپ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا بھی نظر آتا
ہے؟ ﴿۲﴾ ۝۸ فرعون نے اور اس سے پہلے کے لوگ اور اُلٹی ہوئی بستیوں (کے رہنے والوں) نے بھی گناہوں کا
ارتکاب کیا، ﴿۳﴾ ۝۹ چنانچہ انھوں نے اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کی بھی سخت
پکڑ فرمائی، ۝۱۰ جب پانی حد سے بڑھ گیا تو ہم نے تم لوگوں کو (یعنی تمہارے آباء واجداد کو حضرت نوح کی) کشتی
میں سوار کر دیا۔ ۝۱۱

﴿۱﴾ ''حاقہ'' کے اصل معنی ایسی چیز کے ہیں جو یقینی طور پر ہو کر رہنے والی ہو؛ اسی لئے اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں حاقہ سے مراد قیامت ہے، امام رازی ؒ نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے، (مفاتیح الغیب: ۱۵/۶۸۳) چنانچہ یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۵۷) اسی لئے اُردو مترجمین میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ؒ نے ''حاقہ'' کا ترجمہ قیامت ہی سے کیا ہے۔

﴿۲﴾ قوم ثمود اور قوم عاد پر عذاب کا واقعہ بالترتیب سورۂ اعراف: ۶۵، ۷۹ میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ 'اس سے پہلے کے لوگ' سے مراد وہ قومیں ہیں، جن پر فرعون سے پہلے اللہ کا عذاب نازل ہوا اور 'اُلٹی ہوئی بستیوں' سے مراد قوم لوط ہے، ان قوموں کا ذکر بار بار آچکا ہے۔

لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾
وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانۡشَقَّتِ
السَّمَآءُ فَهِىَ يَوۡمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالۡمَلَكُ عَلٰۤى اَرۡجَآئِهَا ؕ وَيَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ
يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ
بِيَمِيۡنِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ ﴿۱۹﴾ اِنِّىۡ ظَنَنۡتُ اَنِّىۡ مُلٰقٍ حِسَابِيَهۡ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ
رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوۡفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾

تاکہ اس واقعہ کو ہم تمہارے لئے ایک یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾ پھر جب ایک دفعہ صور پھونکا جائے گا، ﴿۱۳﴾ اور زمین اور پہاڑ اُٹھالئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں دونوں کو ریزہ ریزہ کردیا جائے گا ﴿۱۴﴾ تو اس دن قیامت قائم ہوجائے گی، ﴿۱۵﴾ اور آسمان پھٹ پڑے گا اور وہ اس دن پھسپھسا ہوجائے گا، ﴿۲﴾ ﴿۱۶﴾ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آٹھ فرشتے اس دن اپنے اوپر آپ کے پروردگار کے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہوں گے، ﴿۳﴾ ﴿۱۷﴾ اس دن تم لوگ اس طرح پیش کئے جاؤ گے کہ تمہاری کوئی بات چھپی ہوئی نہ رہے گی، ﴿۱۸﴾ تو جس کو اس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو یہ تو کہے گا: لو، میرا نامۂ اعمال پڑھ لو، ﴿۱۹﴾ مجھے تو (پہلے ہی سے) یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب ملے گا، ﴿۴﴾ ﴿۲۰﴾ تو وہ تو بڑی پسندیدہ زندگی میں ہوگا، ﴿۲۱﴾ یعنی اونچے باغ میں، ﴿۲۲﴾ جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۵﴾ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۱، ۱۲ میں قومِ نوح کا ذکر ہے اور یادگار بنانے سے مراد یہ ہے کہ طوفان نوح کا واقعہ اہل مکہ کے درمیان بھی معروف تھا۔

﴿۲﴾ اس کی صورت شاید یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے تحت وہ نظام کشش ختم ہوجائے، جو تمام سیاروں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے ہوئے ہے اور تمام سیارے درہم برہم ہوجائیں، نیز فرشتے جو آسمان کو آباد کئے ہوئے ہیں، وہ آسمان کے کناروں پر صف بستہ کھڑے ہوجائیں گے۔ واللہ اعلم

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کا عرش اور اس پر اللہ تعالیٰ کا جلوہ فرما ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جسم و جہت سے پاک ہیں اور فرشتوں نے عرش کو اُٹھا رکھا ہے؛ چنانچہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چار فرشتہ عرش باری کو اُٹھائے ہوئے ہیں؛ لیکن قیامت میں ان کی تعداد بڑھا کر آٹھ کردی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۲۶۵)

﴿۴﴾ معلوم ہوا کہ اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور حساب و کتاب ہوگا۔

﴿۵﴾ یعنی جنت کے درخت پھلوں سے اس طرح لدے ہوں گے اور اہل جنت کے قریب اس طرح لٹکے ہوئے ہوں گے کہ ان کو درخت پر چڑھ کر توڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ
فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ
اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ
سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا
يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ ع
كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾

(ان سے کہا جائے گا:) تم نے گزشتہ دنوں میں جو عمل کیا ہے، ان کے بدلہ مزے سے کھاؤ پیو، ﴿۲۴﴾ اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش! مجھ کو میرا نامۂ اعمال نہ ملتا، ﴿۲۵﴾ اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب و کتاب کیا ہے؟ ﴿۲۶﴾ اے کاش! کہ وہی موت میرا خاتمہ کر چکی ہوتی، ﴿۲۷﴾ میرا مال تو مجھے کچھ بھی کام نہ آیا، ﴿۲۸﴾ میری سلطنت بھی جاتی رہی، ﴿۱﴾ ﴿۲۹﴾ فرشتوں سے کہا جائے گا: پکڑو اس کو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو، ﴿۳۰﴾ پھر اس کو دوزخ میں داخل کر دو، ﴿۳۱﴾ پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو، ﴿۳۲﴾ یہ شخص نہ خدائے بزرگ پر ایمان رکھتا تھا، ﴿۳۳﴾ اور نہ محتاج کو کھانا دینے کی ترغیب دیتا تھا، ﴿۳۴﴾ تو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں، ﴿۳۵﴾ اور نہ زخموں کے دھووَن کے سوا کوئی کھانا اس کے لئے میسر ہے، ﴿۳۶﴾ جس کو ایسے گنہگاروں کے سوا کوئی اور نہیں کھائے گا، ﴿۳۷﴾ تو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، ﴿۳۸﴾ اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے، ﴿۲﴾ ﴿۳۹﴾ یقیناً یہ ایک رسول کریم (کا لایا ہوا) کلام ہے، ﴿۴۰﴾ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (مگر) تم لوگ کم ہی یقین کرتے ہو، ﴿۴۱﴾ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے (لیکن) تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو، ﴿۴۲﴾ یہ تمام جہان کے رب کا اُتارا ہوا کلام ہے، ﴿۴۳﴾ اور اگر پیغمبر ہم پر کوئی بات اپنی طرف سے بنا لاتے۔ ﴿۴۴﴾

﴿۱﴾ عام طور پر انسان کو دو چیزیں اپنے مسائل حل کرنے میں کام آتی ہیں، ایک: اس کی دولت، دوسرے: اس کا عہدۂ واقتدار، وہاں ان میں سے کوئی چیز بھی اہل دوزخ کے کام نہ آئے گی۔

﴿۲﴾ شاید یہ مراد ہو کہ قرآن مجید کے انسانیت تک پہنچنے میں دو واسطے ہیں، ایک حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اور دوسرے رسول اللہ ﷺ، رسول کو تم دیکھتے ہو اور فرشتہ کو نہیں دیکھتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی قسم کھائی ہے۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ
حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع ۲ ۱۵

تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ﴿۴۵﴾ پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے ، ﴿۴۶﴾ تو تم میں سے کوئی بھی ان کو بچا نہیں پاتا ﴿۱﴾ ﴿۴۷﴾ اور بے شک یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے ، ﴿۴۸﴾ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں ، ﴿۴۹﴾ اور یہی قرآن ایمان نہ لانے والوں کے حق میں حسرت (کا باعث) ہے ، ﴿۵۰﴾ اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل یقینی بات ہے ، ﴿۵۱﴾ تو اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے ، جو بڑے مرتبے والے ہیں ۔ ﴿۵۲﴾

﴿۱﴾ یہاں رسول کریم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں ، (تفسیر کبیر: ۱۵/ ۷۰۷، تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۲۷۴) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہنچایا ہے ، جو نہایت قابلِ اطمینان اور معزز فرشتہ ہیں ؛ اس لئے ان کی طرف سے بھی کسی کمی بیشی کا امکان نہیں ، کبھی کلام کی نسبت کلام کے نقل کرنے والے کی طرف بھی کردی جاتی ہے ، اسی طور پر یہاں اس کی نسبت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف کردی گئی ، جو جتنا قریب ہوتا ہے اور جس کا مقام جتنا بلند ہوتا ہے ، اس کی پکڑ بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے ؛ اس لئے فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں ، اگر وہ ہماری باتوں کے ساتھ کوئی بات اپنی طرف سے ملا دیں تو ہم ان کو بھی معاف نہ کریں اور شہ رگ کاٹ ڈالیں ؛ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سچے رسول کی نسبت سے ہے اور مقصد یہ ہے کہ پیغمبرانِ برحق —— جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے —— اگر ایسی حرکتیں کرنے لگیں تو ہدایت اور گمراہی کے درمیان واضح خط کھینچنا دشوار ہو جائے گا ؛ اس لئے ان کو سزا بھی سخت دی جائے گی ، جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویدار ہو اور جس کے یہاں سچ اور جھوٹ کی آمیزش کا مسئلہ نہ ہو ؛ بلکہ جھوٹ ہی جھوٹ ہو ، اللہ تعالیٰ کبھی تو اس کو دنیا میں سزا دے دیتے ہیں اور کبھی ڈھیل کا معاملہ کرتے ہیں ؛ چنانچہ کتنے ہی جھوٹے مدعیانِ نبوت گذرے ہیں کہ وہ دنیا سے زندہ سلامت رُخصت ہو گئے ، ایسے جھوٹوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھا ، بعض قادیانی اس آیت کو مرزا صاحب کی نبوت ثابت کرنے کے لئے دلیل بناتے ہیں ، کہ اگر مرزا کا دعویٰ غلط ہوتا تو اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہوتا ، انھیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر سفید کپڑے پر کہیں سیاہ دھبہ پڑ جائے تو اسے صاف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ؛ مگر پورا کپڑا ہی سیاہ ہو تو اس کو صاف کرنے پر توجہ نہیں دی جاتی ۔

سُوْرَةُ المَعَارِج

- سورہ نمبر : (۷۰)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۴۴)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

معارج معراج کی جمع ہے، جس کے معنی سیڑھیوں اور زینوں کے ہیں، آیت نمبر: ۳ میں معارج کا لفظ آیا ہے، اسی لئے سورہ کا نام 'معارج' ہے ـــ یہ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔

اس سورہ میں بنیادی طور پر قیامت، قیامت میں ہونے والے عذاب، قبروں سے لوگوں کے نکلنے کے منظر وغیرہ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، انسان کی فطرت بتائی گئی ہے کہ اس کی طبیعت میں حرص، جلد بازی اور بخل ہے۔

آیت نمبر: ۲۳ سے لے کر آیت نمبر: ۳۵ تک ان اخلاقی محاسن اور عبادات کا ذکر کیا گیا ہے، جو بندۂ مومن میں پائے جاتے ہیں، یا پائے جانے چاہئیں۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝۱ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ لَيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝۲ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الۡمَعَارِجِ ۝۳
تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ۝۴ فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا
جَمِيۡلًا ۝۵ اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۝۶ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ۝۷ يَوۡمَ تَكُوۡنُ السَّمَآءُ كَالۡمُهۡلِ ۝۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ایک طلب کرنے والے نے ایسے عذاب کی خواہش کی ہے، جو کافروں پر آکر ہی رہے گا، جس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا، ﴿۱﴾ ۝۱ ۝۲ وہ اللہ کی طرف سے —— جو سیڑھیوں کا مالک ہے —— واقع ہوگا، ۝۳ فرشتے اور روحیں اسی کی جانب چڑھ جاتی ہیں، ﴿۲﴾ (یہ عذاب) ایسے دن میں واقع ہوگا، جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، ﴿۳﴾ ۝۴ تو آپ خوب صبر سے کام لیجئے، ۝۵ وہ ان لوگوں کی نظر میں تو دُور ہے ۝۶ اور ہماری نظر میں قریب، ۝۷ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوجائے گا۔ ﴿۴﴾ ۝۸

﴿۱﴾ اس عذاب کا مطالبہ کس نے کیا ہے؟ اس کا ذکر مفسرین نے کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ حارث بن نعمان نامی شخص ہے، بعض اور حضرات کی رائے ہے کہ یہ طلب کرنے والا شخص نضر بن حارث ہے، جو بدر کے دن قتل کیا گیا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۷۱)

﴿۲﴾ ''معارج'' عربی گرامر کے اعتبار سے 'معراج' کی جمع ہے، جس کے معنی ایسی چیز کے ہیں، جس کے ذریعہ اوپر چڑھا جائے؛ اسی لئے اس کا ترجمہ سیڑھیوں سے کیا گیا ہے، یہ وہ سیڑھیاں ہیں، جن کے ذریعہ فرشتے چڑھتے ہیں، اور اہل دنیا کی روحیں اوپر لے جائی جاتی ہیں؛ اسی لئے زیادہ تر مفسرین نے اس سے آسمان مراد لیا ہے، جس کی کئی تہیں ہیں اور فرشتے اس کی ایک تہہ سے گذر کر دوسری تہہ پر پہنچتے ہیں۔

﴿۳﴾ اس وقت سورج تو نہیں ہوگا؛ لیکن دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، یہ قیامت کا ذکر ہے اور سورۂ 'تنزیل السجدۃ' میں فرشتوں کے آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان پر جانے کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی مقدار تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوگی: ''فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ'' (سورۂ سجدہ: ۵) غرض کہ مگر اس میں کوئی تضاد نہیں، یہاں قیامت کا ذکر ہے، جس کی تعداد پچاس ہزار سال کی ہوگی، اور وہاں اس مسافت کا ذکر ہے، جو زمین و آسمان کے درمیان آمد و رفت میں لگتی ہے۔ (دیکھئے: معارف القرآن: ۸/ ۵۵۵، ۵۵۶)

﴿۴﴾ ایک اور موقع پر فرمایا گیا کہ آسمان سرخ چمڑے کی طرح ہوجائے گا: ''فَاِذَا انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ وَرۡدَةً كَالدِّهَانِ'' (الرحمٰن: ۳۷) اور یہاں پگھلے ہوئے تانبے کی طرح فرمایا گیا ہے، تو چوں کہ پگھلا ہوا تانبا بھی سرخی مائل ہی ہوتا ہے؛ اس لئے دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ
يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ
وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا
مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَاۗىِٕمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ
اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓي اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝

اور پہاڑ رنگے ہوئے اُون کی طرح، ﴿۱﴾ ۝۹ کوئی دوست کسی دوست کو پوچھے گا بھی نہیں: ۝۱۰ حالاں کہ وہ ایک دوسرے کو نظر بھی آئیں گے؛ گنہگار تمنا کرے گا کہ وہ اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی اور اپنا خاندان، جس میں وہ رہا کرتا تھا اور زمین میں رہنے والے تمام لوگوں کو اس دن کے عذاب سے رہائی کے لئے دے دے، پھر یہ اس کو بچالے، ۝۱۱ ۝۱۲ ۝۱۳ ۝۱۴ (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہوگا، دوزخ تو ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے، ۝۱۵ جو کھالوں کو اُدھیڑ دے گی، ﴿۲﴾ ۝۱۶ وہ اس شخص کو (اپنی طرف) پکارے گی، جس نے بے رُخی برتی اور منھ پھیر لیا، ﴿۳﴾ ۝۱۷ جس نے مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا، ۝۱۸ یقیناً انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے، ۝۱۹ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو آہ وواویلا کرنے لگتا ہے، ۝۲۰ اور خوش حالی آتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، ۝۲۱ سوائے ان لوگوں کے جو ایسے نمازی ہیں، ۝۲۲ کہ وہ ہمیشہ اپنی نماز پر متوجہ رہتے ہیں، ۝۲۳ اور جن کے مال میں سوال کرنے والے اور (نہ مانگنے والے) محتاجوں کا مقررہ حصہ ہوتا ہے، ۝۲۴ ۝۲۵ اور جو قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں، ۝۲۶ نیز اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، ۝۲۷ (کیوں کہ) یقیناً آپ کے پروردگار کا عذاب ایسا نہیں ہے جس سے بے خوف ہوجایا جائے، ۝۲۸ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ۝۲۹ سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے کہ (ان سے تعلق پر) کوئی ملامت نہیں۔ ۝۳۰

﴿۱﴾ یعنی رُوئی کی طرح اُڑتے ہوں گے اور چوں کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں؛ اس لئے ان کو رنگے ہوئے اُون سے تشبیہ دی گئی۔

﴿۲﴾ یوں تو گوشت اور ہڈی کوئی چیز ایسی نہ ہوگی، جو دوزخ کے عذاب کا شکار نہ ہو؛ لیکن کھالوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ انسان کے جس حصے کو تکلیف کا احساس شدت کے ساتھ ہوتا ہے، وہ چمڑا ہی ہے۔

﴿۳﴾ یعنی اس دن دوزخ بھی بات کرے گی، مگر اس میں سوائے نفرت کے محبت کا ایک لفظ نہیں ہوگا۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾
ع۳۵ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ
الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ
مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا
مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور کا طلب گار ہو تو وہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں، ﴿۳۱﴾ اور وہ لوگ کہ جو اپنی امانتوں کا اور اپنے وعدہ کا خیال رکھتے ہیں، ﴿۳۲﴾ اور جو ٹھیک ٹھیک گواہی دیتے ہیں، ﴿۳۳﴾ نیز اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۳۴﴾ یہی لوگ عزت و اکرام کے ساتھ بہشت کے باغوں میں رہیں گے، ﴿۳۵﴾ تو ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ دائیں اور بائیں سے غول کے غول آپ کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں؟ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ کیا ان میں سے ہر شخص اس بات کی اُمید رکھتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر لیا جائے گا، ﴿۲﴾ ﴿۳۸﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے، وہ ان کو بھی معلوم ہے، ﴿۳۹﴾ میں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم ضرور اس بات پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم (ایسا کرنے سے) عاجز نہیں ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲۲ میں نمازیوں کا ذکر ہے؛ لیکن نماز پڑھنے والوں کی کیا شان ہے اور ان میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟ آیت نمبر: ۲۳ سے ۳۴ تک ان کا ذکر کیا گیا ہے اور مجموعی طور پر سات صفات ذکر کی گئی ہیں: نمازوں کی پابندی، اپنے مال میں سے ایک حصہ محتاجوں اور غریبوں کو دینا، قیامت کا پورا پورا یقین، اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا خوف، عزت و آبرو کی حفاظت، امانتوں کی ادائے گی، وعدہ کو وفا کرنا اور ٹھیک ٹھیک گواہی دینا، گویا اگر ایک شخص نماز اس کے تمام آداب و حقوق کے ساتھ ادا کرے تو اس میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں گے ـــــ آیت نمبر: ۲۴، ۲۵ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کے مالوں میں سوال کرنے والوں اور محتاجوں کا ایک مقرر حصہ ہوتا ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے مال میں سے ایک حصہ اپنے ضرورت مند بھائیوں کے لئے رکھے۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ جب کہیں تشریف فرما ہوتے تو مشرکین ٹولیاں بنا کر آپ ﷺ کے دائیں بائیں آبیٹھتے، ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ کی باتوں کو توجہ سے سنیں اور ایمان لائیں؛ بلکہ ان کا مقصد ہوتا آپ ﷺ کا مذاق اُڑانا۔

﴿۳﴾ 'مشرقوں اور مغربوں' اس لئے کہا گیا کہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ اُفق میں ہر دن تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۲﴾ يَوۡمَ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ
الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمۡ اِلٰى نُصُبٍ يُّوۡفِضُوۡنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ
ع ۲ ۸ الۡيَوۡمُ الَّذِىۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾

تو آپ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ باتیں بنانے اور کھیل تماشہ کرنے ہی میں لگے رہیں، یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے، وہ ان کے سامنے آجائے، ﴿۴۲﴾ جس دن وہ اس طرح دوڑتے ہوئے قبروں سے نکلیں گے کہ گویا وہ کسی نشانے کی طرف دوڑتے چلے جارہے ہیں، ﴿۴۳﴾ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ان پر ذلت ورسوائی چھائی ہوئی ہوگی، یہی دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ﴿۴۴﴾

سُورَۃ نُوح

- سورہ نمبر : (۷۱)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۲۸)
- نوعیت : مکی

اس سورہ میں بنیادی طور پر حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کا ذکر ہے، یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ تاکہ اہل مکہ کو تنبیہ ہو اور قومِ نوح پر نازل ہونے والے عذاب سے وہ لوگ سبق حاصل کریں۔

اس سورہ میں تفصیل سے حضرت نوح علیہ السلام کے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلانے، ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل پیش کرنے اور پھر ان کے حق میں اس وقت بددُعا کرنے کا ذکر آیا ہے، جب آپ اپنی قوم کی طرف سے پوری طرح نا اُمید ہو گئے تھے، اور بت پرستی کے سلسلہ میں قوم نوح کے اپنے عمل پر اصرار کرنے کا خاص طور سے تذکرہ فرمایا گیا ہے؛ کیوں کہ اہل مکہ بھی بنیادی طور پر بُت پرستی ہی کے مریض تھے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝۱ قَالَ یٰقَوۡمِ
اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝۲ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۝۳ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ
وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴ قَالَ
رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۝۵ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۝۶ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ
لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا
اسۡتِکۡبَارًا ۝۷ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ۝۹

وقف لازم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا کہ اس سے پہلے کہ ان کی قوم پر دردناک عذاب آجائے تم اپنی قوم کو خبردار کردو، ۝۱ نوح نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میرے لوگو! میں تم کو صاف صاف ڈرا رہا ہوں، ۝۲ کہ اللہ ہی کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو اور میرا کہا مانو، ﴿۱﴾ ۝۳ اللہ تم سے تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور تم کو ایک مقررہ مدت تک مہلت عطا فرمائیں گے، یقیناً جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آپہنچے گا تو اس کو ٹالا نہیں جاسکتا، کاش، تمہاری سمجھ میں آجائے'' ﴿۲﴾ ۝۴ نوح نے عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! میں اپنی قوم کو دن و رات (دینِ حق کی طرف) بلاتا رہا، ۝۵ تو وہ میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے ہی رہے، ۝۶ میں نے جب جب ان کو بلایا؛ تاکہ آپ ان کو بخش دیں تو انھوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، اپنے کپڑے اوڑھ لئے، اَڑ گئے اور بڑا غرور کرنے لگے، ﴿۳﴾ ۝۷ پھر بھی میں ان کو کھلے طور پر بلاتا رہا، ۝۸ اعلانیہ بھی سمجھایا اور پوشیدہ طور پر بھی۔ ﴿۴﴾ ۝۹

﴿۱﴾ یعنی نبی پر ایمان لانے میں تین باتیں شامل ہیں: اللہ تعالیٰ کی عبادت، اللہ کا خوف اور رسول کی اطاعت۔

﴿۲﴾ یعنی اگر تم ہماری دعوت پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کردیں گے، اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ایک مدت تک مہلت دی جائے گی، پھر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

﴿۳﴾ یعنی ان کی بے راہ روی کا حال یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ میری بات نہ سنیں اور کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں؛ بلکہ وہ تو مجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتے، یہاں تک کہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لیتے ہیں۔

﴿۴﴾ بعض لوگوں کو یہ بات گوارا نہیں ہوتی کہ کھلے عام ان کو کسی بات سے روکا جائے؛ اس لئے انھیں دونوں طریقہ سے دعوت دی گئی، کھلے عام بھی اور چپکے چپکے بھی، پھر بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اس سے دعوت کا ایک اُصول معلوم ہوتا ہے کہ اگر مخاطب ایسا مغرور ہو کہ اس کو اعلانیہ دعوت پسند نہ آتی ہو تو اس سے تنہائی میں بات کی جائے؛ کیوں کہ مقصود اصلاح ہے نہ کہ کسی کی اہانت۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱
وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲ مَا لَكُمْ لَا
تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝۱۳ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝۱۴ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
طِبَاقًا ۝۱۵ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝۱۶ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹
لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝۲۰ ع

میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، وہ بڑے بخشنے والے ہیں، ۝۱۰ اللہ تم پر موسلا دھار بارش برسائیں گے، ﴿۱﴾ ۝۱۱ تمہارے مال واولاد کو بڑھائیں گے، تمہارے لئے باغ لگا دیں گے اور نہریں جاری فرمادیں گے، ۝۱۲ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا یقین نہیں کرتے ؟ ۝۱۳ حالاں کہ اسی نے تم کو مختلف مرحلوں سے گذار کر پیدا فرمایا ہے، ﴿۲﴾ ۝۱۴ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کس طرح تہہ بہ تہہ آسمان بنائے ؟ ۝۱۵ اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو جلتا ہوا چراغ بنا دیا، ﴿۳﴾ ۝۱۶ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا ہے، ﴿۴﴾ ۝۱۷ پھر تم کو اسی زمین میں لے جائیں گے اور (قیامت میں) تم کو باہر نکال لے آئیں گے، ۝۱۸ اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ہے؛ ۝۱۹ تاکہ اس کے کشادہ راستوں میں چلو'۔ ۝۲۰

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ گناہوں سے بچنا اور جو گناہ ہو گئے ہوں، ان پر استغفار کرنا بارش جیسی نعمت کے حاصل ہونے کے لئے ایک اہم غیبی ذریعہ ہے، آج جو پوری دنیا میں بارش کی کمی محسوس کی جارہی ہے، کیا عجب کہ اس کا سبب گناہوں کی کثرت اور رُجوع الی اللہ کی کمی ہو!

﴿۲﴾ مختلف مرحلوں سے مراد ہیں: وہ مختلف مرحلے جو بچہ پر ماں کے پیٹ میں آتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۳۰۳)

﴿۳﴾ آسمان کو چراغ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنی روشنی بکھیرتا ہے، جیسے چراغ اپنی روشنی پھیلاتا ہے، اور چاند کے روشن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی نہیں پھیلاتا ہے؛ بلکہ سورج کا عکس پڑنے کی وجہ سے روشن ہوتا ہے؛ لیکن بہر حال سورج کی حرارت انگیز روشنی اور چاند کی آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی روشنی دونوں ہی انسان کے لئے بڑی نعمتیں ہیں۔

﴿۴﴾ یعنی انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی، یا یہ مقصد ہے کہ انسان کا وجود بنیادی طور پر زمینی اجزاء جیسے لوہا، پتھر، چونا اور نمک وغیرہ سے بنا ہوا ہے۔

قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِیۡ وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ یَزِدۡهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوۡا
مَكۡرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوۡثَ وَیَعُوۡقَ
وَنَسۡرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدۡ اَضَلُّوۡا كَثِیۡرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِیٓـٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا
فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۙ فَلَمۡ یَجِدُوۡا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی
الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾

نوح نے عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! اِن لوگوں نے میری بات نہیں مانی اور ان لوگوں کی پیروی کی جنھوں نے مال واولاد پا کر نقصان ہی اُٹھایا، ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾ نیز ان لوگوں نے بڑی بڑی سازشیں کیں، ﴿۲۲﴾ انھوں نے کہا: ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، نہ وَدّ کو، نہ سُوَاع کو، نہ یَغوث ویَعوق کو اور نہ نَسر (نامی بتوں) کو، ﴿۲﴾ ﴿۲۳﴾ کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے، اور (اے اللہ!) ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے'' ﴿۳﴾ ﴿۲۴﴾ یہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کردیئے گئے، پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، ﴿۴﴾ انھوں نے اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پایا، ﴿۲۵﴾ اورنوح نے عرض کیا: ''میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے ایک بسنے والے کو بھی نہ چھوڑیئے۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یعنی ہماری قوم کے عوام نے ایسے سرداروں کی پیروی کی، جن کو مال و دولت تو حاصل تھی؛ لیکن اس سے ان کے غرور میں اضافہ ہی ہوگیا، اور بجائے اس کے کہ اللہ کا شکرادا کرتے، ان میں غرور پیدا ہوگیا اور یہ دولت ان کے لئے آخرت کے اعتبار سے نقصان ہی کا سبب بن گئی۔

﴿۲﴾ قومِ نوح بنیادی طور پر ایک بُت پرست قوم تھی اور یہ پانچ بُت ان کے یہاں بڑے اہم سمجھے جاتے تھے،اس سے معلوم ہوا کہ بُت پرستی کی گمراہی تاریخ کے قدیم دور سے چلی آرہی ہے اور اللہ کی طرف سے آنے والے ہر رسول کو اس کے خلاف جدوجہد کرنی پڑی ہے۔

﴿۳﴾ مقصد یہ ہے کہ یہ جواُن کے سردار اور قائدین ہیں، انھوں نے گمراہی پھیلانے کا ایسا طوفان برپا کیا کہ سارے لوگ اس میں تنکوں کی طرح اڑ گئے؛ اس لئے یہ لوگ سخت سزا کے مستحق ہیں؛ لہٰذا ان کی گمراہی میں اور اضافہ ہونا چاہئے؛ تاکہ یہ پوری طرح دوزخ کے مستحق ہوجائیں۔

﴿۴﴾ یعنی قومِ نوح پر طوفان کا عذاب بھی آیا اور اب وہ آگ کے عذاب میں ڈال دیئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس عذاب سے عذابِ قبر مراد ہے، اس سے قبر میں عذاب کا ثبوت ملتا ہے؛ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

اِنَّكَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ يُضِلُّوۡا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝۲۷ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَىَّ
النصف وَلِمَنۡ دَخَلَ بَيۡتِىَ مُؤۡمِنًا وَّلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا تَبَارًا ۝۲۸ ع۲ ۸ ۱۰

کیوں کہ اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو وہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی، وہ بھی بدکار اور ناشکری ہی ہوگی، ۝۲۷ اے میرے پروردگار! مجھ کو، میرے والدین کو اور جو مسلمان ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا اس کو، اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دیجئے، نیز آپ ظالموں کی ہلاکت و بربادی کو اور بڑھا دیجئے''۔ ۝۲۸

سُورَةُ الجِنّ

- سورہ نمبر : (۷۲)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۲۸)
- نوعیت : مکی

اس سورہ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں جنوں کے حاضر ہونے، ایمان لانے اور پھر اپنی قوم کی طرف پہنچ کر تبلیغِ دین کا فریضہ انجام دینے کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورہ کا نام 'جن' ہے —— سورہ کے شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اخیر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اس میں جنات کے اس وفد کا ذکر کیا گیا ہے، جو وادیٔ نَخْلَہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا، آپ کی زبانِ مبارک سے قرآن مجید سنا اور اس سے ان کے قلب ونظر کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا، جِنوں نے اپنے ساتھیوں میں جا کر قرآن مجید کی تعلیمات کا جو نقشہ کھینچا ہے اور انھیں دینِ حق کو قبول کرنے کی جو دعوت دی ہے، وہ اہل مکہ کے لئے ایک بہترین نصیحت تھی، اِس لئے وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے —— سورہ کے اخیر میں اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے، کوئی مخلوق عالم الغیب نہیں ہے، نہ انسان اور نہ جنات۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
قُلۡ اُوۡحِىَ اِلَىَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۝۱ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى
الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝۲ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا
وَلَدًا ۝۳ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ
وَالۡجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۵ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ
فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمۡ ظَنُّوۡا كَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسۡنَا
السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِيۡدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ
فَمَنۡ يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدۡرِىۡۤ اَشَرٌّ اُرِيۡدَ بِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ
اَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنَّا دُوۡنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝۱۱ وَّاَنَّا
ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ
فَمَنۡ يُّؤۡمِنۡ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا ۝۱۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجئے: میری طرف اس بات کی
وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے (مجھے قرآن پڑھتے ہوئے) سنا تو کہنے لگے: ''ہم نے تو ایک عجیب قرآن
سنا ہے ۝۱ جو درست راستہ کی رہنمائی کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ ہرگز کسی کو
شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ۝۲ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بڑی اعلیٰ شان ہے، جس نے نہ بیوی بنایا اور نہ اولاد، ۝۳
ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑا کرتے تھے، ۝۴ اور ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جنات اللہ کے
بارے میں جھوٹ نہیں بولیں گے، ۝۵ اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ وہ تھے، جو بعض جنوں کی پناہ لیا کرتے
تھے، اس طرح انھوں نے جنات کا غرور اور بڑھا دیا، ۝۶ اِن آدمیوں کا بھی وہی گمان تھا، جو تمہارا گمان ہے کہ اللہ
کسی کو دوبارہ زندہ نہیں فرمائیں گے، ۝۷ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت پہرے داروں اور شعلوں
سے بھرا ہوا ہے، ۝۸ اور ہم آسمان کے بعض ٹھکانوں پر سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے، تو (صورت حال یہ ہے کہ)
اب جو کوئی سننا چاہتا ہے تو وہ اپنے لئے ایک گھات لگائے شعلے کو تیار پاتا ہے، ۝۹ ہمیں نہیں معلوم کہ اس سے زمین
پر رہنے والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا منظور ہے یا ان کے رب نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے؟ ۝۱۰ اور ہم میں سے
کچھ تو نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے ہیں، ہمارے مختلف فرقے ہیں، ۝۱۱ اور ہم نے جان لیا کہ ہم اللہ کو نہ زمین
میں عاجز کر سکتے ہیں اور زمین سے بھاگ کر، ۝۱۲ اور جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر ایمان لے آئے،
تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے، نہ وہ نقصان کا اندیشہ کرے نہ ظلم کا۔ ۝۱۳

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

اور ہم میں سے بعض تو فرماں بردار ہیں اور بعض گنہگار، تو جو لوگ فرماں بردار بن گئے، انھوں نے تو درست راستہ تلاش کرلیا۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے تین عقل والی مخلوقات پیدا کی ہیں: انسان، جن اور فرشتہ، ان میں سے دو یعنی انسانوں اور جنوں کو احکام شریعت کا مکلف بنایا گیا ہے، فرشتوں کو چوں کہ گناہ کی استعداد نہیں دی گئی ہے؛ اس لئے وہ قدرتی طور پر ان کاموں کے پابند ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، جیسے سمندر کے بہتے رہنے اور ہوا کے چلنے میں ان کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی طرح فرشتے تکوینی طور پر طاعت الٰہی پر قائم رہنے کے پابند ہیں، ان تین مخلوقات میں سے جن اور فرشتے نظر نہیں آتے، انسان نظر آتے ہیں؛ اسی لئے قدیم فلاسفہ جنوں اور فرشوں کے وجود کو نہیں مانتے اور آج بھی سائنس داں عمومی طور پر ان کا انکار کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ایسے فرقوں نے بھی جو اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، فرشتوں اور جنوں کے وجود کا انکار کردیا؛ لیکن تقریباً دنیا کے تمام ہی مذاہب ان اَن دیکھی مخلوقات کو تسلیم کرتے رہے ہیں اور بہت سے تجربات انسان کی زندگی میں ایسے آتے رہے ہیں کہ کسی شخص پر جن کے سوار ہوجانے کی صورت دیکھنے کا موقع ملتا ہے، اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا ان کے نہ پائے جانے کی دلیل نہیں ہے، دنیا میں ہر وقت ہوائیں اپنا سفر جاری رکھتی ہیں، انسان ہواؤں کے چلنے کے آثار تو دیکھتا ہے؛ لیکن خود ہواؤں کو اپنے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ پایا، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ روح یعنی زندگی ایک یقینی چیز ہے، جو جانداروں کے جسم میں اَن دیکھے طور پر داخل بھی ہوتی ہے اور دبے پاؤں اس طرح نکل جاتی ہے کہ کوئی اس کی جھلک بھی نہیں دیکھ پاتا، لوگوں نے اپنی گرفت میں لینے کی ہزار کوشش کی؛ لیکن کامیابی حاصل نہ ہوسکی اور نہ معلوم کائنات میں کتنی چیزیں ہیں، جن کو دیکھنے سے ہماری آنکھیں قاصر ہیں تو کیا ان کے وجود کا انکار کردیا جائے گا؟

اس سورہ کا آغاز ہی جنوں کے ایک گروہ کے قرآن مجید سننے اور اس سے متاثر ہونے کے واقعہ سے ہوا ہے، جنوں کی ملاقات کا تذکرہ سورۂ احقاف میں بھی آیا ہے (آیت نمبر: ۲۹) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ دو الگ الگ واقعے ہیں، سورۂ احقاف میں جن جنوں کی آمد کا تذکرہ ہے، وہ اہل کتاب تھے، اور یہاں جن جنوں کا ذکر آیا ہے، وہ مشرکین تھے، مفسرین کے یہاں اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو جن آئے، کیا آپ ﷺ نے ان کو دیکھا بھی تھا، یا صرف انھوں نے آپ ﷺ کی بات سنی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ نے جنوں کو دیکھا نہیں تھا، صرف ان کی آواز سنی تھی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنوں کو دیکھا بھی ہے اور آپ ﷺ سے ان کی ملاقات بھی ہوئی ہے؛ اس لئے مفسرین نے دونوں کے درمیان تطبیق کی یہ شکل اختیار کی ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے جنوں کو دیکھا ہے اور یہ وہ موقع ہے جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے، اور یہاں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں جنوں سے آپ ﷺ کی ملاقات نہیں ہوئی ہے، انھوں نے صرف آپ ﷺ کی آواز سنی ہے۔

حدیث سے اس واقعہ کی یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ یوں تو آغاز کائنات ہی سے یہ نظم کیا گیا ہے کہ آسمان تک شیطان کی رسائی ←

← نہ ہو، جب وہ آسمان کی طرف چڑھتا تو اس پر شہاب ثاقب کے گولے پھینکے جاتے تھے، جس کی وجہ سے ان کا وہاں چڑھنا آسان نہیں ہوتا تھا؛ لیکن پھر بھی شیطان اور اس کے چیلوں کو روکنے میں اتنی سختی نہیں برتی جاتی تھی، بعض جنات چوری چھپے کہیں بیٹھ کر عالم غیب کی باتیں سن لیا کرتے تھے؛ لیکن اُن کو اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب اس نظام کو اور سخت کر دیا گیا ہے اور اب کسی کے چوری چھپے بھی وہاں پہنچنے کی گنجائش نہیں، یا یہ ہے کہ پہلے بھی 'شہاب ثاقب' گرا کرتے تھے؛ لیکن ان سے شیطان کو بھگانے کا کام نہیں لیا جاتا تھا، اب یہ کام لیا جانے لگا ہے، اس نئے نظام کو دیکھ کر انھیں خیال ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص بات آئی ہے، جبھی تو عالم بالا کے نظام کی حفاظت بڑھا دی گئی ہے؛ چنانچہ انھوں نے اس کی کھوج میں زمین پر چکر لگانا شروع کیا اور دیکھتے دکھاتے ان کا گذر اس مقام سے ہوا، جہاں رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے، قرآن کی کشش، اس کی اثر انگیزی اور اس کے مضامین کی وجہ سے جنوں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ ربانی کلام ہے؛ چنانچہ انھوں نے پوری توجہ سے قرآن کریم سنا اور پھر انھوں نے یہاں تک پہنچنے کی جو داستان سنائی اور باہمی مشورے کئے، سورہ کے آغاز سے لے کر آیت نمبر: ۱۴ تک اسی کو نقل کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنات نے اپنے قبیلے میں واپس پہنچ کر بتایا کہ ہم نے ایک عجیب وغریب کلام سنا ہے، جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے؛ اس لئے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور ہم نے طے کر لیا ہے کہ ہمیں شرک نہیں کرنا چاہئے، اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم میں سے جو لوگ ناروا باتیں کیا کرتے تھے، وہ بے وقوف ہیں، یوں تو انسانوں اور جنوں دونوں ہی میں ایسے لوگ موجود ہیں؛ لیکن جنوں کو بگاڑنے اور ان کے غرور کو بڑھانے میں انسانوں کا بھی حصہ ہے؛ کیوں کہ وہ مصیبتوں میں اور ایسے ویرانوں میں جہاں انسان کو گھبراہٹ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی بجائے جنات کی پناہ لینے لگتے ہیں؛ چنانچہ عربوں کا طریقہ تھا کہ اگر دورانِ سفر ان کسی ویران وادی میں رات بسر کرنی پڑتی تو وہ جناتوں کی پناہ کے کلمات کہا کرتے تھے، پھر انھوں نے اپنے آنے کا سبب بتایا کہ ہم نے دیکھا کہ آسمانوں کا پہرا سخت ہوگیا ہے اور ہم جہاں چوری چھپے بیٹھ جایا کرتے تھے، وہاں بھی 'شہاب ثاقب' کا حملہ ہو رہا ہے تو ہم نے سمجھا کہ ضرور کوئی بات ہوئی ہے؛ لیکن یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں بسنے والوں کے لئے کسی برائی کا فیصلہ کیا گیا ہے یا بھلائی کا؟ یعنی ہوسکتا ہے کہ کسی نبی کی بعثت ہوئی ہو اور اس پر فرشتے کلام الٰہی بے روک ٹوک لے کر جائیں؛ اس لئے خصوصی حفاظتی انتظام کیا گیا ہو، انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم میں اچھے لوگ بھی ہیں اور بُرے لوگ بھی؛ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ ہم بالکل عاجز ہیں؛ اس لئے اس پیغام ہدایت کو سنتے ہی بلا تاخیر ہم اس پر ایمان لے آئے، آگے انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ جو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا، وہ نقصان سے محفوظ رہے گا، اور حق کی راہ پالے گا۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۹/۱ تا ۱۶، تفسیر کبیر: ۱۵/ ۶۵۵ تا ۶۷۷)

ان تفصیلات سے چار باتیں پوری طرح واضح ہوجاتی ہیں: اول یہ کہ بحیثیت مخلوق جنوں کا بھی وجود ہے، دوسرے: جیسے انسان ایمان اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں، اسی طرح جن بھی پابند ہیں، تیسرے: جیسے انسانوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی اور نیک بھی اور بُرے بھی، یہی حال جنوں کا ہے، چوتھے: جیسے انسانوں میں سے ایمان نہ لانے والے لوگ دوزخ میں جائیں گے، اسی طرح جن بھی دوزخ میں جائیں گے، رہ گئی یہ بات کہ جو اُن میں سے نیک لوگ ہیں، کیا وہ جنت میں جائیں گے؟ تو اس میں اختلاف ہے؛ لیکن جو بات راجح معلوم ہوتی ہے، وہ یہی ہے کہ ان کے نیک لوگ بھی جنت میں جائیں گے۔

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً
غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ
الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ
عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ ع ۱۹ / ۱۱

اور جو گنہگار ہیں، وہ دوزخ کا ایندھن ہیں'' ﴿۱۵﴾ اور (اے رسول! ان سے یہ بھی فرمادیجئے) کہ یہ سیدھے راستے پر قائم رہیں تو ہم ان کو خوب سیراب کردیں گے؛ ﴿۱۶﴾ تاکہ ہم اِس سے ان کی آزمائش کریں، ﴿۱﴾ اور جو اپنے پروردگار کی یاد سے منھ موڑے گا تو وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کردیں گے، ﴿۱۷﴾ اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو، ﴿۲﴾ ﴿۱۸﴾ اور جب اللہ کا بندہ اللہ کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ اُس وقت مکہ مکرمہ میں سات سال سے قحط کی مصیبت تھی، اسی پس منظر میں فرمایا گیا کہ ہم ان کو خوب سیراب کردیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۹) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اصل اجر تو آخرت میں حاصل ہوگا؛ لیکن دنیا میں بھی اللہ کی نعمتوں سے نوازا جائے گا اور ان نعمتوں کا ایک مقصد انسان کی آزمائش بھی ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو پاکر شکرگزار ہوتے ہیں، یا ناشکری کا راستہ اپناتے ہیں؟

﴿۲﴾ مختلف مکان کے الگ الگ مقاصد ہوتے ہیں، گھر رہائش کے لئے ہوتا ہے، آفس انتظامی کاموں کے لئے، مدارس واسکول تعلیم وتربیت کے لئے، اسی طرح مسجدیں اللہ کی عبادت کے لئے ہیں ، جیسے: نماز، ذکر، تلاوت، اعتکاف، رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں مالِ غنیمت کی تقسیم کی ہے، جہاد میں زخمی ہونے والے بعض لوگوں کو مسجد میں رکھا ہے؛ تاکہ براہ راست آپ ﷺ کی نگرانی میں رہیں، جنگی قیدیوں کو مسجد کے ستونوں سے باندھا ہے؛ لیکن اس لئے کہ یہ سارے کام ایک عبادت ہی سے مربوط ہیں اور وہ عبادت ہے جہاد، دنیاوی کام جیسے خرید وفروخت وغیرہ کو مسجد میں انجام دینا درست نہیں، ان کو عبادت کے لئے خالص ہونا چاہئے، (ہندیہ، کتاب الکراہیۃ: ۳۲۱/۱) دینی تعلیم وتربیت بھی مسجد میں انجام دی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں درس دیا کرتے تھے اور صحابہ استفادہ کرتے تھے۔

﴿۳﴾ ٹوٹ پڑنا کبھی محبت میں بھی ہوتا ہے، دن ورات اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ کسی عالم کسی بزرگ سے مصافحہ کے لئے پوری خلقت اُمڈ آتی ہے، اور کبھی یہ ٹوٹ پڑنا تکلیف پہنچانے کے لئے بھی ہوتا ہے کہ ہجوم کسی پر گر پڑتا ہے اور اس کی جان تک لے لیتا ہے، اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے دونوں معنی مراد لئے گئے ہیں: ایک یہ کہ اس میں مشرکین مکہ کی عداوت اور زیادتی کا ذکر ہے کہ مسجدیں تو اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی تھیں؛ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے کعبۃ اللہ کو بُت پرستی کا مرکز بنالیا ہے اور ظلم پر ظلم یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کو کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں، ←

قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ
لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا
يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا
تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ
ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

آپ کہہ دیجئے: میں اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، ﴿۲۰﴾ کہہ دیجئے: نہ تم کو نقصان پہنچانا میرے اختیار میں ہے اور نہ ہدایت دینا، ﴿۲۱﴾ کہہ دیجئے: اللہ سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا اور اس کے سوا ہرگز مجھے کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی، ﴿۲۲﴾ لیکن (میرا کام) اللہ کی بات اور اس کے پیغام کو پہنچانا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، ﴿۲۳﴾ یہاں تک کہ جب یہ اس چیز کو دیکھیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے تو ان کو معلوم ہوجائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور تعداد میں کم ہیں؟ ﴿۲۴﴾ کہہ دیجئے: مجھے نہیں معلوم کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جارہا ہے، وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی لمبی مدت مقرر کر رکھی ہے؟ ﴿۲۵﴾ وہی غیب کا جاننے والا ہے؛ چنانچہ وہ کسی پر اپنے غیب کی باتوں کو ظاہر نہیں فرماتے، ﴿۲۶﴾ سوائے پیغمبر کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو، ﴿۱﴾ کہ وہ اس کے آگے پیچھے محافظ مقرر کردیتا ہے، ﴿۲۷﴾

← آیت نمبر: ۱۸ کے مضمون کے لحاظ سے اس آیت کی یہ تشریح زیادہ درست نظر آتی ہے، دوسری تشریح کے مطابق اس میں جنوں کا تذکرہ ہے کہ جنوں نے جب اس کلام کو سنا تو وہ یہاں ہجوم کر کے آپہنچے، بہرحال گنجائش اس معنی کی بھی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹؍۲۳)

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا جارہا ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، مجھے بھی نہیں معلوم کہ وہ قریب ہے یا دُور؟ کیوں کہ اس کا تعلق غیب سے ہے اور غیب سے تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واقف ہے، عربی گرامر کے لحاظ سے عالم الغیب پر الف لام 'استغراق' کے لئے ہے، یعنی عالم الغیب کے معنی ہیں: غیب کی تمام باتوں کو جاننے والا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے، آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ اپنی غیب کی باتوں سے کسی کو باخبر نہیں کرتے سوائے اپنے پیغمبر کے، یعنی اپنے پیغمبروں کو غیب کی کچھ باتوں کا علم عطا فرمادیتے ہیں تو ایک فرق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیب کی تمام باتوں کا علم ہے اور پیغمبروں کو کچھ باتوں کا، دوسرا فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے، کسی ذریعہ سے حاصل ہونے والا نہیں، اور پیغمبر کو جو تھوڑا بہت غیب کی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے، وہ وحی کے ذریعہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے؛ اس لئے رسول کو عالم الغیب سمجھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ گمراہی ہے، اس سے باز رہنا چاہئے۔

ع ۲ ۹ ۱۲

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

تاکہ اللہ جان لیں کہ انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے،﴿۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔﴿۲﴾ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو تنہا اور غیر محفوظ نہیں چھوڑا؛ بلکہ ان کے آگے پیچھے ہر طرح کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں، جو جنوں سے اور شیاطین سے رسول کی حفاظت کرتے ہیں، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حفاظت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کہیں شیطان اپنے آپ کو فرشتہ ظاہر کر کے کلام الٰہی میں ملاوٹ نہ پیدا کر دے تو اس مقصد کے لئے بھی فرشتے رکھے گئے ہیں، یعنی کلام الٰہی کی حفاظت کے ہمہ جہت انتظامات کئے گئے ہیں: کہ اول تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، پھر اس کا ریکارڈ لوح محفوظ میں ہے، پھر اسے لے کر آتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام، جن کی امانت و دیانت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، پھر رسول فرشتوں کے گھیرے میں رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ شیطان کی طرف سے ملاوٹ کا کوئی اندیشہ نہ رہے، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام پیغمبر کے سینے میں نقش کر دیا جاتا ہے، تو فرشتوں کو اس طرح رکھنے کی ایک حکمت قرآن کی حفاظت ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری حالات وواقعات کے اعتبار سے جان لیں کہ کیا پیغمبر نے اللہ کے پیغام کو اس طرح پہنچا دیا، جس طرح پہنچانا چاہئے؟ یہی تفسیر سب سے زیادہ دل لگتی معلوم ہوتی ہے — بعض حضرات نے جاننے سے رسول اللہ ﷺ کا یا شیطان کا جان لینا مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۳۰)

﴿۲﴾ شاید یہ خیال ہوتا کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہے؛ اس لئے واضح فرما دیا گیا کہ یہ اللہ کے اس نظام کے اعتبار سے ہے کہ جو چیز خدا کے علم میں ہے، وہ مشاہدہ کے ذریعہ سامنے آجائے اور معلومات کے جو عام وسائل ہیں، ان کے ذریعے بھی اُن کا ہونا معلوم ہو جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ اس کے رسولوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے سامنے ہے اور رسولوں ہی پر نہیں موقوف، زمین کا ایک ایک ذرہ، سمندر کا ایک ایک قطرہ، درخت کا ایک ایک پتہ، غرض کہ کائنات کی ہر چیز پر اس کی نگاہ ہے، اور گنتی کے ساتھ اس کا ریکارڈ اس کے پاس موجود ہے۔

سُورَةُ المُزَّمِّل

- سورہ نمبر : (۷۳)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۲۰)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’’مزمل‘‘ کے معنی چادر اوڑھنے والے یا چادر لپیٹنے والے کے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک لرزہ سا طاری ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم المومنین حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے چادر اُڑھاؤ، محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزمل کے لفظ سے مخاطب فرمایا ہے اور اسی خطاب سے سورہ کا آغاز ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام مزمل ہے۔

اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز تہجد کی تلقین کی گئی ہے، قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، فرعون کی نافرمانی وسرکشی اور اس بنیاد پر اس کی تباہی و بربادی کا ذکر فرمایا گیا ہے، نماز، زکوٰۃ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، جہاد کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔

یہ سورہ اصل میں تو مکہ مکرمہ میں نازل کی گئی ہے؛ لیکن چوں کہ اس میں زکوٰۃ کا بھی ذکر آیا ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض کی گئی ہے؛ اس لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس کی بعض آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝۲ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۝۳ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَرَتِّلِ
الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ
قِیۡلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ۝۷ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ۝۸ رَبُّ
الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَكِیۡلًا ۝۹ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ
هَجۡرًا جَمِیۡلًا ۝۱۰

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے چادر اوڑھنے والے! ۝۱ کچھ حصہ کو چھوڑ کر رات میں نماز پڑھا کیجئے ، ۝۲ یعنی آدھی رات یا اس سے کچھ کم ، ۝۳ یا آدھی سے کچھ زیادہ ، اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھئے ، ۝۴ عنقریب ہم آپ پر ایک بھاری فرمان اُتاریں گے ، ۝۵ یقیناً رات کا اُٹھنا (نفس کو) خوب پامال کرتا ہے اور اس وقت بات بھی ٹھیک طور پر ہوتی ہے ، ۝۶ دن میں تو آپ کو بہت سارا کام رہتا ہے ، ۝۷ اور اپنے پروردگار کا نام لیتے رہئے اور سب سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جایئے ، ۝۸ وہی مشرق و مغرب کا مالک ہے ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ؛ اس لئے آپ اسی کو کارساز بنایئے ، ۝۹ اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ، اس پر صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جایئے ۔ ﴿۱﴾ ۝۱۰

﴿۱﴾ 'مزمل' کے معنی اس شخص کے ہیں ، جو اپنے آپ پر کپڑا لپیٹے ہوا ہو ، یہاں اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں ، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے ؛ لیکن آپ ﷺ کو اس لفظ سے کیوں مخاطب کیا گیا اور کس وجہ سے آپ نے چادر لپیٹی ؟ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلی بار جب آپ ﷺ پر وحی نازل کی گئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ پر گھبراہٹ اور کپکپی کی کیفیت طاری ہوگئی ، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چادر منگائی اور اسے لپیٹ لیا ، آپ ﷺ کی اسی ادا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کو مزمل کے لفظ سے خطاب فرمایا گیا ہے ، (تفسیر کبیر : ۱۵/۶۹۳) اور محبوب کی طرف سے جو چیز آتی ہے ، حبیب کو دل و جان سے قبول ہوتی ہے ؛ اس لئے ایک عارضی کیفیت پر مبنی یہ صفت آپ ﷺ کے نام کے درجہ میں آگئی ، ابھی نبوت کا آغاز ہے اور آگے صبر و آزمائش کی بہت ساری منزلیں آنے والی ہیں ، اس مناسبت سے چند باتوں کی نصیحت فرمائی گئی ہے : پہلی یہ کہ رات میں نمازوں کا خوب اہتمام کیجئے ؛ بلکہ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گذاریئے ، آدھی رات سے بھی زیادہ ، ورنہ آدھی یا اس سے کم ، مفسرین نے لکھا ہے 'آدھی سے زیادہ سے' مراد دو تہائی ہے اور کم سے ایک تہائی ، اس سے مراد نماز تہجد ہے ، جس کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی ، (تفسیر قرطبی : ۱۹/۲۴) اُمت کے لئے یہ سنت ہے ؛ لیکن سنن مؤکدہ کے بعد اس نماز کی فضیلت سب سے بڑھ کر ہے ؛ البتہ اس کی رکعات و اوقات متعین نہیں ہیں ؛ تاکہ اپنی اپنی سہولت کے اعتبار سے ادا کی جائے ، ←

وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا
ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳﴾ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ﴿۱۴﴾
اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰی
فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ﴿۱۶﴾

نیز مجھ کو اِن ناز و نعمت میں رہنے والے جھٹلانے والوں کو سمجھ لینے دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے، ﴿۱۱﴾ یقیناً
ہمارے پاس بیڑیاں بھی ہیں اور دوزخ بھی ﴿۱۲﴾ اور گلے میں اَٹک جانے والا کھانا اور دردناک عذاب بھی، ﴿۱۳﴾ اس
دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلے ہوجائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ ہم نے تمہاری طرف ایک ایسے
پیغمبر کو بھیجا ہے جو تم پر گواہی دیں گے، ﴿۲﴾ جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف پیغمبر بھیجا تھا، ﴿۱۵﴾ پھر فرعون نے پیغمبر کا
کہا نہ مانا تو ہم نے اس کو سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ ﴿۱۶﴾

← دوسری نصیحت یہ ہے کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں؛ تاکہ جو کچھ پڑھا جائے، اسے سمجھا جائے، یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے پوری اُمت کے لئے ہے، اسی ضمن میں فرمایا گیا کہ عنقریب ہم آپ ﷺ پر ایک بھاری کلام اُتاریں گے، 'بھاری کلام' سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق قرآن مجید مراد ہے، یعنی یہ جو آپ کو رات میں نماز پڑھنے اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے، اس کا مقصد آپ کو تیار کرنا ہے کہ قرآن مجید جیسا بھاری کلام آپ پر اُتارا جائے گا، رات کو اُٹھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کا نفس پامال ہوتا ہے اور اس میں ضبط نفس کی قوت پیدا ہوتی ہے اور رات کے اس سناٹے میں جب قرآن پڑھا جائے گا — اور انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو گویا اپنے مالک سے باتیں کرتا ہے — تو اس طرح بات دل سے نکلے گی، رات میں عبادت کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ دن میں آپ کو دعوتِ اسلام کے لئے بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی، تیسری نصیحت یہ کی گئی کہ اپنے رب کا خوب ذکر کیا کیجئے، ذکر میں تسبیح، تحمید، کلمہ طیبہ، نماز، قرآن مجید کی تلاوت، یہاں تک کہ تعلیم و تعلم سب شامل ہیں؛ لیکن اللہ کا نام لے کر ذکر کرنا، ذکر کی صورت ایسی ہے کہ اس میں انسان سب سے ٹوٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، چوتھی نصیحت یہ ہے کہ جوں جوں اسلام کی دعوت کا کام بڑھے گا، مخالفت بھی تیز تر ہوتی چلی جائے گی؛ اس لئے اللہ پر بھروسہ رکھئے اور مخلوق کے ساتھ صبر کا معاملہ کیجئے کہ جو تکلیف دہ باتیں سامنے آئیں، ان کو برداشت کیجئے اور اس طرح کنارہ ہوجایئے کہ تلخی و ترشی بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

﴿۱﴾ یعنی ان کو عذاب دینے کے لئے جن جن وسائل کا استعمال کیا جاسکتا ہے، ان سب کا انتظام وہاں پہلے سے ہے، جو قیامت قائم ہونے کے بعد ان پر مسلط کیا جائے گا۔

﴿۲﴾ یعنی حشر کے میدان میں تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۱۷ اِلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ؕ كَانَ
ع ۱۹ ۱۳ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۱۸ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۱۹ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ
اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ
اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ
وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ
ع ۲ ۱۴ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۰

تو اگر تم کفر کرتے رہو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر ڈالے گا، ﴿۱﴾ ۱۷ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، ۱۸ یہ تو ایک نصیحت ہے، تو جو چاہے اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کر لے، ۱۹ آپ کے پروردگار خوب جانتے ہیں کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، ان میں سے کچھ لوگ دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات اللہ کی عبادت میں کھڑے رہتے ہیں اور اللہ ہی رات اور دن کی تعداد مقرر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تم اس کو نباہ نہیں سکو گے؛ اس لئے اس نے تم پر مہربانی کی: لہٰذا جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لیا کرو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے بیمار بھی ہوں گے، بعض تلاش معاش کے لئے زمین میں سفر بھی کریں گے، کچھ اور لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں گے؛ اس لئے جتنا آسانی سے ہو سکے، پڑھ لو، نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ دیتے رہو، اللہ کو اچھی طرح قرض دو، (یعنی اخلاص کے ساتھ نیکی کے راستہ میں خرچ کرو) اور تم اپنے لئے جو نیک عمل آگے بھیجو گے، اس کو اللہ کے پاس زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب والا پاؤ گے، نیز اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، بے شک اللہ بڑے بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ ﴿۲﴾ ۲۰

﴿۱﴾ یا تو اس کا مقصد قیامت کے دن کی شدت کو ظاہر کرنا ہے، عام طور پر محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص پر تو ایسی مصیبت آئی ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے، عربی زبان میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوا کرتا تھا، یا یہ مراد ہے کہ جن لوگوں کی موت بچپن میں ہوئی اور وہ اسی حال میں اُٹھائے جائیں گے تو قیامت کے دن کی درازی اور شدت کی وجہ سے بوڑھے ہو جائیں گے۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی، زیادہ تر اہل علم کی یہی رائے ہے؛ لیکن کیا ابتداءً صحابہ پر بھی نماز تہجد فرض تھی؟ اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں: اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابہ پر بھی رات کے ←

← ایک تہائی سے لے کر دو تہائی تک یہ نماز فرض کی گئی تھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صحابہ پر نمازیں فرض تو نہ رہی ہوں؛ لیکن جب رسول اللہ ﷺ اتنی دیر تک نماز ادا کیا کرتے تو ان کو دیکھ کر صحابہ نے بھی نمازیں پڑھنی شروع کردی ہوں؛ لیکن رات کے دو تہائی یا اس سے کم میں نماز پڑھتے رہنا دو وجہ سے دشوار ہوتا ہے، ایک تو جسمانی مشقت اور تکان، یہ عام لوگوں کے لئے بھی دشواری کا باعث ہوتا؛ لیکن کچھ لوگ بیمار اور مسافر بھی ہوتے رہے ہوں گے، ایسے لوگوں کے لئے مشقت اور بڑھ جاتی، دوسرے: اس بات کا اندازہ کرنا کہ کب رات کا ایک تہائی یا نصف یا دو تہائی ہورہا ہے، آسان کام نہیں تھا؛ کیوں کہ اس وقت موجودہ دور کی طرح گھڑی تو تھی نہیں، اسی مناسبت سے قرآن مجید کے اس فقرہ: ''علم أن لن تحصوه'' کے دو معنی بتائے گئے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تم لوگ اس پر پورا پورا عمل نہیں کرسکو گے، جیسا کہ خود قرآن مجید کے بیان سے واضح ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ ہی اس پر عمل کر پاتے تھے — ''لن تحصوه'' کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ تم اوقات کی اتنی مقدار کا حساب نہیں کرسکو گے، بہر حال مشقت کی جو بھی وجہ ہو، فرمایا گیا کہ اب جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو، یہ کافی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۵۵) علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق پہلا حکم بارہ ماہ تک باقی رہا اور بعض میں اس سے کم اور زیادہ کا بھی ذکر آیا ہے، (تفسیر طبری: ۲۳/ ۶۷۹) — اللہ تعالیٰ نے مسافروں کے دو طبقوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک وہ جن کا سفر کسبِ معاش کے لئے ہو، دوسرا وہ جس کا سفر جہاد کے لئے ہو، گویا کسبِ معاش کا سفر اور جہاد کا سفر دونوں کو ایک درجہ میں رکھا گیا ہے، اس سے اسلام کی نظر میں کسبِ معاش کی فضیلت واہمیت معلوم ہوتی ہے۔

سُورَةُ المُدَّثِّر

- سورہ نمبر : (٧٤)
- رکوع : (٢)
- آیتیں : (٥٦)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

عربی زبان میں 'شِعَار' اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے لگا ہوا ہو اور ان کپڑوں کے اوپر سے جو چادر اوڑھی جائے اس کو ''دثار'' کہتے ہیں، اس طرح 'مدثر' کے معنی چادر لپیٹنے والے کے ہوئے ـــــ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی جو حراء میں نازل ہوئی، اس کے بعد کچھ وقفہ دیا گیا؛ لیکن آپ مشتاق تھے کہ پھر وہی کلام آپ پر اُتارا جائے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی فرشتے کو اُفق پر دیکھا، آپ پر کپکپی طاری ہوگئی، آپ ﷺ اپنے دولت خانہ تشریف لائے اور اُم المومنین حضرت خدیجہؓ سے چادر اُڑھانے کو کہا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدثر چادر لپیٹنے والے کے لفظ سے خطاب فرمایا، اسی خطاب سے اس سورہ کا آغاز ہوتا ہے؛ اس لئے اس سورہ کا نام 'مدثر' ہے۔

یہ سورہ آپ ﷺ پر ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، اس میں آپ ﷺ کو دعوتِ دین کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، اس راستہ میں جو آزمائشیں آنے والی ہیں، ان پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، اسلام کا ایک بدترین مخالف ولید بن مغیرہ تھا، اس کی حرکتوں، ناشکریوں اور سرکشیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، قیامت کے یقینی طور پر واقع ہونے سے باخبر کیا گیا ہے اور قیامت میں جو صورتِ حال پیش آئے گی اور نامۂ اعمال لوگوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۝١ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۝٢ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۝٣ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرۡ ۝٤ وَالرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡ ۝٥ وَلَا
تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ۝٦

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے کپڑے میں لپٹے ہوئے ،﴿۱﴾ ۝١
کھڑے ہوجائیے ، (لوگوں کو) خبردار کردیجئے ،﴿۲﴾ ۝٢ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے ، ۝٣ اپنے کپڑوں کو
پاک رکھئے ،﴿۳﴾ ۝٤ اور بتوں سے بچے ہی رہئے ،﴿۴﴾ ۝٥ (کسی کے ساتھ) اس غرض سے احسان نہ کیجئے کہ آپ
زیادہ حاصل کرلیں ۔﴿۵﴾ ۝٦

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہونے کے بعد کچھ وقفہ دیا گیا؛ لیکن آپ ﷺ کا دل بے چین اور آنکھیں مشتاق تھیں کہ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد ہو اور اللہ کے کلام کی مٹھاس کانوں کو حاصل ہو، آپ ﷺ اسی اضطراب کی حالت میں تھے کہ ایک دن آسمان کی طرف سے آواز آئی، آپ ﷺ نے سر اُٹھایا تو دیکھا، وہی فرشتہ جو حراء میں آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں گھبرا گیا اور کانپنے لگا، اسی حال میں گھر واپس ہوا اور کہنے لگا: مجھے چادر اُوڑھاؤ، مجھے چادر اُوڑھاؤ، اس وقت لوگوں نے مجھے ایک کپڑا اُوڑھادیا؛ چنانچہ اس کے بعد مجھ پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۶۲)

﴿۲﴾ کھڑے ہونے اور خبردار کرنے سے مراد یہ ہے کہ پورے حوصلہ اور عزم و ہمت کے ساتھ دعوت دین کا فریضہ انجام دیجئے، جو آپ کی اصل ذمہ داری ہے۔

﴿۳﴾ کپڑوں کو پاک رکھنے کا ایک مطلب تو وہی ہے، جو اس لفظ کا ظاہری مفہوم ہے، یعنی کپڑے پاک صاف رکھئے، زمانۂ جاہلیت میں ظاہری طہارت کا بھی وہ اہتمام نہیں تھا، جو نماز کے لئے ضروری ہے؛ چنانچہ بہت سے اہل علم یہی معنی مراد لیتے ہیں، (تفسیر طبری: ۲۳/ ۴۰۹) اور علامہ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ نماز کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۷۰) دوسرا مطلب بیان کیا گیا ہے کہ کپڑوں سے مراد عمل ہے؛ کیوں کہ جیسے کپڑے انسان کے صبح و شام اور سرد و گرم کے ساتھی ہیں، اسی طرح عمل دنیا سے آخرت تک کا ساتھی ہے، گویا مطلب یہ ہے کہ اپنے دامن عمل کو ہر طرح کی گندگی سے پاک رکھئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا رجحان اسی تفسیر کی طرف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۹۸)

﴿۴﴾ یعنی بُت پرستی سے تو آپ بچے ہوئے ہیں ہی؛ کیوں کہ نبی نبوت سے پہلے بھی کفر و شرک سے معصوم ہوتا ہے، اب حکم دیا جارہا ہے کہ آئندہ بھی اس سے بچے ہی رہئے۔ (تفسیر کشاف: ۴/ ۶۳۳)

﴿۵﴾ انسان کی عام نفسیات یہ ہے کہ انسان کوئی چیز یہ سوچ کر دیتا ہے کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ دے گا؛ اس لئے نصیحت فرمائی گئی کہ آپ کا کسی پر احسان کرنا ـــــ خواہ یہ احسان دین کے پہلو سے ہو یا دنیا کے پہلو سے ـــــ اس لئے نہ ہونا چاہئے کہ وہ اس کا معاوضہ بڑھ کر ادا کرے گا، ایک اور مطلب اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنے عمل کو اپنے خالق و مالک پر احسان ←

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰ ذَرْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝۱۱ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۲ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۳
وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝۱۴ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝۱۵ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝۱۶ سَاُرْهِقُهٗ
صَعُوْدًا ۝۱۷ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝۱۸ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۱۹ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۰ ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۱ ثُمَّ
عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۲۲ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۳ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝۲۴ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ
الْبَشَرِ ۝۲۵ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝۲۶

اور اپنے پروردگار کے واسطے صبر کیجئے، ۝۷ پھر جب صور پھونکا جائے گا، ۝۸ تو ایمان نہ لانے والوں پر بڑا کٹھن دن
ہوگا، آسان نہ ہوگا، ۝۹ ۝۱۰ آپ مجھ کو اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے، چھوڑ دیجئے، ۝۱۱ میں نے اس کو
بہت سارا مال عطا کیا، ۝۱۲ حاضر باش اولاد سے نوازا، ۝۱۳ اور اس کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا، ۝۱۴ پھر بھی
وہ حرص کرتا ہے کہ اسے اور زیادہ دوں، ۝۱۵ ہرگز نہیں، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے، ۝۱۶ عنقریب میں اس کو
(دوزخ کے پہاڑ) ''صعود'' پر چڑھاؤں گا، ۝۱۷ اس نے سوچا اور ایک بات طے کی ۝۱۸ تو وہ ہلاک ہو، اس نے کیسی
بات طے کی؟ ۝۱۹ پھر اس پر خدا کی مار ہو، اس نے کیسی بات طے کی؟؟ ۝۲۰ پھر اس نے دیکھا ۝۲۱ پھر تیوری چڑھائی
اور برا سا منھ بنایا، ۝۲۲ پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور تکبر کرنے لگا، ۝۲۳ پھر بولا: یہ تو محض ایک جادو ہے، جو نقل کیا جا رہا ہے، ۝۲۴
بس یہ تو کسی آدمی کا کلام ہے، ۝۲۵ میں عنقریب اس کو دوزخ میں جھونک دوں گا۔ ﴿۱﴾ ۝۲۶

← نہ سمجھئے کہ گویا آپ نے بہت عمل کر لیا ہے، حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۹۷)

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے جب اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی اور اہل مکہ کی سخت مخالفت کے باوجود لوگ یکے بعد دیگرے دین حق کی طرف آنے لگے تو مخالفین کو بڑی فکر ہوئی کہ لوگوں کو کس طرح اسلامی دعوت سے روکا جائے؟ اس فکر مندی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حج کے موقع سے عرب کے کونہ کونہ سے لوگ مکہ پہنچتے تھے، اگر محمد ﷺ نے دعوت دی تو بہت آسانی سے لوگ اسے قبول کر لیں گے؛ چنانچہ ان لوگوں نے مشورے کی مجلس رکھی اور اس بات پر غور کیا کہ آخر ہمیں محمد ﷺ کے بارے میں لوگوں کو کیا کہنا چاہئے؟ کچھ لوگوں نے کہا: ہم اس کو مجنون کہیں گے، ولید بن مغیرہ نے کہا: تو کیا تم نے محمد میں جنون کی کیفیت دیکھی ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، پھر ایک رائے سامنے آئی کہ ان کو شاعر کہا جائے، ولید بن مغیرہ نے کہا: کیا تم نے کبھی محمد ﷺ کو شعر کہتے سنا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کو جھوٹا قرار دیا جائے، ولید نے دریافت کیا: تم نے کبھی ان پر کسی جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟ لوگوں نے انکار کیا، کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کو کاہن قرار دیا جائے، ولید نے کہا: تم نے کبھی ان کو کاہنوں جیسی بے جوڑ ←

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبۡقِىۡ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

اور تمہیں معلوم ہے کہ دوزخ کیا ہے؟ ﴿۲۷﴾ یہ وہ ہے جو نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، ﴿۱﴾ ﴿۲۸﴾ کھال کو جھلسا دینے والی ﴿۲۹﴾ اس پر اُنیس (فرشتے متعین) ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۰﴾

← اور بے ربط باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ جب کوئی معقول بات سامنے نہ آسکی تو ولید نے کہا: میں نے ان کا کلام سنا ہے، وہ نہ انسان کا کلام ہوسکتا ہے اور نہ جنات کا، اس میں مٹھاس ہے، اس کی جڑیں گہری ہیں اور اس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہیں، وہ ہر ایک سے اونچا ہے اور اس سے کوئی اونچا نہیں، یہ کہہ کر ولید مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا اور قریش میں شور مچ گیا کہ ولید بھی اپنے دین سے پھر گیا ہے، پھر ابوجہل اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: مجھے بڑا افسوس ہے کہ مکہ کے لوگ تمہارے لئے چندہ کر رہے ہیں کہ تم مال کے لئے اپنے دین سے پھر گئے ہو اور محمد سے جڑ گئے ہو، یہ سننا تھا کہ وہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا: مجھے محمد اور اس کے ساتھی ابوبکر کے ٹکڑوں کی ضرورت نہیں ہے، تم میری دولت مندی کے بارے میں واقف ہو؛ چنانچہ اس نے کافی سوچا، غور کیا اور غور کرتے وقت آدمی مخاطب کے چہرے کو دیکھتا بھی ہے، چہرے کو بسورا اور یہ عمل اس وقت بھی ہوتا ہے، جب آدمی کو اپنے ضمیر کے خلاف کوئی بات کہنی پڑے، پھر اخیر میں اس نے کہا: ہاں محمد کو جادوگر کہہ سکتے ہو؛ کیوں کہ وہ شوہر بیوی، باپ بیٹے، آقا و غلام کے درمیان تفریق پیدا کر دیتا ہے، ان آیات میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۷۴)

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوا تو تنہا تھا، نہ دولت تھی نہ اولاد، پھر میں نے اس کو دولت سے نوازا، کہا جاتا ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ولید کے بہت سارے اونٹ، گھوڑے، چوپائے، باغات، غلام اور باندیاں تھے، روپے پیسے اور کھیتیاں بھی اچھی خاصی تھیں، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ولید کو تیرہ لڑکے تھے، اور لڑکے بھی ایسے جو ہر وقت باپ کی خدمت میں مستعد، ان میں سے تین بیٹے، خالد بن ولید، ہشام بن ولید اور ولید بن ولید مسلمان ہوئے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۷، ۷۲) اللہ کی ان نعمتوں کا تقاضا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لاتا؛ لیکن اس نے اُلٹے سرکشی کی تو اب میں اسے اور لوگوں سے بڑھ کر سزا دوں گا، اور وہ سزا یہ ہے کہ دوزخ میں 'صعود' نام کا پہاڑ ہے، یہ پورا پہاڑ آگ کا ہے، جس کی چڑھائی اور اترائی ستر ستر سال کی ہے، اِس پر اُس کو چڑھایا اور گرایا جائے گا، (ترمذی، عن ابی سعید خدری ؓ، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۲۶) پھر آیت نمبر: ۱۸ سے لے کر ۲۴ تک ولید کی مختلف کیفیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو اُس نے اِس مشورہ کے موقع پر اختیار تھا۔

﴿۱﴾ یعنی نہ سکون اور راحت کے ساتھ زندہ رہنے دے اور نہ مار دے کہ اس تکلیف سے آزاد ہو جائے۔

﴿۲﴾ یعنی دوزخ کے انتظام اور اس کی تکلیف کو باقی رکھنے کے لئے ۱۹/ فرشتے مقرر ہوں گے، انھیں میں سے ایک داروغہ دوزخ کا نام 'مالک' ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۷۹)

وَمَا جَعَلۡنَآ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلۡنَا عِدَّتَهُمۡ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۙ
لِيَسۡتَيۡقِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَيَزۡدَادَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِيۡمَانًا وَّلَا يَرۡتَابَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا
الۡكِتٰبَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَلِيَقُوۡلَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡكٰفِرُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا
مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ
وَمَا هِىَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع ۳۱ ۱۵

ہم نے صرف فرشتوں ہی کو دوزخ کا ذمہ دار مقرر کیا ہے، ﴿۱﴾ اور ہم نے ان کی تعداد بس کافروں کی آزمائش کے لئے رکھی ہے؛ تاکہ جن کو کتاب دی گئی ہے، وہ یقین کرلیں، جو مسلمان ہیں، ان کے ایمان میں اضافہ ہوجائے اور اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک نہ ہو، اور تاکہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، وہ اور ایمان نہ لانے والے کہیں کہ اللہ کی اس مثال سے کیا غرض ہے؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے محروم رکھتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں، اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو انسانوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳۱﴾

﴿۱﴾ فطری طور پر اپنے ہم جنس سے محبت اور ہمدردی ہوا کرتی ہے؛ اس لئے دوزخ کے کارکنان صرف فرشتے ہوں گے؛ تاکہ انھیں اہل دوزخ سے کوئی ہمدردی نہ ہو۔

﴿۲﴾ اہل مکہ کے سامنے جب یہ بات آئی کہ دوزخ پر ۱۹ ؍فرشتے متعین ہیں تو کہنے لگے: محمد (ﷺ) کے پاس اتنا چھوٹا لشکر ہے، صرف ۱۹ ؍فرشتے، اس کا مقابلہ کیا دشوار ہے؟ یہ آیات اسی کے جواب میں ہیں، جس میں پہلی بات فرمائی گئی کہ ہم نے یہ تعداد آزمائش کے لئے رکھی ہے کہ جو ایمان نہیں لائے، ہم ان کا امتحان لیں؛ کیوں کہ جب دوزخ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے تو اس کی ضروریات سے بھی اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں، پھر ان فرشتوں کی طاقت کا دنیا کے انسانوں کی طاقت سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، یہ ایسا ہی ہے کہ ہاتھی کی طاقت کا اندازہ چیونٹی کی طاقت سے کیا جائے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ چوں کہ قرآن کے مخاطب صرف مشرکین نہیں ہیں، یہود ونصاریٰ بھی ہیں، تو انھیں یہ تعداد دیکھ کر اطمینان ہوجائے؛ کیوں کہ گذشتہ کتابوں میں دوزخ پر مامور فرشتوں کی یہی تعداد بیان کی گئی ہے، اگر موجودہ بائبل میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو یہ اس دعویٰ کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہے؛ کیوں کہ بائبل تو سینکڑوں تحریفات سے گذر چکا ہے، کیا عجب کہ یہ عبارت رہی ہو اور نکال دی گئی ہو؟ آپ ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو یہودی اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس پر اعتراض کیا جائے، اگر قرآن مجید کا یہ بیان غلط ہوتا تو یہودیوں نے اس پر ضرور انگلی اُٹھائی ہوتی —— اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ ہیں تو کافر ومشرک؛ لیکن ان کے دلوں میں تذبذب اور شک کی بیماری ہے، وہ کہنے لگیں: یہ تعداد مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک نامعقول بات ہے، اگر اس سے کم یا زیادہ تعداد مقرر ہوتی تب بھی وہ یہی سوال کرتے؛ اس لئے اخیر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ اپنے لشکر کو خوب جانتے ہیں۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۹؍۸۲)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا
لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ
اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾
قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ
الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ
الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾

ہاں! قسم ہے چاند کی، ﴿۳۲﴾ اور رات کی جب جانے لگے، ﴿۳۳﴾ اور صبح کی جب روشن ہوجائے، ﴿۳۴﴾ کہ دوزخ بڑی بھیانک چیزوں میں سے ایک ہے، ﴿۱﴾ ﴿۳۵﴾ جو انسان کے لئے بہت ڈراؤنی ہے، ﴿۳۶﴾ تم میں سے جو آگے بڑھنا چاہے، اس کے لئے بھی، یا پیچھے ہٹنا چاہے، اس کے لئے بھی، ﴿۲﴾ ﴿۳۷﴾ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہوگا، ﴿۳۸﴾ سوائے داہنی طرف والوں کے، ﴿۳﴾ ﴿۳۹﴾ کہ وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے، گنہگاروں سے پوچھ رہے ہوں گے، ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ کہ تم کو کونسی چیز دوزخ میں لے گئی؟ ﴿۴۲﴾ تو وہ کہیں گے: "نہ ہم نماز پڑھا کرتے تھے، ﴿۴﴾ ﴿۴۳﴾ نہ فقیر کو کھانا کھلاتے تھے، ﴿۴۴﴾ ہم بھی باتیں بنانے والوں کے ساتھ باتیں بنانے لگتے تھے، ﴿۴۵﴾ اور ہم لوگ قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے، ﴿۴۶﴾ یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی" ﴿۴۷﴾ تو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہیں آئے گی۔ ﴿۵﴾ ﴿۴۸﴾

﴿۱﴾ "احدی الکبر" کے معنی ہے: "احد الدواھی" (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۸۵) اس کا مناسب ترجمہ اُردو میں 'بھیانک چیزوں میں سے ایک' ہوسکتا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی جو ایمان وہدایت کی طرف آگے بڑھنا چاہے، اس کے لئے، اور جو ایمان وہدایت سے پیچھے رہنا چاہے، اس کے لئے بھی دوزخ ایک تنبیہ ہے۔

﴿۳﴾ یعنی جن کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

﴿۴﴾ نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائے تھے، جس کی وجہ سے نماز پڑھنے کی توفیق ہوجاتی ہے۔

﴿۵﴾ جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کو تو دوزخ میں ان کے کفر کی وجہ سے داخل کیا جائے گا؛ لیکن بعض مسلمان گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جاتے ہیں، ان دوسری قسم کے لوگوں کو ان لوگوں کی سفارش کام آئے گی، جن کو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۸۸) اور جو ایمان سے محروم ہوں گے، ان کی سفارش ہی نہیں کی جائے گی۔
(البحر المحیط: ۸/ ۳۸۰)

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

ع ۲ ۲۵ ۱۶

الثلثة

پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ پھیرے ہوئے ہیں؟ ﴿۴۹﴾ گویا وہ بِدکے ہوئے گدھے ہیں، ﴿۵۰﴾ جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں؛ ﴿۵۱﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آجائے، ﴿۵۲﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو آخرت کا ڈر نہیں ہے، ﴿۱﴾ ﴿۵۳﴾ ہرگز نہیں! یہ قرآن تو نصیحت ہے، ﴿۵۴﴾ تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے، ﴿۵۵﴾ اور یہ لوگ نصیحت بھی اسی وقت حاصل کریں گے، جب کہ اللہ کو منظور ہو، اس کی یہ شان ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی معاف کرنے کا مالک ہے۔ ﴿۵۶﴾

﴿۱﴾ یعنی مقصود غیب پر ایمان لانا ہے اور اس کے لئے کائنات میں پھیلی ہوئی دلیلوں اور انبیاء کے ذریعہ آئے ہوئے کلام میں غور کرنا چاہئے، اگر ہر شخص کے ہاتھ میں اللہ کی کتاب اُتر آئے تو پھر یہ غیب پر تو ایمان ہوا نہیں، اور مقصود غیب پر ایمان ہے۔

سُورَةُ القِيَامَةِ

- سورہ نمبر : (۷۵)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۴۰)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کے شروع میں ہی قیامت کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے اس سورہ کا نام قیامت ہے؛ چوں کہ یہ سورہ 'لا اُقسم' کے لفظ سے شروع ہوئی ہے، اس لئے اس کا ایک نام ''لا اُقسم'' بھی ہے۔

اس سورہ کا مرکزی مضمون قیامت ہے، مشرکین انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے کو ناممکن سمجھتے تھے، انھیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد ایک ایک عضو کو دوبارہ جمع کر سکتے ہیں، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت ہے کہ اس نے ایک قطرۂ منی سے انسان کو وجود بخشا اور کسی کو مرد اور کسی کو عورت بنایا۔

ضمنی طور پر قرآن مجید کی حفظ وتلاوت کا ذکر بھی آ گیا ہے، قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت آپ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں کوئی آیت بھول نہ جائیں؛ اس لئے آپ ﷺ یاد کرنے میں عجلت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلایا کہ قرآن مجید کی حفاظت میں نے اپنے ذمہ رکھی ہے؛ اس لئے آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، ہم آپ کے سینے میں قرآن محفوظ کریں گے اور پھر اس کی تشریح ومراد سے بھی آپ کو آگاہ فرمائیں گے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۝۱ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ۝۲ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ۝۳ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، ۝۱ اور قسم کھاتا ہوں (اپنے آپ کو) ملامت کرنے والے نفس کی (کہ سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے) ﴿۱﴾ ۝۲ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ ۝۳ ہاں، ضرور کریں گے، ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پور پور درست کردیں۔ ﴿۲﴾ ۝۴

﴿۱﴾ قرآن مجید میں تین طرح کے نفس کا ذکر ہے، نفس امارہ، (یوسف: ۵۳) نفس لوامہ، (قیامۃ: ۲) نفس مطمئنہ، (فجر: ۲۷) —— نفس امارہ سے مراد ایسا نفس ہے جو انسان کو بُرائیوں کی طرف دعوت دے، اور نفس کی اصل فطرت یہی ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ پر اُکساتا رہتا ہے؛ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ نفس تو برائی کی طرف بلاتا ہی ہے، (یوسف: ۵۳) انسان جب اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرکے اس کو کنٹرول کرتا ہے، تو اس میں یہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ اگر اس سے گناہ کا ارتکاب ہوجائے تو وہ اسے ملامت کرے اور اس کے ضمیر کو شرمندگی ہو تو اب یہ کیفیت 'نفس لوامہ' کی ہے؛ چوں کہ انبیاء کے سواء کوئی گناہ سے معصوم نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان سے خطا ہوتی ہے: ''کل بنی آدم خطاءٌ'' (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر: ۲۴۹۹) اس لئے اس کیفیت کا پیدا ہوجانا بھی بڑی بات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھا کر اس کی فضیلت واہمیت کو واضح فرمادیا، پھر جب اس کیفیت میں ترقی ہوتی ہے تو ایک ایسا وقت آتا ہے جب اس کا نفس 'نفس مطمئنہ' بن جاتا ہے، یعنی شریعت کے ہر حکم پر اسے طبعی اطمینان حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم فرمایا ہے، وہ دل کو بھانے لگتی ہیں اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، انسان کو وہ ناگوار گذرتی ہیں۔

﴿۲﴾ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے تھے یا کرتے ہیں، وہ اللہ کی قدرت کو اپنی قدرت کی ترازو میں تول کر دیکھتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ اربوں کھربوں لوگ مرچکے ہوں گے تو ان کے گوشت، ان کے چمڑے اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، مٹیوں میں اور آپس میں رَل مِل چکے ہوں گے، تو پھر ان کو دوبارہ اسی جسم اور اسی صورت کے ساتھ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ چہرے کی تو ایک شناخت ہوتی ہے، ہڈیاں بھی سخت ہوتی ہیں اور زیادہ دنوں تک اپنے وجود کو باقی رکھ پاتی ہیں؛ لیکن انگلیوں کے پور ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر ان کی پہچان نہیں ہوتی اور جلد مٹی میں مل جاتے ہیں؛ لیکن اللہ تو اس کو بھی جمع کرنے پر قادر ہے —— اس میں ایک لطیف نکتہ وہ ہے جس کا موجودہ سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ جیسے انسان کے چہروں، اس کی آوازوں، اس کی چال ڈھال وغیرہ میں امتیاز رکھا گیا ہے اور ان میں ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے، اسی طرح انسان کے بہت سے بیرونی واندرونی اعضاء باہم ممتاز ہیں، ان ہی میں انگلیوں کے پوروں کے نشانات ہیں؛ اس لئے جو لوگ لکھنے پر قادر نہ ہوں، ←

بَلۡ يُرِيۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِيَفۡجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسۡـَٔلُ اَيَّانَ يَوۡمُ الۡقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ۝۷
وَخَسَفَ الۡقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ۝۹ يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا
وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ اِۨلۡمُسۡتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ
الۡاِنۡسَانُ عَلٰى نَفۡسِهٖ بَصِيۡرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوۡ اَلۡقٰى مَعَاذِيۡرَهٗ ۝۱۵ لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ۝۱۶
اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۝۱۷ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۝۱۸

بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی نافرمانی ہی کرتا رہے،《۱》۵ وہ پوچھتا ہے: قیامت کا دن کب آئے گا؟ ۶ تو جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، ۷ چاند گہنا جائے گا، ۸ سورج اور چاند ایک حالت پر جمع کردیئے جائیں گے،《۲》۹ اس دن انسان بول اُٹھے گا: اب کہاں بھاگ کر جاؤں؟ ۱۰ ہرگز نہیں، کہیں کوئی پناہ کی جگہ نہیں، ۱۱ اس دن آپ کے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے، ۱۲ انسان نے جو عمل آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا، اس کو وہ سب بتادیا جائے گا، ۱۳ بلکہ انسان اپنے آپ سے خوب آگاہ ہوگا، ۱۴ چاہے وہ اپنے کتنے ہی بہانے کرے،《۳》۱۵ (اے پیغمبر!) آپ جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ ہلایا کریں، ۱۶ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے، ۱۷ تو جب ہم قرآن پڑھا کریں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ ۱۸

← ان کے انگوٹھے کے نشان لئے جاتے ہیں اور اب امیگریشن کے لئے بھی پانچوں انگلیوں کے نشانات کو محفوظ کیا جاتا ہے، ایک طرف اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اس نے کیسا کارخانۂ تخلیق بنایا ہے، جس میں ڈھلنے والی ہر شئے دوسرے سے جدا ہے؟ دوسرے: اس بات پر غور کیجئے کہ کیا اس کے بعد بھی قرآن کی حقانیت پر کوئی اور دلیل چاہئے کہ اس نے تقریباً پندرہ سو سال پہلے انسانیت کو ان حقائق سے باخبر کیا ہے، جن کا سائنس کی غیر معمولی ترقیات کے بعد آج انکشاف ہوا ہے؟

《۱》 یعنی جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، ان کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب آخرت کے حساب وکتاب کا کوئی کھٹکا نہیں رہے گا تو پھر دنیا میں بے جا عیش وعشرت اور ظلم وزیادتی کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی؛ اس لئے وہ لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

《۲》 چاند کے گہن لگنے سے مراد ہے: اس کی روشنی کا ختم ہوجانا، اور چاند اور سورج کے ایک حالت پر جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں بے نور ہوجائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۹۶)

《۳》 یعنی انسان جب اپنے نامۂ اعمال کو دیکھے گا تو اس کو اپنی حرکتیں اچھی طرح یاد آجائیں گی؛ کیوں کہ انسان لاکھ حیلے بہانے کرے، وہ اپنی حالت سے خوب واقف رہتا ہے اور خود اس کا ضمیر اس پر ملامت کرتا رہتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾

پھر اس کی تشریح کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے، ﴿۱﴾ ﴿۱۹﴾ ہرگز نہیں! مگر (اے ایمان نہ لانے والو!) تم دنیا سے محبت رکھتے ہو، ﴿۲۰﴾ اور آخرت کو چھوڑے دیتے ہو، ﴿۲۱﴾ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۶ سے ۱۹ تک کے درمیان ضمنی طور پر ایک دوسرا مضمون آیا ہے اور اس کا تعلق قرآن مجید سے ہے، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ پر قرآن مجید پیش کرتے تو آپ اسے تیز تیز پڑھتے اور اس کے لئے زبان کو حرکت دیتے؛ تاکہ قرآن کے الفاظ جلد یاد ہوجائیں، اور کوئی لفظ یا کوئی فقرہ چھوٹنے نہ پائے، اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ اس میں جلدی نہ کیجئے؛ کیوں کہ یہ سارا نظام آپ کی کوشش ومحنت پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم اور تدبیر سے ہے؛ اس لئے ہم ہی آپ ﷺ کے سینے میں قرآن کو محفوظ کردیں گے کہ اس کا ایک لفظ بھی اِدھر اُدھر نہ ہو، پھر آپ جو قرآن پڑھیں گے، وہ بھی ہم ہی پڑھائیں گے؛ لہٰذا جب ہماری طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآنی آیات پیش کریں تو آپ خاموش رہیں اور غور سے سنیں، یہی مطلب ہے پڑھنے کی پیروی کرنے کا، پھر یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ قرآن کے معانی کا بیان اور اس کی تشریحات ہماری ہی ذمہ داری ہے —— اس مضمون سے متعدد باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید آپ ﷺ کے بعد جمع ہوا ہو، بعد کو جمع کئے جانے کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ بعد کو اس کو ایک کتابی شکل میں لکھا گیا، ورنہ تو قرآن خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے سینے میں جمع کردیا تھا اور اسی کے مطابق آپ نے انھیں لکھوایا تھا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قرآن جس لب ولہجہ میں پڑھا جاتا ہے اور جس طرح آپ نے صحابہ کو پڑھنا سکھایا ہے، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے، یعنی قرآن کے الفاظ بھی اور اس کے پڑھنے کا اُسلوب بھی من جانب اللہ محفوظ ہے، تیسرے: آپ ﷺ سے کہا گیا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھیں تو اس وقت آپ نہ پڑھا کریں؛ بلکہ خاموش ہوکر غور سے سنیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۰۶) اس سے معلوم ہوا کہ جب امام قرآن پڑھ رہا ہوتو مقتدیوں کا کام 'سننا اور خاموش رہنا' ہے، جب ہی امام کی پیروی ہوگی؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے، (ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر: ۸۵) چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر الفاظ قرآنی اُتارے ہیں، ویسے ہی معانی قرآن کو بھی اُتارا ہے، حدیث ان ہی معانی قرآن کا نام ہے؛ اس لئے حدیثیں بھی حجت ہیں اور اللہ ہی کی طرف سے ہیں —— آج کل مہدوی حضرات —— جو سید محمد جونپوری کو امام مہدی مانتے ہیں —— کہتے ہیں کہ معانی قرآن امام مہدی پر اُتارے گئے، یہ آیت اس کی تردید کرتی ہے؛ کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے؛ اس لئے یقیناً قرآن مجید کی تشریحات بھی آپ ہی پر نازل ہوئی ہیں؛ چنانچہ خود قرآن مجید نے آپ ﷺ کی ذمہ داریوں میں اس بات کو بھی شامل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے لئے قرآن کی تشریح کریں گے: ''لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ'' (النحل: ۴۴) پس، قرآن مجید کی تشریح رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مکمل ہوچکی، امام مہدی پر قرآن مجید کی تشریح اُترنے کی بات درست نہیں ہے؛ بلکہ ان کا کام اپنے زمانہ میں قرآن کے احکام کو نافذ کرنا ہے، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی بات کے آجانے کے سینکڑوں سال بعد اس کی تشریحات آئیں؟

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ
التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ
يَوْمَئِذِ ِۨ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ ع ۱۷
يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾

جو اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے،《۱》﴿۲۳﴾ اور اس دن بہت سے چہرے اُداس ہوں گے، ﴿۲۴﴾ وہ خیال کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا، ﴿۲۵﴾ ہرگز نہیں! (تم مر کر فنا نہیں ہو جاؤ گے؛ بلکہ) جب جان گلے تک آ پہنچے گی، ﴿۲۶﴾ اور کہا جائے گا: کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا بھی ہے؟《۲》﴿۲۷﴾ اور خود اُس کو یقین ہو جائے گا کہ یہ جُدا ہونے کا وقت ہے، ﴿۲۸﴾ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی،《۳》﴿۲۹﴾ تو اس دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف ہی جانا ہوگا، ﴿۳۰﴾ تو اس نے نہ تو (قرآن کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی،《۴》﴿۳۱﴾ لیکن جھٹلایا اور منھ پھیر لیا، ﴿۳۲﴾ پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا، ﴿۳۳﴾ افسوس ہے تجھ پر، پھر افسوس ہے، ﴿۳۴﴾ پھر تجھ پر افسوس بالائے افسوس۔《۵》﴿۳۵﴾

《۱》 معلوم ہوا کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں حاصل ہوں گی، ان میں سب سے عظیم نعمت یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ حجاب ہٹائیں گے اور لوگ اللہ کا دیدار کریں گے تو خدا کی قسم! اللہ نے اس سے زیادہ بڑی نعمت اور آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی چیز عطا نہ کی ہوگی، (السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۱۱۲۳۴) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اپنا سر اُٹھا لو کہ یہ عبادت کا دن نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۰۹)

《۲》 یعنی انسان کی فطرت ہے کہ پہلے تو جان بچانے کے لئے علاج وغیرہ کی تدبیریں کرتا ہے؛ لیکن جب علاج سے فائدہ کی اُمید نہیں رہتی تو پھر دیکھتا ہے کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا مل جائے، شاید اس کے عمل سے کوئی فائدہ پہنچ جائے۔

《۳》 پنڈلی کے پنڈلی سے ملنے سے مراد شدت تکلیف ہے، جب انسان کی تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے تو وہ ایک پنڈلی دوسرے پنڈلی پر پٹخنے لگتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۱۲)

《۴》 اس آیت میں یا تو ایسے انسان کی عمومی کیفیت بیان کی گئی ہے، جو ایمان سے محروم ہیں کہ نہ تو ان کا دل ایمان سے مشرف ہوا اور نہ ان کے جسم نے وہ عمل کئے، جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے کہ ان آیات میں خاص طور پر ابوجہل کے رویہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

《۵》 پہلے چار نافرمانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، تصدیق نہ کرنا، نماز نہ پڑھنا، جھٹلانا اور منھ پھیر لینا، پھر ان چاروں کے مقابلہ میں ←

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾ ع ۲ ۱۸

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ﴿۳۶﴾ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہیں تھا، جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے، ﴿۳۷﴾ پھر وہ جما ہوا خون بن گیا، پھر اللہ نے اس کو بنایا اور (اس کے اعضاء کو) درست کیا، ﴿۳۸﴾ پھر اس کی دو قسمیں کردیں: مرد اور عورت ﴿۳۹﴾ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے؟ ﴿۱﴾ ﴿۴۰﴾

← چار دفعہ وعید و افسوس کا ذکر ہے، گویا ان میں سے ہر عمل اس لائق ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کی کم بختی اور محرومی پر افسوس کیا جائے ——— 'اولیٰ' کا لفظ یہاں 'ویل' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہلاکت وتباہی کے ہیں؛ اسی لئے اولیٰ یہاں تہدید یعنی ڈرانے اور دھمکی دینے کے معنی میں ہے، ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لے جارہے تھے کہ ابوجہل سے ملاقات ہوگئی، آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دو دفعہ ہلاتے ہوئے کہا: ''اولیٰ لک فاولیٰ ثم اولیٰ لک فاولی'' ابوجہل نے کہا: کیا تم مجھے ڈراتے ہو؟ میں مکہ کے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سب سے معزز شخص ہوں، نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو نہ تمہارا خدا، اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۱۵) ابوجہل نے غزوۂ بدر کے موقع سے مسلمانوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ آج کے دن کے بعد کبھی اس 'اللہ' کی عبادت نہ ہوسکے گی، جس پر مسلمان ایمان رکھتے ہیں؛ چنانچہ اس کا یہ حشر ہوا کہ بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی تخلیق میں کئی مرحلوں سے گذارا ہے، منی کے ایک قطرہ حقیر کا گوشت بن جانا، گوشت کے معمولی ٹکڑے کا چلتا پھرتا انسان ہوجانا اور پھر ایک ہی طرح کے قطرے اور گوشت کے لوتھڑے سے کسی کا مرد اور کسی کا عورت بن کر پیدا ہونا کیا کوئی معمولی بات ہے؟ جب اللہ اس بات پر قادر ہے تو اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ مُردہ کو دوبارہ زندہ کردے ——— رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ اس سورہ کو پڑھتے تو اخیر میں: ''سبحانک اللهم بلی'' کہا کرتے، (ابوداؤد، باب مقدار الرکوع الخ، حدیث نمبر: ۸۸۷) یعنی ''اے اللہ! آپ کی ذات تمام کمزوریوں سے پاک ہے اور آپ ضرور تمام مُردوں کو پیدا کرنے پر قادر ہیں'' اس لئے نماز سے باہر اور نفل نمازوں میں سورہ قیامہ کے ختم پر یہ کہنا چاہئے، گویا یہ اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب ہے؛ البتہ احناف کے نزدیک فرض نمازوں میں اس کو نہ کہنا بہتر ہے۔ (مبسوط للسرخسی: ۱/ ۳۸)

سورة الدھر

- سورہ نمبر : (۷۶)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۳۱)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ سورہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ میں نازل کی گئی ہے، یہی اکثر اہل علم کی رائے ہے، اس کی پہلی آیت میں انسان اور دَہر کا لفظ آیا ہے، انسان کے معنی تو ظاہر ہیں، اور دَہر کے معنی زمانہ کے ہیں، اس مناسبت سے اس سورہ کا نام انسان بھی ہے اور دَہر بھی۔

اس سورہ میں انسان کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، بعض مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو پوری کتاب ایک ساتھ اُتار دی گئی ہوتی، اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ قرآن تو اُتارا ہم نے ہی ہے؛ لیکن تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے؛ کیوں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ
مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ٭ۖ نَّبۡتَلِیۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا
وَّاِمَّا کَفُوۡرًا ﴿۳﴾ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغۡلٰلًا وَّسَعِیۡرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ
مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوۡرًا ﴿۵﴾ عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوۡنَهَا تَفۡجِیۡرًا ﴿۶﴾
یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَیَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسۡتَطِیۡرًا ﴿۷﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ بے شک انسان پر زمانہ کا ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا، ﴿۱﴾ ① ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے پیدا کیا؛ تاکہ ہم اس کو آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنا دیا، ﴿۲﴾ ② ہم نے اس کو راستہ بھی دکھایا کہ وہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا؟ ③ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں، طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، ④ یقیناً نیک بندے (شراب کے) ایسے جام پییں گے جس میں کافور ملا ہوا ہوگا، ﴿۳﴾ ⑤ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے (نیک) بندے پیا کریں گے، وہ اس کی نالیاں بہا کر لے جائیں گے، ⑥ وہ لوگ منتیں پوری کرتے ہیں، ﴿۴﴾ اور اس دن سے ڈرتے ہیں، جس کی مصیبت (چاروں طرف) پھیلی ہوئی ہوگی۔ ⑦

﴿۱﴾ عربی زبان میں ''هَلۡ'' کے معنی آتے ہیں: ''کیا''؟ یعنی یہ سوال کرنے کے لئے بولا جاتا ہے؛ لیکن یہاں یہ ''قد'' یعنی تاکید کے معنی میں ہے، اس لئے اس کا ترجمہ بے شک سے کیا گیا ہے، (کشاف: ۵۳/۴) —— خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے انسان کو خود اپنے آپ پر غور کرنا چاہئے کہ آج تو وہ بھلا چنگا، خوبصورت اور خوش آواز نظر آتا ہے؛ لیکن اس پر ایک زمانہ ایسا بھی گذر چکا ہے، جب وہ ایک معمولی نطفہ یا گوشت کا لوتھڑا تھا، نہ اس کا کوئی چہرہ تھا جس سے اس کی پہچان ہو، نہ اس کی کوئی شخصیت تھی، نہ اس کا کوئی مال وخزانہ تھا، وہ اس لائق ہی نہ تھا کہ کوئی اس کا ذکر بھی کرنا چاہے، پھر ایسی بے وقعت چیز کو ایک باوقار انسان بنانے کا کام آپ سے آپ تو نہیں ہو گیا؛ یقیناً خدا ہی کی قدرت اس کے پیچھے ہے۔

﴿۲﴾ ملے جلے نطفہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے وجود میں کائنات کے کتنے ہی اجزاء شامل ہیں: مٹی، نمک، لوہا، پتھر، پانی وغیرہ، ان بکھرے ہوئے ذرات کو اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے نطفہ میں جمع فرما دیا اور پھر اس کو انسان کی تخلیق کا ذریعہ بنایا، یہاں تک کہ قطرۂ بے جان سنتا دیکھتا انسان بن گیا، جس کا مقصد اس کا امتحان ہے کہ وہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکرا رہتا ہے؟

﴿۳﴾ دنیا میں بھی کافور خوشبودار اور صحت بخش ہوتا ہے اور جنت کا کافور تو ظاہر ہے کہ جنت کے شایانِ شان ہوگا، جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

﴿۴﴾ جو نیک عمل انسان پر واجب نہ ہو اور انسان اس کو اپنے اوپر واجب کر لے، اس کو 'نذر' کہتے ہیں، جیسے نفل نماز واجب نہیں ہے؛ ←

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا
نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝۱۰ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ
شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝۱۱ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝۱۲
مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝۱۳

اور خود چاہت رکھنے کے باوجود محتاج، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں، ﴿۱﴾ ۸ اور کہتے ہیں: ہم تم کو اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلا رہے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ، ۹ ہمیں اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگا رہتا ہے جو ہولناک اور سخت دن ہوگا، ۱۰ تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا، ان کو تروتازگی اور خوشی عطا فرمائے گا، ۱۱ اور ان کو ان کے صبر کے بدلہ جنت اور ریشمی لباس سے نوازے گا، ۱۲ وہ جنت میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ وہاں دھوپ (کی تپش) دیکھیں گے نہ جاڑے کی شدت۔ ۱۳

← لیکن کسی نے اپنے ذمہ واجب کرلیا تو اب اس کا پورا کرنا واجب ہے؛ البتہ احناف کے نزدیک منت ماننے کی وجہ سے ایسی چیز واجب ہوجاتی ہے، جو خود تو واجب نہ ہو؛ لیکن اس کی جنس واجب ہو، جیسا کہ نفل نماز کی مثال دی گئی؛ لیکن جس کی جنس واجب نہ ہو، اس کی نذر کا اعتبار نہیں، جیسے: مریض کی عیادت، (ہندیہ: ۱/۲۰۸، الباب السادس فی النذر) البتہ مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نذر سے ہر واجب عمل مراد ہے، خواہ اس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہو، یا انسان نے خود اپنے اوپر واجب کرلیا ہو۔ (تفسیر کبیر: ۱۶/۵۹)

﴿۱﴾ یہاں ''علی حبه'' کا ترجمہ کیا گیا ہے: خود چاہت رکھنے کے باوجود، مطلب یہ ہے کہ ایک شخص خود ضرورت مند ہے؛ لیکن اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر دوسرے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے ـــ سلف صالحین کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ ربیع بن خثیم نامی ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کے پاس اگر کوئی سائل آتا تو چوں کہ وہ خود میٹھی چیز کو پسند کرتے تھے؛ اس لئے اپنے خادموں سے کہتے تھے کہ اس کو میٹھی چیز کھلاؤ ''علی حبه'' کا ایک اور معنی ''اللہ کی محبت میں'' بھی ہوسکتا ہے، یعنی وہ ناموری کے لئے نہیں؛ بلکہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کھانا کھلایا کرتا ہے، یہ تفسیر فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور اُردو میں ترجمہ کرنے والوں نے زیادہ تر اسی معنی کو لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۲۸، نیز دیکھئے: روح المعانی: ۲۹/۱۵۵) ـــ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قیدیوں کو بھی کھلانے کا ذکر فرمایا ہے اور اس زمانہ میں قیدی عموماً غیر مسلم ہی ہوا کرتے تھے تو اس آیت نے واضح کیا کہ قرآن مجید غیر مسلموں کے ساتھ کس درجہ حسن سلوک کی ترغیب دیتا ہے کہ چاہے خود بھوکا رہنا پڑے؛ لیکن ان کو کھلایا جائے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہاں قیدی سے مراد وہ مشرکین ہیں، جو مسلمانوں کی قید میں ہوں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۲۹) اس آیت کے ذیل میں جابر جُعفی سے ایک خاص روایت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادگان کے بارے میں نقل کی گئی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ
وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا
كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا
كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ
رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع ۲۲/۱۹

ان پر اس کے (درختوں کے) سائے جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے نیچے لٹکا دیئے جائیں گے، ﴿۱۴﴾
اوران پر چاندی کے برتنوں اور شیشوں کے گلاسوں کا دور چل رہا ہوگا، ﴿۱۵﴾ شیشے بھی چاندی کے، جن کو بھرنے والوں نے
مناسب اندازے سے بھرا ہوگا، ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾ اوران کو وہاں ایسے جامِ شراب پلائے جائیں گے، جس میں سونٹھ ملا ہوا
ہوگا، ﴿۱۷﴾ (یعنی اس کا بھی) جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام 'سلسبیل' ہے، ﴿۱۸﴾ ان کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے
ہوں گے، جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، آپ ان پر نظر ڈالیں تو ایسا خیال ہوگا کہ یہ بکھرے ہوئے موتی ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾
اور آپ وہاں جدھر بھی نظر اُٹھائیں گے تو بڑی نعمتیں اور بڑی سلطنت دکھائی دے گی، ﴿۲۰﴾ جنت والوں پر سبز باریک
ریشمی اور دبیز ریشمی کپڑے ہوں گے اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، نیز ان کے پروردگار ان کو پاکیزہ
شراب پلائیں گے، ﴿۳﴾ ﴿۲۱﴾ یقیناً یہ تم لوگوں کا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے نزدیک) مقبول ہوگئی۔ ﴿۴﴾ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ دنیا میں چاندی اور شیشہ دونوں سفید اور صاف وشفاف ہوتے ہیں؛ لیکن دونوں کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے، چاندی اتنی کثیف ہوتی ہے کہ اندر کی چیز باہر نظر نہیں آتی، اور شیشہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ چیزیں آر پار نظر آتی ہیں، تو جنت میں ایسی چاندی ہوگی، جس میں چاندی کی سفیدی بھی ہوگی اور شیشہ کی لطافت بھی، اس سے بھرے ہوئے جام کا حسن دوبالا ہوجائے گا اور پھر پلانے والے اس کو مناسب انداز سے بھریں گے، نہ بہت زیادہ کہ اس کو اُٹھانا گراں گذرے، نہ بہت کم کہ بار بار لینا پڑے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴۱/۱۹)

﴿۲﴾ کیوں کہ کم عمر لوگوں سے خدمت لینے میں انسان کو سہولت ہوتی ہے اور موتی اگر کسی جگہ بکھیر دیا جائے تو وہ ایک جگہ اکٹھا کر کے رکھنے کے مقابلہ زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔

﴿۳﴾ مردوں کے لئے شراب کے جام، ریشم کے کپڑے اور چاندی کے کنگن اس دنیا میں حلال نہیں ہیں، آخرت میں ان کی کوئی ممانعت نہ ہوگی۔

﴿۴﴾ حالاں کہ جنت تو اللہ کے فضل سے حاصل ہوگی، انسان کا صرف اپنی کوشش سے جنت کا پانا دشوار ہے؛ لیکن یہ کہہ کر اہل جنت کا اکرام اور ان کی عزت افزائی مقصود ہوگی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ
كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا
طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ
وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾

(اے رسول!) ہم نے ہی آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن اُتارا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲۳﴾ تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر جمے
رہئے اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کی بات نہ مانیے، ﴿۲﴾ ﴿۲۴﴾ نیز صبح وشام اپنے پروردگار کا نام لیا کیجئے، ﴿۲۵﴾
اور رات کے کچھ حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے اور بہت رات تک اس کی پاکی بیان فرماتے رہئے، ﴿۳﴾ ﴿۲۶﴾ یہ لوگ تو
دنیا ہی کو چاہتے ہیں اور انھوں نے بھاری دن (یعنی قیامت) کو پس پشت چھوڑ رکھا ہے، ﴿۲۷﴾ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا
ہے اور ان کے جوڑوں کو مضبوط بنایا ہے، ﴿۴﴾ اور جب ہم چاہیں، ان کی جگہ ان ہی جیسے اور لوگوں کو لے آئیں۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ تاکہ قرآن کا یاد کرنا اور اس کو لوگوں تک پہنچانا آسان ہو۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ کے پاس عُتبہ بن رَبیعہ اور ولید بن مُغیرہ آئے تھے، عتبہ نے کہا کہ میری بیٹیاں قریش کی عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں، اگر آپ اس دین سے باز آجائیں تو ہم اپنی بیٹی کو بغیر کسی مہر کے آپ کے نکاح میں دے دیں گے، اور ولید نے کہا کہ اگر آپ یہ سب ڈھونگ مال کے لئے رچا رہے ہیں تو میرے پاس مال کی کمی نہیں ہے، میں اپنا مال آپ کو پیش کردوں گا؛ بشرطیکہ آپ دعوتِ دین سے رُک جائیں، اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۴۹) کہ آپ ان کی باتوں میں نہ آئیں، ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے ان باتوں میں آنے کا سوال ہی نہیں تھا؛ لیکن اصل میں یہ خطاب اُمت سے ہے کہ زن اور زر، عورت اور دولت کی ہوس تمہارے قدموں کو پھسلا نہ دے۔

﴿۳﴾ اس میں پانچوں نمازوں کا اور تہجد کا ذکر ہے، صبح وشام اللہ کا نام لینے میں تین نمازوں کی طرف اشارہ ہے، فجر جو دن کے ابتدائی حصہ میں پڑھی جاتی ہے، ظہر وعصر جو دن کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے اور رات میں سجدہ کرنے سے مراد مغرب وعشاء کی نمازیں ہیں، جو رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھی جاتی ہیں اور شب کے طویل حصہ میں نماز پڑھنے سے مراد 'نماز تہجد' ہے، جو رات میں ادا کی جاتی ہے، نسبتاً طویل ہوتی ہے اور جو آپ ﷺ پر فرض کی گئی تھی۔
(تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۵۰، تفسیر بیضاوی: ۵/ ۱۶۶، روح المعانی: ۲۹/ ۱۶۶)

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر جوڑوں کی بندشوں کو مضبوط کرنے کا ذکر فرمایا، انسان کے مختلف اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، بظاہر یہ ایسی چیز سے نہیں باندھے گئے ہیں، جو سخت اور بہت مضبوط ہوں، یہ رگوں، پٹھوں اور گوشتوں کے ساتھ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں، عام طور پر یہ رگیں بہت باریک ہیں، ریشے ان سے بھی زیادہ باریک ہیں، نہ ان میں لوہے، پیتل اور تانبے کی صلابت ہے اور نہ یہ پلاسٹک کی طرح بظاہر مضبوط نظر آتے ہیں؛ لیکن پوری زندگی یہ کام کرتے رہتے ہیں، ←

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع ۲ ۲۰

یہ تو نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کر لے، ﴿۲۹﴾ اور تم (یہ بھی) اسی وقت چاہو گے؛ جب کہ اللہ کو منظور ہو، یقیناً اللہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۳۰﴾ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیتے ہیں اور اللہ نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۱﴾

← نہ تانبے، پیتل کی طرح گھس جاتے ہیں، نہ لوہے کی طرح ان میں زنگ لگتا ہے، نہ پلاسٹک کی طرح جسم کی حرارت سے نرم پڑتے ہیں، یا مدت گذرنے کے ساتھ بہت سخت ہو جاتے ہیں؛ بلکہ یکساں طریقہ پر کام کرتے رہتے ہیں، ورنہ کسی مشین کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑنے کے لئے جو اسکرو اور نٹ بولٹ استعمال کئے جاتے ہیں، چند ہی سالوں میں کتنی بار ان کو بدلنے کی نوبت آجاتی ہے۔

سُورَةُ المُرسَلات

- سورہ نمبر : (۷۷)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۵۰)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کے شروع میں قسم کھاتے ہوئے 'مرسلات' کا لفظ آیا ہے، مرسلات سے مراد وہ ہوائیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے بھیجی جاتی ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام مرسلات ہے۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، سورہ کی ابتداء میں متعدد چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، اللہ کی ان قدرتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، جن کو انسان سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، پھر ایمان نہ لانے والوں کے ہولناک انجام کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے بہترین انجام کا بھی۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۝۱ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۝۳ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۝۴
فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۝۵ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۝۶ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۝۸ وَاِذَا
السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۝۹ وَاِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ۝۱۱ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ۝۱۲
لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۝۱۳ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۝۱۴ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۝۱۵ اَلَمۡ نُهۡلِكِ
الۡاَوَّلِیۡنَ ۝۱۶ ثُمَّ نُتۡبِعُهُمُ الۡاٰخِرِیۡنَ ۝۱۷ کَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝۱۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ان ہواؤں کی قسم! جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں، ۝۱ پھر ان کی جو جھونکے کے ساتھ چلتی ہیں، ۝۲ اور (بادلوں کو) پھیلا دیتی ہیں، ۝۳ پھر ان کی جو (بادلوں کو) پارہ پارہ کر دیتی ہیں، ۝۴ پھر اُن فرشتوں کی قسم! جو وحی لاتے ہیں، ۝۵ عذر کو دور کرنے یا ڈرانے کی غرض سے، ﴿۱﴾ ۝۶ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ ضرور ہو کر رہے گی، ۝۷ تو اس دن ستاروں کی روشنی جاتی رہے گی، ۝۸ آسمان پھٹ جائے گا، ۝۹ پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے، ۝۱۰ اور تمام پیغمبر مقررہ وقت پر حاضر کئے جائیں گے، ﴿۲﴾ ۝۱۱ (آپ کو معلوم ہے) کس دن کے لئے اس کو مؤخر کیا گیا؟ ۝۱۲ فیصلہ کے دن کے لئے! ۝۱۳ اور آپ کو معلوم ہے فیصلہ کا دن کیا ہے؟ ۝۱۴ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہے، ۝۱۵ کیا ہم گزشتہ لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے؟ ۝۱۶ پھر ہم بعد والوں کو بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے کر دیں گے، ﴿۳﴾ ۝۱۷ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ ۝۱۸

﴿۱﴾ ان آیات کے ابتدائی پانچ فقروں میں قسم کھائی گئی ہے، ان میں سے آیت نمبر: ۵، میں وحی لانے والے فرشتے مراد ہیں، اس پر اتفاق ہے، اور اسی سے مربوط آیت نمبر: ۶ ہے، یعنی ان فرشتوں کی قسم جو اللہ کی کتابیں لاتے ہیں؛ تاکہ لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے کہ ہم تک اللہ کی کتاب نہیں پہنچی اور تاکہ یہ کتابیں لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کا ذریعہ بنیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۵۶) اور پہلی چار آیتوں میں یا تو ہوائیں مراد ہیں یا فرشتے، یہاں ترجمہ ہواؤں کا معنی مراد لے کر کیا گیا ہے، اگر فرشتوں کا معنی مراد لیا جائے تو پہلی آیت کا معنی ہوگا: ان فرشتوں کی قسم جو مسلسل وحی لے کر بھیجے گئے، دوسری آیت کے معنی ہوں گے: وہ فرشتے جو تیز ہواؤں کو چلاتے ہیں، تیسری آیت کے معنی ہوں گے: وہ فرشتے جو بادلوں کو پھیلا دیتے ہیں، اور چوتھی آیت کے معنی ہوں گے: وہ فرشتے جو رزق کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے بانٹتے ہیں۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۵۵، ۱۵۶)

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو جمع فرمائیں گے؛ تاکہ وہ اپنی اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں۔

﴿۳﴾ یعنی جیسے گذشتہ قوموں کو عذاب دے چکے ہیں، جو لوگ بعد میں دین حق کو جھٹلائیں گے، ان کو بھی اسی طرح عذاب ہوگا۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾
اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ
الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً
فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، ﴿۱۹﴾ کیا ہم نے تم کو ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ﴿۲۰﴾ پھر ہم نے
اس کو ایک مقررہ وقت تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا، ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ پھر ہم نے اندازہ مقرر کیا تو ہم کیا ہی بہتر اندازہ
کرنے والے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۲۳﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، ﴿۲۴﴾ کیا ہم نے زمین کو زندوں
اور مردوں کو سمیٹ لینے والی نہیں بنایا؟ ﴿۳﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے اور تم کو میٹھا پانی
پلایا، ﴿۴﴾ ﴿۲۷﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ محفوظ جگہ سے ماں کا رحم مراد ہے اور مقررہ وقت سے ولادت تک کا وقت مراد ہے۔

﴿۲﴾ یعنی ہم نے تمام تفصیلات مقرر کر دیں کہ بچہ کب پیدا ہوگا، حمل میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف کتنے دنوں میں منتقلی ہوگی، کب اس میں روح پڑے گی، کب یہ حمل ایک مکمل انسان بن جائے گا، یہ اچھا انسان ہوگا کہ بُرا انسان، دراز قد ہوگا یا پست قد، وغیرہ؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فقرہ کا یہی مطلب نقل کیا گیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۶۰) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ چالیس دنوں تک وہ اپنے ماں کے پیٹ میں نطفہ کی صورت میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں جما ہوا خون رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ چار احکام کے ساتھ فرشتوں کو بھیجتے ہیں؛ چنانچہ اس کا عمل، موت کا دن، روزی اور یہ بات کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ لکھی جاتی ہیں، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (بخاری، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۷۰۱۶، مسلم، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲۶۴۳)

﴿۳﴾ زندوں کو سمیٹنا یہ ہے کہ انسان اسی زمین کی پشت پر رہتا بستا ہے، اس کے لئے پھل، اناج، ترکاریاں، درخت زمین ہی سے ملتے ہیں، وہ اگرچہ گوشت اور دودھ جانوروں سے حاصل کرتا ہے؛ لیکن ان جانوروں کی غذا بھی زمین ہی سے حاصل ہوتی ہے، اور مُردوں کو سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد وہ زمین ہی میں دفن کیا جاتا ہے، اگر آگ میں جل کر اور پانی میں ڈوب کر اس کی موت ہوئی ہو تب بھی بالآخر اس کے اجزاء زمین ہی میں جذب ہو جاتے ہیں، اس سے بعض فقہاء نے یہ معنی اخذ کیا ہے کہ نہ صرف مردہ کو زمین میں دفن کرنا چاہئے؛ بلکہ بال اور اس کے جو اجزاء جسم سے الگ کئے جائیں، ان کو بھی زمین کے اندر ہی دفن کر دینا چاہئے۔ (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۷۱)

﴿۴﴾ زمین کے اندر سے پینے کے لئے میٹھے پانی کا نکلنا کتنی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر ان لوگوں سے پوچھئے، جن کے یہاں قدرتی طور پر میٹھا پانی نہیں نکلتا اور سمندر کے کھارے پانی کو صاف کر کے پینے کے یا کھیتی کے لائق بنایا جاتا ہے۔

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۚ﴿۲۹﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا
يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ؕ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ ۚ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ؕ﴿۳۳﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ
لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ۙ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ
لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۚ جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنۡ كَانَ لَـكُمۡ كَيۡدٌ فَكِيۡدُوۡنِ ﴿۳۹﴾
وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ ۙ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ؕ﴿۴۲﴾ ع ۲۱

(اس دن ان کو حکم دیا جائے گا کہ) تم جس چیز کو جھٹلایا کرتے تھے، اسی کی طرف چلو، ﴿۲۹﴾ یعنی ایک ایسے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، ﴿۳۰﴾ نہ وہ ٹھنڈی چھاؤں والا ہے اور نہ آگ کی تپش سے بچاتا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۳۱﴾ وہ محل جیسے بڑے بڑے انگارے پھینک رہی ہوگی، ﴿۳۲﴾ ایسے کہ گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۳۳﴾ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے، ﴿۳۴﴾ یہ وہ دن ہے کہ لوگ بات بھی نہ کرسکیں گے، ﴿۳۵﴾ اور نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی، ﴿۳﴾ ﴿۳۶﴾ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے، ﴿۳۷﴾ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) یہی فیصلہ کا دن ہے جس میں ہم نے تم کو اور پہلے لوگوں کو جمع کردیا، ﴿۳۸﴾ تو اگر تم کو کوئی تدبیر آتی ہو تو مجھ پر چلالو، ﴿۴﴾ ﴿۳۹﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے، ﴿۴۰﴾ یقیناً اس دن تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ چھاؤں میں، چشموں میں ﴿۴۱﴾ اور اپنے من پسند میووں میں ہوں گے۔ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ یعنی دوزخ کے کثیف دھوؤں کا سایہ، جو اوپر چل کر تین حصوں میں تقسیم ہوجائے گا، عام طور پر اگر کسی جگہ سے کثیر مقدار میں دھواں نکلے تو اسی طرح وہ اوپر جاکر مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۶۲)

﴿۲﴾ بظاہر تو یہ ایک قسم کا سایہ ہوگا؛ لیکن وہ ٹھنڈک سے خالی ہوگا، اور اس کی چنگاریاں اتنی بڑی ہوگی کہ جیسے بڑے بڑے محل ہوں، پھر ان چنگاریوں کے بکھرنے کے کے بعد بھی ان کے ٹکڑے اتنے بڑے ہوں گے کہ جیسے زرد اونٹ ہوں، زرد اونٹ سے سیاہی مائل اونٹ مراد ہیں۔

﴿۳﴾ بعض آیات میں اہل دوزخ کے اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے اور معذرت کرنے کا ذکر آیا ہے؛ لیکن پھر ان کو بولنے سے منع کردیا جائے گا اور اس لاحاصل عرض ومعروض کا موقع باقی نہیں رہے گا۔

﴿۴﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس اُمت کے اور پچھلی اُمتوں کے پیغمبروں کو جھٹلانے والے لوگ ایک جگہ کردیئے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۶۷) پھر ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم لوگ ہمارے رسولوں سے بہت لڑا کرتے تھے، تو اب اپنے بچاؤ کی تدبیر کرکے دیکھ لو۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَیْلٌ
یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ
لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا یَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَیِّ
حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲ / ۲۲

(ان سے کہا جائے گا:) جو عمل تم کیا کرتے تھے، اس کے بدلہ میں مزے سے کھاؤ پیو، ﴿۴۳﴾ ہم اسی طرح نیکی کرنے والے بندوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۴۴﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے، ﴿۴۵﴾ (اے جھٹلانے والو!) تم تھوڑا سا کھالو اور آرام اُٹھالو، یقیناً تم مجرم ہو، ﴿۴۶﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہی ہے، ﴿۴۷﴾ اور جب ان سے (اللہ کے سامنے) جھکنے کو کہا جاتا ہے تو نہیں جھکتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۴۸﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی و بربادی ہے، ﴿۴۹﴾ تو اب اس (قرآن) کے بعد یہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ﴿۵۰﴾

﴿۱﴾ بنوثقیف کے لوگوں کو جب آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے کہا: ہم مسلمان تو ہوں گے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے؛ کیوں کہ ہم جھک نہیں سکتے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے دین میں خیر نہیں، جس میں رُکوع و سجود نہ ہو: ''لا خیر فی دین لیس فیه رُکوع ولا سجود'' (ابوداؤد، کتاب الخراج، حدیث نمبر: ۳۰۲۸) ـــــ بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہے، اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ رُکوع نماز کا ایک اہم رکن ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۴۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس مضمون کا تعلق آخرت سے ہے، اس دن کافروں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ سجدہ نہیں کر پائیں گے۔ (حوالۂ سابق)

سُورَةُ النَّبَأ

- سورہ نمبر : (۷۸)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۴۰)
- نوعیت : مکی

یہ سورہ مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، اس سورہ کا ایک نام تو "نباء" ہے، نباء کے معنی سچی اور اہم خبر کے ہیں، اور وہ ہے قیامت کی خبر، جس کا تذکرہ اس سورہ کا مرکزی مضمون ہے، آیت نمبر: ۲ میں نباء کے لفظ سے ہی اس کا ذکر کیا گیا ہے؛ چوں کہ اس سورہ کی ابتدا "عم یتساءلون" سے ہوئی ہے؛ اس لئے اس کو 'سورۂ عمّ' اور 'عم یتساءلون' بھی کہا جاتا ہے۔

اس سورہ میں سب سے پہلے پوری قوت اور تاکید کے ساتھ قیامت کے واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے، اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو گویا قیامت کے واقع ہونے کی دلیل ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی حیرت انگیز چیزوں کو وجود میں لاسکتا ہے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ خود اپنے بنائے ہوئے کارخانۂ عالم کو درہم برہم کردے، کسی چیز کا بنانا مشکل ہوتا ہے اور تہس نہس کر دینا آسان، تعمیر دشوار ہوتی ہے اور تخریب میں وہ دشواری پیش نہیں آتی، تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس بنی بنائی کائنات کو ختم کردے اور قیامت برپا ہوجائے۔

پھر اس کے بعد اللہ کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے انجام، جنت میں حاصل ہونے والی نعمتوں اور دوزخ میں ہونے والے عذابوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اخیر میں پوری قوت اور تاکید کے ساتھ فرمادیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کا آنا حق ہے اور یہ ضرور آکر رہے گا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۝۲ الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ۝۳ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۝۴

ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۝۵ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِہٰدًا ۝۶ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۝۷ وَّخَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۝۸ وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ۝۹ وَّجَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَّجَعَلۡنَا النَّہَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّبَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّہَّاجًا ۝۱۳ وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ ۝۱ اس بڑے واقعہ کے متعلق ۝۲ جس کے بارے میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں؟ ۝۳ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے، عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا ۝۴ پھر (ہم فرمائے دیتے ہیں کہ) ہرگز ہرگز ایسا نہ ہونا چاہیے، عنقریب وہ جان لیں گے ۝۵ کیا ہم نے زمین کو فرش ۝۶ اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں نہیں بنا دیا؟ ۝۷ اور تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا، ﴿۱﴾ ۝۸ تمہاری نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا، ﴿۲﴾ ۝۹ رات کو ایک پردہ، ﴿۳﴾ ۝۱۰ اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنا دیا، ﴿۴﴾ ۝۱۱ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیئے، ۝۱۲ اور ایک روشن چراغ بنایا، ﴿۵﴾ ۝۱۳ نیز بادلوں ﴿۶﴾ سے موسلا دھار پانی برسایا۔ ۝۱۴

﴿۱﴾ تاکہ میاں بیوی کے ذریعہ تمہاری نسل کا سلسلہ جاری رہے۔

﴿۲﴾ نیند اللہ کی بڑی نعمت ہے، جس سے انسان کے پورے جسم کو آرام ملتا ہے، اگر کسی شخص کو چوبیس گھنٹے نیند نہ آئے تو اس کا جسم بے سکون اور بے آرام ہو جاتا ہے، خاص کر انسان کے دماغ کا آرام تو نیند ہی سے ہوتا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی رات میں تاریکی کا ایک ایسا پردہ ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے، اس کی وجہ سے ہر شخص آرام کی نیند لیتا ہے اور سکون کے ساتھ سوتا ہے، اگر رات کو بھی سورج روشن ہوتا اور لوگوں سے کہا جاتا کہ وہ اپنی اپنی سہولت کے لحاظ سے آرام کر لیں تو ہرگز وہ سکون میسر نہیں آتا، جو رات کی تاریکی میں گہری نیند کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ کیوں کہ تجارت اور کاروبار کے لئے روشنی کی ضرورت ہے اور دن میں قدرت کی طرف سے یہ روشنی میسر ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہوتی تو نہ معلوم کتنے لاکھوں چراغ اور بلب کی ضرورت دامن گیر ہوتی، تب بھی وہ روشنی حاصل نہ ہوتی، جو سورج سے حاصل ہوتی ہے۔

﴿۵﴾ روشن چراغ سے سورج مراد ہے۔

﴿۶﴾ 'معصرات' کے اصل معنی نچوڑنے والی چیز کے ہیں، یہاں اس سے بادل مراد ہے، جو گویا نچوڑ کر بارش برساتا ہے۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي
الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ
سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا
يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾

تاکہ ہم اس کے ذریعہ اناج، سبزی ﴿۱۵﴾ اور گھنے باغات پیدا کریں، ﴿۱۶﴾ یقیناً فیصلے کے دن کا ایک وقت مقرر ہے، ﴿۱۷﴾
جس دن صور پھونکا جائے گا، پھر تم لوگ گروہ در گروہ آؤ گے، ﴿۱﴾ ﴿۱۸﴾ آسمان کھولا جائے گا اور وہ دروازہ ہی دروازہ
ہو کر رہ جائے گا، ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے، ﴿۲۰﴾ یقیناً دوزخ گھات میں لگی
ہوئی ہے، ﴿۳﴾ ﴿۲۱﴾ وہی سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ ہے، ﴿۲۲﴾ وہ مدت در مدت اسی میں پڑے رہیں گے، ﴿۴﴾ ﴿۲۳﴾
نہ وہاں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، ﴿۵﴾ اور نہ کچھ پینے کی چیز میسر ہوگی، ﴿۲۴﴾ صرف گرم پانی اور پیپ ملے گا۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ یعنی مسلمان الگ، ایمان نہ لانے والے الگ، منافقین الگ، پھر مسلمانوں میں بھی اعمال کے اعتبار سے الگ الگ گروہ ہوں گے، غرض کہ لوگوں کے ایمان وعمل کے اعتبار سے ٹولیاں بنادی جائیں گی اور وہ ٹولیوں کی شکل میں حساب وکتاب کی جگہ حاضر ہوں گے۔

﴿۲﴾ یعنی آسمان جو بالکل بند تھا، اب اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور ہر طرف سے کھلا ہوا نظر آئے گا۔

﴿۳﴾ جیسے شکاری شکار کی گھات میں بیٹھا رہتا ہے، اسی طرح دوزخ دوزخیوں کے لئے سراپا انتظار بنی ہوئی ہے۔

﴿۴﴾ اہل دوزخ رہیں گے تو ہمیشہ دوزخ ہی میں؛ لیکن اس کے مختلف دورانیے اور مرحلے ہوں گے، ایک کے ختم ہونے کے بعد دوسرا اور دوسرا ختم ہونے کے بعد تیسرا، یہی سلسلہ چلتا رہے گا؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، وہ ایک مدت کے بعد دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں دوسرے مواقع پر صراحت ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، (تغابن: ۱۰) اگر وہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے بھی تو ان کو نکلنے کا موقع نہیں دیا جائے، قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (المائدۃ: ۳۷)

﴿۵﴾ ''برد'' کے معنی ٹھنڈک کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے ٹھنڈا پانی مراد لیا ہے، اور بعض مفسرین نے ہر ایسی ٹھنڈک جس سے راحت محسوس ہو، ٹھنڈی ہوا، ٹھنڈا سایہ وغیرہ، جیسے ٹھنڈک سے انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے، اسی طرح نیند سے بھی انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے؛ اس لئے بعض حضرات نے اس سے نیند مراد لی ہے؛ البتہ دوزخ میں ایک طبقہ زمہریر کا بھی ہوگا، جو بے حد ٹھنڈا اور انتہائی تکلیف دہ ہوگا، اہل دوزخ اس میں بھی ڈالے جائیں گے؛ مگر راحت وسکون حاصل ہونے کے بجائے اس سے ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہی ہوگا۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۱۸۰)

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ
اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ ع ۱
وَاَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً
مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ
خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ
صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا
قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾ ع ۲

یہ پورا پورا بدلہ ہے! ﴿۱﴾ ﴿٢٦﴾ وہ اُمید ہی نہیں رکھتے تھے کہ حساب و کتاب ہوگا، ﴿٢٧﴾ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا، ﴿٢٨﴾ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے، ﴿٢٩﴾ تو اب مزا چکھو کہ ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی جائیں گے، ﴿٣٠﴾ یقیناً تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے کامیابی ہے، ﴿٣١﴾ یعنی: باغ، انگور، ﴿٣٢﴾ نوجوان ہم عمر عورتیں، ﴿٣٣﴾ چھلکتا ہوا جام، ﴿٣٤﴾ نہ اس میں کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ، ﴿٣٥﴾ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے بھرپور انعام ہوگا، ﴿٣٦﴾ جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کے مالک ہیں، بڑے مہربان ہیں، کسی کو ان سے بات کرنے کی مجال نہ ہوگی، ﴿۲﴾ ﴿٣٧﴾ جس دن روح الامین (یعنی حضرت جبرئیل) اور فرشتے قطار باندھ کر کھڑے ہوں گے، وہی بات کر سکے گا جس کو خدائے مہربان اجازت دیں اور وہ ٹھیک بات کرے، ﴿٣٨﴾ یہ دن برحق ہے، تو جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ حاصل کرلے، ﴿٣٩﴾ ہم نے تو تم کو قریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے، جس دن آدمی اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو دیکھ لے گا اور ایمان نہ لانے والا کہے گا: کاش کہ میں مٹی ہی ہوتا۔ ﴿۳﴾ ﴿٤٠﴾

﴿۱﴾ دنیا میں انسان کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ نہیں مل سکتا، مثلاً ایک بیمار ہے، آپ نے علاج کے لئے اس کی مدد کی اور وہ صحت یاب ہوگیا، پھر اس نے دسیوں سال کمایا، کاروبار کیا تو زیادہ سے زیادہ جو مدد آپ نے کی تھی، وہ اس کو لوٹا دے گا، یا اسی میں کچھ اضافہ کردے گا؛ لیکن اس کی وجہ سے جو دسیوں سال اس نے مال و دولت حاصل کی، کیا اس کا بھی بدلہ ادا ہوسکتا ہے؟ یہی حال گناہوں کا ہے، اگر ایک شخص نے کسی کو قتل کردیا تو زیادہ سے زیادہ بدلہ میں اس کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن مقتول کی پوری نسل اس کی وجہ سے تعلیم و تربیت سے محروم ہوجاتی ہے، کیا قاتل کو اس کی بھی کوئی سزا دی جاسکتی ہے؟

﴿۲﴾ سوائے اس کے کہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دی جائے۔

﴿۳﴾ کہ حساب و کتاب نہ ہوتا اور نہ سزا سے دوچار ہوتا۔

سُورَةُ النَّازِعَات

- سورہ نمبر : (۷۹)
- رکوع : (۲)
- آیتیں : (۴۶)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کی ابتدا ہی ’’والنازعات‘‘ کے لفظ سے ہوئی ہے، جس سے فرشتے مراد ہیں، اسی لئے اس کا نام ’نازعات‘ ہے، بعض مفسرین کی رائے ہے کہ سورۂ نباء کے فوراً بعد ہی یہ سورہ نازل ہوئی ہے۔ (الکشاف: ۴/ ۶۹۲)

جیسے سورۂ نباء میں بنیادی طور پر قیامت کا ذکر تھا، اس سورہ میں بھی قیامت ہی کا تذکرہ ہے، مشرکین کو قیامت کے واقع ہونے پر یہ شبہ تھا کہ جب انسان ریزہ ریزہ ہوجائے گا تو پھر دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ اس کا جواب دیا گیا ہے، جیسے اہل مکہ عقیدۂ توحید اور قیامت وغیرہ کے منکر تھے، فرعون بھی ان چیزوں کا انکار کرتا تھا؛ اسی مناسبت سے فرعون کی سرکشی اور اس کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے، نیز کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جو مظاہر ہماری نظروں کے سامنے ہیں، ان کو بیان کرتے ہوئے قیامت کے واقع ہونے کو واضح کیا گیا ہے، اہل مکہ بار بار سوال کرتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے تو کس مہینہ اور کس تاریخ کو آئے گی؟ سورہ کی آخری آیات میں اس کا جواب دیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا کام قیامت کے بارے میں خبردار کرنا ہے نہ کہ اس کی تاریخ سے مطلع کرنا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۝۴
فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۝۵ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷ قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝۸ وقف لازم
اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ۝۱۰ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱ وقف لازم
قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲ وقف لازم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ان فرشتوں کی قسم! جو سختی کے ساتھ جان نکالتے ہیں، ۝۱ اور آسانی سے بند کھول دیتے ہیں، ۝۲ اور ان فرشتوں کی، جو تیزی سے تیرتے ہیں، ۝۳ پھر ان کی جو لپک کر آگے بڑھتے ہیں، ۝۴ پھر ان کی جو ہر کام کی تدبیر کرتے ہیں، ﴿۱﴾ ۝۵ (کہ وہ دن آکر رہے گا) جس دن زلزلہ آئے گا، ۝۶ (پھر) ایک زلزلہ کے بعد دوسرا زلزلہ آئے گا، ﴿۲﴾ ۝۷ اس دن کتنے ہی دل دھڑک رہے ہوں گے، ۝۸ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ۝۹ وہ (ایمان نہ لانے والے) کہتے ہیں: کیا ہم اُلٹے پاؤں پھر واپس ہوں گے؟ ﴿۳﴾ ۝۱۰ کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں بن جائیں گے؟ ۝۱۱ وہ کہتے ہیں: ایسا ہوا تو یہ واپسی تو نقصان کی بات ہوگی۔ ۝۱۲

﴿۱﴾ ان پانچ آیات میں فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے اور ان کی الگ الگ ڈیوٹیوں کا حوالہ دیا گیا ہے، پہلی آیت میں ان فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے، جو ایمان نہ لانے والوں کی جان نکالتے ہیں، جس میں سختی اور تکلیف سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے ایسی چیز کو جو دوسری چیزوں کے ساتھ چپکی ہوئی ہے، کھینچا جا رہا ہے، دوسری آیت میں ان فرشتوں کی قسم ہے جو مسلمانوں کی جان نکالتے ہیں اور ایسی سہولت سے نکالتے ہیں، جیسے کوئی بندش تھی اور اس کو آسانی سے کھول دیا گیا، اس تکلیف اور آسانی کا تعلق روح سے ہے نہ کہ جسم سے، یعنی روح کے نکالنے میں ہونے والی تکلیف کا ذکر ہے، جسمانی بیماری مراد نہیں ہے، جو عام طور پر موت سے پہلے ہوتی ہے؛ کیوں کہ بہت سی دفعہ ایک ایمان سے محروم شخص مختصر بیماری کے ساتھ دنیا سے گذر جاتا ہے، جب کہ ایک مسلمان آدمی طویل اور تکلیف دہ علالت کے بعد دنیا سے رُخصت ہوتا ہے، یہ اس کے گنہگار ہونے کی علامت نہیں ہے؛ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کو مرض وفات کے تکلیف سے گذارا گیا تھا، تیسری آیت میں ان فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے جو مومنوں کی روحوں کو لے کر تیزی سے آسمان کی طرف جاتی ہے، ان کا چلنا تیرنے کی طرح ہوتا ہے، آیت نمبر: ۴ میں ان فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے جو ہر حکم الٰہی کی تعمیل کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور پانچویں آیت میں ان فرشتوں کا ذکر ہے، جن کو مختلف کاموں کی تدبیر اور انجام دہی کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۹۳، ۱۹۴)

﴿۲﴾ امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ راجفہ سے مراد زلزلہ ہے، یہ زلزلے صور پھونکنے سے آئیں گے، تو آیت نمبر: ۶ میں پہلی بار صور پھونکے جانے کا ذکر ہے اور آیت نمبر: ۷ میں دوسری بار صور پھونکے جانے کا ذکر ہے۔

﴿۳﴾ یعنی کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟

وقف لازم

فَاِنَّمَا هِیَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ۟ؕ﴿۱۴﴾ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ مُوۡسٰى ۟ۘ﴿۱۵﴾ اِذۡ نَادٰىهُ
رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ۟ۚ﴿۱۶﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۟ۖ﴿۱۷﴾ فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰۤى اَنۡ تَزَكّٰى ۟ۙ﴿۱۸﴾
وَاَهۡدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ۟ۚ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الۡاٰیَةَ الۡكُبۡرٰى ۟ۖ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۟ۖ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ
یَسۡعٰى ۟ۖ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۟ۖ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ۟ۖ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ
وَالۡاُوۡلٰى ۟ؕ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ یَّخۡشٰى ۟ؕ﴿۲۶﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۟ٙ﴿۲۷﴾ رَفَعَ
سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ۟ۙ﴿۲۸﴾ وَاَغۡطَشَ لَیۡلَهَا وَاَخۡرَجَ ضُحٰىهَا ۟ۖ﴿۲۹﴾ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۟ؕ﴿۳۰﴾

ع ۲۶ / ۲

تو وہ تو بس ایک ہولناک آواز ہوگی ، ﴿۱﴾ ﴿۱۳﴾ تو پھر ایک دم سے سب میدان میں آموجود ہوں گے ، ﴿۱۴﴾ (اے رسول!) کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ؟ ﴿۱۵﴾ جب ان کو ان کے پروردگار نے طویٰ نام کی مقدس وادی میں آواز دی ، ﴿۲﴾ ﴿۱۶﴾ آپ فرعون کے پاس جایئے کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے ، ﴿۱۷﴾ اور پوچھئے : کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک صاف ہو جائے ؟ ﴿۱۸﴾ اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کا راستہ دکھادوں ؛ تاکہ تیرے اندر خوف پیدا ہو ، ﴿۱۹﴾ غرض کہ موسیٰ نے فرعون کو بڑی نشانی دکھلائی ، ﴿۲۰﴾ فرعون نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ، ﴿۲۱﴾ پھر سازشیں کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر چلا ؛ ﴿۲۲﴾ چنانچہ اس نے (اپنے لوگوں کو) جمع کیا اور بلند آواز میں تقریر کی ، ﴿۲۳﴾ پھر اس نے کہا : میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں ، ﴿۲۴﴾ تو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا ، ﴿۲۵﴾ یقیناً اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جس کو (اللہ کا) خوف ہو ، ﴿۲۶﴾ (اے مشرکین مکہ !) کیا تمہارا پیدا کرنا دشوار ہے یا آسمان کا ؟ جس کو اللہ نے بنایا ، ﴿۲۷﴾ اس کی چھت کو اونچا کیا ، پھر برابر کر دیا ، ﴿۲۸﴾ اس کی رات کو تاریک بنایا اور (دن میں) دھوپ نکالی ، ﴿۲۹﴾ اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا ۔ ﴿۳﴾ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ یعنی قیامت کا قائم ہونا اور انسانوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے ، یہ کام تو لمحہ میں ہو جائے گا اور ایک آواز پر ساری دنیا جی اُٹھے گی ۔

﴿۲﴾ طویٰ سے مراد وہ وادی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا ؛ چوں کہ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے ؛ اس لئے آگے عبرت کے طور پر فرعون کے انجام کو پیش کر دیا گیا ، جو قیامت کا انکار کرتا تھا ۔

﴿۳﴾ زمین کو اس کے بعد بچھا دیا ، اس سے معلوم ہوا کہ کائنات پہلے سے وجود میں آچکی تھی ، پھر اس سے ایک ٹکڑا الگ کر کے زمین کا یہ کرہ بنایا گیا اور اس کو مسطح شکل دی گئی ، موجودہ سائنس یہی کہتی ہے کہ زمین ایک بڑے کرہ کا حصہ ہے ، وہ کرہ پھٹا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے تو اسی میں سے ایک ٹکڑا زمین کی شکل اختیار کر گیا ، اس کو مزید تقویت ''دحٰھا'' کے لفظ سے پہنچتی ہے : کیوں کہ اس کے اصل معنی کسی شئے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینے کے ہیں ؛ چنانچہ علامہ اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ''دحٰھا أی ازالھا عن مقرھا'' ۔ (مفردات القرآن : ۱۰۶)

أَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَإِذَا
جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ
يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَأَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۳۹﴾ وَأَمَّا مَنْ
خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ
السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ إِنَّمَآ أَنْتَ
مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ ع ۲

اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا، ﴿۳۱﴾ اور پہاڑ کو نصب کردیا، ﴿۳۲﴾ (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چوپایوں
کے فائدے کے لئے ہے، ﴿۳۳﴾ تو کیا جب (قیامت کا) وہ عظیم ہنگامہ برپا ہوگا ﴿۳۴﴾ اس دن انسان اپنے کاموں کو یاد
کرے گا، ﴿۳۵﴾ اور دوزخ دیکھنے والوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی، ﴿۱﴾ ﴿۳۶﴾ تو جس نے سرکشی کی، ﴿۳۷﴾ اور دنیوی
زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی، ﴿۲﴾ ﴿۳۸﴾ تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا، ﴿۳۹﴾ اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے
کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے، ﴿۳﴾ ﴿۴۰﴾ تو یقیناً جنت اس کا ٹھکانہ ہے، ﴿۴۱﴾ لوگ آپ
سے قیامت کے آنے کا وقت پوچھتے ہیں؟ ﴿۴۲﴾ تو اس کا وقت بتانے سے آپ کا کیا تعلق؟ ﴿۴۳﴾ آپ کے پروردگار ہی
پر اس کا علم ختم ہے، ﴿۴﴾ ﴿۴۴﴾ آپ تو صرف اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو، ﴿۴۵﴾ جس دن وہ
قیامت کو دیکھ لیں گے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا صبح رہے تھے۔ ﴿۵﴾ ﴿۴۶﴾

﴿۱﴾ یعنی ابھی تو دوزخ نظروں سے اوجھل ہے؛ لیکن اس دن ہر شخص اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

﴿۲﴾ تمام گناہوں کی جڑ یہی ہے کہ انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے، اسی مزاج کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو نہیں ادا کر پاتا ہے اور بندوں کے ساتھ بھی حق تلفی کرتا ہے۔

﴿۳﴾ دین کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوجائے اور نفس پر قابو پانے کا یہی ایک راستہ ہے، اگر اللہ کا خوف نہ ہو تو دن کی روشنی میں اور لوگوں کی نگاہوں کے سامنے تو انسان اپنی بے جا خواہشات کو قابو میں رکھ لے گا؛ لیکن رات کی تاریکی میں اور تنہائی میں کوئی چیز اسے گناہ سے روک نہ پائے گی۔

﴿۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قیامت کے واقع ہونے کا حتمی وقت معلوم نہیں۔

﴿۵﴾ یعنی جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، انھیں تو ایسا لگ رہا ہے کہ اتنی لمبی مدت گذرتی جارہی ہے؛ لیکن قیامت کا اتہ پتہ نہیں ہے؛ اس لئے وہ اسے جھٹلاتے ہیں؛ لیکن جب قیامت آجائے گی تو انھیں ایسا لگے گا، جیسے دنیا میں صرف ایک پہر کا وقت گذرا ہو۔

سُورَةُ عَبَسَ

- سورہ نمبر : (۸۰)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۴۲)
- نوعیت : مکی

سورہ کا آغاز ''عَبَسَ '' کے لفظ سے ہوا ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ''عبس'' ہے، یہ سورہ بنیادی طور پر ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے کہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں تھے، جن کو شروع شروع میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا، وہ نابینا تھے، ایک بار ایسی مجلس میں حاضر ہوئے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سردارانِ قریش کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، نابینا ہونے کی وجہ سے ماحول کو سمجھ نہیں سکے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو کچھ علم عطا کیا ہے، اس میں سے مجھے بھی سکھائیے، ان کی اس مداخلت کی وجہ سے آپ کو ناگواری ہوئی؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے یہ سردار ناراض ہو کر اُٹھ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ فرمائی گئی، (واقعہ کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

آیت نمبر: ۱۸ سے انسان کی تخلیق، اس کو دوبارہ زندہ کئے جانے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور قیامت کی کیفیت وغیرہ کا ذکر ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۙ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ
الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ
جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ﴿۱۲﴾

وقف لازم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ پیغمبر نے ترش رُو ہو کر منھ پھیر لیا، ﴿۱﴾
اس بات سے کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص آ گیا، ﴿۲﴾ اور (اے پیغمبر!) آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنور جاتا، ﴿۳﴾
یا نصیحت کی باتیں سنتا اور نصیحت اس کو فائدہ پہنچاتی، ﴿۴﴾ جو شخص بے پروائی برتتا ہے، ﴿۵﴾ اس کی طرف تو آپ متوجہ
ہوتے ہیں؛ ﴿۶﴾ حالاں کہ اگر وہ (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک صاف نہ ہو تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، ﴿۷﴾
اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا، ﴿۸﴾ اور وہ (خدا کا) خوف بھی رکھتا ہے، ﴿۹﴾ تو آپ اس سے بے توجہی برتتے
ہیں، ﴿۱۰﴾ ہرگز ایسا نہ کریں، یہ (قرآن) تو نصیحت کی چیز ہے، ﴿۱۱﴾ تو جس کا جی چاہے، اس کو قبول کرے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ سردارانِ قریش بیٹھے ہوئے تھے، ان میں عُتبہ، شَیبہ، اُبَی بن خَلف اور ولید بن مُغیرہ وغیرہ، نیز آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ شامل تھے، آپ ﷺ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اسی دوران حضرت عبد اللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ جن کا اصل نام عمرو تھا اور وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے، آ پہنچے، اور چوں کہ نابینا تھے اور عام طور پر نابینا حضرات ماحول کو نہ دیکھ پانے کی وجہ سے بعض دفعہ بے محل بات کر جاتے ہیں، غالباً وہ بھی موقع و محل کو سمجھے بغیر زور زور سے کہنے لگے: ''اللہ کے رسول! آپ کو اللہ نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے، آپ بھی ہمیں تعلیم دیں'' عربوں کا مزاج یہ تھا کہ ان کو اپنے درجہ و مقام پر بڑا تکبر ہوتا تھا، سردارانِ مکہ سے گفتگو کچھ اس انداز پر چل رہی تھی کہ آپ کو خیال ہوا کہ شاید وہ ایمان لے آئیں گے، اب جب یہ بات پیش آئی تو یہ لوگ ناراض ہو کر اُٹھ گئے، آپ کو کسی قدر ناگواری ہوئی اور آپ نے سوچا کہ عبد اللہ بن اُم مکتوم تو مخلص مسلمان ہیں، یہ کبھی بھی سوال کر سکتے تھے؛ لیکن اگر ابھی سوال نہ کئے ہوتے تو ممکن ہے کہ ان سردارانِ قریش کو ایمان کی توفیق نصیب ہو جاتی اور ان کے اثر و رُسوخ سے پورا مکہ ایمان لے آتا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دنیوی وجاہتوں کا کوئی مقام نہیں ہے، دل کے جذبات اصل ہیں؛ اس لئے ایک شخص اگرچہ معاشرہ میں معزز و موقر نہ سمجھا جاتا ہو؛ لیکن جب اس کا دل اللہ کی خشیت سے معمور ہے تو وہ ان لوگوں کے مقابلہ زیادہ توجہ کا مستحق ہے، جن کے پاس ظاہری طمطراق تو ہے؛ لیکن دل جذبۂ طلب سے خالی ہے — یہ ایک اجتہادی چوک تھی، جو رسول اللہ ﷺ سے ہوئی؛ لیکن آپ کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اسے بھی قابل تنبیہ سمجھا گیا، حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آیات کا پایا جانا اس کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے، ورنہ تو آپ نے یہ آیتیں قرآن سے نکلوا دی ہوتیں، اس کے بعد سے جب بھی رسول اللہ ﷺ حضرت عبد اللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے: اس شخص کے لئے خوش آمدید، جس کے بارے میں ←

فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍۭ ﴿۱۴﴾ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ﴿۱۵﴾ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ
مَاۤ اَکۡفَرَہٗ ﴿۱۷﴾ مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ ﴿۱۸﴾ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ﴿۱۹﴾

وہ عظمت والے صحیفوں (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہے، ﴿۱۳﴾ جو بلند و بالا اور پاک صاف ہے، ﴿۱۴﴾ یہ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں ﴿۱۵﴾ جو بزرگ اور نیک ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾ ہلاک ہو جائے انسان، یہ کس قدر ناشکرا ہے؟ ﴿۱۷﴾ اللہ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ ﴿۱۸﴾ (حقیر) قطرۂ منی سے اللہ نے اس کو پیدا کیا، پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی۔ ﴿۱۹﴾

← مجھے میرے رب نے تنبیہ فرمائی: ''مرحباً بما اعتبنی فیه ربی'' اور پھر آپ ﷺ ان سے ان کی ضرورت دریافت کرتے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۱۱ تا ۲۱۳) — اس میں مسلمانوں کے لئے سبق ہے کہ کسی مسلمان کو اس کی غربت، اسباب و وسائل کی قلت اور عیب و معذوری کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا چاہئے، نیز خوش اخلاقی تو ہر ایک کے ساتھ ہونی چاہئے؛ لیکن اعزاز و اکرام کا اصل معیار اللہ تعالیٰ کی خشیت اور دین پر عمل کو بنانا چاہئے۔

بعض حضرات کو اس سے غلط فہمی ہوئی کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے سے مقدم مسلمانوں کی تربیت ہے؛ لیکن یہ درست نہیں ہے اور نہ یہ اس واقعہ کا منشا ہے، اس واقعہ کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ کسی شخص کو اس کی معذوری کی وجہ سے کمتر نہ سمجھنا چاہئے اور اور دنیاوی وجاہت کو جذبۂ ایمانی پر ترجیح نہ دینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسی ترتیب قائم نہیں فرمائی کہ مسلمانوں کی تربیت ہو، پھر غیر مسلموں کو دعوت دی جائے؛ بلکہ آپ نے ساتھ ساتھ دونوں کام انجام دیا ہے، ایک ہی وقت میں آپ صحابہ کی تربیت بھی فرماتے، ان کو دین سکھانے کا اہتمام بھی کرتے اور غیر مسلم قبائل پر اسلام کی دعوت بھی پیش کرتے، ان کے پاس اپنے نمائندے بھیجتے یا ان کو دعوتی خطوط تحریر کرتے؛ کیوں کہ نبی پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوتا ہے، نہ کہ صرف ایمان والوں کی طرف، نیز اس اُمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کے لئے نہیں؛ بلکہ پوری اُمت کے لئے پیدا فرمایا ہے: ''کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ'' (آل عمران: ۱۱۰) بلکہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام بعض جہت سے زیادہ اہم ہے؛ کیوں کہ مسلمانوں کو دین کی تعلیم، دوزخ کی عارضی سزا سے بچانے یا ان کے درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے اور عام طور پر مسلمانوں کو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ میں توبہ کی توفیق ہو ہی جاتی ہے؛ جب کہ غیر مسلموں کو دعوت ابدی عذاب سے بچانے کے لئے ہے؛ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں انبیاء کے جو خطبات ذکر کئے گئے ہیں، زیادہ تر ان میں خطاب کافروں سے ہے نہ کہ مسلمانوں سے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کام ضروری ہیں اور اس میں کوئی ایسی ترتیب نہیں ہے کہ جب تک ایک کام نہ ہو جائے، دوسرا کام نہ کیا جائے۔

﴿۱﴾ یعنی قرآن مجید لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے، (معالم التنزیل: ۵/۲۱۰) وہ درجہ کے اعتبار سے بہت بلند ہے، اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی کی جائے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۲۶) آیت نمبر: ۱۵ اور ۱۶ کا مطلب یہی ہے کہ وہ ان پاک طینت فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے، جنھوں نے اس کی کتابت کی ہے۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ
اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ
شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾
وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ
اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾

پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا، ﴿۱﴾ ﴿۲۰﴾ پھر اس کو موت دی پھر قبر میں پہنچا دیا، ﴿۲۱﴾ پھر اللہ جب چاہیں گے، اس کو دوبارہ زندہ کردیں گے ﴿۲۲﴾ ہرگز نہیں! اللہ نے انسان کو جو حکم دیا ہے، اس نے اسے پورا نہیں کیا، ﴿۲۳﴾ تو اس کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے، ﴿۲۴﴾ کہ ہم نے ہی خوب پانی برسایا، ﴿۲۵﴾ پھر ہم نے ہی زمین کو اچھی طرح پھاڑ دیا، ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے ہی اس میں اناج ﴿۲۷﴾ انگور، ترکاری ﴿۲۸﴾ زیتون اور کھجور ﴿۲۹﴾ گھنے گھنے باغات ﴿۳۰﴾ میوہ اور چارہ اُگایا، ﴿۳۱﴾ جو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لئے ہیں، ﴿۳۲﴾ تو جب کان بہرے کر دینے والا شور برپا ہوگا، ﴿۲﴾ ﴿۳۳﴾ تو اس دن انسان اپنے بھائی، ﴿۳۴﴾ اپنے ماں باپ ﴿۳۵﴾ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی دُور بھاگے گا، ﴿۳﴾ ﴿۳۶﴾ اس دن ان میں سے ہر شخص کو خود ہی ایسی فکر ہوگی، جو اس کو دوسرے سے بے توجہ کردے گی۔ ﴿۴﴾ ﴿۳۷﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء بنانے میں تناسب کا لحاظ رکھا، مثلاً سوچئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناک کو اس کے ہاتھوں کے برابر بنا دیا ہوتا تو اس کو ہاتھی کی طرح ایک سونڈ اپنے ساتھ لے کر چلنا پڑتا، اور اگر اس کے پاؤں، ناک اور آنکھ کی طرح چھوٹے چھوٹے بنا دیتے تو اسے چوہوں کی طرح رینگنا ہوتا، تو کیا یہ انسان کے لئے بہتر شکل ہوتی؟ پھر راستہ کو آسان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے، بظاہر اس کا پیٹ سے باہر نکلنا اور ایک انتہائی تنگ راستہ سے گذرنا دشوار نظر آتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو آسان فرما دیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی یہی تشریح فرمائی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۱۸)

﴿۲﴾ اس سے مراد دوسرا صور پھونکا جانا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی، کسی کو دوسرے کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ہوگا۔

﴿۴﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: قیامت کے دن سارے لوگ اس طرح جمع کئے جائیں گے کہ سب کے سب ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: کیا ایک کی دوسرے کے ستر پر نظر نہ پڑے گی، مرد و عورت ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن معاملہ اتنا سخت ہوگا کہ کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا خیال بھی نہ ہوگا۔ (بخاری، کتاب الرقائق، حدیث نمبر: ۶۱۶۲)

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَىِٕذٍ مُّسۡفِرَةٌ ۙ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ۚ﴿۳۹﴾ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَىِٕذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ۙ﴿۴۰﴾ تَرۡهَقُهَا
قَتَرَةٌ ؕ﴿۴۱﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع ۲/۵

بہت سے چہرے اس دن روشن ہوں گے، ﴿۳۸﴾ ہنستے ہوئے، خوش وخرم! ﴿۳۹﴾ اور بہت سے چہرے غبار آلود ہوں گے ﴿۴۰﴾
جن پر کالک لگی ہوگی، ﴿۴۱﴾ یہی کافر و بدکار لوگ ہوں گے۔ ﴿۴۲﴾

سُورَةُ التَّكوِير

- سورہ نمبر : (۸۱)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۲۹)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کی پہلی ہی آیت میں 'کُوِّ رَتْ' کا لفظ آیا ہے، عربی گرامر کے لحاظ سے 'کوّرت' کا مصدر تکویر ہے، اسی مناسبت سے سورہ کا نام تکویر ہے، اس سورہ کا بھی بنیادی مضمون قیامت ہے، قیامت قائم ہونے کے بعد دو مرحلے آئیں گے :

ایک : یہ کہ دنیا ختم کر دی جائے گی اور کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

دوسرا : یہ کہ انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب و کتاب کا مرحلہ طے ہوگا —— ان دونوں مرحلوں کا اس میں ذکر آیا ہے، اخیر میں قرآن مجید کی حقانیت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ یہ ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے اور جن پر یہ کلام اُتارا گیا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ، وہ بھی بے حد معتبر و معتمد شخصیت ہیں، نہ ان کو جُنون ہے، جیسا کہ معاندین تہمت لگاتے ہیں، نہ وہ اللہ کے کلام کو بتانے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور نہ اس کلام میں شیطان کا کوئی دخل ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۝۱ وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۝۲ وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ ۝۳ وَ اِذَا الۡعِشَارُ
عُطِّلَتۡ ۝۴ وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۝۵ وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۝۶ وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۝۷
وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۝۸ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۝۹ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۝۱۰

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، ۝۱
ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، ۝۲ پہاڑ چلا دیئے جائیں گے ۝۳ دس ماہ کی گابھن اونٹیاں چھوڑ دی جائیں گی، ﴿۱﴾ ۝۴
جنگلی جانور جمع کر دیئے جائیں گے، ﴿۲﴾ ۝۵ سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے، ﴿۳﴾ ۝۶ ایک ایک قسم کے لوگ ایک جگہ
کر دیئے جائیں گے، ﴿۴﴾ ۝۷ اور جب زندہ دفن کر دی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، ۝۸ کہ وہ کس جرم میں ماری ڈالی
گئی؟ ﴿۵﴾ ۝۹ اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں گے۔ ۝۱۰

﴿۱﴾ ایسی اونٹنیاں آدمی کو بہت محبوب ہوتی ہے؛ لیکن قیامت کی ہولناکی کچھ ایسی ہوگی کہ وہ اس کو بھول جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۲۸)

﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انھیں اس لئے جمع کیا جائے گا کہ اگر ان میں سے ایک نے کسی دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہوگی تو اس سے دوسرے کا بدلہ لیا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۲۹)

﴿۳﴾ یعنی اس روز سمندر سے پانی کی لہروں کی بجائے آگ کے شعلے اُٹھنے لگیں گے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے، (حوالۂ سابق) اور سائنسی اعتبار سے یہ کوئی باعث تعجب بات نہیں؛ کیوں کہ پانی کے باہمی ٹکراؤ سے بجلی پیدا ہوتی ہے؛ چنانچہ بہت سی جگہ سیلاب کے موقع پر اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ لوگوں کے جسم جھلس گئے اور کرنٹ سے موت واقع ہوگئی۔

﴿۴﴾ جیسے تمام مسلمان ایک جگہ، ایمان نہ لانے والے ایک جگہ، وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۳۲)

﴿۵﴾ عربوں کے بعض قبائل لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، کبھی تو اس کا سبب غربت وافلاس ہوتا تھا، کبھی یہ خوف کہ اگر دشمنوں نے ان کو پکڑ لیا تو یہ باندیاں بنادی جائے گی، کبھی یہ اندیشہ کہ ان بیٹیوں کی وجہ سے کسی کو داماد بنانا پڑے گا، اور اس کو وہ اپنی عزت ووقار کے خلاف سمجھتے تھے، اسلام نے اس بے جا ظالمانہ تصور کو ختم کیا، اور غور کیجئے کہ اور گناہوں کا ذکر تو نہیں کیا گیا؛ لیکن خاص طور پر اس گناہ کا ذکر کیا گیا اور وہ بھی اس طرح کہ گویا اللہ تعالیٰ اتنے ناراض ہوں گے کہ ان لڑکیوں کے والدین سے خطاب کرنا بھی پسند نہیں کریں گے، پھر خود ان بچیوں سے سوال کیا جائے گا کہ تم تو ابھی ظلم کرنے کے لائق بھی نہیں تھیں تو تم کو کس ظلم کے بدلہ زندہ دفن کر دیا گیا؟

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی شخص اسی وقت سزا کا مستحق ہے، جب کہ اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو، جس نے گناہ نہ کیا ہو، اس کو دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا؛ اس لئے صحیح یہ ہے کہ مشرکین کے بچے جو بالغ ہونے سے پہلے مر گئے ہوں، وہ دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے۔ (مدارک التنزیل: ۱۳۲۴، روح المعانی: ۳/ ۵۴)

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ
اَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ
اِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿١٩﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ
اَمِيْنٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ
بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾

اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی، ﴿۱﴾ ﴿١١﴾ جب دوزخ دہکائی جائے گی، ﴿۲﴾ ﴿١٢﴾ اور جب جنت قریب لائی جائے گی، ﴿۳﴾ ﴿١٣﴾ تو ہر شخص جو عمل لے کر آیا ہے، وہ اس کو معلوم ہوجائے گا، ﴿١٤﴾ تو میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی، جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں، ﴿١٥﴾ اور جو سیدھے چلتے اور چھپ جاتے ہیں، ﴿۴﴾ ﴿١٦﴾ اور رات کی قسم، جب وہ ختم ہونے لگے ﴿١٧﴾ اور صبح کی قسم، جب وہ طلوع ہو ﴿١٨﴾ یقیناً قرآن ایک معزز پیغام لانے والے (فرشتہ کا لایا ہوا) کلام ہے، ﴿١٩﴾ جو قوت والا ہے، عرش کے مالک کے نزدیک اونچے درجہ والا ہے، ﴿٢٠﴾ وہاں (یعنی عالم بالا میں) اس کی بات مانی جاتی ہے، بڑا امانت دار بھی ہے، ﴿٢١﴾ اور تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں، ﴿٢٢﴾ انھوں نے اس فرشتہ کو روشن اُفق پر دیکھا ہے، ﴿٢٣﴾ اور یہ پیغمبر غیب کی باتوں کو (ظاہر کرنے) میں بخل کرنے والے نہیں ہیں۔ ﴿٢٤﴾

﴿۱﴾ یعنی آسمان پر جو غلاف پڑا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اس کا اندرون نظر نہیں آتا ہے، وہ سب کھل جائے گا اور جیسے زمین نظر آتی ہے اسی طرح انسان کو آسمان نظر آئے گا۔

﴿۲﴾ یعنی دوزخ تو پہلے سے سلگائی گئی ہے؛ لیکن اس دن اسے اور دہکا دیا جائے گا۔

﴿۳﴾ حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جنت تو اپنی جگہ پر ہوگی؛ لیکن اہل جنت جنت کے قریب لے جائے جائیں گے، اس طرح گویا جنت قریب لے آئی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۳۵)

﴿۴﴾ ''خُنَّس''، خَنَس سے ہے، جس کے معنی پیچھے ہونے کے ہیں: اس لئے خنس کے معنی ہوئے پیچھے ہٹ جانے والے ستارے، گویا اس سے دن کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے، جب ستارے منظر سے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے، ''جوار'' کے معنی ان چیزوں کے ہیں، جو چل رہی اور آگے بڑھ رہی ہوں، اور ''کُنَّس'' کے معنی بھی چھپ جانے والے کے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے ستارے کی قسم کھائی ہے اور اس کی تین صفتیں بیان فرمائی ہیں، ایک: دن کے وقت کی، جب وہ منظر سے چھپا ہوتا ہے اور نظر نہیں آتا، دوسرے: رات کے وقت کی، جب اس کی حرکت نظر آتی ہے، تیسرے: جب اپنی منزل پر پہنچ کر ڈوب جاتا ہے، بہر حال قسم ستاروں کی ہے اور ''الخنس، الجوار، الکنس'' اس کی مختلف کیفیتیں ہیں۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ
مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۲۹/۶

اور نہ قرآن کسی شیطان مُردود کا کلام ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲۵﴾ پھر تم کہاں چلے جارہے ہو؟ ﴿۲۶﴾ قرآن تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۷﴾ (یعنی) تم میں سے اس شخص کے لئے جو سیدھا راستہ چلنا چاہے، ﴿۲۸﴾ اور تم دنیا جہان کے پروردگار اللہ کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۵ سے ۱۸ تک مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، پھر آیت نمبر: ۱۹ تا ۲۷ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن محمد ﷺ کی گھڑی ہوئی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور یہ دو انتہائی معتبر شخصیتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے، ایک: حضرت جبرئیل علیہ السلام، جو اس کتاب کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، دوسرے: محمد ﷺ، جن کو تمہاری ہدایت کے لئے نبی بنایا گیا، آیت نمبر: ۱۹ سے لے کر ۲۱ تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ قرآن لانے والے فرشتے اللہ کے دربار کے ایک معزز فرشتہ ہیں؛ اس لئے یہ کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ نہیں سکتے، وہ بڑے طاقتور بھی ہیں؛ اس لئے شیطان یا کوئی اور شخص زبردستی ان کے لے کر آنے والے کلام میں کمی بیشی نہیں کرسکتا، ایسے ویسے نہیں ہیں؛ بلکہ مالک عرش کے نزدیک ان کا اونچا درجہ ہے، عالم بالا میں فرشتے ان کی باتیں مانا کرتے ہیں، اور وہ فرشتوں کے سردار ہیں، حد درجہ محتاط ہیں کہ ان سے خیانت کا اندیشہ نہیں، یہ تو قرآن مجید کے لانے والے فرشتے کا حال ہے، اب تم اپنے ساتھی محمد ﷺ کے بارے میں سنو کہ وہ دیوانے نہیں ہیں، نہ وہ کسی وہم میں مبتلا ہیں؛ بلکہ انھوں نے کھلی آنکھوں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آسمان کے اُفق پر دیکھا ہے؛ اس لئے وہ جانا پہچانا فرشتہ ہے، وہ دھوکہ نہیں کھا سکتے کہ کسی اور کے لائے ہوئے کلام کو اللہ کا کلام سمجھ لیں، تم انھیں کاہن کہتے ہو، یہ بھی غلط ہے، کاہن کو عالم غیب کی بات معلوم نہیں ہوتی، وہ تو اٹکل پر بات کرتا ہے؛ لیکن پیغمبر کو غیب کی بعض باتیں بتائی جاتی ہیں، جس میں گذشتہ قوموں کی خبریں بھی ہیں، آئندہ کی پیشین گوئیاں بھی ہیں، جنت و دوزخ کے حالات بھی ہیں، اور قیامت میں پیش آنے والے واقعات بھی ہیں اور وہ ان تمام باتوں کو بے کم و کاست اور بلا کسی اُجرت و معاوضہ کے تمہیں بتاتے بھی ہیں، جب کہ دنیا کے لالچی لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اٹکل کی کوئی بات بھی بتاتے ہیں تو اس پر پیسے وغیرہ وصول کرتے ہیں؛ اس لئے تمہیں بھی یقین ہونا چاہئے کہ یہ شیطان مردود کا کلام نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے — رسول اللہ ﷺ نے یوں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بار بار دیکھا ہے؛ لیکن آیت نمبر: ۲۳ میں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے کی بات فرمائی، اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھنا ہے، (تفسیر طبری: ۲۴/۱۶۷) اور روشن اُفق سے مراد مشرق کا رُخ ہے؛ کیوں کہ یہیں سے سورج نکلتا ہے اور اس کی روشنی پھیلتی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۴۱)

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کسی خاص قوم، نسل، علاقہ اور زبان کے لوگوں کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے اور آپ کے اوپر اُتاری جانے والی کتاب بھی تمام عالم کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

﴿۳﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو درست اور نادرست راستہ بتا دیا ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کردی ہے؛ لیکن بہر حال وہ خیر کے راستہ کو اسی وقت اختیار کرتا ہے، جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق سے نوازا جائے۔

سُورَةُ الْانْفِطَارِ

- سورہ نمبر : (۸۲)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۱۹)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ سورہ ''اذا السماء انفطرت'' (جب آسمان پھٹ جائے گا) کے الفاظ سے شروع ہوئی ہے، انفطرت کا مصدر عربی گرامر کے اعتبار سے اِنْفِطَار ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام سورۂ انفطار ہے۔

گذشتہ سورتوں کی طرح اس میں بھی قیامت کے قائم ہونے کے ہولناک مناظر پیش کئے گئے ہیں، نیکوں اور بدوں کے انجام کو ذکر فرمایا گیا ہے اور سورہ کے آخر میں تنبیہ کی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے کام نہیں آسکے گا، صرف اللہ ہی کا حکم چلے گا۔

اس سورہ، نیز سورۂ تکویر اور اذا السماء انشقت میں قیامت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو قیامت کو اس طرح دیکھنا چاہتا ہو کہ گویا وہ اس کے سامنے ہے، تو اسے ''اذا الشمس کوّرت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت'' پڑھنی چاہئے: ''من سره أن ينظر إلى القيامة كأنه رأى عين فليقرأ إذا الشمس كورت، و إذا السماء انفطرت، و إذا السماء انشقت الخ''۔ (مسند احمد، عن عبد اللہ ابن عمرؓ، حدیث نمبر: ۴۸۰۶)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۝۱ وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۝۲ وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۝۳ وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ
بُعۡثِرَتۡ ۝۴ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ۝۵ یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ
الۡکَرِیۡمِ ۝۶ الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جب آسمان پھٹ جائے گا، ﴿۱﴾ ۝۱ تارے بکھر جائیں گے، ﴿۲﴾ ۝۲ سمندر اُبل پڑیں گے، ﴿۳﴾ ۝۳ اور قبریں اُلٹ پلٹ دی جائیں گی، ﴿۴﴾ ۝۴ اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا؟ ﴿۵﴾ ۝۵ اے انسان! تم کو کس چیز نے اپنے محسن رب سے غفلت میں مبتلا کر دیا؟ ﴿۶﴾ ۝۶ جس نے تم کو بنایا، پھر (تمہارے اعضاء) درست کئے، پھر تم کو اعتدال پر بنایا۔ ﴿۷﴾ ۝۷

﴿۱﴾ یعنی آسمان میں شگاف پیدا ہو جائے گا۔

﴿۲﴾ تارے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے۔

﴿۳﴾ سمندروں کے درمیان جو رکاوٹیں ہیں وہ ختم ہو جائیں گے، ان کا سکون ایک ایسے تموج میں تبدیل ہو جائے گا کہ سارے سمندر مل کر ایک ہو جائیں گے۔

﴿۴﴾ یعنی قبریں اس طرح توڑ پھوڑ دی جائیں گی کہ ان کا نچلا حصہ اوپر آ جائے گا اور مُردے وہاں سے نکال دیئے جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۴۴)

﴿۵﴾ 'آگے بھیجے ہوئے سے' مراد اس کے اپنے اعمال ہیں، اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے مراد وہ اچھے کام ہیں، جن کی بنیاد اس نے رکھی تھی، جیسے دین کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت اور خدمت خلق کے ادارے یا مسجدیں وغیرہ۔

﴿۶﴾ غور کیجئے! کتنی شفقت و محبت ہے اس خطاب میں، فضیل بن عیاض ؒ سے پوچھا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ کو اپنے سامنے کھڑا کریں اور یہی سوال کریں تو آپ کیا جواب دیں گے؟ فرمایا: عرض کروں گا کہ آپ کی ستاری اور پردہ پوشی نے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۴۶)

﴿۷﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری تخلیق میں اعتدال اور تناسب کا پورا پورا خیال رکھا، جن اعضاء کو بڑا ہونا چاہئے، ان کو بڑا بنایا، جن کو چھوٹا بنانا چاہئے، ان کو چھوٹا بنایا، انسانی جسم کو بہت سے اجزاء کی ضرورت ہے، نمک کی، شکر کی، پتھر و لوہے کی، چونے اور مٹی کی، کوئی چیز اپنی مناسب مقدار سے بڑھ جائے تو وہ بھی انسان کے لئے نقصان دہ ہے اور اپنی مطلوبہ مقدار سے گھٹ جائے تو وہ بھی تکلیف دہ ہے، ان سب کا لحاظ کرتے ہوئے تمہیں اعتدال کے ساتھ بنایا گیا۔

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ ۝۸ۭ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ۙ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ۙ
كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ۚ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ
جَحِيْمٍ ۝۱۴ۚ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۱۵ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَاۗىِٕبِيْنَ ۝۱۶ۭ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ
الدِّيْنِ ۝۱۷ۙ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۸ۭ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـــًٔا ۭ وَالْاَمْرُ
يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝۱۹ۧ

اور جس صورت میں چاہا، تمہیں جوڑ دیا، ﴿۱﴾ ۝۸ ہرگز نہیں! بلکہ تم تو جزاء وسزا کو جھٹلاتے ہو؛ ۝۹ حالاں کہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، ﴿۲﴾ ۝۱۰ جو باعزت ہیں، (تمہارے کاموں کو) لکھنے والے ہیں، ۝۱۱ تم جو کچھ کرتے ہو، وہ اس سے واقف ہیں، ۝۱۲ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے، ۝۱۳ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے، ۝۱۴ وہ بدلہ کے دن اس میں داخل ہوں گے ۝۱۵ اور وہ اس سے غائب نہ ہوسکیں گے، ۝۱۶ اور (اے پیغمبر!) آپ کو کیا خبر کہ بدلہ کا دن کیا ہے؟ ۝۱۷ آپ کو کیا خبر کہ بدلہ کا دن کیسا ہے؟ ۝۱۸ یہ وہ دن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کا کوئی بھلا نہ کرسکے گا اور اس دن تمام تر اللہ ہی کا حکم چلے گا۔ ۝۱۹

﴿۱﴾ یعنی مرد بنانا چاہا تو مرد بنا دیا، عورت بنانا چاہا تو عورت بنا دیا، اور چاہا تو تیسری صنف بنا دیا، کسی کو پانچ کی بجائے چھ انگلیاں دے دیں وغیرہ۔

﴿۲﴾ یعنی: وہ فرشتے جو دن ورات تمہاری نگرانی کررہے ہیں، اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ایمان والوں کی طرح ایمان نہ لانے والوں پر بھی رکھے گئے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۴۸)

سُورَةُ المُطَفِّفِين

- سورہ نمبر : (۸۳)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۳۶)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

''مطففین'' کے معنی کم تولنے اور ناپنے والے کے ہیں، یعنی جو دوسروں کو دینے میں پیمانہ کم کر کے رکھے اور اپنا حق وصول کرنے میں پیمانہ بڑھا کر رکھے؛ چوں کہ اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں ایسے لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی تنبیہ کی گئی ہے اور اس کو ''ویل للمطففین'' کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے؛ اس لئے اس سورہ کا نام 'مطففین' ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ یہ آپ پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور یہ مکہ میں نازل ہونے والی آخری سورہ ہے، جب کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے پیمانے درست نہیں تھے، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی؛ بلکہ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی پہلی سورہ ہے، بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکی زندگی کے آخر میں یہ سورہ نازل ہوئی اور جب آپ مدینہ تشریف لائے اور یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں کوتاہی دیکھی تو آپ نے اس سورہ کی ان پر تلاوت فرمائی، اس بنا پر بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، ورنہ اصل میں یہ سورہ مکی ہے، جس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اہل مکہ عام طور پر تاجر تھے؛ اس لئے ان سے ناپ تول میں کمی بیشی کا زیادہ امکان تھا۔

سورہ کی ابتدا میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس جرم پر جس چیز نے آمادہ کیا ہے، وہ ہے: آخرت کا انکار، پھر نیکوں کو جو انعامات دیئے جائیں گے، ان کا، اور نافرمانی کرنے والوں کو جو سزا دی جائے گی، ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اخیر میں کفار و مشرکین کی اس بُری عادت کا تذکرہ ہے کہ بجائے اس کے وہ اپنے دامنِ عمل کو دیکھیں، وہ مخلص مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے ہیں تو آخرت میں وہ وقت آئے گا کہ مسلمان ان کا مذاق اُڑائیں گے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿﴾

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۫﴿۲﴾ وَ اِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ
وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۙ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿﴾ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے، ﴿۱﴾ جب وہ ناپ کر لوگوں سے لیں تو پورا پورا لیں، ﴿۲﴾ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر کے دیں، ﴿۱﴾ ﴿۳﴾ کیا ان کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ جب کسی قوم میں آخرت میں جواب دہی کا احساس ختم ہوجاتا ہے تو اس میں سماجی بگاڑ بھی بڑھ جاتا ہے؛ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بگاڑ کی جو بہت سی صورتیں پیدا ہوگئی تھیں، ان ہی میں ایک معاملات میں بد دیانتی بھی تھی اور اسی کی ایک شکل ناپ تول میں کمی تھی، خاص کر یہ مرض مدینہ میں زیادہ تھا، غالباً یہودیوں کی صحبت کی وجہ سے ان میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ پر سب سے پہلے یہی آیات نازل ہوئیں، (نسائی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۱۱۶۵۴) اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ سورۂ مطففین مدنی سورہ ہے؛ البتہ آیت نمبر: ۲۹ سے اخیر تک ۸ آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۵۰) تطفیف کے معنی ناپ میں کمی کے ہیں، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کا بنیادی سبب یہی تھا، (ہود: ۸۴-۸۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پانچ گناہوں کی وجہ سے پانچ قسم کا عذاب آتا ہے: جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط فرمادیتے ہیں، جب لوگ اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں تو ان میں فقر و محتاجی اور معاشی پسماندگی پیدا ہوجاتی ہے، جب کسی قوم میں بدکاری عام ہوجاتی ہے تو ان میں وبائی بیماری پھوٹ پڑتی ہے، جب ناپ تول میں کمی کرتے ہیں تو پیداوار رُک جاتی ہے اور قحط پیدا ہوجاتا ہے اور جب زکوٰۃ نہیں دی جاتی تو ان سے بارش رُک جاتی ہے۔ (المعجم الکبیر، عن ابن عباس، حدیث نمبر: ۱۰۹۹۲)

ناپ تول سے صرف ترازو یا وہ پیمانہ ہی مراد نہیں ہے، جس سے چیزیں ناپی جاتی ہیں؛ بلکہ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جو پیمائش اور مقدار کے جاننے کا ذریعہ ہوں، چاہے وہ ترازو سے تولی جاتی ہو، پیمانے سے ناپی جاتی ہو، ان کو ہاتھ اور گز سے ناپا جاتا ہو، گن کر ان کی مقدار معلوم کی جاتی ہو، کسی الکٹرانک آلہ سے اس کی مقدار جانی جاتی ہو، جیسا کہ موجودہ دور میں الکٹرک میٹر، یا گاڑیوں کے میٹر، یا جیسے میڈیکل ٹسٹ کی صورت ہے، جس کے ذریعہ جسم میں کسی چیز کی زیادتی اور کمی کو معلوم کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض چیزوں میں مقدار کی حیثیت پیمائش کی ہوتی ہے کہ آپ کو اتنی مقدار کے عوض کام کرنا ہے، کبھی وقت کو پیمانہ بنایا جاتا ہے، جیسے کبھی ڈیوٹی چھ گھنٹے کی ہوتی ہے اور کبھی آٹھ گھنٹے کی، غرض کہ کسی شئے یا کام کی مقدار جاننے کی جو بھی صورت ہو، اگر اس کو کمی کے ساتھ انجام دیا گیا اور اُجرت یا قیمت پوری پوری لی گئی تو یہ سب کم تولنے میں شامل ہے؛ اس لئے غور کیا جائے تو آج معاشرہ میں کم تولنے کا رواج عام ہوگیا ہے، اچھے اچھے بظاہر دین دار اور دینی کاموں سے لگے ہوئے لوگ بھی اس معاملہ میں غفلت اور کوتاہی کا شکار ہیں۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾
وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا
بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾
ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ
الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾

جس دن تمام لوگ سارے جہان کے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہوں گے، ﴿۱﴾ ﴿۶﴾ سن لو! کہ بدکار لوگوں کا
نامۂ اعمال سجین میں ہے ﴿۷﴾ اور آپ کو معلوم بھی ہے کہ سجین کیا ہے؟ ﴿۸﴾ ایک لکھا ہوا دفتر ہے ﴿۲﴾ ﴿۹﴾ اس دن
جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے، ﴿۱۰﴾ جو بدلہ کے دن کو جھٹلاتے ہیں، ﴿۱۱﴾ اور اس کو وہی شخص جھٹلاتا ہے، جو حد
سے نکل جانے والا اور گنہگار رہے، ﴿۱۲﴾ جب اس پر ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو گزشتہ لوگوں
کی کہانیاں ہیں ﴿۱۳﴾ ہرگز ایسا نہیں ہے؛ بلکہ ان کی بداعمالیوں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے، ﴿۳﴾ ﴿۱۴﴾ ہرگز
ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت قائم نہ ہو)، یہ لوگ اُس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روک دیئے جائیں گے ﴿۱۵﴾
پھر یہ لوگ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے ﴿۱۶﴾ پھر ان سے کہا جائے گا: یہی تو وہ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ﴿۱۷﴾
سن لو کہ نیک لوگوں کے نامۂ اعمال علیین میں رہیں گے۔ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ قرآن مجید نے بنیادی بات کہی ہے کہ ایسے گناہوں سے وہی شخص بچ سکتا ہے، جس کو آخرت کا یقین ہو، اگر یہ نہ ہو تو انسان کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈالا جاسکتا ہے اور قانون کو بھی دھوکا دیا جاسکتا ہے۔

﴿۲﴾ سجین کے اصل معنی قید خانے کے ہیں، گویا جس دفتر میں بدکار لوگوں کے نامۂ اعمال کو محفوظ کیا جائے گا، اس کا نام 'سجین' ہے، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نافرمانوں کی روحیں سجین میں رکھی جائیں گی، (الدر المنثور: ۸/ ۴۴۳) دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، ممکن ہے کہ یہ ایک ایسا مقام ہو جس میں ایسے لوگوں کی روحوں کو بھی رکھا جائے، اور وہیں ان کے اعمال کا دفتر بھی رکھ دیا گیا ہو؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ لوگوں نے یہی بات نقل کی ہے: ''إن أرواح الفجار وأعمالهم لفی سجین''۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۵۷)

﴿۳﴾ یعنی جیسے پانی لوہے کو زنگ آلود کر دیتا ہے، اسی طرح گناہ سے انسان کے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، پھر اگر اس سے باز آ گیا اور توبہ کر لی تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اسی گناہ کو بار بار کرتا رہا تو زنگ اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔
(سنن ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۳۴)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾
عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ
مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور آپ کو معلوم ہے کہ علیین کیا چیز ہے؟ ﴿۱۹﴾ ایک لکھا ہوا دفتر، ﴿۲۰﴾ جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲۱﴾
اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک لوگ آرام میں ہوں گے، ﴿۲۲﴾ وہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے، ﴿۲﴾ ﴿۲۳﴾
آپ ان کے چہرے ہی سے آرام وراحت کی تر وتازگی معلوم کرلیں گے، ﴿۳﴾ ﴿۲۴﴾ ان کو مہر بند (بوتل) سے خالص
شراب پلائی جائے گی، ﴿۲۵﴾ جس کی مہر مشک کی ہوگی، جو لوگ ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے ہیں، ان کو ایسی
ہی چیز میں بازی لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے، ﴿۲۶﴾ اور اس میں تسنیم کی ملاوٹ ہوگی، ﴿۲۷﴾ یعنی وہ چشمہ جس سے
(اللہ کے) مقرب بندے پیا کریں گے۔ ﴿۴﴾ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ جیسے گنہگار لوگوں کے نامۂ اعمال سجین میں رکھے جاتے ہیں، ویسے ہی نیک لوگوں کے نامۂ اعمال 'علیین' میں، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ یہ مقام ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے، (مسند احمد: ۲۸۷/۴، حدیث نمبر: ۱۸۵۵۷) اور بعض روایتوں میں ہے کہ مومن کی روحیں بھی اسی درجہ میں ہیں، تو گویا علیین میں نیک لوگوں کے نامۂ اعمال بھی ہیں اور ان کی روحیں بھی، اور ان کے اعزاز واحترام کے طور پر ایسے فرشتے جن کو خصوصی درجہ ومقام حاصل ہے، وہاں موجود رہتے ہیں؛ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ جب فرشتے ایسے بندوں کے اعمال کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں تو وہاں موجود فرشتے ان کا استقبال کرتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۲۶۳/۱۹)

﴿۲﴾ یعنی جنت کے مناظر اور اللہ کے انعامات کو نیز اہل دوزخ پر ہونے والے عذاب کو دیکھتے ہوں گے۔

﴿۳﴾ یہ تو آخرت کا ذکر ہے؛ لیکن اس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ انسان کا چہرہ اس کی اندرونی کیفیات کا مظہر ہوتا ہے، اور صحت و بیماری کو اس کے ذریعہ جانا جاسکتا ہے، یہ طب کا ایک اہم اُصول ہے، موجودہ دور میں تو مریض کی شناخت کے لئے جدید میڈیکل وسائل پیدا ہوگئے ہیں؛ لیکن قدیم زمانہ میں اطباء کا زیادہ تر ایسی ہی علامتوں پر انحصار ہوا کرتا تھا۔

﴿۴﴾ غرض کہ تسنیم ایک ایسا چشمہ ہوگا، جس سے جنت کا سب سے اہم مشروب جاری ہوگا اور اہل جنت میں سے بھی جو سب سے اونچے مرتبہ والے ہوں گے، یہ ان کو پیش کی جائے گی، (تفسیر قرطبی: ۲۶۶/۱۹، تفسیر کبیر: ۲۸۸/۱۵) اس مشروب کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ آیت پڑھی کہ اہل جنت کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کے جو سامان چھپا کر رکھے گئے ہیں، کوئی انسان اسے سوچ بھی نہیں سکتا۔ (السجدۃ: ۱۷، دیکھئے: مفاتیح الغیب: ۲۸۷/۱۵)

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿۲۹﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿۳۰﴾
وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿۳۲﴾ وَمَا
أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ
يَنْظُرُونَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ ع ۳۶ ۸

مجرم لوگ مسلمانوں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، ﴿۲۹﴾ اور جب ان کے پاس سے ہوکر گزرتے تھے تو آپس میں
آنکھیں مار کر اشارے کیا کرتے تھے، ﴿۳۰﴾ اور جب اپنے گھروں کو واپس ہوتے تھے تو دل لگیاں کرتے ہوئے
جاتے تھے، ﴿۳۱﴾ اور جب ان کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں، ﴿۳۲﴾ حالاں کہ ان کو مسلمانوں پر
نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا، ﴿۳۳﴾ تو آج مسلمان کافروں پر ہنستے ہوں گے، ﴿۳۴﴾ وہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے
ہوں گے، ﴿۳۵﴾ کہ کافروں کو تو ان کی حرکتوں کا خوب بدلہ ملا۔ ﴿۳۶﴾

سُورَةُ الْاِنْشِقَاق

- سورہ نمبر : (۸۴)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۲۵)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی ابتدا ''إذا السماء انشقت'' سے ہوئی ہے، عربی گرامر کے اعتبار سے 'انشقت' کا مصدر انشقاق ہے؛ اس لئے سورہ کا نام 'انشقاق' ہے۔

گذشتہ سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی بنیادی طور پر قیامت کا ذکر ہے؛ کہ جب قیامت قائم ہوگی تو کیا صورت حال پیش آئے گی، پھر اچھے لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال کس طرح دیا جائے گا اور بُرے لوگوں کو کس طرح؟ اور اخیر میں ایمان نہ لانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور انھیں سخت عذاب پر متنبہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورہ میں سجدہ فرمایا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۸۰)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا
وَ تَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا
فَمُلٰقِیۡہِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ یَنۡقَلِبُ
اِلٰۤی اَہۡلِہٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ ۙ﴿۱۰﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ (یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا، ﴿۱﴾ ﴿۱﴾
اور وہ اپنے پروردگار کا حکم بجالائے گا، ﴿۲﴾ اور اس پر یہی لازم بھی ہے، ﴿۲﴾ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی، ﴿۳﴾
اور جو کچھ زمین کے اندر ہے وہ اسے اُگل دے گی اور خالی ہوجائے گی، ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ اور اپنے پروردگار کے فرمان پر عمل
کرے گی اور یہی اس پر لازم ہے، ﴿۵﴾ اے انسان! تو اپنے پروردگار تک پہنچنے میں بھرپور کوشش کرتا جارہا ہے، پھر
تو اس سے (یعنی اپنے اچھے یا بُرے عمل کی جزاء سے) جاملے گا، ﴿۶﴾ تو جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا
گیا، ﴿۷﴾ تو اس سے تو آسان حساب لیا جائے گا، ﴿۸﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوش خوش واپس آئے گا، ﴿۹﴾
جس کو اس کا نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا۔ ﴿۴﴾ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ ''اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ'' سے پہلے عربی گرامر کے لحاظ سے بعض مفسرین کے قول کے مطابق 'اُذکر' (یاد کرو) محذوف ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۷۳)

﴿۲﴾ ''اَذِنَتۡ'' کے اصل معنی ہیں کہ آسمان کان لگا کر سنے گا؛ لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالائے گا؛ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''واذنت أی استمعت وانقادت لربھا'' (تفسیر مظہری: ۱۲/۳۳۴، تفسیر بیضاوی: ۵/۴۶۸) اُردو زبان میں بھی اس طرح کا محاورہ ہے کہ ماننے کو سننے سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو میری بات سنتا ہی نہیں، مراد یہ ہے کہ مانتا نہیں ہے، اور ''حُقَّتۡ'' کے معنی ہے کہ یہی اس کا فریضہ ہے اور اس کو یہی کرنا چاہئے، دوسری قومیں جن چیزوں کی پوجا کرتی ہیں یا تو اس کا تعلق آسمان سے ہوتا ہے، جیسے: چاند، سورج، ستارے وغیرہ، یا زمین سے ہوتا ہے، جیسے: پہاڑ، دریا، درخت، جانور، مٹی کے بنائے ہوئے بُت وغیرہ، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے احکام کے پابند ہیں اور ان پر احکام الٰہی کی تعمیل لازم کردی گئی ہے، تو جو چیز خود کسی اور ذات کی پابند ہو وہ خدا کیسے ہوسکتی ہے؟

﴿۳﴾ زمین کے اندر کی چیزوں میں وہ مُردے بھی شامل ہیں، جو دفن کئے گئے ہیں، اور وہ قدرتی وسائل بھی شامل ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین کی تہوں میں رکھ دیئے گئے ہیں۔

﴿۴﴾ غرض کہ سامنے سے نامۂ اعمال دینا اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کے اعمال اچھے ہیں اور پیچھے کی طرف سے نامۂ اعمال دیا جانا اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کے اعمال بُرے ہیں۔

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ
يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾
السجدۃ ۱۳ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ
الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ع ۲۵ ۹

تو وہ موت کو پکارے گا، ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾ اور وہ دوزخ میں داخل ہوگا، ﴿۱۲﴾ یقیناً وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں مست رہا کرتا تھا، ﴿۱۳﴾ اس کا خیال تھا کہ وہ (اللہ کی طرف) واپس نہیں ہوگا، ﴿۱۴﴾ کیوں نہیں؟ یقیناً اس کا پروردگار اس کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا، ﴿۲﴾ ﴿۱۵﴾ تو میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی ﴿۳﴾ ﴿۱۶﴾ اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو وہ سمیٹ لیتی ہے، ﴿۴﴾ ﴿۱۷﴾ اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جاتا ہے ﴿۱۸﴾ تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے، ﴿۵﴾ ﴿۱۹﴾ پھر انھیں کیا ہوگیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے؟ ﴿۲۰﴾ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے، ﴿۶﴾ ﴿۲۱﴾ بلکہ یہ ایمان نہ لانے والے جھٹلاتے ہیں، ﴿۲۲﴾ اور جن باتوں کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، اللہ ان سے خوب واقف ہیں، ﴿۲۳﴾ تو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، ﴿۲۴﴾ مگر ہاں جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے، ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ تاکہ بھلے ہی ایک دفعہ مرنے کی تکلیف ہوجائے؛ لیکن ہمیشہ کے عذاب سے تو بچ جائیں۔

﴿۲﴾ یعنی قیامت تو آنی ہی تھی اور نیکی اور بدی کا حساب تو ہونا ہی تھا؛ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ مسلسل اس کی نگرانی کر رہے تھے۔

﴿۳﴾ عربی زبان میں سورج کے ڈوبنے کے بعد اس کی روشنی کا جو اثر باقی رہ جائے، اس کو شفق کہتے ہیں، یہ روشنی پہلے مرحلہ میں سرخ رہتی ہے، یہ شفق احمر کہلاتا ہے، اور بعد کے مرحلہ میں سفید، اس کو شفق ابیض کہا جاتا ہے، تو یہاں شفق احمر کی قسم کھائی گئی ہے۔

﴿۴﴾ عام طور پر رات ہوتی ہے تو جانور اور پرندے اپنے اصطبلوں اور گھونسلوں میں واپس آجاتے ہیں، یہاں تک کہ انسان بھی اپنے گھروں کو واپس آنے کی کوشش کرتا ہے، (جلالین: ۸۰۰) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں وہ عبادتیں بھی شامل ہیں، جو رات کے وقت ادا کی جاتی ہیں، جیسے نماز تہجد اور استغفار۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۷۶)

﴿۵﴾ یعنی جیسے چاند کی یہ کیفیت ہے کہ کبھی تو ڈوب جاتا ہے اور کبھی ماہ کامل بن کر سامنے آتا ہے، اسی طرح انسان کو بھی ایک کیفیت پر قائم نہیں رکھا گیا ہے، ایک زمانہ میں اس کا وجود ہی نہیں تھا، پھر پیدا ہوا، پھر اس پر موت آئے گی، پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

﴿۶﴾ یہاں سجدے سے مراد احکام الٰہی کے سامنے جھک جانا ہے، صرف سجدے کا عمل انجام دینا مراد نہیں ہے، (تفسیر بیضاوی: ۵/۱۷۹) فقہاء حنفیہ نے اس سے سجدۂ تلاوت کے واجب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۷۲)

سُورَۃُ البُرُوج

- سورہ نمبر : (۸۵)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۲۲)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کی پہلی ہی آیت میں آسمان کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے:
''وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ''اسی لئے اس سورہ کا نام 'بروج' ہے۔

اس سورہ کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی، جب مسلمان کفار و مشرکین کی طرف سے سخت آزمائش سے گذر رہے تھے؛ چنانچہ اس میں 'اصحابُ الاخدود' کا ذکر آیا ہے، جن کے واقعہ کی تفصیل آیت نمبر: ۴ کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے، یہ گویا مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور ثابت قدمی کی تعلیم ہے اور مسلمانوں پر ظلم وستم روا رکھنے والوں کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ جو حشر پہلے کے ظالموں کا ہوا ہے، وہی حشر اُن کا بھی ہونے والا ہے، اللہ نے فرعون وثمود اور کیسے کیسے سرکشوں سے اپنی زمین کو پاک کردیا، اگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء میں 'والسماء ذات البروج' اور 'والسماء والطارق' کی تلاوت کیا کرتے تھے: ''کان یقرأ فی العشاء الآخرة بالسماء—یعنی لذات البروج— ووالسماء والطارق''۔(مسند احمد، حدیث نمبر:۸۳۳۲)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۝۱ وَالۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۝۲ وَشَاہِدٍ وَّمَشۡہُوۡدٍ ۝۳ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی، ﴿۱﴾ ۝۱ اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، ﴿۲﴾ ۝۲ اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس میں حاضر ہوا جاتا ہے، ﴿۳﴾ ۝۳ کہ خندقوں والے مارے گئے۔ ﴿۴﴾ ۝۴

﴿۱﴾ یہاں آسمان سے مراد وہ نیلگوں فضا ہے، جو ہمیں نظر آتی ہے اور جس کو ہم آسمان کہتے ہیں، ''بُرج'' کے معنی اصل میں بڑے محل کے ہیں، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض اور مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں، جو فضا میں ٹھہرے ہوئے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۸۳) اور جو یقیناً اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی اور اس کی قدرت کا مظہر ہیں کہ یہ سب ایک ہی فضا میں تیر رہے ہیں؛ لیکن ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، لاکھوں سال سے گردش لگا رہے ہیں؛ لیکن ان کی رفتار میں کوئی فرق نہیں، اس سے وہ بُرجیں مراد نہیں ہیں، جو قدیم زمانہ میں اہل نجوم نے متعین کئے تھے، جن کی تعداد بارہ ہے اور ان کا خیال تھا کہ سورج ہر بُرج میں ایک ماہ رکتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، موجودہ سائنس بھی اس کو قبول نہیں کرتی۔

﴿۲﴾ یعنی قیامت کا دن۔

﴿۳﴾ ''شاہد اور مشہود'' — حاضر ہونے والے دن اور جس دن حاضر ہوا جاتا ہے — سے کونسا دن مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے؛ لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت — جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے — اس کو اچھی طرح واضح کردیتی ہے کہ 'یوم موعود' سے مراد قیامت کا دن ہے، شاہد سے 'جمعہ' کا دن اور مشہود سے 'عرفہ' کا دن یعنی ۹/ ذی الحجہ، امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور حسن یعنی معتبر قرار دیا ہے۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۳۹)

﴿۴﴾ یہاں ''قتل کے اصل معنی تو ہیں مارے گئے؛ لیکن یہ لفظ یہاں لعنت کے معنی میں ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن میں جہاں بھی 'مارے گئے' کا لفظ آیا ہے، اس کے معنی ہیں: اس پر لعنت ہو، (تفسیر قرطبی: ۱۹/ ۲۸۶) یہاں ان لوگوں پر لعنت کی گئی ہے، جنھوں نے کھائیوں کو آگ سے بھر کر ان میں ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کو ڈال دیا تھا، یہ واقعہ کن لوگوں کے ساتھ پیش آیا اور کس طرح پیش آیا؟ قرآن مجید میں اس کی صراحت نہیں ہے؛ لیکن حدیث میں تفصیل سے اس کا ذکر آیا ہے؛ چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی قوموں میں ایک بادشاہ تھا، جس کا ایک جادوگر تھا، جب جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: میں بوڑھا ہوگیا ہوں؛ اس لئے کسی نوجوان کو میرے پاس بھیج دیں کہ میں اس کو جادو سکھادوں، بادشاہ نے ایک نوجوان کو اس کے پاس بھیج دیا، وہ جب جاتا تو اس کے راستے میں ایک راہب یعنی عیسائی درویش کی خانقاہ ملتی، تو وہ اس کے پاس بیٹھ جایا کرتا، پھر جب وہ دیر سے جادوگر کے پاس پہنچتا تو وہ اس کی سرزنش کرتا، ←

← نوجوان نے راہب سے شکایت کی تو اس نے تدبیر بتائی کہ جب تم جادوگر کے یہاں تاخیر سے پہنچو تو کہہ دو کہ مجھے میرے گھر والے نے روک لیا اور جب گھر پہنچنے میں دیر ہو تو کہہ دو کہ جادوگر کے یہاں دیر ہوگئی، بہرحال ایک دن ایسا ہوا کہ راستہ میں ایک شیر ملا، جس کے خوف سے سارے لوگ رُکے ہوئے تھے، نوجوان نے سوچا کہ آج اس بات کا موقع ہے کہ ہم آزمالیں کہ جادوگر بہتر ہے یا راہب؟ چنانچہ اس نے ایک پتھر اُٹھایا اور یہ کہتے ہوئے شیر پر پھینکا کہ اگر آپ کے نزدیک راہب کا عمل جادوگر کے عمل سے زیادہ پسندیدہ ہے تو اس کو مار دیجئے؛ تاکہ لوگ جاسکیں، شیر اس کے پتھر سے مرگیا اور لوگ چلنے لگے، اس نے آکر راہب کو یہ ماجرا سنایا، راہب نے کہا: بیٹے! آج تو تم مجھ سے بہتر ہوگئے ہو اور تم کو جو ترقی حاصل ہوئی، وہ میں دیکھ رہا ہوں؛ البتہ عنقریب تمہاری آزمائش ہوگی، تو اگر ایسی نوبت آئے تو میرے بارے میں بتانا نہیں؛ چنانچہ اب یہ صورت حال ہوگئی کہ اس کی دُعا سے اندھے اور مبروص شخص کو صحت حاصل ہونے لگی اور وہ مختلف بیماریوں کا علاج کرنے لگا، بادشاہ کے ایک ہم نشیں کو بھی اس کی خبر ہوئی، جو نابینا تھا، وہ ڈھیر سارا تحفہ لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا: اگر تو نے مجھے شفایاب کردیا تو یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے، نوجوان نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے؛ لہٰذا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہارے لئے دُعا کروں، اللہ تعالیٰ تمہیں شفا عطا فرمائیں گے، وہ ایمان لے آیا اور اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی، جب وہ بادشاہ کے پاس معمول کے مطابق آکر بیٹھا تو بادشاہ نے پوچھا: تمہاری آنکھ کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا: میرے رب نے، بادشاہ نے پوچھا: کیا میرے سوا بھی کوئی رب ہے؟ اس نے کہا: میرا اور آپ کا رب تو اللہ ہے، باشاہ نے اس کو اتنی تکلیف پہنچائی کہ مجبور ہوکر اس نے نوجوان کا پتہ بتادیا، بادشاہ کے حکم سے وہ نوجوان حاضر کیا گیا، بادشاہ نے پوچھا: تم اب جادو میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ اندھے، برص زدہ اور ایسے ویسے شخص کو بھی صحت مند کردیتے ہو، نوجوان نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے، بادشاہ نے اِس بات پر اس کو اتنی تکلیف دی کہ بالآخر اس نے راہب کا نام بتادیا، راہب حاضر کیا گیا، بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ تم اپنے دین سے باز آجاؤ؛ لیکن جب وہ باز نہیں آئے تو سر پر آرا رکھ کر دو ٹکڑے کردیئے گئے، پھر بادشاہ کے ہم نشیں کو لایا گیا، اس سے بھی یہی مطالبہ کیا گیا، وہ بھی دین حق کے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا، ان کو بھی اسی طرح آرے سے چیر دیا گیا، پھر وہ نوجوان لایا گیا، یہی مطالبہ اس کے سامنے رکھا گیا، اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے اس کو اپنے درباریوں کے ایک گروپ کے حوالہ کیا کہ اسے فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ، وہاں پہنچ کر بھی اگر یہ اپنے دین کو چھوڑنے پر آمادہ ہوجائے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ اس کو وہیں سے پھینک دو؛ چنانچہ لوگ اس کو لے کر پہاڑ پر چڑھے، اب منصوبہ کے مطابق اس کو پھینک دیا جاتا کہ اس نے دُعا کی: اے اللہ! آپ اپنی مشیت کے مطابق ان کے مقابلے میں میرے لئے کافی ہوجایئے؛ چنانچہ پہاڑ پر ایسا زلزلہ آیا کہ وہ سب کے سب گر گئے اور یہ چلتے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچ گیا، بادشاہ نے پوچھا: تمہارے ساتھ جو لوگ گئے تھے، انھیں کیا ہوا؟ نوجوان نے کہا: ان کے مقابلہ میں میرے لئے اللہ کافی ہوگیا، پھر بادشاہ نے کچھ اور لوگوں کے حوالہ کیا کہ اس کو ایک کشتی میں لے کر بیچ سمندر تک جاؤ، پھر اگر وہ اپنے مذہب سے واپس ہونے کو تیار ہوجائے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ اسے سمندر میں ڈال دو، لوگ لے کر گئے اور منصوبہ کے مطابق عمل کرنا چاہا، یہاں بھی نوجوان نے وہی دُعا کی؛ چنانچہ اُلٹے وہی لوگ مرگئے اور یہ چلتے ہوئے بادشاہ تک پہنچ گیا، بادشاہ نے پوچھا: جو لوگ تمہارے ساتھ گئے تھے، انھوں نے کیا کیا؟ نوجوان نے کہا: ان کے مقابلہ ہمارے لئے اللہ کافی ہوگیا۔ ←

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾
وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾

یعنی وہ آگ جو ایندھنوں سے بھری ہوئی تھی، ﴿۵﴾ جب کہ وہ خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے، ﴿۶﴾ اور جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے، وہ اس کو دیکھ بھی رہے تھے، «۱» ﴿۷﴾ وہ مسلمانوں سے اسی بات کا بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اس خدا پر ایمان رکھتے تھے، جو غالب اور بڑی خوبیوں والے ہیں، ﴿۸﴾ کہ اسی کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہیں۔ ﴿۹﴾

← پھر اس نے بادشاہ سے کہا: میں جو تدبیر بتاتا ہوں، جب تک آپ یہ نہ کریں، آپ مجھے مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں اور مجھے سولی پر چڑھائیں، پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکالیں، اس کو کمان پر رکھیں اور کہیں: ''اس اللہ کے نام سے جو اِس نوجوان کا رب ہے'' پھر تیر مجھ پر پھینک دیں؛ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، تیر اس کی کنپٹی میں لگا، اس نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھا اور اس کا انتقال ہوگیا، اب لوگ بول اُٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لاتے ہیں، بادشاہ سے کہا گیا کہ آپ جس بات سے ڈرتے تھے، وہ تو ہو ہی گیا، لوگ مسلمان ہو گئے؛ چنانچہ اس نے سڑک کے بیچوں بیچ کھائی کھدوائی، اسے آگ سے بھرا گیا اور حکم جاری ہوگیا کہ جو لوگ اسلام سے واپس نہ ہوں، ان کو اس میں جھونک دیا جائے، ایسا ہی کیا گیا، یہاں تک کہ ایک عورت اپنے بچہ کے ساتھ آئی، وہ ذرا سی جھجھکی، بچہ نے اس سے کہا: میری ماں! تو صبر کر، تو حق پر ہے، نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس لڑکے کی لاش نکلی اور اس وقت بھی اس کا ہاتھ اس کی کنپٹی پر تھا؛ اگرچہ اس واقعہ کے بارے میں کچھ اور حکایات بھی نقل کی گئی ہیں؛ لیکن مسلم اور ترمذی میں واقعہ کی یہی تفصیلات روایت کی گئی ہیں۔
(مسلم، باب قصة اصحاب الاخدود، حدیث نمبر: ۳۰۰۵، ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۴۰)

بہر حال اس پر سب لوگ متفق ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیش آیا، اور یہ راہب اور نوجوان اور ان کی پیروی کرنے والے اصل عیسائیت پر قائم تھے، مشہور صاحبِ علم ضحاک سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بنائے جانے سے چالیس سال پہلے یمن میں یہ واقعہ پیش آیا، جو لوگ اس طرح زندہ جلادیئے گئے، ان کی تعداد ۸۰ سے زیادہ تھی اور جس بادشاہ نے یہ حرکت کی تھی، اس کا نام یوسف بن شراحیل حمیری تھا، نیز نقل کیا جاتا ہے کہ اس مومن نوجوان کا نام عبداللہ بن ثامر تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بالآخر یہ آگ چالیس ہاتھ بلند ہوئی اور اس نے بادشاہ اور اس کے مددگاروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۸۹/۱۹)

«۱» یعنی ظلم کی بات یہ ہے کہ صرف ایمان لانے کی وجہ سے اس ہولناک طریقہ پر اتنے سارے مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، لوگ اس کو تماشہ کی طرح دیکھتے رہے؛ لیکن بادشاہ کی قوم میں سے کسی نے بچانے اور ان کے حق میں اُٹھ کھڑے ہونے کی بھی کوشش نہیں کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ
الْحَرِيْقِ ۝١٠ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۵
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝١١ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝١٢ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝١٣ وَهُوَ الْغَفُوْرُ
الْوَدُوْدُ ۝١٤ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝١٥ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝١٦ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝١٧
فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝١٨ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝١٩ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۝٢٠ بَلْ هُوَ
قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝٢١ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝٢٢ ع ۲۲/۱۰

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو تکلیفیں دیں، پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے دوزخ کا عذاب اور جلنے کی سزا ہے، ﴿۱﴾ ۝١٠ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، ان کے لئے ایسے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہی ہے بڑی کامیابی! ۝١١ بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے، ۝١٢ وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا، ۝١٣ اور وہی خوب بخشنے والا اور خوب محبت کرنے والا ہے، ۝١٤ عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے، ۝١٥ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، ۝١٦ (اے پیغمبر!) کیا آپ کو لشکروں کا حال معلوم ہوا؟ ۝١٧ یعنی فرعون و ثمود کا؛ ۝١٨ بلکہ انکار کرنے والے تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، ۝١٩ اور اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں؛ ۝٢٠ بلکہ یہ بڑے مرتبے والا قرآن ہے، ۝٢١ جو لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔ ۝٢٢

﴿۱﴾ یہ اہل مکہ کے لئے تنبیہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے کمر بستہ ہیں، وہ سمجھ لیں کہ وہ آخرت میں اس سے بھی کہیں بڑھی ہوئی تکلیفوں سے دوچار کئے جائیں گے، رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ ان ہی ظالموں پر موقوف نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے ظالم و سفاک لوگ گذر چکے ہیں؛ لیکن ان کے ہزار ظلم و جور کے باوجود دین حق کی روشنی پھیلتی چلی گئی اور بالآخر ظلم و جور کی آگ کو بجھنا ہی پڑا۔

سُوۡرَةُ الطَّارِق

- سورہ نمبر : (۸۶)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۱۷)
- نوعیت : مکی

''طارق'' سے مراد رات میں طلوع ہونے والا ستارہ ہے، اس سورہ کے شروع ہی میں آسمان اور ستارے کی قسم کھائی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'طارق' ہے۔

یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی خاص طور پر انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب و کتاب کے مرحلہ سے گذارے جانے کا ذکر کیا گیا ہے، انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے پر یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ انسان ایک نہایت حقیر مادہ سے پیدا کیا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ ایسی چیز سے ایک چلنے، پھرنے، دیکھنے اور سننے کی طاقت سے بہرہ ور اور عقل و فہم کی دولت سے مالا مال انسان کو وجود بخش سکتے ہیں تو اس کے لئے مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا دشوار ہے؟

سورہ کے ختم پر مختلف قسمیں کھا کر تاکید اور اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کی اِس صفت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ قولِ فیصل ہے، وہ کوئی ہنسی مذاق کی کتاب نہیں ہے، جسے کسی انسان نے خود تصنیف کر لیا ہو۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿﴾

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا
عَلَيۡهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ
الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿﴾ قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی، ﴿۱﴾ ﴿۱﴾ اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ ﴿۲﴾ وہ ایک روشن ستارہ ہے، ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ کوئی ایسا نہیں کہ جس پر کوئی نگہبان مقرر نہ ہو، ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ ﴿۵﴾ وہ ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، ﴿۶﴾ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے بیچ سے نکلتا ہے، ﴿۴﴾ ﴿۷﴾ یقیناً اللہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں، ﴿۸﴾ جس دن پوشیدہ باتوں کی بھی جانچ پڑتال ہوگی۔ ﴿۹﴾

﴿۱﴾ اصل میں ''طارق'' کے معنی کھٹکھٹانے والے کے ہیں، عام طور پر جب رات کو مہمان آتے ہیں تو دروازہ بند ہوتا ہے اور اسے دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے، اس مناسبت سے رات میں آنے والے شخص کو 'طارق' کہا جانے لگا، (مفردات القرآن: ۱/۳۴۱) اور اسی مناسبت سے ستارہ کو طارق کہا گیا؛ کیوں کہ وہ رات ہی میں نظر آتا ہے، دن میں نہیں، گویا وہ رات کا مہمان ہے۔

﴿۲﴾ ''ثاقب'' کے اصل معنی سوراخ کرنے والے کے ہیں، رات کی گہری تاریکی میں جب کوئی روشن ستارہ چمک رہا ہو تو یوں لگتا ہے جیسے کسی سیاہ چادر میں سوراخ کردیا گیا ہو؛ اسی لئے روشن ستارہ کو 'ثاقب' کہا گیا۔

﴿۳﴾ یہی وہ بات ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ وہ جو کچھ چاہے کرتا رہے، کوئی اس کا پوچھنے والا نہیں؛ بلکہ اس پر اللہ کی طرف سے نگراں مقرر رہے۔

﴿۴﴾ عام طور پر قدیم مفسرین کہا کرتے تھے کہ مرد کا مادہ منویہ اس کے پشت سے اور عورت کا اس کے سینہ سے نکلتا ہے؛ لیکن حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دونوں عضو کا تعلق دونوں سے ہے، یعنی مرد کا مادہ منویہ اس کے پشت اور سینہ کے درمیان ہے اور عورت کا اس کے پشت اور سینہ کے درمیان، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۷) یہی رائے موجودہ سائنسی تحقیق سے قریب ہے، اصل میں مادہ منویہ جسم میں پیدا ہونے والی دوسری چیزوں کی طرح اعضاء رئیسہ —— دماغ، دل اور جگر —— کے ذریعہ بنتا ہے، دل اور جگر پشت اور سینہ کے درمیان ہے اور دماغ سے ایک سفید رنگ کا تار نکلتا ہے اور گردن سے گذرتا ہوا نیز ریڑھ کی ہڈی سے ہوتا ہوا کمر تک پہنچ جاتا ہے، اب مادہ منویہ تیار ہونے کے بعد اپنے مخزن یعنی فوطوں میں پہنچ جاتا ہے؛ لیکن اس کے نکلنے کے لئے جس تحریک کی ضرورت ہے، اس کا مرکز وہی ریڑھ کی ہڈی میں پایا جانے والا نخاع ہے تو گویا مادہ منویہ کے تیار ہونے میں بھی ان اعضاء کا دخل ہے، جو پیٹھ اور سینہ کے درمیان ہیں، اور جس تحریک کی بنا پر بالآخر اس کے نکلنے کی نوبت آتی ہے، اس کا مرکز بھی پیٹھ اور سینہ کے درمیان ہی ہے؛ اس لئے قرآن مجید کا بیان پوری طرح موجودہ سائنسی حقائق کے مطابق ہے۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ
فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ
اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع ۱۷ / ۱۱

تو اس دن نہ تو انسان کا خود کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا، ﴿۱۰﴾ قسم ہے، آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے، ﴿۱۱﴾ اور زمین کی، جو پھٹ جاتی ہے، «۱» ﴿۱۲﴾ یہ یقیناً جچا تُلا کلام ہے، «۲» ﴿۱۳﴾ ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے، ﴿۱۴﴾ یقیناً وہ لوگ چال چل رہے ہیں، ﴿۱۵﴾ اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں، ﴿۱۶﴾ تو آپ ایمان نہ لانے والوں کو مہلت دیجئے (اور) تھوڑے دنوں ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیجئے۔ ﴿۱۷﴾

«۱» تاکہ اس سے پودے نکل سکیں۔
«۲» یعنی یہ ایک فیصلہ کن کتاب ہے جس پر کہیں اُنگلی رکھنے کی گنجائش نہیں۔

سُورَةُ الأَعْلیٰ

- سورہ نمبر : (۸۷)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۱۹)
- نوعیت : مکی

یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات اور انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان میں سے پہلی صفت اعلیٰ ہونے کی بیان کی گئی ہے، ''اعلیٰ'' کے معنی ہیں: سب سے بلند و برتر۔

اس سورہ کا آغاز اس حکم سے ہوا ہے کہ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیجئے کہ اس کی ذات تمام خامیوں، کوتاہیوں، کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کا نظام ہے، جس میں کائنات کی ہر چیز اس کی مناسبت اور رعایت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ جلد جلد پڑھنا چاہتے تھے: تاکہ بھول نہ جائیں، اس سلسلہ میں آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ آپ کا حفظ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نظام کے تحت ہے کہ آپ پڑھ لیں گے، تو بھولیں گے نہیں، عام لوگوں کو جیسے ایک ایک لفظ کی تکرار کر کے اور بار بار پڑھ کر قرآن یاد کرنا پڑتا ہے، آپ کو اس کی حاجت نہ ہوگی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن کو آپ کے سینہ میں محفوظ فرمادیں گے۔

اس سورہ کا مرکزی مضمون آخرت کی یقین دہانی ہے کہ آخرت یقیناً آئے گی اور اس میں مال و دولت اور طاقت و قوت کامیابی کا سبب نہ ہوگی؛ بلکہ ایمان اور عمل سے ہی انسان کو کامیابی حاصل ہوگی، اور آخرت کا یہ تصور صرف قرآن ہی نے پیش نہیں کیا ہے؛ بلکہ گذشتہ انبیاء اور ان پر اُترنے والی کتابوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۝۱ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝۲ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَہَدٰی ۝۳ وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۝۴ فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ اپنے بزرگ و برتر پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے، ﴿۱﴾ ۝۱ جس نے (ہر چیز کو) بنایا، اور ٹھیک ٹھیک بنایا، ﴿۲﴾ ۝۲ اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا، پھر (اسے) راستہ بتایا، ﴿۳﴾ ۝۳ اور جس نے چارہ اُگایا، ۝۴ پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔ ﴿۴﴾ ۝۵

﴿۱﴾ جب بھی اس آیت کو پڑھا جائے تو 'سبحان ربی الاعلیٰ' کہا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلقین کی ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو سجدہ میں کہا کرو؛ اسی لئے حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اس آیت کو پڑھنے کے بعد 'سبحان ربی الاعلیٰ' کہا کرتے تھے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۱۳) البتہ فرض نماز میں اگر اس سورہ کی تلاوت کرے تو سبحان ربی الاعلیٰ نہ کہا کرے؛ کیوں کہ نماز میں آپ ﷺ نے اس کا محل سجدہ کو بتایا ہے نہ کہ قیام کو، اور اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں بکثرت اس سورہ کی تلاوت فرماتے تھے، خاص کر جمعہ کے دن؛ لیکن یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر قیام کی حالت میں اس سورہ کی تلاوت کرتے ہوئے 'سبحان ربی الاعلیٰ' کہا ہو، فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے۔ (مسلم، کتاب الجمعہ، حدیث نمبر: ۸۷۸، بدائع الصنائع: ۱/ ۲۰۸)

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایسے طریقہ پر بنایا ہے کہ وہی اس کے لئے سب سے زیادہ بہتر طریقہ تھا، پہاڑ کو اونچا بنایا؛ لیکن درخت کو اتنا اونچا نہیں بنایا، ورنہ پھل توڑنا مشکل ہو جاتا، چاول اور گیہوں کے پودے بڑے درخت کی طرح اونچے اور سخت نہیں رکھے گئے، ورنہ اس کی کٹائی مشکل ہو جاتی، جانور کے لئے چارہ کو غذا بنایا، تو اس کو چار پاؤں دیئے گئے؛ تا کہ اس کو کھانے میں آسانی ہو، غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کرتے ہوئے اس کو اسی صورت پر بنایا، جو اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو سکتی تھی ـــــ بہت سے مفسرین نے اس سے خاص طور پر انسان کو پیدا کرنے اور اس کے اعضاء میں تناسب قائم رکھنے کے معنی مراد لئے ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر جلالین: ۸۰۲)

﴿۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک دائرہ مقرر کر دیا ہے، اور اس چیز میں قدرتی طور پر کام کے حدود متعین کر دیئے گئے ہیں؛ چنانچہ فضاء میں جتنے سیارے ہیں، وہ سب اپنی اپنی حدود میں چل رہے ہیں، سورج ہو یا چاند، ان کو اپنی گردش کا نظام معلوم ہے، جن جانوروں کی غذا گوشت ہے، وہ گھاس کو منھ نہیں لگاتے، اور جن جانوروں کی غذا گھاس ہے، وہ خود ہی گوشت سے دور رہتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا نظام ہے۔

﴿۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے سرسبز و شاداب چارے اُگائے اور پھر وہ چارہ اس طرح سڑ گل گیا کہ پوری طرح سیاہ کوڑا بن گیا، غرض کہ اللہ اس بات پر قادر ہیں کہ وہ اپنی مخلوقات کے حالات میں تبدیلی لائیں، یہ اللہ کے لئے ذرا بھی دشوار نہیں ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ؕ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ
لِلْيُسْرٰى ۚۖ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۱﴾
الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ؕ﴿۱۳﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ
اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ﴿۱۵﴾

(اے پیغمبر!) ہم خود آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے، ﴿۶﴾ سوائے اس کے جو اللہ چاہیں، ﴿۱﴾ اللہ ظاہر کو بھی جانتے ہیں اور پوشیدہ کو بھی، ﴿۷﴾ اور ہم آپ کو آسان راستے کی توفیق عطا کریں گے، ﴿۲﴾ ﴿۸﴾ تو اگر نصیحت فائدہ پہنچائے تو آپ نصیحت کرتے رہیئے، ﴿۹﴾ جو (اللہ کا) ڈر رکھتا ہو، وہ نصیحت قبول کرے گا، ﴿۳﴾ ﴿۱۰﴾ اور جو بدبخت ہوگا، وہ اس سے پہلوتہی کرے گا، ﴿۱۱﴾ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، ﴿۱۲﴾ پھر نہ اس میں مرے گا اور نہ جیئے گا، ﴿۴﴾ ﴿۱۳﴾ جس نے پاکیزگی اختیار کی، ﴿۵﴾ اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا، اس نے مراد کو پالیا؛ ﴿۶﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آخری آیت سے فارغ بھی نہ ہوتے کہ آپ ﷺ پہلی آیت کی تلاوت کرنے لگتے کہ کہیں بھول نہ جائیں، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ خود اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کی تعلیم اور حفظ کا نظم کردیا گیا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ جلدی نہ کریں؛ اگرچہ اس آیت میں یہ بات آئی ہے کہ اللہ ہی اگر قرآن کی کسی آیت کو بھلانا چاہیں، تبھی آپ بھول سکتے ہیں؛ لیکن اللہ کی طرف سے ایسی کوئی بات ہوئی نہیں کہ آپ بھولتے، اس ارشاد کا مقصد اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے؛ کہ وہ یاد کرانے پر بھی قادر ہے اور بھلانے پر بھی، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۰، نیز دیکھئے: مفاتیح الغیب: ۱۶/۳۵۶) —— اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو من جانب اللہ حافظ قرآن بنایا گیا اور بغیر محنت کے یہ دولت عطا کی گئی۔

﴿۲﴾ یعنی آپ کو نیکی کے راستہ پر چلاتے رہیں گے، جو دنیا میں بھی رحمت کا باعث ہے اور آخرت میں بھی۔

﴿۳﴾ قرآن نے ایک اور موقع پر خود یہ بات واضح کردی کہ نصیحت اہل ایمان کو نفع پہنچاتی ہے: ''وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (الذاریات: ۵۵) اس لئے نصیحت تو بہرحال کرنی ہے؛ لیکن یہاں یہ حکم اُن ایمان سے محروم لوگوں کے لئے ہے، جو طے کئے ہوئے تھے کہ ہمیں کسی بھی صورت میں ایمان نہیں لانا ہے، تو آپ سے فرمایا گیا کہ نصیحت ان ہی لوگوں کو کام آئے گی، جن میں کچھ خدا کا خوف بھی ہو، جو لوگ خدا کے خوف سے خالی ہیں، ان کو نصیحت کام نہیں آئے گی؛ اس لئے آپ ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں پر کام کریں، جن سے قبولیت متوقع ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

﴿۴﴾ یعنی نہ مرسکے گا کہ تکلیف ختم ہوجائے اور نہ سکون وراحت کی زندگی حاصل ہو پائے گی۔

﴿۵﴾ پاکیزگی میں اپنے آپ کو ہر طرح کی گندگی سے پاک کرنا شامل ہے، شرک کی گندگی سے بھی، فسق وفجور کی گندگی سے بھی۔

﴿۶﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کا تعلق فرض نمازوں سے ہے، یعنی نماز کے شروع میں ←

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾
ع ۱۹/۱۲ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؛ ﴿١٦﴾ حالاں کہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے، ﴿١٧﴾ یہی بات گزشتہ صحیفوں ﴿١٨﴾ یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ذکر کی گئی ہے۔ ﴿١٩﴾

← اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی اس حکم میں شامل ہے؛ اس لئے فقہاء نے اس آیت سے نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے پر استدلال کیا ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۲۲، ۲۳) اور حنفیہ نے اس سے یہ بات بھی مستنبط کی ہے کہ تحریمہ کے لئے 'اللہ اکبر' کہنا ضروری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر تحریمہ کے لئے کافی ہے؛ البتہ 'اللہ اکبر' کہنا بہتر ہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۳۰)

سُورَةُ الغَاشِيَةِ

- سورہ نمبر : (۸۸)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۲۶)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

''غاشیہ'' کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو چھا جانے والی اور ڈھانپ دینے والی ہو، جب قیامت طاری ہوگی تو اس کی ہلاکت خیزی اور ہولنا کی سے کائنات کی کوئی چیز بچ نہیں سکے گی، گویا وہ پوری کائنات پر چھا جائے گی؛ اسی لئے قیامت کا ایک نام غاشیہ بھی ہے، اس سورہ کے شروع میں اسی نام سے قیامت کا ذکر آیا ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ''غاشیہ'' ہے۔

اس سورہ میں بنیادی طور پر تین باتوں کا ذکر آیا ہے، اور تینوں کا تعلق ایمانیات سے ہے، اول: قیامت اور اس کی ہولنا کیوں کا اور اس دن اہل ایمان کو جو نعمت حاصل ہوگی اور ایمان سے محروم لوگ جس عذاب سے دو چار ہوں گے اس کا، دوسرے: 'اللہ تعالیٰ کی توحید' اور قدرت کی نشانیوں کی طرف سے اشارہ کیا گیا ہے اور انسان سے کہا گیا ہے کہ تم آسمان و زمین، پہاڑ اور جانور بالخصوص اونٹ کی تخلیق اور اس میں اللہ کی قدرت کے غیر معمولی مظاہر کو دیکھو کہ کیا کسی خدائے بصیر و حکیم کے بغیر ایسی حیرت انگیز مخلوقات وجود میں آسکتی ہیں؟ تیسرے: لوگوں کو اپنے رب کی طرف لوٹ آنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ہم ہی ہیں جو تم سے حساب و کتاب کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ جمعہ اور عیدین کی نماز میں عام طور پر سورہ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، (مسلم، عن نعمان بن بشیر، حدیث نمبر: ۸۷۸) ایک اور روایت میں ہے کہ جمعہ کی نماز میں ایک رکعت میں سورۂ جمعہ اور ایک رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے، (مؤطا امام مالک، عن نعمان بن بشیر، حدیث نمبر: ۳۷۱) —— اس سے اس سورہ کی خصوصی فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا
حَامِيَةً ۝٤ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ وَلَا
يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠ لَّا تَسْمَعُ
فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤ وَّنَمَارِقُ
مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝١٧ وقفة

وقف لازم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ کیا آپ کو قیامت کی خبر پہنچی ؟ ﴿١﴾ ۝١ اس روز بہت سے چہرے ذلیل وخوار، ۝٢ مصیبت کے مارے اور تھکے ماندے ہوں گے، ﴿٢﴾ ۝٣ جو دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، ۝٤ ان کو ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا، ۝٥ ایک خاردار جھاڑ کے علاوہ ان کو کوئی کھانا نصیب نہیں ہوگا، ۝٦ جو نہ بدن کو موٹا کرے گا نہ بھوک دُور کرے گا، ۝٧ بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، ۝٨ وہ اپنے اعمال سے خوش ۝٩ اور بلند وبالا جنت میں ہوں گے، ۝١٠ وہاں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے، ۝١١ اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے ۝١٢ اونچے اونچے تخت، ۝١٣ (قرینہ سے) رکھے ہوئے ساغر، ۝١٤ ایک لائن سے رکھے ہوئے تکیے ۝١٥ اور ہر طرف پھیلے ہوئے قالین ہوں گے، ۝١٦ کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے ہیں؟ ﴿٣﴾ ۝١٧

﴿١﴾ غاشیہ کے اصل معنی ڈھانپنے والی چیز کے ہیں، قیامت کے دن کی ہولناکی، چوں کہ پوری کائنات کو ڈھانپ لے گی؛ اس لئے اس کا ایک نام 'غاشیہ' بھی ہے؛ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ قیامت ہی سے کیا ہے۔

﴿٢﴾ کیوں نہ ہو کہ ان پر طوقوں اور بیڑیوں کا بوجھ ہوگا، ننگے پاؤں ننگے بدن میدانِ حشر میں کھڑے کئے جائیں گے اور چہرے کے بَل گھسیٹے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۷) ——بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ تھکان دنیا میں اُٹھانے والی تکلیف کی وجہ سے ہوگی، مختلف مذاہب بُت پرستی، عیسائیت وغیرہ سے تعلق رکھنے والے بعض ایسے لوگ بھی ہیں، جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں؛ لیکن بے حد ریاضت کرتے ہیں، ان ریاضتوں نے ان کو تھکا رکھا ہوگا اور پھر یہ آخرت میں بھی ان کو کام نہیں آئیں گی؛ اس لئے مصیبت وتکلیف کا احساس بڑھا ہوا ہوگا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر منقول ہے، (معالم التنزیل: ۵/۲۴۴) شاید اسی زمرہ میں وہ لوگ بھی ہوں، جنھوں نے دنیا میں علم وسائنس کی ترقی میں ڈھیر ساری کوششیں کی ہیں اور ان میں اپنے آپ کو تھکایا ہے؛ لیکن ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے آخرت میں یہ کچھ کام نہ آئیں گی۔

﴿٣﴾ یوں تو چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک ہر جانور اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نشانی ہے، جس میں غور کر کے انسان اپنے خالق ←

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ ۞۱۸ وَاِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ ۞۱۹ وَاِلَى الۡاَرۡضِ كَيۡفَ سُطِحَتۡ ۞۲۰
فَذَكِّرۡ ۚ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ۞۲۱ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَۜيۡطِرٍ ۞۲۲ اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۞۲۳ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ
الۡعَذَابَ الۡاَكۡبَرَ ۞۲۴ اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ۞۲۵ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ۞۲۶

النصف — ع ۲۶/۱۳

اور آسمان کو؛ کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ ۞۱۸ اور پہاڑوں کو؛ کہ کیسے کھڑے کئے گئے ہیں؟ ۞۱۹ اور زمین کو؛ کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ ۞۲۰ تو آپ نصیحت کرتے رہئے؛ اس لئے کہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، ۞۲۱ آپ ان پر داروغہ تو ہیں نہیں، ﴿۱﴾ ۞۲۲ ہاں، مگر جو منھ پھیر لے گا اور کفر کرے گا، ۞۲۳ تو اللہ اس کو بڑا عذاب دیں گے، ۞۲۴ ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، ۞۲۵ پھر ان کا حساب و کتاب بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ ۞۲۶

← و مالک کو پہچان سکتا ہے؛ لیکن اونٹ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا؛ کیوں کہ عرب کے ریگستان میں اس کی زیادہ پیدائش ہوتی ہے اور یہی اس خطہ کے لئے سب سے اہم جانور ہے، مختلف جانوروں میں الگ الگ خصوصیتیں ہیں، اونٹ میں وہ سب جمع ہیں، وہ سواری کے کام بھی آتا ہے، ڈھیر سارا بوجھ بھی اُٹھا سکتا ہے، اس سے انسان کو دودھ بھی مل سکتا ہے، ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے، پھر اس کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتی ہیں، دوسرے جانوروں پر کھڑے ہونے کی حالت میں سوار ہونا پڑتا ہے؛ لیکن یہ سواروں کو اپنی پشت پر چڑھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس میں چربی کی ایک ایسی وافر مقدار رکھی گئی ہے، جو پگھل پگھل کر اس کی پیاس بجھاتی رہتی ہے اور اس طرح دس دس دنوں پانی کے بغیر رہ سکتا ہے، اس کے پاؤں میں ایسے نرم گدے ہوتے ہیں، جو ریگستان میں دھنسنے نہیں دیتے، جن کانٹے دار ٹہنیوں کو دوسرے جانور نہیں کھاتے، یہ انھیں کھالیتا ہے، سامان اُٹھانے کی صلاحیت اس میں دوسرے جانوروں کے مقابلہ کہیں زیادہ ہوتی ہے؛ اسی لئے اس کو ریگستان کا جہاز کہا گیا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی انبیاء کا کام دعوت دینا ہے، مجبور کرنا نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ علماء اور داعیان دین جو رسول کے وارث ہیں، ان کا مقام بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی زبان سے سمجھائیں، اپنے قلم سے ان کی ذہن سازی کریں اور جبر و تشدد کا راستہ اختیار نہ کریں، جیسا کہ آج کل بعض غالی شدت پسند گروہ اسلام کے نام پر کر رہے ہیں، یہ یا تو اسلام سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے یا وہ ان دشمنانِ اسلام کا آلۂ کار ہیں، جو اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

سُورَةُ الفَجرِ

- سورہ نمبر : (۸۹)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۳۰)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ''والفجر'' کے لفظ سے ہوتا ہے، جس کے معنی ہیں: قسم ہے صبح کی؛ اسی لئے اس سورہ کا نام فجر ہے۔

اس سورہ میں فجر کی، ذوالحجہ کے پہلے عشرہ وغیرہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں، جس سے ان کی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے، بعض ظالم و جابر قوموں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور اللہ کی طرف سے ان کی جو پکڑ ہوئی ہے، اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؛ تاکہ اہل مکہ اپنی طاقت پر مرعوب نہ ہوں، یہ بات بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو خوشحالی و تنگ دستی سے آزماتے ہیں، انسان کی حالت بہتر ہوتی ہے تو اِترانے لگتا ہے اور تنگی ہوئی تو شکایت کرنے لگتے ہیں، اس سورہ میں بعض اخلاقی کوتاہیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسے مسکینوں کی مدد سے جی چرانا اور مال سے حد درجہ محبت وغیرہ، اخیر میں قیامت اور قیامت کے دن اچھے اور بُرے لوگ، جس صورتِ حال سے دوچار ہوں گے، اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿﴾
وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿﴾ قسم ہے فجر کی، ﴿۱﴾ ﴿۱﴾ اور دس راتوں کی، ﴿۲﴾ ﴿۲﴾ جوڑے کی اور طاق کی ﴿۳﴾ ﴿۳﴾ رات کی جب جانے لگے ﴿۴﴾ کیا عقل مند کے لئے ان میں سے کوئی قسم (کافی) ہے (کہ وہ یقین کرلیں کہ قیامت ضرور آئے گی؟)۔ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ یعنی فجر کے وقت کی، اور بعض حضرات نے فجر کی نماز مراد لی ہے۔

﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن مراد ہیں، (تفسیر قرطبی: ۳۴۶/۲۴) اور دنوں کے بجائے راتوں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ چاند کے کیلنڈر میں تاریخ کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے، گویا تاریخوں میں رات کو اصل مانا جاتا ہے اور دن اس کے تابع ہوتا ہے۔

﴿۳﴾ چوں کہ کائنات میں ہر چیز یا تو جوڑا ہے یا طاق، اور قرآن نے صراحتاً اس کی مراد واضح نہیں کی ہے؛ اس لئے اس کی مراد متعین کرنے میں مفسرین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ جفت سے مراد مخلوق اور طاق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ رائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے؛ لیکن قرآن مجید کو سمجھنے کا سب سے اہم ماخذ حدیث نبوی ہے اور حدیث میں اس لفظ کی تشریح کے متعلق دو باتیں ذکر کی گئی ہیں، ایک کا تعلق نماز سے ہے، اس کو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جفت سے مراد وہ نمازیں ہیں، جو جفت رکعتوں پر مشتمل ہیں، دو اور چار، اور طاق سے مراد وہ نمازیں ہیں، جو طاق رکعتوں پر مشتمل ہیں، یعنی تین رکعت والی نماز، (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۴۲) اور دوسری روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وتر سے مراد یوم عرفہ یعنی ۹/ذی الحجہ ہے، اور شفعہ سے مراد یوم نحر ہے، محدثین کے نزدیک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت زیادہ قوی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی اصل قول یہی ہے اور اس کی یہ مناسبت بھی ہے کہ اس سے پہلے آیت نمبر: ۱، ۲ میں اور اس کے بعد آیت نمبر: ۴ میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں، ان کا تعلق بھی وقت سے ہے اور اس تشریح کے اعتبار سے اس آیت کا تعلق بھی وقت سے ہو جائے گا؛ اس لئے یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ اس سے یوم عرفہ اور یوم نحر مراد ہے۔ واللہ اعلم

﴿۴﴾ حجر کے اصل معنی روکنے کے ہیں، عقل چوں کہ انسان کو بُرے کاموں سے اور بے وقوفی کی باتوں سے روکتی ہے؛ اس لئے عقل کو بھی حجر کہتے ہیں، یہاں یہی معنی مراد ہے، قسم تاکید کے لئے کھائی جاتی ہے اور قسم میں کسی چیز کا ذکر اس پر غور کرنے کی دعوت ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اہل عقل ان چیزوں میں غور کریں، جن کی قسم کھائی گئی ہے، تو یقین کرلیں گے کہ یہ دنیا ضرور ختم ہوگی اور قیامت آئے گی؛ کیوں کہ یہاں جن جن اوقات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ سب اپنی اہمیت کے باوجود ختم ہو جاتے ہیں، تو یہ دنیا جو ان اوقات کی حامل ہے، وہ بھی ختم ہوگی اور قیامت ضرور آئے گی۔

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۝٧ الَّتِیۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۝٨
وَثَمُوۡدَ الَّذِيۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۝٩ وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ۝١٠ الَّذِيۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ۝١١
فَاَكۡثَرُوۡا فِيۡهَا الۡفَسَادَ ۝١٢

آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قومِ عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ۝٦ یعنی اِرم کے رہنے والے جو بڑے بڑے ستونوں (کی عمارتوں) کے مالک تھے، ﴿۱﴾ ۝٧ کہ دنیا میں اس جیسی قوم پیدا نہیں کی گئی، ﴿۲﴾ ۝٨ اور آپ کے پروردگار نے ثمود کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جو وادی میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے، (تاکہ اس سے بلڈنگیں تعمیر کریں)؟ ﴿۳﴾ ۝٩ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کیا معاملہ ہوا؟) ﴿۴﴾ ۝١٠ یہ وہ لوگ تھے جو شہروں میں بڑی سرکشی کر رہے تھے، ۝١١ اور بڑا افساد مچا رکھا تھا۔ ۝١٢

﴿۱﴾ 'عماد' کے معنی ستون کے ہیں، قوم عاد کے لوگ ستونوں پر اونچی اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے، جیسا کہ آج کل تعمیر کی جاتی ہے اور اِرَم ان کے مورث اعلیٰ کا نام تھا، جو سام بن نوح کی نسل سے تھا، پھر جہاں یہ خاندان آباد تھا، اس جگہ کا نام ہی ارم پڑ گیا، اس طرح معنی یوں ہوگا کہ ارم میں بسنے والے قوم عاد کے لوگ اونچی اونچی عمارتوں میں رہا کرتے تھے، ان کے ساتھ ان کے پروردگار نے کیا معاملہ کیا ہے؟ یہ تمہیں معلوم ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ارم سے مراد ان کا قبیلہ ہو تو اب معنی ہوگا کہ قوم عاد یعنی قوم اِرم جو بڑے بڑے ستونوں پر عمارتیں بنایا کرتے تھے'' کے حال سے تم واقف ہی ہو''۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۴۴ تا ۴۷)

﴿۲﴾ یعنی اس قوم کے لوگ بڑے طاقتور، قوی الجثہ اور اونچے ڈیل ڈول کے ہوتے تھے اور قرآن مجید نے ان کی تعمیرات کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے علم و ہنر کے اعتبار سے بھی یہ ایک ترقی یافتہ قوم تھی۔

﴿۳﴾ قوم عاد و ثمود دراصل ایک ہی قبیلہ کی دو شاخیں تھیں اور ان کا فن تعمیر بھی اس شان کا تھا کہ پہاڑوں کو تراش کر محل تعمیر کرتے تھے؛ تاکہ نہ آگ اسے جلائے نہ سیلاب اس کی بنیادوں کو ہلا سکے، نہ چور نقب لگا سکے اور نہ اس پر زلزلہ کا زیادہ اثر ہو، قوم عاد و ثمود کے واقعات اعراف: ۶۵-۷۹ میں گذر چکے ہیں۔

﴿۴﴾ عربی گرامر کے لحاظ سے ''وتد'' کی جمع اوتاد ہے، وتد کے معنی میخ کے آتے ہیں، پہلے زمانہ میں جب فوجیں حملہ آور ہوتی تھیں تو بڑی تعداد میں خیمے ساتھ لے کر چلتی تھیں، جہاں کہیں فوج پڑاؤ ڈالتی، وہاں خیمے نصب کئے جاتے، فرعون کی فوج بہت بڑی تھی؛ اس لئے ظاہر ہے کہ بڑی تعداد میں ان کے خیمے بھی رہے ہوں گے اور ان کو نصب کرنے کے لئے میخوں کی بھی بڑی تعداد رہی ہوگی؛ اسی لئے فرعون کو میخوں والا کہا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے، (تفسیر طبری: ۲۴/ ۳۷۱، نیز دیکھئے: تفسیر کشاف: ۴/ ۷۴۶) —— فرعون کو 'میخوں والا' کہنے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ظالم اپنے مخالفین کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں پر میخیں گاڑ دیتا تھا، پھر انھیں اذیت رسانی کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور تو اور اس نے اپنی صاحب ایمان بیوی حضرت آسیہ کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۴۸)

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝۱۴ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ
رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ
فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝۱۷ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ
الْمِسْكِيْنِ ۝۱۸ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝۱۹ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝۲۰

تو آپ کے پروردگار نے ان کے اوپر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا، ۝۱۳ یقیناً آپ کے پروردگار بھی تاک میں لگے ہوئے ہیں، ۝۱۴ تو جب انسان کو اس کا پروردگار آزماتا ہے، یعنی اس کو عزت اور نعمت سے نوازتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی، ۝۱۵ اور جب (دوسرے طریقہ پر) اس کا امتحان لیتا ہے؛ چنانچہ اُس پر اُس کی روزی تنگ کر دیتا ہے، تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا، ﴿۱﴾ ۝۱۶ ہرگز یہ بات نہیں: بلکہ (اصل یہ ہے کہ) تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے، ۝۱۷ ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے کہ محتاج کو کھانا کھلائے، ۝۱۸ میراث کا سارا مال سمیٹ سمیٹ کر کھا جاتے ہو، ۝۱۹ اور مال سے حد درجہ محبت رکھتے ہو۔ ﴿۲﴾ ۝۲۰

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور تکلیفوں سے اس لئے گذارا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے؛ لیکن انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو پا کر غرور کرنے لگتا ہے اور جب اسے مشقتوں سے گذارا جاتا ہے تو بجائے اللہ سے رُجوع کرنے کے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے لگتا ہے، یعنی آخرت کی فکر نہ نعمتوں کو پا کر ہوتی ہے نہ نعمتوں سے محروم ہو کر۔

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۱۷ تا ۲۰ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ تمہارا یہ رویہ کہ دولت پر اترانے لگتے ہو؛ اس لئے ہے کہ تم نے دنیا کی نعمتوں ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے، اور جب تنگی پیدا کی جاتی ہے تو اپنے مالک کی شکایت کرنے لگتے ہو؛ حالاں کہ یہ تنبیہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے، کہ تم یتیموں کی غربت دیکھ کر ان کی عزت نہیں کرتے اور ان کو شفقت کے برتاؤ سے محروم رکھتے ہو، غریبوں، محتاجوں کی فکر نہیں کرتے، رشتہ داروں میں کسی کا انتقال ہو جائے تو کوشش کرتے ہو کہ اس کا ترکہ دبا لو، یہاں تک کہ اس کی عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے ہو، مال کی حرص کچھ اس طرح تمہارے سینوں میں سمائی ہوئی ہے کہ تم اس کے لئے ہر طرح کی ظلم و زیادتی پر اُتر آتے ہو، جو تنگیاں ان کو پیش آتی ہیں، وہ ان ہی حرکتوں کا نتیجہ ہیں۔

ان آیتوں میں قرآن کا خطاب کافروں سے ہے، یعنی یوں تو جو لوگ ایمان نہیں لاتے، وہ بہت سے گناہ کرتے رہتے ہیں؛ لیکن خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اِن گناہوں کا ذکر کر کے اُن کی خصوصی شناعت کا اظہار کر دیا، مسلمانوں کے لئے غور و فکر کا مقام ہے کہ ان میں سے کون سی بُرائی ہے جو آج مسلم سماج میں موجود نہیں ہے؟ کیا یتیموں کے ساتھ زیادتی نہیں ہوتی؟ کیا غریبوں اور محتاجوں سے بے توجہی نہیں برتی جاتی؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بہت سے خاندانوں میں عورتوں کو حق میراث سے محروم رکھا جاتا ہے؟

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ يَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ
يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِیْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا
يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰى
رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ ع ۳۰ / ۱۴

جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی، ﴿۲۱﴾ آپ کے پروردگار اور قطار باندھے ہوئے فرشتے رونق افروز ہوں گے، ﴿۲۲﴾ اور اس دن دوزخ لائی جائے گی، اس روز انسان سمجھ جائے گا اور اس وقت سمجھنے کا کیا فائدہ؟ ﴿۲۳﴾ کہے گا: کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ بھیجا ہوتا! ﴿۲۴﴾ اس دن اللہ جو عذاب دے گا، ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں، ﴿۲۵﴾ اور اللہ جیسے جکڑے گا، اس جیسا کوئی جکڑنے والا نہیں، ﴿۲۶﴾ اے اطمینان پانے والی روح! ﴿۲۷﴾ اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ تو اس سے خوش رہے اور وہ تجھ سے، ﴿۲۸﴾ میرے (کامیاب) بندوں میں شامل ہوجا، ﴿۲۹﴾ اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲۷ سے آخر تک نیک لوگوں کے لئے خوشخبری ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی قیامت کے دن ان روحوں کو دعوت دی جائے گی، اور بعض اہل علم کے نزدیک اس سے مراد موت کا وقت ہے، یعنی جن خوش نصیبوں کو 'نفس مطمئنہ' حاصل ہے، روح پرواز کرنے کے وقت ہی انھیں یہ مژدہ سنادیا جائے گا، (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۵۸) — نفس مطمئنہ سے مراد ہے انسان کے دل کی کیفیت کا ایسا ہوجانا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے دل کی آواز بن جائیں، اللہ تعالیٰ جن باتوں کو چاہتے ہیں، اس کا دل بھی ان باتوں کو چاہنے لگے، اور اللہ تعالیٰ جن باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، اس کا دل بھی ان کو ناپسند کرے، اللہ کے احکام کو بجالا کر اس کے قلب کو ایسا اطمینان حاصل ہو، جیسے مچھلی کو پانی میں آکر حاصل ہوتا ہے۔

سُورَةُ البَلَد

- سورہ نمبر : (۹۰)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۲۰)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کے شروع میں شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے، عربی زبان میں شہر کو ''بلد'' کہتے ہیں، مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے؛ اس لئے اس سورہ کا نام ''بلد'' ہے۔

مکہ مکرمہ کی قسم کھا کر اس کی عظمت شان اور بلندیٔ مرتبہ کو واضح فرمایا گیا ہے اور اہل مکہ چوں کہ اپنی بہت سی کمزوریوں کے باوجود بیت اللہ شریف کا احترام کرتے تھے اور حرمِ اقدس کی تعظیم کا خیال رکھتے تھے؛ اس لئے خاص طور پر اس شہر کی قسم کھائی گئی ہے۔

عام طور پر انسان کی طاقت اور مال واسباب کی کثرت حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے؛ اس لئے خاص طور پر فرمادیا گیا کہ تمہارا اپنی طاقت وقوت اور دولت پر غرور کرنا بے جا ہے، جس خدا نے تمہارے لئے آنکھیں، زبان اور ہونٹ وغیرہ بنائے اور اچھے بُرے کی تمیز عطا فرمائی، کیا تمہاری طاقت اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے؟ جب آدمی کے سر میں کبر وغرور کا نشہ سوار ہوتا ہے تو کمزوروں اور محتاجوں سے آنکھیں موند لیتا ہے؛ اس لئے غلام، یتیم اور محتاج ومسکین کے ساتھ اچھے سلوک کی تعلیم دی گئی، اور اخیر میں بتادیا گیا کہ آخرت میں لوگوں کی درجہ بندی مال ودولت کے اعتبار سے نہیں ہوگی، ایمان وعمل کے اعتبار سے ہوگی، جو ایمان سے مشرف ہوں اور اس کے مطابق ان کا عمل ہو، وہ بہتر حالت میں ہوں گے، اور جو ایمان وعمل سے محروم ہوں گے، وہ بُرے حال میں ہوں گے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ۝۱ وَاَنۡتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ۝۲ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَۙ ۝۳ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡ كَبَدٍؕ ۝۴ اَيَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ يَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ اَحَدٌ‌ۘ ۝۵ يَقُوۡلُ اَهۡلَكۡتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ ۝۶

وقف لازم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ۝۱ کہ آپ اسی شہر میں رہتے ہیں، ﴿۱﴾ ۝۲ اور قسم ہے باپ کی اور اس کی اولاد کی، ﴿۲﴾ ۝۳ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے، ۝۴ کیا اس کا خیال ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا؟ ﴿۳﴾ ۝۵ وہ کہتا ہے: میں نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا۔ ۝۶

﴿۱﴾ پوری دنیا اور دنیا کے تمام شہروں میں اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل خطہ 'مکہ مکرمہ' کو قرار دیا ہے، اس فضیلت کی وجہ سے اس کی قسم کھائی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور سببِ فضیلت بھی بتادیا کہ آپ ﷺ کا قیام اسی شہر میں ہے، کائنات کے بنانے کی ابتداء اسی شہر سے ہوئی، یہیں حضرت آدم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، یہیں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اپنے ہاتھوں سے اس عمارت کی تجدید کی، (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۲۴) اس شہر کو عبادت کا ایسا مرکز بنایا کہ پوری دنیا سے مسلمان سمٹ سمٹ کر یہاں آئیں گے، یہ ساری فضیلتیں تو اس خطہ کو پہلے سے حاصل تھیں؛ لیکن اب ایک اور وجہِ فضیلت کا یوں اضافہ ہوتا ہے کہ اللہ نے آپ کو یہیں پیدا کیا اور آپ اسی شہر میں بسے ہوئے ہیں — تاہم علامہ رازی رحمہ اللہ نے ''وأنت حل بهذا البلد'' کی تشریح میں چند اور باتیں نقل کی ہیں، جن میں سے دو نسبتاً زیادہ مشہور ہیں، ایک یہ کہ یہ شہر حرام ہے، جس میں لوگ شکار کے جانوروں اور پرندوں کو بھی نہیں چھیڑتے اور خودرو پودوں کو بھی نہیں اکھاڑتے؛ لیکن دوسری طرف ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے آپ کو حلال کر رکھا ہے، یعنی آپ کو ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچا رہے ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے اس شہر کو حلال کر دیا گیا، یہ گویا ایک پیشین گوئی ہے کہ ایک وقت آئے گا، جب مکہ فتح ہوگا اور اس وقت مسلمانوں کے لئے یہاں جنگ کرنا درست ہوگا، (دیکھئے: مفاتیح الغیب: ۱۶/ ۴۱۸) قرآن مجید کا اُردو ترجمہ کرنے والے مختلف اہل علم نے ان مختلف معنوں کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ کیا ہے؛ لیکن اس حقیر نے اُس ترجمہ کو ترجیح دی ہے، جو قرآن مجید کے الفاظ سے قریب تر ہے۔

﴿۲﴾ باپ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اولاد سے تمام انسان۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۶۶۵)

﴿۳﴾ انسان کو اپنی زندگی میں ڈھیر ساری مشقتوں سے گذرنا ہوتا ہے، کسبِ معاش کی دشواریاں، حادثات اور بیماریاں، اپنوں کی مخالفت، بے گانوں کی عداوت اور اخیر میں موت کی تکلیف، غرض انسان کی پوری زندگی کانٹوں کا بستر ہے، جس سے گذر کر اس کو جانا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کی غلط فہمی کا حال یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے اور وہ اللہ کی قدرت سے باہر ہے۔

اَيَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ يَرَهٗۤ اَحَدٌؕ ۝۷ اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِۙ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيۡنِۙ ۝۹ وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِۚ ۝۱۰ فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ ۝۱۱ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُؕ ۝۱۲ فَكُّ رَقَبَةٍۙ ۝۱۳

کیا اس کا خیال ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے؟ ﴿۱﴾ ۝۷ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں ۝۸ ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ ﴿۲﴾ ۝۹ اور ہم نے اس کو (خیر وشر کے) دونوں راستے دکھا دیئے، ﴿۳﴾ ۝۱۰ مگر اس سے یہ نہ ہوسکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا، ﴿۴﴾ ۝۱۱ اور آپ نے سمجھا کہ گھاٹی کیا ہے؟ ۝۱۲ گردن کا چھڑانا۔ ۝۱۳

﴿۱﴾ یعنی اس نے ڈھیروں مال لٹایا تو ہے، مگر اپنی شان وشوکت کے اظہار کے لئے، خوبصورت اور پرشکوہ عمارتیں بنائی ہیں اور ایک سے ایک گاڑیاں خرید کی ہیں؛ لیکن اللہ دیکھ رہے ہیں کہ ان سب کا مقصد اللہ کی رضا وخوشنودی نہیں ہے؛ بلکہ اپنی بڑائی کا اظہار ہے، بعض حضرات نے اس آیت سے کچھ خاص افراد مراد لئے ہیں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/۶۴) لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اور انسانی نفسیات کا اظہار ہے کہ بہت سے لوگ غریبوں، یتیموں اور مسکینوں پر تو خرچ نہیں کرتے ــــ جن کا ذکر آگے آرہا ہے ــــ لیکن اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے دولت کا ڈھیر خرچ کردیتے ہیں۔

﴿۲﴾ یعنی انسان کو چاہئے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کرے اور ان کو صحیح مقاصد کے لئے استعمال کرے؛ تاکہ اللہ کی خوشنودی کے راستہ کو پاسکے۔

﴿۳﴾ بلندی کی سطح پر جو راستہ ہو، اسے 'نجد' کہتے ہیں، یہاں دو راستوں سے مراد بھلائی اور بُرائی کے راستے ہیں، یعنی جیسے بلندیوں پر بنایا ہوا راستہ نمایاں اور واضح ہوتا ہے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کا راستہ واضح فرمادیا ہے اور انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دے دی ہے، تو اب اسے چاہئے کہ بہتر راستہ کا انتخاب کرے اور اس راستہ سے اپنے آپ کو بچائے، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے، (روح المعانی: ۳۰/۱۳۶) چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے خیر وشر دونوں راستے رکھ دیئے ہیں تو ہم شر کے راستے کو کیوں پسند کریں؟ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۶۵)

﴿۴﴾ ''عَقَبَۃ'' کے اصل معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں، گھاٹی سے گذرنے میں دشواری ہوتی ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں بھی انسان مشقت سے دوچار ہوتا ہے، اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خیر وشر کے راستے دکھادیئے گئے؛ لیکن انسان سے یہ نہ ہوسکا کہ وہ آخرت کی بھلائی کو پانے کے لئے دنیا میں احکام شریعت کی اس گھاٹی سے گذرے، جو نفس پر شاق گذرتی ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے ان تین اعمال کا ذکر کیا ہے، جن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے: ایک گردنوں کو چھڑانا، یعنی غلاموں کو آزاد کرنا، اس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں غلام شامل ہیں، فقہاء کے یہاں اس میں اختلاف ہے کہ غلام آزاد کرنا افضل ہے یا صدقہ کرنا؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام کو آزاد کرنا افضل ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۶۸، ۶۹) اس آیت سے امام صاحب رحمہ اللہ کے نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے، آج کل بے قصور قیدیوں کا رہا کرانا بھی اس میں داخل ہے، دوسرے: رشتہ دار یتیم اور بھوکے شخص کو کھانا کھلانا، یتیم ہونا ہی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری کی جائے اور اگر وہ رشتہ دار ہو تو اس کے ساتھ حسن سلوک اور بھی زیادہ ضروری ہے، تیسرے: ایسا غریب شخص جو نادار ہو: ''ذَا مَتْرَبَۃ'' (مٹی میں پڑے ہوئے) سے نہایت غریب آدمی کی طرف اشارہ ہے، جس کے پاس کوئی گھر تک نہ ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۷۰)

اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ کَانَ مِنَ
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ﴿۱۸﴾
وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَیۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ ع ۱ ۱۵

یا فاقہ کے دن کسی رشتہ دار یتیم کو یا مٹی میں پڑے ہوئے کسی محتاج شخص کو کھانا کھلانا، ﴿۱۴﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے، ایک دوسرے کو صبر کرنے اور شفقت کرنے کی تلقین کی، ﴿۱﴾ ﴿۱۷﴾ یہی لوگ داہنی طرف والے ہیں، ﴿۱۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، وہی ہیں بائیں طرف والے! ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾ یہ لوگ آگ میں بند کردیئے جائیں گے۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ یعنی غریبوں کے ساتھ یہ حسن سلوک بھی آخرت میں نجات کا ذریعہ اسی وقت بنے گا، جب کہ وہ ایمان لائے، ایمان کے بنیادی تقاضوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کرنے اور شفقت کرنے کی تلقین کریں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن جدعان کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں رشتہ داروں کا خیال کرتے تھے، غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، ضرورت مندوں کے کام آتے تھے، غلاموں کو آزاد کرتے تھے اور اپنی سواری پر اللہ کے لئے لوگوں کو سوار کرتے تھے تو کیا یہ چیز ان کو کام آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! کیوں کہ انھوں نے ایک دن بھی نہیں کہا: ''رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین'' یعنی اے میرے رب! قیامت کے دن میری غلطی کو معاف فرما دیجئے، (مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۱۴) البتہ کفر کی حالت میں وہ جو بہتر عمل کریں گے، دنیا ہی میں ان کو ان کا بدلہ مل جائے گا، چاہے وہ دنیا کی نعمتوں کی شکل میں ہو، یا ایمان کی توفیق کی صورت میں ہو، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم زمانۂ جاہلیت میں بہت سے اچھے عمل کیا کرتے تھے تو ہمیں اس کا کوئی اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کو جو ایمان کی توفیق ہوئی ہے، وہ ان ہی نیکیوں کے نتیجہ میں، (بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۹۹۲) —— دراصل ایمان کی حیثیت جنت کے ویزے کی ہے، دنیا میں بھی کوئی شخص کتنا ہی اچھا ہو؛ لیکن اگر وہ اس ملک کا شہری نہیں ہے، یا اس کو اس کا ویزا حاصل نہیں ہے تو وہ اس ملک میں داخل نہیں ہوسکتا۔

﴿۲﴾ داہنی طرف والوں سے مراد جنت والے ہیں، جن کے دائیں ہاتھوں میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے، ان ہی کا ذکر سورۂ واقعہ میں 'اصحاب الیمین' کے لفظ سے کیا گیا ہے، (آیت نمبر: ۲۷) اور بائیں والے سے مراد اہل دوزخ ہیں، جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور سورۂ واقعہ میں ان کا بھی ذکر آچکا ہے۔ (آیت نمبر: ۶۱)

﴿۳﴾ یعنی انھیں دوزخ میں جھونک کر دروازہ مہر بند کردیا جائے گا، نہ کوئی کھڑکی ہوگی نہ نکلنے کا راستہ ہوگا اور نہ کوئی روشن دان۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۶۸)

سُورَۃ الشَّمْس

- سورہ نمبر : (۹۱)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۱۵)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کا آغاز ہی ''والشّمس'' کے لفظ سے ہوتا ہے، یعنی: آفتاب کی قسم، اسی لئے اس کا نام 'شمس' ہے۔

اس سورہ کے شروع میں سورج، چاند، دن، رات، آسمان وزمین اور خود انسان کی قسمیں کھائی گئی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں بھی ہیں اور اس کی قدرت کا شاہکار بھی، پھر انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ اپنے نفس کو گناہوں سے اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک رکھو، اسی میں تمہاری کامیابی ہے اور عبرت کے طور پر قومِ ثمود کا ذکر کیا گیا ہے، جو اللہ کی نافرمانی اور پیغمبر وقت کے ساتھ سرکشی کی وجہ سے ہر طرح کی قوت وشوکت رکھنے کے باوجود صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دی گئی۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىهَا ۝۴
وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا
وَتَقۡوٰىهَا ۝۸ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝۱۰ كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىهَاۤ ۝۱۱ اِذِ
انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ۝۱۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی، ۝۱ چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آئے، ۝۲ دن کی جب سورج کو خوب روشن کردے، ۝۳ رات کی جب وہ سورج کو چھپالے، ۝۴ آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی ۝۵ زمین اور اس کے بچھانے والے کی ۝۶ اور (انسان کی) جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو ٹھیک ٹھیک بنایا، ﴿۱﴾ ۝۷ پھر اس کو اس کی بدکرداری اور پرہیز گاری سمجھادی ۝۸ یقیناً جس نے نفس کو سنوار لیا، وہ کامیاب ہوگیا، ۝۹ اور جس نے اس کو خاک میں ملا دیا (یعنی نفسانی خواہشات سے آلودہ رکھا)، وہ گھاٹے میں رہا، ﴿۲﴾ ۝۱۰ ثمود نے تو اپنی سرکشی کی وجہ سے (پیغمبر کو) جھٹلا دیا، ۝۱۱ جب کہ ان میں کا سب سے زیادہ بدبخت شخص اُٹھ کھڑا ہوا، ۝۱۲ تو اللہ کے پیغمبر نے ان لوگوں سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کے بارے میں خبردار! ۝۱۳

﴿۱﴾ یہاں تک اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، سورج اور اس کی روشنی کی اہمیت کے کیا کہنے؟ جس سے دنیا میں زندگی کے سارے کاروبار قائم ہیں، اِدھر سورج ڈوبا اور اُدھر چاند نکلا، اسی چاند سے موسموں کا اُتار چڑھاؤ متعلق ہے؛ اس لئے آیت نمبر: ۲ میں اس کی قسم کھائی گئی، آیت نمبر: ۳ اور ۴ میں دن اور رات کی قسم کھائی گئی کہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں ہی اللہ کی بڑی نعمت ہے، پھر آیت نمبر: ۵ اور ۶ میں آسمان و زمین کی قسم کھائی گئی؛ کیوں کہ انسان کے روزمرہ کے مفادات آسمان اور زمین ہی سے متعلق ہیں اور آیت نمبر: ۷ میں خود انسان کی زندگی کی؛ لیکن دن ہو یا رات، یا ان کے سائے میں جینے والا انسان، سب اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ پوری کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔

﴿۲﴾ جس بات کی قسم کھائی جارہی ہے؛ اس کی اہمیت ظاہر کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے قرآن میں قسمیں کھائی جاتی ہیں؛ لہٰذا آیت نمبر: ۸ تا ۱۰ میں قسم کے اصل مقصد کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل و دماغ میں خیر و شر دونوں کی معرفت عطا کردی ہے؛ لیکن کامیاب وہی شخص ہوگا، جو اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو سنوار لے اور جو نفس کا بندہ بن جائے گا، اس کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿١٥﴾ ع ۱۵/۱۶

پھر بھی ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلا دیا، یہاں تک کہ اونٹنی کو مار ڈالا، تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر اپنا عذاب نازل کر دیا؛ چنانچہ سب کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا،﴿۱﴾ ﴿۱۴﴾ اور اللہ نے اس کے انجام کی کوئی پروا نہیں کی۔ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ ''فَسَوَّاهَا'' کے معنی ہیں: مٹی کے اندر سب کو برابر کر دیا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۷۹)

سُورَةُ اللَّيْلِ

- سورہ نمبر : (۹۲)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۲۱)
- نوعیت : مکی

سورہ کے شروع ہی میں رات کی قسم کھائی گئی ہے، رات کو عربی زبان میں ''لیل'' کہتے ہیں، اسی ابتدائی لفظ پر اس سورہ کا نام ہے، اس سورہ کا آغاز بھی قسم سے ہوتا ہے، قسم کھا کر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ آخرت میں مال و دولت اور رشتہ وقرابت سے انسان کامیاب ہوجائے گا؛ بلکہ آخرت کی کامیابی کا مدار انسان کی سعی وکوشش اور عمل پر ہے۔

اس سورہ میں ایک بنیادی بات فرمائی گئی ہے کہ عمل اور انجام کے اعتبار سے لوگوں کے دو گروہ ہیں، ایک وہ جو ایمان سے بہرور ہیں، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اور اللہ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائیں گے، دوسرا وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ آخرت میں اللہ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، پھر ایک اہم بات فرمائی گئی کہ جن لوگوں کو ایمان کی دولت حاصل ہو، تقویٰ کے راستہ کی دشواریاں بھی اس کے لئے آسان ہوجائیں گی اور جو شخص تقویٰ کا راستہ اختیار نہ کرنا چاہے تو اس کے لئے وہی راستہ آسان ہوجائے گا، جو اپنے انجام کے اعتبار سے دشواری کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓى ۝۳ اِنَّ سَعۡيَكُمۡ
لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنۡۢ
بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا
تَرَدّٰى ۝۱۱ اِنَّ عَلَيۡنَا لَلۡهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَةَ وَالۡاُوۡلٰى ۝۱۳ فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۴ لَا
يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى ۝۱۵ الَّذِىۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَى ۝۱۷ الَّذِىۡ يُؤۡتِىۡ مَالَهٗ
يَتَزَكّٰى ۝۱۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ رات کی قسم! جب کہ وہ چھا جائے، ۝۱ دن کی قسم! جب وہ روشن ہو جائے، ۝۲ اس ذات کی قسم! جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا، ۝۳ کہ تمہاری کوششیں مختلف طرح کی ہیں، ﴿۱﴾ ۝۴ تو جس نے (اللہ کے راستہ میں مال) دیا اور ڈرتا رہا، ۝۵ اور بھلی بات کو سچ جانا، ۝۶ تو ہم اس کو آسان راستہ کی توفیق دیں گے، ۝۷ اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی برتی، ۝۸ اور اچھی بات کو جھٹلا دیا، ۝۹ تو ہم اس کے لئے مشکل راستے کو آسان کر دیں گے، ﴿۲﴾ ۝۱۰ اور جب وہ گڑھے ﴿۳﴾ میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا، ۝۱۱ ہمارے ذمہ تو راستہ دکھا دینا ہے ۝۱۲ اور آخرت اور دنیا (دونوں) ہمارے ہی ہاتھ میں ہے، ﴿۴﴾ ۝۱۳ تو میں نے تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا ہے، ۝۱۴ اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا، ۝۱۵ جس نے جھٹلایا اور منھ پھیر لیا، ۝۱۶ ہاں، اللہ اس سے پرہیزگار شخص کو بچالیں گے، ۝۱۷ جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے کہ وہ پاک ہو جائے۔ ۝۱۸

﴿۱﴾ یعنی تمہارے اعمال یکساں نہیں ہیں، کوئی مومن ہے اور کوئی کافر، کوئی صالح ہے اور کوئی فاسق و فاجر، کوئی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اور کوئی نفسانی خواہشات کا تابعدار، اور اعمال ہی کے اعتبار سے اس کے نتائج بھی مختلف ہوں گے۔

﴿۲﴾ ''حسنیٰ'' (بھلی بات) سے مراد ہے: ''لا الٰہ الا اللہ'' یعنی توحید، آسانی کے راستے سے مراد ہے: جنت، اور مشکل راستے سے مراد ہے: دوزخ، یعنی جو ایمان لائے اور اچھا عمل کرے، اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے اور وہ نیک کاموں میں آگے بڑھتا رہتا ہے، اور جو ایمان نہیں لاتا ہے اور بُرے اعمال کرتا ہے، اس کے لئے دوزخ کا راستہ آسان ہو جائے گا اور وہ اسی راستہ پر بڑھتا چلا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۸۵)

﴿۳﴾ گڑھے سے مراد ہے: دوزخ۔

﴿۴﴾ یعنی آخرت تو ہمارے ہاتھ میں ہے ہی؛ لیکن اگر تم دنیا کے طلب گار ہو تو وہ بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

ع ۱/۱۷

اُس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ اُتار رہا ہو؛ ﴿۱۹﴾ بلکہ وہ اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲۰﴾ اور وہ عنقریب خوش ہوجائے گا۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ یعنی جو لوگ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتے ہیں، وہ اخلاص کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اور دو باتیں ان کے سامنے ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ پاک ہوجائیں؛ کیوں کہ صدقہ گناہوں کے لئے کفارہ بنتا ہے؛ اس لئے وہ آدمی کو گناہ سے پاک کردیتا ہے، دوسرے: اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، نہ دنیا کا کوئی فائدہ پیش نظر ہوتا ہے نہ نام ونمود، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی یہی شان تھی، اس کی ایک اعلیٰ ترین مثال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو اُمیہ نے بڑی تکلیفیں پہنچانی شروع کردیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جارہی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے منشاء کو سمجھ گئے، انھوں نے اُمیہ بن خلف سے کہا: کیا تم اس کو بیچنے کے لئے تیار ہو؟ اس نے موقع دیکھتے ہوئے شرط لگائی کہ میں اسے نِسطاس کے بدلے بیچوں گا، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، جس کے پاس دس ہزار دینار، غلام، باندیاں اور مویشی تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کیا تم اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو؟ نسطاس نے انکار کردیا، تو حالاں کہ خادم کی ساری املاک مالک کی ہی ملکیت ہوتی تھی؛ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بات کو خاطر میں نہیں لائے اور نسطاس کے بدلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمادیا، (تفسیر قرطبی: ۸۹/۲۰) اس طرح کی کتنی ہی مثالیں رسول اللہ ﷺ کے عالی مرتبت رفقاء کی مبارک زندگی میں موجود ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔

سُورَةُ الضُّحٰى

- سورہ نمبر : (۹۳)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۱۱)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورۃ کا پہلا لفظ 'والضحیٰ' ہے؛ چنانچہ اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''الضحیٰ'' ہے۔

اس سورہ میں خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے پایاں رحمتوں کا ذکر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلداری فرمائی گئی ہے، اور پھر ان انعامات کی نسبت سے آپ کو اور آپ کے واسطہ سے اُمت کو یتیموں اور سائلوں کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور انعامات ربانی پر شکریہ ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے، حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ سورۃ ''ضحیٰ'' اور اس کے بعد کی ہر سورہ کے ختم پر ''اللہ اکبر'' یا ''اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر'' پڑھنا مسنون ہے؛ کیوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی ومسرت میں 'اللہ اکبر' کہا، تاہم علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ بات کسی صحیح تو کیا ضعیف سند سے بھی منقول نہیں ہے۔ (التفسیر المنیر للزحیلی: ۲۸۰/۱۷)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
وَالضُّحٰی ۝۱ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۝۲ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ۝۳ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ۝۴
وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ۝۵ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۝۶ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی ۝۷
وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ۝۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے روشن دن کی، ۝۱ رات کی
جب چھا جائے، ۝۲ کہ (اے پیغمبر!) آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ چھوڑا ہے اور نہ آپ سے ناراض ہوا ہے ۝۳
اور یقیناً آپ کی بعد کو آنے والی حالت پہلی حالت سے کہیں بہتر ہوگی، ۝۴ جلد ہی اللہ آپ کو اتنا کچھ عطا فرمائیں
گے کہ آپ خوش ہوجائیں گے، «۱» ۝۵ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا، تو آپ کو ٹھکانہ دیا، ۝۶ آپ کو راستہ سے
ناواقف پایا، تو راستہ دکھایا، ۝۷ آپ کو غریب پایا، تو دولت مند کردیا؟ ۝۸

«۱» حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے اور دو تین دن تہجد نہ پڑھ سکے، ایک عورت آئی اور اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے تجھ کو دو تین راتوں سے چھوڑ رکھا ہے اور تمہارے قریب نہیں آیا ہے، اسی موقع سے یہ سورت نازل ہوئی، (بخاری، باب ترک القیام للمریض، حدیث نمبر: ۱۰۷۳) تفسیر قرطبی میں نقل کیا گیا ہے کہ یہ گستاخ عورت ابولہب کی بیوی اُم جمیل تھی، (تفسیر قرطبی: ۲۰ / ۹۳) ایسی ہی گستاخانہ افواہوں کی تردید اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی ودلداری کے لئے یہ سورہ نازل ہوئی، اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے روشن دن کی قسم کھائی ہے، ''ضحیٰ'' کے اصل معنی تو اس وقت کے ہیں، جب سورج اوپر چڑھتا ہے، جس کو چاشت کا وقت کہا جاتا ہے؛ لیکن رات کے مقابلہ میں اگر 'ضحیٰ' کا لفظ کہا جائے تو اس سے پورا دن مراد ہوتا ہے، اور رات کے چھانے سے مراد ہے: رات کی تاریکی کا پوری طرح چھا جانا، رات اور دن یہی دونوں اوقات ہیں، جن میں انسانی زندگی کے تمام اُمور انجام پاتے ہیں؛ اس لئے ان دونوں کی قسم کھائی گئی ہے اور آپ ﷺ کو یقین دلایا جارہا ہے کہ آپ کے رب نے ہرگز آپ کو چھوڑا نہیں ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہیں؛ چنانچہ آپ کا ہر آنے والا دن پچھلے دن سے بہتر ہے، اور اللہ آپ ﷺ کو اتنا عطا فرمائیں گے کہ آپ خوش ہوجائیں گے، آیت نمبر: ۴ ''وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی'' کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی تفسیر کی ہے کہ اس آیت میں ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو بعد میں آپ کی اُمت کو حاصل ہونے والی تھیں، (تفسیر قرطبی: ۲۰ / ۹۵) امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے اسی پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ کیا ہے؛ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رفتہ رفتہ اسلام کا پودا پھلتا اور پھولتا گیا اور جس قدر اس کو دبانے کی کوشش کی گئی اسی قدر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور پھر پورا جزیرۃ العرب اسلام کے دامن میں آگیا —— دوسرا معنی یہ مراد لیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے عالم آخرت اِس عالم یعنی دنیا سے بہتر ہے۔

(دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰ / ۹۵)

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؏ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ؏ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ؏ ع ۱۸

تو یتیم پر سختی نہ کیجئے ⑨ اور نہ مانگنے والے کو جھڑکی دیجئے ⑩ اور اپنے پروردگار کے انعامات کو بیان کرتے رہئے۔ ﴿۱﴾ ⑪

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۶ تا ۱۰ میں اللہ تعالیٰ کی تین نعمتوں کو گنایا گیا ہے اور ان نعمتوں کے لحاظ سے تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے، پہلی نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ یتیم تھے، عرب کے معاشرہ میں یتیموں کا حال بہت خراب ہوتا تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب کے دل میں آپ کی ایسی محبت ڈال دی کہ انھوں نے پوری طرح ایک باپ کی محبت دی اور آپ کی پرورش کی، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ بھی یتیموں کے ساتھ بہتر سلوک کریں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یتیموں کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین کی، ان کے حقوق متعین فرمائے، خود یتیموں کی پرورش کی اور ایسی خواتین کو اپنے نکاح میں لائے، جن کے ساتھ یتیم بچے تھے اور ان بچوں کو باپ کا پیار دیا، ایک صاحب نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ میرے دل میں سختی محسوس ہوتی ہے تو فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہوجائے تو یتیم کے سر پر ہاتھ رکھو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ، ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے ایسے ہوں گے جیسے: یہ دو انگلیاں، اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا، (بخاری، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۴۹۹۸) دوسری نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ اگرچہ شرک و کفر سے محفوظ تھے؛ لیکن راہ حق سے بے خبر تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ کو اپنی پیغمبری سے نوازا جس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا '' والضلال هنا بمعنى الغفلة '' (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۹۶) اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کیجئے، یعنی نعمت نبوت حاصل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی جن تعلیمات سے آپ کو نوازا ہے، آپ لوگوں کو اچھی طرح اُن سے آراستہ کیجئے، اگرچہ اس آیت میں اور بھی نعمتوں کے بیان کرنے کا حکم ہے؛ لیکن خصوصی طور پر قرآن اور شریعت کی تعلیم اس میں شامل ہے: '' يدخل تحته تعليم القرآن والشرائع '' (مدارک التنزیل: ۱۳۵۷) اِس طرح اس آیت میں حدیث کے حجت ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے؛ کیوں کہ نعمت وحی کا بیان 'حدیث' ہی کی شکل میں ہم تک پہنچا ہے — اس آیت کی روشنی میں اہل علم نے لکھا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کسی دینی و دنیوی نعمت سے نوازے تو تکبر کے طور پر نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر اسے بیان کرنا چاہئے، حضرت حسن ؓ سے روایت ہے کہ تم اپنے بھائیوں میں سے معتبر لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا کرو، مثلاً کہا جائے: مجھے رات نماز پڑھنے، تلاوت کرنے اور فلاں فلاں کام کرنے کی توفیق ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۱۰۲) اسی طرح عملی طور پر بھی اللہ کی نعمت کا اظہار ہونا چاہئے، حضرت مالک بن نضلة الجشمی ؓ سے منقول ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میرا کپڑا بہت ہی معمولی پرانا سا تھا، آپ ﷺ نے دریافت کیا: تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہر طرح کا مال ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کوئی مال دیں تو تم پر اس کا اثر نظر آنا چاہئے، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۹۳۳) تیسری نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ غریب تھے اور ہم نے آپ ﷺ کو دولت مند کردیا، اس کا ذریعہ حضرت خدیجہ ؓ کو بنایا گیا کہ وہ ایک دولت مند خاتون تھیں، اور جب وہ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو انھوں نے پوری دولت آپ ﷺ کے قدموں میں نثار کردی، اس کا شکرانہ یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو جھڑکی نہ دی جائے، کچھ نہ کچھ دے کر واپس کیا جائے، یا کم سے کم بہتر بات کہہ کر عذر کردیا جائے۔

سورۃ الم نشرح

- سورہ نمبر : (۹۴)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۸)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کی پہلی آیت ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ'' ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'انشراح' ہے، اور اس کو 'الم نشرح'' یا ''سورۂ شرح'' بھی کہتے ہیں۔

جیسے سورہ والضحیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا تھا، اسی طرح اس سورہ میں بھی آپ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے؛ چنانچہ سب سے پہلے آپ پر اللہ کی تین نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینہ کو علم و معرفت کے لئے کھول دیا ہے، دوسرے: نبوت کا بوجھ اُٹھانے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے آسان کردیا ہے، تیسرے: اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ذکر کی بلندی سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ کی آپ پر یہ ایسی نوازش ہے کہ جس کا منظر آج پوری دنیا دیکھ رہی ہے، کیا مسلمان اور کیا کافر اور کیا اپنے اور کیا بیگانے، ہر شخص آپ کی توصیف کو اپنے لئے ایک سعادت سمجھتا ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ دعوتِ دین کے راستہ میں جو دشواریاں اس وقت درپیش ہیں، اللہ ان کو آسانیوں اور سہولتوں سے بدل دیں گے؛ اس لئے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تاکید کی گئی ہے کہ آپ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں، اور اپنے پروردگار سے اپنا تعلق قائم رکھیں۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۝۱ وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۝۲ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۝۳ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا ﴿۱﴾ ۝۱ اور آپ سے آپ کا بوجھ اُتار دیا، ۝۲ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی؟ ﴿۲﴾ ۝۳ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا ہے۔ ﴿۳﴾ ۝۴

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو اس بات کے لئے تیار کر دیا کہ آپ ﷺ وحی الٰہی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں، ایسے علم و حکمت سے نواز دیا کہ آپ ﷺ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں اور جو مخالفتیں ہوں، ان کو برداشت کر سکیں: ''شرح الصدر: تنویرہ بالحکمۃ وتوسیعہ لتلقی ما یوحیٰ الیہ'' (البحر المحیط: ۸/۴۸۷) اسی کی دُعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فرمائی تھی: ''رب اشرح لی صدری'' (طٰہٰ: ۲۵) بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے 'شرح صدر' کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کے سینۂ مبارک چاک کرنے، دلِ روشن کو زمزم کے پانی سے دھونے اور اسے نورِ حکمت سے معمور کرنے کا آیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۰۴) سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ: ۱/۱۱۳)

﴿۲﴾ ''وِزْر'' کے معنی بوجھ کے بھی ہیں اور گناہ کے بھی، بظاہر یہاں بوجھ کے معنی مراد ہیں اور وہ بوجھ یہ تھا کہ آپ ﷺ کیسے وحی کے اُترنے کو برداشت کر سکیں گے؟ اس لئے کہ ابتداء میں جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو آپ ﷺ بڑا بوجھ محسوس کرتے تھے؛ لیکن آہستہ آہستہ یہ کیفیت جاتی رہی، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۰۶) اسی کے ساتھ ایک احساس آپ ﷺ کو یہ بھی ہوتا تھا کہ مخالفتوں کا جو طوفان اُٹھ رہا ہے، اس فضا میں آپ ﷺ تبلیغ دین کا فریضہ کس طرح انجام دے سکیں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو اطمینان دلا دیا گیا کہ یہ دین پھیلے گا اور ہر کچے پکے گھر میں پہنچے گا — اگر 'وزر' گناہ کے معنی میں ہو تو اس سے مراد بھول چوک اور اجتہادی غلطیاں ہیں، کبھی آپ ﷺ نے کسی مصلحت کے پیش نظر کوئی کام کیا؛ لیکن وہ خلاف مصلحت ثابت ہوا، یا کسی بات پر بھول چوک ہو گئی تو آپ ﷺ کو اس کی وجہ سے بھی گرانی ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر بتا دیا کہ آپ ﷺ کی تمام بھول چوک معاف فرما دی گئی ہے، قرآن میں دوسری جگہ آپ ﷺ کی بھول چوک کے معاف کر دیئے جانے کا صراحت کے ساتھ بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ (الفتح: ۲)

﴿۳﴾ اس سے بڑھ کر اللہ کے رسول کے ذکر کی بلندی کیا ہوگی کہ اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ کے خطبات میں، ایامِ تشریق کی تکبیرات میں، یوم عرفہ میں، جمرات کے پاس، صفا و مروہ پر، خطبہ نکاح میں، غرض کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی بھی آتا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۰۶) عرصہ پہلے ایک مضمون پڑھنے کا موقع ملا کہ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں ہوتا، جب انڈونیشیا سے لے کر امریکہ تک کہیں نہ کہیں اذان کی آواز بلند نہ کی جاتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا ذکر نہ ہوتا ہو، اس طرح گویا ہر لمحہ دنیا کی فضا میں آپ کا ذکر گونجتا رہتا ہے۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَ اِلٰی رَبِّكَ
فَارْغَبْ ۝۸ ع ۱ ۱۹ ۱۹

تو یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، ۝۵ ضرور مشکل کے ساتھ آسانی ہے، ﴿۱﴾ ۝۶ تو جب آپ فارغ ہوں تو (عبادت میں) محنت کیا کیجئے، ۝۷ اور اپنے پروردگار ہی سے لولگائے رہئے۔ ﴿۲﴾ ۝۸

﴿۱﴾ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تلقین ہے کہ آپ موجودہ دشواریوں سے پریشان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ بہت جلد اس پریشانی کے مقابلہ آسانی پیدا کردیں گے؛ چنانچہ آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی ہر طرح کی تنگیوں اور دشواریوں سے گھری ہوئی تھی؛ لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دولت سے بھی نوازا اور سلطنت سے بھی، اور آپ ﷺ کی دعوت آپ کی زندگی ہی میں پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گئی، کہاں تو آپ ﷺ مکہ سے بے یار و مددگار نکلنے پر مجبور کئے گئے تھے، یا صرف آٹھ سال کے بعد اس شان سے داخل ہوئے کہ دس ہزار جاں نثار آپ ﷺ کے قدموں میں تھے، اس سورہ میں اگر غور کیا جائے تو ایک 'عُسر' یعنی تنگی کا ذکر دو 'یُسر' یعنی سہولتوں کے درمیان ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عسر ہرگز دو یسر پر غالب نہیں آسکتا: ''لا یغلب العسر یسرین'' (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۰۸) یہ مصیبت و پریشانی کی حالت میں انسان کے لئے دلداری کا سامان ہے۔

﴿۲﴾ یعنی جب آپ ﷺ دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے فارغ ہوگئے تو اب بقیہ اوقات بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جایئے اور اس پر خصوصی طور پر توجہ دیجئے؛ تاکہ اللہ کی مخلوق کا بھی حق ادا ہوتا رہے اور خالق کا بھی۔

سُورَةُ التِّين

- سورہ نمبر : (۹۵)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۸)
- نوعیت : مکی

’’تِین‘‘ کے معنی انجیر کے ہیں، انجیر ایک بہت ہی مفید غذا ہے اور غذا وعلاج دونوں پہلوؤں سے انجیر اور زیتون دونوں کے بڑے فائدے ہیں؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ان دونوں کارآمد چیزوں کی قسم کھائی ہے، پھر غذائے روحانی کے اعتبار سے ’’طور سینا‘‘ اور مکہ مکرمہ کی قسم کھائی گئی ہے؛ کیوں کہ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی اور مکہ مکرمہ میں قرآن مجید نازل ہوا، پس چوں کہ ان قسموں کا آغاز ’’التین‘‘ سے ہوا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’التین‘ رکھا گیا ہے۔

اس سورہ کا اصل مضمون ’’انسان‘‘ کی ہستی ہے، انسان کے بارے میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ مکرم ومحترم وجود ہے، اور کائنات کے خالق نے اسے بہترین قالب میں بنایا ہے، دوسری طرف انسان جب اللہ کے احکام سے سرکشی کرتا ہے تو وہ پستی کی آخری حد میں پہنچ جاتا ہے اور دوزخ اس کا ٹھکانہ بنتا ہے؛ البتہ اگر وہ ایمان اور نیک عمل پر قائم رہے تو اس کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے، اور آخرت میں اللہ کی طرف سے بہترین اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، اخیر میں اللہ تعالیٰ کی اِن نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے انسان سے دریافت کیا گیا ہے کہ کیا وہ اب بھی اس بات کو نہیں مانے گا کہ اللہ جزا وسزا کا بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں؟

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ایک رکعت میں اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور ان کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو آپ سے بہتر آواز والا اور پڑھنے والا نہیں سنا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِۙ ۝۱ وَطُوۡرِ سِيۡنِيۡنَۙ ۝۲ وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِۙ ۝۳ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡۤ
اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَۙ ۝۵ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ
اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍؕ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعۡدُ بِالدِّيۡنِؕ ۝۷ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَحۡكَمِ الۡحٰكِمِيۡنَ ۝۸ ع ۸ ۲۰

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے انجیر اور زیتون کی، ۝۱ طورِ سینا
(نامی پہاڑ) کی ۝۲ اور اِس پُرامن شہر (مکہ) کی!《۱》۝۳ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے، ۝۴ پھر ہم
اس کو پست سے پست تر کردیتے ہیں، ۝۵ ہاں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا تو ان کے لئے نہ ختم
ہونے والا اجر ہے،《۲》۝۶ تو ان سب باتوں کے بعد تجھے کیا چیز روزِ جزا کے انکار پر آمادہ کررہی ہے؟ ۝۷ کیا اللہ
سب حاکموں سے بڑے حاکم نہیں ہیں۔《۳》۝۸

《۱》 اللہ تعالیٰ نے ان تین آیتوں میں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے، دو پھلوں کی، ایک: انجیر، دوسرے: زیتون، جو زیادہ تر شام اور فلسطین کے علاقہ میں ہوتے تھے اور اس لئے عرب ان سے بخوبی واقف تھے، اور دو مقامات کی، ایک: سینا میں واقع طور پہاڑ کی، جس کو 'جبل موسیٰ' بھی کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی تھی، دوسرے: مکۃ المکرمہ کی، جس کا ذکر پُرامن شہر کے لفظ سے کیا گیا ہے؛ کیوں کہ مکہ حرم ہے اور یہاں جانوروں کا شکار اور خودرَو پودوں کو اُکھاڑنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

《۲》 قسم تین باتوں کی کھائی جارہی ہے، اول یہ کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں بنایا ہے، انسان کے جسم کے ایک ایک عضو کو دیکھئے اور دوسرے جانداروں یا بے جانوں سے اس کا تقابل کیجئے تو محسوس ہوگا کہ اللہ نے انسان کے پورے وجود کو حسن و جمال کا پیکر بنایا ہے اور اعضا میں حد درجہ اعتدال رکھا ہے، نہ اسے سانپ کی طرح زمین پر رینگنا پڑتا ہے نہ چوپایوں کی طرح زمین پر چلنے اور منھ سے چارہ کھانے کی نوبت آتی ہے، نہ ہاتھیوں کی طرح ناک کے بجائے سونڈ کا بوجھ اُٹھانا پڑتا ہے، اور نہ اس کو کپڑوں سے خالی و عاری رکھا گیا ہے، اسے دو پاؤں پر کھڑا کیا گیا؛ تاکہ وہ اعتدال کے ساتھ چل سکے، اسے ایسے ہاتھ دیئے گئے کہ شائستگی کے ساتھ کھا سکے، اسے زبان عطا کی گئی؛ تاکہ وہ بہتر طور پر اپنے دل کی بات دوسروں کو سنا سکے، اسے بالوں سے خالی چہرہ عطا کیا گیا، جو اس کی خوبصورتی کا مرکز ہے، اس کے دانت اور اس کی آنکھیں، اس کے بال اور اس کی ناک، اس کے ہاتھ پاؤں اور اس کی گردن، ہر چیز اپنی اپنی جگہ حسن کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہے، دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ہم اس کو پست سے پست تر کردیں گے، یعنی دوزخ میں پہنچادیں گے، اور تیسری بات فرمائی گئی کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، وہ اس پستی سے محفوظ رہیں گے۔

《۳》 یعنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ان کمالات کو دیکھو اور پھر غور کرو کہ کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ تو جب اللہ تعالیٰ کی ←

← قدرت اتنی بڑھی ہوئی ہے اور اسی کا فیصلہ چلتا ہے اور اللہ فرماتے ہیں کہ بدلہ کا ایک دن آنے والا ہے تو آخر اس سے انکار کی کیا وجہ ہے؟ —— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو اس سورہ کو پڑھے اور ''أليس الله بأحكم الحاكمين'' کی تلاوت کرے تو اسے کہنا چاہئے: ''بلىٰ وأنا على ذلك من الشاهدين'' (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۴۷) یعنی ہاں، کیوں نہیں؟ میں بھی اس پر گواہ ہوں!

سُورَةُ العَلَق

- سورہ نمبر : (۹۶)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۱۹)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کا نام علق اور اِقرأ ہے، 'اِقرأ' اس لئے کہ اس سورہ کا پہلا لفظ ہی 'اِقرأ' ہے، اور 'علق' اس لئے کہ اس کی دوسری آیت اسی لفظ پر ختم ہوتی ہے۔

اس سورہ کی آیت نمبر: ۱ تا آیت نمبر: ۴ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، (بخاری، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۴۶۷۰) اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر تین مضامین کا ذکر فرمایا ہے، اول: انسان کی پیدائش کا نظام کہ اس کی ابتدائی شکل جمے ہوئے خون کی تھی، اس کے بعد پڑھنے کا، قلم کا اور علم کا تذکرہ ہے کہ اللہ ہی نے اِس حقیر انسان کو علم کے اعلیٰ درجہ و مقام تک پہنچایا، دوسرے: انسان کی سرکشی اور اس کے تکبر کا ذکر کیا گیا ہے، جس کو ایمان اور اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی، تیسرے: آیت نمبر: ۹ سے نام لئے بغیر ابوجہل کا ذکر ہے، جو مسلمانوں کو نماز سے روکتا تھا اور دعوتِ اسلام میں رکاوٹ بنتا تھا، پھر اخیر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ ان کی مخالفت اور عناد کی پرواہ مت کیجئے؛ بلکہ اپنے مالک کے دربار میں سجدہ کرتے رہئے، یہ خدا کی قربت کا ذریعہ ہے اور جس کو اللہ کی قربت حاصل ہوگی، اس کے لئے کسی انسان کی مخالفت اور دعوت کی کیا اہمیت ہے؟

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۝۲ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۝۳
الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے، جس نے (سب کچھ) پیدا کیا ہے، ۝۱ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، ۝۲ پڑھئے، اور آپ کے پروردگار بڑے کرم کرنے والے ہیں، ۝۳ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، ۝۴ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی، جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔ ﴿۱﴾ ۝۵

﴿۱﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ذریعہ ہوا، جب بھی آپ خواب دیکھتے صبح کی سفیدی کی طرح وہ آپ کے سامنے آجاتا، پھر اس کے بعد آپ کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوگئی کہ آپ تنہائی کو پسند کرتے، غارِ حرا میں خلوت کی حالت میں رہتے اور کئی کئی دنوں آپ یہیں اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور وفکر کرتے رہتے، آپ کا توشہ آپ کے ساتھ ہوتا، چند دنوں کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لاتے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو توشہ دے کر رُخصت کر دیتیں، یہاں تک کہ ایک دن غار حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، انھوں نے کہا: آپ پڑھئے! آپ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، یعنی مجھے لکھی ہوئی چیز پڑھنی نہیں آتی ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا، پھر دوبارہ آپ سے پڑھنے کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے یہی جواب دیا، پھر تیسری بار آپ ﷺ سے پڑھنے کو کہا اور زور سے بھینچ کر چھوڑ دیا، نیز اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیتیں آپ پر پڑھیں، (بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر: ۳) لہٰذا اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ آپ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیات یہی ہیں، ان آیات میں کئی پہلو قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی وحی میں پڑھنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم اور قلم کا ذکر کیا، اس سے تعلیم کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، دوسرے: فرمایا گیا 'اپنے رب کے نام سے پڑھئے' اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ انسان کے لئے وہی علم نافع ہوتا ہے، جس کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہو، جس علم کا رشتہ اللہ کے نام سے جڑا ہوا نہ ہو، وہ دنیا کمانے کا ذریعہ تو بن سکتا ہے؛ لیکن انسانیت کی بھلائی کا ذریعہ نہیں بن سکتا، جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں؛ لیکن نہ ان میں خالق کی پہچان ہے، نہ مخلوق کی محبت، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہر اچھے کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنا چاہئے، چوتھے: قلم کی اہمیت معلوم ہوئی؛ کیوں کہ قلم ہی علم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، قتادہ کا قول ہے کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو نہ دین قائم رہتا اور نہ زندگی بہتر ہوتی، (تفسیر قرطبی: ۱۲۰/۲۰) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۱۹) رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ لکھنا نہیں سیکھا تھا اور اس میں مصلحت تھی کہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ آپ نے کسی کتاب کو پڑھ کر خود سے قرآن مجید کو بنالیا ہے؛ لیکن آپ نے لکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی، ←

كَلَّآ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓى ۙ﴿۶﴾ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى ؕ﴿۸﴾ اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ
يَنۡهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى ؕ﴿۱۲﴾ اَرَءَيۡتَ اِنۡ
كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿۱۵﴾
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ﴿۱۶﴾ فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ وَاسۡجُدۡ
وَاقۡتَرِبۡ ۩﴿۱۹﴾ السجدۃ ۱۲ ع ۱۹/۲۱

سچ مچ انسان اس لئے سرکشی کرتا ہے، ﴿۶﴾ کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے ﴿۷﴾ یقیناً تمہارے پروردگار ہی کی طرف واپس ہونا ہے، ﴿۸﴾ آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے؟ ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾ بھلا دیکھئے تو سہی، کہ اگر یہ شخص ہدایت پر ہو، ﴿۱۱﴾ اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہو (تو کیا اس کو روکنا درست ہے؟) ﴿۱۲﴾ بھلا بتلاؤ تو سہی، اگر یہ (منع کرنے والا) خود ہی جھٹلاتا اور روگردانی کرتا ہو؟ ﴿۱۳﴾ کیا اسے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں؟ ﴿۱۴﴾ ہرگز نہیں! اگر یہ باز نہیں آئے تو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، ﴿۱۵﴾ ایسی پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے ﴿۱۶﴾ وہ اپنے ہم نشینوں کو بھی بلا لے، ﴿۱۷﴾ ہم بھی عنقریب دوزخ کے فرشتوں کو بلائیں گے، ﴿۱﴾ ﴿۱۸﴾ دیکھئے، اس کا کہنا نہ مانیے، سجدہ کرتے رہیے اور اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾

← آپ مختلف صحابہ سے قرآن مجید لکھایا کرتے تھے، آپ نے حدیث کو لکھنے کا حکم دیا، (الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۲۰۵) اس کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ نبی بنائے گئے تھے، اس وقت کہا جاتا ہے کہ مکہ میں صرف تیرہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا؛ لیکن آپ ﷺ کی برکت سے لکھنے کا فن اتنا عام ہوا کہ صرف وہ لوگ جن سے آپ نے وحی کی کتابت کرائی ہے، چالیس سے اوپر ہیں، چوتھے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو ان باتوں کا علم دیا ہے، جن کو وہ نہیں جانتے، مفسرین نے اس سے یہ مراد لیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام سکھائے گئے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۱۲۲) لیکن شاید اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ آپ کا دورِ نبوت علمی انکشافات کا دور ہوگا اور بہت سی اَنجانی چیزیں اس عہد میں جانی جائیں گی، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کے آغاز سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی نبوت تک جو طویل عرصہ گذرا ہے، اس کے مقابلہ میں نبوت محمدی کے گذرے ہوئے دور یعنی گذشتہ پندرہ سو سال کے عرصہ میں علم کے مختلف میدانوں میں بے حد ترقی ہوئی ہے اور ابھی بھی ترقی کا سفر جاری ہے۔

﴿۱﴾ سورہ کی بقیہ آیتیں ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور مفسرین کا اندازہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہونے والی پانچ آیات کے ساتھ شامل کردی گئی ہیں، ابوجہل شروع سے ہی اسلام اور پیغمبر اسلام سے دشمنی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار آپ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل وہاں سے گذرا تو اس نے کہا: اے محمد! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ ←

← آپ ﷺ نے بھی کچھ سخت جواب دیا، ابوجہل نے کہا: تم مجھے کس بات سے دھمکاتے ہو؟ اس وادی میں میرا جتھا سب سے بڑا ہے، اسی پس منظر میں ارشاد ہوا کہ وہ بھی اپنے مددگاروں کو بلالیں اور ہم بھی دوزخ کے فرشتوں کو بلاتے ہیں۔

(ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۴۹)

حاصل یہ ہے کہ انسان کو جب کچھ دولت وثروت حاصل ہوجاتی ہے تو وہ سرکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ نماز سے بھی روکنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اس حرکت سے باز نہیں آیا تو ہم اس کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹیں گے اور دوزخ کے فرشتے اس کی خبرلیں گے، پیشانی اس لئے فرمایا گیا کہ پیشانی انسان کے وقار کی علامت ہوتی ہے، تو جیسے اس نے اللہ کے نبی کو بے آبرو کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح اسے بھی ذلیل کیا جائے گا اور جھوٹی اور خطا کار پیشانی سے ابوجہل کی ذات مراد ہے، جیسے چہرہ بول کر انسان کا پورا وجود مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح پیشانی سے ابوجہل کا پورا وجود مراد ہے کہ وہ اپنی باتوں میں جھوٹا ہے اور اپنے عمل میں خطا کار، (تفسیر ابن کثیر: ۳۸۱/۴) 'زبانیۃ' سے مراد وہ تُند مزاج فرشتے ہیں، جو دوزخ میں اہل دوزخ کو عذاب دینے پر مسلط کئے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۲۶/۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو نماز سے روکنا خاص کر مسجد میں جائز نہیں، آج کل جو مسجدیں فرقوں اور مسلکوں کے لئے مخصوص ہوگئی ہیں اور وہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو مسجدوں میں آنے دینے کے روادار نہیں ہیں، یہ ان کے لئے موقعِ عبرت ہے؛ البتہ اگر کسی شخص کو بیماری یا عذر کی وجہ سے نماز پڑھنے سے روکا جائے تو وہ اس ممانعت میں شامل نہیں ہیں۔

﴿۲﴾ اخیر میں آپ کو تلقین کی گئی کہ آپ ان کی بات سے متاثر نہ ہوں اور سجدہ کرتے رہیں، سجدہ سے نماز مراد ہے؛ کیوں کہ ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا تھا، (تفسیر قرطبی: ۱۲۸/۲۰) اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کی مناسبت سجدہ سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اس وقت ہوتا ہے، جب اس کی پیشانی زمین پر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے۔ (مسلم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۸۲)

اس آیت پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ''اذا السماء انشقت'' اور ''اقرأ باسم ربک الذی خلق'' میں سجدۂ تلاوت کیا ہے۔

(مسلم، کتاب المساجد، باب سجود التلاوۃ، حدیث نمبر: ۵۰۸)

سُورَةُ القَدْرِ

- سورہ نمبر : (۹۷)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۵)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’’قدر‘‘ کے معنی عظمت اور بلند مرتبہ ہونے کے ہیں، قرآن مجید جس رات کو آسمان اول پر اُتارا گیا، اس کے درجہ و مرتبہ کے کیا کہنے! اسی لئے خود رب کائنات نے اس رات کو ’’لیلۃ القدر‘‘ کا نام دیا ہے اور اسی سورہ کی پہلی آیت میں اس کا ذکر موجود ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’قدر‘ ہے۔

راجح یہ ہے کہ یہ سورہ آپ ﷺ پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سورہ میں بنیادی طور پر شب قدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس رات فرشتے بالخصوص حضرت جبرئیل علیہ السلام زمین پر تشریف لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی برکتیں نازل ہوتی ہیں، نیز یہ کیفیت صبح ہونے تک باقی رہتی ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۝ۚۖ۱ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۝ؕ۲ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ
شَہۡرٍ ۝ؕۛ۳ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۝ۙۛ۴ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ
الۡفَجۡرِ ۝۵

وقف النبی ﷺ الثالثۃ

ع ۲۲ / ۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں۝ ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اُتارا ہے ۝۱
اور آپ کو معلوم ہے کہ شبِ قدر کیا ہے؟ ۝۲ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، ۝۳ جس میں فرشتے اور روح القدس
(جبرئیل علیہ السلام) اپنے رب کی اجازت سے ہر حکم کو لے کر اُترتے ہیں، ۝۴ یہ رات سراپا سلامتی ہے، جو صبح ہونے تک
رہتی ہے۔ ﴿۱﴾ ۝۵

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کے طویل مدت تک عبادت کرنے کا ذکر کیا، صحابہ کو خیال ہوا کہ ان کی عمریں تو زیادہ ہوتی تھیں؛ اس لئے انھوں نے زیادہ دن تک عبادت کی، ہم لوگ اس سے محروم ہیں، اسی پس منظر میں یہ سورہ نازل ہوئی کہ اس اُمت کو ایک ایسی شب دی گئی ہے، جس کی عبادت ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، ہزار مہینے سے ایسے ہزار مہینے مراد ہیں، جن میں شب قدر شامل نہ ہو، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۳۱) چنانچہ اس سورہ میں بحیثیت مجموعی پانچ باتیں ارشاد فرمائی گئیں: اول یہ کہ قرآن مجید شب قدر میں اُتارا گیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن سب سے اوپر والے آسمان سے آسمانِ دنیا پر اس رات میں بیک دفعہ نازل کیا گیا، (تفسیر طبری: ۲۴/۵۴۳) دوسرے: اس رات کی فضیلت بیان کی گئی کہ یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس رات میں عبادت ایسی ایک ہزار مہینوں کی عبادت پر فائق ہے، جن میں شب قدر نہیں ہو؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایمان اور اخلاص کے ساتھ شب قدر میں عبادت کرے، اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، (بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۸۰۲) تیسری بات یہ کہی گئی کہ اس رات کے اعزاز واحترام میں خصوصی طور پر فرشتے اُترتے رہتے ہیں اور 'روح' یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام —— جن کی ڈیوٹی وحی لانے کی ہے —— اگرچہ سلسلہ نبوت کے ختم ہوجانے کے بعد اب دنیا میں ان کی آمد ورفت کی ضرورت نہیں رہی؛ لیکن اس رات کے اعزاز میں وہ بھی آسمان سے زمین پر اُترتے ہیں، اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ روح سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، یہی اکثر اہل علم کی رائے ہے، (روح المعانی: ۳۰/۱۹۴) یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ مُردوں کی روحیں اُترتی ہیں، اگرچہ یہ بھی بعض لوگوں کی رائے ہے؛ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، چوتھی بات فرمائی گئی کہ فرشتے اس دن تمام معاملات سے متعلق اللہ تعالیٰ کے فیصلے لے کر آتے ہیں، جیسے زندگی، موت وغیرہ؛ (تفسیر قرطبی، عن ابن عباس: ۲۰/۱۳۳) بلکہ قدر کے معنی ہی 'تقدیر' کے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اس سال کیا کیا اُمور واقع ہوں گے؟ (حوالۂ سابق: ۱۳۰) پانچویں: یہ پوری کی پوری رات خیر وسلامتی کی حامل ہے، یعنی آدمی اس رات کے جس لمحہ میں بھی عبادت کرے، انشاء اللہ اس رات کی فضیلت کو پائے گا، یہاں تک کہ صرف مغرب ←

← اور عشاء کی نمازیں جماعت سے پڑھ لے، تب بھی شب قدر کا اپنا حصہ پائے گا، یہ بات حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہما نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، (قرطبی: ۲۰؍۱۳۷) اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر نہیں فرمایا کہ شب قدر کس تاریخ میں ہوگی؛ لیکن احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے جمہور کی رائے ہے کہ یہ رات ہر سال آتی ہے، رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آتی ہے اور اس عشرہ کی طاق راتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے، یعنی ہر سال کسی ایک ہی رات میں آنا متعین نہیں ہے، شب قدر کے اعمال میں سے دُعا کا اہتمام ہے، احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے، خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس رات کے لئے یہ دُعا سکھائی: ''اللّٰھم إنک عفو ، تحب العفو ، فاعف عني'' (ابن ماجہ، کتاب الدعاء، حدیث نمبر: ۳۸۵۰) ''اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں، معاف کو پسند کرتے ہیں؛ لہٰذا مجھ کو بھی معاف کر دیجئے'' —— منکرین حدیث جو اپنے آپ کو 'اہل قرآن' کہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ ایک شب تھی، جو گذر گئی، ہر سال شب قدر نہیں آتی؛ لیکن یہ درست نہیں ہے، یہاں جو تعبیر ''تنزل'' اختیار کی گئی ہے، وہ عربی گرامر کے اعتبار سے کسی چیز کے بار بار پیش آنے اور آتے رہنے کو بتاتی ہے؛ اس لئے یہ آیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ شب قدر بار بار آتی رہتی ہے، اور جو حدیثیں شب قدر کے سلسلہ میں ہیں، وہ اتنی زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو شاید تواتر کو پہنچ جائیں۔

سُورَةُ البَيِّنَةِ

- سورہ نمبر : (۹۸)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۸)
- نوعیت : مدنی

اس سورہ کی پہلی آیت ''بینۃ'' کے لفظ پر ختم ہوتی ہے، جس کے معنی واضح اور روشن دلیل کے ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''بینۃ'' ہے، اس سورہ کا ایک اور نام ''سورۂ لم یکن'' ہے؛ کیوں کہ اسی لفظ سے سورہ کا آغاز ہوتا ہے۔

اس سورہ کا خاص مضمون پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اس میں اہل کتاب کی خاص طور پر مذمت کی گئی ہے کہ کتابِ الٰہی کے آنے کے بعد ان ہی کو آگے بڑھ کر اسلام قبول کرنا چاہئے تھا؛ لیکن اُلٹے انھوں نے ہی پہلے کفر کا راستہ اختیار کیا — اس سورہ میں اخلاص، نماز کا اہتمام کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے احکام بھی دیئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ انجام کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ اچھے لوگوں کا، جن کی جگہ جنت ہوگی، اور ایک گروہ بُرے لوگوں کا، جن کا مقام دوزخ ہوگا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ مُنۡفَكِّيۡنَ حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ الۡبَيِّنَةُ ۝۱
رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا
الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ ۝۴ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ
الدِّيۡنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر تھے، وہ (اپنے کفر سے) اس وقت تک باز آنے والے نہیں تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آجائے، ۝۱ (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک پیغمبر، جو پاک صحیفوں کو پڑھتا ہو، ۝۲ جس میں درست احکام لکھے ہوئے ہوں، ﴿۱﴾ ۝۳ اور جو اہل کتاب ہیں، وہ اس واضح دلیل کے آجانے کے بعد ہی اختلاف میں پڑ گئے ہیں، ۝۴ حالاں کہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہوکر اسی کی عبادت کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی درست دین ہے! ﴿۲﴾ ۝۵

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا کہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین، ان کو کفر سے ایمان کی طرف لانے کا یہی ایک راستہ تھا کہ ان کے پاس رسول آئیں، جو اللہ تعالیٰ کے صحیفوں کی تلاوت کریں، جس میں درست احکام لکھے گئے ہوں، آیت نمبر: ۲ میں 'صحف' سے مراد قرآن مجید ہے، جو اگرچہ ایک کتاب ہے؛ لیکن لوح محفوظ میں لکھے ہوئے بہت سے صحیفوں کی تعلیمات پر مشتمل ہے، مطہرہ کے معنی پاک کے ہیں، یعنی وہ شک وشبہ، جھوٹ اور غلط بیانی سے پاک ہے، اور آیت نمبر: ۳ میں 'کُتُبٌ' کا لفظ آیا ہے، یہ عربی گرامر کے لحاظ سے کتاب کی جمع ہے؛ لیکن یہاں یہ لفظ احکام کے معنی میں ہے؛ کیوں کہ ایک طرح کے احکام ومضامین کے مجموعہ کو بھی 'کتاب' کہتے ہیں، مثلاً فقہ کی کتابوں میں عنوان قائم کیا جاتا ہے: کتاب الصلاۃ (نماز کی کتاب) یعنی اس میں بہت سارے نماز کے مسائل ذکر کئے جائیں گے —— اس میں خاص طور پر اہل کتاب کا ذکر ہے کہ کم سے کم اہلِ کتاب کو تو ایمان لے ہی آنا چاہئے تھا؛ کیوں کہ محمد ﷺ کا نبی ورسول ہونا ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ کے نبی ہونے کا ان کو خوب اندازہ ہے اور اس لئے کہ ان کی مذہبی کتابوں میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کیا کریں۔

﴿۲﴾ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں، یہی اصل دین ہے، جو شروع سے چلا آرہا ہے اور اسی بات کی تعلیم محمد ﷺ بھی دیتے ہیں، یہ بات اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی تھی کہ آپ کا نبی ہونا برحق ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے —— ''لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ'' میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے؛ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ
هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾
جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾ ع ۸ ۲۲

اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ کی آگ ہی میں رہیں گے، یہی لوگ سب سے بدتر مخلوق ہیں، ﴿٦﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، وہی سب سے بہتر مخلوق ہیں، ﴿۱﴾ ﴿٧﴾ ان کے پروردگار کے نزدیک ان کی جزاء ہمیشہ رہنے والے وہ باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوئے اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے، ﴿۲﴾ یہ اس شخص کے لئے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔ ﴿٨﴾

﴿۱﴾ عمل صالح کرنے والے انسان کو سب سے بہتر مخلوق قرار دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی اصل کے اعتبار سے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴۸/۲۰)

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے اعمال سے خوش ہوں گے اور بندے اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے اجر وثواب سے۔

سورة الزلزال

- سورہ نمبر : (۹۹)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۸)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا پہلا کلمہ ''اذا زلزلت'' ہے، جس میں قیامت کا زلزلہ آنے کی خبر دی گئی ہے، اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'زلزال' بھی ہے، 'زلزلہ' بھی ہے اور 'اذا زلزلت' بھی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ سورہ مکی ہے اور مشہور مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے، مکی سورتوں میں عام طور پر توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر ہوتا ہے اور اس سورہ کا بھی بنیادی مضمون قیامت ہے؛ اس لئے یہی رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے —— دوسری رائے قتادہ اور دوسرے مفسرین کی ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

جو لوگ آخرت کے منکر تھے، بار بار پوچھتے تھے کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ وہ کونسا دن ہوگا اور کیا تاریخ ہوگی؟ اسی پس منظر میں یہ سورہ نازل ہوئی کہ قیامت کی متعین تاریخ تو بیان نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کو انسانوں کے علم سے مخفی رکھا جائے؛ لیکن قیامت کی کچھ علامتیں اور اس موقع پر ہونے والے واقعات کا ذکر کیا جارہا ہے، اس سورہ میں بنیادی طور پر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں: ایک یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ قیامت کسی خوشگوار شکل میں قائم ہو؛ بلکہ اس وقت پوری کائنات میں بھونچال آجائے گا اور ایک عجیب ہولناک منظر ہوگا، دوسرے اس مرحلہ کے بعد لوگوں کا حساب و کتاب ہوگا اور یہ حساب پوری باریک بینی کے ساتھ ہوگا، جس میں نہ تو کوئی نیکی چھوٹے گی اور نہ کوئی برائی، اور اسی حساب سے انسانوں کے دو گروہ ہوجائیں گے: ایک گروہ نیکی کرنے والوں کا اور ایک گروہ بدی کے مرتکبین کا۔

رسول اللہ ﷺ سے ایک صاحب نے عرض کیا: میں بوڑھا آدمی ہوں، دل میں سختی ہے اور زبان میں درشتی ہے، میں لمبی سورتیں نہیں پڑھ سکتا، مجھے کوئی ایک جامع سورہ بتادیجئے، جسے میں پڑھا کروں تو آپ نے اسے اسی سورہ کے پڑھنے کا مشورہ دیا، (مسند احمد، عن عبداللہ بن عمروؓ، حدیث نمبر: ۶۵۷۵) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سورہ کو قرآن مجید کا ایک چوتھائی حصہ قرار دیا ہے۔ (ترمذی، عن انس بن مالکؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۵)

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳
يَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَىِٕذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا
اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

ع ۱ ۸ ۲۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جب زمین اس کی سخت جنبش سے ہلا دی جائے گی، ﴿۱﴾ ۝۱ اور وہ اپنے اندر کے بوجھ کو نکال پھینکے گی، ﴿۲﴾ ۝۲ اور انسان کہے گا: زمین کو کیا ہو گیا ہے؟ ﴿۳﴾ ۝۳ اس دن وہ خود اپنے حالات بیان کرنے لگے گی، ۝۴ اس لئے کہ آپ کے پروردگار نے اس کو یہی حکم دیا ہوگا، ﴿۴﴾ ۝۵ اس دن لوگ گروہ در گروہ ہو کر آئیں گے؛ تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں، ﴿۵﴾ ۝۶ تو جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا، ۝۷ اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی، وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔ ﴿۶﴾ ۝۸

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ زلزلہ پہلی بار صور پھونکنے کے وقت ظاہر ہوگا۔

﴿۲﴾ یعنی مُردوں کو، اور زمین کے اندر جو قدرتی وسائل سونے، چاندی وغیرہ موجود ہیں، ان کو اُگل دے گی۔

﴿۳﴾ مسلمان تو چوں کہ قیامت پر ایمان رکھتے تھے؛ اس لئے ان کو اس واقعہ کے پیش آنے پر کوئی تعجب نہ ہوگا؛ لیکن جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، وہ پوچھیں گے کہ زمین میں یہ زلزلہ کیوں آیا ہے؟

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ اس دن اپنی قدرت سے زمین کو بولنے کی صلاحیت عطا کر دیں گے اور وہ اپنی پشت پر بسنے والے تمام لوگوں کے حالات بیان کرے گی کہ ہماری پشت پر رہتے ہوئے ان لوگوں نے کیا عمل کیا ہے؟ جب مٹی کی ایک معمولی چِپ سے انسان لاکھوں صفحات کے کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ کی حفاظت کرتا ہے اور ریڈیو اور آڈیو کے ذریعہ آوازوں کو محفوظ کیا جاسکتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ اس دن زمین کو قوت گویائی عطا فرما دیں تو اس میں باعث تعجب کیا ہے؟ اسی لئے آیت نمبر: ۶ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ زمین اپنے آپ نہیں کرے گی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرے گی۔

﴿۵﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے ان کے مختلف گروہ بنا دیئے جائیں گے۔
(تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۵۰)

﴿۶﴾ 'ذرہ' سے مراد وہ کم سے کم مقدار ہے، جو تولنے میں نہ آسکے، اتنا چھوٹا سا عمل بھی حساب و کتاب کے دائرہ میں آجائے گا؛ البتہ آخرت میں چھوٹا یا بڑا عمل اسی وقت مفید ہوگا، جب کہ عمل کرنے والا ایمان کا حامل ہو —— حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس علم سے نوازا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کی تعلیم دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کے حوالہ کر دیا کہ وہ اس کو تعلیم دیں، انھوں نے یہ سورہ پڑھائی اور جب اس آخری آیت پر پہنچے تو اس نے کہا: میرے لئے یہی کافی ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس نے دین کو سمجھ لیا ہے: ''دعوہ فإنہ قد فقہ''۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۵۳)

سُورَةُ العَادِيَات

- سورہ نمبر : (١٠٠)
- رکوع : (١)
- آیتیں : (١١)
- نوعیت : مکی

’عادیات‘ کے معنی تیز دوڑنے والے گھوڑوں کے ہے، ٹکنالوجی کی موجودہ ترقی سے پہلے آمد ورفت اور حمل ونقل کے لئے گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی، یہ حالت جنگ میں بھی کام آتے تھے اور حالت امن میں بھی، اسی وجہ سے اس سورہ کی ابتدائی آیتوں میں گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے اور اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’’عادیات‘‘ ہے۔

سورۂ زلزال ہی کی طرح اس سورہ کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق مدینہ میں؛ لیکن اس سورہ کے مضمون اور اُسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکی سورہ ہے اور اسی رائے کو عام طور پر اہل علم نے قبول کیا ہے۔

اس سورہ میں انسان کی بعض نفسیاتی کمزوریوں کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ناشکری، حرص ولالچ اور دنیا کی نعمتوں میں خوب سے خوب تر کی طلب اس کی فطرت میں داخل ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ اس کو ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے، یہاں تک کہ دلوں کی چھپی ہوئی بات بھی ظاہر ہوکر رہے گی، یہ گویا اس نفسیاتی بیماری کا علاج ہے؛ کیوں کہ آخرت کے خوف کے سوا کوئی چیز انسان کو دنیا کی حرص ولالچ سے باز نہیں رکھ سکتی۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ
بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ
لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ
ع ۱۱ ۲۵ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، ﴿۱﴾ پھر (اپنی ٹاپوں سے) آگ نکالتے ہیں، ﴿۲﴾ پھر صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، ﴿۳﴾ پھر اس سے گرد وغبار اُڑاتے ہیں، ﴿۴﴾ پھر (دشمن کی) فوج میں جا گھستے ہیں، ﴿۵﴾ کہ یقیناً انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، ﴿۶﴾ اور وہ خود بھی اس پر گواہ ہے، ﴿۷﴾ اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ مال سے بڑی محبت رکھتا ہے، ﴿۸﴾ کیا اسے معلوم نہیں کہ جو مُردے قبروں میں ہیں، وہ زندہ کئے جائیں گے، ﴿۹﴾ اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، وہ بھی ظاہر کر دیئے جائیں گے؟ ﴿۱۰﴾ یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان کے حال سے خوب واقف ہوگا۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں گھوڑوں کی قسم کھائی ہے، گھوڑوں کو ہمیشہ ایک اہم اور پسندیدہ جانور کی حیثیت حاصل رہی ہے، جب تک موٹریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، گھوڑے ہی کو سب سے تیز رفتار گاڑی کا درجہ حاصل تھا اور خاص طور پر یہ جنگ میں کام آتا تھا، دشمن پر حملہ آور ہونے میں بھی اس سے مدد لی جاتی تھی اور پیچھے ہٹنا یا بھاگنا پڑتا تو اس وقت بھی یہ کام آتے تھے، مسلمانوں کے لئے اس کی اہمیت اس پہلو سے بھی تھی، کہ جہاد ایک عبادت ہے اور بوقت ضرورت فرض ہے، اُس زمانہ میں جہاد کے لئے گھوڑا ایک مؤثر وسیلہ تھا؛ بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے گھوڑے کے گوشت کو اسی لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اگر لوگ گھوڑے ذبح کر کے کھانے لگیں تو آلات جہاد میں کمی پیدا ہو جائے گی۔ (بدائع الصنائع: ۵/۳۸)

اس میں گھوڑے کی پانچ صفتیں بیان کی گئی ہیں: پہلی یہ کہ وہ ہانپ کر چلتے ہیں، دوسری یہ کہ وہ جب دوڑتے ہیں تو اپنی ٹاپوں سے آگ جھاڑتے ہوئے جاتے ہیں، ان دونوں کا مقصد گھوڑے کی تیز رفتاری کو ظاہر کرنا ہے، تیسری صفت یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، عربوں کا عام طریقہ یہ تھا کہ وہ صبح صبح حملہ کرتے تھے؛ کیوں کہ اس وقت دشمن غفلت کی حالت میں ہوتا ہے اور صبح کی روشنی پھیل جانے کی وجہ سے ہر چیز نظر آتی ہے، گرد وغبار اُڑانے کا مقصد ہے تیز رفتاری، اور فوج میں جا گھسنے سے اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ جہاد کے لئے بہت مفید ذریعہ ہے، جو اپنی جان کی پروا کئے بغیر دشمنوں کی صفوں میں جا گھستا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور میں جہاد اور دفاع کے لئے جو سواریاں مؤثر ہوں اور بہت تیزی کے ساتھ فوجیوں کو اور ہتھیار کو لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہوں، وہ اس لائق ہیں کہ ان کی صنعت کو فروغ دیا جائے، جیسے: توپ، بکتر بند گاڑیاں وغیرہ۔ ←

← ان قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس بات کو بتایا ہے، وہ دو ہیں اور یہ دونوں انسان کی عمومی کمزوریاں ہیں، ایک: ناشکری، یہاں تک کہ وہ اپنے پروردگار کی بھی ناشکری کرتا ہے، اس ناشکری کی مثالیں ہر وقت اور ہر جگہ مل جاتی ہیں، انسان اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا، دوسرے: مال کی محبت، مال بُری چیز نہیں ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مال کے لفظ کو 'خیر' سے تعبیر کیا ہے، خیر کے اصل معنی اچھی اور بھلی چیز کے ہیں، تو مال خود اپنی ذات کے اعتبار سے بُری چیز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے بہت سے حقوق ادا کئے جاتے ہیں؛ لیکن مال کی محبت کا غلبہ اچھی بات نہیں ہے، یہ مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہی تو ہے جو انسان کو چور، لٹیرا، غاصب، ظالم اور عیش پرست بنا دیتی ہے، جیسے کشتی پانی میں چلے تو اس میں بھلائی ہے اور پانی کشتی میں داخل ہو جائے تو اس میں تباہی ہے، اسی طرح انسان مال سے فائدہ اُٹھائے تو اس میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن مال کی محبت دل اور رگ وریشہ میں پیوست ہو جائے، یہ اس کے لئے آخرت کے نقصان کا باعث ہے۔

ناشکری اور مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی آخرت یاد رہے؛ اسی لئے آخری تین آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے اور آیت نمبر: ۱۰ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اب بھی اپنے بندوں کے حالات سے پوری طرح باخبر ہیں؛ لیکن اس دن اللہ تعالیٰ خود بندوں کے ذریعہ اس کے حال سے واقف ہوں گے، جسم کا ایک ایک عضو اپنی کہانی سنائے گا کہ اس کو کن کاموں کے لئے استعمال کیا گیا اور زمین کا ایک ایک انچ گواہی دے گا کہ اس کی پشت پر انسانوں نے کیا اچھے اور بُرے عمل کئے ہیں؟؟

سُورَةُ القَارِعَة

- سورہ نمبر : (۱۰۱)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۱۱)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کا آغاز 'قارعہ' کے لفظ سے ہوتا ہے، جس سے وہ خوفناک آواز مراد ہے، جو قیامت کے واقع ہونے کے وقت انسان کو دہلا دے گی؛ اسی لئے اس کا نام 'قارعہ' ہے۔

اس سورہ کا بنیادی مضمون قیامت کی ہولنا کیوں کا تذکرہ ہے؛ اس لئے سب سے پہلے قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے، پھر حساب و کتاب کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بات واضح فرما دی گئی ہے کہ دنیا میں تو مال و اسباب تَولے جاتے ہیں؛ لیکن آخرت میں اعمال تولے جائیں گے، جس کی نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا، اس کے لئے بہترین انجام ہوگا، اور جس کی بُرائیوں کا وزن بڑھ جائے گا، اس کے لئے اسی قدر تکلیف دہ اور بُرا انجام ہوگا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلۡقَارِعَۃُ ۝۱ مَا الۡقَارِعَۃُ ۝۲ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡقَارِعَۃُ ۝۳ یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ
الۡمَبۡثُوۡثِ ۝۴ وَتَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۝۶ فَہُوَ فِیۡ
عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۝۸ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ۝۹ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَاہِیَہۡ ۝۱۰ نَارٌ
حَامِیَۃٌ ۝۱۱ ع ۱۱/۲۶

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ کھڑکھڑانے والی چیز، ۝۱ کیا ہے کھڑکھڑانے والی چیز؟ ۝۲ اور آپ کو کیا معلوم کہ کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے؟ ﴿۱﴾ ۝۳ (وہ قیامت ہے) جس دن انسان بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوجائیں گے، ﴿۲﴾ ۝۴ اور پہاڑ دُھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہوئے گا، ﴿۳﴾ ۝۵ تو جس (کی نیکیوں) کا وزن بڑھ گیا، ۝۶ تو وہ تو پسندیدہ عیش وآرام میں ہوگا، ۝۷ اور جس کا وزن ہلکا ہوگیا، ۝۸ تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ (نامی دوزخ) ہے، ﴿۴﴾ ۝۹ اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ ۝۱۰ دہکتی ہوئی آگ ہے! ۝۱۱

﴿۱﴾ اس سے قیامت کے دن پھونکا جانے والا پہلا صور مراد ہے، جس سے لوگ گھبرا کر مرجائیں گے، بار بار اس کا ذکر اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے ہے، یوں تو ہر زبان میں کسی بات کی اہمیت کو بتانے کے لئے اسے مکرر کہا جاتا ہے؛ لیکن خاص کر عربوں کے یہاں یہ تقریر وخطابت کے اُصول میں شامل ہے کہ کسی چیز کے تذکرہ سے پہلے اس کے بارے میں بار بار سوال کیا جائے؛ تاکہ سننے والوں کے کان کھڑے ہوجائیں اور وہ پوری طرح متوجہ ہوں۔

﴿۲﴾ پتنگے کمزور بھی ہوتے ہیں اور بکھرے ہوئے بھی، تو مقصد یہ ہے کہ انسان کمزور اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

﴿۳﴾ یعنی جیسے دُھنکے ہوئے اُون ہوا میں اُڑتے رہتے ہیں اور اگر ان پر رنگ ڈالا گیا ہو تو مختلف رنگوں کے نظر آتے ہیں، اسی طرح پہاڑ کے مختلف ٹکڑے اُڑتے ہوئے ہوں گے اور چوں کہ پہاڑ کی مختلف چٹانیں الگ الگ رنگوں کی ہوتی ہیں تو اس وقت بھی وہ الگ الگ رنگوں کی ہوں گی۔

﴿۴﴾ اس دن لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے، جس کے اعمال کا وزن بڑھ گیا، اس کی زندگی بہت اچھی گذرے گی اور جس کا وزن کم ہوگا، وہ نقصان اُٹھائے گا اور ہمیشہ کے لئے تکلیف دہ زندگی گذارنی پڑے گی ـــــ اعمال کے تولے جانے کے سلسلہ میں دو باتیں قابل ذکر ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کی تعداد اور مقدار کی اہمیت نہیں ہے؛ بلکہ معیار کی اہمیت ہے، ایک چھوٹا سا عمل جو اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہوگا، ہوسکتا ہے کہ بہت سارے اعمال کے ڈھیر سے آگے بڑھ جائے، جو دکھاوے اور نام ونمود کے جذبہ سے کئے گئے ہوں؛ اسی لئے یہ نہیں فرمایا گیا کہ اعمال گنے جائیں گے؛ بلکہ فرمایا گیا کہ اعمال تولے جائیں گے، دوسرے: یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ اعمال کیسے تولے جائیں گے؟ تولی تو جاتی ہیں ایسی چیزیں، جو حجم والی ہوں اور عمل تو ایک کیفیت ہے، جس کو لمبائی، ←

← چوڑائی اور گہرائی کی حدود میں محفوظ نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ ہر چیز کی ترازو اس کے لحاظ سے ہوتی ہے، آج خون میں شوگر اور کولیسٹرول کی مقدار معلوم کی جاتی ہے، بخار اور بلڈ پریشر کو تولا جاتا ہے، کس نے کتنا کرنٹ استعمال کیا؟ اس کو وزن کیا جاتا ہے؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ اعمال کو تولنے کی کوئی ترازو قائم کریں گے، جو لمحوں میں انسان کی نیکیوں اور بُرائیوں کو تول کر حساب کردے گی، ہاویہ یا تو مطلق دوزخ کا نام ہے یا دوزخ کے ایک خاص درجہ کا؛ بلکہ سب سے نچلے درجہ کا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۶۷)

سُورَةُ التَّكَاثُر

سورہ نمبر : (۱۰۲)

رکوع : (۱)

آیتیں : (۸)

نوعیت : مکی

اس سورہ کی پہلی آیت میں 'تکاثر' کا لفظ آیا ہے، یعنی مال واولاد کی بہتات نے تم کو غفلت میں مبتلا کر دیا ہے؛ اس لئے اس کا نام تکاثر ہے۔

اس سورہ میں انسان کی ایک بنیادی کمزوری کو واضح کیا گیا ہے؛ کہ انسان کو جو کچھ نعمتیں حاصل ہیں، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں؛ لیکن عجیب بات ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ نعمتیں اس کے اندر شکر کے جذبات کو بڑھائیں، اُلٹے ان میں غفلت، احکام الٰہی سے دوری اور بے توجہی پیدا ہوجاتی ہے، بہر حال اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس زندگی کی آخری منزل قبر ہے، جب وہ اپنی اس آخری منزل میں پہنچے گا تو آخرت کے نظام کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اسے اللہ کی ایک ایک نعمت کا حساب دینا پڑے گا۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ ۝۱ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَؕ ۝۲ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَۙ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ
تَعۡلَمُوۡنَؕ ۝۴ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِؕ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَۙ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ
الۡيَقِيۡنِۙ ۝۷ ثُمَّ لَتُسۡـَٔـلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ۝۸ ع ۸ / ۲۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ تم کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی لالچ نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، ۝۱ یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ جاتے ہو، ۝۲ ہرگز ایسا نہیں چاہئے، آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا، ۝۳ پھر (جان لو) ہرگز ایسا نہیں چاہئے، عنقریب تم جان لوگے، ۝۴ ہرگز ہرگز ایسا نہیں چاہئے، اگر تم یقین کے ساتھ جان لیتے (تو غافل نہ رہتے) ۝۵ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھوگے، ۝۶ پھر (جان لو کہ) تم اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھوگے، ۝۷ پھر اس دن تم سے ساری نعمتوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ ﴿۱﴾ ۝۸

﴿۱﴾ تکاثر کے معنی ہیں کسی بھی چیز کی کثرت اور زیادتی کا طلب گار رہنا، خواہ مال ہو یا اولاد یا زندگی کے دوسرے وسائل، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰ / ۱۶۸) اسی طرح موجودہ زمانہ کے لحاظ سے عہدہ اور جاہ بھی اس میں داخل ہے، پیاسا سے پیاسا آدمی پانی کا ایک گلاس پی کر مطمئن ہو جاتا ہے، بھوکا سے بھوکا انسان چند روٹیاں کھا کر آسودہ ہو جاتا ہے؛ لیکن جب انسان میں مادہ پرستی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی پیاس بجھائے نہیں بجھتی، اگر لکھ پتی ہے تو کروڑ پتی بننے کی آرزو دل میں مچلتی رہتی ہے، اگر کروڑ پتی ہے تو چاہتا ہے کہ ارب پتی بن جائیں، اگر اسمبلی کا رکن بن گیا تو وزیر بننا چاہتا ہے اور وزیر ہو گیا تو وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر ترقی چاہتا ہے، غرض کہ جوں جوں پانی ملتا جاتا ہے، پیاس بڑھتی جاتی ہے، جوں جوں لقمہ منھ میں جاتا ہے، بھوک میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور پھر یہ طلب عمر کے کسی مرحلہ میں ختم نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ دنیا سے رُخصت ہو جاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان کو سونے کی ایک وادی مل جائے تو چاہے گا کہ دو وادیاں ہو جائیں، مٹی کے سوا کوئی چیز اس کے منھ کو بھر نہیں سکتی، (بخاری، عن انس، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۰۷۵) —— اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ فرمایا کہ آخرت سے جو چیز انسان کو غافل کر دیتی ہے، وہ یہی دنیا کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا جذبہ ہے۔

اور پھر اس بیماری کا علاج بھی بتا دیا کہ اس کا علاج ہے دوزخ کا خوف اور اللہ کے پاس جواب دہی کا یقین؛ اس لئے تمہیں یقین کرنا چاہئے کہ اللہ کو بھول کر دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہو جانے والوں کے لئے دوزخ رکھی گئی ہے، جب قیامت قائم ہوگی تو تم اس کو سر کی آنکھوں سے دیکھ لوگے ''عین الیقین'' سے یہی مراد ہے، ایسا یقین جو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے، انسان بہت سی باتوں کو سنتا ہے اور سن کر ان پر یقین بھی کرتا ہے؛ لیکن ان ہی باتوں کو جب اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے، مگر اس وقت جب انسان اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ لے گا تو توبہ کرنا، اچھے عمل کی آرزوئیں کرنا، رونا اور گڑگڑانا کچھ کام نہ آئے گا —— ←

← پھر ایک ایک نعمت جو تم کو دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا حساب لیں گے، ایسا نہیں ہے کہ یہ مفت کی چیزیں ملی ہوئی ہیں، جیسے چاہو استعمال کرلو؛ بلکہ ہر نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ یہ کس طرح حاصل کی گئی اور کہاں خرچ کی گئی؟ یہ دونوں باتیں —— دوزخ کا خوف اور سوال و جواب کا یقین —— انسان کی غفلت اور بے پروائی کو روکنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

سُورَةُ العَصر

- سورہ نمبر : (۱۰۳)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۳)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

'عصر' کے معنی زمانہ کے ہیں، اس سورہ کی پہلی آیت میں زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے؛ اسی لئے اس کا نام سورۂ عصر ہے، یہ سورہ اگرچہ قرآن مجید کی مختصر ترین سورہ ہے، جو صرف تین چھوٹی آیتوں پر مشتمل ہے، اس کے الفاظ چودہ اور حروف اڑسٹھ ہیں؛ لیکن اپنے مضمون کے اعتبار سے بہت جامع ہے؛ اسی لئے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر لوگ غور وفکر سے کام لیں تو یہی سورہ ان کے لئے کافی ہوجائے گی: ''لو تدبر الناس هذه السورة لوسعتهم''۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸/۴۷۹)

اس سورہ میں انسان کی کامیابی کے لئے چار نکاتی منصوبہ کی رہنمائی کی گئی ہے: ایمان، نیک عمل، حق کی تلقین اور صبر کی تاکید — یقیناً یہ پورے دین کا خلاصہ ہے!

صحابہ کے نزدیک اس سورہ کی اتنی اہمیت تھی کہ جب دو حضرات کی آپس میں ملاقات ہوتی تو الگ ہونے سے پہلے ایک دوسرے کے سامنے اس سورہ کی تلاوت کرتے، پھر سلام کرکے رُخصت ہوتے۔ (بیہقی، عن ابی حذیفہؓ، حدیث نمبر: ۸۶۳۹)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿﴾

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا
بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾ ع ۲۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿﴾ زمانہ کی قسم ہے، ﴿۱﴾ کہ انسان بڑے گھاٹے میں ہے، ﴿۲﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں، نیک عمل کرتے رہیں، ایک دوسرے کو حق (پر قائم رہنے) کی اور صبر کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ انسان کو دنیا کی جتنی نعمتیں عطا کی گئی ہیں، غور کیا جائے تو ان میں سب سے بڑی نعمت وقت ہے؛ اسی لئے قرآن مجید میں سب سے زیادہ وقت ہی کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں صبح کی، کہیں رات کی، اور یہاں زمانہ کی قسم کھائی جارہی ہے، جو تمام اوقات کو شامل ہے، یہی رائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی ہے؛ البتہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں عصر کی نماز مراد ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۱۷۸، ۱۷۹) —— بہر حال اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر مسلمان کو وقت کی قدر و قیمت پہچاننی چاہئے: کیوں کہ دنیا و آخرت کی تمام کامیابی اسی بات سے متعلق ہے کہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کیا جائے اور اسے ضائع ہونے سے بچایا جائے؛ چنانچہ قیامت کے دن انسان سے خاص طور پر اس بارے میں سوال ہوگا کہ اس نے اپنی عمر، اپنی جوانی اور اپنے علم کا کیا استعمال کیا؟ (ترمذی، کتاب صفۃ الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۴۱۷) غور کیجئے کہ ان میں سے عمر اور جوانی دونوں کا تعلق زمانہ ہی سے ہے۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس انسان کی زندگی چار باتوں سے خالی ہے، وہ بہت ہی نقصان میں ہے، اس سے مراد آخرت کا نقصان ہے، یعنی وہ آخرت میں نجات سے محروم رہیں گے، ان میں پہلی چیز ہے: ایمان، اگر ایمان نہ لائے تو بظاہر کتنا بھی اچھا عمل کرلے، آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، دوسرے: عمل صالح، یعنی نیک عمل، عمل صالح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہو، طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہو اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی جائے تو چاہے وہ دیکھنے میں اچھا عمل معلوم ہو؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہے، بدعت کی ممانعت اسی لئے ہے کہ وہ بظاہر تو اچھا عمل نظر آتا ہوتا ہے؛ لیکن اس کو انجام دینے میں وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا، جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے، تیسرا عمل ہے: تواصی بالحق، وصیت کا لفظ تاکید کے ساتھ کسی بات کے ذکر کرنے کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جو ایمان پر نہ ہوں، ان کو ایمان کی دعوت دی جائے، جو عمل پر نہ ہوں، ان کو عمل کی دعوت دی جائے، چوتھا عمل ہے: تواصی بالصبر، صبر کی تاکید یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے میں جو مشقتیں ہوں، ان کو برداشت کرنے کی تلقین کرنا —— دعوت حق کے فوراً بعد صبر کی دعوت دینے میں غالباً اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دعوت کے کام میں بڑے صبر کی ضرورت ہے اور انسان کو خلافِ طبیعت باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، تو ایسے مواقع پر صبر سے کام لینا دعوت حق دینے والوں کا شیوہ ہونا چاہئے۔

سُورَۃُ الھُمَزَۃ

- سورہ نمبر : (۱۰۴)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۹)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس کی پہلی ہی آیت میں ''ھُمَزَۃ'' کا لفظ آیا ہے؛ اس لئے اس کا نام ''ھُمَزَۃ'' ہے۔

مکہ کے مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض وعناد رکھنے میں آخری انتہا پر پہنچے ہوئے تھے، اس بغض وعناد کا اظہار بعض لوگ پیٹھ پیچھے برائی کیا کرتے تھے، بعض ایسے بد دین تھے کہ رو در رو الزام تراشی کرتے تھے اور اس درجہ بے حیا تھے کہ آمنے سامنے بہتان لگانے سے بھی نہیں چوکتے تھے، اس سورہ میں ان ہی لوگوں کی مذمت کی گئی ہے، جن میں ولید بن مغیرہ، اُمیہ بن خلف، اخنس بن شریق اور عاص بن وائل وغیرہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی واضح فرمادیا کہ جس چیز نے ان کو اس حرکت پر آمادہ کر رکھا ہے، وہ مال ودولت کی بہتات ہے؛ لیکن انھیں سمجھنا چاہئے کہ جب اللہ کی طرف سے موت کا فیصلہ ہوجائے گا تو یہ دولتِ دنیا ان کو بچا نہیں سکے گی۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۙ ۝۱ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗۙ ۝۲ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ‌ۚ ۝۳ كَلَّا
لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ‌ۖ ۝۴ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ ۝۵ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ ۝۶ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى
الۡاَفۡـِٕدَةِ ؕ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۙ ۝۸ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹ ع ۲۹

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ہر اس شخص کے لئے 'جو عیب نکالتا اور غیبت کرتا ہو' بڑی تباہی ہے، ۝۱ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا، ۝۲ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اس کو لافانی بنا دیا ہے، ۝۳ ہر گز ایسا نہیں ہے، وہ ضرور روندنے والی (دوزخ) میں پھینک دیا جائے گا، ۝۴ اور آپ کو کیا معلوم کہ ''حطمہ'' ہے کیا؟ ۝۵ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، ۝۶ جو دلوں تک پہنچ جائے گی، ۝۷ وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی، ۝۸ وہ (آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے)۔ ﴿۱﴾ ۝۹

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں تین بُرائیوں کا ذکر فرمایا ہے، ہُمَز، لُمَز اور مال کو جمع کر کے رکھنا، ہمز کے معنی کسی کے سامنے اس کی بُرائی کرنے اور اس کے عیب نکالنے کے ہیں اور لمز کے معنی آہستگی سے کسی کی بُرائی کرنے کے ہیں، خواہ اس شخص کے پیچھے غیبت کی جائے یا آنکھ وغیرہ کے اشارہ سے اس کی برائی کی جائے، بعض اہل علم نے اس کے برعکس بھی معنی بیان کئے ہیں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۸۱، مفاتیح الغیب: ۱۶/ ۷۸) لیکن دونوں صورتوں میں حاصل یہی ہے کہ اس میں دوسرے انسان کی بُرائی نکالنا اور اس کو نقل کرنا پایا جاتا ہے، خواہ سامنے ہو یا پیٹھ پیچھے، جس میں نتیجے کے اعتبار سے انسان کی توہین ہوتی ہے، یا اسے تکلیف پہنچائی جاتی ہے، اور دونوں باتیں شریعت میں حرام ہیں، تیسری برائی مال جمع کر کے رکھنے اور خرچ نہ کرنے کی ہے، گن گن کر رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ پیسہ خرچ نہیں کرتے، مال جمع کر کے رکھنے اور خرچ نہ کرنے کا سبب دو باتیں ہیں: لالچ اور بخل، گویا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دوسرے انسان کا عیب تلاش کرنے، اس کو نقل کرنے، مال کی لالچ کرنے اور جب حاصل ہو جائے تو اس میں بخل سے کام لینے کو منع فرمایا ہے، غور کیجئے تو ان سب کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اسلام کی نظر میں نہایت ہی ناپسندیدہ عمل ہے، اسی طرح انسانوں کے حقوق کو تلف کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو حطمہ میں پھینک دیا جائے گا، جو دوزخ کا ایک طبقہ ہے، حطم کے معنی توڑ پھوڑ کرنے کے آتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۱۸۴) حطمہ کو حطمہ اس لئے کہتے ہیں کہ جو لوگ اس میں داخل کئے جائیں گے، دوزخ کی آگ ان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی، جس کا اثر یوں تو پورے جسم پر ہوگا؛ لیکن خاص کر دل پر زیادہ اثر ہوگا، اور ڈالے جانے کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ اس میں آگ کے بڑے بڑے ستون بنے ہوئے ہوں گے، دوزخی ان ہی ستونوں کے درمیان رہیں گے اور دوزخیوں کو اس میں ڈال کر باہر سے بند کر دیا جائے گا، گویا آگ کے ایک صندوق میں انھیں رکھ کر بند کر دیا جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین)

سُورَةُ الفِيل

- سورہ نمبر : (۱۰۵)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۵)
- نوعیت : مکی

''فیل'' کے معنی ہاتھی کے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی بنائے جانے سے پہلے یمن کے ایک حبشی عیسائی قائد ابرہہ نے ہاتھی کے لشکر کے ساتھ بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے کی کوشش کی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کا نام ونشان مٹا دیا، اس فوج کو عرب 'اصحابُ الفیل' سے یاد کرتے تھے، اس سورہ میں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام 'سورۃ الفیل' ہے۔

یہ سورہ اسی واقعہ کی مختصر روداد ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، مکہ میں وہ لوگ اب بھی موجود تھے، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس واقعہ کو اپنے سر کے آنکھوں سے دیکھا تھا؛ اسی لئے اس واقعہ کا ذکر فرمایا گیا کہ اہل مکہ عبرت حاصل کریں کہ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حفاظت کے لئے دشمنوں کو ٹھکانہ لگا سکتے ہیں، اسی طرح اپنے نبی کی حفاظت کے لئے بھی پیغمبر کے دشمنوں کے خلاف قدرت خداوندی حرکت میں آسکتی ہے اور ان کو تباہ وتاراج کرسکتی ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ
عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ٪﴿۵﴾ ع ۱ / ۳۰

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ ﴿۱﴾ کیا اللہ نے ان کی چال کو ناکام نہیں کردیا؟ ﴿۲﴾ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے، ﴿۳﴾ جو اُن پر پکی ہوئی مٹی کی کنکریاں پھینک رہے تھے؛ ﴿۴﴾ چنانچہ ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر ڈالا۔ ﴿۱﴾ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ اگر آپ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو بحر احمر کی دائیں طرف یمن اور اس کے سامنے ہی بائیں طرف براعظم افریقہ کا ملک ’حبشہ‘ واقع ہے، جس کو آج کل ’ایتھوپیا‘ کہتے ہیں، یمن میں بنیادی طور پر بت پرستی اور ستارہ پرستی کا رواج تھا؛ لیکن ایک خاص واقعہ کے نتیجہ میں حبشہ نے یمن پر حملہ کردیا، جو مذہباً عیسائی تھے اور اس عرب ملک پر قابض ہوگئے، اس طرح یہاں عیسائی مذہب کی خوب نشر و اشاعت ہوئی، اگرچہ اس ملک میں بعض مشرک عرب قبائل بھی موجود تھے؛ لیکن ملک میں غلبہ عیسائیوں کو حاصل تھا، شاہ حبش کی طرف سے ابرہہ نامی شخص کو یمن کا گورنر بنایا گیا، وہ ایک پُرجوش عیسائی تھا اور چاہتا تھا کہ اس پورے خطہ میں عیسائیت کو بنیادی مذہب کی حیثیت حاصل ہوجائے؛ چنانچہ اس نے یمن کی راجدھانی صَنعاء میں قُلَّیس نامی ایک شاہکار عمارت بنائی، جو اپنی شان و شوکت، سجاوٹ اور خوبصورتی کے اعتبار سے ایک مثالی عمارت تھی، جو دراصل اس کا چرچ تھا، اس کا احساس تھا کہ عیسائیت کی اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ مکہ میں بنی ہوئی عبادت گاہ ’کعبہ‘ ہے، عربوں کو اس میں ایسی کشش اور اس عمارت سے ایسا جذباتی لگاؤ ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں کسی اور عبادت گاہ کو خاطر میں نہیں لاتے؛ اس لئے عرب قبائل سے کہا جائے کہ وہ مکہ میں کعبہ کا حج کرنے کی بجائے ’صنعاء‘ میں ’قُلَّیس‘ کا حج کریں، عربوں کو جب یہ بات پہنچی تو انھیں بڑا غصہ آیا، اتفاق سے اس وقت بعض عرب صنعاء میں موجود تھے، انھوں نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے اسی عمارت میں قضاء حاجت کردی، یا بعض تاریخی روایتوں کے مطابق اس کو آگ لگادی، تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ حرکت ان ہی لوگوں میں سے کسی نے کی ہے، جو حج کے لئے کعبہ کو جایا کرتے ہیں۔

ابرہہ کا غصہ اس کی وجہ سے اور بڑھ گیا، قبیلہ بنو کنانہ کا آدمی اس کے پاس موجود تھا، ابرہہ نے اس کو بھیجا کہ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کعبہ کے بجائے قلیس کے حج کی دعوت دے، جب وہ یہ پیغام لے کر پہنچا تو قبیلہ کے لوگوں نے اسے قتل کر ڈالا، اب ابرہہ کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور اس نے عزم مصمم کرلیا کہ ہم ہر قیمت پر کعبہ کو منہدم کرکے رہیں گے؛ حالاں کہ اس وقت مکہ میں محض چند ہزار کی آبادی تھی؛ لیکن ابرہہ نے اپنے پروگرام کو یقینی بنانے کے لئے ساٹھ ہزار کی فوج تیار کی، اس میں ایک دستہ دس بارہ ہاتھیوں پر بھی مشتمل تھا۔

←

← اب یہ لشکر حجاز کی طرف بڑھا، اس نے پہلے سے اعلان کر دیا تھا کہ اس کا ارادہ کعبہ کو منہدم کرنے کا ہے؛ چنانچہ سب سے پہلے اس کی مڈبھیڑ ذونَفَرؔ نامی سردارِ قبیلہ سے ہوئی، جس نے اپنے قبیلہ کے ساتھ راستہ روکنا چاہا؛ لیکن شکست کھائی، خود ذونفر قید کر لیا گیا، ابرہہ چاہتا تھا کہ اس کو قتل کردے؛ لیکن ذونفر نے کہا: اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو شاید میں آپ کے کچھ کام آسکوں؛ چنانچہ وہ قیدیوں کی طرح پابہ زنجیر فوج کے ساتھ رکھ لیا گیا، پھر اس فوج کا گذر قبیلہ بنو خَثعَم سے ہوا، نُفَیل بن حبیب اس کے سردار تھے، اس قبیلہ کی دو شاخیں تھیں، شَہران اور نَاہِس، نُفَیل کی قیادت میں اس پورے قبیلے نے مزاحمت کی؛ لیکن یہ بھی شکست سے دوچار ہوئے نفیل کی درخواست پر اس کو ساتھ رکھ لیا گیا؛ تاکہ ان کے ذریعہ راستہ کی معلومات حاصل ہوسکیں۔

پھر جب یہ فوج طائف کے پاس پہنچی تو وہاں کے لوگوں کو فکر ہوئی کہیں یہ فوج ان کی اس عبادت گاہ کو منہدم نہ کردے، جس میں 'لات' نامی بت کی پرستش ہوا کرتی تھی؛ چنانچہ بنو ثقیف کے سردار مسعود بن مُعَتِّب نے آکر ابرہہ سے درخواست کی کہ تم جس گھر کو منہدم کرنا چاہتے ہو، وہ آگے ہے، اور مزید یہ سلوک کیا کہ ابورِغال نامی شخص کو ان کے ساتھ کر دیا؛ تاکہ وہ راستہ بتائے؛ کیوں کہ عرب کے صحرا میں راستہ کی شناخت کوئی معمولی بات نہ تھی، اور کسی واقف کار رہبر کے بغیر انسان اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا تھا، بہر حال طائف سے گذرتے ہوئے یہ فوج مکہ کے قریب مُغَمَّس نامی مقام پر پہنچی، ابرہہ نے یہاں فوج کا پڑاؤ ڈالا اور ابورغال یہیں مر گیا، کہا جاتا ہے کہ ابورغال کے اس جرم کی وجہ سے بہت زمانہ تک عرب اس کی قبر پر پتھر مارا کرتے تھے۔

اب ابرہہ نے حبشہ کے ایک شخص اسود بن مقصود کو مکہ بھیجا، وہ قریش کے جانوروں کو ہنکا کر لے آیا، جس میں دوسو اونٹ رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے، یہ گویا اہل مکہ کو مرعوب کرنے کی ایک کوشش تھی، وہ چاہتا تھا کہ بغیر جنگ کے اس کا مقصد حاصل ہوجائے؛ اس لئے اس نے قبیلہ حِمْیَرْ کے ایک شخص حُناطہ کو مکہ بھیجا اور اہل مکہ کو پیغام دیا کہ ہمارا ارادہ قتل وغارت گری کا نہیں ہے، ہم صرف کعبہ کو منہدم کرنا چاہتے ہیں، اگر اہل مکہ ہمارے اس مقصد میں رکاوٹ نہیں بنیں تو ان کو کسی قسم کا جانی و مالی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، حناطہ جب مکہ پہنچا تو اس نے معلوم کیا کہ یہاں کے سردار کون ہیں؟ لوگوں نے عبدالمطلب کی طرف اشارہ کیا، اس نے عبدالمطلب کو ابرہہ کا پیغام سنایا، عبدالمطلب نے کہا: ہمارے اندر ابرہہ سے مقابلہ کی ہمت نہیں ہے؛ اس لئے ہمیں جنگ نہیں کرنی ہے، کعبہ جس کا گھر ہے، وہ خود اس کو بچائے گا۔

ابرہہ نے کہا تھا کہ سردارِ قوم کو بھی ساتھ لے کر آیا جائے؛ چنانچہ حناطہ کی خواہش پر عبدالمطلب بھی ساتھ گئے، حضرت عبدالمطلب لمبے قد و قامت کے خوبصورت اور وجیہ آدمی تھے، ابرہہ آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور نیچے بیٹھانے کے بجائے خود نیچے اتر آیا، نیز ترجمان کے واسطہ سے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ عبدالمطلب کا جواب بہت ہی خلاف توقع تھا، انھوں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرے دوسو اونٹ —— جو آپ کے فوجیوں نے لوٹ لئے ہیں —— واپس کر دیئے جائیں، ابرہہ نے کہا: تم کو دیکھ کر میرے دل میں تمہاری جو وقعت قائم ہوئی تھی، یہ سن کر کم ہوگئی، میں اس عمارت کو ڈھانے جارہا ہوں، جس کی وجہ سے پورے عرب میں تمہاری عزت قائم ہے، تم نے اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، عبدالمطلب نے کہا: اونٹ کا مالک میں ہوں؛ اس لئے میری ذمہ داری ہے کہ میں اس کو بچاؤں، 'کعبہ' جس کا گھر ہے، وہ اس کو بچائے گا۔ ←

← عبد المطلب قریش کی طرف واپس آئے، ان کو خبر دی اور حکم دیا کہ سب لوگ مکہ سے نکل جائیں اور پہاڑ کی چوٹیوں اور وادیوں میں چلے جائیں کہ کہیں یہ لشکر ہم کو کچل نہ دے؟ پھر عبد المطلب قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ کعبہ کے پاس گئے اور باب کعبہ کے حلقہ کو تھام کر بڑی گریہ وزاری کے ساتھ اللہ سے دُعا کی، جب انسان کے جذبات مشتعل یا متاثر ہوتے ہیں تو جن لوگوں کو شعر وسخن کا ذوق ہوتا ہے، ان کی بات اشعار کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے؛ چنانچہ عبد المطلب نے اشعار کی زبان میں ہی فریاد کی، عبد المطلب نے کہا :

اے اللہ! ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر، ان کی صلیب اور ان کی طاقت تیری طاقت پر غالب نہ آجائے۔

عبد المطلب اس کے بعد پہاڑ کی طرف چلے گئے اور انتظار کرنے لگے کہ ابرہہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے؟ رات گذری، صبح ہوئی، ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری شروع کر دی، ہاتھیوں کے دستہ کو تیار کیا، فوج کی صف بندی کی، ابرہہ کے ہاتھی کا نام محمود تھا، ابرہہ چاہتا تھا کہ کعبہ کو منہدم کر کے یمن کی طرف کوچ کر کے چلا جائے؛ لیکن ہاتھی کسی طور مکہ کی طرف بڑھنے کو تیار نہ تھا، یمن کی طرف رُخ کیا جاتا تو چل پڑتا شام کی طرف رُخ کیا جاتا تو چل پڑتا، مشرق کی طرف رُخ کیا جاتا تو چل پڑتا؛ لیکن جب مکہ کی طرف رُخ کیا جاتا تو بھڑک اُٹھتا، نُفَیل موقع پا کر بھاگ اُٹھے اور مکہ میں پہنچ کر پہاڑ کی پناہ لی، آخر چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک غول سمندر کی طرف سے اُڑتا ہوا آپہنچا، یہ دراصل ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور انسانوں کی فوج کے مقابلہ خدا کی فوج تھی، ان کی چونچ اور پنجوں میں چنے یا مسور کے دانے کے برابر کنکریاں تھیں، انھوں نے کنکریاں برسانی شروع کر دیں، جن کو کنکری لگی، ان میں سے بہت سارے تو ہلاک ہو گئے اور جو لوگ جان بچا کر یمن واپس پہنچے، ان کا بھی حال یہ ہوا کہ پورے جسم پر زخم کے پھوڑے ہو گئے اور ان زخموں نے جان لے کر ہی چھوڑا، خود ابرہہ کا حال یہ ہوا کہ زخم سے ایک ایک عضو خراب ہوتا گیا، انگلیاں کٹ کٹ کر گرتی گئیں اور اچھا خاصا بہادر نوجوان بارُعب سردار جب یمن کو واپس آیا تو پتلا دبلا نحیف وناتواں چوزہ کی طرح نظر آتا تھا؛ بالآخر اس کا سینہ پھٹ گیا اور موت ہو گئی، اس طرح آخر رب کعبہ نے اپنے کعبہ کی حفاظت کی۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۱۸۷ تا ۱۹۲ ودیگر کتب تفسیر)

اس واقعہ کے سلسلہ میں چند باتیں قابل ذکر ہیں :

● بعض حضرات نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور اس کی تاویل کی ہے؛ لیکن جو لوگ اس قسم کی تاویل کرتے ہیں، ان کے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ اس طرح کی خلافِ عادت بات کیسے پیش آسکتی ہے؟ یہ سوچ کی بنیادی غلطی ہے، ہم اگر کسی انسانی عمل کے بارے میں اس طرح کی باتیں سوچیں تو اس کا جواز ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ انسان اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ اشیاء کی عادتوں کو بدل دے، وہ آگ کو جلانے اور پانی کو بہانے سے روک دے؛ لیکن اللہ تعالیٰ خود عادتوں کے خالق ہیں، اللہ چاہیں تو عادتوں کو تبدیل کر سکتے ہیں، معجزہ اسی کا نام ہے کہ عادت کے اعتبار سے آگ کا کام جلانا اور پانی کا کام ڈبونا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے جلایا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانی نے ڈبویا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی کہ آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یعنی یہ جو پرندوں کے ذریعہ ہلاک کرنے کی بات ہوئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی ہے نہ کہ انسانوں کی طرف سے۔ ←

← ● ابرہہ کے لشکر کو کئی عرب قبائل نے روکنے کی کوشش کی؛ لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوئے، اگر اللہ چاہتے تو ان ہی قبائل میں ہمت پیدا کر دیتے اور ابرہہ کی فوج شکست کھا کر بھاگ جاتی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ وہ مادی طاقت کے مقابلہ غیبی طاقت کی بالاتری کو دیکھ لیں، اس لئے چھوٹے چھوٹے پرندوں اور چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ذریعہ لشکر کا کام تمام کر دیا گیا، یہی پرندے جنگی جہاز بن گئے، اور یہی کنکریاں بم بن گئیں۔

● یہ پرندوں کی فوج یمن ہی میں ابرہہ کی فوج کو ٹھکانے لگا سکتی تھی؛ لیکن یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا؛ تاکہ اہل مکہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور انھیں اللہ پر یقین ہو جائے۔

● فوج کے کچھ بچے کھچے لوگ اور خود ابرہہ یمن تک پہونچے اور وہاں جا کر ان کی موت ہوئی؛ حالاں کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ مکہ ہی میں سب کے سب مر جاتے، اس کی مصلحت یہ تھی کہ اہل یمن بھی اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور پھر کبھی بُرے ارادہ سے کعبۃ اللہ کی طرف نظر اُٹھانے کی بھی ہمت نہ کریں۔

● عبد المطلب بت پرستوں ہی میں تھے؛ لیکن جیسا کہ قرآن نے متعدد بار ذکر کیا ہے کہ مشرکین عرب کا حال یہ تھا کہ جب کوئی بڑی مصیبت پیش آتی تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے دُعا کرتے تھے؛ چنانچہ انھوں نے دُعاء کی اور وہ دُعا قبول ہوئی — معلوم ہوا کہ دُعاء قبول ہونے کے لئے دُعا کرنے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، غیر مسلم کی دُعا بھی قبول ہوسکتی ہے۔

● ابرہہ کی فوج کا جو حال ہوا، اس کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ وہ 'عصف ماکول' یعنی کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ہوگئی، اب ایک تو بھوسا خود ریزہ ریزہ ہوتا ہے اور اگر اس کو چبا بھی لیا گیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا حال اور کتنا برا ہو جائے گا؟ مقصد یہ ہے کہ ابرہہ کی فوج کا نہایت ہی برا حال ہوگیا۔

● جس سال رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، یعنی: پانچ سو ستر عیسوی، اسی سال، محرم کے مہینہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور ربیع الاول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، گویا نبوت محمدی ﷺ کے ذریعہ عرب کی سرزمین میں جو انقلاب آنے والا تھا اور جس کا مرکز مکہ مکرمہ کو بننا تھا، یہ اس کی تمہید تھی، اس واقعہ کی وجہ سے کعبہ اور مکہ کی عظمت عربوں کے علاوہ یمن اور حبش تک پہنچ گئی، قریش کا دبدبہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور یقین ہوگیا کہ کعبۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کا محبوب گھر ہے، اہل مکہ نے اس مصیبت کے وقت میں اللہ سے دُعاء کی، جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایمان کا تخم پڑ گیا، یہ واقعہ گویا قدرت کی طرف سے ایک نشان تھا کہ اب دنیا میں دینِ حق کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے، جو کفر کی تاریکیوں کو مٹا کر رکھ دے گا؛ اس لئے اہل علم نے اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے مربوط معجزہ قرار دیا ہے، جو آپ کی ولادت سے پہلے ہی پیش آ گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے میدان تیار کر دیا گیا کہ دعوتِ دین کا آغاز کیا جا سکے؛ تاکہ جلد سے جلد یہ دعوت پورے علاقہ میں متعارف ہو جائے؛ چنانچہ مکہ سے یہ دعوت دُور دُور تک پہنچ گئی، پھر کچھ جد و جہد کے بعد مکہ فتح ہوگیا، اور قریش نے اسلام قبول کرلیا، یہاں تک کہ بالآخر پورا عرب دامن اسلام میں آ گیا۔

سُوْرَةُ قُرَيْش

- سورہ نمبر : (۱۰۶)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۴)
- نوعیت : مکی

پہلی ہی آیت میں 'قریش' کا ذکر آیا ہے، جو عرب کا سب سے معزز قبیلہ تھا، اسی لئے اس سورہ کا نام قریش ہے۔

اہل مکہ کا ذریعہ معاش بنیادی طور پر تجارت تھا؛ لیکن خود مکہ میں نہ زراعت تھی اور نہ صنعت، تجارت کا دارومدار باہر سے لائے ہوئے مال پر ہوتا تھا؛ چنانچہ اہل مکہ سردی کے موسم میں یمن کا اور گرمی کے موسم میں شام کا سفر کرتے تھے، اس زمانہ میں چوں کہ یہ دونوں راستے کسی ایسی حکومت کے تحت نہیں تھے، جو قانون کو نافذ کرتی اور امن وامان قائم رکھتی؛ اس لئے سفر بہت دشوار اور پُرخطر ہوتا تھا؛ لیکن اہل مکہ کو باشندۂ حرم ہونے کی وجہ سے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنے اسی خصوصی انعام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعوت دی ہے کہ اس کا تقاضہ ہے کہ وہ اس گھر کے اصل مالک کی عبادت کیا کریں نہ کہ ان دیویوں اور دیوتاؤں کی، جن کو انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۝۱ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۝۲ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۝۳ الَّذِیۡۤ
اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ۝۴ ع ۳۱

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ چوں کہ قریش عادی ہو گئے ہیں، ۝۱ (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفر سے ان کو اُنس ہو گیا ہے، ۝۲ تو اس لئے ان کو چاہئے کہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں، ۝۳ جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن عطا فرمایا۔ ﴿۱﴾ ۝۴

﴿۱﴾ اصحاب فیل کا جو واقعہ پیش آیا، اس کا تعلق کعبۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے متولی قریش مکہ سے بھی تھا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ خون کا ایک قطرہ بہے بغیر اہل مکہ کو فتح عطا فرما دی، تو اب قریش مکہ پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر کیا جا رہا ہے، جس کا اِس سورہ میں ذکر ہے، ان دونوں سورتوں کے درمیان اسی گہری مناسبت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار مغرب کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں سورہ تین اور دوسری رکعت میں سورہ فیل اور سورہ قریش دونوں سورتوں کو ملا کر پڑھا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۰۰)

نضر ابن کِنانہ کی نسل سے جو لوگ ہوں، وہ 'قریش' کہلاتے ہیں، ان کو قریش کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سلسلہ میں جو بات زیادہ مشہور ہے، وہ یہ ہے کہ یہ خاندان حرم سے باہر مختلف جگہوں میں آباد تھا، قُصَی بن کِلاب نے ان سب کو حرم میں جمع کر دیا، عربی زبان میں ''تقرش'' بکھرے ہوئے لوگوں کے اکٹھے ہو جانے کو کہتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۰۲) اسی لئے یہ قریش کہلانے لگے، قریش مکہ کی سرزمین میں آباد تھے، یہاں کھیتی تو ہوتی نہیں تھی اور مویشی کی پرورش بھی دشوار ہوتی تھی؛ کیوں کہ ان کے لئے چارہ نہیں ہوتا تھا، اونٹ کی پرورش اس لئے کی جاتی تھی کہ وہ ریگستان کے خار دار پودوں کو بھی غذا بنا لیتا ہے؛ اس لئے ان کی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اور کسبِ معاش کا مدار تجارت پر تھا، یہ عام طور پر دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے، سردی کے موسم میں یمن کا؛ کیوں کہ وہاں کا موسم گرم ہوتا تھا، اور گرمی کے موسم میں شام کا؛ کیوں کہ وہاں کا موسم ٹھنڈا ہوتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۰۶) —— اس پورے خطہ میں حکومت اور قانون نام کی کوئی چیز نہیں تھی، اور معاشی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے غربت بھی بہت زیادہ تھی؛ اس لئے قافلوں کے ساتھ لوٹ مار ہوتی رہتی تھی، اور سفر کرنے والوں کو جان و مال کا خطرہ درپیش رہتا تھا؛ لیکن قریش کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، ان پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا، لوگ کہتے تھے کہ یہ اللہ کے گھر کے متولی ہیں، خاص کر ابرہہ کے واقعہ کے بعد لوگوں کی نگاہ میں ان کا درجہ و مقام اور بڑھ گیا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں انھیں تین احسانات یاد دلائے ہیں، اور یہ تینوں انعامات انھیں بیت اللہ کی وجہ سے حاصل تھے، اول: گرم و سرد موسم میں ان کا بے خوف وخطر طویل تجارتی سفر کرنا، دوسرے: ایسی سرزمین میں بسنے کے باوجود —— جہاں پانی نہیں تھا اور گھاس تک نہیں اُگتی تھی —— ان کے لئے غذائی اشیاء کا فراہم ہونا، تیسرے: امن قائم کرنے والی کسی حکومت کے نہ ہونے کے باوجود ان کا مامون رہنا، اور امن بھی ایسا کہ حدود حرم میں ←

← شکار کی بھی جان محفوظ رہے، اور یہ برکت تھی دُعاء ابراہیمی کی، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑتے ہوئے کی تھی: ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ'' (البقرۃ:۱۲۶) یعنی: اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا شہر بنا دیجئے اور یہاں رہنے والوں کو پھل عطا فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کا ذکر کرتے ہوئے — جو قریش مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا — تلقین کی ہے کہ اس کا شکرانہ یہ ہے کہ تم بتوں کو پوجنے کی بجائے اسی گھر کے مالک کی عبادت کرو — اس سورہ میں سبق کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ معاشی ضروریات کی تکمیل اور امن وامان اللہ کی دو بڑی نعمتیں ہیں، اگر انسان کو یہ دو نعمتیں حاصل ہوں تو گویا اس کو اس دنیا کی تمام نعمتیں حاصل ہیں، اور اس کا فریضہ ہے کہ اس کے لئے اپنے پروردگار کا شکر ادا کرے۔

سُورَةُ المَاعُون

- سورہ نمبر : (۱۰۷)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۷)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کا اختتام ' ماعون ' کے لفظ پر ہوتا ہے ؛ اس لئے اس کا نام ماعون ہے ، زیادہ تر اہل علم نے اس سورہ کو مکی قرار دیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا خیال ہے کہ یہ مدنی سورہ ہے ، غور کیا جائے تو اس سورہ کی ابتدائی آیات مشرکین مکہ کے حالات سے مطابقت رکھتی ہیں ، جیسے : قیامت کا انکار ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بدسلوکی ؛ جب کہ آخری آیتیں مدینہ کے منافقین کے حالات سے ہم آہنگ ہیں ، جیسے : نماز سے غفلت ، عمل میں ریا کاری اور عام حسن وسلوک میں بھی بخل سے کام لینا ؛ اسی لئے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور آخری مدینہ منورہ میں ۔

اس سورہ میں جہاں آخرت کو جھٹلانے کی مذمت کی گئی ہے ، وہیں متعدد اخلاقی برائیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ، جیسے : یتیموں کے ساتھ بدسلوکی ، غریبوں کے معاملہ میں بخل ، نماز سے غفلت ، ریا کاری ودکھاوا ، اور روزمرہ کے استعمال کے چیزوں میں بھی تنگ دلی اور بخالت ، اس طرح اس سورہ میں اختصار کے باوجود ایمانیات اور اخلاقیات دونوں طرح کے مضامین آگئے ہیں ۔

○ ○ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ
الْمِسْكِيْنِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ هُمْ
يُرَآءُوْنَ ۝٦ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧ ع ۳۲

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا، جو جزاء وسزا کو جھٹلاتا ہے؟ ۝١ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، ۝٢ محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ۝٣ تو ایسے نماز پڑھنے والوں کے لئے تباہی ہے، ۝٤ جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں ۝٥ جو ریاکاری کرتے ہیں، ۝٦ اور جو روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بھی (عاریۃً) نہیں دیتے۔ ﴿۱﴾ ۝٧

﴿۱﴾ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے چھ باتوں کی مذمت فرمائی ہے، ان میں سے بعض باتیں تو عام کافروں میں پائی جاتی تھیں، جن کو اپنے کفر کا اقرار تھا، اور بعض باتیں منافقین میں پائی جاتی تھیں؛ اسی لئے مفسرین نے ان میں سے پہلی تین باتوں کو عام کفار سے متعلق قرار دیا ہے، اور بعد کی تین باتوں کو منافقین سے، پہلی بات جس کی مذمت کی گئی ہے، وہ ہے: قیامت کا انکار، مختلف مفسرین نے ولید بن مغیرہ یا ابوجہل یا ابوسفیان وغیرہ کے نام لئے ہیں کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار مکہ عمومی طور پر قیامت کا انکار کرتے تھے: اس لئے تمام ہی لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں، دوسری برائی —— جس کا ذکر کیا گیا —— وہ ہے یتیموں کو دھکا دینا، ابوسفیان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ہر ہفتہ ایک اونٹ ذبح کرتا تھا؛ لیکن ایک یتیم نے اس میں سے کچھ مانگا تو لاٹھی سے اس کی خبر لے لی، یتیموں کے ساتھ بڑا ظلم یہ تھا کہ ان کو میراث میں حق نہیں دیا جاتا تھا، تیسرے: اس بات کی مذمت کی گئی کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ہیں، اور جب دوسروں کو ترغیب نہ دیں تو خود کیا خاک کھلائیں گے؟ اور بہانہ یہ ہوتا تھا کہ ہم ان کو کیسے کھانا کھلائیں؟ اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ وہ کھانا کھائیں تو اللہ تعالیٰ خود ان کو کھلا دیتا، سورہ یٰسین میں اس کا ذکر آیا ہے۔ (آیت نمبر: ۴۷)

آگے منافقین سے متعلق تین باتوں کا ذکر ہے، اول یہ کہ اگرچہ وہ خوف یا شرما شرمی میں نماز پڑھ لیتے ہیں، مگر غفلت کے ساتھ، یعنی کبھی پڑھی اور کبھی نہیں پڑھی، کبھی اتنی تاخیر کردی کہ وقت گزر گیا، پڑھی تو اس طرح کہ ارکان نماز کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا، بے دلی کے ساتھ پڑھی، دوسری برائی: رِیا اور دِکھاوا ہے، یعنی نماز پڑھی یا زکوٰۃ دی تو مقصد عمل نہیں؛ بلکہ عمل کی نمائش ہوتا ہے، تیسری برائی: ''ماعون'' کو بھی روک لینا ہے، ماعون سے کیا مراد ہے؟ یوں تو اس سلسلہ میں مختلف رائیں ہیں؛ لیکن دو قول زیادہ مشہور ہیں، ایک حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے کہ اس سے برتنے کی وہ عام چیزیں مراد ہیں، جو ایک دوسرے کو استعمال کے لئے دی جاتی ہیں، جیسے آگ، پانی، برتن، لوٹا، گلاس وغیرہ، عرب شاعروں نے بھی ماعون کو اس معنی میں استعمال کیا ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے، دوسرے قول کے مطابق اس سے زکوٰۃ مراد ہے، یہ رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ ←

← اورحضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے، منافقین کی یہ تینوں خصوصیات یعنی نماز میں سستی، دکھاوا اور بخل کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی آیا ہے۔(دیکھئے: نساء:۱۴۲)

اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایات مسلمانوں کو بھی متوجہ کرتی ہیں؛ کیوں کہ ان برائیوں میں سے پہلی چیز کا تعلق ایمان سے ہے، باقی پانچوں باتوں کا تعلق عمل سے ہے، اور یہ کوتاہیاں مسلمانوں سے بھی ہوسکتی ہیں؛ بلکہ آج مسلم سماج میں بکثرت ہورہی ہیں؛ البتہ اس سلسلہ میں چند وضاحتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے :

● اول: اگر کوئی شخص اپنی مجبوری ومحتاجی کی وجہ سے یتیم اور محتاج کو کھانا نہ کھلا سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

● دوسرے: محتاجوں کی مدد کی ترغیب دینی چاہئے؛ لیکن جس کو ترغیب دی جاسکتی ہو، اگر اس سے بات ماننے کی توقع نہ ہو تو ترغیب دینا واجب نہیں، ہاں اگر کوئی شخص فاقہ سے دوچار ہو اور خود کھانا کھلانے کے موقف میں نہ ہو، دوسرا شخص ایسا موجود ہو، جس کو ترغیب دی جاسکے اور اس کے اندر اس کی استطاعت بھی ہو تو پھر ترغیب دلانا واجب ہوگا؛ کیوں کہ جب کوئی شخص بھوک میں اضطرار کے درجہ میں پہنچ جائے تو اس کی مدد واجب ہوجاتی ہے۔

● تیسرے: اگر نماز چھوٹ جائے، قصداً نہ چھوڑی جائے، خواہ یہ چھوٹ جانا بھول کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، تو گنہگار نہ ہوگا؛ البتہ قضاء واجب ہوگی۔

● چوتھے: نماز میں اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو رکھنی چاہئے؛ لیکن اگر کوشش کے باوجود توجہ ہٹ گئی اور غیر ارادی طور پر دوسرے خیالات ذہن میں آگئے تو چوں کہ انسان اس میں معذور ہے تو اُمید ہے کہ وہ اس کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگا۔

● پانچویں: فرائض کو لوگوں کے سامنے ادا کرنے میں حرج نہیں؛ بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے، جیسے فرض نمازوں کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا، اور بعض صورتوں میں بہتر ہے، جیسے اس لئے علانیہ طور پر کارِ خیر میں خرچ کرنا کہ دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب ہو۔

● اگر کوئی شخص نفل عبادت کرتا ہو اور ارادہ دکھاوے کا نہ ہو؛ لیکن کوئی اسے دیکھے یا اللہ کی توفیق سے کسی نے اچھے عمل کئے، لوگوں نے اس کی تعریف کردی اور اسے خوشی ہوئی تو یہ صورتیں ریا میں داخل نہیں ہیں؛ کیوں کہ دوسروں کے دیکھ لینے میں انسان کے قصد وارادہ کو دخل نہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ایک دوسرے کے سامنے عبادت کیا کرتے تھے، اسی طرح تعریف پر خوش ہونا ایک طبعی چیز ہے، اس میں بھی انسان کے ارادہ کو دخل نہیں؛ اس لئے یہ چیزیں ریا کے دائرہ میں نہیں آئیں گی، کسی کام کے ریا پر مبنی ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے اس عمل کو نہ دیکھتے یا اس کی تعریف نہ کی گئی ہوتی تو وہ اس عمل کو کرتا ہی نہیں۔

● ایک اہم بات جو ان آیات سے معلوم ہوئی، وہ ماعون سے متعلق ہے، ماعون ایسی چیزیں ہیں، جو عام طور پر عاریۃً ایک دوسرے کو دی جاتی ہیں، اور اس کا انحصار ہر زمانہ اور ہر پیشہ کے عرف پر ہے، موٹر مکینک ایک دوسرے کو بعض اوزار دیتے ہیں، اسی طرح الکٹریشن، پلمبر اور تعمیری کام کرنے والے ایک دوسرے کو وقتی طور پر اپنے اوزار استعمال کرنے کے لئے دیتے ہیں، اہل علم قلم، کاغذ کا ٹکڑا اور اس طرح کی چیزیں استفادہ کے لئے دیتے ہیں، یہ سب چیزیں ماعون میں شامل ہیں؛ البتہ ماعون کا دینا اخلاقی واجبات میں سے ہے نہ کہ شرعی واجبات میں سے؛ اس لئے اگر کوئی شخص نہ دے تو ثواب سے تو محروم رہے گا؛ لیکن گنہگار نہیں ہوگا۔

سُوۡرَةُ الكَوۡثَرِ

- سورہ نمبر : (۱۰۸)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۳)
- نوعیت : مکی

سورہ کی پہلی ہی آیت میں 'کوثر' کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ کوثر ہے، یہ قرآن مجید کی سب سے مختصر سورہ ہے، جو دس الفاظ اور چالیس حروف پر مشتمل ہے، زیادہ تر صحابہ سے منقول ہے کہ یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، یہی اُم المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے؛ اسی لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ سورہ حالات کی مناسبت سے دوبار آپ ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔

یہ سورہ مکہ میں آپ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی، جب دشمنانِ اسلام کی عداوت اپنے عروج پر تھی اور ایسے حالات تھے جو طاقتور سے طاقتور آدمی کے حوصلوں کو بھی توڑ دیں، اس ماحول میں آپ ﷺ کی دلداری اور تسلی کے لئے یہ سورہ نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعلیٰ مقام ومرتبہ سے نوازا ہے اور جو لوگ آپ ﷺ کی دشمنی پر کمر باندھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان ہی کو بے نام ونشان کردیں گے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۝۳

ع ۱ ۳۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، ۝۱ تو آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کیجئے اور قربانی کیا کیجئے ۝۲ یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔ ﴿۱﴾ ۝۳

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے پیدا ہوئے، صاحبزادیاں تو زندہ رہیں؛ لیکن دونوں صاحبزادے جن میں سے ایک کا نام قاسم رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، بچپن ہی میں وفات پاگئے، پھر مدنی زندگی میں آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اور وہ بھی بچپن میں وفات پاگئے، اولادِ نرینہ کے باقی نہ رہنے میں غالباً اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکمت تھی کہ عام طور پر ایک پیغمبر کے بعد اس کی اولاد کو پیغمبری سے نوازا جاتا تھا؛ جب کہ رسول اللہ ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم ہوچکا، اگر آپ کی نرینہ اولاد میں سے کوئی زندہ رہتی تو لوگوں کو غلط فہمی ہوسکتی تھی، اور جن لوگوں کے مزاج میں غلو ہوتا ہے وہ اس قسم کا مسئلہ کھڑا کرسکتے تھے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آپ کی کوئی اولادِ نرینہ باقی نہیں رکھی گئی۔

جس شخص کی کوئی اولادِ نرینہ باقی نہ رہے، عرب اس کو 'ابتر' کہا کرتے تھے اور ان کا گمان تھا کہ مرنے کے بعد یہ شخص بے نام ونشان ہوجاتا ہے، کوئی اس کا نام لینے والا نہیں ہوتا؛ چنانچہ جب آپ کے دو دو صاحبزادوں کا انتقال ہوگیا، تو مشرکین مکہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ابولہب حالاں کہ آپ کا چچا تھا؛ لیکن وہ بھی اپنی خوشی کو چھپا نہ سکا، اور کہنے لگا کہ اب کچھ ہی دنوں کی بات ہے، محمد ﷺ کے بعد کوئی شخص اس کے دین کا نام لیوا باقی نہیں رہے گا؛ کیوں کہ اس کی کوئی اولادِ نرینہ بچی ہی نہیں، اسی پس منظر میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئیں، بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر یعنی ہجرت کے بعد میں یہ سورت نازل ہوئی، اس لئے ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ آیتیں اصل میں تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہوں؛ لیکن جب اسی قسم کا حادثہ مدینہ میں پیش آیا اور اہل مکہ نیز یہود ومنافقین کی طرف سے طعن وتشنیع کا یہی تیر پھر برسنے لگا تو آپ کی دلداری کے لئے دوبارہ یہ سورہ نازل کی گئی ہو، اس سورہ میں دو خوشخبریاں ہیں اور دو احکام ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی خوشخبری یہ ہے کہ ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے، کوثر کے اصل معنی کثیر شئے کے ہیں؛ لیکن یہاں کونسی کثیر شئے مراد ہے؟ اس سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے، (بخاری عن انس، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۶۸۰) امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں، اس کی سطح موتی اور یاقوت کی ہوگی، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوگا، (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۶۱) ←

← دوسری بات جو کوثر کے سلسلہ میں آئی ہے، وہ یہ کہ یہ وہ حوض ہوگا، جس پر قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی اُمت وارد ہوگی، اور اس میں پانی لینے کے برتن ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، (مسلم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۰۰) ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، یہ نہر اصل میں تو جنت کی ہوگی؛ لیکن میدان حشر کے اس حوض میں اس کا پانی منتقل کیا جائے گا، دونوں میں تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے۔

دوسری خوشخبری یہ دی گئی کہ اعدائے اسلام تو کہتے ہیں کہ آپ کا نام ونشان مٹ جائے گا؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا نام قیامت تک باقی رہے گا؛ البتہ آپ کے دشمنوں کے نام مٹ جائیں گے؛ چنانچہ آج اس حقیقت کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے کہ دن ورات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ اہل ایمان آپ پر صلوۃ وسلام نہ بھیج رہے ہوں، اور آپ کی رسالت کی گواہی نہ دے رہے ہوں، آج دنیا کے ایک ارب سے زیادہ انسانوں کے لئے سب سے زیادہ محبوب اور پیارا نام آپ ﷺ کا نام ہے، اگر ان لوگوں کا شمار کیا جائے جن لوگوں کے نام محمد اور احمد رکھے گئے ہیں تو شاید دنیا میں ان کی تعداد کئی کروڑ ہوجائے گی؛ لیکن آج کوئی شخص اپنی اولاد کا نام ابولہب، عتبہ اور عقبہ کے نام پر نہیں رکھتا، اور اگر ان کے نام لئے بھی جاتے ہیں تو ناپسندیدہ نام کی حیثیت سے، اور یہ بھی آپ ہی کی نسبت سے۔

جن باتوں کا حکم دیا گیا، وہ دو ہیں، ایک: نماز پڑھنے کا، اب یا تو اس سے تمام فرض نمازیں مراد ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہی نقطۂ نظر منسوب ہے، اور یا اس سے مراد نماز عید الاضحیٰ ہے، مختلف اکابر اہل علم اسی طرف گئے ہیں اور اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے تقویت پہنچتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے قربانی کیا کرتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے؛ چنانچہ آپ کو حکم دیا گیا کہ پہلے نماز ادا کریں پھر قربانی کیا کریں، (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۲۱۸) —— دوسرا حکم قربانی کا دیا گیا، ''نحر'' اصل میں تو اونٹ کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں، جس کے سینہ پر چھرا لگا کر شہ رگ کاٹی جاتی ہے؛ لیکن بعض اوقات ہر جانور کے ذبح کرنے کو نحر سے تعبیر کردیا جاتا ہے —— یہاں نماز عید اور قربانی کا حکم عربی گرامر کے مطابق امر کے صیغہ سے دیا جارہا ہے، یعنی لازمی عمل کی حیثیت سے اس کی تلقین کی جارہی ہے؛ اس لئے نماز عید کی ادائیگی بھی واجب ہے، (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۵) اور قربانی بھی صاحب استطاعت لوگوں پر واجب ہے۔ (المبسوط: ۶/ ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کے ذریعہ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ دشمن سے نجات پانے، اس کے منصوبوں کو ناکام ونامراد کرنے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کا غیبی نسخہ نماز اور قربانی ہے۔

سُورَةِ الکَافِرُون

- سورہ نمبر : (۱۰۹)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۶)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں کافروں کو مخاطب کیا گیا ہے؛ اس لئے اس کا نام 'کافرون' ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ کو چوتھائی قرآن قرار دیا ہے، (ترمذی عن عبد اللہ بن عباسؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۴) حضرت زید بن حارثہؓ کے بھائی جبیرہ بن حارثہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوتے وقت جب بستر پر لیٹ جاؤ تو اس پوری سورہ کو پڑھ جاؤ؛ کیوں کہ یہ شرک سے بے زاری کا اظہار ہے: ''فإنها براءة من الشرك'' (طبرانی، عن حبلة بن حارثہ، حدیث نمبر: ۲۱۹۵) آپ ﷺ سے طواف کی دو رکعتوں میں اس سورہ کا اور 'قل ہو اللہ' کا پڑھنا ثابت ہے، (مسلم، عن جابر، حدیث نمبر: ۱۲۱۸) حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک روایت میں فجر کی سنت میں آپ ﷺ کے ان دونوں سورتوں کی قراءت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (مسلم، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۷۲۶)

اس سورہ کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ ایمان کے لئے صرف اللہ کی عبادت کافی نہیں، غیر اللہ کی عبادت کا انکار بھی ضروری ہے، توحید اور شرک یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں، دونوں کو جمع کرنے کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں روشنی اور تاریکی کو یکجا کرنے کی کوشش کرے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۱ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝۳ وَلَاۤ اَنَا
عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝۴ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝۵ لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ۝۶
ع ۱ ۶ ۳۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجیے: اے ایمان سے انکار کرنے والو! ۝۱ نہ تو میں اس کی عبادت کرتا ہوں، جس کی تم پوجا کرتے ہو، ۝۲ اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو، جس کی عبادت میں کرتا ہوں ۝۳ اور (آئندہ بھی) نہ میں اس کی عبادت کروں گا، جس کو تم پوجتے ہو، ۝۴ اور نہ تم (موجودہ صورت حال کے اعتبار سے) اس خدا کی عبادت کرنے والے ہو، جس کی میں عبادت کرتا ہوں، ۝۵ تو تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین! ﴿۱﴾ ۝۶

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی، تو اگر چہ ایک مختصر تعداد ہی نے اسلام قبول کیا؛ لیکن مشرکین کی بڑی تعداد کا بت پرستی پر یقین متزلزل ہونے لگا، اور ان کے ذہن میں یہ سوال اُٹھ کھڑا ہوا کہ ہم جس مذہب کی پیروی کر رہے ہیں، کیا واقعی یہ سچا مذہب ہے؟ مکہ کے سرداروں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو مسلمانوں پر ایذا رسانی کے سارے ہتھیار آزمانے لگے، مگر جب اُنھوں نے تجربہ کر لیا کہ ایمان کا نشہ ایسا نشہ ہے، جو اُتارے نہیں اُترتا! تو اب اُنھوں نے لالچ، ترغیب اور مصالحت کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی، اور سرداران مکہ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا: آؤ، ہم اس بات پر صلح کرلیں کہ جس خدا کی آپ عبادت کرتے ہیں، ہم بھی اس کی عبادت کیا کریں گے، اور جن معبودوں کی ہم پوجا کیا کرتے ہیں، آپ بھی ان کی عبادت کریں، اور تمام اُمور میں ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں، تو تم جس مذہب کو لے کر آئے ہو، اگر اس میں خیر ہو گی تو ہماری بھی اس میں شرکت ہو جائے گی اور اس میں سے ہمیں ہمارا حصہ مل جائے گا، اور ہم جس مذہب پر عمل پیرا ہیں، اگر اس میں خیر ہو تو تم اس میں سے اپنا حصہ پالو گے، اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے عبادت کو سال میں تقسیم کرنے کو کہا کہ ایک سال آپ ہمارے معبود — لات وعزیٰ — کی عبادت کریں اور ایک سال ہم سب مل کر آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۲۹)

ظاہر ہے کہ یہ بات نا قابل قبول تھی، جیسے ایک چیز بیک وقت سفید اور سیاہ نہیں ہو سکتی، جیسے روشنی اور تاریکی کا جمع ہونا ممکن نہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک شخص بیک وقت توحید کا قائل بھی ہو اور شرک کا مرتکب بھی؛ البتہ قرآن مجید نے ایک ایسے سماج کے لئے جس میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ ہوں، صلح کا ایک دوسرا فارمولہ پیش کیا، کہ جو گروہ توحید پر یقین رکھتا ہو، وہ ایک اللہ کی عبادت کیا کرے، اور جو شرک پر قائم ہو، مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ وہ اس میں زور زبردستی نہ کریں، ان کو ان کے مذہب پر عمل کرنے دیں، زندگی کے دوسرے مسائل میں بھی مسلمان اپنے دین یعنی اپنے مذہبی طور وطریق پر عمل کریں، ←

← اور دوسرے مذہب کے لوگ اپنے طریق پر عمل کریں؛ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا طریقۂ کار یہی رکھا، رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو ان ہی اُصولوں پر آپ نے مسلمان اور یہودی قبائل کے درمیان معاہدہ کرایا، اور فقہاء نے بھی مسلمان ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے لئے اسی اُصول کو اختیار کیا کہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی، کثیر مذہبی سماج کے لئے اس سے زیادہ موزوں کوئی صورت نہیں ہوسکتی، آج کل مغربی مفکرین اس اُصول کو مغرب کی دَین قرار دیتے ہیں؛ مگر یہ غلط ہے، جس وقت دنیا میں عیسائی اقوام یہودیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہی تھیں اور جب خود عیسائی فرقوں میں ان لوگوں کو زندہ جلانے کی سزا دی جارہی تھی، جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے کو تیار نہیں تھے، اس وقت اسلام نے مذہبی رواداری کا یہ تصور پیش کیا۔

اس سے جہاں ایک طرف مذہبی رواداری کی تعلیم ملتی ہے کہ مسلمان دوسروں کے مذہبی معاملات میں خواہ مخواہ دخل اندازی نہ کریں، وہیں ایک دوسری تعلیم یہ بھی ملتی ہے کہ رواداری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی شناخت کھودیں اور دوسروں کے رنگ میں رنگ جائیں، اپنے دین اور اپنی دینی شناخت پر قائم رہتے ہوئے دوسرے اہل مذاہب کے معاملہ میں چھیڑ خانی سے بچنا رواداری ہے، افسوس کہ آج کل بعض مسلمان رواداری کے نام پر غیر اسلامی شعائر کو اختیار کرنے لگتے ہیں، وہ لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں، اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

اس سورہ کے بالکل شروع میں مشرکین مکہ کو '' کافرون'' کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے؛ لیکن تفسیر، حدیث یا سیرت کی کتابوں میں کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ انھوں نے اس پر کوئی احتجاج کیا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو یہ تعبیر ناگوار نہیں گزرتی تھی؛ کیوں کہ کافر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو عقیدہ توحید کا انکار کرتا ہے، تو جو شخص توحید کا منکر ہو، اگر اس کو کافر کہا جائے تو اس میں اس کی کوئی توہین نہیں، آج کل بعض غیر مسلم یہ سمجھتے ہیں کہ 'کافر' کہہ کہ ان کی توہین کی جاتی ہے؛ حالاں کہ جو شخص عقیدۂ توحید کا انکار کرتا ہو، اسے کافر کہنے میں کوئی اہانت نہیں۔

سُورَةُ النَّصۡرِ

- سورہ نمبر : (۱۱۰)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۳)
- نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’’نصر‘‘ کے معنی مدد کے ہیں، سورہ کی پہلی آیت میں نصر کا لفظ آیا ہے، اس مناسبت سے اس کا نام سورہ نصر ہے؛ چوں کہ اسی آیت میں ’فتح‘ کا لفظ بھی آیا ہے، جس سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے؛ اس لئے اس کو سورۂ فتح بھی کہتے ہیں، اس کے علاوہ اس کا ایک نام ’’سورۂ تودیع‘‘ بھی ہے — تودیع کے معنی ہیں: رُخصت کرنا، الوداع کہنا؛ چوں کہ اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رُخصت ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے؛ اس لئے اس سورہ کا یہ نام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ اس سورہ میں مستقبل قریب میں مکہ کے فتح ہونے، مشرکین کے مقابلہ مسلمانوں کے فتح یاب ہونے، پورے عرب میں اسلام کے پھیل جانے اور رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رُخصت ہوجانے کی طرف اشارہ ہے، اس سورہ کے آخر میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ حجۃ الوداع کے موقع سے آپ ﷺ پر نازل ہوئی؛ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آخری سورہ ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی، (سنن نسائی، عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، حدیث نمبر: ۱۱۶۴۹) یعنی بعض آیات تو اس کے بعد بھی نازل ہوئی ہیں؛ لیکن سب سے آخر میں نازل ہونے والی مکمل سورہ یہی ہے — حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس سورہ کو بھی چوتھائی قرآن قرار دیا۔ (ترمذی، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۵)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۝۱ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝۳

وقف النبی ﷺ

ع ۱ ۳۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی، ۝۱ اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، ۝۲ تو اپنے پروردگار کی تعریف اور پاکی بیان کیجیے اور اسی سے مغفرت کی دُعا فرمایئے، یقیناً اللہ خوب توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ۝۳

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ پر اخیر زمانہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں، ان میں ایک یہ بھی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع میں جب آپ منیٰ میں تھے تو یہ سورہ نازل ہوئی، پھر اس کے بعد سورہ مائدہ کی آیت نمبر: ۳ نازل ہوئی، اس کے بعد آپ صرف ۸۰ دنوں دنیا میں رہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۲۳۳) اس سورہ میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے، ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا، عربوں کا عقیدہ تھا کہ حرم پر اسی کا نظم و نسق قائم ہو سکتا ہے، جس کے ساتھ اللہ کی مدد ہو؛ اس لئے مکہ فتح ہونے کے بعد لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے، فتح مکہ کے بعد اشاعت اسلام کی تیز رفتاری کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ تھے اور دو سال سے بھی کم عرصہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے رفقاء کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی، اور عرب کے حدود سے باہر بھی اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی، یہاں تک کہ آپ کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دنیا کی دو بڑی طاقتیں —— روم و ایران —— اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گئیں۔

اس سورہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا تھا، اب وہ مقصد پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح تو آپ پہلے بھی کرتے تھے، استغفار کا معمول تو پہلے بھی تھا؛ لیکن اب اس معمول کو بڑھا دیجئے؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کثرت سے ''سبحانک ربنا وبحمدک ، اللّٰھم اغفرلی'' پڑھنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کثرت سے رکوع وسجدہ میں ''سبحانک اللّٰھم ربنا و بحمدک اللّٰھم اغفرلی'' پڑھا کرتے تھے، (بخاری، باب الدعاء فی الرکوع، حدیث نمبر: ۷۶۱) اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اخیر عمر میں اُٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے ''سبحان اللّٰہ وبحمدک استغفر اللّٰہ واتوب إلیہ'' پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور اسی سورہ کو پیش کرتے تھے۔ (الدر المنثور: ۸/ ۶۶۳)

اگرچہ اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کو تسبیح، تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے؛ لیکن بعض صحابہ اس سورہ کو سن کر سمجھ گئے کہ اس میں حضور ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی مجلس شوریٰ میں شریک رکھا ←

← اوران کی کم سنی کی وجہ سے بعض اکابر صحابہ کو اس پر تأمل ہوا تو بطور امتحان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء سے اس سورہ کی تفسیر دریافت کی، سبھوں نے اس کے مضمون کو بیان کر دیا؛ لیکن جب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: اس میں آپ کی وفات کی اطلاع ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی یہی سمجھا ہے۔ (خلاصہ از تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۲۹ تا ۲۳۳)

سورۃ تَبَّتْ/لَهَبْ

- سورہ نمبر : (۱۱۱)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۵)
- نوعیت : مکی

چوں کہ اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں 'ابولہب' کا ذکر ہے؛ اس لئے اس کا نام سورۂ لہب ہے۔

مکہ میں یوں تو آپ ﷺ کے دشمنوں اور مخالفت کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی ؛ لیکن جو لوگ اس مخالفت میں پیش پیش تھے، ان میں ایک ابولہب تھا ؛ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ ان میں سب سے آگے تھا ، اس کی یہ عداوت دوسرے لوگوں کے مقابلہ زیادہ افسوس ناک بھی تھی اور باعث تعجب بھی ؛ کیوں کہ ابولہب آپ ﷺ کا حقیقی چچا اور بنو ہاشم کے سرداروں میں سے تھا، اس لحاظ سے اگر ایمان نہ لاتا، تب بھی رشتہ وقرابت کے لحاظ سے اس کو رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح پشت پناہی کرنی چاہئے تھی ، جیسے حضرت ابو طالب نے کی تھی ؛ لیکن اس کی بجائے اس نے آپ ﷺ کے ساتھ حد درجہ عناد اور دشمنی کا معاملہ کیا اور عربوں کی عام روایت کا بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا ، جس کا ایک اہم حصہ تھا ، رشتہ وقرابت کا لحاظ ؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ کے تمام دشمنوں میں ابولہب ہی وہ بد بخت شخص ہے، جس کی برائیوں کا قرآن نے نام لے کر ذکر کیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ ؕ۝۱ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ؕ۝۲ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚ۝۳
وَّامۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ۚ۝۴ فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۝۵

ع ۱/۵ ۳۶

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے، ۝۱ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ۝۲ وہ عنقریب شعلہ والی آگ میں داخل ہوگا ۝۳ اور اس کی بیوی بھی، جو سر پر لکڑیاں لاد کر لاتی ہے، ۝۴ اس کے گلے میں ایک خوب بٹی ہوئی رسّی ہوگی۔ ﴿۱﴾ ۝۵

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو سب سے زیادہ جن کی طرف سے آپ کو تقویت پہنچی، وہ بھی آپ کے ایک چچا حضرت ابوطالب تھے، اور جن کی طرف سے آپ کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچی، وہ بھی آپ کا چچا ہی تھا: ابولہب، ابولہب کا اصل نام عبدالعزی تھا، اس کی خوبصورتی اور چہرہ کی خوش رنگی کی وجہ سے اس کو ابولہب کہا جاتا تھا، یعنی ایسا شخص جس کا چہرہ شعلہ کی طرح دمکتا ہے، اس کی بیوی کا نام اُمِ جمیل تھا، جو ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی، رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے کے بعد جب تک یہ دونوں میاں بیوی زندہ رہے، آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

جب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلی بار صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر اہل مکہ کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو ابولہب نے کہا: ''تباً لک أما جمعتنا إلا لهذا؟'' (تم ہلاک ہو جاؤ، کیا تم نے ہمیں اسی کے لئے جمع کیا تھا؟) اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی، اس کی بیوی ام جمیل بھی آپ کو تکلیف پہنچانے میں پیش پیش رہتی تھی؛ حالاں کہ ابولہب مکہ کے دولت مند لوگوں میں تھا؛ لیکن بخل کا حال یہ تھا کہ اس کی بیوی اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا ڈھیر اُٹھا کر لاتی تھی اور اسے بُنی ہوئی رسّی سے اپنی پیٹھ پر رکھ کر گردن سے باندھ لیتی تھی۔

چنانچہ اس سورہ میں ابولہب اور اس کی بیوی کے خراب انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہ جملہ کہ ''ہاتھ ٹوٹ جائیں اور ہلاک ہو جائے'' محاورہ ہے، جو اُردو میں بھی بولا جاتا ہے؛ چنانچہ ابولہب کا انجام یہ ہوا کہ غزوۂ بدر کے ایک ہفتہ بعد ہی اس نے حضرت اُمِ فضل کے غلام کو مارنے کی کوشش کی تھی، انھوں نے اپنے غلام ابورافع کو مارنے کی وجہ سے اس پر ایک لکڑی سے وار کیا، اس سے اس کو زہریلا زخم ہو گیا اور اس کے پورے بدن پر پھیل گیا، جس کو عرب ''عدسہ'' کہا کرتے تھے، اور اس کو متعدی بیماری سمجھا جاتا تھا، مرنے کے بعد بھی تین دنوں اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی، لوگ بیماری کے ڈر سے قریب نہ جاتے تھے، اسی طرح تین دن گزر گئے، جب بدبو بہت بڑھ گئی تو کسی طرح اس پر اس کے لڑکوں نے دُور ہی سے پانی بہا دیا، اور مکہ کے بالائی حصہ پر ایک دیوار سے لگا کر اوپر سے پتھر ڈال دیا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو اس کا مال اور کمائی کچھ کام نہ آئے گی، یہ تو دنیا کا حال ہے، اور آخرت میں جو دوزخ میں جھونکا جائے گا، یہ اس سے کہیں دردناک اور بڑی سزا ہوگی۔

←

← ابولہب کی بیوی اُمِ جمیل کا حال یہ ہوا کہ وہ جو لکڑی اُٹھا کر لایا کرتی تھی، اسی کی رسّی اس کے گردن کا پھندا بن گئی اور وہ مر گئی، آیت نمبر: ۴ اور ۵ میں اسی کی طرف اشارہ ہے ـــــ ''حمالۃ الحطب'' کا ایک اور معنیٰ 'چغل خوری کرنے والی' کے بھی ہیں، جیسے ایندھن کی لکڑی لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر بیچتے ہیں، اسی طرح غیبت کرنے والے مختلف لوگوں کے پاس جا جا کر ایک دوسرے کی چغل خوری کرتے ہیں۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۴۰)

سُورَةُ الإِخلاص

- سورہ نمبر : (۱۱۲)
- رکوع : (۱)
- آیتیں : (۴)
- نوعیت : مکی

اس سورہ کے بہت سے نام منقول ہیں؛ لیکن سب سے مشہور نام 'سورۂ اخلاص' ہے، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس میں توحید خالص کے عقیدہ کو پیش کیا گیا ہے اور شرک کی تمام صورتوں کا رد فرمایا گیا ہے، اس سورہ میں مشرکین کی بھی تردید ہے، جو اللہ کے ساتھ اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے دیویوں دیوتاؤں کو شریک ٹھہراتے تھے، عیسائیوں کا بھی رد ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلاوت کو ایک تہائی قرآن مجید کی تلاوت قرار دیا ہے، (بخاری، عن ابی سعید خدریؓ، حدیث نمبر: ۵۰۱۳) غور کیا جائے تو یہ مضمون کے اعتبار سے بھی ایک تہائی قرآن ہے؛ کیوں کہ ایمان کے بنیادی اجزاء تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت اور اس سورہ میں توحید کے مضمون کو نہایت ہی واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۝۳ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ ع ۳۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے، ۝۱ اللہ بے نیاز ہے، ۝۲ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، ۝۳ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ ﴿۱﴾ ۝۴

﴿۱﴾ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدہ کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ مشرکانہ افکار کی تمام بنیادیں کٹ جائیں، دنیا کی بہت سی قومیں خدا کو ایک مانتی ہیں؛ لیکن وہ کسی دوسری جہت سے شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں شرک کی تمام صورتوں کی نفی کر دی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اس کی بڑی خوب وضاحت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

(۱) کبھی تعداد میں شرک کیا جاتا ہے، یعنی ایک کی بجائے دو، تین یا بہت سے خدا مانے جاتے ہیں، جیسے ہمارے ہندو بھائیوں کے یہاں ہزاروں معبود ہیں، ''احد'' کے لفظ نے اس کی نفی کر دی کہ خدا ایک ہی ہوسکتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں۔

(۲) کبھی منصب و مرتبہ میں شرک ہوتا ہے، جیسے اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو رزق کا دیوتا، کسی کو علم کی دیوی، کسی کو زندگی اور موت کا مالک سمجھ لیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کی جو خصوصی صفات ہیں، ان میں دوسروں کو شریک ٹھہرا لیا جائے، ''صمد'' کے لفظ سے اس کی تردید ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کام کے انجام دینے میں کسی شریک و مددگار کی ضرورت نہیں، وہ بے نیاز اور اپنے آپ میں کافی ہیں۔

(۳) کبھی شرک اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے لئے کنبہ مان لیا جاتا ہے، جیسے: خدا کا بیٹا، خدا کا باپ، خدا کی بیوی، اور تصور کیا جاتا ہے کہ جب یہ خدا کا رشتہ دار ہے تو خدائی اس میں بھی ہے —— ''لم یلد و لم یولد'' کہہ کر اس کی جڑ کاٹ دی گئی کہ نہ خدا کی کوئی اولاد ہے اور نہ خدا خود کسی کی اولاد ہے۔

(۴) شرک کا چوتھا سبب یہ ہے کہ بعض قومیں شخصیتوں کے بارے میں یہ فرض کر لیتی ہیں کہ وہ ان کے کام کر سکتے ہیں اور خدا پر اثر انداز ہوسکتے ہیں —— ''لم یکن له کفواً أحد'' کہہ کر اس کا رد کر دیا گیا کہ کوئی اللہ کے برابر اور ہمسر ہے ہی نہیں، جو اس پر اثر انداز ہوسکے۔ (دیکھئے: تفسیر عزیزی، پارہ عم: ۲۸۱)

غرض کہ یہ سورہ اس بات کو بے غبار کرتی ہے کہ نہ ذات کے اعتبار سے اللہ کا کوئی شریک ہے اور نہ صفات و اختیارات کے اعتبار سے —— اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت 'صمد' بیان کی گئی ہے، اُردو میں اس کا ترجمہ بے نیاز سے کیا جاتا ہے، اس سے دراصل وہ ذات مراد ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰ ۲۴۵)

معوذتین (فلق ، ناس)

- سورہ نمبر : (۱۱۳، ۱۱۴)
- رکوع : (۱، ۱)
- آیتیں : (۵، ۶)
- نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ہیں، جن میں سے پہلی سورہ کی آیت نمبر:۱ میں 'فلق' اور دوسری سورہ کی آیت نمبر:۱ میں 'ناس' کا لفظ آیا ہے، اسی مناسبت سے ان سورتوں کے نام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بعض یہودیوں نے سحر کر دیا تھا اور دنیاوی اُمور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قدر بھول ہونے لگی تھی، اسی سلسلہ میں ایک ساتھ یہ دونوں سورتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُتاری گئیں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں، جس واقعہ کے پس منظر میں یہ دونوں سورتیں نازل ہوئی ہیں، ان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ مکی سورتوں میں ہیں۔

یہ سورتیں بنیادی طور پر ہر طرح کے شرور سے امن وحفاظت کی دُعا پر مشتمل ہیں، حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد ان دونوں سورتوں کو تاکید سے پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، (مسند احمد، عن عقبہ بن عامرؓ، حدیث نمبر: ۲۰۲۸۴) حضرت عقبہؓ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات کے نازل ہونے کے بعد فرمایا: یہ ایسی آیات ہیں کہ ان جیسی آیات دیکھی نہیں گئیں، (مسند احمد، عن عقبہ بن عامرؓ، حدیث نمبر: ۱۷۳۰۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمولِ مبارک تھا کہ جب سونے کے لئے بستر پر لیٹتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے اور سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کرتے اور پورے جسم پر اسے اس طرح پھیرتے کہ پہلے سر مبارک اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے، پھر جسم کے سامنے کے حصہ پر، تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل ہوتا۔ (بخاری، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۵۰۱۷)

○ ○ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٪﴿۵﴾

ع ۱ ۵ ۳۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ آپ کہہ دیجئے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، ﴿۱﴾ تمام مخلوقات کے شر سے ﴿۲﴾ اور اندھیری رات کے شر سے جب کہ اس کی تاریکی پھیل جائے، ﴿۳﴾ اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونک مارتی ہیں، ﴿۴﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔ ﴿۱﴾ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کی سیاست اور معیشت دونوں پر یہودیوں کو غلبہ حاصل تھا، سیاست پر اس لئے کہ مدینہ کے دونوں قبائل اَوس و خزرج کو وہ ہمیشہ آپس میں لڑاتے رہتے تھے، اور اکثر ان کے فیصلے یہودیوں کے پاس جاتے تھے، معیشت پر انھیں یہ غلبہ حاصل تھا کہ پوری تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی، مدینہ کے لوگ بھی اپنا مال ان ہی کی مارکٹ میں بیچتے تھے، مدینہ کے اصل باشندے زراعت پیشہ تھے؛ اس لئے انھیں قرض کی ضرورت پڑتی تھی، یہودی ان کو سود پر قرض دیتے تھے، اور سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ رہن کے طور پر مقروض کی عورت تک کا مطالبہ کرتے تھے، سیاسی اور معاشی صورت حال کے علاوہ مذہبی اعتبار سے بھی مدینہ کے لوگ انھیں اپنے آپ سے فائق سمجھتے تھے؛ اس لئے بعض اوقات ماں باپ نذر مانتے تھے کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہ گیا تو میں اسے یہودی بنادوں گا، جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو ان کی یہ چودھراہٹ ختم ہوگئی؛ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی؛ لیکن ان کی یہ کوشش رائیگاں ہی ہوتی گئی۔

یہودیوں میں شروع سے جادو ٹوٹکے کا رواج رہا ہے، بائبل میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، اس زمانہ میں بنوزُرَیق کا ایک شخص لبید بن اعصم بحیثیت جادوگر مشہور تھا، اگر چہ یہ قبیلہ اہل مدینہ کا تھا؛ لیکن قبیلہ کے بعض لوگ یہودی ہو گئے تھے، ان ہی میں لبید بھی تھا؛ چنانچہ خیبر کے ایک وفد نے لبید سے ملاقات کی اور اس سے خواہش کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کردے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے، ایک یہودی لڑکا حضور ﷺ کی خدمت میں آتا رہتا تھا، کسی طرح اس کے ذریعہ آپ ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند مبارک بال حاصل کر لئے گئے، لبید اور اس کی بیٹیوں نے ـــــ جو خود بھی اس فن میں ماہر تھیں ـــــ ان بالوں کے ذریعہ آپ ﷺ پر جادو کیا اور ان چیزوں کو نر کھجور کے خوشہ میں رکھ کر بنوزُریق کے ایک کنویں میں پتھر سے دبا کر رکھ دیا، رسول اللہ ﷺ پر اس کا اثر پڑنا شروع ہوا، اور یہ اثر بنیادی طور پر دو شکل میں سامنے آیا، ایک یہ کہ آپ ﷺ کو بہت ضعف ہونے لگا، دوسرے کسی قدر بھول؛ کہ آپ ﷺ کسی کام کو کرتے اور بھول جاتے کہ آپ ﷺ نے اس کام کو کیا ہے؛ لیکن آپ ﷺ کے پیغمبرانہ فرائض پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

پھر ایک دن آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے سرہانے اور پاؤں کی طرف ایک ایک آدمی بیٹھ گیا اور وہ آپس میں ←

← بات کرنے لگے، ایک نے پوچھا: ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کر دیا گیا ہے، پھر ایک نے پوچھا: کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: لبید بن اعصم نے، پھر ایک طرف سے سوال ہوا: کس چیز میں؟ دوسرے نے بتایا: کنگھی کے ٹکڑے اور چند بالوں پر کھجور کے خوشہ میں رکھ کر، پھر ایک نے پوچھا: اسے رکھا کہاں ہے؟ دوسرے نے کہا: ذی اَوران نامی کنویں کی تہہ میں پتھر کے نیچے، پھر ایک نے دریافت کیا: اب اس کا علاج کیا ہے؟ دوسرے نے بتایا: کنویں کا پانی خالی کر دیا جائے اور پتھر کے نیچے دبی ہوئی چیزوں کو نکال لیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو وہاں بھیجا اور آپ خود بھی تشریف لے گئے، پہلے کنویں کا پانی صاف کر دیا گیا، پھر وہ پتھر ملا، اسے اُٹھایا گیا تو نیچے سے وہ غلاف ملا، غلاف کھولا گیا تو اس میں کنگھی کا ایک ٹکڑا اور تانت میں بندھے ہوئے چند بال تھے، اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ فلق اور سورۂ ناس لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا: آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جائیں، ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں، اس طرح گیارہ گرہیں کھل گئیں اور جادو کا اثر ختم ہو گیا، صحابہ چاہتے تھے کہ لبید کا سر قلم کر دیا جائے؛ لیکن آپ ﷺ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرما دی، یہ کافی ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ کی کوئی آگ بھڑکے۔ (بخاری، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۴۳۳، نیز دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/ ۲۵۲)

اس واقعہ کے پس منظر میں چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، اول: اس سے ثابت ہوا کہ جادو کا بھی اثر ہوتا ہے، دوسرے: جادو کا اثر پیغمبر پر بھی ہو سکتا ہے؛ البتہ پیغمبر چوں کہ انسانیت کے لئے نمونہ ہوتا ہے؛ اس لئے اس پر ایسا اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ کار پیغمبری کو متاثر کر دے، تیسرے: جھاڑ پھونک جائز ہے، اگر اس میں اسلامی عقیدہ کے خلاف کوئی چیز نہ ہو؛ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما پر: ''أعیذ بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة'' پڑھ کر دم کیا کرتے تھے، (بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۱۹۱) چوتھی بات یہ ہے کہ سورۂ فلق اور سورۂ ناس صرف تعوذ کی دُعائیں نہیں ہیں؛ بلکہ یہ قرآن مجید کی دو سورتیں ہیں؛ چنانچہ خود حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر چند ایسی آیتیں نازل ہوئیں، جن کے مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئیں اور وہ ہیں: معوذتین۔ (الدر المنثور: ۸/ ۶۸۴)

ان میں سے پہلی سورہ ''سورۂ فلق'' میں چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی گئی ہے، ایک: تمام مخلوقات کے شر سے، اس میں انسان، جنات، ضرر رساں جانور، نقصان پہنچانے والے پودے، بیماری پیدا کرنے والی غذائیں سب شامل ہیں، دوسرے: اندھیری رات کے شر سے؛ کیوں کہ دنیا میں شر اور نقصان کی بہت سی صورتیں رات کی تاریکی ہی میں نقصان پہنچاتی ہیں، چور، اُچکے، ڈاکے ڈالنے والے، قاتل، درندہ جانور، سانپ، بچھو وغیرہ رات ہی میں سرگرم عمل ہوتے ہیں، زیادہ تر رات ہی کے وقت شباب و شراب کی محفلیں جمتی ہیں اور پاکدامن عورتوں کی عصمت و آبرو نیلام کی جاتی ہے، تیسرے: گرہوں میں پھونک مارنے والیوں یعنی جادوگرنیوں کے شر سے؛ چوں کہ زیادہ تر جادو کا عمل عورتوں کے ذریعہ ہوتا ہے؛ اس لئے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا، چوتھے: حسد کرنے والوں کے شر سے، حسد سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی کی نعمت کو دیکھ کر جلے اور تمنا کرے کہ اس کی یہ نعمت ختم ہو جائے، صرف اس تمنا سے تو انسان کو نقصان نہیں پہنچتا؛ لیکن کبھی کبھی یہ حاسدانہ جذبہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ حاسد عملی قدم اُٹھا بیٹھتا ہے؛ اس لئے اس سے پناہ چاہی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِکِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾
الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿۶﴾

ع ۱
۳۹

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ○ آپ کہہ دیجئے: میں انسانوں کے رب ﴿۱﴾ انسانوں کے بادشاہ، ﴿۲﴾ انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، ﴿۳﴾ وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے اور نظر نہ آنے والے (شیطان) کے شر سے، ﴿۴﴾ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، ﴿۵﴾ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ ﴿۱﴾ ﴿۶﴾

﴿۱﴾ سورۂ ناس میں پناہ صرف شیطان سے چاہی گئی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ — جن کی پناہ طلب کی جارہی ہے — کی تین تین صفات بیان ہورہی ہیں، اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کی، مالک وحاکم ہونے کی اور معبود ہونے کی؛ کیوں کہ مشرک قومیں ان ہی صفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتی ہیں، ربوبیت میں، حاکمیت میں اور معبودیت میں، (دیکھئے: تفسیر ماجدی: ۷/۶۵۴) اور شیطان کے جس وصف کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، وہ ہے: وسوسہ ڈالنا؛ کیوں کہ ہر بُرائی اور جرم کی ابتدا وسوسہ سے ہوتی ہے، نیز شیطان کو 'خناس' بھی کہا گیا، یعنی نظر نہ آنے والا یا پیچھے ہٹ جانے والا، یعنی شیطان یا شیطانی کام کرنے والے لوگ سامنے سے آکر گمراہ کرنے والی بات نہیں کہتے؛ بلکہ پیچھے رہ کر گمراہ کرتے ہیں؛ اسی لئے حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شیطان غفلت کی حالت میں انسان کے اندر وسوسہ پیدا کرتا ہے، اگر انسان اللہ کو یاد کرلیتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۶۲)

آیت نمبر: ۶ میں یہ بات بھی واضح کردی گئی کہ وسوسہ پیدا کرنے والے جنات تو ہوتے ہی ہیں، انسان بھی ہوتے ہیں، جن کو شیطان اپنا آلۂ کار بناتا ہے، آج کل علم کے نام پر جو گمراہیاں پھیلائی جارہی ہیں: سود کو معاشی نظام کے استحکام کے لئے لازم قرار دینا، ہم جنسی کے عمل کو درست قرار دینا، قمار کو عالمی سطح پر رواج دینا، شریعت کے احکام کو از کار رفتہ بتانا، وغیرہ، یہ سب انسانی وساوس کی قسمیں ہیں، جن کا فتنہ آج پوری دنیا میں پھیلایا جارہا ہے۔

حرفِ آخریں

قرآن مجید کے ترجمہ وحواشی کا کام یکم رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کو شروع کیا گیا اور طویل وقفوں کے ساتھ جو بعض دفعہ ایک ایک سال سے بھی بڑھ جاتا، بیسویں پارے کے ختم تک مع حواشی کام مکمل ہوا اور کسی وقفہ فرصت کے انتظار میں کام رُک سا گیا، پھر ستمبر ۲۰۱۴ء کے پہلے ہفتہ میں اسلامک فائنانس اور احکام تجارت سے متعلق ایک پروگرام میں شرکت کے لئے سری نگر (کشمیر) کا سفر ہوا، اسی وقت یہاں ایک ایسا ہولناک سیلاب آیا، جس سے جان کے لالے پڑ گئے، میں اس وقت عزیزی مولانا اعجاز بانڈے قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ (سری نگر) کے مکان پر بحیثیت مہمان مقیم تھا، جناب مولانا محمد شفیق بڑودوی (استاذ دار العلوم بڑودہ) اور بعض دیگر رفقاء بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، اگرچہ اس وقت ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور نچلی منزل پانی سے بھر چکی تھی؛ لیکن سوچا گیا کہ یہی اللہ سے لَو لگانے کا وقت ہے؛ چنانچہ سبھوں نے ذکر ودُعا اور تلاوت ونماز کا خصوصی اہتمام کیا، اس کے ساتھ ساتھ اس حقیر نے اکیسویں پارے کے آغاز سے محب عزیز مولانا محمد شفیق صاحب کو ترجمہ بھی املاء کرانا شروع کیا؛ کہ اگر اللہ کی طرف سے یہ آخری وقت ہے تو یہ وقت اللہ کی کتاب کی خدمت میں گزر جائے، بہر حال پون پارہ کا ترجمہ اسی حال میں ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے سیلاب کے باقی رہنے کے باوجود وہاں سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیا۔

واپسی کے بعد کافی عرصہ کے وقفہ کے ساتھ رجب ۱۴۳۶ھ کے دوسرے عشرہ میں 'مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ' کے سیمینار میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر ہوا، اسی سفر کے دوران سورۂ احزاب اور سورۂ سبا کا ترجمہ کیا گیا، ارادہ تھا کہ اس کے حواشی لکھ دیئے جائیں؛ لیکن پھر دوستوں کے مشورے سے یہ بات طے پائی کہ پہلے ترجمہ مکمل کر لیا جائے؛ کیوں کہ تلگو ومراٹھی میں اس ترجمہ کا ترجمہ شروع ہو چکا تھا اور مفردات القرآن کی کتابوں، عربی تفسیروں اور اُردو وفارسی کے ترجموں سے بار بار رُجوع کرنے کی وجہ سے ترجمہ ہی میں زیادہ وقت لگتا ہے؛ چنانچہ ۲/ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کو سورۂ فاطر کے آغاز سے ترجمہ کا کام شروع کیا گیا، جو دن میں بھی کیا گیا اور بالخصوص رات میں تراویح سے قُبیل سحر تک اس کا معمول رکھا گیا، اس طرح بحمد اللہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کی ۱۹/ ویں شب مطابق: ۲۴/ جولائی ۲۰۱۵ء، ڈیڑھ بجے ترجمہ کا کام مکمل ہوا اور اس کی آخری سطریں املا کرائی گئیں، پھر عید الفطر کے چند دنوں بعد ۲۱/ ویں پارہ کے تشریحی حواشی کا کام شروع کیا گیا اور ۱۶/ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، مطابق: ۲۰/ ستمبر ۲۰۱۵ء کو اس کی تکمیل ہوئی۔

چوں کہ اس حقیر کی عادت املا کرانے کی ہے؛ اس لئے ہمیشہ کسی فہیم اور مزاج شناس معاون کی ضرورت پڑتی ہے، جو صحیح طور پر رموزِ تحریر کی رعایت کے ساتھ لکھتا جائے ، اور چوں کہ میں تیز تیز لکھاتا ہوں تو اس میں زود نویسی بھی ہو اور خوش نویسی بھی، اس سلسلہ میں اس حقیر سے تعلیم و تعلّم کا تعلق رکھنے والے مختلف عزیزوں سے مدد ملتی رہی؛ لیکن سب سے زیادہ تعاون عزیزی الاعز مولانا محمد فرقان فلاحی سلمہ اللہ تعالیٰ (اورنگ آباد) کا حاصل ہوا، جو اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر ہر سال آخری عشرہ میں میرے ساتھ اعتکاف کرتے اور اس کام میں پوری خوش دلی اور رغبت کے ساتھ تعاون کرتے رہے، بالخصوص اِس رمضان المبارک (۱۴۳۶ھ) میں وہ شروع ہی سے آگئے اور نہ صرف گیارہ بارہ بجے دن سے وقفۂ نماز کو چھوڑ قبیل افطار تک ساتھ رہے؛ بلکہ تراویح کے بعد سے سحر تک بھی ہم دونوں نے ساتھ مل کر کام کیا، ان کے علاوہ جس عزیز نے اس سلسلہ میں خصوصی طور پر حسن رفاقت کا ثبوت دیا، وہ ہیں عزیزی القدر مولانا محمد اسعد قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ (دربھنگہ، حال مقیم : بنگلور)، اسی طرح حدیث وفقہ سے متعلق حوالہ جات کی تخریجات میں یوں تو مختلف عزیزوں سے مدد ملتی رہی؛ لیکن عزیزی مولانا محمد جہانگیر اصلاحی سلمہ (شعبۂ تحقیق) کا خصوصی تعاون شامل حال رہا، اور عزیزی مولانا محمد نصیر عالم سبیلی سلمہ (العالم اُردو کمپیوٹرس ، حیدرآباد) نے پہلی ہی جلد کی طرح خلوص ومحبت کے ساتھ کمپوزنگ ، سیٹنگ اور ڈیزائننگ کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ ان سبھی حضرات کے علم وعمل ، صحت وزندگی اور رزق میں خوب خوب برکت عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو دنیا وآخرت میں سرفرازی کا باعث بنائے۔

زندگی کے اس مبارک اور تاریخی لمحہ میں میری جبیں شکر بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اپنے اس حقیر بندہ سے ٹوٹی پھوٹی سہی ، اپنی کتاب کی خدمت لی ، بندۂ کریم بھی کسی مردِ بے نوا کے تحفہ کو اس کی کم قیمتی کی وجہ سے واپس نہیں کرتا، چاہے وہ کتنا ہی گیا گذرا ہو، اور وہ تو کریموں کا کریم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے، رحیم ورحمان اور عفو وغفور ہے؛ اس لئے اُمید یہی ہے کہ وہ اپنے غلام بے دام کی اس حقیر کوشش کو بھی دنیا وآخرت میں قبولیت سے نوازے گا۔

اس موقع پر مجھے اپنے والدین مرحومین حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ اور محترمہ بلقیس جہاں صاحبہؒ کی یاد آتی ہے، جن کی تربیت ، میری تعلیم کی طرف توجہ، فکرمندی اور پرسوز دُعاؤں کے طفیل یہ حقیر اس لائق ہوسکا کہ دین اور علم دین کی کوئی خدمت کرسکے، اس کے علاوہ اس بے مایہ نے تعلیم وتدریس، تحقیق وتالیف اور دعوت وتذکیر کے پہلو سے جو کچھ خدمت انجام دی ہے، اس میں اس کی شریک حیات سیدہ جناب صوفیہ نصرت عابدین صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ کا برابر کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے ظاہری ومعنوی محاسن سے نوازا ہے؛ کہ بہت کم خواتین میں یہ خوبیاں جمع ہوتی ہیں، نیز انھیں قرآن مجید کی تلاوت اور ترجمہ وتفسیر پڑھنے کا بھی خاص جذبہ عطا فرمایا گیا ہے اور اسی جذبہ کے تحت انھوں نے ایک معلمہ سے لفظاً لفظاً پورے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا ہے، انھوں نے مجھے ہمیشہ سے ہر طرح کی گھریلو

اُلجھنوں سے بچا کر رکھا، بچوں کی تربیت پر توجہ دی، مجھے دینی وعلمی کاموں کے لئے یکسو کردیا اور اس کے ساتھ ساتھ نالۂ نیم شبی اور آہِ سحر گاہی کا بھی اہتمام کرتی رہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے نوازے۔ آمین

والحمد لله أولاً وآخراً وصلى الله علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ
آله وصحبه اجمعين ، ومن تبعهم بإحسان الىٰ يوم الدين ۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(بیت الحمد، شاہین نگر، حیدرآباد)

۲۵؍شوال ۱۴۳۷ھ
۳۱؍جولائی ۲۰۱۶ء

○ ○ ○